دار العلوم دیوبند کی

جامع و مختصر تاریخ

ڈیڑھ سو سالہ حالات، خدمات اور شخصیات کا تاریخی مرقع

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مفتی ابو القاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم

مہتمم دار العلوم دیوبند

ترتیب

مولانا محمد اللہ قاسمی

شیخ الہند اکیڈمی دار العلوم دیوبند

دار العلوم دیوبند کی

جامع و مختصر تاریخ

ڈیڑھ سو سالہ حالات، خدمات اور شخصیات کا تاریخی مرقع

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مفتی ابو القاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم

مہتمم دار العلوم دیوبند

ترتیب

مولانا محمد اللہ قاسمی

ناشر

شیخ الہند اکیڈمی دار العلوم دیوبند

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی، مہتمم دارالعلوم دیوبند

زیر انتظام

حضرت مولانا بدرالدین اجمل صاحب قاسمی، ڈائریکٹر شیخ الہند اکیڈمی، دارالعلوم دیوبند

سلسلۂ مطبوعات شیخ الہند اکیڈمی، دارالعلوم دیوبند: (54)

نام کتاب : دارالعلوم دیوبند کی جامع و مختصر تاریخ

مرتب : مولانا محمد اللہ قاسمی

صفحات : ۷۵۲

سن اشاعت : محرم ۱۴۳۸ھ/۲۰۱۶ء

اشاعت دوم : ربیع الاول ۱۴۳۸ھ/ دسمبر ۲۰۱۶ء

ٹائپ سیٹنگ : مولانا عبدالہادی قاسمی

ناشر : شیخ الہند اکیڈمی، دارالعلوم دیوبند

مطبوعہ ایچ۔ایس آفسٹ پرنٹرز، نئی دہلی-۲

Email: info@darululoom-deoband.com
Web: www.darululoom-deoband.com

فہرست مضامین

- تفصیلات ____ ۲
- مقدمہ: حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی ____ ۳۳
- تعارف: حضرت مولانا بدرالدین اجمل صاحب قاسمی ____ ۳۵
- حرف آغاز: مرتب ____ ۳۷

پہلا باب: دارالعلوم دیوبند، پس منظر اور نصب العین ____ ۴۱-۵۶

- دارالعلوم دیوبند ____ ۴۲
- قیام دارالعلوم کا پس منظر ____ ۴۶
- دارالعلوم دیوبند کا نصب العین اور بنیادی اصول ____ ۵۱

نصب العین کی تشریح ____ ۵۲

حضرت نانوتویؒ کے اصول ہشتگانہ ____ ۵۳

اصول ہشتگانہ کی خصوصیات ____ ۵۴

دوسرا باب: دارالعلوم دیوبند کا ڈیڑھ سو سالہ سفر ____ ۵۷-۱۳۸

- بنائے دارالعلوم دیوبند ____ ۵۸
- دارالعلوم دیوبند کا پہلا دور (۱۲۸۳ھ تا ۱۳۱۳ھ) ۳۰ سال ____ ۶۱
- دارالعلوم دیوبند کا دوسرا دور (۱۳۱۳ھ تا ۱۳۴۸ھ) ۳۶ سال ____ ۷۰
- دارالعلوم دیوبند کا تیسرا دور (۱۳۴۸ھ تا ۱۴۰۱ھ) ۵۲ سال ____ ۸۳
- دارالعلوم دیوبند کا موجودہ دور (۱۴۰۱ھ تا ۱۴۳۳ھ) ۳۲ سال ____ ۹۸
- موجودہ دور کی ترقیات ____ ۱۱۳

تعلیمی نظام کی ترقیات ۱۱۳
دفاع اسلام سے متعلق شعبوں کا قیام ۱۱۵
جدید تقاضوں سے ہم آہنگ شعبوں کا قیام ۱۱۶
کل ہند رابطۂ مدراس عربیہ کا قیام ۱۱۷
تعمیراتی ترقیات ۱۱۷
● **عمارات دارالعلوم اوران کا تعارف** ۱۱۹
عمارت نودرہ (احاطۂ مولسری) ۱۱۹
دفتر اہتمام ۱۲۱
دارالطلبہ (احاطۂ باغ) ۱۲۱
دفتر محاسبی ۱۲۱
کتب خانہ ۱۲۲
مسجد دارالعلوم (قدیم) ۱۲۲
دارالحدیث ۱۲۴
مسجد ریلوے اسٹیشن ۱۲۶
دارالاقامہ (دارجدید) ۱۲۶
دارالحدیث فوقانی ۱۲۷
درس گاہ فارسی ۱۲۸
محافظ خانہ ۱۲۸
دارالتفسیر ۱۲۸
باب الظاہر ۱۲۸
دارالطعام (مطبخ) ۱۲۹
دارالافتاء ۱۲۹
دارالقرآن ۱۲۹
مہمان خانہ ۱۳۰
دارالشفاء وجامعہ طبیہ ۱۳۰

مسجد چھتہ کی توسیع ___ ۱۳۱
افریقی منزل قدیم ___ ۱۳۱
افریقی منزل جدید ___ ۱۳۱
رواق خالد ___ ۱۳۱
دارالمدرسین ___ ۱۳۲
دارالتربیت ___ ۱۳۲
مسجد رشید ___ ۱۳۲
شیخ الہند منزل (اعظمی منزل) ___ ۱۳۴
حجۃ الاسلام منزل (مدرسہ ثانویہ) ___ ۱۳۴
شیخ الاسلام منزل (آسامی منزل) ___ ۱۳۴
حکیم الامت منزل (تحفیظ القرآن) ___ ۱۳۵
دار جدید (تعمیر نو) ___ ۱۳۵
شیخ الہند لائبریری ___ ۱۳۶
جدید درس گاہیں ___ ۱۳۷
جدید مطبخ ___ ۱۳۷
گذشتہ عشروں کی دیگر تعمیراتی سرگرمیاں ___ ۱۳۷

تیسرا باب: دارالعلوم دیوبند کا مسلک، فکری منہج اور سلسلۂ سند ___ ۱۳۹-۱۶۰

- دارالعلوم دیوبند کا مسلک ومشرب ___ ۱۴۰

علم شریعت ___ ۱۴۲
پیروئ طریقت ___ ۱۴۳
اتباعِ سنت ___ ۱۴۳
فقہی حنفیت ___ ۱۴۳
کلامی ماتریدیت ___ ۱۴۴
دفاع زیغ وضلالت ___ ۱۴۴

ذوق قاسمیت ورشیدیت ۱۴۴
- دارالعلوم دیوبند کا فکری منہج ۱۴۷
توحید ۱۴۸
خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ۱۴۸
صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ۱۴۸
صلحائے امت ۱۴۹
فقہ اور فقہاء ۱۴۹
فقہ میں سنت کی راہیں ۱۵۰
علمائے دیوبند کا فکری اعتدال ۱۵۱
- دارالعلوم دیوبند کا سلسلۂ سند واستناد ۱۵۳
دارالعلوم کا سلسلۂ سند ۱۵۴
اکابر دارالعلوم کا سلسلۂ سند حدیث ۱۵۵
اکابر دارالعلوم کا سلسلۂ احسان وسلوک ۱۵۵
- دارالعلوم کی خصوصیات ۱۵۸

چوتھا باب: دارالعلوم کا نظم ونسق اور شعبہ جات ۱۶۱-۱۹۸

- دارالعلوم کا نظم ونسق ۱۶۲
مجلسِ شوریٰ ۱۶۲
مجلسِ عاملہ ۱۶۳
مہتمم دارالعلوم ۱۶۳
نائب مہتمم ۱۶۴
صدر مدرس اور مجلس تعلیمی ۱۶۴
ناظم تعلیمات ۱۶۴
دفاتر وشعبہ جات ۱۶۵

- دارالعلوم کے انتظامی شعبہ جات ____ ۱۶۷

(۱) ادارۂ اہتمام ____ ۱۶۷

(۲) شعبۂ محاسبی ____ ۱۶۷

(۳) محافظ خانہ ____ ۱۶۸

(۴) کتب خانہ ____ ۱۶۸

(۵) شعبۂ تنظیم وترقی ____ ۱۷۲

(۶) دارالاقامہ ____ ۱۷۲

(۷) شعبۂ مطبخ ____ ۱۷۳

(۸) شعبۂ تعمیرات ____ ۱۷۴

(۹) شعبۂ اوقاف ____ ۱۷۴

(۱۰) مکتبہ دارالعلوم ____ ۱۷۵

(۱۱) شعبۂ برقیات ____ ۱۷۵

(۱۲) عظمت اسپتال ____ ۱۷۵

(۱۳) دفتر صفائی وچمن بندی ____ ۱۷۶

(۱۴) شعبۂ خریداری ____ ۱۷۶

(۱۵) اسٹاک روم ____ ۱۷۷

(۱۶) کمپیوٹر برائے کتابت ____ ۱۷۷

(۱۷) رابطۂ مدارس اسلامیہ ____ ۱۷۸

(۱۸) شعبۂ مکاتبِ اسلامیہ ____ ۱۸۰

- دارالعلوم کے تعلیمی شعبہ جات ____ ۱۸۱

(۱) شعبۂ عربی وتکمیلات ____ ۱۸۱

(۲) شعبۂ تجوید وقرأت ____ ۱۸۳

(۳) شعبۂ تحفیظ القرآن وناظرہ ____ ۱۸۳

(۴) شعبۂ دینیات اردو وفارسی ____ ۱۸۳

(۵) شعبۂ خوش خطی ____ ۱۸۴

(۶)شعبۂ دارالصنائع ۱۸۴

(۷)شعبۂ کمپیوٹر ۱۸۵

(۸)شعبۂ انگریزی زبان وادب ۱۸۵

- **دارالعلوم کے علمی ودعوتی شعبہ جات ۱۸۷**

(۱)دارالافتاء ۱۸۸

(۲)شعبۂ انٹرنیٹ وآن لائن فتوی ۱۸۹

(۳)شعبۂ تبلیغ ۱۹۰

(۴)شیخ الہند اکیڈمی ۱۹۱

(۵)مجلس تحفظ ختم نبوت ۱۹۲

(۶)شعبۂ ردعیسائیت ۱۹۳

(۷)دفتر محاضرات علمیہ ۱۹۴

(۸)دفتر ماہنامہ دارالعلوم ۱۹۵

(۹) دفتر الداعی ۱۹۶

(۱۰)شعبۂ ترتیب فتاوی ۱۹۷

(۱۱) شعبۂ تحفظ سنت ۱۹۷

پانچواں باب: دارالعلوم کا نصاب ونظام تعلیم ۱۹۹-۲۵۰

- **مدارس اسلامیہ کا نصاب تعلیم ۲۰۰**

ہندوستانی مسلمانوں کا نصابِ تعلیم ۲۰۱

پہلا دور ۲۰۲

دوسرا دور ۲۰۲

تیسرا دور ۲۰۲

چوتھا دور ۲۰۳

دارالعلوم دیوبند اور اس سے ملحقہ مدارس کا نصاب ۲۰۴

- دارالعلوم کا نظام تعلیم ______ ۲۰۶
اوقات تعلیم ______ ۲۰۶
امتحانات ______ ۲۰۶
قوانین امتحان ______ ۲۰۷
مفت تعلیم اور وظائف ______ ۲۰۸
تقسیم انعام ______ ۲۰۹
تصدیق نامہ اور سند ______ ۲۱۰
- دارالعلوم کی تعلیمی خصوصیات ______ ۲۱۱
مفت تعلیم ______ ۲۱۳
غیر فاصلاتی تعلیم ______ ۲۱۳
تعلیمی آزادی ______ ۲۱۴
طلب علم کا اعلیٰ مقصد ______ ۲۱۵
اعلی روحانی واخلاقی قدریں ______ ۲۱۶
- درجات تعلیم ______ ۲۱۸
فاضل کورس ______ ۲۱۹
تکمیلات وتخصصات ______ ۲۱۹
تجوید وحفظ قرآن ______ ۲۲۰
دینیات اردو وفارسی (پرائمری) ______ ۲۲۰
- نصاب تعلیم فاضل کورس (آٹھ سالہ) ______ ۲۲۱
سال اول عربی ______ ۲۲۱
سال دوم عربی ______ ۲۲۱
سال سوم عربی ______ ۲۲۲
سال چہارم عربی ______ ۲۲۳
سال پنجم عربی ______ ۲۲۳
سال ششم عربی ______ ۲۲۴

سال ہفتم عربی ۲۲۴
سال ہشتم عربی (دورۂ حدیث) ۲۲۵
- **نصاب تعلیم تکمیلات وتخصصات** ۲۲۶
تدریب فی التدریس (دوسال) ۲۲۶
تکمیل تفسیر (ایک سال) ۲۲۶
تخصص فی الحدیث (سال اول) ۲۲۶
تخصص فی الحدیث (سال دوم) ۲۲۷
تکمیل افتاء (ایک سال) ۲۲۸
تدریب علی الافتاء (سال اول) ۲۲۸
تدریب علی الافتاء (سال دوم) ۲۲۹
تکمیل علوم (ایک سال) ۲۳۰
تکمیل ادب عربی (ایک سال) ۲۳۰
تخصص فی الادب (ایک سال) ۲۳۱
ڈپلومہ ان انگلش لنگویج اینڈ لٹریچر - دوسال (شعبۂ انگریزی) ۲۳۲
ڈپلومہ ان کمپیوٹر اپلیکیشن - ایک سال (شعبۂ کمپیوٹر) ۲۳۳
ڈپلومہ ان جرنلزم (صحافت)، شیخ الہند اکیڈمی ۲۳۳
تحفظ ختم نبوت (شعبۂ تحفظ ختم نبوت) ۲۳۴
مطالعۂ عیسائیت (شعبۂ ردعیسائیت) ۲۳۴
مطالعۂ غیر مقلدیت (شعبۂ تحفظ سنت) ۲۳۴
محاضرات علمیہ (مطالعۂ ادیان وفرق) ۲۳۵
خوش خطی (ایک سال) شعبۂ خوش خطی ۲۳۵
خیاطی (ایک سال) شعبۂ دارالصنائع ۲۳۶
- **نصاب تعلیم تجوید وحفظ قرآن** ۲۳۸
تجوید بروایت حفص عربی (ایک سال) ۲۳۸
تجوید بروایت حفص اردو (دوسال) ۲۳۸

قرأت سبعہ (ایک سال) ۲۳۹
قرأت عشرہ (ایک سال) ۲۳۹
حفظ قرآن ۲۴۰
● **نصابِ تعلیم دینیات وفارسی (پرائمری)** ۲۴۲
درجہ اطفال ۲۴۲
درجہ اول ۲۴۲
درجہ دوم ۲۴۳
درجہ سوم ۲۴۳
درجہ چہارم (فارسی) ۲۴۴
درجہ پنجم (فارسی) ۲۴۵
● **قواعد داخلہ** ۲۴۶
جدید طلبہ کے لیے ۲۴۶
عام ضوابط ۲۴۸
غیر ملکی جدید طلبہ کے لیے ۲۴۸
قدیم طلبہ کے لیے ۲۴۹

چھٹا باب: خدمات دارالعلوم دیوبند ۲۵۱-۳۹۶

● **دارالعلوم دیوبند: تجدید دین کی عالم گیر تحریک** ۲۵۲
عالم اسلام کی مؤثر ترین دینی تحریک ۲۵۲
برصغیر میں احیائے اسلام کا مرکز ۲۵۳
عالمی دینی تعلیمی تحریک کا مرکز ۲۵۴
دفاعِ اسلام کا مضبوط قلعہ ۲۵۵
مرکزِ تجدید واحیائے دین ۲۵۹
● **دارالعلوم دیوبند: دینی تعلیمی تحریک کا بین الاقوامی مرکز** ۲۶۱
دارالعلوم کے طرز پر مدارس کا قیام ۲۶۲

برصغیر میں اسلامی مدارس کا جال ۲۶۳
بیرون ممالک میں دارالعلوم کے طرز پر مدارس کا قیام ۲۶۵
● علمائے دیوبند اور تحفظ دین کی خدمات ۲۶۷
عیسائیت کی یلغار کے خلاف میدان میں ۲۶۷
آریہ سماج کا فتنہ اور اس کی سرکوبی ۲۷۰
فتنۂ ارتداد اور ہندو احیاپرستی کا مقابلہ ۲۷۰
● علمائے دیوبند اور عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ ۲۷۴
مرزا غلام احمد کی تکفیر اور قادیانیت کی سرکوبی ۲۷۴
پاکستان میں قادیانیت کی بیخ کنی ۲۷۶
رابطۂ عالمِ اسلامی کی متفقہ قرارداد ۲۷۷
قادیانیت کی ہندوستان واپسی اور دارالعلوم دیوبند کی خدمات ۲۷۸
ردقادیانیت پر علمائے دیوبند کی تصنیفی خدمات ایک نظر میں ۲۷۹
● دارالعلوم دیوبند اور ردشیعیت ۲۸۴
ہندوستان سے شیعی اثرات کا ازالہ ۲۸۴
ناموسِ صحابہ کا دفاع ۲۸۶
ایران کا شیعی انقلاب ۲۸۷
ردشیعیت میں علمائے دیوبند کی تصنیفی خدمات ۲۸۸
● شرک وبدعت کا مقابلہ ۲۹۰
ہندوستان میں مسلمانوں کی مذہبی وسماجی حالت ۲۹۰
علمائے حق میدانِ کارزار میں ۲۹۱
قرآن وحدیث کی تعلیمات کی اشاعت ۲۹۱
تزکیۂ باطن اور اتباعِ سنت کی تحریک ۲۹۲
وہابیت کا الزام ۲۹۳
احمد رضا خان صاحب کی تکفیری مہم ۲۹۳
رضاخانیت کا تعاقب ۲۹۴

رد بدعت میں علمائے دیوبند کی علمی خدمات ______ ۲۹۶
- **دارالعلوم دیوبند اور فتنۂ عدم تقلید کا تعاقب ______ ۳۰۰**

علمائے دیوبند کا ردّعمل ______ ۳۰۱
درس حدیث کا نیا طریقہ ______ ۳۰۱
مختلف فیہ مسائل پر تحریریں ______ ۳۰۲
غیر مقلدیت سلفیت کے پردے میں ______ ۳۰۳
فقہ اور فقہاء کے سلسلہ میں علمائے دیوبند کا موقف ______ ۳۰۴
رد غیر مقلدیت میں علمائے دیوبند کی علمی خدمات ______ ۳۰۵
- **غیر اسلامی افکار وتحریکات کے خلاف دارالعلوم دیوبند کی خدمات ______ ۳۰۹**

فتنۂ اعتزالِ جدید ______ ۳۰۹
تحریک خاکسار ______ ۳۱۰
فتنۂ انکارِ حدیث ______ ۳۱۰
مودودیت یا جماعتِ اسلامی ______ ۳۱۲
ردمودودیت میں علمائے دیوبند کی علمی خدمات ______ ۳۱۴
- **دارالعلوم دیوبند کی اصلاحی اور تبلیغی خدمات ______ ۳۱۷**

خانقاہوں کے ذریعہ اصلاحی خدمات ______ ۳۱۷
علم تصوف میں تصنیفی خدمات ______ ۳۲۰
شعبۂ تبلیغ دارالعلوم دیوبند ______ ۳۲۲
تبلیغی جماعت ______ ۳۲۳
- **قرآن وعلوم قرآن کی خدمات ______ ۳۲۵**

ترجمۂ قرآن، تفسیر اور علوم قرآنی پر علمائے دیوبند کی تصنیفات ______ ۳۲۶
تراجم قرآن ______ ۳۲۶
تفاسیر قرآن ______ ۳۲۷
متعلقات قرآن ______ ۳۲۹
تجوید وقرأت ______ ۳۳۱

- علمائے دیوبند اور خدمت حدیث ___ ۳۳۴
صحیح بخاری اور علمائے دیوبند کی خدمات ___ ۳۳۷
صحیح مسلم اور علمائے دیوبند کی خدمات ___ ۳۳۹
سننِ ترمذی کی خدمات ___ ۳۴۰
بقیہ کتب ستہ کی خدمات ___ ۳۴۱
دیگر کتب حدیث کی خدمات ___ ۳۴۱
متون احادیث کی تعلیق و تحقیق ___ ۳۴۲
مجموعۂ احادیث و کتب متعلقہ ___ ۳۴۳
- علمائے دیوبند کی فقہی خدمات ___ ۳۴۶
دارالافتاء ___ ۳۴۷
آن لائن فتوی ___ ۳۴۸
مدارس اسلامیہ میں قائم دارالافتاء ___ ۳۴۹
امارتِ شرعیہ ___ ۳۴۹
ادارۃ المباحثِ الفقہیہ اور اسلامک فقہ اکیڈمی ___ ۳۵۰
مجموعۂ فتاوی ___ ۳۵۱
فقہ القرآن والحدیث ___ ۳۵۲
تدوین فقہ، اصول فقہ، اسرارِ شریعت وغیرہ پر تصنیفات ___ ۳۵۴
کتب فقہیہ اور فقہی مسائل پر تصنیفات ___ ۳۵۵
جدید مسائل پر تصنیفات ___ ۳۵۶
شروح کتب فقہ ___ ۳۵۷
مشاہیر مفتیان و فقہائے کرام ___ ۳۵۷
- علمائے دیوبند کی عربی زبان و ادب کی خدمات ___ ۳۵۹
علم قرآن و تفسیر ___ ۳۶۱
علم حدیث ___ ۳۶۲
علم فقہ ___ ۳۶۴

علم عقائد وکلام ۳۶۵
تاریخ،سوانح وادب ۳۶۶
لغات ونصابی کتب ۳۶۶
اردو کتابوں کے عربی تراجم ۳۶۷
● علمائے دیوبند اور اردو زبان ۳۶۹
اردو کا ارتقاء اور علمائے دیوبند ۳۷۰
اردو زبان میں تصنیف وتالیف ۳۷۰
علمائے دیوبند کی اردو شاعری ۳۷۲
اردو صحافت اور علمائے دیوبند ۳۷۳
اردو اور مدارسِ اسلامیہ ۳۷۵
اردو اور مسلمان ۳۷۶
● تحریک آزادئ ہند اور علمائے دیوبند ۳۷۷
معرکۂ ۱۸۵۷ء میں اکابرین دیوبند کی شرکت ۳۷۸
دارالعلوم دیوبند: مجاہدین حریت کی چھاؤنی ۳۷۹
تحریک شیخ الہند ۳۸۰
جمعیۃ علمائے ہند اور جدوجہد آزادی ۳۸۴
● علمائے دیوبند کی ملّی اور سماجی خدمات ۳۸۹
جمعیۃ علمائے دیوبند اور اس کی ملّی وسماجی خدمات ۳۸۹
مسلم پرسنل لا تحفظ ۳۹۲
مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام ۳۹۳
دہشت گردی کی مخالفت اور امن پسندی ۳۹۵

ساتواں باب: دارالعلوم دیوبند مشاہیر کی نظر میں ۳۹۷-۴۲۸

● مشاہیر ہند کی نظر میں ۳۹۹
مولانا ابوالکلام آزاد ۳۹۹

مولانا شوکت علی ___ ۳۹۹
ڈاکٹر راجندر پرشاد ___ ۳۹۹
نواب بہادر یار جنگ ___ ۴۰۰
شیخ محمد عبداللہ، کشمیر ___ ۴۰۰
مولانا عبدالباری فرنگی محلّی ___ ۴۰۰
نواب لطیف یار جنگ بہادر ___ ۴۰۱
فخر الدین علی احمد ___ ۴۰۱
بی گوپال ریڈی ___ ۴۰۲
پروفیسر ہمایوں کبیر ___ ۴۰۲
اکبر علی خاں ___ ۴۰۳
حکیم عبدالحمید ___ ۴۰۳
● مشاہیر عرب وعجم کی نظر میں ___ ۴۰۴
محمد ظاہر شاہ درانی ___ ۴۰۴
سردار نجیب اللہ خاں ___ ۴۰۴
سید رشید رضا مصری ___ ۴۰۵
انوار السادات ___ ۴۰۵
شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ شامی ___ ۴۰۵
شیخ الازہر عبدالحلیم محمود ___ ۴۰۶
شیخ محمد الحکیم (مفتی حلب، شام) ___ ۴۰۷
شیخ محمد الفحام ___ ۴۰۷
شیخ یوسف السیّد ہاشم الرفاعی ___ ۴۰۸
شیخ عبداللہ عمر نصیف ___ ۴۰۸
شیخ عبداللہ عبدالمحسن الترکی ___ ۴۰۹
شیخ محمد بن عبداللہ السُّبَیّل ___ ۴۰۹
شیخ عائض ابن عبداللہ القرنی ___ ۴۱۰

شیخ محمد عوّامہ ۔۔۔۔ ۴۱۱

شیخ عبدالرحمٰن السّدیس ۔۔۔۔ ۴۱۲

شیخ سعود بن ابراہیم الشریم ۔۔۔۔ ۴۱۲

شیخ صالح بن عبدالعزیز بن محمد آل الشیخ ۔۔۔۔ ۴۱۲

- شعراء کے منظوم تاثرات ۔۔۔۔ ۴۱۴

ترانۂ دارالعلوم دیوبند— مولانا ریاست علی ظفؔر بجنوری ۔۔۔۔ ۴۱۴

قدیم ترانۂ دارالعلوم دیوبند— مولانا عبدالروٴف منصفؔ اعظمی ۔۔۔۔ ۴۱۷

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور دارالعلوم دیوبند— حضرت مولانا نسیم احمد فریدیؒ ۔۔۔۔ ۴۱۹

دارالعلوم دیوبند— مولانا ظفؔر علی خان مرحوم ۔۔۔۔ ۴۲۰

مظہرِ نورِ خدا دارالعلوم— جناب عثمان شاکؔر دیوبندی ۔۔۔۔ ۴۲۱

چمنستانِ دیوبند— جناب صابؔر مظفر آبادی، کشمیر ۔۔۔۔ ۴۲۲

وہ پہلا گھر علوم کا ہندوستان میں— مولانا محمد عثمان قاسمی جونپوری ۔۔۔۔ ۴۲۳

دیوبند! اے مرکزِ اسلام! تو زندہ رہے— حکیم آزاد شیرازی ۔۔۔۔ ۴۲۴

دارالعلوم دیوبند— جناب اکرام القادری، پاکستان ۔۔۔۔ ۴۲۶

دارالعلوم دیوبند— جناب زبیر افضؔل عثمانی ۔۔۔۔ ۴۲۷

آٹھواں باب: شخصیات دارالعلوم دیوبند ۔۔۔۔ ۴۲۹-۷۴۳

- دورِ اول کے علماء و اکابر دارالعلوم ۔۔۔۔ ۴۳۰

۱- حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ ۔۔۔۔ ۴۳۱

ابتدائی حالات ۔۔۔۔ ۴۳۱

جنگ آزادی میں شرکت ۔۔۔۔ ۴۳۲

احیائے سنت کی تحریک ۔۔۔۔ ۴۳۲

عیسائی پادریوں سے مناظرہ ۔۔۔۔ ۴۳۴

میلہ خداشناسی شاہجہاں پور ۔۔۔۔ ۴۳۴

مناظرہ رڑکی و میرٹھ ۔۔۔۔ ۴۳۵

دارالعلوم دیوبند اور دینی تعلیمی تحریک کا قیام ۴۳۶
مسند درس پر ۴۳۷
درس حدیث کا طریقہ ۴۳۸
تحشیۂ صحیح بخاری ۴۳۹
دیگر تصانیف ۴۴۰
وفات ۴۴۰
۲- حضرت حاجی سید عابد حسین دیوبندیؒ ۴۴۳
اوصاف وکمالات ۴۴۳
حضرت حاجی صاحب اور قیام دارالعلوم ۴۴۴
دارالعلوم دیوبند کے منصب اہتمام پر ۴۴۵
وفات ۴۴۶
۳- حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ۴۴۸
تعلیم اور ابتدائی حالات ۴۴۹
حضرت گنگوہیؒ کا علمی فیضان ۴۵۰
حضرت گنگوہیؒ کی علمی یادگاریں ۴۵۱
حضرت گنگوہیؒ اور دارالعلوم دیوبند ۴۵۱
وفات ۴۵۲
۴- حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ ۴۵۳
ابتدائی حالات ۴۵۳
دارالعلوم دیوبند میں ۴۵۴
اخلاق فاضلہ ۴۵۴
سفرِ حج ۴۵۵
علمی یادگار ۴۵۶
وفات ۴۵۶

۵- حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ ۔۔۔۔۔۔۔ ۴۵۷
دارالعلوم کے مسند اہتمام پر ۔۔۔۔۔۔۔ ۴۵۷
ہجرت اور انتقال ۔۔۔۔۔۔۔ ۴۵۸
۶- حضرت حاجی سید فضل حق صاحبؒ ۔۔۔۔۔۔۔ ۴۵۹
۷- حضرت مولانا محمد منیر صاحب نانوتویؒ ۔۔۔۔۔۔۔ ۴۶۰
۸- حضرت مولانا سید احمد صاحب دہلویؒ ۔۔۔۔۔۔۔ ۴۶۲
۹- شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ ۔۔۔۔۔۔۔ ۴۶۴
ابتدائی حالات ۔۔۔۔۔۔۔ ۴۶۴
علم وتقوی میں یگانۂ روزگار شخصیت ۔۔۔۔۔۔۔ ۴۶۴
حضرت شیخ الہند کا علمی فیضان ۔۔۔۔۔۔۔ ۴۶۶
تالیفات وتصنیفات ۔۔۔۔۔۔۔ ۴۶۶
ملکی وملی خدمات ۔۔۔۔۔۔۔ ۴۶۷
وفات ۔۔۔۔۔۔۔ ۴۶۹
۱۰- حضرت مولانا عبدالرحیم رائے پوریؒ ۔۔۔۔۔۔۔ ۴۷۰
ابتدائی حالات ۔۔۔۔۔۔۔ ۴۷۰
بیعت واجازت ۔۔۔۔۔۔۔ ۴۷۰
اوصاف وکمالات ۔۔۔۔۔۔۔ ۴۷۱
دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی ۔۔۔۔۔۔۔ ۴۷۲
سفر آخرت ۔۔۔۔۔۔۔ ۴۷۲
● دور ثانی کے علماء واکابر دارالعلوم ۔۔۔۔۔۔۔ ۴۷۴
۱- حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ ۔۔۔۔۔۔۔ ۴۷۵
ابتدائی حالات ۔۔۔۔۔۔۔ ۴۷۵
دارالعلوم کے مسند اہتمام پر ۔۔۔۔۔۔۔ ۴۷۶
اوصاف وکمالات ۔۔۔۔۔۔۔ ۴۷۷

زندگی کے آخری دن ۴۷۸
۲- حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ ۴۸۰
تصنیفات وتالیفات ۴۸۱
وفات ۴۸۲
۳- حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ۴۸۴
ولادت اور تعلیم ۴۸۴
ابتدائی حالات اور نسبت باطنی کا حصول ۴۸۵
تھانہ بھون میں مستقل قیام اور علمی ودینی خدمات ۴۸۵
تصنیفی خدمات ۴۸۶
دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی ۴۸۸
وفات ۴۸۸
۴- حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ ۴۹۰
ابتدائی حالات ۴۹۰
ایک باکمال شخصیت ۴۹۱
معروف تلامذہ ۴۹۴
تصنیفات وتالیفات ۴۹۴
وفات ۴۹۵
۵- حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ — صدر المدرسین وشیخ الحدیث ۴۹۶
ابتدائی حالات ۴۹۶
مسجد نبوی میں تدریس ۴۹۷
دارالعلوم میں مسند صدارت پر ۴۹۸
جہادِ حریت کی قیادت ۴۹۸
ایک جامع شخصیت ۴۹۹
تصنیفات وتالیفات ۵۰۰

وفات ۵۰۰
۶- حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ۵۰۲
ابتدائی حالات ۵۰۲
دارالعلوم میں تدریس اور صدارت اہتمام ۵۰۳
اوصاف وکمالات ۵۰۳
سیاسی خدمات ۵۰۴
علمی خدمات ۵۰۵
وفات ۵۰۶
۷- حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ ۵۰۷
ابتدائی حالات ۵۰۷
مسند افتاء پر ۵۰۸
اخلاق واوصاف ۵۰۹
وفات ۵۰۱
۸- حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ — صدر مفتی ۵۱۱
ابتدائی حالات ۵۱۱
دارالعلوم میں ۵۱۲
تصنیفات وتالیفات ۵۱۳
وفات ۵۱۳
۹- مولانا مفتی محمد شفیع عثانی دیوبندیؒ ۵۱۴
دارالعلوم دیوبند میں ۵۱۴
پاکستان میں ۵۱۵
حضرت مفتی صاحب کا علمی فیض ۵۱۵
وفات ۵۱۶
● دور ثالث کے علماء واکابر دارالعلوم ۵۱۷
۱- حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ۵۱۸

ابتدائی احوال ۵۱۸
دارالعلوم سے وابستگی ۵۱۹
خدمات وکارنامے ۵۲۰
علمی یادگاریں ۵۲۱
جلسۂ صدسالہ ۵۲۱
وفات ۵۲۲
۲- حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ ۵۲۳
ابتدائی حالات ۵۲۳
دارالعلوم دیوبند میں ۵۲۴
عظیم علمی شخصیت ۵۲۴
وفات ۵۲۵
۳- حضرت مولانا سید فخر الدین احمد مرادآبادیؒ ۵۲۶
ابتدائی حالات ۵۲۶
دارالعلوم دیوبند میں ۵۲۷
علمی وقومی خدمات ۵۲۸
وفات ۵۲۸
۴- حضرت مفتی سید مہدی حسن شاہجہانپوریؒ ۵۳۰
ابتدائی حالات ۵۳۰
دارالعلوم دیوبند میں ۵۳۱
اوصاف وکمالات ۵۳۱
تصنیفات وتالیفات ۵۳۲
وفات ۵۳۳
۵- حضرت مولانا سید فخر الحسن مرادآبادیؒ ۵۳۴
۶- حضرت مولانا شریف الحسن دیوبندیؒ ۵۳۵

- موجودہ دور کے علماء و اکابر دار العلوم ــــــــ ۵۳۷
- ۱- حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوریؒ ــــــــ ۵۳۸
  - ابتدائی حالات ــــــــ ۵۳۸
  - دار العلوم دیوبند سے وابستگی ــــــــ ۵۳۹
  - وفات ــــــــ ۵۴۲
- ۲- حضرت مولانا معراج الحق دیوبندیؒ ــــــــ ۵۴۳
  - ابتدائی حالات ــــــــ ۵۴۳
  - دار العلوم دیوبند میں ــــــــ ۵۴۳
  - وفات ــــــــ ۵۴۴
- ۳- حضرت مولانا نصیر احمد خان بلند شہریؒ ــــــــ ۵۴۵
  - ابتدائی حالات ــــــــ ۵۴۵
  - دار العلوم میں مسند تدریس پر ــــــــ ۵۴۶
  - اوصاف حمیدہ ــــــــ ۵۴۷
  - وفات ــــــــ ۵۴۸
- ۴- حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ ــــــــ ۵۴۹
  - ابتدائی حالات ــــــــ ۵۴۹
  - دار العلوم دیوبند میں ــــــــ ۵۵۰
  - یادگارِ اسلاف شخصیت ــــــــ ۵۵۰
  - وفات ــــــــ ۵۵۱
- ۵- حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ ــــــــ ۵۵۲
  - ابتدائی حالات ــــــــ ۵۵۲
  - دار العلوم دیوبند میں ــــــــ ۵۵۲
  - تصانیف ــــــــ ۵۵۳
  - وفات ــــــــ ۵۵۴

۶- حضرت مولانا غلام رسول خاموش گجراتیؒ ۵۵۵
ابتدائی حالات ۵۵۵
دارالعلوم دیوبند سے تعلق ۵۵۶
خصوصیات وکمالات ۵۵۷
وفات ۵۵۷
۷- حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری ۵۵۸
ابتدائی حالات ۵۵۸
دارالعلوم دیوبند میں ۵۵۹
تصنیفات وتالیفات ۵۵۹
۸- حضرت مولانا غلام محمد وستانوی ۵۶۱
۹- حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی ۵۶۲
ابتدائی حالات ۵۶۲
دارالعلوم دیوبند میں ۵۶۳
● مشاہیر علماء ومشائخ دارالعلوم کے حالات ۵۶۵
حضرت مولانا مہتاب علی دیوبندیؒ ۵۶۵
حضرت مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ ۵۶۶
حضرت مولانا فضل الرحمٰن عثمانی ۵۶۸
حضرت شیخ نہال احمد دیوبندیؒ ۵۶۹
حضرت مولانا ملا محمد محمود دیوبندیؒ ۵۶۹
حضرت مولانا میر باز خان تھانویؒ ۵۷۰
حضرت مولانا فتح محمد تھانویؒ ۵۷۰
حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھویؒ ۵۷۱
حضرت مولانا قاضی محی الدین مرادآبادیؒ ۵۷۳
حضرت مولانا عبدالحق پورقاضویؒ ۵۷۳
حضرت مولانا عبداللہ انصاری انبیٹھویؒ ۵۷۴

حضرت مولانا محمد مراد فاروقی مظفر نگریؒ ۔۔۔۔ ۵۷۵
حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ ۔۔۔۔ ۵۷۵
حضرت مولانا صدیق احمد انبیٹھویؒ ۔۔۔۔ ۵۷۶
حضرت مولانا عبد القدیر دیوبندیؒ ۔۔۔۔ ۵۷۷
حضرت مولانا احمد حسن امروہویؒ ۔۔۔۔ ۵۷۷
حضرت مولانا عبد العلی میرٹھیؒ ۔۔۔۔ ۵۷۹
حضرت مولانا حکیم رحیم اللہ بجنوریؒ ۔۔۔۔ ۵۸۰
حضرت مولانا منصور علی خاں مراد آبادیؒ ۔۔۔۔ ۵۸۰
حضرت مولانا حکیم محمد حسن دیوبندیؒ ۔۔۔۔ ۵۸۱
حضرت مولانا ناظر حسن دیوبندیؒ ۔۔۔۔ ۵۸۱
حضرت مولانا عبد الرحمٰن امروہویؒ ۔۔۔۔ ۵۸۲
حضرت مولانا عبد المومن دیوبندیؒ ۔۔۔۔ ۵۸۳
حضرت مولانا حکیم جمیل الدین نگینویؒ ۔۔۔۔ ۵۸۴
حضرت مولانا حکیم عبد الوہاب غازی پوریؒ ۔۔۔۔ ۵۸۴
حضرت مولانا غلام رسول ہزارویؒ ۔۔۔۔ ۵۸۶
حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ ۔۔۔۔ ۵۸۶
حضرت مولانا ماجد علی جون پوریؒ ۔۔۔۔ ۵۸۸
حضرت مولانا محمد یٰسین سرہندی ثم بریلویؒ ۔۔۔۔ ۵۸۹
حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ ۔۔۔۔ ۵۸۹
حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ ۔۔۔۔ ۵۹۱
حضرت مولانا سیف الرحمٰن کابلیؒ ۔۔۔۔ ۵۹۲
حضرت مولانا حکیم محمد اسحاق کٹھوریؒ ۔۔۔۔ ۵۹۳
حضرت مولانا شاہ وارث حسن کوڑہ جہان آبادیؒ ۔۔۔۔ ۵۹۴
حضرت مولانا امین الدین دہلویؒ ۔۔۔۔ ۵۹۵
حضرت مولانا محمد صادق کراچویؒ ۔۔۔۔ ۵۹۵

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ ۵۹۶
حضرت مولانا سید احمد فیض آبادی مدنیؒ ۵۹۸
حضرت مولانا کریم بخش سنبھلیؒ ۵۹۹
حضرت مولانا عبدالمجید سنبھلیؒ ۶۰۰
حضرت مولانا عبدالسمیع دیوبندیؒ ۶۰۰
حضرت مولانا عبدالعزیز سہالوی گوجرانوالویؒ ۶۰۱
حضرت مولانا محمد یحییٰ سہسرامیؒ ۶۰۲
حضرت مولانا عبدالرزاق پشاوریؒ ۶۰۲
حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ ۶۰۳
حضرت مولانا محمد میاں منصور انصاریؒ ۶۰۴
حضرت مولانا احمد بزرگ سورتیؒ ۶۰۶
حضرت مولانا رسول خان ہزارویؒ ۶۰۷
حضرت مولانا مظہر الدین شیرکوٹیؒ ۶۰۷
حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ ۶۰۸
حضرت مولانا فضل ربی پشاوریؒ ۶۰۹
حضرت مولانا مفتی ریاض الدین بجنوریؒ ۶۱۰
حضرت مولانا مفتی محمد سہول بھاگلپوریؒ ۶۱۰
حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ گنگوہیؒ ۶۱۲
حضرت مولانا مفتی محمد فاروق انبیٹھویؒ ۶۱۲
حضرت مولانا شائق احمد عثمانیؒ ۶۱۴
حضرت مولانا خواجہ عبدالحئی فاروقیؒ ۶۱۵
حضرت مولانا عبدالشکور دیوبندیؒ ۶۱۷
حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالعلی لکھنویؒ ۶۱۷
حضرت مولانا مبارک حسین سنبھلیؒ ۶۱۸
حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ ۶۱۹

حضرت مولانا شبیر علی تھانویؒ ۶۲۰
مولانا احسان اللہ خان تاجورؒ ۶۲۱
حضرت مولانا عزیر گل پشاوریؒ ۶۲۲
حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ ۶۲۳
حضرت مولانا عبدالرحمٰن کیمل پوری ۶۲۵
حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ ۶۲۶
حضرت مولانا شمس الحق پشاوریؒ ۶۲۷
حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ ۶۲۸
حضرت مولانا ڈاکٹر مصطفیٰ حسن علویؒ ۶۳۰
حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوریؒ ثم الہ آبادی ۶۳۱
حضرت مولانا مفتی اسمٰعیل بسم اللہ سورتیؒ ۶۳۲
حضرت مولانا میرک شاہ کشمیریؒ ۶۳۳
حضرت مولانا محمد چراغ گجرانوالویؒ ۶۳۳
حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ ۶۳۴
حضرت مولانا مفتی محمود احمد نانوتویؒ ۶۳۶
حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ ۶۳۶
حضرت مولانا اطہر علی سلہٹیؒ ۶۳۷
حضرت مولانا نجم الدین جہلمیؒ ۶۳۸
حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ ۶۳۸
حضرت مولانا محمد یوسف شاہ کشمیریؒ میر واعظ ۶۴۰
حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ ۶۴۱
حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ ۶۴۲
حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ ۶۴۳
حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ ۶۴۴
حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ ۶۴۷

حضرت مولانا محمد بن موسیٰ افریقیؒ ۶۴۸
حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ ۶۴۹
حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ ۶۵۱
حضرت مولانا حامد الانصاری غازیؒ ۶۵۲
حضرت مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھیؒ ۶۵۳
حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ ۶۵۴
حضرت مولانا سید حمید الدین فیض آبادیؒ ۶۵۶
حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ ۶۵۷
حضرت مولانا محمد جلیل علوی کیرانویؒ ۶۵۷
حضرت مولانا میاں سید اختر حسین دیو بندیؒ ۶۵۸
حضرت مولانا نبیہ حسن دیو بندیؒ ۶۵۸
حضرت مولانا قاضی مسعود احمد دیو بندیؒ ۶۵۹
حضرت مولانا عبد الحق نافع گل پشاوریؒ ۶۵۹
حضرت مولانا بشیر احمد بلند شہریؒ ۶۶۰
حضرت مولانا ظہور احمد دیو بندیؒ ۶۶۰
حضرت مولانا عبد الحفیظ بلیاویؒ ۶۶۱
حضرت مولانا اسلام الحق اعظمیؒ ۶۶۱
حضرت مولانا شمس الحق فرید پوریؒ ۶۶۲
حضرت مولانا قاضی سجاد حسین کرتپوریؒ ۶۶۳
حضرت مولانا مسیح اللہ خان جلال آبادیؒ ۶۶۴
حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ ۶۶۵
حضرت مولانا اشرف علی کمرلائیؒ ۶۶۶
حضرت مولانا مفتی محمود سرحدیؒ ۶۶۷
حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ ۶۶۸
حضرت مولانا عبد الحق اکوڑویؒ ۶۶۹

حضرت مولانا عبدالاحد دیوبندیؒ ۶۶۹
حضرت مولانا سید حسن دیوبندیؒ ۹۷۰
حضرت مولانا محمد نعیم دیوبندیؒ ۶۷۰
حضرت مولانا محمد حسین بہاریؒ ۶۷۱
حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ ۶۷۱
حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ ۶۷۳
حضرت مولانا عبدالحلیم جون پوریؒ ۶۷۴
حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندویؒ ۶۷۴
حضرت مولانا قاضی مظہر حسین چکوالیؒ ۶۷۵
حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ ۶۷۶
حضرت مولانا محمد سالم قاسمی ۶۷۷
حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ ۶۷۸
حضرت مولانا محمد عثمان دیوبندیؒ ۶۷۹
حضرت مولانا خورشید عالم دیوبندیؒ ۶۷۹
حضرت مولانا وحیدالزماں کیرانویؒ ۶۸۰
حضرت مولانا نسیم احمد فریدی امروہویؒ ۶۸۱
حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پوریؒ ۶۸۲
حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینیؒ ۶۸۳
حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ ۶۸۳
حضرت مولانا احمد علی آسامیؒ ۶۸۴
حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ ۶۸۴
حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ ۶۸۵
حضرت مولانا عبدالشکور ترمذیؒ ۶۸۶
حضرت مولانا زین العابدین اعظمیؒ ۶۸۷
حضرت مولانا محمد عمر پالن پوریؒ ۶۸۷

حضرت مولانا محمد طاہر کلکتویؒ ۶۸۸
حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ ۶۸۹
حضرت مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ ۶۹۰
حضرت مولانا میاں سید خلیل حسین دیوبندیؒ ۶۹۲
حضرت مولانا زبیر احمد دیوبندیؒ ۶۹۲
حضرت مولانا نظام الدین پٹنویؒ ۶۹۳
حضرت مولانا قمر الدین گورکھپوری ۶۹۳
حضرت مولانا ریاست علی بجنوری ۶۹۴
حضرت مولانا عبدالخالق مدراسی ۶۹۵
حضرت مولانا عبدالحق اعظمی ۶۹۵
حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی ۶۹۶
حضرت مولانا سید ارشد مدنی ۶۹۶
حضرت مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری ۶۹۷
حضرت حبیب الرحمٰن قاسمی اعظمی ۶۹۸
حضرت مولانا مفتی منظور احمد جون پوری ۶۹۸
حضرت مولانا محمد یعقوب مدراسی ۶۹۹
حضرت مولانا ازہر رانچوی ۷۰۰
حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی ۷۰۰
حضرت مولانا بدر الدین اجمل قاسمی آسامی ۷۰۱
حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقی ۷۰۲
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ۷۰۲
حضرت مولانا عبدالخالق سنبھلی ۷۰۳
حضرت مفتی محمد امین پالن پوری ۷۰۴
حضرت مفتی حبیب الرحمٰن خیر آبادی ۷۰۴
حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی ۷۰۵

حضرت مولانا مجیب اللہ گونڈوی ـــــــ ۷۰۶
حضرت مولانا محمد اشتیاق مظفر پوری ـــــــ ۷۰۶
حضرت مولانا محمد اسماعیل مالیگانوی ـــــــ ۷۰۷
حضرت مولانا ملک محمد ابراہیم مدراسی ـــــــ ۷۰۷
حضرت الحاج محمد جمیل الدین کلکتوی ـــــــ ۷۰۸
حضرت مولانا مفتی محمد یوسف تاؤلوی ـــــــ ۷۰۸
حضرت مولانا جمیل احمد سکروڈوی ـــــــ ۷۰۸
حضرت حکیم محمد کلیم اللہ علی گڈھی ـــــــ ۷۰۹
حضرت مولانا مفتی احمد خان پوری ـــــــ ۷۱۰
حضرت مولانا محمد رحمت اللہ کشمیری ـــــــ ۷۱۰
حضرت مولانا انوار الرحمٰن بجنوری ـــــــ ۷۱۱
حضرت مولانا محمد احمد فیض آبادی ـــــــ ۷۱۱

- **شخصیات دارالعلوم ایک نظر میں ـــــــ ۷۱۳**

حضرات اراکین تاسیسی ـــــــ ۷۱۳
سرپرستان دارالعلوم دیوبند ـــــــ ۷۱۳
دارالعلوم کے مہتمم حضرات ـــــــ ۷۱۴
دارالعلوم کے صدور المدرسین اور شیوخ الحدیث ـــــــ ۷۱۵
نائب مہتمم حضرات ـــــــ ۷۱۶
معاون مہتمم حضرات ـــــــ ۷۱۸
نظمائے مجلس تعلیمی/نظمائے تعلیمات ـــــــ ۷۱۸
سابقہ مفتیان دارالافتاء ـــــــ ۷۱۹

- **فہرست اراکین مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند ـــــــ ۷۲۱**

موجودہ اراکین مجلس شوریٰ ـــــــ ۷۲۷

- **سابقہ اساتذۂ عربی دارالعلوم دیوبند ـــــــ ۷۲۹**

- موجودہ انتظامیہ، اساتذہ، نظماء وعہدہ داران ــــــــــــــ ۷۳۷

دارالعلوم انتظامیہ ــــــــــــــ ۷۳۷

اساتذۂ عربی ــــــــــــــ ۷۳۷

مفتیان دارالافتاء ــــــــــــــ ۷۴۰

دیگر مدرسین ومعلمین ــــــــــــــ ۷۴۰

نظماء وعہدہ داران شعبہ جات علمی ــــــــــــــ ۷۴۲

نظماء وعہدہ داران شعبہ جات انتظامی ــــــــــــــ ۷۴۳

- مآخذ ومراجع ــــــــــــــ ۷۴۴
- نقشۂ تطبیق سن ہجری وعیسوی (۱۲۸۳ تا ۱۴۳۷ھ) ــــــــــــــ ۷۴۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

دارالعلوم دیوبند نہ صرف دینی تعلیم کی ایک مرکزی درس گاہ ہے بلکہ اسلامی تہذیب وثقافت اور دینی تربیت کا ایک بین الاقوامی مرکز بھی ہے۔ اس کے فضلاء تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور اس مکتب فکر کے ماننے والے پوری دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ دارالعلوم کے علمی اور تہذیبی رشتے عالمی شخصیتوں اور اداروں سے قائم ہیں اور اس کے اثرات شعوری اور غیر شعوری طور پر عام قلوب تک پہنچے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ متعلقین دارالعلوم کے علاوہ واردین وصادرین کا ایک سلسلہ ہے جو نہ صرف اطراف ہند سے بلکہ غیر ممالک سے اس کی طرف کھنچا چلا آتا ہے۔ یہ سلسلہ علمی افراد اور ریسرچ اسکالرز تک محدود نہیں بلکہ عام مسلمان اور غیر مسلم افراد، تعلیم یافتہ حضرات، حکومتوں کے نمائندے، میڈیا کے کارندے اور عرب وعجم کے وفود دارالعلوم کی شہرت وعظمت کی داستانیں سن کر کشاں کشاں اس کے مشاہدہ کے لیے آتے رہتے ہیں۔ ان زائرین اور دارالعلوم کے عقیدت مندوں کے دلوں میں قدرتاً دارالعلوم کی تاریخ اور اس کی خدمات کو جاننے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔

اسی پس منظر میں اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی تھی کہ دارالعلوم کا جامع تعارف مختلف زبانوں (خصوصاً اردو، عربی، انگریزی اور ہندی) میں کتابی صورت میں پیش کیا جائے تاکہ دنیا دارالعلوم کی تاریخ سے واقف ہو اور مسلمانوں کے سامنے ان کے اسلاف کی اس عظیم الشان علمی یادگار کا ماضی آجائے؛ کیوں کہ تاریخ ہی کسی قوم کا سرمایہ اور بیش قیمت اثاثہ ہوتی ہے جس کے ذریعہ اپنے اکابر و اسلاف کے زندہ کارناموں اور ان کی روشن خدمات کی واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ تاریخ ہی قوم کی مردہ رگوں میں خون دوڑانے، مستقبل کے چیلنجوں سے نبرد آزما ہونے اور ترقی کی بلندیوں پر کمندیں ڈالنے کے لیے مہمیز کا کام دیتی ہے۔

دارالعلوم کی ویب سائٹ کے لیے دارالعلوم کے تعارف کی تیاری کے سلسلہ میں ایک نیا پہلو یہ سامنے آیا کہ انھیں مواد کو ضروری ترمیمات کے ساتھ کتابی صورت میں شائع کیا جائے تاکہ اس کی افادیت کا دائرہ وسیع تر ہو جائے۔ مجھے بے حد مسرت ہو رہی ہے کہ اس سمت میں اچھی پیش رفت ہوئی اور سب سے پہلے

ہندی کا مجموعہ تیار ہوکر سامنے آیا۔ الحمدللہ یہ کتاب ہمارے ان مقاصد کو بہ خوبی پورا کررہی ہے۔ اس کتاب میں دارالعلوم دیوبند کے ڈیڑھ سو سالہ تاریخ کو مختصر اور جامع طور پر سمیٹ لیا گیا ہے۔ دارالعلوم کے قیام اور اس کے پس منظر، دارالعلوم کے ڈیڑھ سو برسوں کے سال بہ سال اہم واقعات، دارالعلوم کے مکتب فکر، دارالعلوم کے نظم و انتظام، دارالعلوم کے نظام تعلیم و نصاب تعلیم، دارالعلوم کے کارنامے اور خدمات اور دارالعلوم کے علماء و مشاہیر وغیرہ عناوین پر مشتمل معلومات شامل ہیں جو ان شاء اللہ عام لوگوں کے لیے دارالعلوم سے واقفیت کا ذریعہ بنیں گی، نیز اہل علم، جویان حق اور ریسرچ اسکالرز کے لیے مفید معلومات کا ذخیرہ ثابت ہوں گی۔ ہندی زبان کے بعد اب اردو زبان میں قدرے تفصیل کے ساتھ دارالعلوم کا جامع تعارف پیش کیا جارہا ہے۔

الحمدللہ عربی اور انگریزی میں بھی اسی انداز سے دارالعلوم کا جامع تعارف تیار کیا جارہا ہے جو ان شاء اللہ مستقبل قریب میں اہل ذوق کے ہاتھوں میں ہوگا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی اس شجر طوبی کی تاقیامت آبیاری فرمائیں، ہماری ان حقیر کاوشوں کو قبولیت سے نوازیں اور ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں!

ابوالقاسم نعمانی

مہتمم دارالعلوم دیوبند

۲۵/ذوالقعدہ ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۹/اگست ۲۰۱۶ء

تعارف

الحمد للّٰہ کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی ، أما بعد

دارالعلوم دیوبند کے قیام کواس وقت ڈیڑھ سوسال سے زائد عرصہ گذر چکا ہے؛ دارالعلوم اس درمیان مختلف مراحل سے گذرا؛ ۱۸۵۷ء کے خونیں انقلاب کے بعد مدرسہ کا قیام، پھر برطانوی دور اور تحریک آزادی کی اتھل پتھل اور پھر تقسیم ہندو پاک کا قضیہ؛ اس بیچ دارالعلوم نے بہت سے نشیب وفراز دیکھے اور بحمداللہ جن مقاصد کے لیے اس کا قیام عمل میں آیا تھا، ان کی تکمیل کے لیے وہ سرگرمِ عمل رہا۔ اللہ تعالی نے بانیان اور اکابر دارالعلوم کی خلوص کے نتیجے میں اس شجرۂ طیبہ کو نہ صرف ہرا بھرا رکھا بلکہ وہ ترقی کرتا ہوا آج بین الاقوامی سطح پر مشہور ومعروف ادارہ اور مکتب فکر کا درجہ رکھتا ہے۔ ملکی اور بین الاقوامی حالات وانقلابات کے باوجود اس کی اہمیت وتعارف کا دائرہ بڑھتا ہی گیا۔

تقریبا ایک لاکھ سے زائد افراد نے اس سے استفادہ کیا اور انھوں نے دین خالص کا پیغام ملک کے کونے کونے سے لے کر دنیا کی وسعتوں تک پھیلا دیا۔ علمائے دیوبند کی انھیں علمی ودینی کاوشوں اور مساعی کی بدولت آج دیوبند ایک بین الاقوامی تعلیمی مرکز، ایک معتدل مکتبِ فکر اور ایک عالمی اسلامی تحریک کے طور پر دیکھا جارہا ہے۔ پچھلی ڈیڑھ صدی میں علمائے دیوبند نے تعلیم وتعلم، اصلاح وتبلیغ، دفاع عن الدین، اشاعتِ علوم دینیہ اور سیاسی وسماجی خدمات کے میدانوں میں لازوال کارنامے رقم کیے ہیں۔ برصغیر کی علمی ودینی تاریخ دیوبند کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی۔

بلاشبہہ خدمات دارالعلوم کے تمام گوشوں کی تفصیلات کے لیے مستقل کتاب ناکافی ہوگی۔ دارالعلوم کی ایک ایک شخصیت پر درجنوں کتابیں لکھی گئی ہیں، علماء ومشائخ دیوبند کے سلسلہ میں بلا مبالغہ سیکڑوں کتابیں منظرِعام پر آچکی ہیں۔

ایک عرصہ سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ دارالعلوم دیوبند کے حالات و واقعات اور شخصیات وخدمات کو جمع کردیا جائے۔ مجھے بے انتہا خوشی ہورہی ہے کہ مولانا مفتی محمداللہ خلیلی قاسمی فیض آبادی نے اس اہم ضرورت کی تکمیل کرتے ہوئے دارالعلوم کی ڈیڑھ سوسالہ تاریخ کو جامع ومختصر طور پر جمع کردیا ہے جس کو

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند کی نظر ثانی اور دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کی اجازت کے بعد شیخ الہند اکیڈمی سے شائع کیا جارہا ہے۔ اکیڈمی نے اب تک اردو، عربی اور انگریزی میں پچاس سے زائد اہم علمی وتحقیقی کتابیں شائع کی ہیں۔ شیخ الہند اکیڈمی کے قیام کا بنیادی مقصد علوم اکابر کا احیاء اور دارالعلوم وعلمائے دیوبند کے علمی وعملی کارناموں کو عصری اسلوب میں معیاری اور تحقیقی طور پر پیش کرنا ہے۔

اس سے پہلے موصوف نے مرکز المعارف ممبئی میں ریسرچ اسکالر کے طور پر 'مدرسہ ایجوکیشن' نام سے کتاب تصنیف کی جو ۲۰۰۵ء میں شائع ہوئی اور مدارس اسلامیہ کے نصاب ونظام پر انگریزی میں پہلی کتاب تھی۔ موصوف کی مرتب کردہ کتاب 'دارالعلوم دیوبند کا اتہاس' (ہندی زبان) میں شائع ہوکر قبولِ عام حاصل کر چکی ہے۔ علاوہ ازیں انھوں نے حضرت مولانا محمد میاں دیوبندیؒ کی اہم کتاب 'تحریک شیخ الہند' معروف بہ 'تحریک ریشمی رومال کا انگریزی ترجمہ بھی کیا جو شیخ الہند اکیڈمی اور مانک پبلیکشنز دہلی کی طرف سے 'سلک لیٹر موومنٹ' کے نام سے شائع ہوکر دنیا کی اہم لائبریریوں تک پہنچ چکا ہے۔

زیر نظر کتاب میں دارالعلوم کے حالات، شخصیات اور کارناموں کو حسن ترتیب اور جامعیت واختصار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب بھی علماء وعوام کے لیے معلومات افزا اور باحثین ومحققین کے لیے خضر راہ ثابت ہوگی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی کتاب ہذا کو قبول عام عطا کرے اور اکیڈمی نیز دارالعلوم دیوبند کے تعلق سے احقر کو زیادہ سے زیادہ خدمات مقبولہ کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین!

بدرالدین اجمل قاسمی
رکن مجلسِ شوریٰ وڈائریکٹر شیخ الہند اکیڈمی
دارالعلوم دیوبند

حرف آغاز

نہ بہ حرف ساختہ سرخوشم، نہ بہ نقش بستہ مشوشم
نفسے بیاد تو می زنم، چہ عبارت و چہ معانیم

دارالعلوم دیوبند کے قیام کے سال سے ہی اکابر ومشائخ کا معمول رہا ہے کہ دارالعلوم سے متعلق تفصیلات کو محفوظ رکھا جائے؛ چناں چہ ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء کے پہلے سال کی روداد مطبوعہ شکل میں موجود ہے جس میں سالانہ تعلیمی وانتظامی احوال وکوائف کو بڑی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔آج سے ڈیڑھ صدی قبل طباعت کی جو دشواریاں ہوں گی وہ محتاج بیان نہیں؛ اس سے جہاں اکابر ومشائخ دارالعلوم کی ژرف نگاہی ودور بینی کا پتہ چلتا ہے وہیں دارالعلوم کے ریکارڈ کی حفاظت کی ضرورت واہمیت کا بھی احساس ہوتا ہے۔دارالعلوم دیوبند کی اس روایت سے جہاں دارالعلوم کے تعلیم وانتظام کی شفافیت اور معتبریت کا نقش لوگوں کے دلوں پر قائم ہوگیا، وہیں اس کی مستند تاریخ بھی بنتی چلی گئی۔

سالانہ رودادوں کے علاوہ، کچھ مواقع پر تعارفی کتابچے شائع ہوتے رہے؛ جیسے ۱۳۵۰ھ میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم کی تحریر 'سرسٹھ سالہ روداد دارالعلوم'، اسی طرح ۱۳۸۳ھ میں سوسال مکمل ہونے پر 'دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی' طبع ہوئی۔اجلاس صد سالہ کے موقع پر اردو اور عربی میں متعدد چھوٹے چھوٹے تعارفی رسائل شائع کیے گئے۔

اس سلسلہ میں سب سے اہم اور قابل قدر کوشش جناب سید محبوب رضوی صاحب کی ہے جنھوں نے دو جلدوں میں دارالعلوم کی باقاعدہ تاریخ مرتب کی؛اس کی جلد اول میں قیام دارالعلوم سے ۱۳۸۹ھ/ ۱۹۶۹ء تک کے احوال وکوائف کو سن وار تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جب کہ دوسری جلد میں شخصیات اور نظام دارالعلوم کا بیان ہے۔ یہ کتاب دارالعلوم کی تاریخ کے سلسلہ میں مرجع اول اور مستند حوالہ کا درجہ رکھتی ہے اور اب تک بار بار طبع ہو چکی ہے۔

اجلاس صد سالہ کے بعد دارالعلوم کے احوال وکوائف سے عوام کو مطلع رکھنے کے مقصد سے پندرہ روزہ 'آئینۂ دارالعلوم' کا اجراء کیا گیا۔اسی طرح مختلف مواقع خصوصاً رابطۂ مدارس اسلامیہ کے اجلاسات میں

متعدد بار دارالعلوم کے احوال وکوائف شائع کیے گئے جن میں دارالعلوم کی تعلیمی وانتظامی ترقی اور منصوبوں کا ذکر کیا گیا۔ ملک میں انٹرنیٹ کی سہولیات مہیا ہونے کے ساتھ ہی ارباب دارالعلوم نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ۲۰۰۳ء میں دارالعلوم دیوبند کے لیے ویب سائٹ تیار کروائی اور متعدد زبانوں میں دارالعلوم کا مختصر تعارف پیش کیا گیا۔

اسی پس منظر میں ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ اردو، ہندی، انگریزی اور عربی زبانوں میں دارالعلوم کی جامع ومختصر تاریخ پیش کی جائے۔ چناں چہ ۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء میں ہجری تقویم کے اعتبار سے قیام دارالعلوم کے ڈیڑھ سو سال مکمل ہونے پر ہندی زبان میں ۳۲۵ رصفحات پر مشتمل کتاب 'دارالعلوم دیوبند کا اتہاس' شائع کی گئی۔ اب ۲۰۱۶ء میں سن عیسوی کے اعتبار سے قیام دارالعلوم کے ڈیڑھ سو سال مکمل ہونے پر اردو زبان میں دارالعلوم دیوبند کے احوال وکوائف اور خدمات وشخصیات کا قدرے مفصل تذکرہ پیش کیا جارہا ہے۔

زیر نظر کتاب تاریخ آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں دارالعلوم دیوبند کے ڈیڑھ سو سالہ احوال و کوائف کو سن وار مختصر طور پر درج کیا گیا ہے۔ دارالعلوم کے مسلک ومنہج، نظم ونسق، شعبہ جات اور نصاب و نظام تعلیم کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ خدمات اور شخصیات کے باب میں قدرے تفصیل سے کام لیا گیا ہے؛ خدمات کا باب سولہ (۱۶) عناوین پر مشتمل ہے، جب کہ شخصیات کے ذیل میں دو سو سے زائد علماء واکابر کے حالات لکھے گئے ہیں۔ اخیر میں 'شخصیات دارالعلوم کو ایک نظر میں' کے تحت اب تک کے تمام اراکین شوری واساتذہ اور موجودہ عہدہ داران وغیرہ کی فہرست دی گئی ہے۔

اس کتاب کی تیاری میں تاریخ دارالعلوم دیوبند (مرتبہ جناب محبوب رضوی) اور 'دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی' سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے ان کا حوالہ پیراگراف یا مضمون کے اخیر میں کردیا گیا ہے۔ تاہم کتاب کے آخر میں مصادر ومراجع کی فہرست درج کردی گئی ہے۔

شخصیات کے باب میں ان حضرات کا ذکر شامل کیا گیا ہے جن کا دارالعلوم سے تعلیم، تدریس، رکنیت و ملازمت کا رشتہ رہا ہو؛ اسی وجہ سے جماعت دیوبند کے بہت سے مشاہیر علماء ومشائخ کا ذکر شامل نہیں کیا جاسکا ہے۔ اسی طرح خدمات کے ذیل میں متعلقہ موضوع سے متعلق شخصیات اور کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے، لیکن اس میں سب کا احاطہ اور استقصاء نہیں ہے؛ عین ممکن ہے کہ کچھ شخصیات کا ذکر رہ گیا ہو اور بہت سی کتابوں کے نام شامل نہ کیے جاسکے ہوں۔

دارالعلوم میں شروع سے اب تک سن ہجری کا رواج رہا ہے، جب کہ انیسویں صدی سے سن عیسوی کا رواج عام ہوگیا ہے؛ اس لیے سنین کی تطبیق ضروری تھی تاکہ واقعات کے زمانی تعین میں دشواری نہ ہو۔

چناں چہ کوشش کی گئی ہے کہ سن ہجری کے ساتھ سن عیسوی کی تطبیق بھی ذکر کر دی جائے۔لیکن اس سلسلہ میں یہ یاد رہے کہ پہلے جو سن ذکر کیا گیا ہے وہی اصل ہے جب کہ دوسرے نمبر پر (/) کی علامت بعد لکھا جانے والا سن تطبیقی ہے۔تطبیقی سنین میں غلطیوں کا امکان ہے، کیوں کہ کوئی واقعہ کس مہینے اور تاریخ میں پیش آیا عموماً اس کا ذکر نہیں ملتا؛ اس طرح اس کی تطبیق بنیادی طور پر تقریبی ہی ہو سکتی ہے۔ بہر حال، قارئین کی سہولت کے پیش نظر دار العلوم کے سن قیام ۱۲۸۳ھ سے لے کر ۱۴۳۵ھ تک ہجری سنین کی تطبیق یکم محرم کی عیسوی تاریخ اور دن سے کر کے اخیر میں ان کا نقشہ دے دیا گیا ہے۔

اس ہیچ مداں نے اپنی بساط کے مطابق یہ اہم ذمہ داری انجام دینے کی کوشش کی ہے، تاہم کسی بھی انسانی کام کے نقائص اور فروگزاشتوں سے خالی ہونے کا دعوی نہیں کیا جا سکتا۔اس لیے حضرات قارئین خصوصاً اہل علم کی خدمت میں گزارش ہے کہ کوئی خامی محسوس ہو تو اس سے مطلع فرمائیں۔

کتاب کا مسودہ مجلس شوریٰ دار العلوم دیوبند کی متعدد مجالس میں پیش ہوتا رہا اور بالآخر صفر ۱۴۳۷ھ میں اس کی طباعت کی اجازت دی گئی۔ کتاب کی تیاری کے سلسلہ میں احقر حضرت مولانا مفتی ابو القاسم نعمانی صاحب مدظلہ مہتمم دار العلوم دیوبند کا بے حد ممنون ہے کہ حضرت والا کی سرپرستی و رہ نمائی سے کتاب کی تیاری کے ہر مرحلے میں بڑی مدد ملی۔ راقم سطور حضرت مولانا بدر الدین اجمل قاسمی صاحب مدظلہ رکن مجلسِ شوریٰ و ڈائریکٹر شیخ الہند اکیڈمی دار العلوم دیوبند کا نہایت شکر گزار ہے کہ آپ نے ہمیشہ اس عاجز کی ہمت افزائی کی اور اس کتاب کو شیخ الہند اکیڈمی کی طرف سے شائع کرنے کے لیے قبول کیا۔اس سلسلہ میں اپنے والد محترم حضرت قاری عبد السلام مضطرؔ ہنسوری کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں جن کی نیم شبی دعاؤں اور باطنی توجہات کے باعث یہ حقیر کسی کام کے لائق ہو سکا۔ساتھ ہی شعبۂ انٹرنیٹ کے رفقاء، کتب خانہ، محافظ خانہ اور شیخ الہند اکیڈمی کے احباب بھی شکریہ کے مستحق ہیں جن کے تعاون سے کتاب کی تیاری و طباعت کے مراحل بآسانی طے ہوتے گئے۔

اللہ تعالی اس کاوش کو قبول فرمائیں اور اسے میرے لیے ذخیرۂ آخرت و وسیلۂ نجات بنائیں۔آمین وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین!

محمد اللہ خلیلی قاسمی فیض آبادی

دار العلوم دیوبند

۱۹/ذو الحجہ ۱۴۳۷ھ/۲۲/ستمبر ۲۰۱۶ء، جمعرات

پہلا باب

دارالعلوم دیوبند، پس منظر اور نصب العین

- دارالعلوم دیوبند
- قیام دارالعلوم کا پس منظر
- دارالعلوم دیوبند کا نصب العین اور بنیادی اصول

دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند عالم اسلام کا مشہور دینی وعلمی مرکز ہے۔ برصغیر میں اسلام کی نشر واشاعت کا یہ سب سے بڑا ادارہ اور دینی علوم کی تعلیم کا سب سے بڑا سرچشمہ ہے۔ دارالعلوم دیوبند سے ہر دور میں ایسے باکمال فضلاء تیار ہوکر نکلے جنھوں نے وقت کی دینی ضرورت کے تقاضوں کے مطابق صحیح دینی عقائد اور علوم دینیہ کی نشر واشاعت کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ یہاں کے فضلاء برصغیر اور برصغیر کے باہر تقریباً پوری دنیا میں علمی و دینی خدمات انجام دے رہے ہیں اور ہر جگہ ان کو ممتاز حیثیت سے مسلمانوں کی دینی رہ نمائی کا مقام حاصل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند تیرہویں صدی ہجری کی ایک عظیم دینی، تعلیمی اور اصلاحی تحریک تھی جس نے احیائے اسلام اور تجدید دین کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔ یہ وقت کی ایسی ضرورت تھی کہ جس کی عدم تکمیل کی صورت میں ہندوستان کے اندر مسلمانوں کے لیے وجود وبقا کا مسئلہ پیش آجاتا اور شاید اسپین کی طرح مسلمان برصغیر کی تاریخ کا ایک قصۂ پارینہ بن جاتے۔ دارالعلوم دیوبند کی اس دینی و اصلاحی تحریک نے نہ صرف ہندستان کو دوسرا اسپین بننے سے روکا بچالیا، بلکہ اس کی کوششوں سے ہندوستان میں قال اللہ وقال الرسول کے وہ زمزمے چھڑے کہ قدیم اسلامی مراکز کا سماں بندھ گیا اور ہندوستان میں اسلامی علوم ومعارف کا ایسا چرچا ہوا کہ پوری مسلم دنیا میں اس کی گونج سنائی دی۔

دارالعلوم دیوبند نے ہندوستان میں نہ صرف دینی علوم اور اسلامی قدروں کی بقا وتحفظ کے زبردست اسباب فراہم کیے ہیں، بلکہ اس نے تیرہویں صدی کے اواخر اور چودہویں صدی کے اوائل میں ملت اسلامیہ ہند کی معاشرتی اور سیاسی زندگی پر بہت دوررس اور نتیجہ خیز اثرات ڈالے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامۂ انقلاب میں شکست کھاکر مسلمانوں پر بہت پژمردگی اور بڑی قنوطیت طاری ہوچکی تھی۔ اس وقت مسلمانوں کی علمی اور تہذیبی فضا میں ہولناک سناٹا چھا گیا تھا۔ اگر اس وقت دارالعلوم قائم ہوکر مشعل راہ نہ بنتا تو نہیں کہا جاسکتا کہ ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ کیا ہوتی۔

تقریباً گزشتہ ڈیڑھ صدی سے دارالعلوم دیوبند نہ صرف برصغیر بلکہ تمام دنیائے اسلام میں مسلمانوں کی دینی تعلیم کے لیے ایک بے نظیر درس گاہ سمجھی جاتی رہی ہے۔ جامع ازہر کے علاوہ اسلامی اور دینی علوم و

فنون کا کوئی ادارہ ایسا نہیں ہے جو اپنی قدامت، مرجعیت و مرکزیت اور طلبہ کی کثرت کے لحاظ سے اتنی اہمیت رکھتا ہو جتنی دارالعلوم دیوبند کو دنیائے اسلام میں حاصل ہے۔ ہندوستان کے اس چھوٹے سے قصبے میں دارالعلوم کی بنیاد کچھ ایسے بزرگوں کے مقدس ہاتھوں سے رکھی گئی تھی کہ جن کے اخلاص کی برکت سے بہت تھوڑے عرصہ میں اس کی علمی عظمت دنیائے اسلام میں قائم ہوگئی اور یہ اسلامی دنیا کی نہایت ہر دل عزیز درس گاہ سمجھی جانے لگی اور ممالک اسلامیہ کے طالبان علم دارالعلوم دیوبند میں علوم وفنون کی طلب وتحقیق کے لیے جمع ہونے لگے۔ آج برصغیر کے طول وعرض میں جو دینی وعلمی شخصیات نظر آتی ہیں ان کی بڑی تعداد اسی دریائے علم سے سیراب ہوئی ہے اور بڑے بڑے نامور علماء نے اسی درس گاہ میں زانوئے تلمذ تہہ کیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ علمی خدمات کی گراں مائیگی، دینی واصلاحی تحریک کی وسعت اور احیاءِ اسلام کی مرکزیت کے اعتبار سے نہ صرف برصغیر بلکہ دوسرے اسلامی ممالک میں بھی کوئی تعلیم گاہ ایسی نہیں جس نے ملت اسلامیہ کی اتنی وقیع اور اہم دینی وعلمی، سماجی وسیاسی اور تبلیغی واصلاحی خدمات انجام دی ہوں۔

علمائے دیوبند کے دینی وعلمی تبلیغی وتصنیفی کارناموں کا برصغیر ہی میں نہیں بلکہ دوسرے اسلامی ممالک میں بھی بارہا اعتراف کیا گیا، خصوصاً ارشاد وتربیت اور تدریس وتبلیغ کے میدانوں میں یہ سب سے آگے نظر آتے ہیں۔ دارالعلوم کے غلغلے سے افغانستان اور بخارا وسمرقند تک کی علمی مجلسیں گونج اٹھیں۔ یہ ایک مستند تاریخی حقیقت ہے کہ دارالعلوم دیوبند کا یہ چشمۂ فیض اپنی خصوصیات کے ساتھ تشنگان علوم کو سیراب کرنے میں ایک صدی سے زائد مدت سے مصروف ہے، اور پورا ایشیا بلکہ سارا عالم اس چمنستان نبوت کی خوشبو سے مہک رہا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کی انھی دینی، علمی اور فکری سرگرمیوں نے اسے دنیائے اسلام کی نگاہوں کا مرکز بنا دیا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے وجود پر برصغیر کے مسلمان جس قدر بھی فخر ومسرت کا اظہار کریں، اس کے درست اور حق بہ جانب ہونے میں کوئی تامل نہیں کیا جاسکتا۔ دارالعلوم کی تاریخ عہد حاضر میں مسلمانوں کی تاریخ کا روشن باب ہے۔ اقامت دین اور حریت فکر کی اس عظیم جدوجہد کو اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ کا اگر بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت صاف نظر آتی ہے کہ یہ قدیم طرز کی صرف ایک درس گاہ نہیں ہے بلکہ درحقیقت احیائے اسلام اور قیام ملت کی ایک عظیم الشان تحریک ہے۔

دیوبند کی سرزمین پر اس دینی درس گاہ کا قیام اور اس کا استحکام برصغیر کے مسلمانوں کی ایک متحدہ سعی و کوشش کا نتیجہ ہے۔ دین کی خدمت، اسلام کی تائید، اسلامی علوم وفنون کا احیاء اور ان کی نشر واشاعت، علم کے شائق طلبہ کی دست گیری دارالعلوم دیوبند کے مخصوص اور مہتم بالشان کارنامے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند تقریباً ڈیڑھ سو سال سے سلف صالحین کے مسلک کے مطابق مسلمانوں کی صحیح علمی اور عرفانی تربیت اور رہ

نمائی کررہا ہے۔ زوال بغداد کے بعد جس طرح قاہرہ اسلامی علوم وفنون کا مرکز بنا، ٹھیک اسی طرح دہلی کے زوال کے بعد علمی مرکزیت دیوبند کے حصے میں آئی اور بڑی بڑی نامور شخصیتیں اس درس گاہ سے اٹھیں۔ بے شمار علماء وفضلاء نے اس کی آغوش تربیت میں پرورش پائی۔ یہاں سے ہزاروں علماء ومشائخ، محدثین و فقہاء، مصنفین اور دوسرے علم وفن کے ماہرین پیدا ہوئے اور آسمان علم وعمل کے آفتاب و ماہتاب بنے، جنھوں نے مختلف انداز سے دین کی خدمات انجام دی ہیں اور آج بھی اس برصغیر کے گوشے گوشے میں انجام دے رہے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ، اسلام کی تاریخ میں ایک عہد آفریں دور کا تاریخی باب ہے۔ مختصر یہ کہ علوم وفنون کا یہ بحرزخار تشنگان علم کی بہت بڑی تعداد کو اب تک سیراب کر چکا ہے، جنھوں نے نسیم بہار بن کر اس کی علمی خوشبو کو چہار دانگ عالم میں پھیلا دیا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتگان ایک ایسے گھنے درخت کے مشابہ ہیں جس کی سرسبز وشاداب شاخوں اور پتوں کا شمار کرنا آسان نہیں ہے۔

دارالعلوم دیوبند اپنے یوم تاسیس سے شریعت وطریقت دونوں کا مرکز رہا ہے۔ آسمان شریعت وطریقت اور علم وعمل کے جتنے بھی ماہ وانجم اس وقت برصغیر میں چمک رہے ہیں، ان میں سے بیشتر اسی شمس بازغہ کی روشنی سے منور ہیں اور اسی سرچشمۂ علم وعرفان سے سیراب ہو کر نکلے ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ برصغیر کے اکثر و بیشتر بڑے بڑے علماء نے اسی درس گاہ میں زانوئے تلمذ تہہ کیا ہے اور بہت سے ایشیائی ملکوں میں خوان دارالعلوم کے زلہ ربا موجود ہیں جنھوں نے برصغیر اور اس کے باہر بہت سے ملکوں میں کتاب وسنت کے چراغ روشن کیے ہیں اور بے شمار انسانوں نے ان کے ذریعہ رشد وہدایت کا فیض پایا ہے۔

دارالعلوم دیوبند صرف ایک تعلیم گاہ ہی نہیں بلکہ درحقیقت ایک تحریک ہے، ایک مکتب فکر اور ایک بحر بیکراں ہے۔ برصغیر کے اطراف میں جس قدر دینی مدارس اس وقت موجود ہیں ان کے اساتذہ تقریباً بلا واسطہ یا بالواسطہ دارالعلوم ہی کے فیض یافتہ ہیں اور ہر سال سیکڑوں طلبہ یہاں سے فارغ ہو کر درس وتدریس، وعظ وتبلیغ اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ سے اشاعت دین کا فرض انجام دے رہے ہیں۔ اب تو یوروپ و امریکہ اور افریقہ وغیرہ تک یہ سلسلہ پھیل چکا ہے۔

دارالعلوم دیوبند نے مسلمانوں کی فکر ونظر کو تازگی و پاکیزگی، قلب کو عزم وحوصلہ اور جسم کو قوت وتوانائی بخشنے میں بڑا کام کیا ہے۔ اس کا فیضان عام ہے، اس سے ایسے بے شمار لوگوں نے اپنی علمی تشنگی بجھائی ہے، جن کے علمی شوق کو پورا کرنے کے لیے اسباب مہیا نہ تھے۔ اسی کے ساتھ دارالعلوم کے نقش قدم پر بہت سے علمی اور دینی چشمے جاری ہوگئے جن میں سے ہر چشمہ اپنے افادہ وفیضان کا ایک خاص دائرہ رکھتا ہے۔ یہ سب اسی نظام شمسی کے ستارے ہیں جن کی روشنی سے برصغیر میں مسلمانوں کی علمی ودینی زندگی کا گوشہ گوشہ روشن ہے۔

ان دینی مدارس سے لاکھوں مسلمان گھرانوں کی حالت سدھر گئی، مسلمانوں کا احساس کمتری دور ہوا اور ان کی بدولت ملت کو ایسے بے شمار افراد میسر آ گئے جنھوں نے حالات اور وقت کے مطابق زندگی کے مختلف گوشوں میں مسلمانوں کی رہ نمائی کی۔ جہاں جہاں دارالعلوم کے نقش قدم پر قائم ہونے والے دینی مدارس صحیح خطوط پر سرگرم عمل ہیں، وہاں اسلام کی حیثیت اور مسلمانوں کی ملی خصوصیات بڑی حد تک محفوظ ہیں۔

دارالعلوم دیوبند نے برصغیر کے مسلمانوں کی دینی زندگی میں ان کو ممتاز مقام پر پہنچانے کا بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ یہ نہ صرف ایک بین الاقوامی تعلیمی ادارہ ہے بلکہ ذہنی نشو ونما، تہذیبی ارتقاء اور ملی حوصلہ مندیوں کا ایسا مرکز بھی ہے جس کے صحیح علم اور بلند کردار پر مسلمانوں کو ہمیشہ بھروسہ اور فخر رہا ہے۔ جس طرح عربوں نے ایک زمانے میں یونانیوں کے علوم وفنون کو ضائع ہونے سے بچایا، اسی طرح دارالعلوم دیوبند نے اس زمانے میں علوم اسلامیہ اور بالخصوص علم حدیث کی جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں وہ اسلام کی علمی تاریخ میں ایک زریں کارنامے کی حیثیت رکھتی ہیں۔

قیام دارالعلوم کا پس منظر

انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں ہندوستان کے اندر اسلامی شوکت کا چراغ گل ہو چکا تھا۔ صرف اٹھتا ہوا دھواں رہ گیا تھا جو چراغ بجھ جانے کا اعلان کر رہا تھا۔ دہلی کا تخت مغل اقتدار سے خالی ہو چکا تھا، صرف ڈھول کی منادی میں ''ملک بادشاہ کا'' رہ گیا تھا۔ اسلامی شعائر رفتہ رفتہ روبہ زوال تھے۔ دینی علم اور تعلیم گاہیں پشت پناہی ختم ہو جانے کی وجہ سے ختم ہو رہی تھیں۔ علمی خانوادوں کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کا فیصلہ کیا جا چکا تھا۔ دینی شعور رخصت ہو رہا تھا اور جہل وضلالت مسلم قلوب پر چھاتا چلا جا رہا تھا۔ مسلمانوں میں پیغمبری سنتوں کے بجائے جاہلانہ رسوم ورواج، شرک وبدعت اور ہوا پرستی زور پکڑ رہی تھی۔ مشرقی روشنی چھپتی جا رہی تھی اور مغربی تہذیب وتمدن کا آفتاب طلوع ہو رہا تھا جس سے دہریت والحاد، فطرت پرستی اور بے قیدئ نفس، آزادئ فکر اور اباحیت کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں اور اس سے نگاہیں خیرہ ہو چلی تھیں۔ اسلام کی جیتی جاگتی تصویر آنکھوں میں دھندلی نظر آنے لگی تھی اور اتنی دھندلی کہ اسلامی خدوخال کا پہچاننا بھی مشکل ہو چکا تھا۔ چمن اسلام میں خزاں کا دور دورہ تھا۔ خوش آواز اور شیریں ادا پرندوں کے زمزمے مدھم پڑتے جا رہے تھے اور ان کی جگہ زاغ وزغن کی مکروہ آوازوں نے لے لی تھی۔

سولہویں صدی عیسوی کے اواخر سے انگریز سوداگروں کی ہندوستان آمد کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، ۱۶۰۰ء میں ملکہ الزبتھ کی اجازت سے ایسٹ انڈیا کمپنی (East India Company) بھی قائم ہوگئی تھی۔ ڈیڑھ سو سال تک ان لوگوں کو صرف اپنی تجارت سے سروکار رہا، لیکن جب اورنگ زیب عالمگیر کے بعد مغلیہ خاندان کی ناقابل تسخیر سلطنت میں شگاف پڑنے لگا اور ملک میں خانہ جنگیاں شروع ہوگئیں تو موقع کی نزاکت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انگریز بھی میدان میں اتر آئے اور انھوں نے مکروفریب سے کام لے کر ہر صوبہ میں ایمان فروشوں کو جنم دینا شروع کر دیا۔ انگریزوں کا یہ ایک ایسا حربہ تھا جس کی بدولت وہ بہت ہی آسانی سے دکن، بنگال، میسور، پنجاب، سندھ اور اودھ کو فتح کرتے ہوئے ۱۸۵۷ء میں لال قلعہ پر بھی قابض ہو گئے اور مغلیہ خاندان کے آخری چراغ بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے رنگون بھیج کر ہمیشہ کے لئے گل کر دیا۔ اس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی پورے ہندوستان پر چھا گئی اور پھر انگلستان کی حکومت اس ملک کی

باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے کر سیاہ وسفید کی مالک بن گئی۔

انگریز اپنے ناپاک عزائم کے تحت رفتہ رفتہ ہندوستان کے سیاسی، تعلیمی اور انتظامی معاملات میں مداخلت کرنے لگے۔ ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کے لیے مشنریوں کی یلغار شروع کی گئی اور اس غرض سے جگہ جگہ بائبل سوسائٹیاں قائم کی گئیں۔ انجیل کا ترجمہ ملک کی تمام زبانوں میں کیا گیا اور پوری قوت کے ساتھ عیسائیت کی تبلیغ شروع ہوگئی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی اسکیم یہ تھی کہ ہندوستان کے بسنے والوں بالخصوص مسلمانوں کو جاہل اور مفلس بنا کر چھوڑے جس کے لیے طرح طرح کے جائز و ناجائز ذرائع اختیار کیے جاتے تھے۔ اس راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ مسلمانوں کے علوم اور ان کا مذہبی شغف تھا۔ اس کے لیے ۱۸۳۵ء میں برطانوی ہندوستان کا تعلیمی نظام مرتب کیا گیا جس کی روح لارڈ میکالے کے نزدیک یہ تھی کہ:

''ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جو رنگ ونسل کے لحاظ سے تو ہندوستانی ہو مگر فکر و عمل کے لحاظ سے عیسائیت کے سانچے میں ڈھلی ہو''۔

انگریزی تہذیب کا یہ حربہ مسلمانوں کی مذہبی زندگی، قومی روایات اور علوم وفنون کے لیے سخت تباہ کن تھا، جس کو قبول کرنے کے لیے وہ کسی طرح تیار نہ ہو سکتے تھے، اور ابھی تک وہ اپنی مذہبی زندگی اور قومی شعور کو برقرار رکھنے کا کوئی حل نہ سوچ سکے تھے کہ اسی دوران ۱۸۵۷ء کا جنگی ہنگامہ پیش آ گیا جس کی بے پناہ تباہ کاریوں اور ہولناکیوں نے دلوں کو ہیبت زدہ، دماغوں کو ماؤف اور روحوں کو پژمردہ کر دیا۔ پوری قوم پر جمود، بے حسی اور مایوسی کی گھٹائیں چھا گئیں۔ یہ ہندوستان میں مسلمانوں کی چھ سو سالہ تاریخ میں یہ سب سے زیادہ بھیانک، نازک اور خطرناک وقت تھا، اس پس منظر میں انگریزوں کی تمام کوشش وکاوش مسلمانوں کے علمی وتہذیبی تشخص کو ملیامیٹ کرنے اور سیادت وقیادت سے محروم کرنے کے لئے ہو رہی تھی۔

۱۸۵۷ء میں پورے ملک میں آزادی کی جنگ لڑی گئی مگر اس جنگ میں ناکامی ہوئی جس کے بعد ہندوستانیوں پر ظلم وستم اور وحشت و بربریت کا دور شروع ہو گیا۔ انگریزی مظالم کی خوں چکاں داستان اور روح فرسا واقعات سن کر کلیجہ منہ کو آ جاتا ہے اور کیوں نہ آئے کہ انسانی اخلاق واقدار سے عاری انگریزوں کا اصل نشانہ مسلمان ہی تھے کیونکہ حکومت مسلمان ہی سے چھینی تھی اور اسے ان سے ہی انتہا پسندی کا شکوہ تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے قبل انگلستان کے گورنر جنرل نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ ہمارے اصل مخالف مسلمان ہیں۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کی جنگ میں ناکامی کے بعد انگریزوں نے جی بھر کر بدلہ لیا اور علماء، مسلم شعراء، ادیبوں اور رہنماؤں کے قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ انگریزوں نے مسلمانوں کو دبانے، کچلنے، تباہ و برباد کرنے اور بطور خاص علماء کو قتل کرنے میں ذرا بھی دریغ نہیں کیا جسے تحریر کرتے ہوئے

مؤرخین کا قلم صفحۂ قرطاس پر سیاہی کی جگہ خون برساتا ہے۔

ان حالات سے یقین ہو چلا تھا کہ اسلام کا چمن اب اجڑا اور یہ کہ اب ہندوستان بھی اسپین کی تاریخ دہرانے کے لیے کمر بستہ ہو چکا ہے۔ اس زمانے کے مسلمانوں کی پراگندہ حالی کی نسبت حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء کے جلسۂ انعام میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا:

> ''اس مدرسہ کی بناء محض علوم دین کے احیاء کے لیے ہوئی، یہ وہ زمانہ تھا جس میں بعد غدر ہندوستان نے تھوڑا وقت گذار لیا تھا اور مجموعۂ حال کے دیکھنے سے یوں نظر آتا تھا کہ اب علم دین کا خاتمہ ہے، نہ کوئی پڑھ سکے نہ پڑھا سکے، بڑے بڑے شہر کہ مرکز اس دائرہ کے تھے خراب ہو گئے تھے، علماء پریشان، کتب مفقود، جمعیت ندارد، اگر کسی قلب میں شوق علم اور طلب کی ہمت ہوئی تو کہاں جائے اور کس سے سیکھے اور یوں نظر آتا تھا کہ بیس تیس برس میں جو علماء بقید حیات ہیں اپنے وطن اصلی جنت کو سدھار جائیں گے، تب کوئی اتنا بتلانے والا بھی نہ رہے گا کہ وضو کے کتنے فرض اور نماز میں کیا واجب ہے، ایسی پریشانی اور مایوسی اور ناامیدی میں فضل الٰہی نے جوش مارا اور رحمتِ خداوندی کا دریا امنڈ آیا اور ابر فیضِ قدرت کامل موسلا دھار برسا اور اپنے بندگان مقبول کو اس کام کی طرف متوجہ فرمایا، اور اپنا ابر کرم اس مدرسہ کی بناء میں ظاہر فرما دیا''۔

بہر حال کچھ نفوس قدسیہ اپنے دل میں ایک خلش اور کسک محسوس کرتے رہے۔ یہ خلش علوم نبوت کے تحفظ، دین کی حفاظت اور اس کے راستے سے ستم رسیدہ مسلمانوں کو بچانے کی تھی۔ وقت ان اولیاء اللہ کی قلبی واردات اس امر پر مجتمع تھیں کہ اس وقت بقائے دین کی صورت بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ دینی تعلیم کے ذریعہ مسلمانان ہند کی حفاظت کی جائے اور تعلیم و تربیت کے راستے سے ان کے دل و دماغ کی تعمیر کر کے ان کی بقا کا سامان کیا جائے۔

اُن حالات میں کچھ بزرگوں کے دل میں یہ بات آئی کہ ایک درس گاہ قائم کی جائے، جس میں علوم نبویہ پڑھائے جائیں اور انھیں کے مطابق مسلمانوں کی دینی، معاشرتی اور تمدنی زندگی اسلامی سانچوں میں ڈھالی جائے جس سے ایک طرف تو مسلمانوں کی داخلی رہ نمائی ہو اور دوسری طرف خارجی مدافعت، نیز مسلمانوں میں صحیح اسلامی تعلیمات بھی پھیلیں اور ایمان دارانہ سیاسی شعور بھی بیدار ہو۔ چناں چہ ان حضرات نے اس سمت میں آگے بڑھنا شروع کیا اور اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے پر کمر بستہ ہو گئے۔ ان مقاصد کے لیے کمر باندھ کر اٹھنے والے یہ لوگ رسمی قسم کے رہ نما اور لیڈر نہ تھے بلکہ خدا رسیدہ بزرگ اور اولیائے وقت تھے اور ان کی یہ باہمی گفت وشنید کوئی رسمی قسم کا مشورہ یا تبادلۂ خیال نہ تھا۔ وقت کے ان تمام اولیاء اللہ کے قلوب پر بیک وقت یہ الہام ہوا کہ اب ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ و بقا کی واحد صورت قیام مدرسہ ہے۔ چناں چہ اس مجلس مذاکرہ میں کسی نے کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ حفظ دین و مسلمین

کے لیے اب ایک مدرسہ قائم کیا جائے۔ کسی نے کہا کہ مجھے کشف ہوا کہ ایک مدرسہ قائم ہو۔ کسی نے کہا کہ میرے قلب پر وارد ہوا ہے کہ مدرسہ کا قیام ضروری ہے۔ کسی نے بہت صریح لفظوں میں کہا کہ مجھے من جانب اللہ الہام کیا گیا ہے کہ ان حالات میں تعلیم دین کا ایک مدرسہ قائم ہونا ضروری ہے۔ ان اہل اللہ کا ان تبادلۂ واردات کے بعد قیام مدرسہ پر جم جانا درحقیقت عالم غیب کا ایک مرکب اجماع تھا جو قیام مدرسہ کے بارے میں من جانب اللہ واقع ہوا۔

اس سے جہاں یہ واضح ہے کہ اس وقت کے ہندوستان میں قیام مدرسہ کی یہ تجویز کوئی رسمی تجویز نہ تھی، بلکہ الہامی تھی۔ وہیں یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اس تجویز کے پردہ میں ملک گیر اصلاح کی روح چھپی ہوئی تھی جو محض مقامی یا ہنگامی نہ تھی؛ کیوں کہ اسلامی شوکت ختم ہو جانے کے کا اثر بھی مقامی نہ تھا جس کے تدارک کی فکر تھی، وہ پورے ملک پر پڑ رہا تھا۔ اس لیے اس کے دفعیہ کی یہ ایمانی رنگ کی تحریک بھی مقامی انداز کی نہ تھی بلکہ اس میں عالمگیریت پنہاں تھی۔ گو ابتداء میں اس کی شکل ایک چھوٹے سے تخم کی سی تھی، مگر اس وقت اس میں ایک تناور شجرۂ طیبہ لپٹا ہوا تھا جس کی جڑیں سچے قلوب کی زمین میں پھیلی ہوئی تھیں اور شاخیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔

ان بزرگوں نے انگریزوں کے ناپاک عزائم کو ناکام بنانے اور مسلمانوں کی مرکزیت بحال کرنے کے لیے ۱۵ر محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۱ر مئی ۱۸۶۶ء کو جمعرات کے دن دیوبند کی مسجد چھتہ میں ایک مدرسہ اسلامی عربی (دارالعلوم دیوبند) قائم کیا جس کی اصلیت اسلامی علوم وفنون کی حفاظت گاہ، اسلامی تہذیب و تمدن کے قلعہ اور جنگ آزادی کے لئے ایک فوجی چھاؤنی کی تھی۔

دارالعلوم کے قیام، مشورہ اور ترقی دینے میں مندرجہ ذیل بزرگان دین وعلمائے کرام کا ہاتھ تھا: حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت حاجی عابد حسینؒ، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا ذوالفقار دیوبندیؒ، حضرت مولانا مہتاب علی دیوبندیؒ، حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ وغیرہم۔ ان حضرات نے دارالعلوم قایم کر کے اپنے عمل سے یہ نعرہ بلند کیا کہ ''ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان تیار کرنا ہے جو رنگ ونسل کے لحاظ سے ہندوستانی ہوں اور دل ودماغ کے لحاظ سے اسلامی ہوں، جن میں اسلامی تہذیب وتمدن کے جذبات بیدار ہوں اور دین وسیاست کے لحاظ سے ان میں اسلامی شعور زندہ ہو۔'' اس کا ایک ثمرہ یہ نکلا کہ مغربیت کے ہمہ گیر اثرات پر بریک لگ گیا اور بات یک طرفہ نہ رہی بلکہ ایک طرف اگر مغربیت شعار افراد نے جنم لیا تو دوسری طرف مشرقیت نواز اور اسلامیت طراز حلقہ بھی برابر کے درجہ میں سامنے آنا شروع ہو گیا۔ جس سے یہ خطرہ باقی نہ رہا کہ مغربی سیلاب سارے خشک وتر

کو بہالے جائے گا بلکہ اگر اس کا ریلا بہاؤ پر آئے گا تو ایسے بند بھی باندھ دیئے گئے جو اسے آزادی سے آگے نہ بڑھنے دیں گے۔

تحریک دیوبند میں شامل علماء وبزرگان دین مسندالہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی درس گاہ کے وارث وامین تھے۔تحریک شاہ ولی اللہی کا جو سلسلہ جو حضرت شاہ عبدالعزیز، شاہ محمد اسحاق اور آخر میں شاہ عبدالغنی مجددی رحمہم اللہ سے جاری ہوا تھا، ان حضرات کی رگوں میں اسی تحریک کا خون دوڑ رہا تھا۔تحریک ولی اللہی کے حضرات اکابرین نے مدرسہ رحیمیہ دہلی کو اپنی اصلاحی وانقلابی سرگرمیوں کا مرکز بنایا تھا اور اس میں بیٹھ کر قوم کی علمی وفکری تعمیر وتشکیل کی خدمت انجام دی تھی۔سلطنت مغلیہ کے سقوط اور ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے دوران یہ مدرسہ بھی شکست وریخت کا شکار ہوا، چناں چہ تحریک ولی اللہی کے وارث علماء وبزرگان نے دیوبند میں 'مدرسہ عربی اسلامی' قائم کر کے اس وراثت کی حفاظت اور اشاعت کی ذمہ داری سنبھالی۔

یہ ہے دارالعلوم دیوبند کی تاسیس کا تاریخی پس منظر جس سے صاف ظاہر ہے کہ دارالعلوم دیوبند دراصل اسی شجر طوبی کی ایک سرسبز وشاداب شاخ ہے جسے امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے بافیض مبارک ہاتھوں سے نصب کیا تھا تاکہ شرک و بدعت اور جہل ومعصیت کے بادسموم سے نڈھال واماندگان راہ اس کے حیات بخش سائے میں آکر زندگی کی تازگی وتوانائی حاصل کرسکیں۔

ماخذ:

تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد اول سید محبوب رضوی

دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی، حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب قاسمیؒ

دارالعلوم کا نصب العین اور بنیادی اصول

دارالعلوم کا قیام جن مقاصد کے لیے عمل میں لایا گیا، ان کی تفصیل دارالعلوم کے دستورِ اساسی میں حسبِ ذیل بیان کی گئی ہے:

(الف) علوم عربیہ و دینیہ یعنی قرآن مجید و تفسیر و حدیث و فقہ و عقائد و کلام و دیگر مذہبی فنون کی مسلمانانِ عالم کو تعلیم دینا۔

(ب) ثانوی مرتبہ میں دیگر علوم و فنون کی جو عربی زبان کی تحصیل یا مذہبی اغراض کی تکمیل کے لیے ضروری یا مفید ہوں، اسی طرح فارسی اور اردو و دیگر زبانوں کی بقدرِ ضرورت تعلیم دینا۔

(ج) حفاظت و اشاعت اسلام کی خدمت بذریعہ تحریر و تقریر بجالانا اور مسلمانوں میں دینی تعلیم و تبلیغ کے ذریعہ خیر القرون اور سلف صالحین جیسے اسلامی اخلاق و اعمال اور جذبات پیدا کرنا۔

(د) دوسرے فنون و حرفوں کو بقدرِ ضرورت اسی حد تک اختیار کرنا کہ اصل مقصد تعلیم میں نقصان واقع نہ ہو، اور جنھیں اصل مقصد کے لیے معین و مفید سمجھا گیا ہو۔

(ھ) علوم دینیہ کی اشاعت کے لیے مختلف مقامات پر مدارسِ عربیہ قائم کرنا اور ان کا دارالعلوم سے الحاق کرنا۔

یہ وہ مقاصد ہیں جو اگرچہ اسلامی روایات و تاریخ کے دامن سے ہمیشہ وابستہ رہے ہیں مگر اس وقت ان کے احیاء و تجدید کی ضرورت اس لیے درپیش تھی کی تیرہویں صدی ہجری کے نصفِ آخر میں حکومت کی تبدیلی اور محرومی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے علم و عمل اور فکر و نظر میں جو اختلال اور رخنہ پیدا ہو گیا تھا اس کے انسداد کے لیے ناگزیر تھا کہ آئندہ کے لیے ایسے وسائل اختیار کئے جائیں جن کے ذریعہ سے اسلام، اسلامی علوم اور اسلامی تہذیب و معاشرت کی حفاظت کی جا سکے۔ دارالعلوم کا نصب العین ان ہی مقاصد کا احیاء اور ان کی تجدید ہے۔

نصب العین کی تشریح

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیو بند دارالعلوم کے نصب العین کی تشریح ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

اول مذہبیت: دارالعلوم مذہبی قوت کا سرچشمہ ہے اور اول سے آخر تک اسلام کے دستور وآئین کا پابند ہے، یہی وجہ ہے کہ یہاں کا ہر فرد اسلام کا نمونۂ کامل ہے۔

دوم آزادی: جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ دارالعلوم مکمل طور پر بیرونی غلامی کے خلاف ہے، اس کا نظامِ تعلیم وتربیت، اس کا نظامِ مالیات اور اس کا نظامِ اجتماعی سراسر آزاد ہے۔ دنیا میں یہ پہلی جامعہ ہے جس کے سامنے حکومت نے بارہا پیش کش کی مگر اس نے لاکھوں روپے کی پیش کش قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

سوم سادگی اور محنت پسندی: جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہاں کے علماء اور فضلاء جہادِ زندگی میں بڑی سے بڑی مصیبت برداشت کرنے کے عادی ہیں۔

چہارم کردار وبلند اخلاقی: جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہاں کے طلبہ اس کردارِ بلند کا نمونہ کامل ہیں جس کو انھوں نے اپنے اکابر سے پایا ہے، یہ کردار سراسر روحانی ہے۔

پنجم علمی اور تعلیمی وابستگی: یہ وہ خصوصیت ہے جسے دارالعلوم کو دیکھنے والا اولین لمحات میں محسوس کرتا ہے، یہ نہ کہنے کی بات ہے نہ سننے سے متعلق ہے دارالعلوم کی ہر خصوصیت کو اس کی زندگی کے آئینہ میں دیکھا جاسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم دیو بند میں دنیا کے ہر حصے کے طلبہ موجود ہیں، دارالعلوم کے اساتذہ دنیا کے بہترین اساتذہ ہیں اور دارالعلوم کے خدام ایثار وقربانی کا زندہ نمونہ ہیں، مسلمانوں کو ان لوگوں پر اعتماد ہے اور دنیا کے ہر حصے سے اس دارالعلوم کے لیے مالی امدادیں وصول ہوتی ہیں۔

دارالعلوم دیو بند کی داغ بیل ان علمائے ربانیین نے ڈالی تھی جو سراپا خلوص وللّٰہیت تھے، ان کا دل ودماغ ملت اسلامیہ کے شاندار مستقبل کے لیے بے چین تھا، انھوں نے اپنے کو اشاعتِ دین اور ترویجِ علومِ دینیّہ کے لیے وقف کر دیا تھا، رب العالمین نے دارالعلوم اور اس کی خدمت کو مقبولیت عطا فرمائی اور اس نے ملک اور بیرون ملک کی دینی، علمی، اخلاقی اور اصلاحی جو خدمات عظیم انجام دی ہیں وہ کبھی بھلائی نہیں جاسکتی ہیں، یہاں سے ہزاروں علماء اور صوفیاء پیدا ہوئے جن میں بہترین محدثین، فقہاء، مصنّفین اور مبلغین کا جم غفیر بھی ہے، اور رشد وہدایت اور تزکیۂ باطن کرنے والوں کی ایک لمبی جماعت بھی ہے، بلکہ ان

میں وہ لوگ بھی بڑی تعداد میں ہیں جنھوں نے ملک کی آزادی اور یہاں کے باشندوں کی اصلاح کے لیے بے مثال قربانیاں پیش کی ہیں۔(تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد اول، ص ۱۴۳-۱۴۵)

حضرت نانوتویؒ کے اصول ہشت گانہ

مذکورہ بالا نصب العین کے ساتھ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کے تحریر فرمودہ ان اصولِ ہشت گانہ پر بھی نظر ڈالنا ضروری ہے جو دارالعلوم دیوبند ہی نہیں بلکہ برصغیر کے تمام اسلامی مدارس کے لیے رہنما اصول یا دستورِ اساسی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان اصولوں کی گہرائی تو ان کے عمیق مطالعہ سے واضح ہوسکتی ہے لیکن اس سلسلے میں یہ حقیقت بہرحال قابل ذکر ہے کہ دارالعلوم آج بھی الحمدللہ انھیں اصولوں پر قائم ہے اور ان پر کاربند رہنے کو اپنی کامیابی کی ضمانت سمجھتا ہے۔

(۱) اصل اول یہ ہے کہ تا مقدور کارکنان مدرسہ کی ہمیشہ تکثیر چندہ پر نظر رہے، آپ کوشش کریں اوروں سے کرائیں خیر اندیشان کو یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہے۔

(۲) ابقاء طعام بلکہ افزائش طعام طلبہ میں جس طرح ہوسکے خیر اندیشان مدرسہ ساعی رہیں۔

(۳) مشیران مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسہ کی خوبی اور اسلوبی ہو، اپنی بات کی پچ نہ کی جائے، خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی کہ اہل مدرسہ اہل مشورہ کو اپنی مخالفتِ رائے اور اوروں کی رائے کے موافق ہونا ناگوار ہو تو پھر اس مدرسہ کی بناء میں تزلزل آجائے گا۔ القصہ تہِ دل سے بروقت مشورہ اور نیز اس کے پس وپیش میں اسلوبیٔ مدرسہ ملحوظ رہے، سخن پروری نہ ہو، اور اس لیے ضروری ہے کہ اہل مشورہ اظہارِ رائے میں کسی وجہ سے متامل نہ ہوں اور سامعین بہ نیت نیک اس کو سنیں، یعنی یہ خیال رہے کہ اگر دوسرے کی بات سمجھ میں آجائے گی تو اگرچہ ہمارے مخالف ہی کیوں نہ ہو بدل وجان قبول کریں گے اور نیز اس وجہ سے یہ ضروری ہے کہ مہتمم امورِ مشورہ طلب میں اہل مشورہ سے ضرور مشورہ کیا کرے خواہ وہ لوگ ہوں جو ہمیشہ مشیرِ مدرسہ رہتے ہیں یا کوئی وارد وصادر جو علم وعقل رکھتا ہو اور مدرسوں کا خیر اندیش ہو، اور نیز اسی وجہ سے ضروری ہے کہ اگر اتفاقاً کسی وجہ سے کسی اہل مشورہ سے مشورہ کی نوبت نہ آئے اور بقدر ضرورت اہل مشورہ کی مقدار معتد بہ سے مشورہ کیا گیا ہو تو پھر وہ شخص اس وجہ سے ناخوش نہ ہو کہ مجھ سے کیوں نہ پوچھا، ہاں اگر مہتمم نے کسی سے نہ پوچھا تو پھر اہل مشورہ معترض ہوسکتے ہیں۔

(۴) یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرسین باہم متفق المشرب ہوں اور مثل علماء روزگار خودبیں اور

دوسروں کے درپئے توہین نہ ہوں۔خدانہ خواستہ جب اس کی نوبت آئے گی تو پھر اس مدرسہ کی خیر نہیں۔

(۵) خواندگی مقررہ اس انداز سے ہو جو پہلے تجویز ہو چکی ہو یا بعد میں کوئی انداز مشورے سے تجویز ہو ورنہ یہ مدرسہ اول تو خوب آباد نہ ہوگا اور اگر آباد ہوگا تو بے فائدہ ہوگا۔

(۶) اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں جب تک یہ مدرسہ ان شاء اللہ بشرط توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہوگئی جیسی جاگیر یا کارخانہ تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف ورجاء جو سرمایہ رجوع الی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امداد غیبی موقوف ہوجائے گی اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہوجائے گا، القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے۔

(۷) سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے۔

(۸) تامقدور ایسے لوگوں کا چندہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے جن کو اپنے چندہ سے امید ناموری نہ ہو، بالجملہ حسن نیت اہل چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند اور اس کے منہاج پر جاری دیگر مدارس دینیہ کے اصول ومقاصد کو حجۃ الاسلام مولانا نانوتوی قدس سرہ نے اساسی اصول ہشتگانہ کے عنوان سے خود تحریر فرمایا تھا، جو ماہنامہ القاسم کے دارالعلوم نمبر (مجریہ ۱۳۴۷ھ) میں شائع ہو چکا ہے۔

اصول ہشت گانہ کی خصوصیات

عوامی تعلق اور عام مسلمانوں میں تعلیم کا فروغ:

اصول ہشت گانہ سے ہندوستان میں مضبوط ومستحکم دینی تعلیمی نظام کی بنیاد پڑی۔اس کا بنیادی اصول یہ تھا کہ مدارس کو حکومت وامراء کی سرپرستی سے نکال کر اسے جمہور اور عوام سے جوڑا گیا۔عوام کے چندوں سے چلنے والے اس نظام میں استحکام بھی تھا اور سماج کے ہر طبقہ سے بھرپور ربط بھی، جس کی وجہ سے تعلیم سماج کے ہر حلقہ میں پہنچنے لگی۔دارالعلوم دیوبند اور اس کے نہج پر قائم ہونے والے اداروں کے ذریعہ مسلمانوں کے ہر طبقے میں تعلیم وتعلم کا فروغ ہوا جو اس سے پہلے اتنی وسیع سطح پر کبھی نہ ہوا تھا۔

شورائی اور جمہوری نظام:

دوسرا بنیادی اصول یہ تھا کہ مدارس کا نظام شورائی بنیادوں پر قائم ہو، تاکہ اس کی کارکردگی زیادہ بہتر

ہواور اس کے نظام میں شفافیت ہو۔ گویا ہندوستان میں جمہوری سیاسی نظام شروع ہونے سے پون صدی قبل ہی دارالعلوم نے جمہوری اداروں کی بنیاد رکھ دی تھی۔

قابل ذکر بات ہے کہ دارالعلوم کا آغاز جس معمولی حالت اور بے سروسامانی کے ساتھ ہوا تھا اس کو دیکھتے ہوئے دارالعلوم کے نظم ونسق کا مشاورت کے اصول پر مبنی ہونا تعجب خیز معلوم ہوتا ہے۔ ہندوستان میں اس وقت جمہوری نظام سے لوگ عام طور پر نا آشنا اور نامانوس تھے۔ دارالعلوم نے اس وقت اسلامی طرز پر مجلس شوریٰ کی بنیاد رکھی اور اس نظام کو کامیابی کے ساتھ چلا کر قوم کے سامنے ایک عمدہ مثال قائم کردی۔ اسی طرز فکر کا نتیجہ تھا کہ انتظامات میں بڑی وسعت کے ساتھ جمہوری انداز قائم ہوگیا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنے تحریر فرمودہ ہشت نکاتی دستور العمل کی تیسری دفعہ میں اس امر پر زور دیا ہے کہ مشیران ہمیشہ مدرسہ کی خوبی اور خوش اسلوبی کو مدنظر رکھیں اور اپنی رائے کی مخالفت اور تنقید کو ناگوار نہ سمجھیں ورنہ مدرسہ کی بنیاد میں تزلزل آجائے گا۔ اخلاص اور آزادیٔ اظہار رائے، جمہوری نظام کے یہ دو عمدہ اصول ہیں جن سے بہتر کوئی دوسرا طریق کار نہیں ہوسکتا۔ اس تجویز سے تعمیری نکتہ چینی کی راہ کھل گئی جو کسی ادارہ کی ترقی کے لیے بڑی ضروری ہے۔

عوامی چندہ:

آج سے ڈیڑھ سو سال قبل بلاشبہہ ایک عجیب وغریب بات تھی کہ عوامی چندے کی بنیاد پر ایک ایسا تعلیمی ادارہ قائم کیا جائے جو حکومت کے اثرات سے آزاد ہو۔ آنے والے جمہوری دور کے پیش نظر یہ ایک زبردست پیش بینی اور پیش بندی تھی۔ اب جب کہ بڑی بڑی ریاستیں خواب و خیال ہوچکی ہیں اور زمینداریاں ختم ہوگئی ہیں، مگر کشمیر سے آسام تک ہزاروں دینی مدرسے چل رہے ہیں اور ان پر حکومت کی تبدیلیوں کا کوئی اثر نہیں ہے۔ اس سے عوامی چندہ کی اہمیت وافادیت اور مدارس کی بنیادوں کے استحکام کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اوقاف کے سابقہ طریقہ کے بجائے عوامی چندے کا یہ طریقہ بہت کامیاب اور بڑا نتیجہ خیز ثابت ہوا۔ دینی مدارس کے قیام اور دینی تعلیم کی نشر واشاعت کے لیے یہ ایک ایسا مفید اور مستحکم طریقہ تھا جس نے دینی تعلیم کے فروغ کو عوامی چندہ کی تحریک سے مربوط کردیا۔

حکومتی امداد سے احتراز اور توکل علی اللہ:

حضرت نانوتویؒ کے اس دستور العمل میں سرکار اور امراء کی شرکت کو مضر اور نقصان دہ بتایا گیا ہے، بلکہ ایسے افراد کے چندہ کو موجب برکت محسوس کیا گیا ہے جن کو اپنے چندہ سے امید ناموری نہ ہو۔ اس اصول سے مدارس میں درآنے والے بہت سے فتنوں کا سد باب ہوگیا۔ حکومتی امداد سے سرکاری دخل اندازی کے

راستے کھلتے ہیں اوراسی کے ساتھ دیگر مفاسد درآتے ہیں۔آج سرکاری مدارس کا جو براحال ہے وہ سب پر عیاں ہے۔اس طرح اس اصول کی روشنی میں حضرت نانوتویؒ نے جس تعلیمی تحریک کی بنیاد رکھی وہ زمان و مکان کی قیدوں سے آزاد ایک ایسی مستحکم تحریک تھی جو زمانے کی الٹ پھیر،حکومتوں کے کی آمد ورفت اور دیگر پابندیوں سے ماوراو محفوظ تھی۔

حضرت نانوتویؒ نے مدرسہ کے لیے مستقل ذریعہ آمدنی کوبھی نقصان دہ اور باعث اختلاف وانشقاق تصور کیا۔توکل علی اللہ،خوف ورجا اور توجہ الی اللہ کواس کی بقاوترقی کی ضمانت سمجھا۔دارالعلوم کی تاسیسی جماعت کے ایک دوسرے رکن حضرت مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ نے اس کو نظم میں اس طرح ڈھالا ہے:

اس کے بانی کی وصیت ہے کہ جب اس کے لیے
کوئی سرمایہ بھروسہ کا ذرا ہو جائے گا
پھر یہ قندیل معلق اور توکل کا چراغ
یوں سمجھ لینا کہ بے نور و ضیاء ہوجائے گا

دوسرا باب

دارالعلوم دیوبند کا ڈیڑھ سو سالہ سفر

- بنائے دارالعلوم دیوبند
- دارالعلوم دیوبند کا ابتدائی دور (۱۲۸۳ھ تا ۱۳۱۳ھ) ۳۰ سال
- دارالعلوم دیوبند کا دوسرا دور (۱۳۱۳ھ تا ۱۳۴۸ھ) ۳۶ سال
- دارالعلوم دیوبند کا تیسرا دور (۱۳۴۸ھ تا ۱۴۰۱ھ) ۵۲ سال
- دارالعلوم دیوبند کا موجودہ دور (۱۴۰۱ھ تا ۱۴۳۳ھ) ۳۲ سال
- موجودہ دور کی ترقیات
- عمارات دارالعلوم اور ان کا تعارف

بنائے دارالعلوم

۱۸۵۷ء کے خونیں انقلاب میں جب دہلی اجڑی اور اس کی سیاسی بساط الٹ گئی تو دہلی کی علمی مرکزیت بھی ختم ہوگئی اور علم ودانش کا کارواں وہاں سے رخت سفر باندھنے پر مجبور ہوگیا۔ اس وقت کے اہل اللہ اور خصوصیت سے ان بزرگوں کو، جو اس خونیں انقلاب سے خود بھی گزر چکے تھے، یہ فکر واضطراب لاحق ہوا کہ علم ومعرفت کے اس کارواں کو کہاں ٹھکانہ دیا جائے اور ہندوستان میں بے سہارا مسلمانوں کے دین و ایمان کو سنبھالنے کے لیے کیا صورت اختیار کی جائے۔ خوش قسمتی سے اس وقت اس راہ عمل کے مذاکروں کا مرکزی مقام دیوبند کی مسجد چھتہ تھی۔ یہ وہی مسجد ہے جس میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ورود دیوبند کے موقع پر قیام فرماتے تھے۔ حضرت نانوتویؒ کی سسرال اسی کے قریب محلّہ دیوان میں واقع تھی، اس لیے اکثر یہاں تشریف آوری ہوتی رہتی تھی بلکہ اس وقت تک وہ دیوبند کو وطن ثانی بنا چکے تھے۔ اس زمانے میں حاجی عابد حسین صاحبؒ اور مولانا رفیع الدین صاحبؒ بھی اسی مسجد میں قیام پذیر تھے۔ اس طرح ان بزرگوں سے کمال درجہ کا ربط و ضبط قائم ہوگیا۔ علاوہ ازیں، دیوبند میں حضرت مولانا ذوالفقار صاحبؒ اور حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ سے بھی مودت ومحبت کا رشتہ قائم تھا۔

چناں چہ ان حضرات کے وقت کا اکثر حصہ مسلمانوں کی علمی ودینی ورثہ کی بقا وترقی اور ملی تحفظ کی فکر میں صرف ہونے لگا۔ اس وقت بنیادی نقطۂ نظر یہ قرار پایا کہ مسلمانوں کے دینی شعور کو بیدار رکھنے اور ان کی ملی شیرازہ بندی کے لیے ایک دینی وعلمی درس گاہ کا قیام ناگزیر ہے۔ اس مرکزی فکر کی روشنی میں ان حضرات نے یہ طے کیا کہ اب دہلی کے بجائے دیوبند میں یہ دینی درس گاہ قائم ہونی چاہیے۔ لیکن یہ مدرسہ قائم کیسے ہو اور اس کا طریقہ کار کیا ہو؟ برطانوی تسلط کے بعد اوقاف کی ضبطی اور امراء ونوابان کی بربادی کی وجہ سے کسی اسلامی تعلیم گاہ کو کس طرح چلایا جائے، یہ بات بھی شاید ان بزرگوں میں زیر بحث ہوگی۔ حضرت نانوتویؒ کے اصول ہشتگانہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ کو عوامی چندہ کی بنیاد پر چلائے جانے کا فیصلہ ہوا۔

چندہ کی فراہمی کے سلسلے میں سب سے پہلے جس شخصیت نے عملی اقدام کیا وہ حضرت حاجی عابد حسینؒ تھے۔ ایک دن بوقت اشراق رومال کی جھولی بنا کر آپ نے اس میں تین روپے ڈالے اور چھتہ مسجد سے تن

تنہا مولانا مہتاب علیؒ کے پاس تشریف لائے جنھوں نے چھ روپے عنایت کیے اور دعا کی۔ پھر بارہ روپے مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ نے اور چھ روپے حاجی فضل حق صاحبؒ نے دیئے۔ پھر وہاں سے اٹھ کر آپ مولانا ذوالفقار علیؒ کے پاس آئے اور انھوں نے فوراً بارہ روپے دیئے اور حسن اتفاق سے اس وقت سید ذوالفقار علی ثانی دیوبندی وہاں موجود تھے، ان کی طرف سے بھی بارہ روپے عنایت کیے۔ وہاں سے اٹھ کر یہ درویش بادشاہ صفت محلہ ابوالبرکات پہنچے، دوسو روپے جمع ہو گئے اور شام تک تین سو روپے۔

بالآخر ۱۵؍محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۱؍مئی ۱۸۶۶ء بروز پنجشنبہ (۱) کو قصبہ دیوبند (۲) کی مسجد چھتہ کے کھلے صحن میں انار کے ایک چھوٹے سے درخت کے سائے میں نہایت سادگی کے ساتھ دارالعلوم کا افتتاح عمل میں آیا۔ حضرت مولانا ملا محمود دیوبندیؒ، جو علم وفضل میں بلند پایہ عالم تھے، کو پہلا مدرس مقرر کیا گیا اور محمود حسن نامی بچہ اس درس گاہ کا پہلا طالب علم تھا جو بعد میں شیخ الہند کے نام سے پوری دنیا میں جانا پہچانا گیا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس درس گاہ کے سب سے پہلے استاذ اور شاگرد دونوں کا نام محمود تھا۔ اس بے سروسامانی کے ساتھ اس مدرسہ کا افتتاح عمل میں آیا کہ نہ کوئی عمارت موجود تھی اور نہ طلبہ کی جماعت۔ اگرچہ بظاہر یہ ایک مدرسہ کا بہت ہی مختصر اور محدود پیمانے پر افتتاح تھا، مگر درحقیقت یہ ہندوستان میں دینی تعلیم اور اسلامی دعوت کی ایک عظیم تحریک کے نئے دور کا آغاز تھا۔

آج سے ڈیڑھ سو سال قبل بلاشبہہ ایک عجیب وغریب بات تھی کہ عوامی چندے کی بنیاد پر ایک ایسا تعلیمی ادارہ قائم کیا جائے جو حکومت کے اثرات سے آزاد ہو۔ آنے والے جمہوری وعوامی دور کے پیش نظر یہ ایک زبردست پیش بینی اور پیش بندی تھی۔ اب جب کہ بڑی بڑی ریاستیں خواب وخیال ہو چکی ہیں اور زمینداریاں ختم ہو گئی ہیں، مگر کشمیر سے آسام تک ہزاروں دینی مدرسے چل رہے ہیں اور ان پر حکومت کی تبدیلیوں کا کوئی اثر نہیں ہے۔ اس سے عوامی چندہ کی اہمیت وافادیت اور مدارس کی بنیادوں کے استحکام کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اوقاف کے سابقہ طریقہ کے بجائے عوامی چندے کا یہ طریقہ بہت کامیاب اور بڑا نتیجہ خیز ثابت ہوا۔ دینی مدارس کے قیام اور دینی تعلیم کی نشر واشاعت کے لیے یہ ایک ایسا مفید اور مستحکم طریقہ تھا جس نے دینی تعلیم کے فروغ کو عوامی چندہ کی تحریک سے مربوط کر دیا۔

قیام دارالعلوم کے چار دن بعد ۱۹؍محرم الحرام ۱۲۸۳ء بروز دوشنبہ اکابر دارالعلوم کی جانب سے ایک اعلان شائع ہوا جس پر درج ذیل حضرات کے دستخط تھے:

حضرت حاجی عابد حسین صاحبؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحبؒ، حضرت مولانا مہتاب علی صاحبؒ، حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ، حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ، حضرت حاجی منشی فضل حق

صاحبؒ، حضرت شیخ نہال احمد صاحبؒ۔

یہ حضرات مجلس شوریٰ کے صرف رکن نہ تھے بلکہ یہ دارالعلوم کے اولین معمار تھے۔ ان میں حضرت نانوتویؒ دارالعلوم کے سب سے پہلے سرپرست تھے اور حضرت حاجی عابد حسینؒ دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مہتمم تھے۔

مآخذ:

تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلداول، سید محبوب رضوی

روداد سالانہ ۱۲۸۳ھ، محفوظ کتب خانہ دارالعلوم دیوبند

حواشی:

(۱) دارالعلوم کے قیام کی قمری تاریخ ۱۵ر محرم ۱۲۸۳ھ ہے، کتابوں میں اس کی شمسی تطبیق ۳۰ر مئی ۱۸۶۶ء مذکور ہے، لیکن صحیح تاریخ ۳۱ر مئی ہے؛ کیوں کہ دارالعلوم کی ۱۲۸۳ھ کی روداد میں قیام دارالعلوم کے چار روز بعد ۱۹ر محرم بروز دوشنبہ کو بانیان دارالعلوم کی طرف سے اعلان کی اشاعت کا ذکر ہے اور اس میں یوم دوشنبہ کی تعیین ہے؛ اس لحاظ سے یوم تاسیس یعنی ۱۵ر محرم کا دن پنجشنبہ ہوتا ہے اور پرانی تحریروں میں پنجشنبہ کا ذکر بھی ہے۔ لہٰذا، پنجشنبہ کے دن کے لحاظ سے شمسی تاریخ ۳۱ر مئی ہوتی ہے، ۳۰ نہیں۔

(۲) 'دیوبند' اس وقت ضلع سہارن پور صوبہ یوپی کا سب سے بڑا قصبہ اور تحصیل ہے۔ یہ دہلی سے جانب شمال تقریباً ڈیڑھ سو کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ دیوبند ایک قدیم بستی ہے جو دوآبہ (گنگا و جمنا) کے سرسبز و شاداب خطہ کے درمیان آباد ہے۔ بعض مؤرخین نے تخمیناً ایک ہزار سال پرانی آبادی بیان کی ہے۔ متعدد تاریخی کتابوں میں اس بستی کو 'دیبن' سے بھی ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں قدیم زمانے سے ہندوؤں کا ایک معروف مندر 'دیوی کنڈ' ہے جو بن یعنی جنگل میں واقع تھا، اسی کی مناسبت سے اس آبادی کو 'دیوی بن' یا 'دیبن' کہا جاتا تھا جو بعد میں کثرت استعمال سے دیوبند ہوگیا۔ (تاریخ دیوبند، سید محبوب رضوی، ص ۳۰ تا ۴۲، مطبوعہ علمی مرکز دیوبند ۱۹۷۲ء)

دارالعلوم دیوبند کا پہلا دور

۱۲۸۳-۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۶۶-۱۸۹۵ء

تیس سال

دورِ اہتمام

(۱) حضرت حاجی عابد حسین صاحب دیوبندیؒ ۱۰؍سال (مجموعی)

پہلی بار: محرم ۱۲۸۳-رجب ۱۲۸۴ھ/ ۱۸۶۶-۱۸۶۷ء

دوسری بار: ۱۲۸۶-۱۲۸۸ھ/ ۱۸۶۹-۱۸۷۱ء

تیسری بار: ربیع الاول ۱۳۰۶-شعبان ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۸۸-۱۸۹۳ء

(۲) حضرت مولانا رفیع الدین صاحب دیوبندیؒ ۱۹؍سال (مجموعی)

پہلی بار: شعبان ۱۲۸۴-۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۷-۱۸۶۹ء

دوسری بار: ذوالقعدہ ۱۲۸۸-ربیع الاول ۱۳۰۶ھ/ ۱۸۷۲-۱۸۸۸ء

(۳) حضرت حاجی فضل حق صاحب دیوبندیؒ ایک سال

شعبان ۱۳۱۰-ذوالقعدہ ۱۳۱۱ھ/ ۱۸۹۳-۱۸۹۴ء

(۴) حضرت مولانا محمد منیر صاحب نانوتویؒ ڈیڑھ سال

ذوالحجہ ۱۳۱۱-جمادی الاولی ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۴-۱۸۹۵ء

دارالعلوم دیوبند جس کی ابتدا ۱۵؍محرم الحرام ۱۲۸۳ھ (مطابق ۳۱؍مئی ۱۸۶۶ء) کو نہایت سادہ انداز میں نہایت بے سروسامانی کے ساتھ انجام دی گئی، اس کو اس وقت نہایت سادگی سے 'مدرسہ عربی دیوبند' کہا جاتا تھا۔ اس مدرسہ میں حضرت نانوتویؒ کے مشورہ سے پہلے دیوبند کے ہی ایک جید عالم دین حضرت مولانا ملا محمود دیوبندی کا تقرر فرمایا جو اس وقت میں میرٹھ میں مقیم تھے۔ چھتہ مسجد کے صحن میں انار کے درخت کے

نیچے تعلیم و تدریس کا کام شروع ہوگیا۔ عجیب اتفاق کہ اس مدرسہ میں داخل ہونے والے سب سے پہلے طالب علم کا نام بھی محمود تھا جو بعد میں شیخ الہند سے معروف ہوئے اور دارالعلوم کے صف اول کے تمام مشاہیر علماء وفضلاء کے استاذ ہوئے۔ گویا دارالعلوم کی بلندو بالا عمارت کی یہ پہلی اینٹ تھی اور اس شجرۂ طوبی کی اصل ثابت تھی جس کی شاخوں سے بعد میں آسمان علم وفضل کے آفتاب و ماہتاب ظہور میں آئے۔

قیام دارالعلوم کے چار دن بعد ذمہ داران کی طرف سے مدرسہ کے قیام کا اعلان ہوا اور عامۃ الناس سے چندہ کی اپیل کی گئی۔ دارالعلوم کے نظم ونسق کے لیے ایک جماعت مجلس شوری کا قیام بھی عمل میں آیا۔ مجلس شوری کی زیر ہدایت آمد وصرف کا حساب رکھنے اور تعلیمی امور کے نظم ونسق کے لیے حضرت حاجی عابد حسین صاحبؒ کو مہتمم مقرر کیا گیا۔ اس دور کے اہم واقعات درج ذیل ہیں:

پہلا سال: ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۷ء-۱۸۶۶ء

- ابتدا میں طلبہ کی کل تعداد ۲۱ر تھی، سال کے اختتام پر یہ تعداد بڑھ کر ۷۸ ہوگئی، جس میں ۵۸ طلبہ بیرون جات کے تھے۔
- پہلے ہی سال میں قرب و جوار کے علاوہ دور دراز مقامات بنارس، پنجاب اور کابل (افغانستان) تک کے طلبہ آنے شروع ہوگئے۔
- اس طرح یہ جلد ہی اقامتی مدرسہ بن گیا اور مدرسین میں بھی اضافہ کیا گیا۔
- حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ بطور صدر مدرس دارلعلوم میں تشریف لائے۔
- مولانا محمد فاضل پھلتی صاحبؒ، مولانا میر باز خان صاحبؒ اور مولانا فتح محمد صاحبؒ وغیرہ نے بھی تدریسی خدمات انجام دیں۔
- سالانہ کل صرفہ تقریباً ۳۹۴ روپے رہا اور ۲۵۵ روپے باقی بچ گئے۔

دوسرا سال: ۱۲۸۴ھ/ ۶۸-۱۸۶۷ء

- سالانہ بجٹ سات سو روپے رکھا گیا۔ اس سال چندہ بھی دوگنا ۱۲۷۵ر روپے ہوا۔
- اس سال دیوبند میں وبائی مرض پھیلنے کی وجہ سے دو ماہ تعلیمی سلسلہ منقطع رہا۔ اکثر اساتذہ وطلبہ اس میں مبتلا ہوگئے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ وبائی مرض کی شدت کے باوجود بیرونی طلبہ کی

تعداد ۷۸ سے بڑھ کر ۱۲۰ر تک پہنچ گئی، جب کہ دارالعلوم کی نہ اپنی عمارت تھی اور نہ مطبخ۔

- ❖ اسی سال حضرت حاجی عابد صاحبؒ کے سفرِ حج کی بنیاد پر منصب اہتمام حضرت مولانا رفیع الدین دیوبندیؒ کو سپرد کیا گیا۔
- ❖ اسی سال دارالعلوم میں تعلیمی جہتوں کو وسعت دی گئی اور درجۂ ناظرہ وحفظ اور درجۂ فارسی و ریاضی کا قیام بھی عمل میں آیا اور دو اساتذہ کا تقرر رہوا۔
- ❖ نیز، دارالعلوم کی روز افزوں ترقی کے پیش نظر ایک محاسب کا تقرر بھی ہوا۔

تیسرا سال: ۱۲۸۵ھ/ ۶۹-۱۸۶۸ء

- ❖ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے دارالعلوم کا دورہ کیا، طلبہ کے امتحانات لیے اور اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا۔
- ❖ اخیر سال میں جلسۂ تقسیم انعام منعقد کیا گیا جس میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے کامیاب طلبہ کو انعامی کتابیں عطا کیں۔

چوتھا سال: ۱۲۸۶ھ/ ۷۰-۱۸۶۹ء

- ❖ وبا اور قحط کی وجہ سے تعلیمی سلسلہ پانچ ماہ تک متاثر رہا۔
- ❖ حضرت مولانا رفیع صاحب دیوبندیؒ سفرِ حج پر تشریف لے گئے اور ان کی جگہ حضرت حاجی عابد حسین صاحبؒ کو دوبارہ مہتمم مقرر کیا گیا۔
- ❖ حضرت مولانا سید احمد دہلویؒ بطور مدرس دوم بلائے گئے جو بعد میں دارالعلوم کے دوسرے صدر المدرسین بھی ہوئے۔

پانچواں سال: ۱۲۸۷ھ/ ۷۱-۱۸۷۰ء

- ❖ پچھلے سال کے وبائی امراض کے اثرات کی وجہ سے مزید داخلہ اور تعلیمی ترقی کے بجائے باقی ماندہ نصاب تعلیم مکمل کیا گیا۔

چھٹا سال: ۱۲۸۸ھ/۲-۱۸۷۱ء

- ❖ طلبہ کی تعداد ۱۰۶ ہو جانے کی وجہ سے مسجد چھتہ تنگ پڑنے لگی، اس لیے دارالعلوم کو قریبی مسجد قاضی میں منتقل کر دیا گیا۔
- ❖ دیوبند کی جامع مسجد کی تعمیر میں حضرت حاجی عابد حسینؒ کی نگرانی کے سبب آپ کے بار کو ہلکا کرنے کے لیے حضرت مولانا رفیع الدینؒ کو دوبارہ مہتمم بنا دیا گیا۔

ساتواں سال: ۱۲۸۹ھ/۳-۱۸۷۲ء

- ❖ قیام دارالعلوم کے بعد پہلی مرتبہ تقسیم اسناد کا جلسہ ہوا۔
- ❖ ۱۲۸۵ھ سے ۱۲۸۹ھ تک کے فارغ التحصیل طلبہ کی تعداد ۲۵ تھی، مگر جلسہ میں صرف ۹ فارغین موجود تھے جن میں مولانا احمد حسن امروہی، مولانا خلیل احمد انبیٹھوی، مولانا فخر الحسن گنگوہی، مولانا عبد اللہ انصاری انبیٹھوی، مولانا فتح محمد تھانوی، مولانا احمد حسن دیوبندی، قاضی جمال الدین اور مولانا عبد اللہ جلال آبادی وغیرہ شامل ہیں جن کا شمار ہندوستان کے علمائے مشاہیر میں ہوتا ہے۔
- ❖ اس سال شیراز ہند جون پور اور دہلی کے متعدد علماء جو پہلے ہی سے علوم کی تکمیل کر چکے تھے، دارالعلوم میں علم حدیث کا شہرہ سن کر تکمیل حدیث کے لیے داخل ہوئے۔
- ❖ درسی کتابوں کے عطیات بڑی تعداد میں موصول ہوئے، اہل مطابع حتی کہ بعض ہندو مالکان مطابع (جیسے نولکشور) نے دارالعلوم کو اپنی مطبوعات پیش کیں، ورنہ اس سے پہلے مستعار کتابیں طلبہ کو پڑھنے کے لیے دی جاتی تھیں۔

آٹھواں سال: ۱۲۹۰ھ/۴-۱۸۷۳ء

- ❖ جامع مسجد کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد مدرسہ کو مسجد قاضی سے جامع مسجد منتقل کیا گیا جو طلبہ کی

بڑھتی تعداد کی وجہ سے تنگ پڑ گئی تھی۔

- اس سال پانچ طلبہ نے نصاب کی تکمیل کر کے سند فراغت حاصل کی۔ فارغین کی اس جماعت میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن بھی شامل تھے۔
- سالانہ جلسہ میں حضرت گنگوہی، حضرت مولانا مظہر نانوتویؒ وغیرہ حضرات نے شرکت کی اور حضرت نانوتویؒ نے اس جلسہ میں بہت اہم تقریر کی۔
- اسی سال حضرت مولانا صدیق احمد انبیٹھویؒ، مولانا عبد اللہ گوالیاریؒ، مولانا عبد الحق بریلوی اور مولانا محمد مراد پاک پٹنی کا تقرر بھی عمل میں آیا۔

نواں سال: ۱۲۹۱ھ/ ۷۵-۱۸۷۴ء

- دارالعلوم کے پہلے طالب علم مولانا محمود حسن دیوبندی کو اعزازی طور پر بلا تنخواہ معین مدرس مقرر کیا گیا اور دوسرے سال سے مدرس چہارم قرار پائے۔
- دارالعلوم کے طرز پر مدارس قائم ہونے شروع ہوئے، جیسے سہارن پور میں مظاہر علوم، دارالعلوم کے چھ ماہ بعد قائم ہوا۔ نیز دہلی، میرٹھ، خورجہ، بلند شہر، علی گڑھ اور مراد آباد وغیرہ میں متعدد مدارس قائم ہوئے۔
- اسی سال تھانہ بھون کے مدرسہ عربی کا باضابطہ الحاق منظور کیا گیا۔
- اسی سال قسطنطنیہ کے مشہور اخبار 'الجوائب' نے اپنا شمارہ اعزازی طور پر دارالعلوم بھیجنا شروع کیا، جو اس زمانے میں اہم بات تھی۔ اس سے محسوس ہوتا ہے کہ دارالعلوم کا شہرہ دور دراز ملکوں میں بھی پہنچ چکا تھا۔
- اسی سال کی مجلس شوری میں حضرت نانوتویؒ کے ایما پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ دارالعلوم کی اپنی مستقل اور کشادہ عمارت ہونی چاہیے، چناں چہ چندہ جمع ہونا شروع ہوا اور آبادی کے پاس مسجد چھتہ کے شمال مغرب میں ایک قطعۂ زمین خرید لی گئی۔
- اسی سال ایک انگریزی جاسوس جان پامر نے دارالعلوم کا خفیہ دورہ کیا، جس کی رپورٹ

بعد میں عام ہوئی۔ یہ رپورٹ الفضل ما شهدت به الأعداء کی بہترین مثال ہے۔

دسواں سال: ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء

- دارالعلوم کے قیام کا دس سالہ جلسہ تزک واحتشام سے منعقد ہوا۔
- دارالعلوم کی پہلی عمارت (نودرہ، احاطہ مولسری وغیرہ) کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اس موقع پر حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ، حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ اور حضرت مولانا مظہر نانوتویؒ وغیرہ علماء واکابرین شریک ہوئے۔
- یہ تعمیری سلسلہ ۸ سال کی مدت اور ۲۳۰۰۰ روپئے کے صرفے میں مکمل ہوا۔

۱۱/ واں سال: ۱۲۹۳ھ/ ۱۸۷۶ء

- اسلامی ہند کی حکومت اور عدالتوں کے زوال کے بعد دارالعلوم کو اسلامی مرکز کے طور پر شہرت ومرکزیت حاصل ہونے لگی اور عوام الناس اسلامی امور میں دارالعلوم سے رجوع کرنے لگے۔ اس سال کی روداد سے معلوم ہوتا ہے کہ استفتاءات کی کثرت کی وجہ سے دارالعلوم نے اس کو ایک اہم دینی خدمت سمجھ کر قبول کرلیا۔ اس طرح دارالافتاء کے قیام کی بنیاد پڑی۔
- انبیٹھہ ضلع سہارن پور، مظفر نگر اور گلاؤٹھی ضلع بلند شہر کے مدارس کا دارالعلوم سے الحاق ہوا۔

۱۲/ واں سال: ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء

- طلبہ نے کتب انعامی کی کل رقم ستر روپئے روس اور ترکی کے مابین جنگ پلیونا میں زخمی ہونے والے ترک فوجیوں اور یتامی کو قسطنطنیہ میں بطور چندہ بھیجیں۔
- اس سال حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ، حضرت مولانا رفیع الدینؒ اور حضرت شیخ الہندؒ وغیرہ تقریباً ایک سو علماء واکابرین دیوبند پر مشتمل قافلہ حج

کے مبارک سفر پر روانہ ہوا۔

۱۳ رواں سال: ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء

- ❖ فضلائے دارالعلوم نے اجتماعیت اور دارالعلوم کے تعاون کے مقصد سے ایک جماعت ثمرة التربیت کے نام سے قائم کی۔

۱۴ رواں سال: ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء

- ❖ ادارہ کی بے پناہ ترقی، تعلیم کی وسعت اور مدارس کے الحاق کی وجہ سے حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ نے اس کو دارالعلوم کا نام دیا۔
- ❖ دارالعلوم میں فن طب کی تعلیم شروع کی گئی۔ طلبہ کو طریقۂ مطب، فن جراحی اور دوا سازی سکھانے کا بھی فیصلہ کیا گیا۔

۱۵ رواں سال: ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء

- ❖ ۴ جمادی الثانیہ کو دارالعلوم دیوبند کے روح رواں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا سانحۂ وفات پیش آیا۔
- ❖ مجلس شوریٰ نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو دارالعلوم کا سرپرست منتخب کیا۔

۱۶ رواں سال: ۱۲۹۸ھ/ ۸۱-۱۸۸۰ء

- ❖ دو تین سال کے وقفہ کے بعد اس سال بڑے پیمانے پر جلسہ دستار بندی احاطۂ دارالعلوم میں منعقد ہوا جس میں بڑی تعداد میں علماء، روساء اور عوام نے شرکت کی۔
- ❖ اس سال داخل طلبہ کی تعداد ڈھائی سو رہی۔

۱۷ رواں سال: ۱۲۹۹ھ/ ۸۲-۱۸۸۱ء

- ❖ تعداد اساتذہ: ۱۰، تعداد طلبہ: ۱۸۷، تعداد فضلاء: ۱۲، آمدنی: ۳۰۷۶ روپئے۔

۱۸/واں سال: ۱۳۰۰ھ/۸۳-۱۸۸۲ء

❖ قیام سے اب تک کل ۵۶/فارغ التحصیل ہوئے، پچاس طلبہ نے حفظ کی تکمیل کی۔ متفرق درجات سے استفادہ کرنے والے علیحدہ ہیں۔

۱۹/واں سال: ۱۳۰۱ھ/۸۴-۱۸۸۳ء

❖ جلسہ دستار بندی ہوا اور دارالعلوم کی اٹھارہ سالہ خدمات کا جائزہ لیا گیا۔
❖ دارالعلوم میں طب کی تعلیم شروع ہوچکی تھی، اس سال شعبہ طب کا قیام بھی عمل میں آیا جہاں طب کی تعلیم کے ساتھ علاج ومعالجہ کی خدمات کا بھی نظم تھا۔

۲۰/واں سال: ۱۳۰۲ھ/ ۸۵-۱۸۸۴ء

❖ دارالعلوم کے پہلے صدر مدرس حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ کا انتقال ہوا۔آپ اٹھارہ سال تک دارالعلوم کے شیخ الحدیث رہے،اس درمیان ۷۷طلبہ نے تکمیل کی جس میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ،حضرت حافظ محمد احمد نانوتویؒ،حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ وغیرہ اساطین علمائے دیوبند شامل ہیں۔
❖ حضرت مولانا سید احمد دہلویؒ صدر مدرس ہوئے۔

۲۱/واں سال: ۱۳۰۳ھ/ ۸۶-۱۸۸۵ء

❖ اس سال تک ۱۴۱طلبہ فارغ التحصیل یا قریب بفراغ ہوئے۔ جو طلبہ درمیان میں کچھ پڑھ کر چلے گئے وہ اس کے علاوہ ہیں۔
❖ ۶۴ طلبہ نے حفظ مکمل کیا۔

❖ ہندوستان کے طول وعرض کے علاوہ طلبہ میں ایک بڑی تعداد قندھار و کابل اور بخارا وغیرہ تک سے شریک ہوئی۔

۲۲رواں سال: ۱۳۰۴ھ/ ۸۷-۱۸۸۶ء

❖ دارالعلوم کی امداد کے لیے حیدرآباد دکن میں 'انجمن معین الاسلام' قائم ہوئی جس کے ذریعہ طویل مدت تک دارالعلوم کو امداد کا سلسلہ جاری رہا۔

۲۳رواں سال: ۱۳۰۵ھ/ ۸۸-۱۸۸۷ء

❖ ریاست حیدرآباد دکن کے صدر اعظم نواب سر آسمان جاہ نے دولت آصفیہ کی طرف سے دارالعلوم کے لیے سو روپیہ ماہانہ چندہ مقرر کیا۔

۲۴رواں سال: ۱۳۰۶ھ/ ۸۹-۱۸۸۸ء

❖ حضرت مولانا رفیع الدینؒ نے بقصد ہجرت سفر حج کیا۔

❖ حضرت حاجی عابد حسین صاحبؒ تیسری بار مہتمم منتخب ہوئے۔

۲۵رواں سال: ۱۳۰۷ھ/ ۹۰-۱۸۸۹ء

❖ مولانا غلام رسول ہزارویؒ کا تقرر عمل میں آیا۔

❖ اس سال دس اساتذہ اور ۱۸۷ طلبہ تھے، دارالعلوم کی آمدنی ۵۹۵۹ روپئے ہوئی۔

۲۶رواں سال: ۱۳۰۸ھ/ ۹۱-۱۸۹۰ء

❖ حضرت مولانا سید احمد دہلویؒ کے مستعفی ہونے کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کو صدارت تدریس کے مسند پر فائز کیا گیا۔ فضلاء کی تعداد ۲۶ رہی۔

❖ مولانا خلیل احمد انبیٹھویؒ (جو بعد میں مظاہر علوم کے شیخ الحدیث ہوئےؒ) کا تقرر عمل میں آیا۔

۲۷ رواں سال: ۱۳۰۹ھ/ ۹۲-۱۸۹۱ء

- اس سال طلبہ کی کل تعداد ۲۶۴ تھی اور اکتیس طلبہ فارغ التحصیل ہوئے۔
- اب تک ستائیس سال کی مدت میں ۲۳۴ عالم اور ۸۱ حافظ فارغ ہوئے۔

۲۸ رواں سال: ۱۳۱۰ھ/ ۹۳-۱۸۹۲ء

- حضرت حاجی عابد صاحبؒ کی مصروفیات کے باعث مجلس شوریٰ نے حضرت حاجی فضلِ حقؒ صاحب کو مہتمم مقرر کیا۔
- استفتاءات کی کثرت کے باعث اسی سال دارالافتاء کا باقاعدہ شعبہ کھلا جس کے ذمہ دار مفتی عزیزالرحمٰن صاحب عثمانیؒ منتخب ہوئے۔

۲۹ رواں سال: ۱۳۱۱ھ/ ۹۴-۱۸۹۳ء

- دارالعلوم کا فیض ہندو بیرون ہند پھیلنے لگا۔
- سالانہ روداد سے معلوم ہوتا ہے کہ فضلائے دارالعلوم اکثر مدارس اسلامیہ میں تدریس پر مامور ہوئے۔
- ذوالقعدہ میں حضرت حاجی فضل حق صاحبؒ مستعفی ہوئے۔
- ذوالحجہ میں حضرت مولانا منیر نانوتویؒ کو مہتمم مقرر کیا گیا۔

۳۰ رواں سال: ۱۳۱۲ھ/ ۹۵-۱۸۹۴ء

- مہتمم مدرسہ حضرت مولانا منیر نانوتوی کے برادر محترم حضرت مولانا محمد احسن نانوتویؒ کا انتقال ہوا، بھائی کے انتقال کی وجہ سے وطن میں قیام کی ضرورت کے پیش نظر حضرت مولانا منیر نانوتویؒ نے منصب اہتمام سے استعفاء دے دیا، لیکن تا انتظام ثانی بدستور کام انجام دیتے رہے۔

۳۱ واں سال: ۱۳۱۳ھ/ ۹۶-۱۸۹۵ء

- حضرت مولانا منیر نانوتویؒ بھی منصب اہتمام سے علیحدہ ہوئے۔
- حضرت گنگوہیؒ کے ایماء پر حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کو مہتمم منتخب کیا گیا۔ یہ انتخاب دارالعلوم کے لیے بہت ہی مبارک اور مفید ثابت ہوا۔ حضرت حافظ صاحبؒ کے دور میں دارالعلوم نے بے انتہا ترقی کی۔

پہلے دور کی ترقیات

اس تیس سال کے عرصہ میں دارالعلوم میں چار مہتمم حضرات کے دور اہتمام میں تین صدر المدرسین حضرات ہوئے؛ حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ، حضرت مولانا سید احمد دہلویؒ اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ جن کا دور صدارت تدریس ۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء تک ہے۔ اس عرصہ میں دارالعلوم نے کل ۲۷۷ فضلاء تیار کیے جو دارالعلوم کے اساطین علماء اور بزرگوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ انھیں حضرات کی بعد کی مساعی اور خدمات سے دارالعلوم کو وہ شہرت اور مقبولیت ہوئی جو آج دارالعلوم کو نصیب ہے۔ طلبہ کی تعداد ایک سے بڑھ کر اوسطاً تین سو ہو گئی، اساتذہ کی تعداد بھی بڑھ کر بارہ تیرہ ہوگئی۔ دارالعلوم کا بجٹ بھی ۳۹۳ روپئے سے بڑھ کر چھ ہزار سے متجاوز ہوگیا۔ اسی دوران دارالعلوم کی اولین اور مرکزی عمارت نو درہ اور اس سے ملحقہ کمرے تعمیر ہوئے۔ اسی عرصہ میں دارالعلوم کا اہم شعبہ دارالافتاء قائم ہوا۔

مآخذ:

تاریخ دارالعلوم دیوبند، سید محبوب رضوی
سالانہ کوائف دارالعلوم محفوظ کتب خانہ ومحافظ خانہ
دارالعلوم کی صد سالہ زندگی، حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ

دارالعلوم دیوبند کا دوسرا دور

۱۳۱۳-۱۳۴۸ھ مطابق ۱۸۹۵-۱۹۳۰ء

چھتیس سال

دوراہتمام

(۱) حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ ۳۴ رسال

جمادی الثانیہ ۱۳۱۳-جمادی الاولی ۱۳۴۷ھ/ ۱۸۹۵-۱۹۲۸ء

(۲) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ سوا سال

جمادی الثانیہ ۱۳۴۷-رجب ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۲۸-۱۹۲۹ء

یہ دور دارالعلوم کا دورِ شباب کہلاتا ہے جو حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کے دوراہتمام سے شروع ہوتا ہے۔ یہ دور تقریباً ۳۶ برسوں پر محیط ہے۔ اس زمانے میں دارالعلوم کے تعلیم وانتظام میں زبردست استحکام آیا اور مالی وتعمیری ترقیات ہوئیں۔ دارالعلوم کے نظام میں وسعت ہوئی اور اسی زمانے میں در حقیقت اس درس گاہ نے 'مدرسہ' سے 'دارالعلوم' کی شکل اختیار کی۔ اس دور کے اہم واقعات وحالات سن وار درج ذیل ہیں:

۳۲ رواں سال: ۱۳۱۳ھ/ ۹۶-۱۸۹۵ء

- حضرت گنگوہیؒ کی دارالعلوم تشریف آوری کے موقع پر نواب محمود علی خان رئیس چھتاری علی گڑھ ودیگر علماء وصلحاء کی دیوبند آمد۔
- مجلس شوریٰ میں چھ نئے ممبران کا اضافہ ہوا جس میں حضرت مولانا احمد حسن امروہویؒ، حضرت مولانا قاضی محی الدین مرآدآبادیؒ، حضرت مولانا عبدالحق پورقاضیؒ وغیرہ حضرات شامل ہیں۔

❖ مجلس شوری نے دارالعلوم کے مہتمم اور صدر مدرس کو بھی بہ حیثیت مجلس شوری عہدہ میں شامل کیا۔

۳۳ رواں سال: ۱۳۱۵ھ/ ۹۸-۱۸۹۷ء

❖ اب تک تعلیمی سال محرم سے شروع ہو کر ذوالحجہ پر ختم ہوتا تھا۔امتحان سالانہ کے سلسلہ میں طے ہوا کہ شعبان میں ہوا کرے گا اور ۲۵ رشعبان سے ۳ شوال تک تعطیل رہے گی جب کہ درجات فارسی وقرآن کی تعطیل نہیں ہوگی۔

❖ داخل طلبہ کی کل تعداد ۲۳۹ تھی۔

۳۴ رواں سال: ۱۳۱۶ھ/ ۹۹-۱۸۹۸ء

❖ دارالاقامہ کی تعمیر کے لیے اہل حیدر آباد دکن کا سات ہزار کا چندہ۔

❖ نواب شاہ جہاں بیگم والیٔ بھوپال کی جانب سے گراں قدر امداد موصول ہوئی۔

❖ دارالطلبہ (احاطۂ باغ) کی تعمیر اسی سال شروع ہوئی۔

❖ باعتبار خواندگی عربی کی ۸ جماعتیں مقرر ہوئیں۔داخل طلبہ کی تعداد ۲۶۲ تھی۔

۳۵ رواں سال: ۱۳۱۷ھ/ ۱۹۰۰-۱۸۹۹ء

❖ داخل طلبہ کی کل تعداد ۲۴۴ تھی اور درجات عربیہ میں طلبہ کی تعداد ۱۴۰ تھی۔

۳۶ رواں سال: ۱۳۱۸ھ/ ۰۱-۱۹۰۰ء

❖ دارالطلبہ کی تعمیر مکمل ہوئی۔دارالطلبہ کے علاوہ، گیٹ، دفتر اور مہمان خانہ کے کمرے کی تعمیرات بھی مکمل ہوئیں۔اس پوری تعمیر میں بارہ ہزار روپے صرف ہوئے۔

❖ مولانا مرتضی حسن چاند پوری کا تقرر ہوا۔

۳۷ رواں سال: ۱۳۱۹ھ/ ۰۲-۱۹۰۱ء

❖ دارالعلوم کے کتب خانہ کا آغاز ۱۲۸۳ھ ہی میں ہو چکا تھا جس میں وقتاً فوقتاً درسیات کے

ساتھ شروح اور دیگر علوم وفنون کی کتابوں کا اضافہ ہوتا رہا۔ ۱۳۱۹ھ میں مختلف علوم وفنون کی کتابوں کا معتد بہ ذخیرہ فراہم ہو چکا تھا۔ مولوی عابد حسین صاحب آنریری مجسٹریٹ جون پور نے اپنا بیش قیمت کتب خانہ جو بعض نادر کتابوں پر مشتمل تھا، دارالعلوم کو عنایت کیا۔

❖ اسی سال نواب سلطان جہاں بیگم بھوپال نے تین سو روپئے سالانہ کا چندہ مقرر کیا۔

۳۸/ رواں سال: ۱۳۲۰ھ/ ۰۳-۱۹۰۲ء

❖ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا عبدالرحیم رائے پوریؒ کو مجلس شوریٰ کا رکن بنایا گیا۔ یہ حضرات بعد میں دارالعلوم کے سرپرست بھی ہوئے۔

۳۹/ رواں سال: ۱۳۲۱ھ/ ۰۴-۱۹۰۳ء

❖ قاضی علیم الدین رئیس شاملی نے اپنی جائداد دارالعلوم کے لیے وقف کی۔

❖ شعبہ تجوید وقراءت کا آغاز ہوا۔ قاری عبدالرحمٰن مکی کے تلمیذ رشید قاری عبدالوحید خان الہ آبادی کا تقرر ہوا۔

❖ اسی سال انگریزی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم حاصل کرنے والوں اور دینی تعلیم کے ساتھ انگریزی پڑھنے والوں کو وظیفہ دینے کی تجویز بھی پاس ہوئی۔

۴۰/ رواں سال: ۱۳۲۲ھ/ ۰۵-۱۹۰۴ء

❖ دارالعلوم کے شہرہ کی بنیاد پر صوبۂ متحدہ (موجودہ یوپی) کے گورنر سر جیمس ڈگس لپٹوش، مولانا سید احمد شاہی امام جامع مسجد دہلی وغیرہ نے دارالعلوم کا دورہ کیا۔

❖ حضرت شیخ الہندؒ کے والد حضرت مولانا ذوالفقار علیؒ کا انتقال ہوا، جو دارالعلوم کے رکن شوریٰ اور خزانچی تھے۔

۴۱/ رواں سال: ۱۳۲۳ھ/ ۰۶-۱۹۰۵ء

❖ اس سال دارالعلوم کے سرپرست اعلیٰ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا سانحۂ ارتحال پیش آیا۔

- متعدد حکام و رؤساء نے دارالعلوم کا دورہ کیا اور تاثرات کا اظہار کیا۔
- داخل طلبہ کی کل تعداد ۳۲۵ رہی۔

۴۲/واں سال: ۱۳۲۴ھ/ ۰۷-۱۹۰۶ء

- عظیم الشان جلسۂ تقسیم انعام منعقد ہوا جس میں قرب و جوار کے علاوہ علی گڈھ، مرادآباد، شاہجہان پور، بریلی، بھوپال اور لاہور وغیرہ سے لوگ شریک ہوئے۔
- مجلس شوریٰ نے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کو نیابت اہتمام کے لئے نامزد کیا۔ بائیس سال تک اس عہدہ پر رہتے ہوئے آپ نے نہایت مثالی انداز میں دارالعلوم کی خدمت کی۔
- نواب یوسف علی خان رئیس مینڈھو نے کتب خانہ کے لیے سات ہزار روپے عنایت کیے اور مسجد چھتہ کے قریب کتب خانہ کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

۴۳/واں سال: ۱۳۲۵ھ/ ۰۸-۱۹۰۷ء

- حضرت مولانا فضل الرحمٰن عثمانی کا انتقال ہوا۔
- حاجی فصیح الدین میرٹھی کی مالی معاونت سے دارالعلوم کے لیے مسجد کی زمین خریدی گئی۔

۴۴/واں سال: ۱۳۲۶ھ/ ۰۹-۱۹۰۸ء

- دولت آصفیہ حیدرآباد دکن سے سالانہ چندہ سو روپے سے بڑھا کر ۲۵۰/روپے ہوگیا۔
- ریاست بھوپال سے بھی چندہ مضاعف ہو کر تین ہزار ہوگیا۔

۴۵/واں سال: ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء

- راندیر کے مخیّر تاجر حاجی غلام محمد اعظم نے مسجد کی تعمیر کے لیے انیس ہزار روپے عنایت کیے اور مسجد کا سنگ بنیاد رکھ دیا گیا جس کی تکمیل ۱۳۲۸ھ میں ہوئی۔ یہ مسجد اب مسجد قدیم کے نام سے جانی جاتی ہے۔

- علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اعزازی طور بلا معاوضہ تدریس کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔
- حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی تحریک پر دارالعلوم کے اثرات کی اشاعت وترویج اور مالی امداد کے لیے فضلائے دارالعلوم کی جمعیۃ ’الانصار‘ قائم کی گئی۔☆ ۲۶ سال کے انقطاع کے بعد دستار بندی کا عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔
- دارالعلوم کے فضلاء کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز ہوگئی۔

۴۶/واں سال: ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء

- دارالعلوم میں باقاعدہ مطبخ کا اجراء ہوا۔ ورنہ اب تک اہل شہر حسب مقدرت ایک ایک دو دو طالب علموں کے کھانے کی کفالت کرتے تھے یا کچھ طلبہ کو دارالعلوم کی طرف سے خورد و نوش کے لیے نقد وظیفہ دیا جاتا تھا۔
- آریہ سماج کی معاصر جارحانہ سرگرمیوں کے سدباب کے لیے شعبۂ دعوت وتبلیغ کا قیام عمل میں آیا۔

۴۷/واں سال: ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء

- جمعیۃ الانصار نے مؤتمر الانصار کے نام سے مراد آباد میں عظیم الشان اجلاس منعقد کیا اور ملک میں جابجا قاسم المعارف کے نام سے شاخیں قائم کیں۔

۴۸/واں سال: ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء

- دارالحدیث کی عظیم الشان عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ حضرت شیخ الہندؒ، حضرت تھانویؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ، حضرت مولانا عبدالرحیم رائپوریؒ نے سنگ بنیاد رکھا۔
- مصر کے مشہور عالم علامہ سید رشید رضا ایڈیٹر ’المنار‘ نے دارالعلوم کا دورہ کیا اور گہرے تاثرات کا اظہار فرمایا۔

❖ اسی سال جنگ بلقان میں خلافت عثمانیہ اورانجمن ہلال احمر ترکی کی امداد کے لئے دارالعلوم کے ذریعہ ۶۵/ہزار کا چندہ فراہم کیا گیا۔

❖ مولانا اعزاز علی امروہویؒ اور مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ کا تقرر ہوا۔

۴۹/واں سال: ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء

❖ ماہنامہ القاسم جسے ابتدا میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی نے ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں اپنے صرفہ سے جاری کیا تھا، وہ اس سال دارالعلوم سے متعلق کردیا گیا۔

❖ دولت آصفیہ حیدرآباد سے چندہ کی رقم دوگنا کردی گئی۔

❖ حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ کا تقرر ہوا۔

۵۰/واں سال: ۱۳۳۲ھ/۱۴-۱۹۱۳ء

❖ شعبۂ مطبخ کی توسیع عمل میں آئی۔

❖ حضرت گنگوہیؒ کی یاد میں ماہنامہ الرشید کا اجراء کیا گیا۔

❖ ۱۳۳۰ھ میں جنگ بلقان کے موقع پر دارالعلوم کی طرف سے خلافت عثمانیہ کے مالی تعاون سے متاثر ہوکر سلطان محمد پنجم نے خلافت عثمانیہ کا سب سے بڑا اور متبرک تحفہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جبۂ مبارکہ کا غلاف دارالعلوم کو عطا فرمایا جسے دولت عثمانیہ کے سفیر خالد خلیل بک نے ۱۶/ربیع الاول کو دیوبند میں پیش کیا۔

❖ نواب سلیم اللہ خان رئیس ڈھاکہ نے دارالحدیث کی تعمیر کے لیے تیرہ ہزار کی رقم پیش کی۔

۵۱/واں سال: ۱۳۳۳ھ/۱۵-۱۹۱۴ء

❖ سر جیمس مسٹن گورنر آف صوبۂ متحدہ (یوپی) نے دارالعلوم کا دورہ کیا اور تاثرات کا اظہار کیا۔

❖ ریلوے اسٹیشن پر مسجد کی تعمیر ہوئی۔

❖ اسی سال حضرت شیخ الہندؒ ریشمی رومال تحریک کے سلسلے میں حجاز تشریف لے گئے۔

❖ حضرت مولانا عبدالرحیم رائے پوریؒ دارالعلوم کے سرپرست ہوئے۔

۵۲؍واں سال: ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۵-۱۶ء

❖ حیدرآباد کا سالانہ عطیہ آٹھ سو ہوگیا جو ۱۳۳۸ھ میں ایک ہزار کردیا گیا۔
❖ داخل طلبہ کی تعداد چار سو سے متجاوز ہوگئی۔
❖ اسی وجہ سے اساتذہ، اسٹاف، تعمیرات، کتب خانہ وغیرہ میں بھی کافی توسیع ہوئی۔

۵۳؍واں سال: ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۶-۱۷ء

❖ دورہ حدیث میں ۹۰ طلبہ شریک ہوئے۔
❖ کل طلبہ کی تعداد بھی بڑھ کر ۷۷۵ ہوگئی۔
❖ جہادآزادی کی قیادت کے جرم میں برطانوی حکومت نے حضرت شیخ الہندؒ کو شریف مکہ کے ذریعہ گرفتار کرالیا اور قاہرہ کے راستہ جزیرۂ مالٹا میں قید کردیا جہاں وہ تقریباً سوا تین سال زیر حراست رہے۔

۵۴؍واں سال: ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۷-۱۸ء

❖ تعداد طلبہ: ۶۰۱، تعداد اساتذہ: ۲۳، فضلاء: ۷۳
❖ سالانہ آمدنی: ۶۳۰۲۱ اور صرفہ: ۶۴۲۲۷ روپئے۔

۵۵؍واں سال: ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۸-۱۹ء

❖ سرپرست دارالعلوم حضرت مولانا عبدالرحیم رائپوریؒ کا انتقال ہوا۔
❖ دارالعلوم کے قدیم استاذ مولانا غلام رسول ہزارویؒ کا انتقال ہوا۔

۵۶؍واں سال: ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹-۲۰ء

❖ ۲۲؍جمادی الثانیہ کو حضرت شیخ الہند نے مع رفقاء کے رہائی پائی۔

- ❖ دارالعلوم میں طلبہ کی تعداد چھ سو سے متجاوز ہوگئی۔
- ❖ اہل خیر حضرات کی خصوصی توجہ اور عطیات سے دارالحدیث کے شمالی، مغربی اور جنوبی اطراف میں وسیع جدید دارالاقامہ کی بنیاد رکھی گئی۔

۵۷/واں سال: ۱۳۳۹ھ/۲۱-۱۹۲۰ء

- ❖ ۱۸/ربیع الاول کو حضرت شیخ الہندؒ کی وفات کا سانحہ پیش آیا۔
- ❖ فرانس، رنگون اور جنوبی افریقہ کے مسلمانوں کی طرف سے دارالعلوم کو گراں قدر چندہ موصول ہوا۔

۵۸/واں سال: ۱۳۴۰ھ/۲۲-۱۹۲۱ء

- ❖ دولت آصفیہ حیدرآباد دکن کی عدالت عالیہ کے منصب افتاء پر تین سال کے لئے حضرت حافظ محمد احمدؒ کا انتخاب ہوا۔
- ❖ اس درمیان حضرت حافظ صاحبؒ صدر مہتمم رہے اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ بطور مہتمم سرگرم عمل رہے۔

۵۹/واں سال: ۱۳۴۱ھ/۲۳-۱۹۲۲ء

- ❖ آریہ سماج کے زبردست فتنۂ ارتداد شدھی اور سنگھٹن کی وجہ سے دارالعلوم کی تمام تر توجہ اس منظّم تحریک کی طرف مبذول ہوگئی۔ فتنہ کی مدافعت میں دارالعلوم نے بھرپور حصہ لیا، لیکن اصل کام تعلیم میں کوئی نقصان نہیں آیا، البتہ آمدنی کم ہونے کی وجہ سے تعمیرات کا کام متاثر رہا۔ متاثرہ علاقوں میں مکاتب و مدارس قائم کیے گئے۔ دارالعلوم کے اساتذہ و علماء نے میدان عمل میں اتر کر اس فتنہ کی سرکوبی کی اور ہندوستانی مسلمانوں کو اس بڑے فتنے سے نجات دلائی۔

۶۰ رواں سال: ۱۳۴۲ھ/ ۲۴-۱۹۲۳ء

- ❖ فتنۂ ارتداد کے استیصال میں دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علمائے ہند دہلی کا اتحاد عمل ہوا اور مشترکہ دفتر کھولا گیا۔
- ❖ دارالعلوم کے اہم ممبر مولانا عبدالحق پورقاضیؒ کا انتقال ہوا۔
- ❖ رنگون سے دارالعلوم کے لیے گراں قدر امداد جمع کی گئی۔
- ❖ کتب خانہ میں کتابوں کی تعداد پچاس ہزار تک پہنچ گئی۔
- ❖ کل طلبہ کی تعداد: ۷۹۵، عربی طلبہ: ۵۸۲، سالانہ آمدنی: ۹۴۴۵۹ روپئے۔

۶۱ رواں سال: ۱۳۴۳ھ/ ۲۵-۱۹۲۴ء

- ❖ آمدنی میں کمی رہی، لیکن دارالحدیث اور دارالطلبہ کی تعمیر جاری رہی۔
- ❖ دارالعلوم میں درجۂ تکمیل کے افتتاح کا اعلان کیا گیا جس میں فارغ التحصیل طلبہ کو وظائف دے کر علم کلام، فلسفۂ قدیم وجدید، ہیئات قدیم وجدید اور دیگر قدیم وجدید علوم وفنون کی تعلیم دے کر محافظت اسلام کے لیے تیار کیے جانے کا منصوبہ تھا۔

۶۲ رواں سال: ۱۳۴۴ھ/ ۲۶-۱۹۲۵ء

- ❖ حضرت حافظ محمد احمد صاحبؒ کی حیدرآباد سے واپسی ہوئی اور آپ کی جگہ حکومت دکن نے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی کو منصب افتاء پر فائز کیا۔
- ❖ حضرت تھانویؒ دارالعلوم کے سرپرست منتخب ہوئے۔
- ❖ ۱۳۴۱ھ میں حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کو نائب مہتمم بنایا گیا تھا، لیکن انتظامی امور سے زیادہ علمی مشاغل کی طرف طبعی رجحان کی وجہ سے اس سے منسلک نہیں ہوئے۔ بالآخر اکابر کے اصرار کی وجہ سے اس سال اس عہدہ کو قبول کیا۔

۶۳ رواں سال: ۱۳۴۵ھ/ ۲۷-۱۹۲۶ء

- اہتمام کے اختیارات کو وسعت دینے کے لیے دستور اساسی میں ترمیم ہوئی۔
- مجلس شوری نے اپنے کاموں میں امداد واعانت اور تخفیف کار کے پیش نظر مجلس انتظامیہ (مجلس عاملہ) کے نام سے ایک ذیلی مجلس قائم کی۔
- حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیریؒ رخصت پر اپنے وطن کشمیر تشریف لے گئے۔

۶۴ رواں سال: ۱۳۴۶ھ/ ۲۸-۱۹۲۷ء

- حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے استعفاء دے دیا۔ حضرت کشمیریؒ اور کچھ دیگر علماء ڈابھیل چلے گئے۔ دارالعلوم میں تعلیمی اسٹرائک ہوئی اور بہ مشکل حالات پر قابو پایا گیا۔
- حضرت کشمیریؒ کی جگہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کو بطور صدر مدرس و شیخ الحدیث دارالعلوم میں بلایا گیا جو اس وقت سلہٹ میں شیخ الحدیث تھے۔

۶۵ رواں سال: ۱۳۴۷ھ/ ۲۹-۱۹۲۸ء

- ۳ جمادی الاولی/ ۱۸ر اکتوبر ۱۹۲۸ء کو دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا حافظ محمد احمدؒ کا دوران سفر حیدرآباد میں انتقال ہوا اور حیدرآباد کے مخصوص قبرستان 'خطۂ صالحین' میں مدفون ہوئے۔
- حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کو مہتمم بنایا گیا۔

۶۶ رواں سال: ۱۳۴۸ھ/ ۳۰-۱۹۲۹ء

- ۳ رجب/ ۵ر دسمبر ۱۹۲۹ء کو دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کا روح فرسا سانحۂ وفات پیش آیا۔

دوسرے دور کی ترقیات

حضرت مولانا حافظ محمد احمدؒ صاحب اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کے اس دور میں دارالعلوم

نے ظاہری و باطنی دونوں اعتبار سے خوب ترقی کی۔ مدرسہ عربیہ دیوبند حقیقی معنوں میں دارالعلوم بن گیا۔ تعلیم، نظم وانتظام، شعبہ جات، طلبہ کی تعداد اور عمارات وغیرہ ہر پہلو سے دارالعلوم کی ترقی ہوئی۔ اس عرصہ میں ملک و بیرون ملک کے تقریباً سترہ سو فضلاء تیار ہوئے۔ طلبہ کی تعداد تین سو سے بڑھ کر تقریباً نو سو ہوگئی اور اساتذہ کی تعداد بھی تقریباً تیس ہوگئی۔ دارالعلوم کا سالانہ بجٹ چھ ہزار سے متجاوز ہوکر پنچانوے ہزار سالانہ تک پہنچ گیا۔ اس عرصہ میں حضرت شیخ الہندؒ کا دور صدارت اختتام پذیر ہوکر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا بابرکت دور گزرا اور اخیر میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کا دور مبارک شروع ہوا۔

اس دور میں دارالعلوم کی مختلف عمارات وجود میں آئیں۔ دارالطلبہ کے علاوہ، گیٹ، دفتر اور مہمان خانہ کے کمرے تعمیر ہوئے۔ دارالحدیث کی پرشکوہ عمارت بھی اسی دور میں تعمیر ہوئی۔ دارالعلوم کی مسجد قدیم، ریلوے اسٹیشن کی مسجد اور کتب خانہ کی عمارتیں بھی اسی زمانے میں تعمیر ہوئیں۔ دار جدید کے وسیع دارالاقامہ کی تعمیر کی ابتدا بھی اسی عہد میں ہوئی۔ اس عرصہ میں مختلف شعبہ جات جیسے شعبۂ مطبخ، شعبۂ دعوت وتبلیغ، ماہنامہ القاسم اور ماہنامہ الرشید کا اجراء بھی عمل میں آیا۔

مآخذ:

تاریخ دارالعلوم دیوبند، سید محبوب رضوی
سالانہ روداد دارالعلوم، محفوظ کتب خانہ ومحافظ خانہ
دارالعلوم کی صد سالہ زندگی، حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ

دارالعلوم دیوبند کا تیسرا دور

۱۳۴۸-۱۴۰۱ھ/۱۹۳۰-۱۹۸۱ھ

باون سال

دوراہتمام

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

۱۳۴۸-۱۴۰۱ھ/۱۹۳۰-۱۹۸۱ھ (کل مدت ۵۲ سال)

دارالعلوم کا تیسرا دور حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیبؒ کے زمانۂ اہتمام پر محیط ہے جو نصف صدی سے زائد عرصہ پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ دور گزشتہ کا ایک تسلسل تھا۔ تعلیمی وانتظامی امور میں استحکام اور وسعت کے ساتھ دارالعلوم کا عالمی سطح پر تعارف ہوا۔ علمائے دیوبند کی کامیاب اور ہمہ جہت دینی، دعوتی، علمی واصلاحی مساعی وخدمات کی بنیاد پر دارالعلوم کے مکتب فکر کی بنیاد پڑی اور دیوبند پورے عالم اسلام اور خصوصاً برصغیر کے مسلمانوں کا مذہبی مرکز بن گیا۔ اس دور کی کچھ اہم جھلکیاں اس طرح ہیں:

۶۶/واں سال: ۱۳۴۸ھ/۳۰-۱۹۲۹ء

- حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کے انتقال کے بعد حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کو قائم مقام مہتمم بنایا گیا اور پھر مجلس شوری نے آپ کو مہتمم کا عہدہ سونپ دیا۔

۶۷/واں سال: ۱۳۴۹ھ/۳۱-۱۹۳۰ء

- دارالعلوم کی مسجد کی توسیع عمل میں آئی۔

- دارالحدیث کی پرشکوہ مرکزی عمارت جو عرصہ سے زیر تعمیر تھی اسی سال مکمل ہوئی۔

۶۸ / واں سال: ۱۳۵۰ھ / ۳۲-۱۹۳۱ء

- طلبہ کے اندر تفسیری لیاقت پیدا کرنے کے لئے دورۂ حدیث کی طرح دورۂ تفسیر کا اجراء کیا گیا۔
- اسی طرح تجوید کی مشق وتعلیم جو اختیاری تھی اس سال اس کو لازمی کردیا گیا اور یہ ضابطہ بنادیا گیا کہ جب تک طالب علم کم ازکم پارۂ عم کی مشق نہ کرلے سند فراغت نہیں دی جائے گی۔

۶۹ / واں سال: ۱۳۵۱ھ / ۳۳-۱۹۳۲ء

- مجلس شوری کے موقر رکن حضرت مولانا حکیم مسعود احمد گنگوہیؒ کا انتقال۔
- دارالطلبہ میں مزید کمروں کا اضافہ ہوا اور مسجد کے بالائی حصہ کی تعمیر ہوئی۔
- طلبہ کی کل تعداد: ۱۰۹۰، تعداد طلبۂ عربی: ۸۴۸

۷۰ / واں سال: ۱۳۵۲ھ / ۳۴-۱۹۳۳ء

- درس حدیث کے لئے دارالحدیث فوقانی کے نام سے ایک ہال کی تعمیر کی ابتدا ہوئی جس میں حضرت مدنیؒ نے تاعمر درس حدیث دیا۔
- داخلہ کے قواعد میں اصلاح اور آسانی پیدا کی گئی۔
- نیز مطبخ میں تقسیم طعام کو کھانے کے ٹکٹ کا اجراء کرکے مزید منظّم کیا گیا۔

۷۱ / واں سال: ۱۳۵۳ھ / ۳۵-۱۹۳۴ء

- سرزمین بیت اللہ مکہ مکرمہ سے دارالعلوم کے لیے حضرت شاہ نیاز احمدؒ (خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ) کا چھ ہزار کا عطیہ۔
- مجلس شوری نے سبکدوش ہونے والے ملازمین کے لئے پنشن کی سہولت کا بل پاس کیا۔

۷۲/واں سال: ۱۳۵۴ھ/ ۳۶-۱۹۳۵ء

❖ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ (جو اس وقت مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات میں مقیم تھے) جلالت علمی کی بنیاد پر صدر مہتمم منتخب ہوئے اور اس عہدہ پر ۱۳۶۲ھ تک قائم رہے۔

❖ سرپرست دارالعلوم کے آئینی مرتبہ کے تعین میں مجلس شوری کے اندر اختلاف کی وجہ سے حضرت تھانویؒ نے مصلحتاً سرپرستی سے استعفا دے دیا۔

۷۳/واں سال: ۱۳۵۵ھ/ ۳۷-۱۹۳۶ء

❖ تین نئے شعبہ جات کا افتتاح ہوا؛ آمد وخرچ کے باضابطہ نظام کی ترتیب کے لئے شعبۂ تنظیم وترقی، محفوظات کے ریکاڈ کے لئے شعبۂ محافظ خانہ، اور طلبہ کی صحت وقوت کے خیال سے شعبۂ ورزش قائم کیا گیا۔ شعبۂ ورزش ۱۳۶۷ھ تک قائم رہا۔

❖ جامعہ ازہر مصر کے مخصوص اساتذہ کا وفد دارالعلوم آیا اور جامع ازہر اور دارالعلوم کے درمیان ارتباط باہمی پر زور دیا گیا۔

۷۴/واں سال: ۱۳۵۶ھ/ ۳۸-۱۹۳۷ء

❖ دار جدید کے باقی ماندہ کمروں کی تکمیل کے علاوہ متعدد عمارتیں جیسے درجۂ فارسی کی درس گاہ، محافظ خانہ کی دومنزلہ عمارت وغیرہ تعمیر ہوئیں۔

۷۵/واں سال: ۱۳۵۷ھ/ ۳۹-۱۹۳۸ء

❖ وزیر اوقاف وانہار حکومت صوبہ اودھ وآگرہ حافظ محمد ابراہیم نے دارالعلوم کا دورہ کیا۔

❖ طلبہ کی کل تعداد: ۱۴۹۳، تعداد طلبۂ عربی: ۱۱۹۸

۷۶/واں سال: ۱۳۵۸ھ/ ۴۰-۱۹۳۹ء

❖ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ (جو ۱۳۳۳ھ میں حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے تحریک ریشمی رومال کے سلسلے میں افغانستان گئے تھے) ہندوستان سے ۲۵ سال کی طویل مفارقت اور

جلاوطنی کے بعد دیوبند تشریف لائے۔

❖ سلطان بن سعود کی حکومت حجاز کی جانب سے طبع شدہ تمام کتابیں دارالعلوم کو اس کی وسیع علمی خدمات کی بنیاد پر عنایت کی گئیں۔

❖ حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کا دورۂ افغانستان ہوا۔ صدر افغانستان کی جانب سے ۵۰؍ ہزار روپئے کی خطیر رقم دارالعلوم کو عطا ہوئی۔

❖ اسی سال دارالحدیث کی بالائی منزل پر دارالتفسیر کے نام سے ایک درس گاہ تعمیر کی گئی اور اس کے اوپر ایک پرشکوہ اور نہایت خوبصورت گنبد بنایا گیا جو آج دارالعلوم کی علامت کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

۷۷؍واں سال: ۱۳۵۹ھ/ ۴۱-۱۹۴۰ء

❖ افغانستان کے عطیہ سے دارالحدیث کے بالمقابل صدر دروازہ کی تعمیر ہوئی اور اس کا نام بادشاہ افغانستان کے نام پر 'باب الظاہر' رکھا گیا تاکہ دارالعلوم اور افغانستان کے مخلصانہ تعلق کی ایک یادگار قائم ہوجائے۔ اس عظیم الشان گیٹ سے دارالعلوم کی شان وشوکت مزید دوبالا ہوگئی۔

❖ حضرت مہتمم صاحبؒ کا مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کا اہم دورہ ہوا۔

۷۸؍واں سال: ۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۱ء

❖ عالمی جنگ کے تسلسل سے عالمی معاشی حالات خراب ہونے کے باوجود دارالاقامہ کی تعمیر کی تکمیل ہوئی۔

❖ ۱۳۲۸ھ میں ماہنامہ القاسم جاری ہوا اور گیارہ سال جاری رہنے کے بعد تقریباً بیس سال تک بند رہا۔ اس سال اس سلسلے کو ماہنامہ رسالہ دارالعلوم کے نام سے دوبارہ شروع کیا گیا۔

۷۹؍واں سال: ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء

❖ ایک انگریز مخالف سیاسی تقریر کی پاداش میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی گرفتاری ہوئی

اور مرادآباد میں مقدمہ کا فیصلہ ہوا اور ۱۸ ماہ کی قید کی سزا ہوئی۔

- ❖ حضرت مدنیؒ کی گرفتاری اور ملک کے سیاسی حالات کی وجہ سے امتحان سالانہ ملتوی ہوگیا اور تعطیل عام کردی گئی۔
- ❖ اس سال چینی اسلامی قومی سالویشن فرنٹ کے نمائندہ عثمان وو نے دارالعلوم کا دورہ کیا اور اچھے تاثرات کا اظہار کیا۔

۸۰/واں سال: ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء

- ❖ ۱۹۴۲ء کے ملک کے ابتر سیاسی حالات کا اثر دارالعلوم پر پڑا اور طلبہ کی عام تعداد میں کمی رہی۔
- ❖ صدر مہتمم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور کچھ اساتذہ سیاسی اختلافات کی بنیاد پر دارالعلوم سے مستعفی ہوگئے۔ بعد میں کچھ اساتذہ واپس آ گئے۔

۸۱/واں سال: ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء

- ❖ حضرت مدنیؒ کی اسارت غیر مشروط طور پر ختم کردی گئی اور آپ کی رہائی عمل میں آئی۔

۸۲/واں سال: ۱۳۶۴ھ/۱۹۴۵ء

- ❖ شعبہ خوش خطی کا قیام عمل میں آیا۔

۸۳/واں سال: ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء

- ❖ صنعتی تعلیم کے فروغ کے لئے دارالصنائع کا شعبہ جاری ہوا۔

۸۴/واں سال: ۱۳۶۶ھ/۴۷-۱۹۴۶ء

- ❖ دارالعلوم دیوبند سے بہار اور گڈھ مکتیشور (یوپی) کے فسادزدہ مسلمانوں کی غم خواری اور امداد کے لئے وفود بھیجے گئے۔

❖ دارالعلوم میں ملازمین کے پروویڈنٹ فنڈ کا سلسلہ شروع ہوا۔

❖ اسی سال رمضان (۱۵ اگست ۱۹۴۷ء) میں ملک کو آزادی ملی۔

۸۵/واں سال: ۱۳۶۷ھ/ ۴۸-۱۹۴۷ء

❖ مسجد دارالعلوم کی مشرقی جانب کی عمارت کی بالائی منزل پر دارالافتاء کی جدید عمارت تیار کرائی گئی جس کا افتتاح ۱۹/ربیع الاول کو ہوا۔

❖ دارالعلوم کی تبلیغی کوششوں کی وجہ سے دہرہ دون کے نواحی علاقہ میں ارتداد کے فتنے کا استیصال کیا گیا۔

۸۶/واں سال: ۱۳۶۸ھ/ ۴۹-۱۹۴۸ء

❖ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کورٹ کے لیے حضرت مہتممؒ اور دیگر علمائے دیوبند کا انتخاب عمل میں آیا۔

❖ اسی سال حکومت کی جانب سے دارالعلوم میں تلاشی مہم کا افسوسناک سانحہ پیش آیا اور مطبوعہ احکام ومسائل کی ضبطی سے مسلمانوں میں حکومت کے تئیں بددلی اور بداعتمادی پیدا ہوئی۔

۸۷/واں سال: ۱۳۶۹ھ/ ۵۰-۱۹۴۹ء

❖ تقسیم ہند کی وجہ سے پاکستانی طلبہ کے داخلہ میں آنے والی رکاوٹوں کا ازالہ کیا گیا۔

❖ پاکستانی طلبہ کو ایک سال کا پرمٹ ملنے لگا، مگر دفتری ضوابط کی وجہ سے یہ سلسلہ زیادہ عرصہ تک چل نہیں سکا۔

❖ حکومت ہند کی وزارت خارجہ اور آل انڈیا ریڈیو کی طرف سے بیرون ہند بالخصوص مشرق وسطی میں دارالعلوم کا تعارف کرایا گیا۔

❖ سفیر افغانستان سردار نجیب اللہ خان کی دارالعلوم میں تشریف آوری اور جلسۂ خیر مقدمی۔

۸۸/واں سال: ۱۳۷۰ھ/ ۵۱-۱۹۵۰ء

❖ حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ وزیر تعلیم حکومت ہند دارالعلوم تشریف لائے اور دارالعلوم میں

جلسۂ استقبالیہ ہوا۔

۸۹/واں سال: ۱۳۷۱ھ/۵۲-۱۹۵۱ء

- بھومی دان تحریک کے بانی اچاریہ ونوبا بھاوے دیوبند آئے۔ دارالعلوم کی زیارت کی اور اچھے تاثرات کا اظہار کیا۔
- پہلے جنگ عظیم اور پھر تقسیم ملک کی وجہ سے دارالعلوم کی آمدنی اور طلبہ کی تعداد پر اثر پڑا۔
- اسی سال دیوبند کے قرب وجوار کے کاشتکار مسلمانوں سے غلہ کی فراہمی کا سلسلہ شروع ہوا جو تا حال جاری ہے۔

۹۰/واں سال: ۱۳۷۲ھ/۵۳-۱۹۵۲ء

- شعبۂ طب کو توسیع دی گئی اور دارالشفاء (ہسپتال) کا قیام عمل میں آیا جس میں اس وقت کل سات معالجین کے علاوہ چھ کارکن مقرر ہوئے۔
- دارجدید کے وسیع دارالاقامہ اور پارکوں میں پانی کی بہم رسانی کے لیے ٹیوب ویل لگایا گیا۔

۹۱/واں سال: ۱۳۷۳ھ/۵۴-۱۹۵۳ء

- جلالۃ الملک شاہ سعود نے اپنے ہندوستان کے دورہ پر دارالعلوم کو پچیس ہزار کا عطیہ عنایت فرمایا۔
- مؤتمر اسلامی کے جنرل سکریٹری انور السادات دارالعلوم تشریف لائے جو بعد میں مصر کے صدر بھی ہوئے۔

۹۲/واں سال: ۱۳۷۴ھ/۵۵-۱۹۵۴ء

- چند ارا کین شوری (حضرت حکیم محمد اسحاق صاحب، حضرت مولانا عبدالحق مدنی صاحب، شیخ ضیاء الحق صاحب اور مولانا شبیر احمد صاحب) کا انتقال ہوا۔
- دارالعلوم کے مفتی اعظم شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہوی کا سانحۂ

ارتحال پیش آیا۔

❖ وزیرِ صحت برما مسٹر عبداللطیف، کرنل انور السادات وزیر حکومت مصر و جنرل سکریٹری مؤتمر اسلامی اور وسط ایشیا و روس سے کچھ اہم مہمانوں کی آمد۔

۹۳/واں سال: ۱۳۷۵ھ/ ۵۶-۱۹۵۵ء

❖ مؤتمر اسلامی اور جامع ازہر سے دارالعلوم کے علمی روابط بڑھے اور عربی انشاء و ادب کے دو اساتذہ (شیخ عبدالمنعم النمر وشیخ عبدالعال العقباوی) مبعوث ہو کر دارالعلوم تشریف لائے۔

❖ مسجد دارالعلوم میں توسیع ہوئی۔

❖ اسی سال فتاویٰ دارالعلوم کی ترتیب کی ذمہ داری مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ کو سپرد کی گئی۔

۹۴/واں سال: ۱۳۷۶ھ/ ۵۷-۱۹۵۶ء

❖ ۱۴/ذی الحجہ کو صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد دارالعلوم تشریف لائے اور عمدہ تاثرات کا اظہار فرمایا۔

❖ حضرت مہتمم صاحبؒ کا سفر برما پیش آیا اور دارالعلوم کے حلقۂ اثر میں غیر معمولی توسیع ہوئی۔

۹۵/واں سال: ۱۳۷۷ھ/ ۵۸-۱۹۵۷ء

❖ ۱۲ جمادی الاولی/ ۵/دسمبر ۱۹۵۷ء کو حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے انتقال پر ملال کا سانحہ پیش آیا۔

❖ حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ کو دارالعلوم کا صدر المدرسین بنایا گیا اور حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحبؒ کو شیخ الحدیث مقرر کیا گیا۔

❖ اسی سال ۵ شعبان/ ۲۵ فروری ۱۹۵۸ء کو شاہ افغانستان ظاہر شاہ نے دارالعلوم کا دورہ فرمایا اور دارالعلوم نے ان کا شاندار استقبال کیا۔

۹۶؍واں سال: ۱۳۷۸ھ/ ۵۹-۱۹۵۸ء

- فضلائے دارالعلوم کو منظّم کرنے اور عظیم الشان جلسۂ دستار بندی کے لیے ''تنظیم فضلائے دارالعلوم'' قائم کی گئی۔

۹۷؍واں سال: ۱۳۷۹ھ/ ۶۰-۱۹۵۹ء

- حضرت قاری صاحبؒ نے ری یونین (فرانسیسی مقبوضہ)، مشرقی افریقہ اور مصر کا سفر فرمایا۔ اس سفر سے دارالعلوم کی شہرت ومقبولیت میں اضافہ ہوا اور مادی فائدہ بھی پہنچا۔
- مشہور عالمی اشاعتی ادارہ دائرۃ المعارف حیدرآباد کے سالانہ جشن میں دارالعلوم کی نمائندگی ہوئی۔
- صدر مصر جمال عبدالناصر کی ہندوستان آمد کے موقع پر دارالعلوم میں تعطیل کی وجہ سے ان کو دیوبند نہیں بلایا جاسکا، لیکن دہلی میں ان کو علمی ہدایا پیش کیے گئے۔

۹۸؍واں سال: ۱۳۸۰ھ/ ۶۱-۱۹۶۰ء

- جامعہ طبیہ کا قیام عمل میں آیا جس کا چار سالہ طبی کورس حکومت کا منظور شدہ تھا اور فارغین کو مجاز مطب قرار دیا جاتا تھا۔ (بعد میں قانونی مجبوریوں کی وجہ سے اسے دارالعلوم سے ختم کردیا گیا۔)
- لندن یونیورسٹی کے شعبۂ تعلیم اسلام کے لکچرار ڈاکٹر پی ہارڈی نے دارالعلوم کا دورہ کیا۔

۹۹؍واں سال: ۱۳۸۱ھ/ ۶۲-۱۹۶۱ء

- مرکزی حکومت کے وزیر ثقافت وسائنسی تحقیقات پروفیسر ہمایوں کبیر نے دارالعلوم کا دورہ کیا۔
- حکومت مصر کی طرف سے دارالعلوم کو قرآن مجید کی قرأت کی ریکارڈنگ کا تحفہ پیش کیا گیا۔

۱۰۰؍واں سال: ۱۳۸۲ھ/ ۶۳-۱۹۶۲ء

- دارالعلوم نے سو سال کا سفر پورا کیا۔ سو سال کی مدت میں مدرسۂ اسلامی عربی دیوبند ایک عظیم الشان بین الاقوامی تعلیمی وتربیتی مرکز میں تبدیل ہوگیا۔ ۱۳۸۳ھ میں طلبہ کی تعداد

۷۸، اساتذہ کی تعداد ۶ اور سالانہ آمدنی ۶۴۹ روپئے تھی، جب کہ اس سال طلبہ کی تعداد ۱۴۸۵، اساتذہ کی تعداد ۴۹، سالانہ آمدنی تقریباً سات لاکھ اور عملہ کی تعداد دوسو ہوگئی۔

- ❖ کتب خانہ کی ایک لاکھ سے زیادہ کتابوں کی ترتیب نو اور فہرست سازی کا کام انجام دیا گیا۔
- ❖ جامعہ حلب شام کے استاذ اور مشہور عالم شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے دارالعلوم کی زیارت کی اور یہاں کے اکابرین سے عقیدت ومحبت کا اظہار کیا۔

۱۰۱/واں سال: ۱۳۸۳ھ/۶۴-۱۹۶۳ء

- ❖ حضرت مہتمم صاحب کا جنوبی افریقہ کا دورہ ہوا اور دارالعلوم کا وسیع پیمانہ پر تعارف ہوا۔
- ❖ عالمی مؤتمر اسلامی قاہرہ کی کانفرنس میں حضرت مہتممؒ نے نمائندگی کی جس میں ہندوپاک کے سارے نمائندے دیوبند کے فیض یافتہ تھے۔
- ❖ واپسی میں حضرت مہتمم صاحب نے حج کے بعد مدینہ کی جامعہ اسلامیہ (مدینہ یونیورسٹی) میں اساتذہ وطلبہ کے استقبالیہ جلسہ کو خطاب کیا۔
- ❖ ۱۹۶۴ء میں دہلی میں مستشرقین کی بین الاقوامی کانفرنس کے ۲۶ویں اجلاس میں دارالعلوم کے منتخب مخطوطات کی نمائش کی گئی۔

۱۰۲/واں سال: ۱۳۸۴ھ/ ۶۵-۱۹۶۴ء

- ❖ عالم عرب میں دارالعلوم کے تعارف کے لیے سہ ماہی عربی مجلہ دعوۃ الحق کا اجراء کیا گیا جو بعد میں 'الداعی' کے نام سے ہر مہینے شائع ہونے لگا۔
- ❖ دارالعلوم کو غلہ کی فراہمی میں حکومت اترپردیش نے تعاون پیش کیا اور ۲۳ مارچ ۱۹۶۵ء کو اترپردیش کے گورنر وشوناتھ داس کی دارالعلوم آمد ہوئی۔

۱۰۳/واں سال: ۱۳۸۵ھ/ ۶۶-۱۹۶۵ء

- ❖ مرکزی حکومت کے کتابچہ 'ہندوستانی مسلمانوں کے تعلیمی ادارے' میں دارالعلوم دیوبند کا وقیع الفاظ میں تعارف لکھا گیا۔

۱۰۴/واں سال: ۱۳۸۶ھ/ ۶۷-۱۹۶۶ء

❖ کتب خانہ کی عمارت کی توسیع ہوئی اور عربی کتب کے جدید ہال کے ساتھ علمائے دیوبند کی تصانیف کا خاص کمرہ بنایا گیا۔

۱۰۵/واں سال: ۱۳۸۷ھ/ ۶۸-۱۹۶۷ء

❖ بیت المقدس پر اسرائیل کے افسوس ناک قبضہ کے موقع پر ملک میں اپیل کی گئی اور ایک خطیر رقم فراہم کر کے فلسطین و مصر اور شام و اردن کے مظلوم عربوں کو ارسال کی گئی۔

❖ مسجد اقصی کی المناک آتش زنی پر دارالعلوم نے اسرائیل کی مذمتی قرارداد حکومت اردن کو ارسال کی اور حکومت اردن نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

❖ اسی سال علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ صدر المدرسین دارالعلوم اور مولانا حمید الدین فیض آبادی رکن مجلس شوریٰ کا سانحۂ وفات پیش آیا۔

❖ حضرت مولانا فخر الدین احمدؒ کو صدر المدرسین کا منصب بھی سونپ دیا گیا۔

۱۰۶/واں سال: ۱۳۸۸ھ/ ۶۹-۱۹۶۸ء

❖ دارالعلوم کے متعدد اکابر و اساتذہ (حضرت مولانا سید مبارک علیؒ نائب مہتمم، صدر القراء مولانا قاری حفظ الرحمٰنؒ وغیرہ) کا انتقال ہوا۔

۱۰۷/واں سال: ۱۳۸۹ھ/ ۷۰-۱۹۶۹ء

❖ دارالعلوم میں طلبہ کی اب تک کی سب سے بڑی اسٹرائک ہوئی اور تخریب کار طلبہ کا اخراج ہوا۔

❖ مغربی ممالک کے متعدد ریسرچ اسکالرز نے دارالعلوم کے کتب خانہ سے استفادہ کیا۔ کیلی فورنیا امریکہ سے مسز باربرا مٹکاف بھی اسی سلسلہ میں دیوبند آئیں اور انھوں نے دارالعلوم

کی تاریخ پر انگریزی میں جامع اور قابل قدر مواد اکٹھا کیا، جو کتابی شکل میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ ان کی کتاب کا عنوان ہے: 'دیوبند: اسلامک ریوائیول ان برٹش انڈیا' یعنی دیوبند: برطانوی ہند میں اسلام کا احیاء۔

- اسی سال متعدد عرب ممالک مراکش، الجزائر، اردن وغیرہ کے عرب مہمان بھی تشریف لائے اور بہت متاثر ہوئے۔
- مسجد چھتہ کی توسیع ہوئی۔

۱۰۸/واں سال: ۱۳۹۰ھ/ ۷۱-۱۹۷۰ء

- دارالعلوم کے نصاب تعلیم میں تبدیلیاں کی گئیں اور نصاب تعلیم میں درجہ بندی کا سلسلہ شروع کیا گیا۔

۱۰۹/واں سال: ۱۳۹۱ھ/ ۷۲-۱۹۷۱ء

- جامعہ طبیہ کی ناقص عمارتوں کی تکمیل، افریقی منزل جدید کی تعمیر وغیرہ۔
- حضرت مہتممؒ کا برطانیہ، فرانس اور مغربی جرمنی کا سفر اور تقاریر و بیانات۔

۱۱۰/واں سال: ۱۳۹۲ھ/ ۷۳-۱۹۷۲ء

- ہندوستانی مسلمانوں کے دینی تشخص کی بقاء و استحکام کے لیے حضرت مہتمم صاحب اور حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کے مساعی سے مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تشکیل ہوئی۔
- صدرالمدرسین اور شیخ الحدیث حضرت مولانا فخرالدین احمدؒ کا انتقال ہوا۔
- حضرت مولانا سید فخرالحسن مرادآبادیؒ کو صدر مدرس بنایا گیا اور حضرت مولانا شریف الحسن صاحب شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔
- مصری ثقافتی وفد اور ٹوکیو یونیورسٹی کے اساتذہ نے دارالعلوم کا دورہ کیا۔

۱۱۱؍واں سال: ۱۳۹۳ھ/۷۴-۱۹۷۳ء

- رابطۂ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے وفد نے دارالعلوم کا دورہ کیا۔
- وزارت معارف سعودی عرب کے ڈائرکٹر اور ادارہ مباحث علمیہ کے نمائندوں نے دارالعلوم کا دورہ کیا۔
- اتر پردیش کے گورنر اکبر علی خان کی دارالعلوم آمد۔

۱۱۳؍واں سال: ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء

- حضرت مہتمم صاحبؒ کا سفر ری یونین (افریقہ)، رابطۂ عالم اسلامی کے اجلاس میں شرکت۔ فرانس اور انگلینڈ کا دورہ۔
- شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود، وکیل الازہر شیخ عبدالرحمٰن بیطار، مفتی اعظم مصر شیخ محمد خاطر اور سابق شیخ الازہر شیخ محمد الفحام نے دارالعلوم کا دورہ کیا۔
- وزیر حکومت کویت یوسف السید ہاشم رفاعی، مدیر ماہنامہ البلاغ کویت استاذ عبدالرحمٰن اور قطر کے شیخ عبدالمعز عبدالستار کے ساتھ تاشقند کے نمائندے شرف الدین محدوف وغیرہ پر مشتمل ایک وفد کا بھی دورہ ہوا۔
- ۷شوال/۱۳؍اکتوبر ۱۹۷۵ء کو حضرت مولانا محمد میاں دیوبندیؒ رکن مجلس شوری کا انتقال ہوا۔
- ہائی کمشنر ملیشیا برائے ہندتان سری حاجی عبدالحامد نے دارالعلوم کا دورہ کیا۔

۱۱۴؍واں سال: ۱۳۹۶ھ/ ۱۹۷۶ء

- صدر جمہوریہ ہند جناب فخر الدین علی احمد کی دارالعلوم تشریف آوری۔
- فتحی عبدالحمید تنظیم آزادئ فلسطین جاپان نے دارالعلوم کا دورہ کیا۔

۱۱۵/واں سال: ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء

❖ شیخ الحدیث حضرت مولانا شریف الحسن دیوبندیؒ کا انتقال ہوا۔

❖ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔

۱۱۶/واں سال: ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء

❖ مدینہ یونیورسٹی کے ثقافتی وفد کی دارالعلوم آمد۔

❖ سعودی عرب، سوڈان، متحدہ عرب امارات وغیرہ کے علماء وطلبہ کا وفد اور رابطہ عالم اسلامی سے دارالعلوم کے رابطہ کا استحکام۔

❖ مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر شیخ عبدالمحسن بن عباد اور کلیۃ الدعوۃ کے پرنسپل شیخ صالح بن عبداللہ کا دورہ۔

۱۱۷/واں سال: ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء

❖ دارالعلوم میں صد سالہ اجلاس کے انعقاد کا فیصلہ اور اس کی تیاریاں۔

❖ متعدد عمارتوں کی تکمیل وتزئین عمل میں آئی۔

۱۱۸/واں سال: ۱۴۰۰ھ/ ۸۰-۱۹۷۹ء

❖ ۲۱،۲۲،۲۳ مارچ ۱۹۸۰ء (جمادی الاولی ۱۴۰۰ھ) میں دارالعلوم کا تاریخ ساز اور عہد آفرین صد سالہ اجلاس عام جس میں پندرہ سے بیس لاکھ مسلمانوں نے شرکت کی۔ ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش کے علاوہ ایشیا، افریقہ اور امریکہ ویورپ کے آٹھ ہزار سے زائد سرکاری نمائندے، وفود اور مندوبین نے شرکت کی۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی تاریخ کا یہ عظیم الشان اجلاس تھا جس کی گونج سارے عالم میں محسوس کی گئی اور جس نے اتحاد ملت اور اشاعت اسلام کی نئی شاہراہیں تیار کیں۔

تیسرے دور کی ترقیات

دارالعلوم نے اس عرصہ میں نمایاں ترقی حاصل کی اور حقیقی معنوں میں وہ ایک بین الاقوامی ادارہ بن گیا۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی صدرات تدریس کا طویل دوراسی زمانے میں گزرا جس میں صرف آپ کے دورصدارت میں فارغ ہونے والے طلبہ کی تعداد ۴۴۸۳ ہے۔

۱۳۴۸ھ میں جب حضرت قاری صاحبؒ نے انتظام دارالعلوم کی باگ ڈور سنبھالی تو اس کے انتظامی شعبے آٹھ تھے جن کی تعداد ۱۴۰۰ء تک ۲۳ ہوچکی تھی۔ دارالعلوم کا بجٹ بھی اسی طرح پچاس ہزار سے بڑھ کر ۲۶ لاکھ تک پہنچ گیا۔ دارالعلوم کے عملہ کی تعداد بھی ۴۵ سے ترقی کر کے دوسو سے زیادہ ہوچکی تھی اور اساتذہ کی تعداد اٹھارہ سے بڑھ کر ساٹھ ہوچکی تھی۔ طلبہ کی تعداد بھی ۸۴۰ سے ترقی کرتے ہوئے دوہزار سے زائد ہوگئی۔

اسی طرح دارالعلوم کی ظاہری ترقی میں بھی واضح ترقی ہوئی اور عمارتوں میں کافی اضافہ ہوا۔ دارجدید، دارالتفسیر، دارالافتاء، دارالقرآن، فوقانی دارالحدیث، باب الظاہر، جامعہ طبیہ، مہمان خانہ، کتب خانہ، دارالاقامہ افریقی منزل وغیرہ عمارات اسی زمانے میں وجود میں آئیں۔

دوسری طرف حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ نے برصغیر سمیت، ایشیا، امریکہ، یورپ اور افریقہ کے کونے کونے اور شہروں اور دیہاتوں کا اتنا سفر کیا کہ کم مشاہیرِ ہند کو اتنے اسفار کا موقع ملا ہوگا۔ انھوں نے اپنے اسفار، ملاقاتوں اور دوروں سے دارالعلوم کے کام، مقام اور نام کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچایا اور دنیا بھر میں کروڑوں افراد تک دارالعلوم دیوبند کا تعارف کرایا۔

مآخذ:

تاریخ دارالعلوم دیوبند، سید محبوب رضوی

سالانہ روداد دارالعلوم، محفوظ کتب خانہ ومحافظ خانہ

دارالعلوم کی صد سالہ زندگی، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

دارالعلوم دیوبند کا موجودہ دور

۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ھ-۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء

بتیس سال

دوراہتمام

(۱) حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوریؒ — تیس سال
۱۴۰۲-۱۴۳۲ھ/۱۹۸۲-۲۰۱۰ء

(۱) حضرت مولانا غلام رسول صاحب خاموش، بہ حیثیت کارگزار مہتمم
۱۴۲۴-۱۴۳۱ھ/۲۰۰۴-۲۰۰۹ء

(۳) حضرت مولانا غلام محمد وستانوی صاحب — سات ماہ
صفر ۱۴۳۲-شعبان ۱۴۳۲ھ/ ۲۰۱۱-۲۰۱۱ء

(۴) حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب — جاری
شعبان ۱۴۳۲ھ/ ۲۰۱۱ء — (جاری)

دارالعلوم کے موجودہ دور کی ابتداء اجلاس صد سالہ کے بعد سے ہوتی ہے۔ اجلاس صد سالہ کے بعد دارالعلوم ایک نازک وقت سے گذرا اور شدید اختلافات رونما ہوئے۔ بالآخر اللہ کے فضل و کرم سے جو ہمیشہ دارالعلوم کے شامل حال رہا ہے، دارالعلوم اس امتحان و آزمائش سے باہر نکل آیا اور پھر نہایت برق رفتاری سے شاہراہ ترقی پر گامزن ہوگیا۔ اس دور میں دارالعلوم نے تعلیمی، انتظامی اور تعمیری جہتوں سے خوب ترقی کی اور پہلے کی بہ نسبت اس کا دائرہ پھیل کر دوگنے سے زیادہ ہوگیا۔ باہری دنیا میں بھی دارالعلوم کا شہرہ خوب پھیلا اور وقتاً فوقتاً عالمی میڈیا میں اس کی گونج سنائی دینے لگی۔ ذیل کے صفحات میں دارالعلوم کی اسی ترقی کی جھلک پیش ہے:

۱۱۹/واں سال: ۱۴۰۱ھ/۸۱-۱۹۸۰ء

❖ رکن شوری حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن بجنوریؒ کو مجلس شوری نے مددگار مہتمم اور نواسۂ شیخ الہند حضرت مولانا محمد عثمان صاحبؒ کو نائب مہتمم نامزد کیا۔

❖ صدر المدرسین حضرت مولانا فخر الحسن صاحب مرآدابادی اور رکن شوری حضرت مولانا مصطفیٰ حسن علوی لکھنوی کا انتقال ہوا۔

❖ حضرت مولانا معراج الحق صاحب دیوبندیؒ کو صدر المدرسین مقرر کیا گیا۔

❖ اہتمام اور مجلس شوری کے درمیان اختلافات رونما ہوئے۔ اہتمام کی طرف سے مجلس شوری کے فیصلوں کی منسوخی اور مجلس شوری کی تحلیل و برخاستگی کا معاملہ پیش آیا۔ اہتمام کی طرف سے طلبہ کی چھٹی کردی گئی اور دارالعلوم کو غیر متعینہ مدت کے لیے بند کردیا گیا۔ مجلس شوری کی طرف سے طلبہ کو دارالعلوم کے قریب کیمپ میں قیام کرایا گیا اور تعلیم شروع کردی گئی۔

۱۲۰/واں سال: ۱۴۰۲ھ/۸۲-۱۹۸۱ء

❖ دارالعلوم میں ہنگاموں کے دوران مجلس شوری کا اجلاس ربیع الاول مسلم مسافر خانہ لکھنؤ میں منعقد ہوا۔

❖ مجلس شوری نے حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کو ان کی غیر آئینی اقدامات کی وجہ سے مہتمم کے عہدہ سے معطل کردیا اور حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن بجنوریؒ کو بہ حیثیت مہتمم انتظام سنبھالنے پر مامور کیا۔

❖ ۲۹ جمادی الاولی (۲۵ مارچ ۱۹۸۲ء) کو دارالعلوم دوبارہ کھل گیا اور مجلس شوری کی طرف سے تعلیمی و انتظامی امور انجام دیے جانے لگے۔

❖ مجلس شوری کے اجلاس منعقدہ ۲۴ شوال کو حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کا عہدۂ اہتمام سے استعفاء قبول کیا گیا اور حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوریؒ کو مستقل مہتمم مقرر کیا گیا۔

۱۲۱/واں سال: ۱۴۰۳ھ/۸۳-۱۹۸۲ء

- رواق خالد کی تعمیر کی تکمیل ہوئی۔
- حضرت مولانا عبدالحق اعظمی، حضرت مولانا ارشد مدنی، حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی وغیرہ اساتذہ کا تقرر عمل میں آیا۔
- اکابر دارالعلوم کے علوم ومعارف کی اشاعت کے مقصد سے شیخ الہند اکیڈمی کا قیام ہوا اور حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادی ڈائرکٹر مقرر رہوئے۔
- معین المدرسین کا درجہ قائم کیا گیا۔
- فضلائے بنگلہ دیش کو بنگلہ دیش میں اجلاس دستار بندی کی اجازت کی تجویز پاس ہوئی۔
- دارالعلوم میں غلہ اسکیم کا جلسہ منعقد ہوا۔
- ۶/شوال ۱۴۰۳ھ (۱۷/جولائی ۱۹۸۳ء) کو حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کا سانحۂ انتقال پیش آیا۔

۱۲۲/واں سال: ۱۴۰۴ھ/۸۴-۱۹۸۳ء

- اس سال طلبہ کی تعداد ۲۳۵۰ تھی اور دارالعلوم کا سالانہ بجٹ ۵۲ لاکھ روپئے تھا۔
- دارالعلوم کے موقف کی وضاحت اور فراہمیٔ سرمایہ کے لیے ملک کے طول وعرض کے علاوہ پاکستان، ملیشیا، عرب ممالک وغیرہ میں سربرآوردہ ارکان واساتذہ پر مشتمل وفود روانہ کیے گئے جس کا خاطر خواہ فائدہ ہوا۔
- مجلس شوری کے سابق رکن مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی کا انتقال ہوا۔

۱۲۳/واں سال: ۱۴۰۵ھ/ ۸۵-۱۹۸۴ء

- حضرت مولانا وحید الزماں کیرانویؒ کو معاون مہتمم بنایا گیا۔
- دارالمدرسین کی تعمیر کی منظوری ہوئی۔

- حضرت مولانا حامد الانصاری غازیؒ مجلس شوری سے علیحدہ ہوئے۔
- حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندوی مختلف مصروفیات اور عوارض کی وجہ سے مجلس شوری سے مستعفی ہوئے۔
- حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کو صدر مفتی بنایا گیا۔
- نائب مہتمم حضرت مولانا محمد عثمان دیوبندیؒ کا انتقال ہوا۔
- حضرت مولانا اسعد مدنیؒ مجلس شوری کے رکن منتخب ہوئے۔ آپ نے اپنی فعال اور با اثر شخصیت سے دارالعلوم کو بہت فائدہ پہنچایا۔
- دارالتربیت اور دارالعلوم کے شایان شان جدید مسجد کی تعمیر کی تجویز پاس ہوئی۔
- پندرہ روزہ 'پیام دارالعلوم' کا اجراء ہوا۔
- سفیر مصر برائے ہند ڈاکٹر عمرو موسی کی دارالعلوم آمد ہوئی۔

۱۲۴/واں سال: ۱۴۰۶ھ/ ۸۶-۱۹۸۵ء

- حضرت مولانا ابوالسعود صاحب مجلس شوری سے علیحدہ ہوئے۔
- پندرہ روزہ پیام دارالعلوم کا آئینہ دارالعلوم کے نام سے رجسٹریشن عمل میں آیا۔
- حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ رکن مجلس شوری ۳/رمضان کو انتقال فرما گئے۔
- جامعۃ الازہر مصر سے عربی زبان و ادب کی تدریس کے لیے شیخ عبد اللہ جمعہ رضوان دارالعلوم دیوبند مبعوث کیے گئے۔
- سعودی سفیر برائے ہند شیخ فؤاد صادق دارالعلوم تشریف لائے۔
- وزیر اعلی اتر پردیش اور سیاسی رہنماؤں کے اعلی سطحی وفد کی دارالعلوم آمد ہوئی۔
- اسی سال تین سو سے زائد پاکستانی علماء کے وفد نے جو شیخ الہند سیمینار دہلی میں شرکت کے لیے آیا تھا، دارالعلوم کا دورہ کیا۔
- عرب اسلامی ایسوسی ایشن کے نمائندہ ڈاکٹر فتحی عثمان کی دارالعلوم آمد ہوئی۔

❖ مختلف مسائل ومشکلات کی وجہ سے جامعہ طبیہ کو تحلیل کر دیا گیا۔
❖ تعلیمی نظام کی بہتری کے لیے مدرسہ ثانویہ کا علیحدہ نظم کیا گیا۔
❖ جدید مسجد مسمی بہ مسجد رشید کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔
❖ دفتر تنظیم وترقی کی ممبئی شاخ کا دفتر قائم ہوا۔

۱۲۵/واں سال: ۱۴۰۷ھ/ ۸۷-۱۹۸۶ء

❖ ۹۲ لاکھ کا بجٹ منظور ہوا۔
❖ قادیانیوں کے بڑھتے اثرات کے پیش نظر دارالعلوم میں ملک و بیرون ملک کے علماء و دانشوران کا اہم اجلاس بلایا گیا۔
❖ دارالعلوم میں مجلس تحفظ ختم نبوت کا قیام عمل میں آیا۔
❖ دارالاقامہ اعظمی منزل (شیخ الہند منزل) کی تعمیر شروع ہوئی۔

۱۲۶/واں سال: ۱۴۰۸ھ/ ۸۸-۱۹۸۷ء

❖ ایک کروڑ ۳۴ لاکھ کا سالانہ بجٹ منظور ہوا۔
❖ رکن مجلس شوری حضرت حاجی علاء الدین ممبئی کا انتقال ہوا۔
❖ اسی سال امام حرم مکی شیخ محمد بن عبداللہ السبیل نے دارالعلوم کا دورہ کیا اور ان کو شاندار استقبالیہ دیا گیا۔
❖ اسلامک بینک جدہ کے ایکزکیٹیو ڈائرکٹر شیخ فیصل عبدالعزیز الزربلی کی دارالعلوم آمد ہوئی۔

۱۲۷/واں سال: ۱۴۰۹ھ/ ۸۹-۱۹۸۸ء

❖ تعداد طلبہ: ۲۵۷۵، اساتذہ: ۳۴، ملازمین: ۳۰۰۔
❖ حضرت مولانا غلام رسول خاموش صاحب مجلس شوری کے رکن منتخب ہوئے۔

❖ مشہور مبلغ ومناظر مولانا ارشاد احمد صاحب فیض آبادی کا انتقال ہوا۔

❖ دارالعلوم میں ردقادیانیت پر مجلس تحفظ ختم نبوت کا دس روزہ تربیتی پروگرام منعقد ہوا جس میں خصوصی طور پر پاکستان سے حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی تربیت کے لیے تشریف لائے۔

❖ غلہ اسکیم کا جلسہ منعقد ہوا۔

❖ دارالعلوم کے طلبہ کے وفد نے ملیشیا میں بین الاقوامی تربیتی کیمپ میں شرکت کی۔

۱۲۸/واں سال: ۱۴۱۰ھ/۹۰-۱۹۸۹ء

❖ فرق باطلہ، ہندوازم اور عیسائیت کے رد کے لیے مستقل شعبہ کے قیام کی تجویز پاس ہوئی۔

❖ حضرت مولانا وحیدالزماں کیرانویؒ کی دارالعلوم سے علیحدگی ہوئی۔

❖ رکن مجلس شوریٰ حضرت مولانا حکیم عبدالجلیل دہلویؒ کا انتقال ہوا۔

❖ دارالعلوم میں فضلائے دارالعلوم کا اجتماع منعقد کیا گیا اور آٹھ سالہ کارکردگی کا جائزہ لیا گیا۔

❖ شیخ محمد محروس الاعظمی العراقی کی دارالعلوم آمد ہوئی۔

۱۲۹/واں سال: ۱۴۱۱ھ/۹۱-۱۹۹۰ء

❖ شعبۂ تخصص فی الحدیث کے قیام کی تجویز پاس ہوئی۔

❖ مجلس شوریٰ کے اراکین حضرت مولانا محمد سعید بزرگؒ مہتمم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، حضرت مولانا قاضی زین العابدین میرٹھیؒ اور حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کا انتقال ہوا۔

❖ حضرت مولانا اسماعیل موٹا صاحبؒ گجرات اور حضرت مولانا ناظر حسین صاحبؒ ہاپوڑ مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے۔

۱۳۰/واں سال: ۱۴۱۲ھ/۹۲-۱۹۹۱ء

❖ صدر المدرسین حضرت مولانا معراج الحقؒ صاحب کا انتقال ہوا۔

- ❖ حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ کو صدر المدرسین بنایا گیا۔
- ❖ مجلس شوری کے اراکین حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ، حضرت نواب عبید الرحمٰن خان شیروانی، حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائپوریؒ کا انتقال ہوا۔

۱۳۱/رواں سال: ۱۴۱۳ھ/۹۳-۱۹۹۲ء

- ❖ رکن مجلس شوری حضرت مولانا عبد القادرؒ مالیگاؤں کا انتقال ہوا۔
- ❖ حضرت مولانا حامد الانصاری غازیؒ کا انتقال ہوا۔
- ❖ حضرت مولانا ابوالقاسم نعمانی، حضرت مولانا ازہر رانچوی، حضرت مولانا اسماعیل کٹکیؒ اور حضرت مولانا بدرالدین اجمل مجلس شوری کے رکن نامزد کیے گئے۔
- ❖ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ مہتمم دارالعلوم نے ساؤتھ افریقہ، موریشش، ری یونین اور سعودی عرب کا دورہ فرمایا۔

۱۳۲/رواں سال: ۱۴۱۴ھ/۹۴-۱۹۹۳ء

- ❖ سالانہ بجٹ ڈھائی کروڑ مقرر رہا۔
- ❖ فرق ضالہ اور مذاہب باطلہ کے سلسلہ میں تکمیلات کے طلبہ کے لیے محاضرات کا آغاز ہوا۔
- ❖ آسامی منزل (شیخ الاسلام منزل) کی تعمیر کی تجویز پاس ہوئی۔
- ❖ مہمان خانہ کی عمارت دوبارہ تعمیر ہوئی۔
- ❖ غلہ اسکیم کا جلسہ منعقد ہوا۔

۱۳۳/رواں سال: ۱۴۱۵ھ/۹۵-۱۹۹۴ء

- ❖ حضرت مولانا وحید الزماں کیرانوی کا انتقال ہوا۔
- ❖ مدارس اسلامیہ کو درپیش اندرونی و بیرونی خطرات و مسائل کے پیش نظر مدارس اسلامیہ

عربیہ کا نمائندہ اجتماع بلایا گیا اور دارالعلوم میں کل ہند رابطۂ مدارس اسلامیہ کے دفتر کا قیام عمل میں آیا۔ اس شعبہ سے ملک کے سیکڑوں مدارس عربیہ منسلک ہوئے۔

- ❖ رابطۂ مدارس عربیہ کا نیا ترمیم شدہ نصاب نافذ کیا گیا۔

۱۳۴/واں سال: ۱۴۱۶ھ/ ۹۶-۱۹۹۵ء

- ❖ سالانہ بجٹ تین کروڑ اٹھارہ لاکھ روپئے پاس ہوا۔
- ❖ شیخ الہند اکیڈمی میں صحافتی تعلیم وتربیت کا آغاز ہوا۔
- ❖ حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کا سانحۂ انتقال پیش آیا۔

۱۳۵/واں سال: ۱۴۱۷ھ/ ۹۷-۱۹۹۶ء

- ❖ طلبہ کی ٹیکنیکل تعلیم کے مقصد سے دارالعلوم میں شعبۂ کمپیوٹر کا قیام عمل میں آیا۔
- ❖ رکن شوری حضرت مولانا منظور نعمانیؒ کا سانحۂ انتقال پیش آیا۔

۱۳۶/واں سال: ۱۴۱۸ھ/ ۹۸-۱۹۹۷ء

- ❖ سابق امام مسجد اقصی اور مشہور عالم دین ڈاکٹر محمود الصیام کی دارالعلوم آمد ہوئی اور مسجد رشید میں عظیم الشان استقبالیہ پروگرام منعقد ہوا۔
- ❖ الہ آباد ہائی کورٹ کی جج شیلا دکشت اور ماہرین قانون کے اعلی سطحی وفد کا دارالعلوم کا دورہ ہوا۔
- ❖ ڈاکٹر محتشم کی قیادت میں انگلینڈ کے وفد کی آمد ہوئی۔
- ❖ شعبۂ خریداری اور اسٹاک روم کا قیام عمل میں آیا۔

۱۳۷/واں سال: ۱۴۱۹ھ/ ۹۹-۱۹۹۸ء

- ❖ ۱۲/نومبر ۱۹۹۸ء کو کل ہند رابطۂ مدارس عربیہ کا اہم اجلاس عام ہوا جس میں مدارس اسلامیہ

کے ربط کی اہمیت اور حکومت کے اثرات سے اجتناب واحتراز اور علم وفکر کی آزادی کو برقرار رکھنے پر زور دیا گیا۔

۱۳۸؍واں سال: ۱۴۲۰ھ/ ۲۰۰۰-۱۹۹۹ء

- ❖ رکن شوریٰ حضرت مولانا عبدالحلیم جون پوریؒ کا انتقال ہوا۔
- ❖ ملک میں عیسائی مشنریوں کی بڑھتی سرگرمیوں کے پیش نظر دارالعلوم میں ردعیسائیت کمیٹی کا قیام عمل میں آیا جو بعد میں مستقل شعبہ کی صورت میں کام کررہا ہے۔
- ❖ عصر حاضر کے جدید دعوتی ومواصلاتی تقاضوں کے پیش نظر شعبۂ کمپیوٹر میں انٹرنیٹ اور ویب سائٹ کی ابتدا ہوئی۔
- ❖ ماہنامہ دارالعلوم اور مجلّہ الداعی وغیرہ کی کمپوزنگ کے لیے دفتر کمپیوٹر برائے کتابت کا قیام عمل میں آیا۔
- ❖ حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ کا انتقال ہوا۔

۱۳۹؍واں سال: ۱۴۲۱ھ/ ۰۱-۲۰۰۰ء

- ❖ اراکین شوریٰ حضرت مولانا ابوالحسن علی میاںؒ اور حضرت حکیم محمد زماں الحسینیؒ کا انتقال ہوا۔
- ❖ اس سال شعبۂ تخصص فی الحدیث قائم ہوا۔
- ❖ حفظ قرآن کے لیے تحفیظ القرآن بلڈنگ (حکیم الامت منزل) کی تعمیر ہوئی۔

۱۴۰؍واں سال: ۱۴۲۲ھ/ ۰۲-۲۰۰۱ء

- ❖ امریکہ میں ۹/۱۱ حملوں کے پس منظر میں طالبان پر امریکہ کا حملہ اور دیوبند کے ان کے فکری مرکز ہونے کی خبروں کی وجہ سے دارالعلوم کا نام عالمی میڈیا میں پورے تسلسل کے ساتھ آنے لگا، اسی وجہ سے عالمی ذرائع ابلاغ اور سفارتی نمائندوں کی بکثرت آمد شروع ہوگئی۔

۱۴۱/واں سال: ۱۴۲۳ھ/۰۳-۲۰۰۲ء

- ❖ دارالعلوم کا عالمی تعارف کرانے اور دعوتی مقاصد کے تحت شعبۂ انگریزی زبان وادب کا قیام عمل میں آیا۔
- ❖ سفیر فرانس برائے ہند نے دارالعلوم کا دورہ کیا۔

۱۴۲/واں سال: ۱۴۲۴ھ/۰۴-۲۰۰۳ء

- ❖ دارالعلوم اور رابطہ مدارس عربیہ کے تحت ملک کے طول وعرض میں مکاتب کے قیام کی تحریک ہوئی۔
- ❖ میڈیا میں دارالعلوم کی صحیح نمائندگی کے لیے میڈیا سیل کے قیام کا فیصلہ ہوا۔
- ❖ حضرت مولانا غلام رسول خاموشؒ کو کارگزار مہتمم بنایا گیا۔

۱۴۳/واں سال: ۱۴۲۵ھ/ ۰۵-۲۰۰۴ء

- ❖ دار جدید کی مخدوش عمارت کی جگہ نیا عظیم الشان دارالاقامہ بنانے کا فیصلہ ہوا۔
- ❖ دارالعلوم کے شایان شان جدید سہولیات سے آراستہ عظیم الشان لائبریری کی تعمیر اور اس کو حضرت شیخ الہندؒ کی طرف منسوب کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔
- ❖ انفارمیشن ٹکنالوجی کے ذریعہ دارالعلوم کا پیغام عام کرنے اور امت مسلمہ کی رہ نمائی کا فریضہ مؤثر طور پر انجام دینے کے لیے شعبۂ انٹرنیٹ کا علیحدہ قیام عمل میں آیا۔

۱۴۴/واں سال: ۱۴۲۶ھ/ ۰۶-۲۰۰۵ء

- ❖ رکن مجلس شوریٰ مولانا اسماعیل کٹکیؒ کا انتقال ہوا۔
- ❖ شعبۂ ہندی کے قیام کی تجویز پاس ہوئی۔

❖ جمعیۃ علمائے اسلام اور متحدہ مجلس عمل پاکستان کے مولانا فضل الرحمٰن اور دیگر رہنماؤں نے دارالعلوم کا دورہ کیا۔

❖ امریکہ کے چیف آف مشن رابرٹ بلیک کی دارالعلوم آمد ہوئی۔

❖ فتاوی دارالعلوم کی جمع وترتیب جدید کے لیے شعبۂ ترتیب فتاوی کا قیام عمل میں آیا۔

۱۴۵/واں سال: ۱۴۲۷ھ/ ۰۷-۲۰۰۶ء

❖ مجلس شوری کے اہم ترین رکن امیر الہند حضرت مولانا اسعد مدنیؒ صدر جمعیۃ علمائے ہند کا سانحۂ انتقال پیش آیا۔ دارالعلوم کی ترقی اور اس کی خدمات کی توسیع میں آپ کا اہم حصہ ہے۔ دارالعلوم کے بہت سے نئے شعبہ جات اور سرگرمیوں کی اصل محرک آپ کی ہی شخصیت رہی ہے۔ آپ کی فعال اور مؤثر قیادت سے دارالعلوم کو بڑا فائدہ پہنچا۔

❖ رکن مجلس شوری حضرت مولانا اسماعل موٹا (گجرات) کا انتقال ہوا۔

❖ غیر مقلدین کے بڑھتے فتنہ کے تعاقب وسرکوبی کے لیے شعبۂ تحفظ سنت (رد غیر مقلدیت) کا قیام عمل میں آیا۔

❖ حضرت مہتمم صاحب نے رابطۂ عالم اسلامی کے اجلاس میں شرکت کے لیے سعودی عرب کا سفر کیا۔

❖ مولانا فضل الرحمٰن کی قیادت میں متحدہ مجلس عمل پاکستان کے اراکین پارلیمنٹ کے وفد نے دارالعلوم کا دورہ کیا۔

❖ انڈونیشیا سے سات نفری وفد کی دارالعلوم آمد۔

۱۴۶/واں سال: ۱۴۲۸ھ/ ۰۸-۲۰۰۷ء

❖ دارالافتاء کے فتاوی کو آن لائن شائع کرنے کے لیے مستقل اردو اور انگریزی ویب سائٹ کا آغاز کیا گیا۔

❖ غلہ اسکیم کا جلسہ منعقد ہوا۔

❖ رابطۂ مدارس اسلامیہ کا عظیم الشان اجلاس عام ہوا اور حکومت ہند کے مرکزی مدرسہ بورڈ تجویز کی شدید مخالفت کی گئی جس کے بعد حکومت نے اس اقدام سے گریز کیا۔

❖ امریکی سفارت خانہ دہلی سے تین رکنی وفد نے دارالعلوم کا دورہ کیا۔

۱۴۷/واں سال: ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء

❖ اعظمی منزل (شیخ الہند منزل) کے پاس بینک اے ٹی ایم اور ریلوے بکنگ کاؤنٹر کا افتتاح ہوا۔

❖ دارالعلوم کے امتحانات کے نتائج ویب سائٹ پر شائع کیے جانے کا آغاز ہوا۔

❖ حضرت مولانا نصیر احمد خاںؒ صاحب علالت اور پیرانہ سالی کی وجہ سے مستعفی ہو گئے اور حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری کو شیخ الحدیث اور صدر مدرس بنایا گیا۔

❖ دارالعلوم میں 'کل ہند دہشت گردی مخالف کانفرنس' منعقد ہوئی اور عالمی میڈیا میں دارالعلوم کے موقف کی تائید و تحسین کی گئی۔

❖ جمعیۃ علمائے ہند میں اختلافات کی بنیاد پر ناظم تعلیمات حضرت مولانا ارشد مدنی صاحب اور نائب مہتمم حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب اپنے اپنے عہدوں سے مستعفی ہو گئے۔

❖ حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی، نائب مہتمم منتخب ہوئے۔

۱۴۸/واں سال: ۱۴۳۰ھ/ ۲۰۰۹ء

❖ تعلیم وانتظام اور تعمیر کے لیے سالانہ تیرہ کروڑ کا بجٹ پاس ہوا۔

❖ سفارش سے داخلہ کا کوٹہ ختم کر دیا۔

❖ ملائم سنگھ یادو وزیر اعلی یوپی نے دارالعلوم کا دورہ کیا۔

❖ ترتیب فتاوی دارالعلوم کے نئے سلسلہ کا آغاز ہوا اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے فتاوی پر مشتمل تیرہویں جلد شائع ہوئی۔

- مختلف وجوہات کی بنیاد پر پندرہ روزہ آئینہ دارالعلوم کی اشاعت موقوف کردی گئی۔

۱۴۹/واں سال: ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء

- حضرت مولانا نصیراحمد خاںؒ صاحب کا انتقال ہوا۔
- کارگزار مہتمم حضرت مولانا غلام رسول خاموشؒ کا انتقال ہوا۔
- سعودی عرب کے وکیل وزارۃ الشؤون الاسلامیۃ والاوقاف ڈاکٹر عبد العزیز عبد اللہ العمار اور وفد کا دورۂ دارالعلوم ہوا۔
- ملیشیا کے صوبہ کلنتان کے وزیر تعلیم محمد عماد عبداللہ، وزیر سیاحت تقی الدین حسین، چیف جسٹس داتون داؤ داور مفتی اعظم ملیشیا شکری محمد پر مشتمل آٹھ رکنی وفد نے دارالعلوم کا دورہ کیا۔
- قطر کے مشہور عالم شیخ محی الدین قرۃ الداغی اور دیگر دو علماء دارالعلوم تشریف لائے۔
- اسی سال حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی نے دارالعلوم کا دورہ فرمایا۔

۱۵۰/واں سال: ۱۴۳۲ھ/۲۰۱۱ء

- یکم محرم کو مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کا حادثۂ انتقال پیش آیا۔
- حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی بنارسی کارگزار مہتمم منتخب ہوئے۔
- مجلس شوری صفر میں حضرت مولانا غلام محمد وستانوی کو مہتمم مقرر کیا گیا۔
- دارالعلوم میں حالات خراب ہونے کی وجہ سے ۱۹ ربیع الاول میں مجلس شوری دوبارہ بلائی گئی اور حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی کو دوبارہ بااختیار کارگزار مہتمم بنایا گیا اور مجلس شوری شعبان میں آپ کو مستقل مہتمم بنادیا گیا۔
- تعمیر وانتظام کا سالانہ بجٹ سترہ کروڑ روپئے طے ہوا۔
- اس سال کئی اہم عرب علماء نے دارالعلوم کا دورہ کیا۔
- ۷ ربیع الاول کو مشہور مصنف شیخ عائض عبداللہ القرنی کی قیادت میں وفد نے دارالعلوم کا

دورہ کیا اور گراں قدر تاثرات کا اظہار کیا۔

- ۱۴ ربیع الاول کو مشہور حنفی شامی عالم شیخ محمد بن محمد عوامہ نے بھی دارالعلوم کا دورہ کیا اور اساتذہ وطلبہ سے خطاب کیا۔
- ۲۰ ربیع الثانی کو امام حرم مکی شیخ عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز السدیس نے دارالعلوم کا تاریخی دورہ کیا اور مسجد رشید میں نماز جمعہ کی امامت کی اور لاکھوں فرزندان توحید کو خطاب کیا۔
- ۷ جمادی الاولی کو پاکستان کے مشہور بزرگ حضرت مولانا پیر ذوالفقار نقشبندی نے بھی دارالعلوم کا دورہ فرمایا اور تین دن قیام کیا۔
- حرمین شریفین میں قادیانیوں کے داخلہ پر پابندی کے مکمل اور مؤثر نفاذ کے سلسلے میں دارالعلوم نے سعودی عرب کے جلالۃ الملک عبداللہ بن عبدالعزیز کو میمورنڈم ارسال کیا۔

۱۵۱/واں سال: ۱۴۳۳ھ/۱۲-۲۰۱۱ء

- مجلس شوریٰ کے اجلاس ماہ صفر میں حضرت مولانا مفتی احمد خان پوری صاحب، شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب علی گڑھ، حضرت مولانا رحمت اللہ کشمیری مہتمم دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ کشمیر اور حضرت مولانا انوار الرحمٰن بجنوری کو مجلسِ شوریٰ کا رکن منتخب کیا۔
- ۱۰/ربیع الثانی/۴/مارچ ۲۰۱۲ء کو شیخ سعود بن ابراہیم الشریم، امام وخطیب مسجد حرام مکۃ المکرّمہ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور علمائے دیوبند کی علمی و دینی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔
- ۲۱/ربیع الثانی/ ۱۵/مارچ ۲۰۱۲ء کو کل ہند رابطۂ مدارسِ اسلامیہ کی مجلسِ عمومی کا اجلاس ہوا جس میں مرکزی حکومت کی مدارس مخالف پالیسیوں کی مخالفت کی گئی۔ اس اجلاس میں مرکزی مدرسہ بورڈ، رائٹ ٹو ایجوکیشن ایکٹ اور لازمی ٹیکس کوڈ کو مدارس کے نظام میں مداخلت اور دستور ہند کی دفعہ ۳۰ کی صریح خلاف ورزی کی تجویز پاس کی گئی۔

❖ رابطۂ مدارس عربیہ کے اجلاس منعقدہ مارچ ۲۰۱۲ء کی تجاویز کی روشنی میں چند اہم مطالبات پر مبنی میمورنڈم پیش کرنے کے لیے حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی، مہتمم دارالعلوم دیوبند وصدر رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ کی قیادت میں ایک پانچ رکنی وفد نے ۲۵؍مئی کو وزیراعظم جناب منموہن سنگھ سے ملاقات کی۔ اس میمورنڈم میں مرکزی مدرسہ بورڈ کی تجویز کو کالعدم کرنے، ڈائریکٹ ٹیکسز کوڈ سے مسلمانوں کی مساجد اور مسلم تعلیمی ومذہبی اداروں کو مستثنیٰ رکھنے، دہشت گردی کے الزام میں گرفتار بے قصور مسلمانوں کو رہا کرنے، کسی بھی دہشت گردانہ واقعے میں ایک خاص فرقے کو نشانہ بنانے والی ذہنیت پر روک لگانے اور فلسطینی مظلومین کی حمایت میں مؤثر کردار ادا کرنے کا حکومت ہند سے مطالبہ کیا۔ نیز آر ٹی ای سے مدارس اور اقلیتی اداروں کو مستثنیٰ کرنے پر حکومت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس ترمیم شدہ قانون پر عمل درآمد کو یقینی بنانے کا مطالبہ کیا گیا۔

مآخذ ومراجع:

کاروائی اجلاسہائے مجلس شوری، مجلس عاملہ، دارالعلوم دیوبند
ماہنامہ دارالعلوم اور مجلّہ الداعی کی فائلیں
آئینۂ دارالعلوم کی فائلیں

موجودہ دور کی ترقیات

موجودہ دور میں دارالعلوم کے صدر المدرسین و شیخ الحدیث حضرت مولانا شیخ نصیر احمد خان صاحبؒ کا اکثر دورِ صدارت گزرا اور آپ کے بعد حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری شیخ الحدیث اور صدر المدرسین قرار پائے۔ اسی عرصہ میں حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کا آخری دور اور حضرت مفتی نظام الدین اعظمیؒ کا بھی زیادہ تر زمانہ گزرا۔ اس دور میں مجلس شوری کی اہم شخصیات میں قدیم رکن حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اور حضرت مولانا عبدالحلیم جون پوریؒ وغیرہم اور اخیر میں فدائے ملت حضرت مولانا اسعد مدنیؒ صدر جمعیۃ علمائے ہند رہے ہیں۔

موجودہ دور میں بیس ہزار سے زائد فضلاء تیار ہوئے۔ طلبہ کی تعداد دو ہزار سے بڑھ کر چار ہزار سے زائد ہوگئی اور دارالعلوم کا بجٹ ۲۶/لاکھ سے بڑھ کر ۲۶/کروڑ تک پہنچ گیا۔ اس دور میں دارالعلوم کے ہر شعبہ کی رفتار ترقی میں بے مثال اضافہ ہوا اور دیگر متعدد اہم شعبے قائم ہوئے۔ اس طرح یہ عظیم الشان ادارہ اپنے نظام کی وسعت اور خدمات کی ہمہ گیری کے اعتبار سے کہیں سے کہیں جا پہنچا۔

تعلیمی نظام کی ترقیات

اس دور میں تعلیمات سے متعلقہ شعبوں میں بڑی وسعت اور ترقی ہوئی۔ اس سلسلہ میں اولاً مدرسہ ثانویہ کا نظام قائم کیا گیا جہاں درجات پرائمری کے ساتھ عربی چہارم تک کی تعلیم کا نظم ہے؛ کیوں کہ تعلیم کے مراحل میں ابتدائی درجات کی بڑی اہمیت ہے، یہی درجات استعداد سازی کی بنیاد ہیں۔ مدرسہ ثانویہ کا نظام علیحدہ قائم ہونے کی وجہ سے اس میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں اور ابتدائی درجات کی مضبوط تعلیم میں دارالعلوم نے ایک مثال قائم کی۔ یہی وجہ ہے کہ ثانویہ کے درجات میں داخلہ کے لیے اب طلبہ کا رجوع پہلے کی بہ نسبت بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔

تمام درجات عربیہ کے نصاب کی تکمیل پر بھی خصوصی توجہ دی گئی اور تمام اساتذہ کو مقررہ نصاب پورا کرنے کا پابند کیا گیا ہے۔ اچھے اور باصلاحیت اساتذہ کا تقرر کیا گیا ہے اور تقسیم اسباق میں صلاحیت اور

متعلقہ فن سے مناسبت کا خاص لحاظ رکھا جاتا ہے۔اس سلسلہ میں مختلف جماعتوں کو متعدد حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ پہلے سال پنجم، ششم اور ہفتم میں دو دو جماعتیں تھیں، طلبہ کی تعداد میں اضافہ کے پیش نظر تین تین اور بعض میں چار سیکشن کردیے گئے۔اسی طرح ابتدائی جماعتوں میں بھی متعدد سیکشن بنائے گئے۔اس سے تعلیمی کارکردگی میں نمایاں فرق پیدا ہوا۔

تکمیلات میں پہلے تکمیل افتاء، تکمیل ادب، تکمیل تفسیر اور تکمیل دینیات کے کل چار شعبے تھے۔اس دور میں تکمیل دینیات کی جگہ 'تکمیل علوم' کے نام سے ایک جامع نصاب جاری کیا گیا۔

اس کے علاوہ شعبۂ تخصص فی الحدیث کا قیام عمل میں آیا جس میں ہر سال چار باصلاحیت طلبہ کو داخلہ دیا جاتا ہے۔اس کا دوسالہ نصاب ہے جو علم حدیث کے ماہر اساتذہ کی نگرانی میں مکمل کرایا جاتا ہے۔تخصص فی الحدیث کے فاضل طلبہ نے نہایت قلیل مدت میں اہم علمی خدمات انجام دے کر اس شعبہ کی اہمیت وافادیت کو مزید اجاگر کردیا ہے۔شعبہ کے فاضل طلبہ کے ذریعہ اساتذہ کی نگرانی میں جامع ترمذی کی احادیث پر تین اہم علمی وتحقیقی کام شائع ہوکر منظر عام پر آچکے ہیں اور اہل علم سے داد تحسین وصول کرچکے ہیں۔

اسی طرح فقہ وفتاوی میں تخصص اور مہارت پیدا کرنے کے لیے تدریب فی الافتاء کا کورس شروع کیا گیا جس کے تحت دو سال تکمیل افتاء کے منتخب طلبہ کو فتوی نویسی اور مطالعۂ کتب فقہیہ کی خصوصی تربیت دی جاتی ہے۔اس شعبہ کی کارکردگی کے لیے یہ بات کافی ہے کہ اس کے متعدد فضلاء کا خود دارالافتاء میں فتوی نویسی کے لیے تقرر کیا گیا۔

افراد کار کی تیاری کے سلسلہ میں تدریب فی التدریس کا کورس شروع کیا گیا۔دورۂ حدیث یا تکمیلات میں امتیازی نمبرات لانے والے کچھ طلبہ کو ابتدائی عربی درجات میں دوسالہ تدریس کی تربیت کے لیے منتخب کیا جاتا ہے۔اس انتخاب میں تعلیمی اور اخلاقی ریکارڈ دیکھنے کے ساتھ ساتھ انٹرویو بھی ہوتا ہے۔

شعبۂ تجوید میں اچھے مجودین اور قراء کا تقرر کیا گیا جس سے پورے ملک میں شعبہ کے وقار میں اضافہ ہوا اور اس فن کے اچھے افراد کی تیاری کا سلسلہ شروع ہوا۔اس دور میں شعبۂ تجوید کی کارکردگی میں نمایاں تبدیلی آئی اور اس شعبہ کی طرف طلبہ کا رجوع بہت زیادہ ہوگیا۔

درجۂ تحفیظ القرآن کی کارکردگی بہتر بنانے کے لیے تمام اساتذہ کو مختلف اصول وضوابط کا پابند بنایا گیا۔تحفیظ القرآن کے لیے ایک مستقل عمارت تعمیر کی گئی جہاں طلبہ کی درسگاہیں، رہائش گاہیں اور دفتر ایک ساتھ واقع ہیں۔نیز نگرانی کے لیے مستقل طور پر ایک ذمہ دار کو متعین کیا گیا۔درجاتِ ناظرہ الگ قائم کیے گئے اور ان میں شروع ہی سے قرآن پاک تجوید کے ساتھ پڑھایا جاتا ہے۔

پہلے شعبۂ فارسی اور درجۂ دینیات الگ الگ تھے اور دونوں کا نصاب بالترتیب چھ اور چار سال کا تھا۔ اس طرح ان مبادیات میں دس سال صرف ہو جاتے تھے۔ چناں چہ دونوں شعبوں کو ضم کر کے درجۂ اطفال کے علاوہ پانچ سالہ جامع پرائمری نصاب بنایا گیا جس کے چوتھے اور پانچویں سال میں فارسی داخل کی گئی۔

پہلے سالانہ کے علاوہ دو امتحانات ہوتے تھے؛ سہ ماہی اور ششماہی۔ دونوں امتحانات کی تیاری، پھر امتحان اور اس کے بعد تعطیل وغیرہ میں کافی وقت لگتا تھا جس سے سالانہ مقدار خواندگی متاثر ہوتی تھی۔ چناں چہ سہ ماہی امتحان ختم کر کے درمیان سال میں ایک وسط مدتی امتحان (ششماہی) کر دیا گیا اور اس کو سالانہ کے انداز پر لیا جانے لگا۔ اس سے وقت میں بچت ہوتی ہے اور مقصد بھی اچھی طرح پورا ہوتا ہے۔

دارالعلوم میں داخلے کے نظام میں اہم اصلاحات کی گئیں۔ پہلے امتحان داخلہ تقریری ہوا کرتا تھا جس میں کثرتِ تعداد کی بنا پر کارروائی کی جلد تکمیل مشکل تھی، اب امتحانِ داخلہ تحریری کر دیا گیا اور جانچ کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ تمام کاپیوں پر کوڈ نمبر لکھ دیا جاتا ہے۔ اس طرح امتحان کے نظام میں مزید شفافیت آئی اور باصلاحیت طلبہ کے انتخاب میں آسانی پیدا ہوئی۔ داخلہ کے لیے طلبہ کا رجوع پہلے بہت زیادہ بڑھ گیا ہے، اس وقت دس ہزار سے زائد طلبہ امتحانِ داخلہ میں شریک ہوتے ہیں۔ کامیاب ہونے والے طلبہ میں سے حسب گنجائش تعداد کو تقابل کی بنیاد پر داخل کیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ داخلہ کے نظام میں ایک اہم اصلاح یہ کی گئی کہ طلبہ کے داخلہ میں سفارشی کوٹہ کو ختم کر دیا گیا جو پہلے سے تقابل کی وجہ سے منتخب نہ ہو پانے والے طلبہ کو سفارش کی بنیاد پر داخلہ دینے کے سلسلہ میں رائج تھا۔ علاوہ ازیں تکمیلات وغیرہ میں داخلہ کے نظام میں بھی اصلاحات ہوئیں اور امتحان سالانہ میں حاصل کردہ نمبرات کے علاوہ حسب ضرورت تحریری یا تقریری انٹرویو بھی لازمی قرار دیا گیا۔

دفاع اسلام سے متعلق شعبوں کا قیام

اس دور میں کئی اہم شعبہ جات وجود میں آئے جن میں فکر اسلامی کے تحفظ و اشاعت پر خاص توجہ کی گئی۔ پاکستان میں قادیانیت کو غیر مسلم اقلیت قرار دیے جانے کے بعد قادیانیوں نے اپنی سرگرمی کا مرکز پھر ہندوستان کو بنانا شروع کیا۔ چناں چہ اس فتنہ کی سنگینی اور ان کی بڑھتی سرگرمیوں کے پیش نظر سب سے پہلے اکتوبر ۱۹۸۶ء میں سہ روزہ عالمی اجلاس تحفظ ختم نبوت منعقد کیا گیا اور اسی موقعہ پر کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کا قیام عمل میں آیا تا کہ اس فتنہ کا مسلسل اور کامیاب تعاقب کیا جا سکے۔ یہ مجلس اس وقت سے نہایت سرگرمی کے ساتھ افراد کار کو تیار کرنے، مسلمانوں میں اس عقیدہ کے تئیں بیداری پیدا کرنے اور قادیانیوں کے دجل

وفریب کا پردہ فاش کرنے میں مصروف عمل ہے۔

اسی سلسلہ میں دوسری کڑی شعبۂ محاضرات علمیہ کا قیام ہے جو طلبہ کو دینی حدود کی حفاظت کے لیے تیار کرنے اور تمام فتنوں سے باخبر رکھنے کے لیے شروع کیا گیا۔ اس میں تکمیلات کے طلبہ کے سامنے عیسائیت، یہودیت، ہندوازم، شیعیت، قادیانیت کے علاوہ دیگر فرق ضالہ کے سلسلہ میں ہفتہ واری محاضرات پیش کیے جاتے ہیں۔

اسی طرح ملک میں عیسائی مشنریوں کی سرگرمیوں پر نظر رکھنے اور ان کا تعاقب کرنے کے لیے شعبۂ رد عیسائیت کا قیام عمل میں آیا۔

اسی طرح گذشتہ برسوں میں ملک میں غیر مقلدین اور نام نہاد سلفیوں کی انتہا پسندانہ تحریک کی وجہ سے عام مسلمانوں میں شدید بے چینی پیدا ہونے کی وجہ سے اکابر دارالعلوم نے دینی اباحیت پر روک لگانے کے لیے تحفظِ سنت کا شعبہ قائم کیا اور اس موضوع پر طلبہ کی تربیت کا نظام شروع کیا۔

جدید تقاضوں سے ہم آہنگ شعبوں کا قیام

اس عرصہ میں دارالعلوم کی دینی و دعوتی خدمات کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے شیخ الہند اکیڈمی، شعبۂ کمپیوٹر، شعبۂ انگریزی زبان وادب اور شعبۂ انٹرنیٹ کا قیام عمل میں آیا۔

اکابر کے علوم ومعارف کی اشاعت، علمی وتحقیقی کاموں کی انجام دہی اور طلبہ کو صحافت اور انشاء پردازی کی تربیت دینے کے لیے شیخ الہند اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا۔ اکیڈمی نے اب تک درجنوں اہم موضوعات پر اردو، عربی اور انگریزی میں گراں قدر لٹریچر شائع کرکے عام کیا ہے۔ اسی طرح نوجوان فضلاء کی ایک ٹیم تیار ہوئی ہے جو صحافت اور مضمون نگاری کے میدان میں اہم خدمات انجام دے رہی ہے۔

دارالعلوم نے زمانے کی رفتار کا بہ خوبی ادراک کرتے ہوئے شعبۂ کمپیوٹر کا آغاز کیا اور اس کے تحت طلبہ کی ٹریننگ کا سلسلہ شروع کیا۔ اس وقت اس شعبہ کے فضلاء ملک وبیرون ملک اہم دینی وسماجی اداروں میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اسی طرح شعبۂ انگریزی زبان وادب کے دوسالہ کورس کے ذریعہ فضلائے دیوبند کی ایک ایسی کھیپ تیار ہو رہی ہے جو انگریزی میں تحریری اور تقریری صلاحیت سے لیس ہو کر مختلف مدارس ومعاہد میں تعلیمی اور دعوتی خدمات انجام دے رہی ہے۔

اسی سلسلہ کی اہم کڑی 'شعبۂ انٹرنیٹ برائے فتوی ودعوت ورابطہ' کا قیام ہے۔ ربط وارتباط کے لیے

انٹرنیٹ اس وقت مرکزی حیثیت اختیار کر چکا ہے، اس لحاظ سے اس شعبہ کی اہمیت وافادیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس شعبہ کے ذریعہ آن لائن فتوی، دعوت وتحقیق، چندہ وتعاون اور رابطہ کے میدانوں میں اہم خدمات انجام دی جا رہی ہیں۔

اسی طرح گذشتہ سو سال سے زائد مدت میں دارالافتاء سے جاری شدہ فتاوی کے عظیم ریکارڈ کو کمپیوٹر سے ٹائپ کرنے اور فتاوی کی ترتیب کے لیے 'شعبۂ ترتیب فتاوی' کا قیام عمل میں آیا۔

علاوہ ازیں، اس دوران دارالعلوم کے دو جرائد وغیرہ کی کتابت کے لیے شعبۂ کمپیوٹر برائے کتابت، دارالعلوم میں وسیع پیمانہ پر اشیاء کی خریداری کے لیے شعبۂ خریداری اور ان کا ریکارڈ رکھنے کے لیے اسٹاک روم کا قیام بھی عمل میں آیا۔

کل ہند رابطۂ مدارس عربیہ اسلامیہ کا قیام

پورے ہندوستان کے مدارس عربیہ اسلامیہ کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لیے کل ہند رابطۂ مدارس عربیہ کا قیام بھی اسی دور کی مرہون منت ہے۔

گزشتہ عشرے میں ملکی اور عالمی حالات میں ایسی تبدیلی پیدا ہوئی کہ مدارسِ دینیہ کو شک وشبہہ کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا اور انھیں ملک دشمن سرگرمیوں کا اڈہ کہا جانے لگا۔ دوسری طرف حکومت اور نام نہاد دانش وران کی طرف سے مدارس کے نظام ونصاب کی تجدید اور اس میں علوم جدیدی کی شمولیت کی باتیں سامنے آنے لگیں۔ چناں چہ جدید خطرات سے مدارس کو محفوظ رکھنے اور نئے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کے پس منظر میں رابطۂ مدارس عربیہ اسلامیہ کا قیام عمل میں آیا۔

رابطۂ مدارس عربیہ کے تحت اس وقت ہندوستان کے تین ہزار سے زائد مدارس کا وفاق قائم ہو چکا ہے جو نصاب ونظام کے سلسلہ میں دارالعلوم کی ہدایات پر عمل کرتا ہے۔ رابطۂ مدارس عربیہ اس وقت ہندوستان کے اسلامی مدارس کو خطرات سے محفوظ رکھنے اور اس کو مزید فعال بنانے میں بنیادی کردار ادا کر رہا ہے۔

تعمیراتی ترقیات

اس عرصہ میں دارالعلوم میں کئی اہم اور شاندار عمارتیں تعمیر ہوئیں اور دارالعلوم کا زمینی رقبہ دوگنے سے زیادہ ہوگیا۔ اس وقت دارالعلوم کا کل زمینی رقبہ چودہ لاکھ اکیس ہزار مربع فٹ پر محیط ہے جس میں درسگاہیں، دارالاقامہ، دفاتر، لائبریری اور مساجد وغیرہ واقع ہیں۔ اس کے علاوہ دیوبند شہر اور بیرون دیوبند

دارالعلوم کی زمینیں اوراوقاف بھی ہیں۔

اہم عمارتوں میں دارالتربیت، مدرسہ ثانویہ، دارالمدرسین، رواق خالد، شیخ الہند منزل (اعظمی منزل) شیخ الاسلام منزل (آسامی منزل)، حکیم الامت منزل (تحفیظ القرآن منزل) وغیرہ اسی دور میں تعمیر ہوئیں۔سنگ مرمر کی عظیم الشان پرشکوہ جامع رشید اسی دور کی لازوال یادگار ہے۔دارالاقامہ دارجدید کے ازسرنو انہدام کے بعد اس کی سہ منزلہ دوبارہ تعمیر شروع کی گئی۔اسی طرح سات منزلہ عظیم الشان شیخ الہند لائبریری کی تعمیر بھی اسی دور میں شروع ہوئی۔(تعمیراتی ترقیات کی تفصیل کے لیے اگلا عنوان 'عمارات دارالعلوم کا تعارف' دیکھیں)

خلاصہ

اس دور میں دارالعلوم کو بین الاقوامی شہرت ومقبولیت ملی اور الحمد للہ دارالعلوم اپنے شاندار ماضی کی تابندہ روایات کے ساتھ پوری دنیا میں مسلک حقہ کی بھرپور نمائندگی کرر ہا ہے۔اللہ تعالی ملت اسلامیہ کی اس امانت کی بھرپور حفاظت فرمائیں اوراس شجرۂ طوبی کومزید ہرا بھرا رکھیں۔آمین!

مآخذ ومراجع:

دارالعلوم دیوبند: شاندار ماضی، تابناک حال، روشن مستقبل، شعبۂ نشرواشاعت دارالعلوم دیوبند، ۱۴۱۵ھ
دارالعلوم دیوبند: خدمات، حالات، منصوبے، مرتب مولانا محمد سلمان بجنوری، دفتر رابطۂ مدارس عربیہ، ۱۴۱۹ھ
دارالعلوم دیوبند: تعارف، خدمات، منصوبے، مرتب مولانا شوکت علی قاسمی بستوی، دفتر رابطۂ مدارس عربیہ، ۱۴۲۵ھ

عمارات دارالعلوم اوران کا تعارف

مسجد چھتہ کے صحن میں انار کے درخت تلے ۱۵؍محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۱؍مئی ۱۸۶۶ء کو مدرسۂ عربی دیوبند کی ابتدا نہایت بے سروسامانی کے عالم میں صرف توکل علی اللہ اور عزم وخلوص کے سرمایہ سے ہوئی۔ ابتدا ہی سے مقامی طلبہ کے علاوہ دوردراز کے طلبہ کا رجوع شروع ہوگیا۔ قیام کے چھٹے سال (۱۲۸۸ھ/۱۸۷۲ء) میں ہی طلبہ کی تعداد ۱۰۶ ہوجانے کی وجہ سے مسجد چھتہ تنگ پڑنے لگی، اس لیے دارالعلوم کو قریبی مسجد قاضی میں منتقل کردیا گیا۔ ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں جامع مسجد کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد مدرسہ کو مسجد قاضی سے جو طلبہ کی بڑھتی تعداد کی وجہ سے تنگ پڑ گئی تھی، جامع مسجد منتقل کیا گیا۔

دارالعلوم دیوبند کے قیام کے نویں سال (۱۲۹۱ھ/ ۱۸۷۵ء) مجلس شوری میں حضرت نانوتویؒ کے ایما پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ دارالعلوم کی اپنی مستقل اور کشادہ عمارت ہونی چاہیے، چناں چہ چندہ جمع ہونا شروع ہوا اور آبادی کے شمال مغرب میں چھتہ مسجد کے پاس ایک قطعۂ زمین خرید لی گئی۔

۲؍ذوالحجہ ۱۲۹۲ھ/۳۱؍دسمبر ۱۸۷۰ء میں دارالعلوم کے قیام کا دس سالہ جلسہ تزک واحتشام سے منعقد ہوا۔ اسی موقعہ پر دارالعلوم کی پہلی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

عمارت نودرہ (احاطۂ مولسری)

نودرہ دارالعلوم کی پہلی باقاعدہ عمارت ہے جس کا سنگ بنیاد ۲؍ذوالحجہ ۱۳۹۲ھ یوم جمعہ میں رکھا گیا۔ سنگِ بنیاد حضرت مولانا احمد علی محدث سہارن پوریؒ کے دستِ مبارک سے رکھوایا گیا، اس کے بعد ایک ایک اینٹ حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ، حضرت حاجی عابد حسین دیوبندیؒ اور حضرت میاں جی منے شاہ دیوبندیؒ نے رکھی۔ اس موقع پر سب بزرگوں نے دارالعلوم کی بقا وترقی کے لیے نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں دعا کی۔ حضرت نانوتویؒ نے فرمایا کہ عالم مثال میں اس مدرسہ کی شکل ایک معلق ہانڈی کے مانند ہے، جب تک اس کا مدار توکل واعتماد علی اللہ پر رہے گا یہ مدرسہ ترقی کرتا رہے گا۔ اس واقعہ کو حضرت مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ نے اشعار میں اس طرح نظم فرمایا ہے:

اس کے بانی کی وصیت ہے کہ اس کے لیے
کوئی سرمایہ بھروسے کا ذرا ہوجائے گا
پھر یہ قندیلِ معلق اور توکل کا چراغ
یہ سمجھ لینا کہ بے نور و ضیا ہوجائے گا
ہے توکل کی بنا اس کی تو بس اس کا معیں
ایک گرجائے گا، پیدا دوسرا ہوجائے گا

نودرہ کی باقاعدہ تعمیر ۱۲۹۳ء میں حضرت مولانا رفیع الدین دیوبندیؒ کے عہد اہتمام کے دوران ہوئی۔ اسی دوران حضرت مولانا رفیع الدینؒ نے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ارشاد فرمارہے ہیں: ''یہ احاطہ تو بہت مختصر ہے''، یہ فرما کر خود عصائے مبارک سے ایک طویل وعریض نقشہ کھینچ کر بتلایا کہ ان نشانات پر تعمیر کی جائے۔ چناں چہ اسی کے مطابق بنیاد کھدوا کر تعمیر کرائی گئی۔

اس عمارت کے دو درجے ہیں، ہر ایک درجے میں نو دروازے ہیں۔ اس کا طول ۲۶ رگز اور عرض ۱۲ رگز ہے۔ اس میں ۳۶×۲۵ مربع فٹ کے تین ہال ہیں۔ نودرہ کی یہ عمارت سادہ ہونے کے باوجود شان دار ہے۔ اس کی تعمیر میں ہندوستانی اور انگریزی عمارتوں کا لطف موجود ہے۔ اس کی پشت پر ایک عمدہ تالاب اور جانبِ جنوب سبزہ زار اور جانبِ شمال مدرسہ کا باغ تھا۔ وسط صحن میں ایک مختصر اور نفیس چمن نہایت خوش نما جنگلے کے بیچ میں شگفتہ تھا اور جنگلے کے چاروں طرف گملوں میں ہر قسم کے مختلف الالوان پھولوں کے درخت تھے۔ یہ تعمیری سلسلہ ۸ سال کی مدت اور ۲۳۰۰۰ روپئے کے صرفے میں مکمل ہوا۔

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے اس عمارت کا مادۂ تاریخ 'اشرف عمارات' (۱۲۹۳ھ) سے نکالا۔ ایک دوسرا قطعۂ تاریخ یہ ہے:

از تماشائے درس گاہِ علوم
چشمہا روشن است و دِلہا شاد
جوشِ تاریخ ایں خجستہ بنا
گفت بیت الشرف مبارک باد

۱۲۹۳ھ

دارالعلوم کا یہ مقام احاطۂ مولسری کے نام سے موسوم ہے کیوں کہ اس کے وسط میں مولسری کے دو درخت کھڑے ہیں۔ اس احاطہ میں وہ تاریخی کنواں موجود ہے جو نودرے کے ساتھ بنا تھا۔ اس کنویں کا پانی

نہایت شیریں اور ٹھنڈا ہے۔ حضرت مولانا رفیع الدینؒ نے ایک دوسرے خواب میں دیکھا کہ کنواں دودھ سے بھرا ہوا ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیالے سے دودھ تقسیم فرمارہے ہیں۔ بعض لوگوں کے پاس چھوٹے برتن ہیں اور بعض کے پاس بڑے، ہر شخص اپنا اپنا برتن دودھ سے بھروا کر لے جارہا ہے۔ مولانا نے برتنوں کے چھوٹے بڑے ہونے کی یہ تعبیر دی کہ اس سے ہر شخص کا 'ظرف علم' مراد ہے۔

احاطۂ مولسری میں داخل ہونے کے لیے بہ جانب مشرق ایک دروازہ ہے جو حضرت نانوتویؒ کی طرف منسوب ہوکر 'باب القاسم' کے نام سے موسوم ہے۔ اب اسی کے اوپر دفتر اہتمام واقع ہے۔ احاطۂ مولسری کے مشرقی جانب لبِ سڑک دارالعلوم کا اولین صدر دروازہ ہے جو شیخ الطائفہ حضرت مولانا امداداللہ مہاجر مکیؒ کی طرف منسوب ہوکر باب الامداد کہا جاتا تھا۔

دفتر اہتمام

دارالعلوم دیوبند کا مرکزی دفتر اہتمام کی باقاعدہ عمارت ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء میں حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کے عہد اہتمام میں تعمیر ہوئی۔ یہ عمارت باب قاسم کے شمالی جانب، احاطۂ مولسری کے کنویں کے اوپر واقع تھی۔ اس عمارت کا رقبہ ۲۳×۱۹ مربع فٹ تھا۔ اس عمارت سے ملحق ہال کا اضافہ بعد میں کیا گیا۔

دارالطلبہ (احاطۂ باغ)

دارالعلوم میں دارالاقامہ کی تعمیر ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۸ء میں شروع ہوئی دو سال تک جاری رہی۔ دارالاقامہ کی تعمیر کے لیے اہل حیدرآباد دکن کا سات ہزار کا چندہ موصول ہوا۔ اسی مد میں نواب شاہ جہاں بیگم والئ بھوپال نے بھی گراں قدر امداد دی۔

یہ دارالاقامہ احاطۂ مولسری سے متصل جانب شمال تعمیر ہوا۔ دارالعلوم کا پہلا دارالاقامہ تھا جو انیس (۱۹) حجروں پر مشتمل تھا اور جس میں بیک وقت ۵۶ طلبہ کے قیام کی گنجائش تھی۔ ہر کمرے کا رقبہ ۹×۱۱ مربع فٹ تھا۔

۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء میں دارالطلبہ میں مزید کمروں کا اضافہ ہوا۔

دفتر محاسبی

دارالطلبہ کے ساتھ ۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء میں دروازہ کلاں کے اوپر دفتر محاسبی کی تعمیر ہوئی۔ دفتر محاسبی کا رقبہ ۴۴×۱۱ مربع فٹ تھا۔ اسی کے ساتھ ایک مہمان خانہ کے لیے کمروں کی تعمیر ہوئی۔

دارالطلبہ اور دیگر عمارتوں کی تعمیر میں بارہ ہزار روپئے صرف ہوئے۔

کتب خانہ

کتب خانہ کی موجودہ عمارت سے قبل کتب خانہ نودرہ کے قریب جانبِ جنوب کے کمروں میں تھا، لیکن کتابوں میں روز افزوں اضافہ ہونے کے سبب یہ عمارت ناکافی ہوگئی تو نواب یوسف علی خان رئیس مینڈھو (علی گڈھ) نے اس اہم ضرورت کے لیے سات ہزار روپئے عنایت کیے۔
۲؍صفر ۱۳۲۴ھ/ ۲۸؍مارچ ۱۹۰۶ء کو نودرہ اور مسجد چھتہ کے درمیان کتب خانہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ ایک عرصہ تک اس عمارت کو 'کتب خانۂ یوسفی' کہا جاتا تھا۔ نواب صاحب ممدوح کے بعد میرٹھ کے اہل خیر حضرات نے بھی کتب خانہ کی تعمیر میں حصہ لیا۔
یہ عمارت دو منزلہ ہے اور اوپر کی منزل میں کتب خانہ ہے جس میں فرش سے چھت تک الماریاں لگی ہوئی ہیں۔
۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء میں کتب خانہ کی عمارت کی توسیع ہوئی اور عربی کتب کے جدید ہال کے ساتھ علمائے دیوبند کی تصانیف کا خاص کمرہ بنایا گیا۔
کتب خانوں کے کمروں کا رقبہ یہ ہے: (۱) ۴۹×۲۳ مربع فٹ (۲) ۲۰×۱۹ مربع فٹ (۳) ۲۵×۱۳ مربع فٹ (۴) ۲۴×۲۰ مربع فٹ (۵) ۳۷×۱۳ مربع فٹ (۶) ۲۲×۲۰ مربع فٹ۔
کتابوں کی بڑھتی تعداد کے پیش نظر کتب خانے میں مزید کمروں کا اضافہ ہوتا گیا۔ اس وقت فارسی خانہ کے متعدد کمرے بھی اس میں شامل ہو چکے ہیں اور کتب خانہ کا رقبہ مزید بڑھ بڑھ گیا ہے۔

مسجد دارالعلوم (مسجدِ قدیم)

دارالعلوم کے احاطہ میں مسجد نہ تھی، طلبہ قرب و جوار کی مسجدوں میں نماز پڑھتے تھے۔ حالات کا تقاضا تھا کہ دارالعلوم کے احاطے میں مسجد ہو۔ اس اہم ضرورت کے لیے ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء میں حاجی فصیح الدین میرٹھی کی مالی معاونت سے صدر دروازے کے شمال میں مسجد کے لیے زمین کا ایک قطعہ خرید لیا گیا۔
۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء میں راندیر کے مخیّر تاجر حاجی غلام محمد اعظم نے مسجد کی تعمیر کے لیے انیس ہزار روپئے عنایت کیے اور ۴؍ربیع الاول ۱۳۲۷ھ/ ۲۶؍مارچ ۱۹۰۹ء کو مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔
روداد میں سنگِ بنیاد کی تقریب کی نسبت تحریر ہے: ''طلبہ کے عام مجمع میں بزرگانِ دین نے بنیاد

رکھی۔ اور پھر ہر ایک طالب علم نے اپنے اپنے ہاتھ سے اینٹیں رکھیں، اور نہ صرف اینٹیں رکھیں بلکہ اس دیوار کی کل بنیاد جو بہت گہری تھی، طلبہ نے اپنے ہاتھوں سے بھری۔ طلبہ کے ساتھ کل مدرسین اور اراکین مدرسہ نہایت ذوق وشوق سے خود اینٹیں اپنے سروں اور ہاتھوں پر لاتے تھے اور بجائے معماروں کے تعمیر کرتے تھے۔ حضرت مولانا حکیم مسعود احمد صاحبؒ خلف الصدق حضرت گنگوہیؒ، حضرت، مولانا عبدالرحیم رائے پوری، صدر المدرسین حضرت شیخ الہندؒ اور مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ بھی دیگر طلبہ کے ساتھ اینٹیں اور گارہ اٹھانے میں شریک تھے۔ سبحان اللہ! طلبہ کا جوشِ مسرت کے ساتھ سنتِ خلیل اللہی میں مشغول ہونا اور ساتھ میں اشعار رجزیہ اور تعمیر بیت اللہ کے وقت کی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعائیں پڑھنا عجیب مؤثر اور پر جوش سماں تھا۔ شرقی دیوار کی بنیاد حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ وغیرہ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھی۔'' ملخصاً

یہ مسجد اب مسجد قدیم کے نام سے جانی جاتی ہے۔ مسجد کے دو درجے مسقّف ہیں۔ مشرقی بیرونی دیوار پتھر کی ہے جس میں نہایت نفیس نقش ونگار بنے ہوئے ہیں۔ روکار پر سنگِ مرمر کا کتبہ نصب ہے جس میں مندرجہ ذیل اشعار رشحۂ فکر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کندہ ہیں:

در مدرسہ مسجدے بنا شد
ایں مژدہ ز دوستاں شنیدم
بر لوح جبینش اسم اعظم
خواندم چو بصحنِ او رسیدم
در سجدۂ شکر چوں فتادم
در گوش رسید ایں نشیدم
مقرون شدہ عبادت و علم
در مدرسہ خانقاہ دیدم

۱۳۲۸ھ

مینار بھی منقش پتھر کے بنائے گئے ہیں۔ اس مسجد کی تکمیل تعمیر ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں ہوئی۔ ۱۳۴۹ھ /۱۹۳۰ء میں مسجد کی توسیع عمل میں آئی، صحن مسجد کو مشرق کی جانب بڑھایا گیا۔ حوض جو صحن کے آخر میں تھا، توسیع کے بعد تقریباً وسط میں ہوگیا۔ اسی طرح مسجد کے بالائی حصہ کی تعمیر ہوئی۔ ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۵ء میں صحن کے آخری حصہ میں دارالافتاء کی عمارے کے نیچے سنگیں حوض بنایا گیا۔

۱۹۸۰ء میں اجلاس صد سالہ کے موقع پر جہاں اور بہت ساری تعمیری کام ہوئے وہیں اس مسجد کے بالائی حصہ پر چھت ومینار وغیرہ کی تعمیر ہوئی اور بالائی حصہ کو زیریں حصہ کی طرح سنگی نقش ونگار سے آراستہ کیا گیا۔
اندرون مسجد کا رقبہ ۴۲×۳۳ مربع فٹ اور بیرون مسجد کا رقبہ ۱۱۸×۵۰ مربع فٹ ہے۔

دارالحدیث

جس طرح دارالعلوم دیوبند کو یہ شرف وامتیاز حاصل ہے کہ ہندوستان بھر میں یہ پہلی درس گاہ ہے جو عین زوالِ علم کے وقت مسلمانوں کے عام چندے سے قائم ہوئی، اسی طرح اس کو یہ تقدم وفضیلت بھی حاصل ہے کہ دارالعلوم کا دارالحدیث، ہندوستان میں پہلی عمارت ہے جو اس نام سے عالمِ وجود میں آئی۔ اس میں شک نہیں کہ اسلامی عہد کے ہندوستان میں جابجا مدارس موجود تھے، اور ایک ایک ذرّہ علم کی روشنی سے منور تھا، لیکن مدارس کی اس کثرت وبہتات کے باوجود ہندوستان میں کوئی عمارت دارالحدیث کے نام سے اس سے پیشتر نہیں بنی۔ ہندوستان کی سرزمین پر یہ پہلا موقع تھا کہ دارالحدیث کے نام سے ایک بڑی عمارت بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ نواب سلیم اللہ خان رئیس ڈھاکہ نے دارالحدیث کی تعمیر کے لیے تیرہ ہزار کی رقم پیش کی۔

دارالعلوم میں دارالحدیث کا سنگِ بنیاد رکھنے کی تقریب میں ۲۰ ؍ربیع الآخر ۱۳۳۰ھ/ ۸؍اپریل ۱۹۱۲ء کو ایک عام جلسہ منعقد کیا گیا جس میں ملک کے مختلف مقامات کے لوگوں نے کثرت سے شرکت کی۔ طلبہ نے باصرار مزدوروں کے بجائے نہایت ذوق وشوق کے ساتھ والہانہ انداز میں خود بنیاد کھودی، حضرت تھانویؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ اور حضرت مولانا عبدالرحیم رائے پوریؒ نے سنگِ بنیاد رکھا۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے مجمع سے فرمایا کہ ’’سب صاحب ایک ایک دو دو اینٹ اپنے ہاتھ سے رکھ دیں نہ معلوم حق تعالیٰ کے یہاں کس کا خلوص قبول ہو جائے‘‘ چنانچہ تمام شرکائے جلسہ نے دو دو اینٹیں رکھیں۔

دارالحدیث کے لیے بنیاد تیار کرنے میں طلبہ نے جس مخلصانہ ہمت ومحبت اور جوشِ عمل کا مظاہرہ کیا وہ طلبہ کی زندگی کا ایک ایسا واقعہ ہے جسے بھلایا نہیں جاسکتا، اس سال کی روداد میں مذکور ہے کہ ’’جلسہ دارالحدیث کے دن سنگِ بنیاد تو رکھ دیا گیا تھا مگر بنیاد تعمیر کرنے کے لیے پہلے کنکریٹ کُٹوانا ضروری تھا، اس کے علاوہ کسی قدر بنیاد بھی کُھدنی باقی رہ گئی تھی، ابھی کنکریٹ ڈال کر کوٹنا ہی شروع کیا گیا تھا کہ زور وشور کی ایک طوفانی بارش ہوگئی اور قریبی تالاب پانی سے بھر گیا، حتی کہ دارالحدیث کی بنیادیں تک پانی سے لبریز

ہوگئیں، یہ قطعۂ زمین تالاب ہی کا ایک حصہ تھا، جو ۱۳۲۸ھ میں اَٹوایا گیا تھا، مٹی چونکہ ابھی پختہ نہ ہوئی تھی اس لیے گرگئی، اور بنیاد کا حال دَلدَل کا سا ہوگیا، اس کے علاوہ درس گاہوں تک پانی کے پہنچ جانے سے عمارتوں کو بھی خطرہ لاحق ہوگیا، ادہر تو یہ حالت تھی اور اُدھر مزدور بالکل نہیں ملتے تھے، بارش کے تواتر سے یہ احتمال بھی نہ تھا کہ پانی دو چار روز خشک ہوجائے گا، ڈال لگوا کر پانی نکلوانا شروع کیا، مگر سارے دن میں بہت تھوڑا سا پانی نکل سکا، بالآخر نماز عصر کے بعد طلبہ نے کمر ہمت باندھی، بالٹیاں لے کر کھڑے ہوگئے اور ایک گھنٹے میں تمام پانی نکال کر تالاب میں ڈال دیا، پانی نکل جانے پر معلوم ہوا کہ ابھی ایک سخت مرحلہ باقی ہے، بنیاد میں نصف قد آدم دلدل ہوگئی تھی، اس موقع پر مدرسین وطلبہ کی محنت و جانفشانی کا منظر قابل دید تھا، کئی سو طلبہ لگے ہوئے تھے اور قطاریں بنا کر آناً فاناً میں گارے کی بالٹیاں بھر بھر کر تالاب میں پہنچا رہے تھے، رجزیہ اشعار پڑھتے جاتے تھے، اور ہر ایک، دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی سعی میں لگا ہوا تھا، اس مقابلے اور مسابقت میں اور بھی لطف تھا، طلبہ نے دو جماعتیں بنا کر کام کو نصف نصف تقسیم کرلیا تھا، جو کام مہینے بھر میں مزدوروں سے ہونا مشکل تھا وہ طلبہ نے دو دن میں کردیا۔ کنکریٹ کی کٹائی میں بھی طلبا نے حصہ لیا، یہ کام بھی تنہا معماروں اور مزدوروں سے شاید ایک ماہ میں بھی ختم نہ ہوتا، لیکن طلبہ نے اس جد وجہد سے کنکریٹ، اینٹ اور چونا موقع پر پہنچایا کہ ایک ہفتے میں بنیادیں اوپر آگئیں، الغرض جیسی مقدس اور متبرک تعمیر تھی ویسے ہی مخلص ہاتھوں سے بنیاد تعمیر ہوئی اور طلبہ کی یہ آرزو کہ ''دارالحدیث کی بنیاد ہم کھودیں گے'' اب مع شئے زائد پوری ہوگئی۔''

عالم اسلام میں ماضی میں جو دارالحدیث بنائے گئے ان کے بنانے والے سلاطین اور فرماں روا تھے، اس دارالحدیث کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی تعمیر میں غریب عوام کا ہاتھ کارفرما رہا ہے، اور انھیں معمولی معمولی امدادوں سے یہ عظیم الشان عمارت عالمِ وجود میں آئی ہے۔

دارالحدیث کی تعمیر سے قبل مختلف حضرات نے عالم خواب میں دیکھا کہ موقع تعمیر دارالحدیث پر دارالعلوم کے اکابر مرحومین جمع ہیں اور خود اپنے ہاتھوں سے سامان تعمیر اٹھا اٹھا کر لا رہے ہیں اور تعمیر میں مصروف ہیں۔

دارالحدیث کی یہ پرشکوہ عمارت ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء میں مکمل ہوئی۔ یہ عمارت نودرہ کی عمارت کے بالکل پیچھے جانب مغرب میں بنائی گئی اور دائیں بائیں دونوں جانب تیرہ کمرے تعمیر ہوئے۔ تمام کمروں کی مجموعی

لاگت کا تخمینہ ڈیڑھ لاکھ روپئے تھا۔

اس عمارت کے وسط میں دارالعلوم کا مرکزی ہال واقع ہے جس میں دارالعلوم کے بڑے بڑے جلسے ہوتے ہیں۔اس ہال کو بعد میں دارالحدیث تحتانی کا نام دیا گیا اور ایک عرصہ تک دورۂ حدیث کی تعلیم یہیں ہوتی رہی۔

مسجد (ریلوے اسٹیشن)

دیوبند میں دارالعلوم کی مرکزیت کی وجہ سے مسلمانوں اور اہل علم کی بہ کثرت آمدورفت رہتی ہے جس کا ذریعہ اس وقت صرف ریل تھی۔ پختہ سڑک بہت بعد میں تعمیر ہوئی، اسٹیشن پر مسجد نہ ہونے کے سبب سے سخت دقت پیش آتی تھی۔ دہلی کے کچھ اصحاب خیر نے اپنی والدہ کے ایصال ثواب کے طور پر مسجد کی تعمیر کا صرفہ پیش کیا۔

۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء میں یہ مسجد تعمیر ہوئی۔امام ومؤذن کے لیے کمرہ بنا ہوا ہے۔احاطہ کے باہر مسجد کے مصارف کے لیے کچھ دوکانیں بھی بنائی گئی تھیں۔مسجد کی تعمیر میں پانچ ہزار روپئے صرف ہوئے۔مسجد کا احاطہ کافی وسیع ہے جس کی بعد پختہ چہار دیواری کرائی گئی۔

دارالاقامہ (دار جدید)

۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء میں دارالعلوم میں طلبہ کی تعداد چھ سو سے متجاوز ہوگئی۔ دارالاقامہ کے کمرے اس تعداد کے لیے کافی نہ تھے۔اس لیے نصف سے زائد طلبہ شہر کی مساجد اور متفرق مکانات میں رہتے تھے۔ اس صورت میں نہ تو طلبہ کو یکسوئی اور اطمینان حاصل تھا اور نہ ان کی نگرانی اور تربیت خاطر خواہ طریق پر ہوسکتی تھی، علاوہ ازیں جو طلبہ دارالاقامہ میں رہتے تھے ان کی تعداد بھی دارالاقامہ کی وسعت کے لحاظ سے زیادہ تھی، لہٰذا جگہ کی تنگی کے باعث اکثر پریشانی لاحق رہتی تھی، اس لیے مزید کمروں کی تعمیر کی ضرورت بشدت محسوس کی جارہی تھی، دارالحدیث کے شمالی غربی اور جنوبی اطراف میں ایک وسیع دارالاقامہ بنائے جانے کی تجویز زیر غور تھی۔خدا کا شکر ہے کہ اس سال میں امرتسر کے بعض اربابِ خیر کی توجہ اس طرف مبذول ہوئی اور ان کے عطیات سے اس مجوزہ وسیع دارالاقامہ کی بنیاد رکھی گئی۔

یہ کمرے جو سنین مابعد میں وقتاً فوقتاً بنائے گئے ہیں ہندوستان کے مسلمانوں کی دینداری، علوم دین سے

اعتناء اور دینی کاموں میں فیاضانہ امداد کی قابل قدر یادگار ہیں۔ یہ کمرے اس قدر وسیع اور کشادہ ہیں کہ ہر ایک میں آٹھ تک طلبہ بآسائش رہ سکتے ہیں۔ کمروں کے سامنے برآمدے ہیں اور آگے نہایت وسیع اور پُر فضا صحن ہے، جس کے تین سمتوں میں دارالاقامہ اور مشرقی جانب دارالحدیث کی نہایت عظیم الشان اور سر بفلک وہ عمارت ہے جو ہندوستان کی سرزمین میں اپنی نوعیت کی پہلی تعمیر ہے، صحن وسیع اور کشادہ ہے جس میں قسم قسم کے چھوٹے بڑے پھول دار درختوں کی چمن بندی کی گئی ہے اور روش بنا کر ایک خوش نما پائین باغ کی شکل دی گئی۔

یہ عمارت حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کے عہد اہتمام میں تعمیر ہونی شروع ہوئی اور آپ کے زمانے میں صرف پانچ کمرے بن سکے تھے، جب کہ ۵۲ کمروں کی تعمیر کی تجویز تھی۔ بقیہ تعمیر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے زمانے میں ہوئی۔ دار جدید کی عمارت دو منزلوں پر مشتمل ہے۔ دوسری منزل مختلف مراحل میں تعمیر ہوئی۔ ۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۱ء میں اس کی تکمیل ہوئی۔ ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء میں اجلاس صد سالہ کے موقع پر بھی متعدد کمرے تعمیر ہوئے۔ یہ دارالعلوم کا سب سے وسیع اور بڑا دارالاقامہ ہے جس میں سو سے زائد کمرے ہیں۔ دار جدید کے پورے احاطہ کا رقبہ ۵۰۰×۳۶۱ مربع فٹ ہے۔ ایک بڑے کمرے کا سائز ۱۹×۱۸ مربع فٹ ہے۔

دارالحدیث کے شمالی جانب حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کے زمانۂ اہتمام میں ایک بلند دروازہ تعمیر ہوا جو اولین شیخ الحدیث وصدر المدرسین حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے نام نامی کی طرف منسوب کر کے 'باب یعقوب' کہا گیا۔ اس دروازہ سے حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی درس حدیث دینے کے لیے دارالعلوم میں داخل ہوا کرتے تھے؛ اسی مناسبت کی وجہ سے بعد میں اس دروازہ 'مدنی گیٹ' کہا جانے لگا۔

دارالحدیث کے جنوبی جانب حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کے زمانۂ اہتمام میں ایک دوسرا دروازہ تعمیر ہوا جو حضرت مولانا رفیع الدین دیوبندیؒ مہتمم دارالعلوم کے نام نامی کی طرف منسوب کر کے 'باب رفیع' کہا گیا۔ اب اس کو عرف عام میں 'معراج گیٹ' کہا جانے لگا۔

دارالحدیث کے بالمقابل بعد میں مغربی جانب باب الظاہر ۱۳۵۹ھ/ ۱۹۴۰ء میں تعمیر کیا گیا جو افغانستان کے باشاہ محمد ظاہر کی دارالعلوم سے وابستگی کی ایک ایسی یادگار ہے جو تاریخ کے دامن میں محفوظ رہے گی۔

دارالحدیث فوقانی

۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۳ء میں نودرہ کے اوپر درس حدیث کے لئے ایک وسیع ہال کی تعمیر کا آغاز کیا گیا جو چند برسوں میں بن کر تیار ہوا۔ اس درس گاہ رقبہ ۶۸×۳۵ مربع فٹ ہے۔ اس عمارت سے نودرہ کا حسن دوبالا ہو گیا۔

یہ درس گاہ ’دارالحدیث فوقانی‘ کے نام مشہور ہے جس میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین مدنیؒ نے تاعمر درس حدیث دیا۔

درس گاہ فارسی

۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۷ء میں درجۂ فارسی کی درس گاہ کی تعمیر ہوئی۔ اس شعبہ میں دیگر عصری مضامین کے ساتھ ساتھ فارسی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس درس گاہ کا رقبہ ۴۶×۴۳ مربع فٹ تھا۔

محافظ خانہ

۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۷ء میں محافظ خانہ کی دو منزلہ عمارت تعمیر ہوئی۔ محافظ خانہ کی یہ عمارت دارالاہتمام کی جنوبی سمت میں واقع ہے جس میں دارالعلوم کے جملہ ریکارڈ رکھے جاتے ہیں۔

دارالتفسیر

۱۳۵۰ھ/۱۹۳۲ء میں دارالعلوم میں دورۂ تفسیر جاری کیا گیا، لیکن اس وقت اس کے لیے کوئی مستقل درس گاہ موجود نہ تھی۔ ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء میں دارالحدیث کی بالائی منزل پر ۳۰×۳۰ مربع فٹ کا ایک ہال بنایا گیا جس کو دارالتفسیر کا نام دیا گیا۔ دارالتفسیر کے اوپر ایک پرشکوہ گنبد بنایا گیا جو اپنی رفعت وعظمت کے لحاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا دارالعلوم کے سر پر تاج رکھا ہوا ہے۔ دارالحدیث کی عمارت اور درمیان میں دارالتفسیر کا گنبد آج دارالعلوم کی علامت کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

باب الظاہر

۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء میں دارالحدیث کے بالمقابل غربی جانب میں حکومتِ افغانستان کے عطیہ سے صدر دروازہ کی تعمیر شروع ہوئی اور بادشاہ افغانستان کے نام پر اس کا نام ’باب الظاہر‘ رکھا گیا تاکہ دارالعلوم اور افغانستان کے مخلصانہ تعلق کی ایک یادگار قائم رہے۔

باب الظاہر کا سنگِ بنیاد رکھنے کے لیے نواب صدر یار جنگ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن شیروانیؒ رکن

مجلس شوری دارالعلوم کا انتخاب کیا گیا۔ علماء وطلبہ کے ایک بڑے مجمع میں صدر یار جنگ مرحوم کے مبارک ہاتھ سے باب الظاہر کی بنیاد رکھی گئی۔

دارالعلوم میں باب الظاہر ایک عظیم الشان اور پرشوکت سہ منزلہ عمارت تھی جس میں متعدد کمرے اور درسگاہیں بنائی گئی تھیں۔ اس عمارت کا رقبہ ۵۴×۴۲ مربع فٹ تھا۔

دارالطعام (مطبخ)

۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں دارالعلوم میں باقاعدہ مطبخ کا اجراء ہوا۔ ورنہ اب تک اہل شہر حسب مقدرت ایک ایک دو دو طالب علموں کے کھانے کی کفالت کرتے تھے یا کچھ طلبہ کو دارالعلوم کی طرف سے خورد ونوش کے لیے نقد وظیفہ دیا جاتا تھا۔ ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۳ء میں شعبۂ مطبخ کی توسیع عمل میں آئی۔

۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء میں موجودہ عمارت تعمیر ہوئی جو نودرہ کے جنوب میں مسجد چھتہ کے قریب واقع ہے۔ اس عمارت کا رقبہ ۷۰×۵۵ مربع فٹ ہے۔ لکڑیاں رکھنے اور کھانا تقسیم کرنے کی جگہ اس کے علاوہ ہے۔

دارالافتاء

دارالعلوم کے قیام سے ہی فتوی کا سلسلہ شروع ہوا۔ ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۲ھ میں باضابطہ شعبۂ دارالافتاء کا قیام عمل میں آیا۔ دارالافتاء کی قدیم عمارت بہت مختصر اور دارالافتاء کے کارکنوں کے اضافے کے بعد بہت تنگ ہوگئی تھی؛ اس لیے مسجد دارالعلوم کی مشرقی جانب کی عمارت کی بالائی منزل پر دارالافتاء کی وسیع اور کشادہ عمارت تیار کرائی گئی۔ جس کا افتتاح ۱۹؍ ربیع الآخر ۱۳۶۷ھ/ یکم مارچ ۱۹۴۸ء کو ہوا۔

دارالافتاء کی یہ عمارت تین بڑے بڑے کمروں پر مشتمل تھی جن کا رقبہ اس طرح تھا: (۱) ۱۷×۱۴ مربع فٹ (۲) ۱۸×۱۴ مربع فٹ (۳) ۱۴×۱۲ مربع فٹ۔

موجودہ دور میں دارالافتاء میں کافی توسیع عمل میں آئی اور اس میں متعدد ہال اور ایک گیلری کا اضافہ کیا گیا۔

دارالقرآن

قرآن شریف حفظ و ناظرہ اور اردو کے ابتدائی درجات کی تعلیم کے لیے پانچ درس گاہوں کا مجموعہ جناب شیخ فیروز الدین صاحب تاجر کلکتہ کے مخصوص عطیہ سے ۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۹ء میں تعمیر ہوا۔ یہ عمارت

دارالقرآن سے موسوم ہے اور مطبخ کے مغربی جانب واقع ہے۔ اس عمارت کی پانچوں درس گاہوں میں ہر درس گاہ کا رقبہ ۲۵×۲۱ مربع فٹ تھا۔

مہمان خانہ

۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء میں دفتر محاسبی کے ساتھ دروازہ کلاں کے اوپر مہمان خانہ کے لیے کچھ کمرے تعمیر ہوئے۔ لیکن مستقل طور پر ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۷ء میں دارالعلوم مسجد کے سامنے مہمان خانہ کی عمارت بنوائی گئی جس کا کل رقبہ ۱۱۵×۸۰ مربع فٹ تھا۔

۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء میں اس عمارت کی تعمیر نو اور توسیع عمل میں آئی۔

دارالشفاء و جامعہ طبیہ

دارالعلوم میں طب کی تعلیم کا آغاز ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء میں ہوا۔ پہلے اس شعبہ میں مولانا حکیم محمد حسن صاحبؒ برادر خورد حضرت شیخ الہندؒ کا تقرر رہوا۔ حکیم صاحب درس فقہ و حدیث اور طلبۂ دارالعلوم کے علاج کے علاوہ فن طب کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء میں اسے مستقل شعبے کی شکل دی گئی۔ مگر اس شعبہ کی کوئی مستقل عمارت نہ تھی۔

۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء میں شعبۂ طب کو توسیع دی گئی اور دارالشفاء (ہسپتال) کا قیام عمل میں آیا اور دارالعلوم کے شمال میں اس کے لیے ایک عمارت بنوا کر مخصوص کی گئی۔ اس میں مفرد، مرکب اور پیٹنٹ ادویہ کے ساتھ چارپائیوں، بستروں اور تیمارداری کا بھی ضروری سامان موجود تھا۔ جس میں اس وقت کل سات معالجین کے علاوہ چھ کارکن مقرر تھے۔ معالجہ طلبہ کی حد تک محدود نہیں کیا گیا، بلکہ بلا تخصیص مذہب وملت سب کا علاج کیا جاتا۔

۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۵ء میں وقف کرنال کی طرف سے دارالعلوم کو ایک معقول امداد اس شرط پر پیش کی گئی کہ دارالعلوم کے شفا خانہ کا نام نواب عظمت علی خان کے نام پر عظمتیہ شفا خانہ رکھا جائے۔ اسی کے ساتھ جامعہ طبیہ کی ایک مستقل کمیٹی بنا کر (جو ملک کے موقر اور با اثر اطباء پر مشتمل تھی) حکومت سے کہا گیا کہ وہ ملک کے دوسرے طبیہ کالجوں کی طرح دارالعلوم کے جامعہ طبیہ کی سند کو تسلیم کر کے فارغین کو مجازِ مطب قرار دے جس کو حکومت نے منظور کر لیا۔

۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۰ء میں دارالعلوم کے شمال میں جامعہ طبیہ کی ایک وسیع اور شاندار عمارت تعمیر ہوئی جس میں درس گاہوں کے علاوہ مریضوں کے بستروں کا بندوبست بھی کیا گیا۔اس میں چار سالہ طبی کورس کے ذریعہ فن طب کی علمی اور عملی تعلیم دی جاتی تھی۔

۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۱ء میں دارالشفاء کی عمارت کی تکمیل ہوئی جو دو بڑے ہال، چار کمروں اور برآمدوں پر مشتمل تھی۔

مسجد چھتہ کی توسیع

۱۳۸۹ھ/ ۱۹۶۹ء میں مسجد چھتہ کی توسیع عمل میں آئی۔ مسجد کے شمال وجنوب میں متعدد حجرے تھے۔ جنوبی حجروں میں حضرت حاجی عابد حسین صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کا قیام رہتا تھا اور شمالی حجرہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی قیام گاہ تھی۔ شمالی حجرہ بہت بوسیدہ ہو گیا تھا۔۱۳۸۹ھ میں اسے از سرِ نو تعمیر کرایا گیا اور ایک وسیع کمرہ میں اس تاریخی جگہ کو محفوظ کر دیا گیا۔

موجودہ دور میں بھی مسجد چھتہ کی توسیع عمل میں آئی اور صحن کے حصہ کو مسقّف کیا گیا۔

افریقی منزل قدیم

۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۸ء میں یہ عمارت ساؤتھ افریقہ کے اہل خیر کے عطیات سے تیار ہوئی اور طلبہ کے لیے قیام گاہ کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ بعد میں اس کو اساتذہ کے رہائشی مکانات میں تبدیل کر دیا گیا۔

افریقی منزل جدید

۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۱ء میں دارالشفاء کے شمال میں افریقی طلبہ کے دارالاقامہ کا بڑا حصہ افریقی منزل کے نام سے تیار ہوا جس میں گیارہ وسیع کمرے تھے۔

۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء میں دارالاقامہ کی بالائی منزل تعمیر ہوئی جس میں ۱۳؍ کمرے تھے۔

رواق خالد

اس دارالاقامہ کی بنیاد ذوالحجہ ۱۳۹۹ھ/ نومبر ۱۹۷۹ء میں ہی رکھی جا چکی تھی۔۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۲ء میں اس کی تکمیل عمل میں آئی۔ یہ عظیم الشان دو منزلہ عمارت ۵۶؍ کمروں پر مشتمل ہے۔

موجودہ دور میں رواق خالد کی پرانی عمارت کے دونوں جانب دونئی سہ منزلہ بلڈنگیں بنائی گئیں جن میں طلبہ کے لیے درجنوں کمرے بنائے گئے ہیں۔

دارالمدرسین

تعلیم وتدریس میں یکسوئی اور انہماک میں اساتذہ کے لیے مع اہل خانہ قیام کی سہولت کا بڑا دخل ہے۔اسی لیے ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء میں افریقی منزل جدید سے شمال مغرب میں دارالمدرسین کی تعمیر کا آغاز کیا گیا۔دارالمدرسین کی یہ عمارت دومنزلہ ہے اور اس میں آٹھ اساتذۂ کرام کے لیے اہل خانہ کے ساتھ قیام کا اچھا انتظام ہے۔

اسی طرح افریقی منزل قدیم کو جو طلبہ کی رہائش گاہ کے طور پر استعمال ہوتی تھی،اس کو رہائشی مکانات میں تبدیل کیا گیا اور اس کے اوپر مزید تین مکانات تعمیر کیے گئے۔اب اس عمارت میں آٹھ رہائشی مکانات تیار ہو گئے ہیں۔

۱۹۹۵ء میں اسی طرح دارالقرآن قدیم کے اوپر اساتذۂ کے لیے پانچ مکانات مزید تعمیر کیے گئے۔

دارالتربیت

حضرت مولانا وحیدالزماں کیرانویؒ کی جدوجہد سے چھوٹے بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۶ء میں دارالتربیت کی وسیع عمارت کی تعمیر ہوئی۔ یہ عمارت افریقی منزل جدید کے جنوب میں ایک مستقل احاطہ کی شکل میں تھی۔

مسجد رشید

۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء میں دارالعلوم میں طلبہ کی تعداد تین ہزار تک پہنچ گئی۔اس وقت تک دارالعلوم کے احاطہ میں مسجد چھتہ اور مسجد دارالعلوم، دو مسجدیں تھیں۔ان دونوں کے مسقّف حصہ میں بہ مشکل ایک ہزار طلبہ نماز ادا کر سکتے تھے، بقیہ طلبہ ان کے صحنوں میں گرمی، برسات اور سردیوں میں بڑی دشواری کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے۔انھیں تمام پریشانیوں کو دیکھتے ہوئے دارالعلوم انتظامیہ نے ایک وسیع وعریض جدید مسجد کی تعمیر کا تاریخی فیصلہ کیا گیا۔

۲۳/رجب ۱۴۰۶ھ/۴/اپریل ۱۹۸۶ء کو جمعہ کی نماز سے فراغت کے بعد تین بجے صلاح وتقوی،علم و

معرفت اور روحانیت واخلاص کے ایک پاکیزہ قافلہ نے باب الظاہر کے عقب جانب شمال اور باب مدنی کے جانب غرب میں ایک وسیع وعریض مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔اس نورانی قافلے میں خاندان حضرت گنگوہی کے چشم وچراغ حضرت مولانا حکیم عبدالرشید محمود صاحبؒ نبیرۂ قطب الاشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، فقیہ الامۃ حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ مفتیٔ اعظم دارالعلوم، حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ، حضرت مولانا محمد عمر پالن پوریؒ، حضرت مولانا قاضی زین العابدین میرٹھیؒ، حاجی علاء الدین صاحب بمبئیؒ، حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب وغیرہ کے علاوہ اساتذہ، طلبہ اور اہل دیوبند کی ایک بڑی تعداد شریک تھی۔ بنیاد رکھنے کے بعد اس قدسی صفات بزرگوں نے اپنے ہاتھ بارگاہ خداوندی میں پھیلا دیے اور نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ دعا مانگی۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس کا نام 'مسجد رشید' رکھا گیا۔اس عظیم الشان اور تاریخی عمارت کی تعمیر وتزئین میں حضرت مولانا عبدالخالق مدراسی حال نائب مہتمم دارالعلوم نے شبانہ روز کی محنتیں صرف کیں اور تقریباً بارہ سال کی مدت میں دس کروڑ کے صرفہ سے یہ تاریخی عمارت تیار ہوئی۔

سفید سنگ مرمر سے بنی ہوئی یہ عظیم الشان اور خوب صورت مسجد بلاشبہہ ہندوستان کے مخلص مسلمانوں کے اخلاص کا شاہکار ہے جن کے عطیات سے یہ خانۂ خدا تعمیر ہوا۔اس مسجد کی تعمیر میں اسلامی فن تعمیر کے شاندار ے نمونے موجود ہیں اور ناظرین کی توجہ اپنی جانب کھینچتے ہیں۔ مسجد کے پانچ داخلی دروازے ہیں؛ جن میں جانب مشرق کا بلند دروازہ نہایت عالی شان اور پرشکوہ ہے۔شمال وجنوب کے دو دیگر دروازے اپنی حسین بناوٹ، لطافت اور حسن توازن کی وجہ سے دیدہ زیب ہیں۔

مسجد کا وسیع وعریض صحن اور اس کے سامنے مسقّف حصہ میں داخل ہونے والا گیٹ فن تعمیر کا نادر نمونہ ہے۔صحن مسجد کے دونوں جانب مسقّف طویل گیلری ہے۔اس مسجد کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے مسقّف حصے میں آٹھ ہزار سے زیادہ نمازیوں کی گنجائش ہے جب کہ پوری مسجد میں اٹھارہ ہزار افراد نماز ادا کرسکتے ہیں۔مسجد کے مسقّف حصہ کا رقبہ شرقاً وغرباً ۱۲۰ فٹ اور شمالاً وجنوباً ۱۴۰ فٹ ہے۔اس کی تین منزلیں ہیں۔ ایک منزل میں ۲۵ صفیں ہیں اور ایک صف میں تقریباً سو نمازی آسکتے ہیں۔مسجد کی نماز گاہ کے نیچے تہہ خانہ ہے جہاں مدتوں سے دارالعلوم کے داخلہ، ششماہی اور سالانہ امتحانات منعقد ہوتے ہیں۔رمضان المبارک میں اسی تہہ خانہ ہی میں سیکڑوں بندگانِ خدا اعتکاف کرتے ہیں۔آج کل دورۂ حدیث کے طلبہ کی تعداد بڑھ جانے کی وجہ سے تہہ خانہ دورۂ حدیث کی درس گاہ کے طور پر استعمال ہو رہا ہے۔

مسجد کے مسقّف حصہ کے اوپر درمیان میں عظیم مرمریں گنبد اور اس کے دونوں کناروں پر دو سر بفلک مینارے بنے ہوئے جو مسجد کی عظمت ورفعت کو دوبالا کررہے ہیں۔مسجد کی گرداگرد چاروں طرف باؤنڈری

ہے جب کہ مسجد کے جنوب مشرقی جانب سنگ مرمر کا صاف شفاف حوض بنا ہوا ہے۔

مسجد رشید جہاں ایک طرف مسلمانانِ ہند کے ایمان واخلاص کا شفاف آئینہ ہے وہیں یہ دارالعلوم دیو بند کی محبوبیت ومقبولیت اوراس کی عظمت وجلال کا پرتو بھی ہے۔

مسجد رشید کی وسیع وعریض عمارت دارالعلوم دیو بند کے اہم اجلاسات اور پروگراموں کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ دوراور قریب سے اس کو دیکھنے آنے والوں کا تانتا لگا رہتا ہے۔ دیو بند میں کوئی نو وارد آئے اور مسجد رشید کی روح پرور اور نشاط انگیز ماحول میں وہ دو رکعت نماز نہ پڑھے ایسا ممکن نہیں ہے۔

شیخ الہند منزل (اعظمی منزل)

ضلع اعظم گڈھ کے کچھ اصحاب خیر نے، جو بمبئی میں کاروبار کے سلسلہ میں مقیم ہیں، طے کیا کہ اعظمی منزل کے نام سے دارالعلوم میں طلبہ کی اقامت کے لیے پچاس کمرے تعمیر کیے جائیں، چناں چہ ۱۴۰۷ھ /۱۹۸۶ء میں مدرسہ ثانویہ کے وسیع احاطہ میں 'اعظمی منزل' کے نام سے ایک دارالاقامہ تعمیر ہوا جس کے کمروں کی تعداد ابتداء ۲۶ تھی۔

بعد میں اس عمارت کو دو منزلہ اور پھر سہ منزلہ بنا دیا گیا۔ بعد میں اس عمارت کا نام 'شیخ الہند منزل' رکھ دیا گیا ہے۔ اب یہ عمارت ساٹھ سے زائد بڑے کمروں پر مشتمل ہے۔

حجۃ الاسلام منزل (مدرسہ ثانویہ)

یہ ایک خوبصورت دو منزلہ عمارت ہے جو مدرسہ ثانویہ اور درجہ دینیات کی تعلیم کے لیے بنائی گئی ہے۔ اس عمارت میں ایک معتد بڑی درس گاہیں اور ہال ہیں جن میں عربی اول تا عربی چہارم اور شعبۂ اطفال، اردو ہندی پرائمری تا فارسی پنجم کی تعلیم ہوتی ہے۔ اس عمارت میں مدرسہ ثانویہ کا دفتر بھی واقع ہے جس کے ماتحت مدرسہ ثانویہ اور دینیات کی تعلیم کا نظام قائم ہے۔

شیخ الاسلام منزل (آسامی منزل)

دارالعلوم میں طلبہ کی بڑھتی تعداد کے پیش نظر طلبہ کی اقامت کی تنگی کو دور کرنے کے لیے ۱۴۱۴ھ /۱۹۹۴ء میں آسامی منزل کے نام سے افریقی منزل جدید کے شمال میں ایک نئے وسیع دارالاقامہ کی تعمیر کا

فیصلہ کیا گیا۔ بعد میں اس عمارت کا نام 'شیخ الاسلام منزل' رکھا گیا۔
یہ عمارت سہ منزلہ ہے اور ایک سو بیس بڑے ہال نما کمروں پر مشتمل ہے۔

حکیم الامت منزل (تحفیظ القرآن)

چھوٹے بچوں کی قرآن کی تعلیم کو مزید منظّم اور مستحکم کرنے کے مقصد سے تحفیظ القرآن کے عنوان سے ایک مستقل عمارت کی تجویز چلی آرہی تھی۔ چناں چہ اس سلسلہ میں مدرسہ ثانویہ کی جانب شمال جی ٹی روڈ سے متصل تحفیظ القرآن بلڈنگ کی تعمیر کا آغاز کیا گیا جس کی تکمیل ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء میں ہوئی۔ بعد میں اس عمارت کا نام بدل کر 'حکیم الامت منزل' کر دیا گیا۔

حکیم الامت منزل کی سہ منزلہ عمارت ہے جس میں تحفیظ القرآن اور ناظرۂ قرآن کریم کی تقریباً پچیس درسگاہیں اور ان سے متعلق اساتذہ اور طلبہ کی قیام گاہیں اور ایک بڑا ہال ہے جو جماعت خانے کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ تحفیظ القرآن کا دفتر اور پورا نظام اسی منزل میں واقع ہے۔

دارجدید (تعمیر نو)

دارالعلوم دیوبند کا قدیم اور بڑا دارالاقامہ جو دارجدید کے نام سے موسوم ہے وہ تقریباً پون صدی سے سے زائد کا تعمیر شدہ ہے، خستہ حالی کے سبب اس کی عمارت خصوصاً برآمدے انتہائی مخدوش ہو گئے تھے، اس لیے اس کو منہدم کر کے از سرِ نو اس کی تعمیر کا فیصلہ کیا گیا۔ منصوبہ کے مطابق ۱۲۵ر کمروں پر مشتمل یہ عمارت تین منزلہ ہوگی، طلبہ کے قیام کے لیے کشادہ بڑے کمرے ہوں گے جن میں دس یا چودہ طلبہ قیام کر سکیں گے۔ ہر طالب علم کے لیے بیڈ اور الماری علیحدہ علیحدہ ہوگی۔

چناں چہ ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء میں دارجدید کے از سرنو انہدام کے بعد اس دوبارہ تعمیر شروع کی گئی۔

دارجدید کی تعمیر نو کے پہلے مرحلہ میں دارالعلوم کے جنوبی گیٹ سے باب الظاہر تک کی تین منزلہ عمارت تیار ہوئی جو ۳۰ر کمروں پر مشتمل ہے۔ ان کمروں میں طلبہ کی رہائش بھی شروع کرا دی گئی۔

دوسرے مرحلہ میں باب الظاہر سے مدنی گیٹ تک پہلے قدیم عمارت کو تڑوا کر ملبہ وغیرہ صاف کرایا گیا اور بنیادی کام کے بعد ۳۰ر مزید کمروں پر مشتمل سہ منزلہ عمارت کی تکمیل ہوئی۔ ان کمروں میں طلبہ کی رہائش بھی شروع کرا دی گئی۔

دارجدید کے ان ہال نما بڑے کمروں کا سائز مع برآمدہ ۲۳×۳۰ فٹ ہے، ان کمروں میں دس دس طلبہ

کا قیام ہے۔ ہر طالب علم کے لیے علیحدہ الماری اور آر، سی بیڈ ہے، بڑے بڑے زینے، بیت الخلاء وغسل خانے اور کپڑے دھونے کے پلیٹ فارم بھی بنائے گئے ہیں۔

دارِ جدید کے تیسرے مرحلے کی تعمیر مدنی گیٹ سے احاطہ باغ تک ہے اس وقت (۱۴۳۷ھ) جاری ہے۔ نیچے تہہ خانے کی تعمیر ہوکر اوپر منزل کا تعمیری کام چل رہا ہے، تہہ خانے کو غلہ و دیگر اشیاء وغیرہ رکھنے کے کام میں لیا جائے گا۔ اس کے اوپر تین منزلہ یہ عمارت تعمیر ہوگی جس کے کمروں میں طلبہ کی چودہ چودہ سیٹیں ہوں گی۔

شیخ الہند لائبریری

دارالعلوم کی قدیم لائبریری کی عمارت کے ناکافی ہونے اور دارالعلوم کی رفتار ترقی کے پیش نظر ایک عرصہ سے دارالعلوم کے شایان شان جدید سہولیات سے آراستہ عظیم الشان لائبریری کی تعمیر کی تجویز تھی۔ ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۵ء میں مجلس شوری نے اس سلسلہ میں فیصلہ کیا اور اس کا انتساب حضرت شیخ الہندؒ کے نام نامی کی طرف کیا گیا۔

اس عظیم لائبریری کے لیے باب الظاہر کے مغرب میں واقع وسیع وعریض خطۂ اراضی کا انتخاب کیا گیا۔ یہ عظیم الشان عمارت سات منزلوں پر مشتمل ہے اور اس کا کل تعمیری رقبہ دو لاکھ باسٹھ ہزار مربع فٹ پر مشتمل ہے۔ حضرت مولانا عبدالخالق مدراسی صاحب مدظلہ کی نگرانی میں اس عمارت کی تعمیر جاری ہے۔ اس کا نقشہ مشہور آرکیٹکٹ جناب احمد کاسو صاحب نے تیار کیا ہے جو سات منزل کی سر بہ فلک گول عمارت ہوگی۔

اس وقت (۱۴۳۷ھ) اس سات منزلہ عمارت کا پورا اسٹرکچر تیار ہو چکا ہے۔ اس کے نیچے تہہ خانے میں بیالیس ہزار مربع فٹ کا ایک بڑا ہال تعمیر کرایا گیا ہے جو امتحانات یا اجتماعات کے موقع پر کام آسکے گا۔ اس سے اوپر کی دو منزلیں درسِ حدیث کے لیے تیار ہو چکی ہیں، جس کا رقبہ تہتر ہزار اسکوائر فٹ ہے۔ سب سے اوپر کی چار منزلیں لائبریری کے لیے مخصوص ہیں۔ لائبریری کی منزلوں میں متعدد بڑے بڑے ہال ہیں۔

مکمل لائبریری کے باہر دیواروں پر پتھر لگانے کا کام بھی شروع ہو چکا ہے۔ ہر منزل پر آمد ورفت کے لیے چار لفٹ لگائے جانے کا منصوبہ ہے۔ اس کے علاوہ چار بڑے زینے تعمیر ہو چکے ہیں، جن پر پتھر لگانے کا کام چل رہا ہے۔

شیخ الہند لائبریری دارالعلوم کی اب تک کی عمارات میں سے سب سے عظیم الشان، پرشکوہ اور وسیع وعریض عمارت ہے۔ اس عمارت کی تکمیل کے بعد دارالعلوم کا تعلیمی مرکزِ ثقل اس عمارت کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

جدید درس گاہیں

شیخ الہند لائبریری کی تکمیل کے ساتھ ہی دیگر درجات عربیہ کی تعلیم کے لیے اس سے متصل جانبِ جنوب میں چھوٹی بڑی ۴۰؍درس گاہیں تیار کی جاچکی ہیں جن میں ابھی کچھ کام باقی ہے۔ یہ درس گاہیں بڑی کشادہ اور ہوادار ہیں۔

جدید مطبخ

دار العلوم کا مطبخ جو قدیم زمانے کا تعمیر شدہ ہے، اس کی عمارت کمزور اور مخدوش ہوگئی ہے، نیز اس کی عمارت دار العلوم کی موجودہ ضرورت کے لیے ناکافی بھی ہے۔

مجلس شوریٰ کی منظوری کے بعد شیخ الاسلام منزل کی پشت پر دوسرے نئے مطبخ کی تعمیر کا کام تقریباً مکمل ہونے والا ہے جس میں مطبخ کی تمام ضروریات مثلاً اجناس و آٹا رکھنے کے لیے گودام، آٹا چکی اور مصالحہ جات، آٹا گوندھنے کے لیے مشینوں کے لیے مشینوں کے علیحدہ علیحدہ کمرے ہیں۔ اس میں مطبخ سے متعلق اس کا دفتر اور طلبہ کو کھانا کھلانے کے لیے بڑے بڑے ڈائننگ ہال بھی ہیں۔

زیرِ تعمیر مطبخ میں اطراف کے ۱۲؍کمرے تیار ہوچکے ہیں، درمیان ہال کی چھت ۲۵؍فٹ کی بلندی پر ہوگی اس کا لنٹل پڑچکا ہے اور اوپر کی منزل پر تین عدد بڑے ہال نما گودام تعمیر کیے گئے ہیں۔ امید ہے کہ جلد ہی یہ عمارت پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گی اور اسے طلبہ کے لیے استعمال کیا جانے لگے گا۔

گزشتہ عشروں میں دیگر تعمیراتی سرگرمیاں

اجلاس صد سالہ کے بعد دار العلوم نے جہاں تعلیمی و انتظامی میدانوں میں خوب ترقی کی وہیں تعمیراتی میں بھی اس نے بے مثال ترقی کی اور اس کا زمینی اور تعمیری رقبہ دو چند سے بھی بڑھ گیا۔ طلبہ کی اقامت کے لیے متعدد اہم اور بڑے ہاسٹل تعمیر ہوئے، مسجد رشید کی تعمیر ہوئی اور شیخ الہند لائبریری کی تعمیر کا آغاز ہوا۔

ان بڑے تعمیراتی منصوبوں کے ساتھ ساتھ دیگر بہت سے تعمیری کام ہوئے جو اپنی جگہ پر نہایت اہم ہیں اور ان میں کثیر مصارف بھی صرف ہوئے۔ ان میں بعض عمارات مستقل طور پر تعمیر ہوئیں جب کہ بعض عمارتوں میں توسیع و تزئین کی گئی۔ ذیل اس طرح کی چند اہم تعمیرات کا نام دیا جارہا ہے:

دار جدید کے چاروں کونوں پر بیت الخلاء اور غسل خانوں اور زینوں کی تعمیر

طلبہ کو پانی کی دشواریوں کے ازالہ کے لیے دارالعلوم کی اپنی ٹنکیوں کی تعمیر

دفتر تعلیمات کی پانچ ہال نما کمروں پر مشتمل عمارت کی تعمیر

احاطۂ مولسری کے تینوں جانب دومنزلہ سائبان کی تعمیر

جامع رشید کے سامنے مکتبہ دارالعلوم، عظمت ہسپتال، ریلوے ٹکٹ گھر، بینک کی شاخ اور اے، ٹی، ایم کے کمروں کی تعمیر

مہمان خانہ کی تعمیر نو وتوسیع

دارالاہتمام کی تزئین وتوسیع

دارالافتاء کی توسیع

مسجد قدیم کی تزئین

مسجد چھتہ کی تزئین وتوسیع

دارالحدیث تحتانی کی تزئین وتحسین

مطبخ کی توسیع

نئے جنریٹر روم کی تعمیر

مختلف مقامات پر نئے آراضی کی خریداری اوران کی چہار دیواری، وغیرہ وغیرہ

تیسرا باب

دارالعلوم دیوبند کا مسلک، فکری منہج اور سلسلۂ سند

- دارالعلوم دیوبند کا مسلک ومشرب
- دارالعلوم دیوبند کا فکری منہج
- دارالعلوم دیوبند کا سلسلۂ سند واستناد
- دارالعلوم دیوبند کی خصوصیات

دارالعلوم دیوبند کا مسلک ومشرب

علمی حیثیت سے یہ ولی اللّٰہی جماعت اہل السنۃ والجماعۃ ہے جس کی بنیاد کتاب وسنت اور اجماع و قیاس پر قائم ہے، اس کے نزدیک تمام مسائل میں اول درجہ نقل وروایت اور آثار سلف کو حاصل ہے، جس پر پورے دین کی عمارت کھڑی ہوئی ہے، اس کے یہاں کتاب وسنت کی مرادات محض قوت مطالعہ سے نہیں بلکہ اقوال سلف اور ان کے متوارث مذاق کی حدود میں محدود رہ کر نیز اساتذہ اور شیوخ کی صحبت وملازمت اور تعلیم وتربیت ہی سے متعین ہوسکتی ہیں، اسی کے ساتھ عقل ودرایت اور تفقہ فی الدین بھی اس کے نزدیک فہم کتاب وسنت کا ایک بڑا اہم جز ہے، وہ روایات کے مجموعے سے شارع علیہ السلام کی غرض وغایت کو سامنے رکھ کر تمام روایات کو اسی کے ساتھ وابستہ کرتا ہے، اور سب کو درجہ بدرجہ اپنے اپنے محل پر اس طرح چسپاں کرتا ہے کہ وہ ایک ہی زنجیر کی کڑیاں دکھائی دیں، اس لئے جمع بین الروایات اور تعارض کے وقت تطبیق احادیث اس کا خاص اصول ہے، جس کا منشاء یہ ہے کہ وہ کسی ضعیف سے ضعیف روایت کو بھی چھوڑنا اور ترک کردینا نہیں چاہتا، جب تک کہ وہ قابل احتجاج ہو، اسی بنا پر اس جماعت کی نگاہ میں نصوص شرعیہ میں کہیں بھی تعارض اور اختلاف سے مبرا رہ کر ایک ایسا گلدستہ دکھائی دیتا ہے جس میں ہر رنگ کے علمی وعملی پھول اپنے اپنے موقع پر کھلے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اسی کے ساتھ بطریق اہل سلوک (جو رسمیات اور رواجوں اور نمائشی حال وقال سے مبرا اور بری ہے) تزکیۂ نفس اور اصلاح باطن بھی اس کے مسلک میں ضروری ہے، اس نے اپنے منتسبین کو علم کی رفعتوں سے بھی نوازا اور عبدیت وتواضع جیسے انسانی اخلاق سے بھی مزین کیا، اس جماعت کے افراد ایک طرف علمی وقار، استغناء (علمی حیثیت سے) اور غناء نفس (اخلاقی حیثیت سے) کی بلندیوں پر فائز ہوئے، وہیں فروتنی، خاکساری اور ایثار وزہد کے متواضعانہ جذبات سے بھی بھرپور ہوئے، نہ رعونت اور کبر ونخوت کا شکار ہوئے اور نہ ذلت نفس اور مسکنت میں گرفتار۔ وہ جہاں علم واخلاق کی بلندیوں پر پہنچ کر عوام سے اونچے دکھائی دینے لگتے ہیں وہیں عجز ونیاز، تواضع وفروتنی اور لاامتیازی کے جوہروں سے مزین ہو کر عوام میں ملے جلے اور کأحد من الناس بھی رہے۔ جہاں وہ مجاہدہ ومراقبہ سے خلوت پسند ہوئے وہیں مجاہدانہ اور غازیانہ

اسپرٹ نیز قومی خدمت کے جذبات سے جلوہ آرا بھی ثابت ہوئے۔ غرض علم و اخلاق، خلوت وجلوت اور مجاہدہ وجہاد کے مخلوط جذبات و دواعی سے ہر دائرۂ دین میں اعتدال اور میانہ روی ان کے مسلک میں ان کی امتیازی شان بن گئی، جو علوم کی جامعیت اور اخلاق کے اعتدال کا قدرتی ثمرہ ہے۔ اسی لئے ان کے یہاں محدث ہونے کے معنی فقیہ سے لڑنے یا فقیہ ہونے کے معنی محدث سے بیزار ہو جانے یا نسبتِ احسانی (تصوف پسندی) کے معنی متکلم دشمنی یا علم کلام کی حذاقت کے معنی تصوف بیزاری کے نہیں بلکہ ان کے جامع مسلک کے تحت اس تعلیم گاہ کا فاضل درجہ بدرجہ بیک وقت محدث، فقیہ، مفسر، مفتی، متکلم، صوفی (محسن) اور حکیم و مربی ثابت ہوا، جس میں زہد وقناعت کے ساتھ عدم تقشّف، حیا وانکساری کے ساتھ عدم مداہنت، رأفت ورحمت کے ساتھ امر بالمعروف ونہی عن المنکر، قلبی یکسوئی کے ساتھ قومی خدمت اور خلوت درانجمن کے ملے جلے جذبات راسخ ہو گئے۔ ادھر علم وفن اور تمام ارباب علوم وفنون کے بارے میں اعتدال پسندی، حقوق شناسی اور ادائیگی حقوق کے جذبات ان میں بطور جوہر نفس پیوست ہو گئے۔ بنابریں دینی شعبوں کے تمام ارباب فضل وکمال اور راسخین فی العلم خواہ محدثین ہوں یا فقہاء، صوفیاء ہوں یا عرفاء، متکلمین ہوں یا اصولین، امراء اسلام ہوں یا خلفاء، ان کے نزدیک سب واجب الاحترام اور واجب العقیدت ہیں۔ جذباتی رنگ سے کسی طبقے کو بڑھانا اور کسی کو گرانا یا مدح وذم میں حدودِ شرعیہ سے بے پروا ہو جانا اس جماعت کا مسلک نہیں۔ اس جامع طریق سے دارالعلوم نے اپنی علمی خدمات سے شمال میں سائبیریا سے لے کر جنوب میں سماٹرا اور جاوا تک اور مشرق میں برما سے لے کر مغربی سمتوں میں عرب اور افریقہ تک علوم نبویہ کی روشنی پھیلا دی جس سے پاکیزہ اخلاق کی شاہراہیں صاف نظر آنے لگیں۔

دوسری طرف سیاسی اور ملکی خدمات سے بھی اس کے فضلاء نے کسی وقت بھی پہلو تہی نہیں کیا حتیٰ کہ ۱۸۰۳ء سے ۱۹۴۷ء تک اس جماعت کے افراد نے اپنے اپنے رنگ میں بڑی سے بڑی قربانیاں پیش کیں جو تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں، کسی وقت بھی ان بزرگوں کی سیاسی اور مجاہدانہ خدمات پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا، بالخصوص تیرہویں صدی ہجری کے نصف آخر میں مغلیہ حکومت کے زوال کی ساعتوں میں خصوصیت سے حضرت شیخ المشائخ مولانا حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کی سرپرستی میں ان کے ان دو مریدان خاص حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ اور ان کے منتسبین اور متوسلین کی مساعی انقلاب، جہادی اقدامات اور حریت واستقلال ملی کی فداکارانہ جد وجہد اور گرفتاریوں کے وارنٹ پر ان کی قید وبند وغیرہ وہ تاریخی حقائق ہیں جو نہ جھٹلائی جا سکتی ہیں نہ بھلائی جا سکتی ہیں۔ جو لوگ ان حالات پر محض اس لیے پردہ ڈالنا چاہتے ہیں کہ وہ خود اس راہ سرفروشی میں قبول نہیں کیے گئے تو اس سے خود ان ہی کی

نامقبولیت میں اضافہ ہوگا۔ اس بارے میں ہندوستان کی تاریخ سے باخبر حضرات اور ارباب تحقیق کے نزدیک ایسی تحریریں خواہ وہ کسی دیوبندی النسبت کی ہوں یا غیر دیوبندی کی جن سے ان بزرگوں کی ان جہادی خدمات کی نفی ہوتی ہونا قابل توجہ اور قطعاً ناقابل التفات ہیں، اگر حسن ظن سے کام لیا جائے تو ان تحریرات کی زیادہ سے زیادہ توجیہ صرف یہ کی جاسکتی ہے کہ ایسی تحریریں وقت کے مرعوب کن عوامل کے نتیجے میں محض ذاتی حد تک حزم و احتیاط کا مظاہرہ ہیں، ورنہ تاریخی اور واقعاتی شواہد کے پیش نظر نہ ان کی کوئی اہمیت ہے نہ وہ قابل التفات ہیں۔ ان خدمات کا سلسلہ مسلسل آگے تک بھی چلا اور انھیں متوارث جذبات کے ساتھ ان بزرگوں کے اخلاف رشید بھی سرفروشانہ انداز سے قومی اور ملی خدمات کے سلسلے میں آگے آتے رہے، خواہ وہ تحریک خلافت ہو یا استخلاص وطن کی جدوجہد، انھوں نے بروقت ان تمام انقلابی اقدامات میں اپنے منصب کے عین مطابق حصہ لیا۔

مختصر یہ کہ علم و اخلاق کی جامعیت اس جماعت کا طرۂ امتیاز رہا اور وسعت نظری، روشن ضمیری اور رواداری کے ساتھ دین وملت اور قوم و وطن کی خدمت اس کا مخصوص شعار، لیکن ان تمام شعبہ ہائے زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت اس جماعت میں علومِ نبوت کی تعلیم و تعلم کو حاصل رہی ہے، جب کہ یہ تمام شعبے علم ہی کی روشنی میں صحیح طریق پر بروئے کار آسکتے تھے اور اسی پہلو کو اس نے نمایاں رکھا اس لئے اس مسلک کی جامعیت کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ جامع علم و معرفت، جامع عقل و عشق، جامع عمل و اخلاق، جامع مجاہدہ و جہاد، جامع دیانت و سیاست، جامع روایت و درایت، جامع خلوت و جلوت، جامع عبادت و مدنیت، جامع حکم و حکمت، جامع ظاہر و باطن اور جامع حال و قال ہے۔

اس مسلک کو جو سلف و خلف کی نسبتوں سے حاصل شدہ ہے اگر اصطلاحی الفاظ میں لایا جائے تو اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دارالعلوم دیناً مسلم، فرقۃً اہل السنۃ والجماعۃ، مذہباً حنفی، مشرباً صوفی، کلاماً ماتریدی اشعری، سلوکاً چشتی بلکہ جامع السلاسل، فکراً ولی اللّٰہی، اصولاً قاسمی، فروعاً رشیدی اور نسبتاً دیوبندی ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا مسلک اعتدال سات اصولی بنیادوں پر قائم ہے جو مختصر تشریح کے ساتھ حسب ذیل ہیں:

(۱) علم شریعت:

اس میں اعتقادات، عبادات، معاملات، وغیرہ کی سب انواع داخل ہیں جن کا حاصل ایمان اور اسلام ہے، بشرطیکہ یہ علم سلف کے اقوال و تعامل کے دائرے میں محدود رہ کر ان مستند علمائے دین اور مربیان قلوب کی تعلیم و تربیت اور فیضان صحبت سے حاصل شدہ ہو، جن کے ظاہر و باطن، علم و عمل اور فہم و ذوق کا

سلسلہ سند متصل کے ساتھ حضرت صاحبِ شریعت علیہ افضل الصلوات والتحیات تک مسلسل پہنچا ہوا ہو، خود رائی یا محض کتب بینی اور قوت مطالعہ یا محض عقلی تگ وتاز اور ذہنی کاوش کا نتیجہ نہ ہو، گو وہ عقلی پیرایۂ بیان اور استدلالی حجت و برہان سے خالی بھی نہ ہو کہ اس علم کے بغیر حق و ناحق، حلال وحرام، جائز و ناجائز، سنت و بدعت اور مکروہ ومندوب میں امتیاز ممکن نہیں اور نہ ہی اس کے بغیر دین میں خود رو تخیلات، فلسفیانہ نظریات اور بے جا توہمات سے نجات ممکن ہے۔

(۲) پیرویٔ طریقت:

یعنی محققین صوفیہ کے سلاسل اور اصول مجربہ کے تحت (جو کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں) تہذیب اخلاق، تزکیۂ نفس اور سلوک باطن کی تکمیل، کہ اس کے بغیر اعتدالِ اخلاق، استقامتِ ذوق ووجدان، باطنی بصیرت، ذہنی پاکیزگی اور مشاہدۂ حقیقت ممکن نہیں، ظاہر ہے کہ یہ شعبہ اسلام وایمان کے ساتھ احسان سے متعلق ہے۔

(۳) اتباعِ سنت:

یعنی زندگی کے ہر شعبہ میں سنت نبویؐ کی پیروی اور ہر حال وقال اور ہر کیفیت ظاہر و باطن میں ادبِ شریعت برقرار رکھ کر سنت مستمرہ کا غلبہ، کہ اس کے بغیر رسوم جہالت، رواجی بدعات ومنکرات اور باوجود احوال باطن کے فقدان کے محض رسمی طور پر اہل حال کے وجدی شطحیات وکلمات کی نقالی یا انھیں شریعت کے متوازی ایک مستقل قانون عام کی صورت دیے دیئے جانے کی بلا سے نجات ممکن نہیں۔

(۴) فقہی حنفیت:

اسلامی فرعیات اور اجتہادیات کا نام فقہ ہے، اور اکابر دارالعلوم چونکہ عامۃً حنفی ہیں اس لیے فقہی حنفیت کے معنی اجتہادی فرعیات میں فقہ حنفی کا اتباع اور مسائل وفتاویٰ کی تخریج میں اسی اصول تفقہ کی پیروی کے ہیں کہ اس کے بغیر استنباطی مسائل میں ہوائے نفس سے بچاؤ اور تلفیق کے راستے سے مختلف فقہوں میں تلون کے ساتھ دائر سائر رہ کر عوام کی حسب خواہش، نفس مسائل میں قطع و برید یا ہنگامی حالات کی مرعوبیت سے ذہنی قیاس آرائی اور لاعلمی کے ساتھ مسائل میں جاہلانہ تصرفات اور اختراعات سے اجتناب ممکن نہیں، ظاہر ہے کہ یہ شعبہ اسلام سے متعلق ہے۔

(۵) کلامی ماتریدیت:

یعنی اعتقادات میں فکر صحیح کے ساتھ طریق اہل سنت والجماعت اور اشاعرۂ و ماتریدیہ کے تنقیح کردہ مفہومات اور مرتب کردہ اصول وقواعد پر عقائد حقہ کا استحکام اور قوت یقین کی برقراری، کہ اس کے بغیر زائغین کی شک اندازیوں اور فرق باطلہ کے قیاسی اختراعات اور اوہام وشبہات سے بچاؤ ممکن نہیں۔ظاہر ہے کہ یہ شعبہ ایمان سے متعلق ہے۔

(٦) دفاع زیغ وضلالت:

یعنی متعصب گروہ بندوں اور ارباب زیغ کے اٹھائے ہوئے فتنوں کی مدافعت،مگر وقت کی زبان و بیان میں اور ماحول کی نفسیات کے شعور کے ساتھ وقت ہی کے مانوس وسائل کے ذریعہ جس سے اتمامِ حجت ہو۔نیز مجاہدانہ روح کے ساتھ ان کے استیصال کی مساعی کہ اس کے بغیر ازالۂ منکرات اور معاندین کی دست برد سے شریعت کا تحفظ ممکن نہیں، اس میں ردِّ شرک و بدعت، ردِّ الحاد و دہریت، اصلاحِ رسومِ جاہلیت اور حسبِ ضرورت تحریری یا تقریری مناظرے،اور تغییر منکرات سب شامل ہیں،ظاہر ہے کہ یہ شعبہ اعلاء کلمۃ اللہ بفحوائے ''لتکون کلمۃ اللّٰہ ھی العلیا ''اور اظہار دین بفحوائے ''لیظھرہ علی الدین کلہ''اور عام نظمِ ملت سے متعلق ہے۔

(۷) ذوقِ قاسمیت ورشیدیت:

پھر یہی پورا مسلک اپنی مجموعی شان سے جب دارالعلوم دیوبند کے مربیانِ اول اور نبض شناسانِ امت حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی رحمہما اللہ کے روح وقلب سے گزر کر نمایاں ہوا تو اس نے وقت کے تقاضوں کو اپنے اندر سمیٹ کر ایک خاص ذوق اور خاص رنگ کی صورت اختیار کر لی جسے مشرب کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، چنانچہ دستورِ اساسی دارالعلوم دیوبند منظور شدہ شعبان ۱۳۶۸ھ میں اس حقیقت کو بایں الفاظ کہا گیا ہے کہ ''دارالعلوم دیوبند کا مسلک اہل السنۃ والجماعۃ حنفی مذہب اور اس کے مقدس بانیوں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہما کے مشرب کے موافق ہوگا''۔(دستورِ اساسی ص:٦)

اس لیے مسلکِ دارالعلوم دیوبند کے اجزاء ترکیبی میں یہ جز ایک اہم عنصر ہے جس پر دارالعلوم کی تعلیم و تربیت کا کارخانہ چل رہا ہے، جو احسان کے تحت آتا ہے جب کہ اس کا تعلق روحانی تربیت سے ہے، پس علم

شریعت، پیرویٔ طریقت، اتباعِ سنت، فقہی حنفیت، کلامی ماتریدیت، دفاعِ ضلالت اور ذوقِ قاسمیت و رشیدیت اس مسلک اعتدال کے عناصر ترکیبی ہیں، جو "سبع سنابل فی کل سنبلة مأة حبة" کا مصداق ہیں، ان سبعِ سنابل کو اگر شرعی زبان میں ادا کیا جائے تو ایمان، اسلام، احسان اور اظہارِ دین سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ ہر نمبر میں اسکی طرف اشارہ بھی کردیا گیا ہے۔ اگر کہا جائے کہ ان ہی دفعاتِ سبعہ کا مجموعہ بہ تفصیلات بالا دارالعلوم دیوبند کا مسلک حدیث جبریل ہے تو بے محل نہ ہوگا۔

پھر ان تمام بنیادی عناصر کی بنیاد و اساس کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ، اجماعِ امت اور قیاس مجتہد ہے، جن میں سے پہلی دو حجتیں تشریعی ہیں جن سے شریعت بنتی ہے اور آخر کی دو حجتیں تفریعی ہیں جن سے شریعت کھلتی ہے، پہلی دو حجتیں منصوصات کا خزانہ ہیں جو روایتی ہیں، جن کے لیے سند و روایت ناگزیر ہے اور دوسری دو حجتیں درایتی ہیں جن کے لیے تربیت یافتہ عقل وفہم اور تقویٰ شعار ذہن وذوق ناگزیر ہے، اس لیے یہ مسلک اعتدال نقلی بھی ہے اور عقلی بھی، روایتی بھی ہے اور درایتی بھی، مگر اس طرح کہ نہ عقل سے خارج ہے نہ عقل پر مبنی، بلکہ عقل ونقل کی متوازن آمیزش سے بایں انداز برپا شدہ ہے کہ نقل اور وحی اس میں اصل ہے اور عقل اس کی ہمہ وقتی خادم اور کارپرداز ہے۔

اس لیے علمائے دیوبند کا یہ مسلک نہ تو عقل پرست معتزلہ کا مسلک ہے جس میں عقل کو نقل پر حاکم اور متصرف مان کر عقل کو اصل اور وحی یا اس کے مفہوم کو عقل کے تابع کردیا گیا ہے؛ جس سے دین فلسفۂ محض بن کر رہ جاتا ہے، عوام کے لیے زندقہ کی راہیں ہموار ہوجاتی ہیں اور ساتھ ہی سادہ مزاج عقیدت مندوں کا کوئی رابطہ دین سے قائم نہیں رہتا، اور نہ یہ مسلک ظاہریہ کا مسلک ہے، جس میں الفاظ وحی پر جمود کر کے عقل و درایت کو معطل کردیا گیا ہے، اور دین کے باطنی علل واسرار اور اندرونی حِکم ومصالح کو خیرباد کہہ کر اجتہاد اور استنباط کی ساری راہیں مسدود کردی گئی ہیں، جس سے دین ایک بے حقیقت بلکہ بے معنویت غیر معقول اور جامد شے بن کر رہ جاتا ہے اور دانش پسند اور حکمت دوست افراد کا اس سے کوئی علاقہ باقی نہیں رہتا، تو ایک مسلک میں عقل ہی عقل رہ جاتی ہے اور ایک مسلک میں عقل معطل اور بے کار؛ ظاہر ہے کہ یہ دونوں جہتیں افراط وتفریط اور "وکان امرہ فرطا" کی راہیں ہیں جن سے یہ متوسط اور جامع ومعتدل دین بری ہے۔ اس لیے دین کا جامع عقل ونقل مسلک یہی ہے اور یہی ہو بھی سکتا ہے کہ تمام اصول وفروع میں عقل سلیم نقل صحیح کے ساتھ ہمہ وقت وابستہ رہے مگر دین کے ایک مطیع وفرمانبردار خادم اور پیش کار کی طرح کہ اس کی ہر ایک کلی وجزئی کے لیے عقلی براہین، معقول دلائل اور حسی شواہد نظائر فراہم کرتی رہے جس سے دین، امت کے ہر طبقہ کے لیے قابل قبول اور ہمہ جہتی دستورِ حیات ثابت ہو اور یہ امت "وجعلنا کم امة

وسطا‘‘ کی صحیح مصداق دکھائی دے، یہی مسلک اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک کہلاتا ہے اور علمائے دیو بند اس مسلک کے نقیب اور علم بردار ہیں، اسی لیے وہ اس مسلکِ جامع اور ان تمام دینی علوم کے اجتماع سے بیک وقت مفسر بھی ہیں اور محدث بھی، فقیہ بھی ہیں اور متکلم بھی، صوفی بھی ہیں اور مجاہد و مفکر بھی اور پھر ان تمام علوم کے امتزاج سے ان کا مزاج معتدل بھی اور متوسط بھی، یہی وجہ کہ ان کے جماعتی مزاج میں نہ غلو ہے نہ مبالغہ، اور اس وسعت نظری کی بدولت نہ تکفیر بازی ہے نہ دشنام طرازی، نہ کسی کے حق میں سب وشتم ہے نہ بدگوئی، نہ عناد وحسد اور طیش ہے اور نہ غلبۂ جاہ و مال اور افراطِ عیش، بلکہ صرف بیانِ مسئلہ ہے اور اصلاحِ امت یا احقاقِ حق ہے اور ابطالِ باطل، جس میں نہ شخصیات کی تحقیر اور بدگوئی کا دخل ہے، نہ مغرورانہ طعن و استہزاء کا، ان ہی اوصاف واحوال کے مجموعہ کا نام دارالعلوم دیو بند ہے، اور اسی علمی وعملی ہمہ گیری سے اس کا دائرۂ اثر دنیا کے تمام ممالک تک پھیلا ہوا ہے۔

مآخذومراجع:

علمائے دیو بند کا دینی رخ اور ان کا مسلکی مزاج: حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ

دارالعلوم دیو بند: بنیادی اصول ومسلک: حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ

تاریخ دارالعلوم دیو بند، جلد اول، سید محبوب رضوی صاحب

دارالعلوم دیوبند کا فکری منہج

محدثین دہلی اوران کے چشمۂ علم وعرفان سے سیراب دارالعلوم اور علمائے دیوبند اپنے مسلک اور دینی رخ کے اعتبار سے کلیتًا اہل سنت والجماعت ہیں پھر وہ خودرَو قسم کے اہل سنت نہیں بلکہ اوپر سے ان کا سندی سلسلہ جڑا ہوا ہے؛اس لیے مسلک کے اعتبار سے وہ نہ کوئی جدید فرقہ ہیں نہ بعد کی پیداوار ہیں بلکہ وہی قدیم اہل سنت والجماعت کا مسلسل سلسلہ ہے جواوپر سے سند متصل اور استمرار کے ساتھ کابراً عن کابرٍ چلا آ رہا ہے۔

علمائے دارالعلوم دیوبند کے اس جامع ،افراط وتفریط سے پاک مسلک معتدل کو سمجھنے کے لیے خود لفظ اہل سنت والجماعت میں غور کرنا چاہیے جو دواجزاء سے مرکب ہے: ایک ''السنۃ'' جس سے اصول، قانون، اور طریق نمایاں ہیں اور دوسرا ''الجماعۃ'' جس سے شخصیات اور رفقائے طریق نمایاں ہیں۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے اس ترکیبی کلمہ سے یہ بات پورے طور پر واضح ہوتی ہے کہ اس مسلک میں اصول وقوانین بغیر شخصیات کے اور شخصیات بغیر قوانین کے معتبر نہیں کیوں کہ قوانین ان شخصیات ہی کے راستے سے آتے ہیں؛اس لیے ماخوذ کولیا جانا اور ماخذ کو چھوڑ دینا کوئی معقول مسلک نہیں ہوسکتا۔

حدیث " ما أنا عليه و أصحابي " میں بہتر فرقوں میں سے فرقۂ ناجیہ کی نشاندہی فرماتے ہوئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے معیارِ حق ان ہی دو چیزوں کو قرار دیا ''ما انا '' سے اشارہ سنت یعنی طریق نبوی یا قانون دین کی طرف ہے اور ''واصحابی '' سے اشارہ الجماعۃ یعنی برگزیدہ شخصیات کی طرف ہے بلکہ مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں اصحابی کے بجائے الجماعۃ کا صریح لفظ موجود ہے۔

اس لیے تمام صحابہ، تابعین،فقہائے مجتہدین، ائمہ محدثین اور علمائے راسخین کی عظمت ومحبت ادب و احترام اور اتباع و پیروی اس مسلک کا جوہر ہے؛ کیوں کہ ساری دینی برگزیدہ شخصیتیں ذات نبوی سے انتساب کے بدولت ہی وجود میں آتی ہیں۔ پھر مختلف علوم دینیہ میں حذاقت ومہارت اور خداداد فراست و بصیرت کے لحاظ سے ہر شعبۂ علم میں ائمہ اور اولوالامر پیدا ہوئے اور امام ومجتہد کے نام سے انھیں یاد کیا گیا۔ مثلاً ائمہ اجتہاد میں امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل وغیرہ، ائمہ حدیث میں امام

بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی وغیرہ، ائمہ درایت وتفقہ میں امام ابویوسف، امام محمد بن حسن، امام خلال، امام مزنی، امام ابن رجب وغیرہ۔ ائمہ احسان واخلاص میں اویس قرنی، فضیل بن عیاض وغیرہ، ائمہ حکمت وحقائق میں امام رازی، امام غزالی وغیرہ، ائمہ کلام میں ابوالحسن اشعری، ابومنصور ماتریدی وغیرہ نیز اس قسم کی دین کی اور بھی برگزیدہ شخصیتیں ہیں جن کی درجہ بدرجہ توقیر وعظمت مسلک دارالعلوم دیوبند میں شامل ہے۔

پھران تمام دینی شعبوں کے اصول وقوانین کا خلاصہ دو ہی چیزیں ہیں: ''عقیدہ وعمل'' عقیدے میں تمام عقائد کی اساس وبنیاد عقیدۂ توحید ہے اور عمل میں سارے اعمال کی بنیاد اتباع سنت ہے۔

توحید

مسلک دارالعلوم دیوبند میں عقیدۂ توحید پر بطور خاص زور دیا جاتا ہے تاکہ اس کے ساتھ شرک یا موجبات شرک جمع نہ ہوں اور کسی بھی غیر اللہ کی اس میں شرکت نہ ہو۔ ساتھ ہی تعظیم اہل اللہ اور ارباب فضل وکمال کی توقیر کو عقیدۂ توحید کے منافی سمجھنا مسلک کا کوئی عنصر نہیں۔

خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ

علمائے دارالعلوم دیوبند کا یہ ایمان ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل البشر وافضل الانبیاء ہیں، مگر ساتھ ہی آپ کی بشریت کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں۔ وہ آپ کے علو درجات کو ثابت کرنے کے لیے حدود عبدیت کو توڑ کر حدود معبودیت میں پہنچا دینے سے کلی احتراز کرتے ہیں۔ وہ آپ کی اطاعت کو فرض عین سمجھتے ہیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کو جائز نہیں سمجھتے۔

علمائے دارالعلوم دیوبند برزخ میں آپ ﷺ کی حیات جسمانی کے قائل ہیں مگر وہاں معاشرت دنیوی کو نہیں مانتے۔ وہ آپ کے علم عظیم کو ساری کائنات کے علم سے بدرجہا زیادہ مانتے ہیں پھر بھی اس کے ذاتی و محیط ہونے کے قائل نہیں ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

علمائے دارالعلوم دیوبند تمام صحابہ کی عظمت کے قائل ہیں؛ البتہ ان میں باہم فرق مراتب ہے تو

عظمت مراتب میں بھی فرق ہے، لیکن نفس صحابیت میں کوئی فرق نہیں اس لیے محبت وعقیدت میں بھی فرق نہیں پڑسکتا پس ''الصحابة كلهم عدول '' اس مسلک کا سنگ بنیاد ہے۔ صحابہ بحیثیت قرن خیر من حیث الطبقۃ ہیں اور پوری امت کے لیے معیار حق ہیں۔ علمائے دیوبند انھیں غیر معصوم ماننے کے باوجود ان کی شان میں بدگمانی اور بدزبانی کو جائز نہیں سمجھتے اور صحابہ کے بارے میں اس قسم کا رویہ رکھنے والے کو حق سے منحرف سمجھتے ہیں۔

علمائے دیوبند کے نزدیک ان کے باہمی مشاجرات میں خطا وصواب کا تقابل ہے حق وباطل اور طاعت ومعصیت کا نہیں؛ اس لیے ان میں سے کسی فریق کو تنقید وتنقیص کا ہدف بنانے کو جائز نہیں سمجھتے۔

صلحائے امت

علمائے دارالعلوم دیوبند تمام صلحائے امت واولیاء اللہ کی محبت وعظمت کو ضروری سمجھتے ہیں لیکن اس محبت وتعظیم کا یہ معنی قطعاً نہیں لیتے کہ انھیں یا ان کی قبروں کو سجدہ وطواف اور نذر وقربانی کا محل بنالیا جائے۔

وہ اہل قبور سے فیض کے قائل ہیں استمداد کے نہیں۔ حاضری قبور کے قائل ہیں مگر انھیں عید گاہ بنانے کو روا نہیں سمجھتے، وہ ایصال ثواب کو مستحسن اور اموات کا حق سمجھتے ہیں مگر اس کی نمائشی صورتیں بنانے کے قائل نہیں۔

وہ تہذیب اخلاق، تزکیۂ نفس اور عبادت میں قوتِ احسان پیدا کرنے کے لیے اہل اللہ کی بیعت و صحبت کو حق اور طریق احسانی کے اصول وہدایات کو تجربۃً مفید اور عوام کے حق میں ایک حد تک ضروری سمجھتے ہیں اور اسے شریعت سے الگ کوئی مستقل راہ نہیں سمجھتے بلکہ شریعت ہی کا باطنی واخلاقی حصہ مانتے ہیں۔

فقہ اور فقہاء

جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا کہ علمائے دیوبند احکام شرعیہ فروعیہ اجتہادیہ میں فقہ حنفی کے مطابق عمل کرتے ہیں بلکہ برصغیر میں آباد مسلمانوں میں کم وبیش نوے فیصد سے زائد اہل السنۃ والجماعۃ کا یہی مسلک ہے؛ لیکن اپنے اس مذہب ومسلک کو آڑ بنا کر دوسرے فقہی مذاہب کو باطل ٹھہرانے یا ائمہ مذاہب پر زبانِ طعن دراز کرنے کو جائز نہیں سمجھتے کیوں کہ یہ حق وباطل کا مقابلہ نہیں ہے بلکہ صواب وخطا کا تقابل ہے۔ مسائل فروعیہ اجتہادیہ میں ائمہ اجتہاد کی تحقیقات میں اختلاف کا ہوجانا ایک ناگزیر حقیقت ہے۔ اور شریعت کی نظر میں یہ اختلاف صحیح معنوں میں اختلاف ہے ہی نہیں۔ قرآن حکیم ناطق ہے: شَرَعَ لَكُمْ مِنَ

الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوحاً وَالَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بہ اِبْرَاہِیْمَ وَمُوسٰی وَعِیسٰی أَنْ اَقِیمُوا الدِّیْنَ وَلاَ تَتَفَرَّقُوْا فِیْہ۔(سورۃ الشوریٰ)

ظاہر ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور تک شریعتوں اور منہاج کا کھلا ہوا اختلاف رہا پھر بھی قرآن حکیم ان کو ایک ہی دین قرار دے رہا ہے اور شریعتوں کے باہمی فروعی اختلاف کو وحدتِ دین کے معارض نہیں سمجھتا۔ اگر یہ فروعی تنوع بھی افتراق واختلاف کی حد میں آسکتے تو پھر ''وَلاَ تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ'' کا خطاب کیوں کر درست ہوتا؟

لہٰذا جس طرح شرائع سماویہ فروعی اختلاف کے باوجود ایک ہی دین کہلائیں اور ان کے ماننے والے سب ایک ہی رشتہ اتحاد واخوت میں منسلک رہے۔ تحزب وتعصب کی کوئی شان ان میں پیدا نہیں ہوئی؛ اسی لیے وہ ''وَکَانُوْا شِیَعاً'' کی حد میں نہیں آئے۔ ٹھیک اسی طرح ایک دین حنیف کے اندر فروعی اختلافات اس کی شان اجتماعیت ووحدت میں خلل انداز نہیں ہو سکتے۔

مواقع اجتہاد میں اہل اجتہاد کا اجتہاد بھی دین کا مقرر کردہ اصول ہے۔ اسے دین میں اختلاف کیسے کہا جاسکتا ہے۔ رہا جماعتِ مجتہدین میں سے کسی ایک کی پیروی وتقلید کو خاص کر لینا تو دین کے بارے میں آزادیِ نفس سے بچنے اور خود رائی سے دور رہنے کے لیے امت کے سواد اعظم کا طریق مختار یہی ہے، جس کی افادیت وضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ باب تقلید میں علمائے دیوبند کا یہی طرز عمل ہے۔ وہ کسی بھی امام، مجتہد یا اس کے فقہ کی کسی جزئی کے بارے میں تمسخر، سوئے ادب یا رنگ ابطال وتردید سے پیش آنے کو خسران دنیا وآخرت سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک یہ اجتہادات شرائع فرعیہ ہیں اصلیہ نہیں کہ اپنے فقہ کو موضوع بنا کر دوسروں کی تردید یا تفسیق وتضلیل کریں؛ البتہ اپنے اختیار کردہ فقہ پر ترجیح کی حد تک مطمئن رہیں۔

مذکورہ بالا امور میں علمائے دیوبند کا یہ طرز عمل اور مسلک ان کی مؤلفات (شروح حدیث، تفسیر، فقہ وکلام وغیرہ) میں پوری تفصیل کے ساتھ مندرج ہیں، جنھیں دیکھ کر خود فیصلہ کیا جاسکتا ہے اس مختصر تحریر میں ان ساری تفصیلات کے اعادہ کی گنجائش نہیں۔

فقہ میں سنت کی راہیں

برصغیر میں کم وبیش نوے فی صد مسلمان فقہ حنفی پر عامل ہیں۔ فقہ حنفی امام ابوحنیفہؒ کے اجتہادات، ان کے تلامذہ کے استخراجات اور اصحاب ترجیح کے فیصلوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قدر بحث و

تحقیق اور کانٹ چھانٹ کے بعد فقہ کا کوئی مسئلہ اصولِ شریعت کے خلاف باقی نہیں رہ سکتا۔ مگر اس طریق عمل میں ایک پہلو یہ بھی تھا کہ عمل کرنے والے کی نظر ائمہ وفقہاء کی تخریجات تک محدود رہتی، گو وہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کے طریق سے متجاوز نہ ہوتا؛ مگر عمل کرنے والے کا شعور اتباع سنت کی لذت پوری طرح محسوس نہیں کرسکتا تھا۔ دارالعلوم دیوبند کا یہ عظیم تاریخی کارنامہ ہے کہ اس نے اعمال و عبادات کو ان کے بنیادی مصادر کی طرف لوٹایا۔ احادیث کے دفاتر کھلے، رجال کی گہری نظر سے پڑتال ہوئی، معانی حدیث میں بحث کی گئی، گو ان حضرات کو اس علمی و تحقیقی کاوش سے فقہ کا کوئی مفتی بہ قول اصول شریعت سے معارض نہ ملا تاہم اس راہ تحقیق نے (جو ظاہریت کی تفریط اور اہل بدعت کی افراط سے پاک سلف صالحین کے مقرر کردہ منہاج پر مبنی ہے) ایسی فضا پیدا کردی کہ پہلے جن مسائل پر فقہ سمجھ کر عمل کیا جاتا تھا اب وہی مسائل سنت کی خنک روشنی دینے لگے اور ان اعمال میں اتباع حدیث کی وہ لذت محسوس ہونے لگی جو اس فکری تبدیلی کے بغیر ممکن نہیں تھی۔

علمائے دارالعلوم کا فکری اعتدال

علمائے دیوبند دین کے سمجھنے سمجھانے میں نہ تو اس طریق کے قائل ہیں جو ماضی سے یکسر کٹا ہو کیوں کہ وہ مسلسل رشتہ نہیں ایک نئی راہ ہے۔ اور نہ وہ اس افراط کے قائل ہیں کہ رسم و رواج اور تقلیدِ آباء کے تحت ہر بدعت، اسلام میں داخل کردی جائے۔ جن اعمال میں تسلسل نہ ہو اور وہ تسلسل خیر القرون سے مسلسل نہ ہو وہ اعمال اسلام نہیں ہوسکتے۔ یہ حضرات اس تقلید کے پوری طرح قائل ہیں جو قرآن وحدیث کے سرچشمہ سے فقہ اسلام کے نام سے چلتی آئی ہے۔ قرآن کریم تقلید آباء کی صرف اس وجہ سے مذمت کرتا ہے کہ وہ آباء عقل واہتداء کے نور سے عاری تھے: ''أَوَلَو كَانَ آبَاءُهُم لا يَعْقِلُون شيئاً وَلَا يَهتَدُون''۔ ائمۂ سلف اور فقہائے اسلام جو علم وہدایت کے نور سے منور تھے ان کی پیروی نہ صرف یہ کہ مذموم نہیں بلکہ مطلوب ہے ہمیں تعلیم دی گئی ہے کہ صرف حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ہی کی نہیں، صدیقین، شہداء اور صالحین کی راہ پر چلنے چلانے کی ہر نماز میں اللہ سے درخواست کریں؛ کیوں کہ یہی صراط مستقیم ہے۔ ''اِهدِنا الصِّراطَ المُستَقِيم صِراطَ الَّذِينَ أَنْعمتَ عَلَيهِمْ''۔ اس منہج اعتدال کی بنا پر علمائے دیوبند مذہبی بے قیدی اور خود رائی سے محفوظ ہیں اور شرک وبدعت کے اندھیرے انھیں اپنے جال میں نہ کھینچ سکے۔

علمائے دیوبند نے نہ صرف برصغیر کے مسلمانوں ہی کو سنت کا شعور بخشا بلکہ دیگر بلاد اسلامیہ مصر وشام وغیرہ بھی ان کے اس فکر سے متاثر ہوئے۔ دیوبندی مکتبۂ فکر کا نصوص فہمی میں منہج مختار یہی ہے۔ علمائے

دیوبند کی تالیفات مثلاً فیض الباری شرح بخاری، لامع الدراری شرح بخاری، فتح الملہم شرح صحیح مسلم، الکوکب الدری شرح جامع ترمذی، معارف السنن شرح جامع ترمذی، بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد، اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک، امانی الاحبار شرح معانی الآثار للطحاوی، اعلاء السنن، ترجمان السنۃ، معارف الحدیث وغیرہ میں اس منہج مختار کو دیکھا جاسکتا ہے۔

مآخذ و مراجع:

علمائے دیوبند کا دینی رخ اوران کا مسلکی مزاج: حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ
دارالعلوم دیوبند: بنیادی اصول ومسلک: حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ
مقالات حبیب، جلد اول: حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی اعظمی

دارالعلوم دیو بند کا سلسلۂ سند و استناد

برصغیر میں جب مسلمانوں کے کاروان شوکت پر برطانوی سامراج نے شب خوں مارا، تو حکیم مطلق جل شانہ نے اسلامی تعلیمات واحکام اور تہذیب وثقافت کو بچانے کے لیے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کی اولاد واحفاد کو آگے کر دیا، ان بزرگوں کے سامنے دو منزلیں تھیں: ایک یہ کہ مسلمانوں کی لٹی شوکت کیسے واپس لی جائے۔ دوسرے یہ کہ سیاسی تنزل کے اس دور میں اسلامی علوم واحکام کی گرتی دیوار کو کس طرح سہارا دیا جائے۔ پہلی منزل تک پہنچنے کے لیے محدث دہلویؒ نے معاشی انقلاب، صحابہ سے انتساب اور قوم کو جہد و جہاد کی راہ دکھائی، ان تینوں امور کو واضح کرنے کی غرض سے حجۃ اللہ البالغہ، مصفّٰی ومسویٰ اور ازالۃ الخفاء جیسی بلند پایہ کتابیں لکھیں اور ان کے پوتے شاہ اسمٰعیل دہلویؒ نے حضرت سید احمد شہید دہلویؒ اور حضرت شاہ عبدالحئی بڈھانوی کے ساتھ عملاً جہاد میں شرکت کی۔

دوسری منزل تک پہنچنے کے لیے ان محدثین دہلی نے قرآن وحدیث کے درس اور اسلامی علوم وفنون کی اشاعت سے اسلامی اعمال واخلاق کی متزلزل دیوار کو سہارا دیا؛ چناں چہ عین اس وقت میں جب کہ سید احمد شہید اپنے جاں باز رفقاء کے ساتھ میدان کارزار میں دادِ شجاعت دے رہے تھے، حضرت شاہ عبدالعزیز کے نواسے اور تلمیذ وجانشین دہلی کی مسندِ تدریس پر قال اللہ وقال الرسول کا غلغلہ بلند کیے ہوئے تھے۔ دارالعلوم دیو بند اسی علم وفکر کا وارث اور محدثین دہلی کے اسی خاندان سے وابستہ ہے اور آج برصغیر ہند وپاک اور بنگلہ دیش میں اہل سنت والجماعت کا مرکز ثقل یہی دارالعلوم اور اس سے وابستہ علمائے دیو بند ہیں۔

مسلک دیو بند درحقیقت فکر وعمل کے اس طریقے کا نام تھا جو دارالعلوم دیو بند کے بانیوں اور اس کے مستند اکابر نے اپنے مشائخ سے سند متصل کے ساتھ حاصل کیا تھا۔ جس کا سلسلہ حضرات صحابہؓ وتابعینؒ سے ہوتا ہوا سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے جڑا ہوا ہے۔ یہ فکر واعتقاد کا ایک مستند طرز تھا، یہ اعمال واخلاق کا ایک مثالی نظام تھا۔ یہ ایک معتدل مزاج ومذاق تھا جو صرف کتاب پڑھنے یا سند حاصل کرنے سے نہیں بلکہ اس مزاج میں رنگے ہوئے حضرات کی صحبت سے ٹھیک اسی طرح حاصل ہو سکتا ہے جس طرح صحابۂ کرام نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے، تابعینؒ نے حضرات صحابہؓ سے اور ان کے مستند شاگردوں

نے تابعینؒ سے حاصل کیا تھا۔

دارالعلوم کا سلسلۂ سند

دارالعلوم دیوبند کا سلسلۂ سند مسندِ ہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے گزرتا ہوا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے دارالعلوم اور جماعت دیوبندی کے مورثِ اعلیٰ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ ہی ہیں جن کے علمی وفکری منہاج وطریق پر منتسبین دارالعلوم اور بالفاظ واضح دیوبندی مکتب فکر کی تشکیل ہوئی ہے۔اس لیے بحمد اللہ دیوبندی مکتب فکر کوئی نو پید جماعت نہیں بلکہ علمی، دینی اور سیاسی احکام وامور میں علمائے دیوبند مسند ہند شاہ ولی اللہ کے توسط سے سلف صالحین سے پوری طرح مربوط ہیں۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ نے ولی اللہی سلسلہ کے تلمذ سے اس رنگ کو نہ صرف اپنایا جو انھیں ولی اللہی خاندان سے ورثہ میں ملا تھا بلکہ مزید تنور کے ساتھ اس کے نقش ونگار میں اور رنگ بھرا۔ وہی منقولات جو حکمت ولی اللہی میں معقولات کے لباس میں جلوہ گر تھے، حکمت قاسمیہ میں محسوسات کے لباس میں جلوہ گر ہوگئے۔ پھر آپ کے سہل ممتنع انداز بیان نے دین کی انتہائی گہری حقیقتوں کو جو بلاشبہ علم لدنی کے خزانہ سے ان پر بالہام غیب منکشف ہوئیں، استدلالی اور لمیاتی رنگ میں آج کی خوگر محسوس یا حس پرست دنیا کے سامنے پیش کردیا۔اور ساتھ ہی اس خاص مکتب فکر کو جو ایک خاص طبقہ کا سرمایہ اور خاص حلقہ تک محدود تھا، دارالعلوم دیوبند جیسے ہمہ گیر ادارہ کے ذریعہ ساری اسلامی دنیا میں پھیلا دیا۔اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ ولی اللہی مکتب فکر کے تحت دیوبندیت درحقیقت ’قاسمیت‘ یا قاسمی طرز فکر کا نام ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کے انتقال کے بعد اس دارالعلوم کے سرپرست قطب ارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ نے قاسمی طرز فکر کے ساتھ دارالعلوم کی تعلیمات میں فقہی رنگ بھرا، جس سے اصول پسندی کے ساتھ فروع فقہیہ اور جزئیاتی تربیت کا قوام بھی پیدا ہوا۔اور اس طرح فقہ اور فقہاء کے سرمایہ کا بھی اس میراث میں اضافہ ہوگیا۔ان دونوں بزرگوں کے بعد دارالعلوم کے اولین صدر مدرس جامع العلوم اور شاہ عبدالعزیز ثانی حضرت مولانا محمد یعقوب قدس سرہ نے دارالعلوم کی تعلیمات میں عاشقانہ اور والہانہ جذبات کا رنگ بھرا، جس سے صہبائے دیانت دوآتشہ ہوگئی۔

پھر دارالعلوم دیوبند کے سرپرست ثالث اور حضرت نانوتویؒ کے تلمیذ خاص حضرت مولانا محمود حسن قدس سرہ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند ان تمام علوم و فیوض کے محافظ ہوئے۔انھوں نے چالیس سال دارالعلوم کی صدارت تدریس کی مسند سے علوم وفنون کو تمام منطقہائے اسلامی میں پھیلایا اور ہزارہا تشنگان

علوم ان کے دریائے علم سے سیراب ہوکر اطراف عالم میں پھیل گئے۔

اکابر دارالعلوم کا سلسلۂ سند حدیث

تمام اکابرین دارالعلوم دیوبند کا سند حدیث کا سلسلہ خاندان ولی اللہی سے جڑا ہوا ہے۔ اکابرین دارالعلوم دیوبند کے استاذ شاہ عبدالغنی المجددی رحمہ اللہ ہیں۔جس کے بعد کی ترتیب اس طرح ہے: الشاہ عبدالغنی المجددی عن الشاہ محمد اسحاق الدہلوی عن الشاہ عبدالعزیز المحدث الدہلوی عن مسند الہند الشاہ ولی اللہ المحدث الدہلوی رحمہم اللہ تعالی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے اوپر کا سلسلہ تمام مشہور و متداول کتب حدیث کے مصنفین کرام تک پہنچتا ہے اور پھر وہاں سے سند متصل کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک جاملتا ہے۔

مثال کے طور پر بخاری کا سلسلۂ سند اس طرح ہے:

(۱) الشاہ ولی اللہ المحدث الدہلویؒ (۲) الشیخ ابوطاہر المدنیؒ (۳) الشیخ ابراہیم الکردیؒ (۴) الشیخ احمد القشاشیؒ (۵) الشیخ احمد بن عبدالقدوس الشناویؒ (۶) الشیخ شمس الدین محمد بن الرملیؒ (۷) شیخ الاسلام زکریا بن محمد الانصاریؒ (۸) الشیخ احمد بن حجر العسقلانیؒ (۹) الشیخ ابراہیم بن احمد التنوخیؒ (۱۰) الشیخ احمد بن ابی طالب الحجارؒ (۱۱) الشیخ حسین بن مبارک الزبیدیؒ (۱۲) الشیخ عبدالاول بن عیسی الہرویؒ (۱۳) الشیخ عبد الرحمٰن بن مظفر الداؤدیؒ (۱۴) الشیخ عبداللہ بن احمد السرخسیؒ (۱۵) الشیخ محمد بن یوسف الفربریؒ (۱۶) الشیخ محمد بن اسماعیل البخاری (رحمہم اللہ)

اکابر دارالعلوم کا سلسلۂ احسان وسلوک

علمائے دیوبند احسان و تصوف یا اہل اللہ اور اولیائے کرام کے سلاسل اور طرق تربیت کے منکر نہیں بلکہ وہ خود ان سلسلوں سے بندھے ہوئے ہیں، البتہ وہ بے بصر معتقدین کی غلوزدہ رسموں اور نقالیوں کے منکر ہیں۔ان کے نزدیک سیدھا اور بے غل وغش راستہ سنت نبوی کا اتباع اور سلف صالحین صحابہ و تابعین ، ائمہ مجتہدین اور فقہائے دین کا تلقین کردہ راستہ ہی سلامتی کا طریق ہے جو مستند علمائے ربانیین سے معلوم ہوسکتا ہے۔حاصل یہ ہے کہ اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کا طبقہ مسلک علمائے دیوبند کی رو سے امت کے لیے روح رواں کی حیثیت رکھتا ہے جس سے امت کی باطنی حیات وابستہ ہے جو اصل حیات ہے۔

حضرات اکابر دیوبند احسان و تصوف کے چاروں سلاسل طیبہ (چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ)

کا یکساں احترام کرتے ہیں اور ان سلاسل کے بزرگان کی محبت وعظمت کوتحفظ ایمان کے لیے مفید وضروری سمجھتے ہیں، مگر غلو کے ساتھ اس محبت وعقیدت میں معاذ اللہ انھیں ربوبیت کا مقام نہیں دیتے۔ بلکہ حضرات اکابر دیوبند اپنی باطنی اصلاح اور ایمانی ترقی کے لیے ان سلاسل سے باضابطہ مربوط بھی ہیں۔

مثال کے طور پر اکابر دیوبند (حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) سلوک وتصوف میں سید الطائفہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت تھے جن کا چشتی سلسلہ درج ذیل ہے:

(۱) حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ
(۲) الشیخ نور محمد جھنجھانویؒ
(۳) الشاہ عبدالرحیم شہیدؒ
(۴) الشیخ عبدالباری امروہویؒ
(۵) الشیخ عبدالہادی امروہویؒ
(۶) الشیخ عضدالدین امروہویؒ
(۷) الشیخ محمد مکیؒ
(۸) الشیخ الشاہ محمدیؒ
(۹) الشیخ محبّ اللہ الہ آبادیؒ
(۱۰) الشیخ ابوسعید گنگوہیؒ
(۱۱) الشیخ نظام الدین البلخیؒ
(۱۲) جلال الدین تھانیسریؒ
(۱۳) الشیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ
(۱۴) الشیخ محمد العارف ردولویؒ
(۱۵) الشیخ احمد العارف ردولویؒ
(۱۶) الشیخ عبدالحق ردولویؒ
(۱۷) الشیخ جلال الدین پانی پتیؒ
(۱۸) الشیخ شمس الدین الترک پانی پتیؒ
(۱۹) الشیخ علاء الدین صابر کلیریؒ
(۲۰) الشیخ فریدالدین گنج شکرؒ
(۲۱) الشیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ
(۲۲) شیخ المشائخ معین الدین چشتیؒ
(۲۳) الشیخ عثمان الہارونیؒ
(۲۴) السید الشریف الزندانیؒ
(۲۵) الشیخ مودود الچشتیؒ
(۲۶) الشیخ ابویوسف الچشتیؒ
(۲۷) الشیخ ابومحمد الچشتیؒ
(۲۸) الشیخ احمد الابدال الچشتیؒ
(۲۹) الشیخ ابواسحاق الشامیؒ
(۳۰) الشیخ ممشاد علوی الدینوریؒ
(۳۱) الشیخ ابوہبیرۃ البصریؒ
(۳۲) الشیخ حذیفہ المرعشیؒ
(۳۳) الشیخ ابراہیم بن ادہم البلخیؒ
(۳۴) الشیخ فضیل بن عیاضؒ
(۳۵) الشیخ عبدالواحد بن زیدؒ
(۳۶) الشیخ حسن البصریؒ
(۳۷) سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
(۳۸) سیدنا ورسولنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

الغرض دارالعلوم اور بالفاظ دیگر علمائے دیوبند مکمل طور پر صحابہ کرام سے لے کر محدثین دہلی اور صوفیائے عظام تک اسنادِ اسلام کی ہر کڑی سے پورے وفادار رہے اور سلف صالحین کی اتباع کے اس حد تک پابند رہے کہ چھوٹی سے چھوٹی بدعت کو بھی دین نہ بننے دیا۔ تسلسلِ اسلام اور اسنادِ دین کو کمزور کرنے والے مختلف طبقوں سے دارالعلوم اور اس کے علماء نے اختلاف کیا، تو اس لیے نہیں کہ وہ اختلاف پسند تھے یا انھیں کسی طبقے سے ذاتی بغض تھا بلکہ محض اس لیے کہ اسلام جس مبارک و پاکیزہ سلسلے سے ہم تک پہنچا ہے اس سے پوری وفا کی جائے۔ ان کے الحادی یا بدعی نظریات کی تردید وتخریب اس لیے ضروری تھی کہ اس کے بغیر اسلام کی تعمیر و بقاء کی کوئی صورت نہیں تھی؛ لیکن ان کی یہ تردید بھی اصولی رہی اور انداز جدل بھی احسن رہا جس کی تعلیم خود قرآن نے دی ہے ''وجادلهم بالتي هي أحسن'' (سورۃ النحل، آیت ۱۲۵)

مآخذ:

۱۔ علمائے دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج: حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ

۲۔ سلاسل طیبہ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ

دارالعلوم دیو بند کی خصوصیات

دارالعلوم دیو بند کے قیام کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اسلام اور اسلامی علوم کو مٹانے کی جو کوششیں لارڈ میکالے کے نظام تعلیم کے ذریعہ کی جارہی تھی اسے ناکام بنا کر اسلامی علوم کی ٹھیک ٹھیک حفاظت کی جائے اور ایسے جاں نثار علماء کی ایک کھیپ تیار کی جائے جو سخت سے سخت حالات میں دین کو نہ صرف محفوظ رکھ سکیں بلکہ اسے دوسروں تک پہنچا سکیں۔

دارالعلوم کی ابتدا ایک انار کے درخت کے سائے میں ہوئی تھی۔ کسے معلوم تھا کہ اتنی مسکنت اور گمنامی میں پھوٹنے والے اس چشمۂ فیض کی موجیں بالآخر برصغیر کی تاریخ کا رخ موڑ کر رکھ دیں گی۔ لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ اسی سادہ سی درس گاہ سے علم وفضل کے ایسے آفتاب و ماہتاب پیدا ہوئے جنھوں نے جنھوں نے ایک دنیا کو جگمگا کر رکھ دیا۔ درس گاہیں دنیا میں بہت قائم ہوئیں ہیں، دینی درس گاہوں کا بھی کسی دور میں فقدان نہیں رہا، لیکن اللہ تعالی نے دارالعلوم دیو بند کو جو فضیلت اور امتیاز بخشا ہے وہ بہت کم علمی اداروں کے حصہ میں آیا ہے۔

پہلی خصوصیت

دارالعلوم دیو بند کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ محض ایک درس گاہ نہیں، بلکہ ایک خاص نظریہ اور خاص طرز عمل کا نام ہے جو کتاب وسنت کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔ اس درس گاہ کی بنیاد ہی چوں کہ اس لیے رکھی گئی تھی کہ اس کے ذریعہ اسلام اور اسلامی علوم کو اپنی صحیح شکل وصورت میں محفوظ رکھا جائے؛ اس لیے اس کا مسلک یہ رہا ہے کہ دین صرف کتابی حروف ونقوش کا نام نہیں ہے اور نہ دین محض کتابوں سے سمجھا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالی نے ہمیشہ کتاب کے ساتھ رسول کو اس لیے بھیجا ہے تاکہ وہ اپنے عمل سے کتاب کی تفسیر کرے۔ چناں چہ ایسی مثالیں تو ملتی ہیں کہ رسول آئے اور کتاب نہیں دی گئی، لیکن ایسی ایک مثال بھی نہیں جس میں صرف کتاب بھیج دی گئی ہو اور رسول نہ آیا ہو۔ اللہ تعالی کی یہ سنت بتلاتی ہے کہ دین کو سمجھنے سمجھانے، پھیلنے پھیلانے کا ذریعہ صرف کتاب نہیں بلکہ اس کے ساتھ وہ اشخاص بھی ہیں جو کتاب کا عملی پیکر بن کر اس کی تفسیر وتشریح کرتے ہیں۔ لہٰذا دین کو سمجھنے کے لیے کتاب اللہ اور رجال اللہ لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں، ان میں سے ایک کو

دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ چناں چہ قرآن کریم کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر وتشریح کی روشنی میں اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ وتابعین اور دوسرے بزرگان دین کی روشنی میں ہی صحیح طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ اس کے بغیر دین کی تعبیر وتشریح کی ہر کوشش گمراہی کی طرف جاسکتی ہے۔

مراتب کا فرق ضرور ہے، جو مقام اللہ تعالی کا ہے وہ کسی نبی کو نہیں ہوسکتا، جو مرتبہ ایک نبی کا ہے وہ کسی صحابی کا نہیں ہوسکتا، اور جو درجہ ایک صحابی کو حاصل ہے، کوئی بڑے سے بڑا ولی بھی اس درجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ بس فرق مراتب کے ساتھ دین کے ان سرچشموں میں سے ہر ایک کے حقوق وحدود کی رعایت دارالعلوم دیوبند کا وہ خصوصی مزاج ہے جس نے اسے دوسرے اداروں سے امتیاز عطا کیا ہے اور جس کی بنا پر اس کا مسلک مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کے درمیان ایک ایسی راہ اعتدال کی حیثیت رکھتا ہے جس میں کتاب وسنت کی صحیح ترجمانی ہے اور جو افراط وتفریط سے بچتی ہوئی انسان کو رضائے الٰہی تک پہنچاتی ہے۔

دوسری خصوصیت

جب دارالعلوم کا اساسی نظریہ یہ ٹھہرا کہ دین کتاب اللہ اور رجال اللہ کے مجموعہ کا نام ہے تو یہیں سے اس کی دوسری خصوصیت ظاہر ہوتی ہے اور وہ یہ کہ دارالعلوم محض ایک علمی درس گاہ نہیں جس میں طلبہ کو صرف کتابوں کے حروف ونقوش اور صرف علم کا ظاہری خول دیا جاتا ہو بلکہ ساتھ ساتھ ایک عملی تربیت گاہ بھی تھی جہاں علم کے ظاہری بدن میں عمل صالح اور اخلاق فاضلہ کی روح بھری جاتی تھی۔ یہاں سے فارغ ہونے والے طلبہ صرف ظاہری علوم ہی سے آراستہ نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ عملی اعتبار سے بھی سچے اور پکے مسلمان ہوتے تھے جن کے چہرہ دیکھ کر خدا یاد آجاتا تھا اور جن کی ہر ہر نقل وحرکت اسلام کی نمائندگی کرتی تھی۔

یہی وجہ تھی دارالعلوم کا ہر شخص صاحب نسبت ہوا کرتا تھا۔ دن کے وقت یہاں علوم وفنون کے چرچے ہوتے اور رات کے وقت اس کا گوشہ گوشہ اللہ کے ذکر اور قرآن کی تلاوت سے گونجتا تھا۔ اس دور میں جو شخصیتیں دارالعلوم سے تیار ہوئیں انھوں نے عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت، سیاست اور اجتماعی امور میں ایسے ایسے تابناک کردار پیش کیے کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ ان میں سے ہر شخص اسلام کی مجسم تبلیغ تھا، وہ جہاں بیٹھ گیا ایک جہان کو سچا مسلمان بنا کر اٹھا۔

تیسری خصوصیت

دارالعلوم کی تیسری خصوصیت یہ تھی کہ اس کا پورا ماحول تواضع، سادگی اور بے تکلفی سے معمور تھا۔ علم اگر

روح عمل سے خالی ہو تو عموماً انسان میں خود پسندی اور پندار پیدا کر دیتا ہے لیکن دارالعلوم دیوبند کا علم روکھا پھیکا علم نہ تھا بلکہ اس میں اخلاق وعمل اور عشق ومحبت کا سوز وساز بھی شامل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ یہاں کا ہر شخص علم وعمل کا آفتاب ہونے کے باوجود عبدیت اور تواضع کا پیکر تھا۔ اس جماعت کے افراد ایک طرف علمی وقار، استغناء اور خودداری کے حامل تھے تو دوسری طرف فروتنی، خاکساری اور ایثار وزہد کے جذبات سے لبریز۔ اکابرین دیوبند کی زندگیاں اس کی واضح مثال ہیں۔

چوتھی خصوصیت

دارالعلوم دیوبند کی چوتھی خصوصیت یہ تھی کہ اس نے اپنے مسلک اعتدال کی طرف دعوت اور دوسروں پر تنقید کے سلسلے میں پیغمبرانہ اسلوب تبلیغ اختیار کیا جس میں مخالف کو زیر کرنے کے بجائے اس کی دینی خیر خواہی کو زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہو۔ دارالعلوم دیوبند نے حق کے معاملہ میں مداہنت کو کبھی گوارا نہ کیا اور جس بات کو حق سمجھا اس کا برملا اظہار کیا، لیکن اس اظہار میں حکمت اور نرمی کا پہلو ہمیشہ مدنظر رکھا گیا۔

دارالعلوم کا اصل مقصد چوں کہ دین کی حفاظت تھا اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا تھا جب تک کہ ایک جماعت دوسرے ہر کام کو چھوڑ کر صرف اسی کی نہ ہو رہے۔ اس لیے انھوں نے دنیوی مناصب اور عہدوں سے صرف نظر کر کے اور خود پیٹ پر پتھر باندھ کر اس خدمت کو انجام دیا۔ لیکن عام مسلمانوں کی مادی ترقی کی فکر بھی انھیں ہمیشہ دامن گیر رہی۔ انھوں نے ہر اس پُرخلوص تحریک کے ساتھ مقدور بھر تعاون کیا جو دین کو محفوظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کی اجتماعی فلاح اور مادی ترقی کا مقصد لے کر آگے بڑھی۔ ہاں جس جگہ مادی ترقی کے شوق میں انھیں دین پامال ہوتا نظر آیا وہاں وہ دین کی حفاظت کے لیے سد سکندری بن گئے۔ آج اسی کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان میں سخت ترین حالات وانقلابات کے باوجود اللہ کے فضل وکرم سے آج دین اپنی صحیح شکل میں محفوظ ہے۔ یہ دارالعلوم کی کوششوں کا ثمرہ ہے کہ برصغیر میں دین کو سمجھنے والے، اس کی دعوت دینے والے اور اس پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کا جذبہ رکھنے والے موجود ہیں اور عام مسلمان بھی مغربی افکار کے بے پناہ سیلاب کے باوجود نظری طور پر آج بھی مسلمان ہیں اور اسلام پر فخر کرتے ہیں۔ آج پورے برصغیر میں اسلام اور مسلمان جن اسلامی خصوصیات اور تشخصات کے ساتھ نظر آتے ہیں یہ دارالعلوم دیوبند اور اس کے علماء وفضلاء کی بے پناہ جدوجہد کا فیض ہے۔ الحمد للہ علی ذلک!

(دارالعلوم نمبر، ماہنامہ الرشید، فروری مارچ ۱۹۷۶ء، ص۱۴۲: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے شائع شدہ مضمون کا خلاصہ)

چوتھا باب

دارالعلوم کا نظم ونسق اور شعبہ جات

- دارالعلوم کا نظم ونسق
- دارالعلوم کے انتظامی شعبہ جات
- دارالعلوم کے تعلیمی شعبہ جات
- دارالعلوم کے علمی ودعوتی شعبہ جات

دارالعلوم کا نظم ونسق

دارالعلوم دیوبند کا ایک دستور اساسی اور آئین ہے، جس کی روشنی میں دارالعلوم کے تمام تعلیمی وانتظامی امور طے پاتے ہیں۔ دارالعلوم کی ایک مجلس شوری ہے جس کو ہیئت حاکمہ کا درجہ حاصل ہے اور دارالعلوم کے تمام تعلیمی وانتظامی امور میں اس کا فیصلہ حتمی ہے۔ مجلس شوری کے علاوہ مجلس عاملہ، مجلس تعلیمی اور دیگر شعبہ جات ودفاتر قائم ہیں جو اپنے اپنے دائرہ میں کام کرتے ہیں۔

مجلس شوریٰ

دارالعلوم کا نظم ونسق شروع ہی سے وامرھم شوریٰ بینھم کے مطابق شورائی اصول پر قائم ہے۔ اس کے لیے ایک بااختیار مجلس اعلی ہے جس کی تشکیل قیام دارالعلوم کے ساتھ ہی عمل میں آگئی تھی۔ یہ جماعت مجلس شوری کے نام سے موسوم ہے۔ مجلس شوری کی یہ ذمہ داری ہے کہ دارالعلوم کے تمام کاموں کی نگرانی ورہنمائی کرے۔

مجلس شوری دارالعلوم کی سب سے بااختیار مجلس ہے۔ دارالعلوم کا تمام نظم ونسق اسی جماعت کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی جملہ تجاویز دربارہ انتظام وتعلیم قطعی اور جملہ کارکنان دارالعلوم کے لیے واجب التعمیل ہوتی ہیں۔ دارالعلوم کی مجلس شوری ایک طرف چندہ دینے والوں کی نمائندگی کرتی ہے، اسے چندہ دہندگان کے شرعی وکیل کی حیثیت حاصل ہے۔ دوسری طرف دارالعلوم کے آمد وصرف اور اہم انتظامی امور کے متعلق کثرت رائے سے اپنے فیصلے صادر کرتی ہے۔ دارالعلوم کی تمام کارروائیاں اور تمام ضروری فیصلے دستور اساسی کی روشنی میں طے پاتے ہیں۔ مجلس شوری انتظامی آئین وضوابط وضع کرتی ہے۔ دارالعلوم کے جملہ اوقاف اور جائدادیں اس کی تولیت ونگرانی میں ہیں اور یہی مجلس دارالعلوم کے مسلک کی حفاظت اور ملازمین کے عزل ونصب کی ذمہ دار ہے۔

مجلس شوری کے ارکان کی تعداد ۲۱ ہوتی ہے جس میں کم از کم ۱۱ رعلماء کا ہونا ضروری اور لازمی ہے۔ باقی ارکان مسلمانوں کے دیگر طبقات سے منتخب ہوسکتے ہیں، مگر حتی الامکان دو ممبر باشندگان دیوبند سے لیے

جاتے ہیں۔ مہتمم اور صدر مدرس بحیثیت عہدہ مجلس شوری کے رکن ہوتے ہیں۔ اس مجلس کے سال میں دو جلسے ہوتے ہیں؛ ایک محرم یا صفر میں اور دوسرا رجب یا شعبان میں۔ انعقاد اجلاس کے لیے اراکین کی کم از کم ایک تہائی تعداد کا شریک اجلاس ہونا ضروری ہے۔

مجلس عاملہ

مجلس شوری کے ماتحت ۱۳۴۵ھ (مطابق ۱۹۲۷ء) سے مستقل مجلس بنام 'مجلس عاملہ' قائم ہے۔ اس مجلس کا کام مجلس شوری کے کاموں میں اعانت و امداد بہم پہنچانا اور مجلس شوری کے تفویض کردہ اختیارات کے مطابق دارالعلوم کے انتظامی امور کو عملی جامہ پہنچانا ہے۔ مجلس عاملہ، مجلس شوری کے فیصلوں اور منظور کردہ تجاویز کے عمل درآمد کے سلسلہ میں ذمہ داروں کے طریق عمل پر نظر رکھتی ہے۔ نظم و تعلیم اور دفاتر کے حسابات اور کارکردگی کی نگرانی اس کہ ذمہ ہے۔

اس مجلس کے اراکین کی تعداد نو ہوتی ہے۔ مہتمم اور صدر مدرس باعتبار عہدہ اس کے مستقل رکن ہوتے ہیں جب کہ بقیہ سات ممبر مجلس شوری کے ارکان میں سے منتخب کیے جاتے ہیں۔ اس مجلس کا انتخاب سالانہ ہوتا ہے۔ مجلس عاملہ کے سال بھر میں حسب ضرورت چار جلسے ہوتے ہیں؛ پہلا جلسہ ربیع الاول میں، دوسرا جمادی الاولی میں، تیسرا شعبان میں اور چوتھا ذوالقعدہ میں۔ مجلس عاملہ کا کورم پانچ کا ہے۔

مہتمم دارالعلوم

دارالعلوم انتظامیہ کا سربراہ اعلی مہتمم ہوتا ہے جو مجلس شوری کی نمائندگی کرتا ہے اور شعبہ تعلیمات کے علاوہ دارالعلوم کے جملہ شعبہ جات کی نگرانی و نظم کا ذمہ دار اعلی اور بہ حیثیت عہدہ مجلس شوری کا رُکن ہوتا ہے۔ مجلس شوری کی نظامت کے فرائض مہتمم دارالعلوم انجام دیتے ہیں اور دارالعلوم کے جملہ امور میں وہی جواب دہی کرتے ہیں۔ مہتمم دارالعلوم صرف مجلس عاملہ اور مجلس شوری کے روبرو جواب دہ ہوتے ہیں۔ حسب ضرورت مہتمم دارالعلوم کے ایک یا دو نائب ہوتے ہیں جنھیں مہتمم کے تفویض کردہ فرائض و اختیارات حاصل ہوتے ہیں اور مہتمم کی عدم موجودگی میں محدود اختیارات کے ساتھ قائم مقام ہوتے ہیں۔

اہتمام کے اہم منصب کے لیے ہمیشہ یہ اصول مدنظر رہا ہے کہ اس کے لیے ایسی شخصیتوں کا انتخاب کیا جاتا ہے جو علم و فضل، دیانت و تقویٰ اور انتظامی امور میں خاص صلاحیتوں کا مالک ہونے کے علاوہ ملک میں اپنا خاص اثر اور رتبہ بھی رکھتی ہوں۔ دارالعلوم دیوبند کا یوم تاسیس ہی سے یہ طرہ امتیاز رہا ہے کہ مسند اہتمام کو

آراستہ کرنے کے لیے اسے ایسی شخصیتیں ملتی رہی ہیں جنھوں نے نظم ونسق کی پوری صلاحیت کے ساتھ خلوص وللٰہیت اور تقوی ودیانت کی ایسی مثالیں قائم کی ہیں جن کی نظیر بمشکل ہی ملے گی۔

نائب مہتمم

دستور اساسی کی روشنی میں مہتمم حضرات کے کاموں میں تعاون کے لیے ان کی موجودگی وعدم موجودگی میں نائب مہتمم کا عہدہ بھی رکھا گیا ہے۔ نائب مہتمم حضرات کو بھی نظم وانتظام میں خاص دخل ہوتا ہے اور یہ حضرات عموماً دارالعلوم میں تدریس کے ساتھ متعدد علمی وانتظامی شعبہ جات کی نگرانی بھی کرتے ہیں۔

صدر مدرس اور مجلس تعلیمی

دارالعلوم کے تعلیمی امور کی نگرانی کے لیے صدر مدرس کا عہدہ قائم ہے جو شعبۂ تعلیمات کا ذمہ دار اعلی اور بہ حیثیت عہدہ مجلس شوری کا رکن ہوتا ہے۔ صدر مدرس کی ذمہ داریوں میں تعلیمی امور کی نگرانی، طلبہ کی دینی و اخلاقی تربیت، مجلس تعلیمی کی سفارشات اور شعبۂ تعلیمات کی رپورٹ مجلس شوری میں پیش کرنا وغیرہ شامل ہے۔

تمام درجات عربی، فارسی، اردو، دینیات اور تجوید وغیرہ کے تعلیمی امور کے انتظام وانصرام اور صدر المدرسین کو مشورہ دینے کے لیے مجلس تعلیمی کے نام سے ایک کمیٹی قائم ہے۔ اس مجلس کا دائرۂ عمل داخلہ کے امتحانات کا انتظام، نصاب تعلیم میں حسب ضرورت تبدیلی وترمیم کی سفارش، اسباق کی تقسیم، امتحانات کا انتظام اور طلبہ کے مشاغل علمیہ وعملیہ کی نگرانی وغیرہ تک محیط ہے۔ اس مجلس کے ارکان مہتمم، صدر مدرس، نائب مہتممین اور طبقۂ علیاء کے دو مدرس ہوتے ہیں جن میں سے ایک مجلس تعلیمی کا ناظم ہوتا ہے جسے ناظم تعلیمات کہا جاتا ہے۔ اس کمیٹی کا مجلس شوری کی طرف سے مقرر کردہ ایک نائب ناظم بھی ہوتا ہے۔ صدر المدرسین اس کمیٹی کا صدر ہوتا ہے۔

ناظمِ تعلیمات

دارالعلوم کے تعلیمی امور کی نگرانی کے لیے صدر مدرس کے ساتھ ناظم تعلیمات کا عہدہ بھی رہا ہے۔ ناظمِ تعلیمات کے ذمہ صدر مدرس کے ساتھ تعلیمی امور کی نگرانی اور دفتر تعلیمات کی نظامت متعلق ہوتی ہے۔ مدرسہ ثانویہ کے امور کی دیکھ بھال کے لیے نائب ناظم تعلیمات کا بھی عہدہ ہے۔

دفاتر وشعبہ جات

دارالعلوم میں جملہ تعلیمی وانتظامی امور کی انجام دہی کے لیے دفاتر وشعبہ جات قائم ہیں۔ دارالعلوم کا وسیع انتظامی، تعلیمی اور علمی نظام اس وقت تقریباً تین درجن شعبہ جات اور دفاتر پر مشتمل ہے۔ ہر ایک شعبہ کا وسیع دائرۂ عمل ہے اور بعض شعبہ جات تو اپنی وسعتِ کار کے لحاظ سے مستقل ادارہ کے حیثیت رکھتے ہیں۔ ہر شعبہ میں داخلی امور کی نگرانی اور انجام دہی کے لیے ناظم، نگراں یا ذمہ دار وغیرہ ہوتے ہیں جو حدود و اختیارات کے دائرے میں رہ کر دفتر اہتمام کی نگرانی میں اپنے مفوضہ فرائض انجام دیتے ہیں۔

دارالعلوم کے انتظامی شعبہ جات

(۱) ادارۂ اہتمام

(۲) شعبۂ محاسبی

(۳) محافظ خانہ

(۴) کتب خانہ

(۵) شعبۂ تنظیم وترقی

(۶) دارالاقامہ

(۷) شعبۂ مطبخ

(۸) شعبۂ تعمیرات

(۹) شعبۂ اوقاف

(۱۰) مکتبہ دارالعلوم

(۱۱) شعبۂ برقیات

(۱۲) عظمت اسپتال

(۱۳) دفتر صفائی وچمن بندی

(۱۴) شعبۂ خریداری

(۱۵) اسٹاک روم

(۱۶) کمپیوٹر برائے کتابت

(۱۷) رابطۂ مدارس اسلامیہ

(۱۸) شعبۂ مکاتبِ اسلامیہ

دارالعلوم کے تعلیمی شعبہ جات

(۱) شعبۂ عربی وتکمیلات

(۲) شعبۂ تجوید وقرأت

(۳) شعبۂ تحفیظ القرآن وناظرہ

(۴) شعبۂ دینیات اردو وفارسی

(۵) شعبۂ خوش خطی

(۶) شعبۂ دارالصنائع

(۷) شعبۂ کمپیوٹر

(۸) شعبۂ انگریزی زبان وادب

دارالعلوم کے علمی ودعوتی شعبہ جات

(۱) دارالافتاء

(۲) شعبۂ انٹرنیٹ وآن لائن فتوی

(۳) شعبۂ تبلیغ

(۴) شیخ الہند اکیڈمی

(۵) مجلس تحفظ ختم نبوت

(۶) شعبۂ تحفظ سنت

(۷) شعبۂ ردعیسائیت

(۸) دفتر محاضرات علمیہ

(۹) دفتر الداعی

(۱۰) دفتر ماہنامہ دارالعلوم

(۱۱) شعبۂ ترتیب فتاوی

دارالعلوم کے انتظامی شعبہ جات

دارالعلوم کے نظم وانتظام کے لیے مندرجہ ذیل شعبہ جات قائم ہیں جن کے ذریعہ دارالعلوم کا سارا نظم انجام پاتا ہے:

(۱) ادارۂ اہتمام

ادارۂ اہتمام دارالعلوم کا مرکز ومحور اور آئینی طور پر مرکزی نقطہ ہے جس کے اردگرد دارالعلوم کی اندرونی وبیرونی سرگرمیاں گردش کرتی ہیں۔ تمام شعبوں کا نظم ونسق، ان کی نگرانی اور حسابات کی جانچ پڑتال اسی ادارہ سے متعلق ہے۔ مجلس شوری اور مجلس عاملہ کی تجاویز اور فیصلے ادارۂ اہتمام ہی کے ذریعہ نافذ کیے جاتے ہیں۔ دارالعلوم کے تمام شعبوں اور دفاتر کی داخلی نگرانی کے علاوہ دارالعلوم کے ملک سے خارجی تعلقات بھی اسی ادارہ کے واسطے سے قائم ہیں۔ دارالعلوم کے اندرونی نظم ونسق اور ترقی وتبدیلی کے متعلق تمام فیصلے اور احکامات دفتر اہتمام کے ذریعہ جاری کیے جاتے ہیں۔

مہتمم دارالعلوم ہی دارالعلوم کے تمام امور کے سلسلے میں براہ راست مجلس شوری کو جواب دہ ہوتے ہیں۔ ادارۂ اہتمام خاص اہمیت کا حامل ہے؛ اس لیے اہتمام کے اہم منصب کے لیے ہمیشہ یہ اصول مدنظر رہا ہے کہ اس کے لیے ایسی شخصیات کا انتخاب کیا جاتا ہے جو علم وفضل، دیانت وتقوی اور انتظامی امور میں خاص صلاحیتوں کی مالک ہونے کے علاوہ ملک میں خاص اثر اور وجاہت رکھتی ہوں۔

ادارۂ اہتمام کی عمارت صدر دروازہ کے اوپر واقع ہے۔ یہ عمارت حضرت حافظ محمد احمدؒ کے زمانۂ اہتمام میں ۱۳۱۵ھ میں تعمیر ہوئی جب کہ موجودہ ملحقہ ہال کا اضافہ بعد میں کیا گیا۔

(۲) شعبۂ محاسبی

یہ شعبہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے بہت اہم ہے۔ قیام دارالعلوم کے دوسرے سال ہی اس کی تشکیل عمل میں آگئی تھی۔ یہ شعبہ دفتر اہتمام سے ملحق گیٹ کے اوپر واقع ہے۔ مالی لین دین کے لحاظ سے اس شعبہ

سے دارالعلوم کا ہر شعبہ وابستہ ہے۔ ہر قسم کے آمد و صرف کی شعبہ وار اور مد وار تفصیلات رکھنا اس کے فرائض میں ہے۔ ادنی سے ادنی رقم اور معمولی سے معمولی چیز بغیر رسید کے داخل نہیں کی جاتی۔ اسی طرح کوئی صَرف بھی بغیر واؤچر کے نہیں کیا جاتا۔ دارالعلوم کا خزانہ اسی شعبہ کے واسطے سے مہتمم صاحب کی تحویل میں رہتا ہے۔ حسابات کے اندراجات مروجہ حسابی طریق کے مطابق نہایت واضح اور صاف رکھے جاتے ہیں اور جانچ پڑتال کے لیے اس کا دروازہ ہر شخص کے لیے کھلا رہتا ہے۔ اس کے باوجود مزید احتیاط کے طور پر رجسٹرڈ آڈیٹروں سے سالانہ حسابات چیک کرائے جاتے ہیں۔ اساتذہ و ملازمین کی تنخواہ اور طلبہ کے وظائف کی تقسیم کا کام بھی اسی شعبہ سے متعلق ہے۔ دوسرے شعبوں کے ذریعہ سے جو مصارف ہوتے ہیں ان کی جانچ پڑتال بھی محاسبی کے فرائض میں داخل ہے۔

الحمد للہ دارالعلوم کی دوسری خصوصیات کی طرح شعبۂ محاسبی بھی حسابات کی صفائی و عمدگی اور حسن انتظام میں اپنی نظیر آپ ہے جس کا اعتراف ہر دور میں ماہرین نے کیا ہے۔

(۳) محافظ خانہ

دفتری حیثیت سے محافظ خانہ کو روداد دارالعلوم میں انتظام کی روح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ شعبہ ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۷ء میں قائم ہوا اور اس میں دارالعلوم کا تمام تاریخی سرمایہ محفوظ ہے۔ محافظ خانہ ادارۂ اہتمام سے ملحق ایک دومنزلہ کمرہ میں واقع ہے۔ دارالعلوم کے تمام شعبہ جات کے کاغذات اور دستاویزات اسی شعبہ میں محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ دارالعلوم کے انتظام و تعلیم سے متعلق ہر فرد کے متعلق خصوصی تفصیلات اور ریکارڈ اس شعبہ میں محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ مجلس شوری اور مجلس عاملہ کی تمام کارروائیوں کا ریکارڈ بھی اسی دفتر میں مرتب اور محفوظ ہوتا ہے۔ دفتر اہتمام سے صادر ہونے والے جملہ اہم احکامات اور کاغذات کی نقول یہاں جمع ہوتی ہیں۔ گویا یہ دفتر دارالعلوم کی اب تک کی تاریخ کے تمام اہم ریکارڈ کا خزینہ ہے۔

دارالعلوم کی جملہ رسیدات اور سندات وغیرہ کی طباعت کا کام بھی دفتر محافظ خانہ سے انجام دیا جاتا ہے۔ نیز، دارالعلوم کے تمام شعبہ جات اور دفاتر کو اسٹیشنری اور کاغذ وغیرہ کا مطلوبہ سامان اسی دفتر کے توسط سے فراہم کیا جاتا ہے۔

(۴) کتب خانہ

کسی تعلیمی ادارہ اور دانش گاہ کے لیے کتب خانہ وہی حیثیت رکھتا ہے جو جسمِ انسانی میں ریڑھ کی ہڈی کی

ہوتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اکابر دارالعلوم کے سامنے تعلیم کا جو بلند معیار تھا اور اساتذہ وطلبہ کے مطالعہ وتحقیق اور تصنیف وتالیف کی جو اہم ذمہ داریاں تھیں ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ضروری تھا کہ ایک اعلیٰ درجہ کا کتب خانہ موجود ہو، کیوں کہ ایسے کتب خانے کے بغیر تدریس وتحقیق کا اعلیٰ معیار برقرار نہیں رکھا جاسکتا تھا۔ اس غرض سے کتب خانہ کے لیے دارالعلوم کے قیام کے ساتھ ہی کوششیں شروع کردی گئی تھیں۔

دارالعلوم کے عظیم کتب خانہ میں ایک بڑی تعداد ان کتابوں کی بھی ہے جو علم دوست والیانِ ملک و ریاست کی جانب سے دارالعلوم کو بطور عطیہ حاصل ہوئیں جیسے ترکی کے سلطان رشاد خاں، سعودی عرب کے سلطان ابن سعود، مرحوم جمال عبدالناصر صدر جمہوریہ مصر، حکومت افغانستان اور فرمانروائے دکن نیز ہندوستان کے بہت سے علمی خانوادوں کے ذخائر کتب، دارالعلوم کے کتب خانہ کی زینت ہیں۔ ان کے علاوہ حسب ضرورت درسی ومعاون کتابیں خرید کر بھی داخل کتب خانہ کی جاتی رہی ہیں۔ اس طرح سے بھی کتب خانۂ دارالعلوم میں کتابوں کا ایک بڑا اور گراں قدر ذخیرہ جمع ہوگیا ہے اور یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔

اب تک درسی وغیر درسی کتابوں کی تعداد دو لاکھ سے زائد ہے، جس میں ایک بڑا حصہ غیر درسی کتابوں کا ہے۔ یہ کتب خانہ کمیت وکیفیت اور اپنی ندرت کے اعتبار سے ملک کے ممتاز کتب خانوں میں ایک مقام رکھتا ہے۔ اس سے ہند وبیرون ہند کے اہل علم اور مصنفین ہمیشہ فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں۔ استفادہ کی سہولت کے لیے کتب خانہ کی کتابوں کی تقسیم وترتیب میں زبان اور فن کا لحاظ رکھا گیا ہے، کتب خانۂ دارالعلوم میں بیشتر کتابیں عربی زبان سے متعلق ہیں، اس کے بعد اردو اور پھر فارسی ودیگر زبانوں کی کتابیں ہیں۔ دارالعلوم کے کتب خانہ میں درج ذیل زبانوں کی کتابیں موجود ہیں: (۱) عربی (۲) فارسی (۳) اردو (۴) انگریزی (۵) ہندی (۶) گجراتی (۷) پنجابی (۸) پشتو (۹) تلگو (۱۰) تامل (۱۱) فرانسیسی (۱۲) بنگلہ (۱۳) ترکی (۱۴) ملیالم (۱۵) مراٹھی (۱۶) سندھی (۱۷) برمی۔

موضوعات اور عنوانات کے اعتبار سے کتابوں کی تقسیم کی گئی جن کی تعداد سو سے زیادہ ہے۔

موضوعات اور عنوانات کے اعتبار سے کتابوں کی تقسیم اس طرح ہے:

علومِ قرآنی: (۱) قرآن کریم (۲) تجوید (۳) قرأت (۴) اصولِ تفسیر (۵) تفسیر (۶) حواشی اور شروح وتفسیر (۷) احکام القرآن (۸) غریب القرآن (۹) اعراب القرآن (۱۰) الناسخ والمنسوخ (۱۱) اسباب النزول (۱۲) متعلقات قرآن (۱۳) استخراج آیات (۱۴) مضامین قرآن (۱۵) تراجم قرآن فارسی (۱۶) تراجم قرآن اردو۔

علم حدیث اور متعلقات: (۱۷) حدیث صحاحِ ستہ وغیرہ مع شروح وحواشی (۱۸) اصولِ حدیث (۱۹)

مسانید وسُنن (۲۰) دیگر مجموعۂ احادیث (۲۱) موضوعاتِ حدیث (۲۲) غریب الحدیث (۲۳) استخراج الحدیث (۲۴) اسماء الرجال۔

اصول فقہ اور فقہ و فتاویٰ: (۲۵) اصولِ فقہ حنفی (۲۶) اصولِ فقہ مالکی (۲۷) اصولِ فقہ شافعی (۲۸) اصولِ فقہ حنبلی (۲۹) اصول فقہ اہل حدیث (۳۰) فقہ حنفی (۳۱) فقہ مالکی (۳۲) فقہ شافعی (۳۳) فقہ حنبلی (۳۴) فقہ علماء ظاہر (۳۵) فقہ اہل حدیث (۳۶) فتاویٰ حنفی (۳۷) فرائض۔

عقائد و کلام: (۳۸) علم عقائد و کلام (۳۹) حکمتِ شرعیہ۔

تصوف: (۴۰) علم تصوف (نثر) (۴۱) علم تصوف (نظم) (۴۲) علم تصوف (مکتوبات) (۴۳) علم تصوف (ملفوظات)۔

متفرقات: (۴۴) مواعظ و اخلاق (۴۵) اوراد و وظائف و عملیات (۴۶) عربی ادب (نثر) (۴۷) عربی ادب (نظم) (۴۸) علم معانی (۴۹) علم نحو (۵۰) علم صرف (۵۱) تاریخ عام (۵۲) تاریخ تہذیب وتمدن (۵۳) تاریخ علوم و مذاہب (۵۴) سیرت النبی (۵۵) تراجم صحابہؓ (۵۶) تراجم فقہاء و محدثین و دیگر علماء (۵۷) تذکرہ علمائے دیو بند (۵۸) تراجم اولیائے کرام (۵۹) تذکرۃ الشعراء (۶۰) دائرۃ المعارف (۶۱) سفر نامے (۶۲) کوائف دارالعلوم دیو بند (۶۳) انساب (۶۴) فہرس الکتب (۶۵) مجامیع۔ (۶۶) متفرقات (۶۷) علم طبقات الارض (۶۸) علم الکیمیا (۶۹) علم الزراعۃ (۷۰) علم الاصوات والحیوانات (۷۱) سیاسیات (۷۲) فلسفہ (۷۳) منطق (۷۴) ہیئت (۷۵) معاشیات و اقتصادیات (۷۶) اخبار و رسائل (۷۷) عمرانیات و معلوماتِ عامہ (۷۸) جغرافیہ (۷۹) طب (۸۰) تعبیر رؤیا (۸۱) کتب اہل کتاب (۸۲) کتب دھرم شاستر (۸۳) اصول مناظرہ (۸۴) کتب مختلف مذاہب (۸۵) کتب عیسائیت (۸۶) کتب ردِ عیسائیت (۸۷) کتب قادیانیت (۸۸) کتب رد قادیانیت (۸۹) کتب مبتدعین (۹۰) کتب رد بدعت (۹۱) کتب غیر مقلدین (۹۲) کتب رد غیر مقلدین (۹۳) کتب اہل تشیع (۹۴) ردِ روافض (۹۵) ردِ نیچریت (۹۶) کتبِ خاکساریت (۹۷) ردِ خاکساریت (۹۸) کتب فرقۂ مہدویہ (۹۹) ردمہدویہ (۱۰۰) کتب فرقۂ بہائیہ (۱۰۱) ردفرق بہائیہ۔

تمام غیر درسی کتابوں کی مفصل فہرست مکمل وضاحت کے ساتھ موجود ہے، کتابیں نکالنے کے لیے حروف تہجی کے لحاظ سے جدید طریقۂ کار، کارڈ سسٹم کا استعمال ہوتا ہے۔

کتب خانہ کی موجودہ عمارت ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء میں تعمیر ہوئی، پھر ۱۴۳۴ھ/ ۱۹۹۶ء میں دوبارہ توسیع ہوئی۔ کتب خانہ اس وقت تین وسیع ہال اور چھوٹے بڑے بارہ کمروں پر مشتمل ہے۔ ان میں ایک ہال عربی

کتب کے مطالعہ کے لیے اور ایک اردو کتب کے مطالعہ کے لیے مخصوص ہے، جہاں طلبہ و اساتذہ اور دوسرے حضرات مطالعہ وتحقیق میں مشغول رہتے ہیں، جب کہ تیسرے ہال میں نوادرات ومخطوطات بہت ہی حفاظت کے ساتھ رکھے ہوئے ہیں۔ایک کمرہ علمائے دیوبند کی تصنیفات کے لیے مخصوص ہے جو تمام زائرین خصوصاً ریسرچ اسکالر حضرات کے لیے خاص دل چسپی کا سامان ہے۔

مخطوطات: کتب خانوں کی دنیا میں قلمی کتابوں اور مخطوطوں کی ہمیشہ سے بڑی اہمیت اور قدر و قیمت رہی ہے۔دارالعلوم کے کتب خانہ میں متعدد نادراور گراں قدر مخطوطات موجود ہیں۔مخطوطات میں ایک خاصی تعداد ایسی نادرالوجود کتابوں کی بھی ہے جو کمیاب ونایاب اور علمی وتحقیقی ذوق رکھنے والوں کے لیے متاعِ بے بہا ہیں۔بعض ان میں فن خطاطی کے لحاظ سے لاجواب ہیں تو بعض اپنی قدامت کے اعتبار سے لائق توجہ۔ ایک تعداد ایسی بھی ہے جو نقاشی ومصوری میں بے مثال ہے اور شاہی کتب خانوں کی زینت رہ چکی ہے۔ مخطوطات کی باضابطہ فہرست مع تعارف مرتب کردی گئی ہے تاکہ واردین اور شائقین کے لیے ان سے استفادہ آسان ہو، چناں چہ مخطوطات کی مفصل فہرست دو جلدوں میں شایع ہوئی ہے۔پہلی جلد تفسیر، حدیث، فقہ اور عقائد وکلام وغیرہ پر مشتمل ہے۔دوسری جلد تصوف، تاریخ، معانی، ادب عربی، لغت، فلسفہ، منطق، ہیئت، صرف، نحو، مناظرہ، ریاضی، طب، ادبِ فارسی اور ادبِ اردو وغیرہ کی فہرست اور مختصر تعارف پر مبنی ہے۔

کتب خانہ دارالعلوم کا خاص امتیاز: یہ کتب خانہ اہل علم وتحقیق کے لیے اپنی پوری خصوصیات کے ساتھ معلوم ومشہور ہے۔ ہندوستان کے دیگر تمام گراں قدر کتب خانوں سے کتب خانۂ دارالعلوم کو جو چیز امتیازی شان عطا کرتی ہے، وہ ہے اس کی پشت پر ایشیا کی عظیم دینی درسگاہ ازہرِ ہند دارالعلوم دیوبند۔ یہاں آنے والے مہمانان کرام اس وقت تک تشنۂ زیارت رہتے ہیں جب تک وہ اس کے عظیم الشان کتب خانہ کے تمام حلقات کو نہ دیکھ لیں۔ یہاں تحقیق و ریسرچ کرنے والوں کے لیے مختلف النوع دلچسپیوں کے وافر سامان مل جاتے ہیں۔ چناں چہ یہاں علم وتحقیق کے پیاسوں کا ایک تانتا اور سلسلہ برابر لگا رہتا ہے، اس کے نایاب اور نادر علمی ذخیرے سے استفادہ کرنے والے برابر آتے رہتے ہیں۔تحقیق وریسرچ کے لیے آنے والوں کو حتی الامکان سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں۔

مجوزہ شیخ الہند لائبریری: دارالعلوم کی شایان شان جدید سہولیات سے آراستہ ایک عظیم الشان کتب خانہ کی ضرورت عرصہ سے محسوس کی جارہی تھی۔ الحمد للہ گزشتہ کئی برسوں سے حضرت شیخ الہند کی طرف منسوب نئی لائبریری کی تعمیر ہورہی ہے اور اب وہ اپنی آخری مراحل میں ہے۔ یہ لائبریری سات منزلہ اور گول ہے۔اس میں پانچ لاکھ سے زائد کتابوں کے علاوہ، مطالعہ گاہ اور ریسرچ ہال بھی ہوگا۔عمارت میں

کتب خانہ کے ساتھ ساتھ دورۂ حدیث کی درس گاہ اور وسیع وعریض کانفرنس ہال بھی شامل ہوگا۔ اس عمارت کا کل تعمیری رقبہ 2,62,000 مربع فٹ ہے اور لاگت کا تخمینہ پچیس کروڑ روپئے سے زائد ہے۔

(۵) شعبۂ تنظیم وترقی

شعبۂ تنظیم وترقی دارالعلوم کا نہایت اہم شعبہ ہے۔ یہ شعبہ ۱۳۵۵ھ سے قائم ہے۔ اس شعبہ کا کام دارالعلوم کے لیے مالیات اور غلہ وغیرہ کی فراہمی ہے۔ عطیات وصول کرنے کے لیے متعدد سفراء مامور ہوتے ہیں جن پر ملک کے مختلف حصوں کو تقسیم کر دیا گیا ہے۔ یہ سفراء ملک کے گوشہ گوشہ میں دورہ کرتے ہیں اور دارالعلوم کے لیے مالی امداد جمع کرتے ہیں۔ طلبہ کے لیے غلہ کی فراہمی بھی یہی شعبہ انجام دیتا ہے۔ اس شعبہ میں اس وقت سات دفتری عملہ کے علاوہ تقریباً چالیس سفراء حضرات متعین ہیں جو ملک کے طول وعرض میں دارالعلوم کی نمائندگی کے فرائض انجام دینے کے علاوہ عوام کے ساتھ رابطہ رکھتے ہیں اور دارالعلوم کے لیے چندہ جمع کرتے ہیں۔

دفتر تنظیم وترقی برانچ ممبئی: یہ دفتر ہندوستان کی تجارتی راجدھانی ممبئی میں دفتر تنظیم کی شاخ کے طور پر کام کرتا ہے۔ اس دفتر کا قیام ۱۴۰۶ھ میں عمل میں آیا۔ اس کے مقاصد میں رابطۂ عامہ اور فراہمی مالیات وغیرہ کے وہی امور ہیں جو تنظیم وترقی کے مقاصد ہیں۔

(۶) دارالاقامہ

یہ شعبہ بھی دارالعلوم کا ایک فعال شعبہ ہے۔ دیگر شعبوں کی طرح اس شعبہ کا بھی ایک دفتری نظام ہے جو ہر وقت مصروف عمل رہتا ہے۔ دفتر دارالاقامہ کے فرائض میں طلبہ کے کمروں کی ترتیب، سیٹوں کا اجراء وتنسیخ، طلبہ کے لیے شناختی کارڈ اور تعطیلات میں کنسیشن کا اجراء وغیرہ اہم امور شامل ہیں۔ طلبہ کے لیے کمروں کی تجویز وتعیین، ان کی اخلاقی نگرانی اور طلبہ کے مابین نزاعی معاملات میں فصل خصومات دارالاقامہ سے تعلق رکھتے ہیں جو اساتذہ کے ذریعہ انجام دیے جاتے ہیں۔ دارالعلوم کے تمام بڑے دروازوں پر دربانوں کا نظم، چوبیس گھنٹہ نظم وحفاظت کے لیے اندرون دارالعلوم گشتی کا انتظام بھی دارالاقامہ کے ذمہ ہے۔

دارالعلوم کا دارالاقامہ اس وقت دار جدید، رواق خالد، شیخ الہند منزل، شیخ الاسلام منزل، حکیم الامت منزل وغیرہ جیسے تیرہ وسیع احاطوں اور ۶۲۵ کمروں پر مشتمل ہے جن میں تقریباً سوا تین ہزار طلبہ واساتذہ کا

قیام رہتا ہے۔ طلبہ کے ہاسٹل مختلف حلقوں میں تقسیم ہیں اور ہر حلقہ کا ایک نگراں مقرر ہوتا ہے۔ شعبہ میں ناظم اعلی کے علاوہ، تیرہ نظمائے حلقہ کام کرتے ہیں جو سب کے سب اساتذۂ دارالعلوم ہوتے ہیں۔

طلبہ کی کردار سازی اور دینی تربیت کے مقصد سے متعدد مواقع پر اصلاحی اجلاسات کا اہتمام کیا جاتا ہے جن میں حضرات اکابر و اساتذہ ان کو نصیحتیں فرماتے ہیں۔ قوانین وضوابط کا احترام، اکابر و اساتذہ کی اطاعت، باہمی محبت واخلاص اور رواداری طلبۂ دارالعلوم کے اخلاقی نظام کے مخصوص اوصاف ہیں۔

(۷) شعبۂ مطبخ

دارالعلوم میں مطبخ کا باقاعدہ قیام ۱۳۲۸ھ (۱۹۱۰ء) میں عمل میں آیا۔ دارالعلوم کے ابتدائی چالیس سالوں میں مطبخ کے قیام سے پہلے بیرونی طلبہ کے کھانے کا انتظام یہ تھا کہ بعض طلبہ کا کھانا تو اہل شہر کے ذمہ تھا، اہل خیر حضرات ایک ایک دو دو طالب علم کو کھانا دیتے تھے، جب کہ کچھ طلبہ کو نقد وظیفہ دیا جاتا تھا جس سے اپنے کھانے کا خود انتظام کرتے تھے۔ ۱۳۲۸ھ میں نقد وظیفہ کے بجائے مطبخ کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ پہلے سال میں صرف ۲۵ سے ۳۰ طلبہ کا کھانا پکتا تھا۔ رفتہ رفتہ تعداد بڑھتی گئی اور اس کا نظام وسیع ہوتا گیا۔

اس وقت اس شعبہ میں تقریباً پچاس افراد کا عملہ ہے جو تین ہزار سے زائد طلبہ کے لیے صبح وشام کا کھانا تیار کر کے تقسیم کرتا ہے۔ مطبخ کی عمارت احاطۂ دارالعلوم کے جنوبی گوشے میں چھتہ مسجد کے پاس واقع ہے۔ یہ عمارت کئی حصوں پر منقسم ہے۔ شعبۂ مطبخ کے فرائض میں کھانے کی تیاری اور اس کے لیے ضروری سامان کی فراہمی، تقسیم طعام، مطبخ سے کھانا پانے والے تمام طلبہ کا ریکارڈ اور اس سلسلہ کے مکمل حسابات کی تکمیل شامل ہے۔ یہ شعبہ طلبہ کو پورے سال حتی کہ رمضان وعید الفطر اور عید الاضحیٰ وغیرہ کی تعطیلات میں بھی دارالعلوم میں قیام پذیر طلبہ کو طعام کی سہولیات فراہم کرتا ہے۔

دارالعلوم کی طرف سے طلبہ کو تعلیم اور رہائش وغیرہ کے ساتھ مفت کھانا فراہم کیا جاتا ہے۔ مستطیع طلبہ کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ قیمتاً کھانا حاصل کرسکیں۔ طلبہ کے لیے پرہیزی کھانا کی سہولت بھی موجود ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں، دارالعلوم کے متعلقین کے لیے خصوصی مواقع پر خاص قسم کے کھانوں کی تیاری کا انتظام بھی مطبخ کے ذریعہ ہوتا ہے۔

آٹا چکی: دارالعلوم میں آٹا چکی کا مستقل نظام قائم ہے اور مطبخ کی ضروریات کی تکمیل کے لیے آٹا چکی کا شعبہ کام کر رہا ہے جس میں روزآنہ پندرہ کوئنٹل آٹا پیسا جاتا ہے۔

(۸) شعبۂ تعمیرات

دارالعلوم میں شعبۂ تعمیرات ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء سے قائم ہے۔ اس سے پہلے تعمیرات کی دیکھ بھال براہ راست دفتر اہتمام سے متعلق تھی۔

شعبۂ تعمیرات دارالعلوم کا نہایت سرگرم شعبہ ہے جو دارالعلوم کے تمام تعمیراتی امور کی نگرانی کرتا ہے۔ نئی عمارات کی تعمیر کے ساتھ پرانی عمارتوں کی اصلاح ومرمت، رنگ وروغن اور دیکھ بھال بھی اسی شعبہ کے فرائض میں شامل ہے۔ اس شعبہ کی کارکردگی کا کوئی خاص وقت یا موسم مقرر نہیں ہے، یہ شعبہ ایام تعلیم کے علاوہ تعطیل کے دنوں میں بھی اپنے فرائض کی ادائیگی میں مصروف رہتا ہے۔

گزشتہ دو دہائیوں میں اس شعبہ کی کارکردگی میں بڑی وسعت اور پھیلاؤ آیا ہے۔ اس عرصہ میں کئی اہم اور شاندار عمارتیں تعمیر ہوئیں اور دارالعلوم کا زمینی رقبہ دوگنے سے زیادہ ہوگیا۔ جامع رشید، مدرسہ ثانویہ، دارالمدرسین، رواق خالد، شیخ الہند منزل (اعظمی منزل) شیخ الاسلام منزل (آسامی منزل)، حکیم الامت منزل (تحفیظ القرآن منزل) وغیرہ عمارتیں اسی شعبہ کی نگرانی میں تعمیر ہوئیں۔ سنگ مرمر کی عظیم الشان پرشکوہ جامع رشید کی تعمیر بھی جو فن تعمیر کا ایک شاہکار ہے اسی شعبہ کی کارکردگی کا ایک حصہ ہے۔ گزشتہ برسوں میں دارالاقامہ دارجدید کے از سر نو انہدام کے بعد اس کی سہ منزلہ دوبارہ تعمیر شروع کی گئی۔ اسی طرح عظیم الشان شیخ الہند لائبریری کی تعمیر بھی اسی شعبہ کی نگرانی میں جاری ہے۔

(۹) شعبۂ اوقاف

اوقاف کا سلسلہ دارالعلوم کی عمارتوں کی تعمیر کے ساتھ شروع ہو گیا تھا۔ تاہم باضابطہ یہ شعبہ ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۷ء میں قائم ہوا۔ وقتاً فوقتاً اہل خیر اپنی چھوٹی چھوٹی جائدادیں دارالعلوم کے لیے وقف کرتے رہے؛ البتہ کوئی ایسی جائداد جس کے ذریعہ سے دارالعلوم کے معتد بہ مصارف پورے ہوسکیں، اوقاف دارالعلوم میں نہیں ہے۔ یہ اوقاف ہندوستان کے مختلف مقامات میں واقع ہیں۔

یہ شعبہ دارالعلوم کی تمام موقوفہ ومملوکہ جائداد کی حفاظت اور دیکھ بھال کے فرائض انجام دیتا ہے۔ عمارتوں کے کرایہ کی وصول یابی، نادہندوں اور قابضین کے خلاف قانونی چارہ جوئی، جائداد سے متعلق مقدمات کی پیروی وغیرہ جیسے امور اس شعبہ کے ذمہ ہیں۔

(۱۰) مکتبہ دارالعلوم

یہ شعبہ دارالعلوم کا قدیم اشاعتی ادارہ ہے۔ اس شعبہ کے مقاصد میں عقائد صحیحہ حقہ کی اشاعت، اکابرو علمائے دیوبند کے علوم ومعارف کی توسیع وتشہیر اور مسلک دیوبند کی حفاظت ودفاع وغیرہ امور شامل ہیں۔ مکتبہ دارالعلوم کے ذریعہ حضرات اکابرین دارالعلوم کی اہم کتابوں کی نشرواشاعت کا کام انجام دیا جاتا ہے۔

مکتبہ دارالعلوم کے زیراہتمام اب تک ساٹھ سے زیادہ کئی اہم اور وقیع کتابیں شائع ہوکر قبول عام حاصل کرچکی ہیں۔ فتاوی دارالعلوم کا مشہور ومستند مجموعہ مکتبہ دارالعلوم کے ذریعہ شائع کیا گیا ہے۔ نیز، شیخ الہند اکیڈمی، مجلس تحفظ ختم نبوت اور شعبۂ ردعیسائیت کے ذریعہ شائع کردہ تمام کتابیں مکتبہ دارالعلوم کے کاؤنٹر سے ہی دستیاب ہوتی ہیں۔

طلبہ کو انعام میں دی جانے والی ہزار ہا ہزار کتابوں کی فراہمی ونظم بھی مکتبہ دارالعلوم کے ذریعہ انجام دیا جاتا ہے۔ مختلف اجلاسات اور کانفرنسوں وغیرہ کے مواقع پر دارالعلوم کی کتابوں کا بک اسٹال بھی لگایا جاتا ہے۔

(۱۱) شعبۂ برقیات

شعبہ برقیات ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء سے قائم ہے۔ دارالعلوم میں بجلی کی روشنی کا انتظام نہایت وسیع ہے؛ اس لیے ان امور کی برآری کے لیے ایک مستقل شعبہ قائم کیا گیا۔ درس گاہوں، دفاتر، اقامت گاہوں، مساجد، شاہراہوں اور راہداریوں میں بجلی نصب ہے، نیز گرمی اور سردی کے موسموں کے لحاظ سے برقی پنکھوں، ریفریجریٹر اور گرم پانی وغیرہ کا بھی انتظام ہے جس کی دیکھ بھال یہی شعبہ کرتا ہے۔ بجلی گل ہونے کی صورت میں جنریٹر کے ذریعہ بجلی فراہم کی جاتی ہے۔ دارالعلوم کے احاطہ میں پانی کی سپلائی، واٹر ٹینکوں کی دیکھ بھال بھی اسی شعبہ کے ذریعہ کی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ، دارالعلوم کی گاڑیوں کی دیکھ بھال، مرمت، ڈرائیوروں سے متعلق معاملات اور گاڑیوں کے پروگرام کی ترتیب وغیرہ بھی اسی شعبہ کے دائرۂ کار میں آتی ہے۔ درس گاہوں میں یا اجلاسات اور کانفرنسوں وغیرہ کے مواقع پر لاؤڈ اسپیکر سیٹنگ اور آڈیو ریکارڈنگ وغیرہ امور کا نظم بھی اسی شعبہ سے متعلق ہے۔

(۱۲) عظمت ہسپتال

دارالعلوم میں طب یونانی کی تعلیم کے ساتھ علاج معالجہ کا سلسلہ ۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۵ء سے قائم ہوگیا

تھا۔ تکمیل الطب کی تعلیم کے ساتھ مستقل طور پر دارالشفاء قیام بھی عمل میں آیا۔ بعد میں یہ دارالشفاء 'عظمت ہسپتال' کے نام سے موسوم ہوا۔

دارالشفاء طلبہ کو تقریباً مفت اور غیر طلبہ کو نہایت کم قیمت پر علاج کی سہولت مہیا کرتا ہے۔ اس ہسپتال میں یونانی اور ایلو پیتھک دونوں قسم کے علاج کا نظم ہے۔ طلبہ کے علاوہ غریب لوگوں کے لیے یہ نہایت مفید ہسپتال ہے جس سے وہ بلا کسی قید مذہب وملت فائدہ اٹھاتے ہیں۔

عظمت ہسپتال کو ماہر یونانی اور ایلو پیتھک معالجین کی خدمات حاصل ہیں۔ امراض کی تشخیص اور دواؤں کی تیاری وتقسیم اس شعبہ کے ذریعہ انجام دی جاتی ہے۔ یہ شعبہ بہت فعال ہے اور اس کے ذریعہ کافی لوگوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ اس کی خدمات کی وسعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ صرف ایک سال میں اس شعبہ سے مستفیدین کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہو جاتی ہے۔

(۱۳) دفتر صفائی وچمن بندی

صفائی کا اہتمام اسلام کی اہم خصوصیات میں سے ہے۔ اس لیے دارالعلوم میں روز اول ہی سے صفائی پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ اسی مقصد کی تکمیل کے لیے یہ شعبہ قائم ہے جس کے ذریعہ دارالعلوم کی تمام گذرگاہوں، برآمدوں، بیت الخلاؤں، غسل خانوں اور دیگر عمارات کی صفائی کا کام انجام دیا جاتا ہے۔ نیز، خصوصی مواقع پر دارالعلوم کے جملہ دروازوں، چھتوں اور دیواروں کی صفائی اور دھلائی کا کام بھی انجام دیا جاتا ہے۔

اسی کے ساتھ اس شعبہ کے ذریعہ دارالعلوم کے تمام پارکوں کی چمن بندی اور تزئین کا کام بھی انجام دیا جاتا ہے۔ دارالعلوم کے احاطے میں مختلف چمن اور پارک بنے ہوئے ہیں جو قسم قسم کے خوبصورت اور صحت افزا پھولوں کے پودوں اور درختوں سے معمور ہیں۔ ان پارکوں کی دیکھ بھال، سینچائی اور تراش خراش بھی اسی شعبہ کے ذریعہ انجام دی جاتی ہے۔

(۱۴) شعبۂ خریداری

دارالعلوم میں شعبہ جات ودفاتر کی کثرت ووسعت اور دیگر مختلف امور کی وجہ سے اشیاء کی خریداری کا کام ہمیشہ رہتا ہے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر دارالعلوم نے تمام شعبہ جات ودفاتر کے لیے ایسا نظام مقرر کیا ہے کہ جملہ سامانوں کی خریداری کا کام ایک شعبہ کے ذریعہ انجام دیا جائے تاکہ نظم وانتظام میں سہولت ہو۔

اسی مقصد کے تحت دارالعلوم میں اشیاء کی خرید وفروخت کے لیے ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۸ء سے مستقل شعبہ قائم ہے۔

اس شعبہ کے ذریعہ ہر شعبہ کے لیے ضروری سامانوں کو خریداری کا کام انجام دیا جاتا ہے۔ بڑے اور اہم سامانوں کی خریداری کے لیے براہ راست عموماً کمپنی سے رابطہ کیا جاتا ہے اور مختلف کمپنیوں یا ڈیلروں سے کوٹیشن لے کر سامان کی خریداری کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ سامانوں کی قیمت کی ادائیگی عموماً چیک کے ذریعہ کی جاتی ہے۔ شعبۂ خریداری کا نظام انتہائی صاف وشفاف اور منظّم ہے۔

خریداری کے علاوہ، دارالعلوم کے شعبہ جات اور دفاتر کے پرانے اور ناقابل استعمال سامانوں کی فروختگی کا کام بھی اسی شعبہ کے ذریعہ انجام پاتا ہے۔

(۱۵) اسٹاک روم

شعبۂ اسٹاک روم ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۸ء میں قائم ہوا۔ اسٹاک روم میں دارالعلوم کے جملہ سامانوں کا ریکارڈ رکھا جاتا ہے اور حسب موقع دفاتر اور شعبہ جات کو فراہم کیا جاتا ہے۔ شعبۂ خریداری کے ذریعہ خریدے ہوئے روزمرہ کے استعمال کے تمام سامانوں اور اشیاء کا اندراج اسٹاک روم میں ہوجاتا ہے اور پھر وہاں سے حسب ضرورت متعلقہ شعبہ جات کی ضرورت اور درخواست پر انھیں فراہم کیا جاتا ہے۔

اسٹاک روم میں دارالعلوم کے دفاتر اور شعبہ جات کی پرانی اور کارآمد اشیاء کو اندراج کے بعد محفوظ بھی رکھا جاتا ہے۔

(۱۶) کمپیوٹر برائے کتابت

دارالعلوم نے عصری ایجادات سے استفادہ کرتے ہوئے دارالعلوم کے اردو وعربی ترجمان ماہناموں کو بالکل ابتداء سے ہی کمپیوٹر کتابت کے ساتھ نکالنا شروع کردیا تھا۔ پہلے یہ کام دہلی اور پھر دیوبند میں مارکیٹ کے ذریعہ انجام دیا جاتا تھا۔ دارالعلوم میں شعبۂ کمپیوٹر کی ابتدا کے بعد کچھ دنوں تک ان کی کمپوزنگ کا کام شعبۂ کمپیوٹر کے ذریعہ انجام دیا جانے لگا۔ بعد میں ضرورت کے پیش نظر کمپوزنگ وغیرہ امور کی انجام دہی کے لیے مستقل طور پر شعبۂ کمپیوٹر برائے کتابت کا قیام عمل میں آیا۔

اس شعبہ میں مستقل طور پر عربی مجلّہ 'الداعی' اور ماہنامہ 'دارالعلوم' کی کمپوزنگ اور سیٹنگ کا انجام دیا جاتا ہے۔ نیز، دارالعلوم کے دفتری کتابت کے کام، لٹریچر وغیرہ کی کتابت کے امور معیاری طور پر انجام دیے جاتے ہیں۔

(۱۷) رابطۂ مدارس اسلامیہ عربیہ

دارالعلوم کے قیام کے بعد علمائے دیوبند کی کاوشوں سے ہندوستان و بیرون ہند میں دارالعلوم کے طرز پر ہزاروں مدارس عربیہ قائم ہوئے۔ یہ مدارس فکری اور مسلکی اعتبار سے دارالعلوم دیوبند سے مربوط رہے ہیں اور دارالعلوم ہی انھیں آب حیات فراہم کرتا رہا ہے۔لیکن مدارس کا کوئی باضابطہ بورڈ یا وفاق نہیں تھا جس فلیٹ فارم سے مدارس کے اجتماعی مفاد اور مسائل ومشکلات کے حل پر غور وخوض کیا جاسکے۔ ادھر ہندوستان میں مختلف داخلی اور خارجی عوامل کی بنیاد پر ایسے حالات پیدا ہوتے گئے کہ مدارس کو شک وشبہہ کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ دوسری طرف مدارس کے نصاب ونظام پر بھی انگلیاں اٹھائی جانے لگیں اور نصاب میں جدید علوم کے شمولیت کی تجویزیں آنے لگیں۔

ان نازک حالات میں دارالعلوم نے اپنی ذمہ داری محسوس کی اور ۲۰، ۲۱ محرم ۱۴۱۵ھ/ جون ۱۹۹۵ء کو ملک گیر پیمانے پر ارباب مدارس کا نمائندہ اجتماع بلایا۔ مدارس عربیہ کے معیار تعلیم وتربیت کو بلند کرنے اور دینی معاہد کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے دو ہزار بڑے عربی مدارس کے نمائندگان کی تجویز سے دارالعلوم میں کل ہند رابطہ مدارس عربیہ کا مرکزی دفتر قائم کیا گیا۔ رابطہ مدارس عربیہ کے درج ذیل اغراض ومقاصد طے کیے گئے:

(۱) مدارس اسلامیہ عربیہ کے نظام تعلیم وتربیت کو بہتر بنانا

(۲) اتحاد وہم آہنگی کو فروغ دینا اور روابط کو مستحکم کرنا

(۳) مدارس کے تحفظ وترقی کے لیے صحیح اور مؤثر ذرائع اختیار کرنا

(۴) ضرورت کی جگہوں پر مدارس ومکاتب کا قائم کرنا

(۵) بوقت ضرورت نصاب تعلیم میں کسی جزوی ترمیم وتسہیل پر غور کرنا

(۶) اسلامی تعلیم اور اس کے مراکز کے خلاف کی جانے والی کوششوں اور سازشوں پر نظر رکھنا

(۷) مسلم معاشرہ کی اصلاح اور شعائر اسلام کی حفاظت کرنا

رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ سے اب تک ملک کے تقریباً تمام ہی صوبہ جات کے تین ہزار سے زائد مدارس مربوط ہو چکے ہیں۔ ان میں دارالعلوم کے نصاب کے پابند ہر صوبہ کے بڑے اور کلیدی ادارے شامل ہیں۔ رابطہ کی تمام اہم صوبہ جات میں صوبائی شاخیں قائم ہیں۔ ہر صوبہ میں ایک صدر مقرر ہیں۔ رابطہ کے امور کی انجام دہی کے لیے ایک ۵۱ رکنی مجلس عاملہ ہے جو حضرات اراکین شوری دارالعلوم، اساتذہ علیا دارالعلوم اور ملک کے اہم علماء پر مشتمل ہے۔ رابطہ کی ایک مجلس عمومی ہے جو حضرات اراکین شوری،

پندرہ اساتذۂ دارالعلوم اور ہر مدرسہ کے ایک ایک نمائندہ پر مشتمل باڈی ہے۔ رابطہ کی مجلس عمومی کا پہلا اجلاس ۱۶ صفر ۱۴۲۳ھ/مئی ۲۰۰۲ء کو ہوا جس میں رابطہ کے دستورالعمل (آئین) کو منظور کیا گیا۔

رابطہ کے مقاصد میں مدارس کے خلاف کی جانے والی سازشوں کا تعاقب بھی شامل ہے۔ گزشتہ برسوں میں فرقہ پرست عناصر کی جانب سے دینی مدارس کو ہدف تنقید بنایا جارہا تھا اور ان پر بے بنیاد الزامات عائد کیے جارہے تھے۔ کبھی مدارس کو آئی ایس آئی کا مرکز قرار دیا جاتا اور کبھی دہشت گردی کا اڈہ، کبھی خود حکومت کی طرف سے ایسے اقدامات کیے گئے جن سے مدارس کے نظام کو خطرات لاحق ہوگئے۔ چناں چہ دارالعلوم نے ایسے موقعہ پر کل ہند مدارس کا اجتماع بلاکر صورت حال کا جائزہ لیا اور اس کے تدارک وتعاقب کا لائحۂ عمل طے کیا۔ الحمد للہ دارالعلوم کا یہ طریقۂ کار کامیاب رہا اور مدارس کے تئیں فرقہ پرست عناصر کی سازشیں ناکامی کا شکار ہوئیں اور خود حکومت کو بھی مسلم رائے عامہ کے سامنے گھٹنے ٹیکنا پڑا۔

اب تک رابطہ مدارس عربیہ کی طرف سے ایسے دسیوں بڑے اجتماعات نیز مجلس عاملہ کے متعدد اجلاس منعقد ہوچکے ہیں۔ ان اجلاسوں میں نصاب تعلیم، طریقۂ تدریس، نظام تربیت، مدارس کے مابین ربط کے استحکام، تحفظ ختم نبوت، مدارس اسلامیہ کے خلاف بے بنیاد پروپیگنڈے کی مذمت، اصلاح معاشرہ اور اسلام کی حفاظت میں مدارس کے کردار، تدریب المعلمین، اصلاح معاشرہ کی اہمیت، مدارس کے بارے میں حکومت کی منفی پالیسی اور مدارس اسلامیہ کے داخلی نظام اور عصری اداروں میں دینی تعلیم، تحفظ سنت اور مسلک حق کے دفاع کے حوالے سے تقریباً پچاس تجاویز منظور ہوچکی ہیں۔ ان تجاویز سے مدارس کے نظام تعلیم وتربیت کو فعال وبہتر بنانے اور مسائل ومشکلات کے حل میں بڑی مدد ملی ہے۔

۱۹۹۸ء میں اترپردیش حکومت نے مذہبی عمارات ومقامات ریگولیشن بل پاس کرکے عوام بالخصوص مسلمانوں کے بنیادی حقوق سلب کرنے کی ناروا سعی کی تو دارالعلوم نے ۱۲ نومبر ۱۹۹۸ء کو ملک گیر اجلاس بلا کر اس کی سخت مذمت کی اور بحمد اللہ یہ بل سرد خانہ میں ڈال دیا گیا۔ اسی طرح جب یوپی کی حکومتی تعلیم گاہوں میں وندے ماترم گیت پڑھنا ایک آرڈیننس کے ذریعہ لازم کیا گیا تو اس موقع پر بھی دارالعلوم نے کل ہند اجتماع بلاکر سخت ردعمل ظاہر کیا اور آخر کار حکومت کو یہ آرڈیننس واپس لینا پڑا۔

ان اجتماعات میں سب سے اہم فروری ۲۰۰۸ء کی دہشت گردی مخالف کانفرنس تھی جس میں ملک کی ہر جماعت اور مدرسہ کے نمائندوں سمیت بیس ہزار سے زائد علماء نے شرکت کی۔ اس کانفرنس سے ملک وبیرون ملک میں نہایت مثبت پیغام پہنچا اور اس کے دوررس اثرات سامنے آئے۔ اسی طرح مرکزی حکومت کی جانب سے پیش کردہ 'مرکزی مدرسہ بورڈ' کی تجویز کے خلاف بھی رابطہ مدارس عربیہ نے اپنے کل ہند

اجتماع میں آواز اٹھائی اور متحد ہوکراس کا بائیکاٹ کرنے کا عزم کیا۔ آخر کار حکومت نے بھی اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے سے گریز کیا۔ اسی طرح مرکزی حکومت کے رائٹ ٹو ایجوکیشن ایکٹ یعنی حق تعلیم ایکٹ اور ڈائریکٹ ٹیکسز کوڈ کے خلاف بھی مؤثر آواز اٹھائی گئی کیوں کہ ان قوانین کی وجہ سے یا تو مدارس کا وجود خطرے میں پڑتا نظر آرہا تھا یا ان کی کارکردگی متاثر ہورہی تھی۔

رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ کے تحت ہر تین سال میں مجلس عمومی کا اور ہر سال مجلس عاملہ کا اجلاس ہوتا ہے اور مدارس کو درپیش داخلی وخارجی مسائل پر اجتماعی غور وخوض کے بعد اس کا حل تلاش کیا جاتا ہے۔

(۱۸) شعبۂ مکاتبِ اسلامیہ

دارالعلوم نے ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء میں کچھ انتہائی کم مسلم آبادی والے علاقوں میں جہاں دینی وتعلیمی صورت حال ابتر ہونے کے ساتھ قادیانی یا عیسائی مشنریاں سرگرم ہیں ایسے مقامات پر مکاتب اسلامیہ کے قیام کا سلسلہ شروع کیا۔ چناں چہ ہریانہ، پنجاب، اتراکھنڈ، راجستھان، جھارکھنڈ، ہماچل پردیش اور نلگنڈہ (آندھراپردیش) میں مسلمان بچوں کی بنیادی دینی تعلیم کے لیے مکاتب اسلامیہ قائم کیے گئے۔ ہماچل پردیش اور نلگنڈہ (آندھراپردیش) کے مکاتب مقامی سطح پر خود کفیل ہوچکے ہیں، جب کہ دیگر مقامات کے مکاتب براہ راست دارالعلوم ہی کی نگرانی وتعاون سے چل رہے ہیں۔ ان مکاتب کی مجموعی تعداد چالیس سے زائد ہے۔ علاوہ ازیں، دیوبند شہر کی مختلف مساجد میں بھی دارالعلوم کی طرف سے مکاتب کا نظام قائم ہے۔

دارالعلوم کے تعلیمی شعبہ جات

ایک تعلیمی ادارے کی حیثیت سے دارالعلوم کا بنیادی نقطۂ نظر اور اس کا اساسی مقصد تعلیم و تدریس ہے۔اس لیے دارالعلوم کی تاسیس کے ساتھ ہی شعبۂ تعلیمات کا آغاز بھی سمجھنا چاہیے۔اس وقت یہ شعبہ اپنے متعدد ذیلی شعبوں کے ساتھ کافی وسیع ہو چکا ہے۔ یہ شعبہ قدرتی طور پر دفتر اہتمام کے بعد کلیدی اہمیت کا حامل ہے۔تمام تعلیمی شعبے اسی کی نگرانی میں کام کرتے ہیں۔

شعبۂ تعلیمات کے فرائض میں ان شعبہ جات کی نگرانی کے علاوہ تقسیم اسباق، امتحانات کا نظم،طلبہ کی ترقی و تنزلی اور داخلوں سے متعلق تمام کارروائی، حاضری کا اندراج،طلبہ کے تعلیمی ریکارڈ کی حفاظت، سندات کا اجراءاور مجلس تعلیمی کی تجاویز کا نفاذ وغیرہ امور شامل ہیں۔

دفتر تعلیمات سے سے متعلق شعبہ جات حسب ذیل ہیں:(۱) شعبۂ عربی و تکمیلات (۲) شعبۂ تجوید و قرأت (۳) شعبۂ ناظرہ وتحفیظ القرآن (۴) شعبۂ اردو دینیات و فارسی (۵) شعبۂ خوش خطی(۶) دارالصنائع (۷) شعبۂ کمپیوٹر(۸) شعبۂ انگریزی زبان وادب

(۱) شعبۂ عربی و تکمیلات

اس شعبہ کے تحت عربی کے آٹھ سالہ فضیلت کورس اور تکمیلات کی مکمل تعلیم کا نظم ہوتا ہے۔تکمیلات میں تکمیل تفسیر، تخصص فی الحدیث، تکمیل افتاء، تدریب فی الافتاء، تکمیل علوم، تکمیل ادب عربی اور تخصص فی الادب کے درجات کا نظم اسے شعبہ سے متعلق ہے۔

شعبۂ عربی: اس شعبہ میں میزان الصرف سے لے کر دورۂ حدیث تک کی تعلیم ہوتی ہے۔اگر چہ کتابیں تقریباً سب عربی میں ہوتی ہیں مگر ذریعۂ تعلیم اردو زبان ہے۔عربی زبان کی تدریس پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔اس شعبہ کا نصاب آٹھ سال کا ہے۔اس آٹھ سال کی تعلیم دو حصوں پر تقسیم ہے: (۱) مدرسہ ثانویہ (۲) درجہ پنجم عربی تا دورۂ حدیث شریف۔ مدرسہ ثانویہ میں درجہ اول عربی سے درجہ چہارم عربی کی تعلیم کا نظم ہے۔اس کا نصاب عربی نحو،صرف،عربی انشاء وادب، مطالعۂ سیرت،تاریخ،ترجمۂ قرآن،فقہ،

اصول فقہ، منطق، بلاغت، علوم عصریہ (علم جغرافیہ و مدنیت) وغیرہ پر مشتمل ہے۔ درجہ پنجم عربی سے دورۂ حدیث تک کے درجات میں تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول الفقہ، عربی ادب، علم الکلام، معانی و بیان، منطق وفلسفہ وغیرہ مضامین پر مشتمل کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ دورۂ حدیث میں خاص طور پر علم حدیث کی دس مشہور کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، جن میں صحیح بخاری اور سنن ترمذی مکمل پڑھائی جاتی ہیں اور دیگر کتب کے منتخب ابواب پڑھائے جاتے ہیں۔ دورۂ حدیث کی تعلیم مکمل کرنے اور امتحان میں کامیاب ہونے کے بعد ہی کسی طالب علم کو فاضل کی سند دی جاتی ہے۔

تکمیل تفسیر: دورۂ حدیث سے فارغ ہونے والے منتخب طلبہ کو قرآن وعلوم قرآنی میں درک پیدا کرنے کے لیے ایک سالہ تکمیل تفسیر کا درجہ قائم ہے جس میں تفسیر ابن کثیر، تفسیر بیضاوی کے ساتھ مناہل العرفان سبیل الرشاد اور مقدمہ ابن الصلاح جیسی کتابیں بھی داخل درس ہیں۔

تخصص فی الحدیث: دورۂ حدیث یا تکمیلات میں اعلی سے اعلی نمبرات سے کامیاب ہونے والے طلبہ کو تخصص فی الحدیث میں داخلہ دیا جاتا ہے اور انھیں علوم الحدیث اور اصول حدیث، تخریج حدیث، رجال وغیرہ کے سلسلے میں اعلی تحقیقی تربیت دی جاتی ہے۔ اس شعبہ سے متعدد اعلی پایہ کے تحقیقی اور علمی کام انجام دیے جا چکے ہیں اور شائع ہو کر اہل علم وتحقیق کے ہاتھوں میں پہنچ چکے ہیں۔

تکمیل افتاء: اس شعبہ میں منتخب طلبہ کو فتوی نویسی کی مشق کرائی جاتی ہے۔ یہ شعبہ دارالافتاء کی نگرانی میں قائم ہے۔ اس میں ہر سال اعلی استعداد کے طلبہ کی ایک مختصر جماعت فتوی نویسی کے لیے منتخب کی جاتی ہے۔ اس درجہ کا نصاب فقہ وافتاء کی موقر کتابوں پر مشتمل ہے۔ یہ دارالعلوم کا اہم اور موقر شعبۂ تعلیم ہے۔ اس درجہ سے فارغ طلبہ کو افتاء کی سند دی جاتی ہے اور فقہ وفتاوی کے حوالے سے ملک کی تعلیم گاہوں اور اداروں میں ان کو اہمیت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

تدریب فی الافتاء: تکیل افتاء سے فراغت کے بعد چند مخصوص طلبہ کو فتوی نویسی کی خصوصی مشق کے لیے تربیت دی جاتی ہے اور فقہی کتابوں کا مطالعہ کرایا جاتا ہے۔ یہ مکمل دو سالہ نصاب ہے، جس سے فراغت کے بعد طالب علم کو فقہ وفتوی سے کافی مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور اس درجہ کے فضلاء ملک کے باوقار اداروں میں فتوی نویسی کے لیے طلب کیے جاتے ہیں۔

تکمیل علوم: دورۂ حدیث شریف سے فارغ ہونے والے ان طلبہ کے لیے یہ کورس ترتیب دیا گیا ہے جو علوم اسلامیہ میں مزید مہارت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اس کورس کے تحت حجۃ اللہ البالغہ، مقدمہ ابن الصلاح، الاشباہ والنظائر، تفسیر بیضاوی، مسامرہ اور سبیل الرشاد وغیرہ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ یہ کورس ایک سال کا ہے۔

تکمیل ادب عربی: دارالعلوم میں عربی زبان کی تعلیم بالکل ابتداء سے دی جاتی ہے۔ گزشتہ کئی عشروں سے دارالعلوم نے عربی زبان کی بہ حیثیت ایک مستقل مضمون تدریس کو اپنے نصاب کا جزء بنایا ہے اور عربی زبان میں طلبہ کی تحریری وتقریری صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے سلسلے میں اقدامات کیے ہیں۔ دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کرنے کے بعد جو طلبہ عربی زبان وادب میں مزید درک واستعداد پیدا کرنا چاہتے ہیں ان کے لیے دارالعلوم نے ایک سالہ خصوصی درجہ تکمیل ادب عربی کے نام سے رکھا ہے۔ اس کورس کے تحت عربی انشاء پردازی، صحافت، بات چیت اور ترجمہ وغیرہ کے ضروری فنون پڑھائے جاتے ہیں۔

تخصص فی الادب: اس درجہ کے تحت تکمیل ادب سے فارغ ہونے والے چند منتخب طلبہ کو عربی ادب کی خصوصی تربیت دی جاتی ہے۔ تخصص فی الادب کا کورس بھی دو سال پر مشتمل ہے۔

(۲) شعبۂ تجوید وقرأت

اس شعبہ میں قرأت وتجوید کی مکمل اور مستقل تعلیم (یعنی حفص اردو، حفص عربی، سبعہ وعشرہ) کے علاوہ عربی جماعتوں کے طلبہ کو لازمی طور پر پارۂ عم کی مشق تجوید کے ساتھ کرائی جاتی ہے اور اس کے بغیر طالب علم کو سند فراغت نہیں دی جاتی۔ جو طلبہ باقاعدہ فن تجوید کی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں، انھیں تجوید کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اور عملی مشق بھی کرائی جاتی ہے۔ تکمیل کے بعد اس درجہ کی مستقل سند بھی دی جاتی ہے۔

(۳) شعبۂ تحفیظ القرآن وناظرہ

اس شعبہ میں چھوٹے بچوں کو ناظرہ قرآن اور حفظ قرآن کی تعلیم دی جاتی ہے۔ چھوٹے بچوں کی تعلیم و تربیت کے پیش نظر حفظ و ناظرہ کی تعلیم کا انتظام ایک بالکل علیحدہ بلڈنگ میں ہے۔ اس شعبہ میں صرف مقامی بچوں کو داخلہ دیا جاتا ہے یا ایسے بچے بھی داخلہ کے مجاز ہوتے ہیں جن کا کوئی مقامی سرپرست ہو۔ شعبۂ تحفیظ القرآن میں اس وقت حفظ قرآن کے بارہ درجات اور ناظرہ قرآن کے پانچ درجات قائم ہیں۔ شعبہ کو قابل اور صلاحیت مند قراء وحفاظ کی خدمات حاصل ہیں۔

(۴) شعبۂ دینیات اردو وفارسی

درجۂ فارسی اور شعبۂ دینیات پہلے دو الگ الگ شعبے تھے اور دونوں کا نصاب الگ تھا۔ درجۂ دینیات کا نصاب چار سالہ تھا اور درجۂ فارسی کا نصاب چھ سالہ تھا۔ اس طرح دس سال مبادیات میں صرف ہوجاتے

تھے۔اس شعبہ میں فارسی زبان کی تعلیم ابتدا سے لے کر مثنوی مولانائے روم تک ہوتی تھی۔فارسی زبان کے علاوہ حساب، اقلیدس، جغرافیہ، ہندی اور تاریخ وغیرہ مضامین بھی نصاب میں داخل تھے۔

موجودہ انتظامیہ نے ان دونوں شعبوں کو باہم ضم کر کے ایک پانچ سالہ نصاب ترتیب دیا ہے جو پرائمری سطح کے مساوی ہے۔اس نصاب میں اردو زبان میں دینیات کی تعلیم کے علاوہ تاریخ، جغرافیہ، حساب اور ہندی، انگریزی وغیرہ مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔درجۂ چہارم اور درجہ پنجم میں فارسی کی تعلیم بھی شامل ہے۔اس طرح اس درجہ سے فارغ شدہ طالب علم کو معاصر علوم، مضامین اور زبانوں کا اچھا خاصہ علم ہو جاتا ہے اور وہ یہاں سے پڑھنے کے بعد آئندہ کسی بھی نظام تعلیم میں نہایت آسانی سے اپنی تعلیم جاری رکھ سکتا ہے۔

(۵) شعبۂ خوش خطی

اس شعبہ میں طلبہ کو خوشنویسی کی مشق کرائی جاتی ہے۔اس شعبہ میں دو درجے ہیں۔ایک درجہ محض خط کی صفائی کا ہے تاکہ طالب علم بدخطی کے عیب سے محفوظ ہو جائے اور دوسرا درجہ فن کتابت کی فنی تکمیل کا ہے جس کے لیے طلبہ کو وظائف بھی دیے جاتے ہیں۔اس درجہ کی مدت نصاب پوری کر کے اس فن کی سند کے مستحق ہو جاتے ہیں۔چناں چہ جو طلبہ فن کتابت سیکھنا چاہتے ہیں انھیں کتابت (اردو وعربی رسم الخط) سکھا کر تکمیل کرادی جاتی ہے۔یہ درجہ لازمی مضمون کا نہیں ہے۔شعبۂ عربی وشعبۂ تجوید کی مختلف جماعتوں کے طلبہ کے لیے بھی خوش خطی کی تعلیم کا گھنٹہ وار نظم ہے۔

(۶) شعبۂ دارالصنائع

تعلیم کے ساتھ طلبہ کی معاشی واقتصادی مسائل کے حل کی جانب پیش رفت کے سلسلے میں ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۵ء میں یہ شعبہ قائم ہوا تھا۔اس شعبہ میں طلبہ کو خیاطی اور جلد سازی سکھائی جاتی ہے تاکہ طالب علم ضرورت کے وقت کسب معاش سے عاری نہ رہے۔

اس شعبہ میں خیاطی کا کام سکھایا جاتا ہے۔خیاطی میں کرتا پاجامہ اور صدری کی کٹنگ وسلائی اور شیروانی کی کٹنگ ایک سال میں سکھا دی جاتی ہے۔اس شعبہ میں کچھ طلبہ تو باقاعدہ داخلہ لے کر خیاطی سیکھتے ہیں جب کہ دیگر کچھ طلبہ خارج وقت میں اختیاری طور پر اس شعبہ سے مستفید ہوتے ہیں۔شعبۂ تجوید کے طلبہ اختیاری طور پر اس شعبہ سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

(۷) شعبۂ کمپیوٹر

آج کے ترقی یافتہ دور میں کمپیوٹر انسانی زندگی کا لازمی جزء بن کر رہ گیا ہے جس سے طلبہ کو روشناس کرانا نہ صرف ضروری ہے بلکہ عصر جدید کا اہم تقاضہ بھی ہے، چوں کہ کمپیوٹر دینی، تعلیمی اور تبلیغی سرگرمیوں میں معاون ہونے کے ساتھ تصنیفی و تالیفی امور کو بہ حسن وخوبی بہ عجلت ممکنہ انجام دیے جانے کا بھی بہترین ذریعہ ہے۔ اسی کے ساتھ یہ معاشی ضرورت کی تکمیل اور یا معاشی خودکفالتی میں بھی معاون ہے۔ اس لیے دارالعلوم نے اس کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے یہ شعبہ قائم کیا تا کہ اس کے تحت طلبہ کو باضابطہ داخلہ کر کمپیوٹر کی ٹریننگ دی جا سکے۔

اس شعبہ کا قیام ۱۵ر ربیع الاول ۱۴۱۷ھ/ جولائی ۱۹۹۶ء کو عمل میں آیا۔ اس شعبہ میں کمپیوٹر کی تربیت دینے کے لیے ہر سال چند منتخب فضلاء کا داخلہ لیا جاتا ہے۔ ایک سال کے عرصہ میں ڈی ٹی پی سے متعلق جملہ امور کی ٹریننگ کے ساتھ انھیں انگلش کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ سالانہ امتحان میں کامیابی کے بعد طلبہ کو ڈپلومہ کی سند دی جاتی ہے۔ دارالعلوم کے شعبۂ کمپیوٹر کے فارغ طلبہ اس وقت ہندوستان کے بیشتر بڑے مدارس میں کمپیوٹر کی تدریسی وعملی ضرورت پوری کر رہے ہیں اور ملک و بیرون ملک اچھی اداروں میں باعزت ملازمتوں میں لگے ہوئے ہیں۔

شعبۂ کمپیوٹر کی نگرانی ہی میں ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء سے دارالافتاء کے فتاوی رجسٹروں کو کمپیوٹر پر محفوظ کیے جانے کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے علاوہ دیگر حضرات مفتیان کرام کے گران قدر فتاوی بھی دارالافتاء کے سیکڑوں رجسٹروں میں محفوظ ہیں۔ ان گراں قدر علمی ورثہ کی حفاظت اور اشاعت کے نقطۂ نظر سے انھیں پہلے فقہی عنوانات اور ابواب کے اعتبار سے کوڈنگ کے مرحلہ سے گزارا جاتا ہے اور پھر کمپیوٹر پر کمپوز کیا جاتا ہے۔

(۸) شعبۂ انگریزی زبان وادب

دعوتی وتبلیغی نقطۂ نظر سے انگریزی زبان کی ضرورت واہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ انگریزی اس وقت ایک عالمی زبان کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ انٹرنیٹ اور عالمی میڈیا کے پھیلاؤ اور ترقی کے ساتھ انگلش کی دعوتی اہمیت اور زیادہ بڑھ گئی ہے، خصوصاً معاصر عالمی حالات میں جب کہ اسلام اور مسلمانوں کو دینی وسیاسی اور سماجی و معاشی سطح پر مسائل ومشکلات اور گھناؤنی سازشوں کا سامنا ہے، ایسے حالات میں اس بات کی ضرورت محسوس کی

جارہی تھی کہ دینی اداروں کے ذریعہ ایسے افراد کار تیار کیے جائیں جو دینی علوم کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان و ادب پر بھی عبور رکھتے ہوں اور اسلامی تعلیمات کو غیروں کے سامنے تحریر وتقریر کے ذریعہ پیش کرسکیں اور اسلام پر ہونے والے اعتراضات کا جواب دے سکیں۔ دارالعلوم نے اس اہم ضرورت کی طرف توجہ دیتے ہوئے مرکز المعارف کے طرز پر دوسالہ انگلش زبان وادب کا ایڈوانسڈ ڈپلومہ کورس شروع کیا۔

یہ شعبہ ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء میں قائم ہوا ہے۔ اس شعبہ میں بیس فضلائے دارالعلوم کا داخلہ کیا جاتا ہے۔ شعبہ کا نصاب تعلیم دوسال پر مشتمل ہے۔ طلبہ کو انگریزی ٹیکسٹ بک، گرامر، اردو وانگریزی ترجمہ اور عربی و انگریزی ترجمہ کے ساتھ انگلش اسپیکنگ اور رائٹنگ پر دھیان دیا جاتا ہے۔ دوسال کی تربیت کے بعد اس شعبہ کے طلبہ بی اے لیول کی انگلش کے ساتھ انگریزی تحریر وتقریر کی اچھی قدرت حاصل کرلیتے ہیں۔ دوران تعلیم طلبہ کی اسلامی وضع قطع کی طرف پورا دھیان دیا جاتا ہے اور طلبہ کی دعوتی و دینی ذہن سازی اور معیاری تعلیم وتربیت پر مکمل توجہ دی جاتی ہے۔

دیگر شعبہ جات کے تحت تعلیمی کورسز

درج بالا مستقل تعلیمی شعبہ جات کے علاوہ کچھ اور تعلیمی کورسز ہیں جو علمی شعبہ جات کی نگرانی میں انجام پاتے ہیں۔ جیسے شیخ الہند اکیڈمی کے تحت صحافتی کورس، شعبۂ تحفظ ختم نبوت، شعبۂ ردعیسائیت اور شعبۂ تحفظِ سنت کے تحت تربیتی کورس، سلسلۂ محاضرات وغیرہ۔ ان کورسز کی تفصیلات علمی شعبہ جات کے عنوان کے تحت متعلقہ شعبہ جات کے تعارف کے ذیل میں پیش کی جارہی ہیں۔

دارالعلوم کے علمی ودعوتی شعبہ جات

دارالعلوم محض ایک تعلیمی درس گاہ ہی نہیں بلکہ ایک مکتبِ فکر اور تجدید دین کا مرکز بھی ہے۔ اسی وجہ سے یہاں قال اللہ وقال الرسول کے زمزموں کے ساتھ ہمیشہ علمی وفکری اور دعوتی وتبلیغی خدمات کا ایک سلسلہ قائم رہا ہے۔ انھیں سلسلوں کو استحکام وتقویت دینے کے مقصد سے حسب ضرورت باضابطہ کچھ شعبے بھی قائم کیے گئے جو اپنے مقاصد کی تکمیل میں سرگرم عمل رہتے ہیں۔

دارالعلوم کا شعبۂ دارالافتاء عوام کی دینی رہ نمائی کا سب سے موقر ادارہ ہے۔ دارالعلوم کی فکری ومسلکی ترجمانی اور عوام الناس کی اصلاح ودعوت کے مقصد سے شعبۂ تبلیغ قائم ہے۔ فرق ضالہ اور مذاہب باطلہ کے رد، اسلام کے حدود وثغور کی حفاظت و پاسبانی اور عوام کو دین مستقیم پر قائم رکھنے کے لیے مجلس تحفظ ختم نبوت، شعبۂ ردعیسائیت، شعبۂ تحفظ سنت، دفتر محاضرات علمیہ قائم ہیں۔ تحریر وصحافت کے میدان میں دارالعلوم کی ملک و بیرون ملک میں نمائندگی کے لیے ماہنامہ دارالعلوم اردو اور ماہنامہ الداعی عربی کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔ شیخ الہند اکیڈمی کے پلیٹ فارم سے علمی وتحقیقی کاوشوں کی تیاری واشاعت کا کام انجام پاتا ہے۔ عصر حاضر کی جدید ٹکنالوجی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انٹرنیٹ کے ذریعہ آن لائن فتوی اور آن لائن دعوت کا قابل قدر سلسلہ بھی قائم ہے۔

دارالعلوم کے علمی ودعوتی شعبہ جات حسب ذیل ہیں:

(۱) دارالافتاء
(۲) شعبۂ انٹرنیٹ وآن لائن فتوی
(۳) شعبۂ تبلیغ
(۴) شیخ الہند اکیڈمی
(۵) مجلس تحفظ ختم نبوت
(۶) شعبۂ ردعیسائیت
(۷) دفتر محاضرات علمیہ
(۸) دفتر الداعی
(۹) دفتر ماہنامہ دارالعلوم
(۱۰) شعبۂ ترتیب فتاوی
(۱۱) شعبۂ تحفظ سنت

(۱) دارالافتاء

دارالعلوم جس وقت قائم ہوا اس زمانے میں پرانے علماء کی درس گاہیں ویران اور مسندیں خالی ہوچکی تھیں۔ علماء خال خال رہ گئے تھے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ کوئی مسئلہ بتانے والا مشکل سے ملتا تھا۔ اس لیے جوں ہی دارالعلوم کا قیام عمل میں آیا، لوگوں کی توجہ فوراً اس کی جانب مبذول ہوگئی اور ملک کے اطراف وجوانب سے طلب فتاوی کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوگیا۔ اولاً یہ کام اساتذہ کے سپرد رہا، چناں چہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ صدارت تدریس کے ساتھ فتوی نویسی کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ مگر جب طلب فتاوی کی تعداد غیر معمولی طور پر بڑھنے لگی تو باضابطہ شعبہ کے قیام کی طرف توجہ ہوئی اور ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء میں دارالافتاء کا باضابطہ قیام عمل میں آیا اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ اس اہم خدمت کے لیے منتخب ہوئے۔ حضرت ممدوح اپنے زمانے کہ یگانۂ روزگار عالم اور زبردست فقیہ ہونے کے علاوہ زہد وتقوی میں بھی امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ اس وقت سے اب تک اس خدمت پر ایسے حضرات مامور ہوتے رہے جن کو فقہ میں زیادہ سے زیادہ بصیرت حاصل ہوتی تھی۔

دارالافتاء، دارالعلوم کا نہایت اہم شعبہ ہے اور اس کو روزِ اول ہی سے مرکزیت حاصل رہی ہے۔ اس سے ملک وبیرون ملک کے علماء وعوام مختلف مسائل میں رہ نمائی حاصل کرتے ہیں۔ دارالافتاء سے جو فتاوی طلب کیے جاتے ہیں ان میں روزمرہ کے معمولی مسائل کے علاوہ اہم، پیچیدہ اور غور طلب مسائل، پنچایتوں کے فیصلے، عدالتوں کی اپیلیں اور مختلف الاحکام فتاوی کثرت سے ہوتے ہیں۔ دارالافتاء کا فرض ہے کہ وہ سوال کرنے والوں کو پوری تحقیق اور صحت کے ساتھ مسائل شرعیہ بتلائے۔ دارالافتاء کے فتاوی کو ہر جگہ وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ عدالتیں یہاں کے فتاوی کو اہمیت دیتی ہیں۔ عوام کے علاوہ علماء بھی اکثر مسائل میں اس کی جانب رجوع کرتے ہیں۔ اس اہمیت ونزاکت کے باوجود دارالافتاء کا کام عام اور خاص مسلمانوں میں ہمیشہ اطمینان اور وقعت کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ الحمد للہ یہ شعبہ آج بھی اپنے امتیاز کے ساتھ مصروف عمل ہے۔

دارالافتاء کا شعبہ مسجد قدیم کی مشرقی جانب بالائی منزل پر واقع ہے۔ یہ عمارت ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء میں تعمیر ہوئی تھی جس متعدد بار توسیع کی گئی۔ دارالافتاء سے گذشتہ تقریباً سوا سو سال کے درمیان صادر ہونے والے فتاوی کی تعداد آٹھ لاکھ سے متجاوز ہے۔ اس وقت ہر سال تقریباً دس ہزار استفتاءات کے جوابات لکھے جاتے ہیں۔ فتاوی پر کوئی فیس نہیں لی جاتی۔

فتاوی دارالعلوم: حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے فتاوی کو کتابی شکل میں مرتب کر کے فتاوی

دارالعلوم کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔شروع کی بارہ جلدیں (تا کتاب اللقطہ) حضرت مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ کی مرتب کردہ ہیں۔۲۰۰۵ء میں ترتیب فتاوی کا کام دوسری بار شروع ہوا اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن کے ماقبی فتاوی پر کام ہوکر مزید چھ جلدیں مرتب کی گئیں۔حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کے علاوہ دیگر حضرات مفتیان کرام کے گراں قدر فتاوی بھی دارالافتاء کے رجسٹروں میں محفوظ ہیں جنھیں کمپیوٹر پر محفوظ کیے جانے کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔

(۲) شعبۂ انٹرنیٹ وآن لائن فتوی

عصر حاضر میں انفارمیشن ٹکنالوجی اور ذرائع ابلاغ کی حیرت انگیز ترقی سے جہاں بہت سارے نت نئے سیاسی، سماجی اور مذہبی مسائل پیدا ہوئے ہیں، وہیں کمپیوٹر وانٹرنیٹ کا ایک مثبت پہلو یہ سامنے آیا ہے کہ ان وسائل کا استعمال کر کے اسلامی پیغام اور مذہبی تعلیمات کو انتہائی آسانی اور تیز رفتاری کے ساتھ دنیا میں بھر میں پھیلایا جاسکتا ہے۔دارالعلوم دیوبند نے وقت کی رفتار کا بروقت ادراک کرتے ہوئے ۱۴۱۵ھ / ۱۹۹۶ء میں ہی شعبۂ کمپیوٹر کا آغاز کیا اور ملک میں انٹرنیٹ سروس عام ہوتے ہی ۲۰۰۲ء میں انٹرنیٹ سیکشن قائم کیا جو ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء سے ایک مستقل شعبہ کی شکل میں گراں قدر خدمات انجام دے رہا ہے۔اس وقت دارالعلوم کی ویب سائٹ ایشیا، یورپ، افریقہ، امریکہ وآسٹریلیا کے تقریباً ہر قابل ذکر ملک میں دیکھی اور پڑھی جاتی ہے اور ماہانہ ڈیڑھ ہزار سے زیادہ افراد ای میل کے ذریعہ رابطہ کرتے ہیں۔

شعبۂ انٹرنیٹ کی خدمات کے تین اہم عناوین ہیں:

(۱) آن لائن فتوی

(۲) آن لائن دعوت

(۳) آن لائن رابطہ

آن لائن فتوی:

www.darulifta-deoband.com

دارالعلوم دیوبند نے انٹرنیٹ پر ای میل کے ذریعہ آنے والے استفتاءات کی کثرت کے پیش نظر دارالافتاء کے لیے ۲۰۰۷ء میں خصوصی طور پر ایک نئی ویب سائٹ شروع کیا۔دوزبانوں؛ اردو و انگریزی میں یہ ڈاٹا بیس ویب سائٹ دولسانی فتوی سروس پیش کرنے والی دنیا کی سب سے بڑی ویب سائٹ ہے۔دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ دارالافتاء سے استفتاء کے خواہش مند حضرات اس ویب سائٹ پر

آ کر سوال کر سکتے ہیں۔اب تک اس ویب سائٹ پر تقریباً تیس ہزار اردو و انگریزی منتخب جوابات شائع کیے جا چکے ہیں جو ہمیشہ قارئین کے لیے آن لائن موجود رہتے ہیں۔

آن لائن دعوت:

www.darululoom-deoband.com

آن لائن دعوت کے تحت دارالعلوم ویب سائٹ پر اسلامی لائبریری کا آغاز کیا گیا ہے جس میں اسلامی عقائد، اعمال، تاریخ وغیرہ سے متعلق اہم علمی ودعوتی مواد فراہم کیا جاتا ہے۔علاوہ ازیں، اردو اور عربی میں مختلف اسلامی موضوعات پر مضامین کا ذخیرہ موجود ہے۔دوسری طرف دارالعلوم کے اردو و عربی ترجمان رسالے ماہنامہ الداعی اور ماہنامہ دارالعلوم ویب سائٹ پر قارئین کے لیے آن لائن شائع کیے جاتے ہیں۔اس کے علاوہ ای میل سے رابطہ کرنے والوں کو عام اسلامی ودعوتی معلومات ومواد فراہم کیا جاتا ہے۔نیز اسلامی موضوعات پر ریسرچ کرنے والوں کی رہ نمائی بھی کی جاتی ہے۔

آن لائن رابطہ:

info@darululoom-deoband.com

دارالعلوم کے ای میل کے توسط سے پوری دنیا سے دارالعلوم کے محبین دارالعلوم سے مختلف امور کے لیے رابطہ قائم کرتے ہیں اور انھیں شعبۂ انٹرنیٹ کے ذریعہ جواب دیا جاتا ہے۔دارالعلوم میں داخلہ اور دیگر ضروری امور کے متعلق معلومات فراہم کی جاتی ہے۔ویب سائٹ پر آن لائن چندہ کا وسیع نظام قائم ہے جس کے ذریعہ دارالعلوم کے معاونین کہیں سے بھی دارالعلوم کو براہ راست چندہ کی رقومات بھیج سکتے ہیں۔

علاوہ ازیں، ویب سائٹ پر دارالعلوم کے درجات عربیہ اور تکمیلات کے امتحانات سالانہ کے نتائج بھی ویب سائٹ پر شائع ہوتے ہیں۔دارالعلوم کی خبریں، اہم بیانات کی صوتی ریکارڈنگ بھی ویب سائٹ پر موجود ہوتی ہے۔ویب سائٹ پر چار زبانوں میں دارالعلوم کا جامع تعارف بھی موجود ہے۔

(۳) شعبۂ تبلیغ

یہ شعبہ دارالعلوم کی فکری ومسلکی ترجمانی کے فرائض انجام دیتا ہے۔شعبۂ تبلیغ کا قیام ۱۳۴۲ھ/ ۱۹۲۴ء میں اس وقت عمل میں آیا جب ہندوستان میں شدھی اور سنگٹھن تحریکوں نے ارتداد کا فتنہ پیدا پھیلا دیا تھا۔ یہ آریہ سماج کی منظّم تحریک تھی جس کا مقصد اسلام سے ناواقف سادہ لوح مسلمانوں کو ہندو بنانا تھا۔اس مقصد کے پیش سوامی شردھانند نے مسلمانوں کی شدھی کا کام شروع کیا جب کہ ڈاکٹر مونجے نے

انھیں مقاصد سے سنگٹھن قائم کیا جو خالص ہندوؤں کی جماعت تھی۔ اس نازک ترین موقع پر دارالعلوم نے وہی کیا جو اس جیسے دینی اور مذہبی ادارے کے شایان شان تھا۔ بحمد اللہ دارالعلوم کی تبلیغی اور دعوتی کوششوں کے نتیجہ میں بے شمار مرتدین تائب ہوکر اسلام میں واپس ہوئے اور لاکھوں سادہ لوح مسلمانوں کی تبدیلیٔ مذہب کے رجحان پر روک لگ گئی۔

اس کے بعد سے آج تک یہ شعبۂ دعوت وتبلیغ کے کام میں سرگرم عمل ہے۔ اس شعبہ کو ہمیشہ باصلاحیت علماء وفضلاء کی خدمات حاصل رہیں جو تقریر ومناظرہ اور افہام وتفہیم کے ذریعہ دین کی تبلیغ کا اہم کام انجام دیتے رہے۔ اس وقت بھی اس شعبہ میں حضرات مبلغین مقرر ہیں جو مختلف علاقوں میں مدارس اور عام مسلمانوں کی دعوت پر سفر کرنے کے علاوہ اقدامی طور پر بھی تبلیغی اسفار کرتے ہیں۔ بلاشبہ ان حضرات کی مساعی جمیلہ مسلمانوں کو دین اسلام پر ثابت قدم رکھنے اور دارالعلوم سے قریب لانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

(۴) شیخ الہند اکیڈمی

شیخ الہند اکیڈمی، دارالعلوم دیوبند کا تحقیقی وتالیفی شعبہ ہے جس کا قیام علمی منصوبوں کے ذیل میں ۱۴۰۳ھ میں عمل میں آیا۔ اکیڈمی کے بنیادی مقاصد حسب ذیل ہیں: (۱) حضرات اکابر رحمہم اللہ کے علمی سرمایہ کی حفاظت (۲) حضرات اکابر کی شخصیات اور ہمہ گیر خدمات پر عصر حاضر کے زندہ اسلوب میں تالیفات کی اشاعت کے ذریعہ عام مسلمانوں اور اہل عرب کو روشناس کرانا (۳) مسلک دارالعلوم اور دیگر اسلامی موضوعات پر تحقیقی کتابوں کی اشاعت (۴) طلبہ کو تصنیف وتالیف اور ترجمہ ومضمون نگاری کی تربیت دینا۔

اللہ کا شکر ہے کہ اکیڈمی روز اول ہی سے اپنے نگراں حضرات اور کارکنان کی مساعی کے نتیجہ میں اپنے مقاصد کی تکمیل میں سرگرم ہے۔ حضرات اکابر کے علمی سرمایہ کی حفاظت کے سلسلے میں اکیڈمی کا طریقۂ کار یہ ہے کہ ان کی عبارت میں کسی ترمیم کے بغیر رموز املاء کے اہتمام اور ضروری حواشی کے ذریعہ ان کی تسہیل اور طباعتی اغلاط سے پاک طباعت کی کوشش کی جائے۔ نیز، دیگر موضوعات پر اکیڈمی کتابیں تیار کراتی ہے یا تیار شدہ مسودات پیش کیے جائیں اور اکیڈمی کے مقصد سے ہم آہنگ اور اکیڈمی کے معیار کے مطابق ہو تو ان کا خیر مقدم کرتی ہے اور مجلس شوریٰ کی اجازت کی بعد ان کی اشاعت عمل میں آتی ہے۔ اب تک اکیڈمی سے تقریباً تین درجن معیاری عربی اور اردو کتابیں شائع ہوکر مقبول ہوچکی ہیں جن میں سے کچھ مشہور کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں: (۱) شوریٰ کی شرعی حیثیت (۲) اشاعت اسلام (۳) تفہیم القرآن کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ (۴) ادلۂ کاملہ (۵) ایضاح الادلہ (۶) خیر القرون کی درس گاہیں (۷) ائمہ اربعہ (۸) حضرت مولانا محمد قاسم

نانوتویؒ: حیات اور کارنامے (۹) حضرت گنگوہیؒ: حیات اور کارنامے (۱۰) حضرت شیخ الہندؒ: حیات اور کارنامے (۱۱) مجموعۂ ہفت رسائل حضرت نانوتویؒ (۱۲) تذکرۃ النعمان (۱۳) آئینۂ حقیقت نما (۱۴) تقریر دل پذیر (۱۵) مقالات حبیب (۱۶) علماء دیوبند : اتجاهھم الدینی و مزاجهم المذهبی (۱۷) دارالعلوم دیوبند و خدماتها فی الحدیث (۱۸) بحوث فی الدعوۃ (۱۸) لالی منثورۃ (۱۹) الاسلام والعقلانیۃ (۲۰) محاورات فی الدین (۲۱) حجۃ الاسلام (۲۲) ردود علی اعتراضات موجهۃ الی الاسلام (۲۳) الفتنۃ الدجالیۃ (۲۴) تحریک ریشمی رومال انگریزی وغیرہ

اس شعبہ کے ذریعہ فضلائے دارالعلوم کو اساتذہ کی نگرانی میں مضمون نگاری اور صحافت کی تربیت بھی دی جاتی ہے۔ دارالعلوم کے دورۂ حدیث یا تکمیلات سے فارغ طلبہ کو ایک سال کے لیے اردو صحافت اور مضمون نگاری سکھائی جاتی ہے۔

(۵) مجلس تحفظ ختم نبوت

مرزا غلام احمد قادیانی کے پھیلائے ہوئے فتنۂ ارتداد کی سرکوبی اور تعاقب میں اکابرین دارالعلوم اور علمائے دیوبند نے سنہری خدمات انجام دی ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان و پاکستان کی تقسیم کے بعد اس فتنہ نے پوری قوت کے ساتھ پاکستان میں سر اٹھایا۔ چناں چہ وہاں کے علماء و مسلم قائدین نے پاکستانی پارلیمنٹ میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر ملک سے فرار ہونے پر مجبور کیا۔ اس کے بعد اس فتنہ نے دوبارہ ایک نئی حکمت عملی کے ساتھ ہندوستان میں پاؤں پھیلانا شروع کیا۔ چناں چہ دارالعلوم اپنی روایت کے مطابق اس کی بیخ کنی کے لیے میدان میں آیا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے ۲۹ تا ۳۱/ اکتوبر ۱۹۸۶ء میں عالمی اجلاس تحفظ ختم نبوت منعقد ہوا۔ اسی موقع پر کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کا قیام عمل میں آیا تا کہ اس فتنہ کا مسلسل اور کامیاب تعاقب کیا جاسکے۔ یہ مجلس اس وقت سے پورے ملک میں نہایت سرگرمی کے ساتھ مصروف عمل ہے۔

تربیتی کیمپ: مجلس تحفظ ختم نبوت نے ملک کے ایسے مقامات پر جہاں قادیانی فتنہ کسی شکل میں موجود تھا وہاں کے علماء و ائمہ کو اس فتنہ کی دسیسہ کاریوں اور تباہ کاریوں سے آگاہ کرنے کے لیے تربیتی کیمپوں کا سلسلہ شروع کیا۔ سب سے پہلے حضرت مولانا محمد اسماعیل کٹکیؒ کی سرپرستی میں دارالعلوم دیوبند میں ۱۹۸۸ء میں دس روزہ تربیتی کیمپ منعقد کیا جس میں بہت سارے علماء نے رد قادیانیت پر تربیت حاصل کی۔ دارالعلوم نے دوسرا تربیتی کیمپ ۱۹۹۰ء میں مشہور عالم حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی (پاکستان) نے زیر

نگرانی وتربیت منعقد کیا۔اس کے علاوہ ۱۹۹۱ء میں ایک روزہ تربیتی کیمپ فیروزآباد یوپی میں،۱۹۹۲ء میں پانچ روزہ تربیتی کیمپ گوہاٹی میں، سہ روزہ کیمپ مدراس میں اور ایک روزہ کیمپ الوائی کیرالہ میں منعقد کیا گیا۔اسی طرح ۱۹۹۸ء تک ہر سال ملک کے مختلف مقامات جیسے میل پالم (تمل ناڈو)، بھاگل پور (بہار)، بنگلور، کلکتہ، مرشدآباد (بنگال)، ندیا (بنگال)،۲۴ پرگنہ (بنگال)، اجمیر (راجستھان)، ہاپوڑ (یوپی)، کان پور (یوپی) میں اور ۱۹۹۶ء میں ایک تربیتی کیمپ پڑوسی ملک نیپال میں لگایا گیا۔

ہر سال تحفظ ختم نبوت کے سلسلے میں خصوصی ٹریننگ کے لیے چار طلبہ کا داخلہ لیا جاتا ہے جنھیں رد قادیانیت کے متعلق کتابوں کے مطالعہ کے ساتھ دعوت وتبلیغ کی تربیت دی جاتی ہے۔شعبہ کی طرف سے دورۂ حدیث اور تکمیلات سے فارغ ہونے والے طلبہ اور دیگر مدارس کے فارغین کے لیے ہر سال ماہ شعبان میں ایک ہفتہ کا تربیتی کیمپ بھی لگایا جاتا ہے۔ نیز، مدارس ومعاہد کے اساتذہ ومبلغین کے لیے دارالعلوم میں ہی وقتاً فوقتاً خصوصی تربیت کا انتظام کیا جاتا ہے۔

اجتماعات اور کانفرنسیں: مجلس تحفظ ختم نبوت کے قیام کے بعد ہی سے مجلس کی طرف سے یا اس کی نگرانی میں یوپی، بہار، مغربی بنگال، پنجاب، آندھرا پردیش، ہریانہ، ہماچل پردیش، مہاراشٹر، کرناٹک، تمل ناڈو، آسام، میگھالیہ، راجستھان، کیرالہ، جموں وکشمیر اور نیپال میں تقریباً سو چھوٹے بڑے جلسے اور اجتماعات ہوئے۔۱۴/جون ۱۹۹۷ء کو دہلی کے اردو پارک میں ختم نبوت کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔اسی طرح، ۲۰ جون ۱۹۹۸ء کو دہلی ہی میں دوسری ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی۔

نیز، قادیانی مبلغین کبھی کبھی مناظرے اور مباحثے کا چیلنج بھی کرتے ہیں۔مجلس نے اب تک اس طرح کے کم از کم پندرہ مقامات پر قادیانی مبلغوں کا تعاقب کیا۔ ہر جگہ قادیانی یا تو مباحثہ میں لاجواب ہوگئے یا چیلنج دے کر روپوش ہوگئے۔ دوسری طرف مجلس کی خدمات کا تابناک پہلو یہ بھی ہے کہ اس کی مساعی سے بڑی تعداد میں قادیانیوں کو توبہ کی توفیق ملی جن میں کئی قادیانی مبلغین، چالیس سے زائد گھرانے اور ساٹھ سے زائد دیگر افراد شامل ہیں۔

(۶) شعبۂ ردعیسائیت

دارالعلوم دیوبند کا قیام ہی ایسے وقت عمل میں آیا جب ملک مکمل طور پر عیسائیوں کے قبضہ میں جاچکا تھا اور انگریز اپنے اقتدار وحکومت کے نشہ میں کہیں بزور قوت اور کہیں بزور دولت ہندوستانی مسلمانوں کے دین و مذہب پر حملہ آور ہورہے تھے۔انگریزوں کے تربیت یافتہ پادری ملک کے گوشہ گوشہ میں عیسائیت کی تبلیغ کرتے

پھرتے اور کھلم کھلا اسلام پر اعتراضات کرتے۔ ایسے پرآشوب حالات میں فتنۂ عیسائیت سے ٹکر لینے کے دارالعلوم کے اکابر علماء اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان حضرات نے تحریری وتقریری دونوں میدانوں میں عیسائی مشنریوں کا بھرپور مقابلہ کیا اور ہندوستان کو عیسائی ملک بنانے کے ان کے ناپاک ارادہ پر پانی پھیر دیا۔

کم وبیش ایک صدی کے بعد عیسائیت کا فتنہ دوبارہ سر اٹھانے لگا اور ہندوستان کے طول وعرض سے تشویشناک خبریں دارالعلوم پہنچنے لگیں تو دارالعلوم کی مجلس شوری صفر ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۹ء نے فتنۂ عیسائیت کے تعاقب کی خاطر ردعیسائیت کمیٹی تشکیل دی جسے بعد میں شعبہ میں تبدیل کر دیا گیا۔

اس شعبہ کے ذریعہ عیسائیت کے مختلف موضوعات پر تحقیقی کتابچے اور رسائل ترتیب دیے گئے جس میں عیسائیوں کے لچر اعتراضات اور معاندانہ شبہات کے تحقیقی والزامی جوابات دیے گئے ہیں اور ساتھ ہی عام مسلمانوں کے ایمان واسلام کی حفاظت کے لیے دلائل بھی ذکر کیے گئے ہیں۔ ضرورت کے پیش نظر کتابچوں اور رسائل کا انگریزی اور ہندی میں ترجمہ بھی شائع کیا گیا۔

اسی طرح ملک میں مختلف مقامات پر کیمپ لگا کر رجال کار کی تیاری کا کام بھی انجام دیا گیا۔ اس سلسلے میں ۱۴۲۲ھ میں دارالعلوم میں دو روزہ تربیتی کیمپ لگایا گیا جس سے بنگال، بہار، راجستھان، کشمیر، آندھراپردیش، کرناٹک، تامل ناڈو، آسام، پنجاب اور اترپردیش وغیرہ کے ڈیڑھ سو سے زیادہ علماء وفضلاء نے استفادہ کیا۔ شعبہ کی طرف سے وقتاً فوقتاً حسب ضرورت متاثرہ مقامات پر مبلغین وواعظین بھیج کر اصلاح حال کی کوشش کی جاتی ہے۔

نیز، ہر سال دو فضلائے دارالعلوم کو شعبۂ ردعیسائیت میں باضابطہ داخلہ دے کر انھیں اس موضوع پر تیار کیا جاتا ہے۔ یہ فضلاء ردعیسائیت کے فن میں خاص مناسبت پیدا کر کے اپنی اپنی جگہوں پر نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

(۷) دفتر محاضرات علمیہ

دارالعلوم اپنی مرکزیت کے پیش نظر دین ومذہب کے ہر شعبہ میں باصلاحیت افراد تیار کرنا اپنی ذمہ داری تصور کرتا ہے۔ امت مسلمہ کو راہ راست سے ہٹانے کے لیے جونت نئے باطل نظریات اور فتنے پیدا ہوتے ہیں، اس سلسلہ میں دارالعلوم نے اپنی ذمہ داری محسوس کی کہ فرزندان دارالعلوم کو امت کے ایمان و عقیدہ کی حفاظت کے لیے خصوصی طور پر تیار کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء میں طلبہ کی تربیت کا ایک سلسلہ 'محاضرات علمیہ' کے عنوان سے شروع کیا گیا جس میں اس وقت آٹھ موضوعات پر طلبہ کو

تربیت دی جارہی ہے۔وہ موضوعات درج ذیل ہیں: (۱)ہندومت (۲) یہودیت (۳) عیسائیت (۴)شیعیت(۵)قادیانیت(۶)غیرمقلدیت(۷)بریلویت(۸)مودودیت۔

ہرموضوع پرسال بھرمیں پانچ محاضرے پیش کیے جاتے ہیں۔ ہرموضوع کے لے الگ الگ اساتذہ متعین ہیں جومتعلقہ موضوع پرتیارشدہ مقالہ پیش کرتے ہیں۔محاضرات میں صرف دورۂ حدیث سے فارغ شدہ (افتاء وتکمیلات کے) طلبہ ہی شرکت کرسکتے ہیں۔ ہرجمعرات کو بعدنمازظہرطلبہ کے سامنے مقالہ پیش کیا جاتا ہے۔ ہر ہفتہ ایک موضوع کا مقالہ پیش ہوتا ہے۔اس طرح ہرموضوع کا نمبرڈیڑھ مہینہ میں آتا ہے۔دوران مقالہ بھی سوالات وجوابات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔اس طرح طلبہ کوان موضوعات پربصیرت کے ساتھ واقفیت ہوجاتی ہےاورعقائدحقہ اور باطل نظریات کے درمیان فرق کرنا اورعام مسلمانوں کی رہ نمائی کرنا آسان ہوجاتا ہے۔

(۸)دفتر ماہنامہ دارالعلوم

دارالعلوم نے تحریر وصحافت کی اہمیت اوراس راہ سے اسلامی تعلیمات،علوم اکابراورمسلک صحیح کی اشاعت کی ضرورت کو ہردورمیں پیش نظر رکھا۔

چناں چہ اولاً علمائے دیوبند کےعلوم ومعارف اورمضامین عام مسلمانوں تک پہنچانے اورعوام الناس کودین کے صحیح عقائدومسائل سے باخبر رکھنے کے لیے۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں ہی حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ اوردوسرے اکابرعلماء کی نگرانی میں حضرت نانوتویؒ کے نام پر'القاسم' کے نام سے ایک ماہانہ رسالہ جاری کیا گیا۔ ماہنامہ القاسم علمی اورتاریخی مضامین کی اشاعت کےعلاوہ دارالعلوم کے مقاصداوراس کی دینی وعلمی خدمات سے بھی عام مسلمانوں کوروشناس کرانے کا ایک بڑاذریعہ تھا۔اس لیے اس کا اجراء دارالعلوم کے مصارف سے ہونا چاہئے تھا،مگر دارالعلوم کوابتدائی مصارف سے بچانے کے لیے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ نے اس کواپنے ذاتی مصارف سے چلایا اور۱۳۳۱ء میں اس کا تعلق دارالعلوم سے باضابطہ قائم کردیا گیااوردارالعلوم نے اس کواپنی تحویل میں لےکرشائع کرنا شروع کیا۔

اس سے ایک سال بعد۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء میں ہی ماہنامہ الرشید کا اجراءعمل میں آیا۔ بلاشبہ ان دونوں رسالوں نے نہایت معیاری انداز میں اپنا فرض ادا کیا۔القاسم اورالرشید نے مسلمانوں کی گراں قدرعلمی خدمات انجام دی ہیں اوراہم معلومات کے ذخائربہم پہنچائے ہیں۔ایک عرصہ کے بعدتقریباً گیارہ سال تک نکلنے کے بعدمختلف اسباب وعوامل کے تحت یہ رسالے بند ہوگئے۔اس کے بعدپیہم کچھ ایسے حالات

پیش آتے رہے کہ بیس سال کی مدت تک کوئی رسالہ جاری نہ ہوسکا۔

آخرکار مخلصین ومتوسلین کی جانب سے مسلسل ایک ماہنامہ کے اجراء کے لیے اصرار پر دارالعلوم نے دوبارہ جمادی الاولی ۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۱ء میں 'دارالعلوم' کے نام سے ایک ماہانہ رسالہ جاری کیا۔ یہ رسالہ مختلف نشیب وفراز سے گزرتا ہوا الحمدللہ آج بھی جاری اور روبترقی ہے۔ عصر حاضر کے معیار کے مطابق یہ رسالہ کمپیوٹر کتابت کے ساتھ آفسیٹ پریس پر طبع ہوتا ہے۔ علمی واصلاحی مضامین کی اشاعت اور مختلف دینی وسیاسی موضوعات پر اس کی پرمغز اور وقیع تحریریں اور اداریے اس رسالہ کی خصوصی امتیازات میں سے ہیں۔ گذشتہ کئی سالوں سے یہ رسالہ شعبۂ انٹرنیٹ کے ذریعہ دارالعلوم کی ویب سائٹ پر آن لائن بھی شائع ہورہا ہے۔

(۹) دفتر مجلّہ الداعی

عربی زبان اسلام کی مذہبی اور سرکاری زبان ہے اور دارالعلوم عربی ادارہ ہے؛ اس لیے قدرتاً یہ بات ضروری تھی کہ دارالعلوم عربی میں اپنا کوئی ترجمان رسالہ جاری کرے تاکہ دارالعلوم کے احوال و کوائف اور مسلک حقہ سے عربوں کو انھیں کی فصیح و بلیغ زبان میں روشناس کرایا جاسکے۔ اس مقصد کے تحت سب سے پہلے ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء میں ایک سہ ماہی عربی مجلّہ 'دعوۃ الحق' کے نام سے نکالا گیا۔ دعوۃ الحق برصغیر کے عربی مدارس کے علاوہ عرب ممالک میں بھی دل چسپی سے پڑھا جاتا تھا۔ بعد میں پھر ۱۳۹۷ھ / ۱۹۷۷ء میں اس رسالہ کی جگہ مجلۃ الداعی کا اجراء عمل میں آیا۔ پہلے یہ رسالہ پندرہ روزہ تھا، بعد میں اس کو ماہنامہ کردیا گیا۔

مجلّہ الداعی عربی کا ایک معیاری رسالہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ ظاہری ومعنوی خوبیوں کے لحاظ سے ہندوستان کے عربی مجلّات ورسائل میں اس کو ممتاز مقام حاصل ہے۔ مضامین کا حسن انتخاب، زبان و بیان کی شستگی وشائستگی کے ساتھ ساتھ مجلّہ الداعی کے ظاہری حسن اور دیدہ زیبی پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ حالات حاضرہ بالخصوص عالم اسلام اور عالم عرب کے مسائل ومشکلات اور سیاسی وثقافتی حالات پر مجلّہ الداعی کی خصوصی تحریریں اور بصیرت افروز اداریے بڑی توجہ سے پڑھے جاتے ہیں اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ دارالعلوم کے مسلک حقہ کی نمائندگی اور اکابر کے علوم وافادات کی اشاعت کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ ماشاء اللہ ہر پہلو سے اس رسالہ کا معیار بلند ہوا ہے اور الحمدللہ عرب ممالک میں بھی دارالعلوم کا یہ ترجمان نہایت وقعت اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

ماہنامہ الداعی کے دفتری نظام کی دیکھ بھال کے لیے مستقل دفتر قائم ہے۔ گذشتہ کئی سالوں سے یہ رسالہ شعبۂ انٹرنیٹ کے ذریعہ دارالعلوم کی ویب سائٹ پر آن لائن شائع ہورہا ہے۔

(۱۰) شعبۂ ترتیب فتاوی

طلب فتاوی کا کام دارالعلوم کے قیام سے ہی شروع ہو چکا تھا، لیکن دارالافتاء کا باضابطہ قیام ۱۳۱۰ھ /۱۸۹۲ء میں ہوا۔ ابتدا میں فتاوی کی نقول رکھنے کا معمول نہیں تھا۔ ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۲ء سے فتاوی کی نقول رکھنے کا قاعدہ مقرر ہوا۔ اس لیے دارالعلوم کے ۴۷ سال کے فتاوی کی نقول موجود نہیں ہیں۔

ترتیب فتاوی کا پہلا مرحلہ ۱۳۷۴ھ سے شروع ہوا جب حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کی تجویز پر اس سلسلہ کا آغاز ہوا۔ مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ نے صرف مفتی اول حضرت مفتی عزیز الرحمٰنؒ کے فتاوی کو مرتب کیا جو فتاوی دارالعلوم کے نام سے بارہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ فتاوی دارالعلوم کی پہلی جلد ۱۳۸۲ھ میں شائع ہوئی۔ ان بارہ جلدوں میں کتاب الطہارۃ سے کتاب اللقطۃ تک کے مسائل فقہی ترتیب پر مرتب کیے گئے ہیں۔ کتاب اللقطہ سے ترتیب کا کام موقوف ہو گیا تھا۔

ترتیب فتاوی کا دوسرا مرحلہ ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۵ء میں رکن شوری حضرت مولانا بدرالدین اجمل کی تحریک پر شروع ہوا۔ مجلس شوری کی منظوری کے بعد کتاب اللقطہ سے ترتیب فتاوی کا کام دوبارہ شروع کیا گیا اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰنؒ کے فتاوی فقہی ترتیب سے مرتب ہو کر مزید چھ جلدوں (کل اٹھارہ جلدوں) میں مکمل ہوئے۔ ترتیب فتاوی کے لیے مستقل دفتر قائم ہے۔

دارالافتاء کے سیکڑوں فتاوی رجسٹروں کی کمپوزنگ، کوڈنگ اور ترتیب کا کام شعبۂ کمپیوٹر کے ذریعہ انجام پاتا ہے۔ حضرت مفتی عزیز الرحمٰنؒ کے فتاوی کے علاوہ دیگر مفتیان کرام کے فتاوی بھی کمپیوٹر پر ٹائپ ہو کر محفوظ ہورہے ہیں۔ دارالافتاء کے سو سال سے زیادہ کا ریکارڈ بارہ سو رجسٹروں میں موجود ہے جس کے کاغذ مرور زمانہ کی وجہ سے بوسیدہ ہوتے جارہے تھے؛ اس لیے جدید ٹکنالوجی کی مدد سے انھیں کمپیوٹر پر محفوظ کیے جانے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ اب تک حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کے علاوہ حضرت مفتی شفیع دیوبندیؒ، حضرت مولانا اعزاز علیؒ وغیرہ مفتیان کرام کے رجسٹر ٹائپ کیے جاچکے ہیں۔

(۱۱) شعبۂ تحفظ سنت

برصغیر میں غیر مقلدیت تقریباً دوسو سال پہلے سے موجود تھی اور علماء دیوبند کو ابتدا ہی سے غیر مقلدین سے

نبرد آزما ہونا پڑا۔ لیکن ادھر خلیجی عرب ممالک میں تیل کی دریافت کے بعد غیر مقلدین نے نام نہاد سلفیت کا لبادہ اوڑھ کر عرب عوام اور علماء کو علمائے دیوبند اور احناف کے سلسلہ میں ورغلانا شروع کردیا، تا آں کہ یہ اس صدی کا ایک بڑا فتنہ بن گیا اور مسلم نوجوانوں کا ایک بڑا طبقہ ان کے دام فریب میں آکر علمائے سلف اور فقہاء کی شان میں گستاخی کرنے لگا۔ چناں چہ دارالعلوم نے اس فتنہ کا مقابلہ کرنے کے لیے سب سے پہلے طلبہ کے لیے رد غیر مقلدیت کے عنوان سے محاضرات کا سلسلہ شروع کیا اور ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء میں شعبۂ تحفظ سنت قائم ہوا۔ اس شعبہ کے ذریعہ رد غیر مقلدیت کے تعاقب کے سلسلے میں منتخب طلبہ کو خصوصی تربیت دی جاتی ہے۔

پانچواں باب

دارالعلوم کا نصاب و نظام تعلیم

- مدارس اسلامیہ کا نصاب تعلیم
- دارالعلوم کا نظام تعلیم
- دارالعلوم کی تعلیمی خصوصیات
- درجات تعلیم
- نصاب تعلیم
- قواعد داخلہ

مدارس اسلامیہ کا نصاب تعلیم

تعلیم کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ اسلام نے سرزمین عرب کی کفر وشرک اور جہالت و وحشت بھری تاریک فضا میں جو روشنی دکھائی وہ علم کی روشنی تھی۔ اسلام نے روز اول ہی سے علم کی اہمیت پر زور دیا اور مسلمانوں کو تعلیم جیسی دولت بے بہا کو حاصل کرنے کی تاکید کی۔ ابتدائے عہد اسلام میں جبرئیل امین علیہ السلام کے واسطہ سے نازل ہونے والا الٰہی فرمان اور دربارِ نبوت سے صادر ہونے والے الفاظ واعمال یعنی قرآن وحدیث ہی مسلمانوں کے نظام تعلیم کا نصاب تھا۔ قرآن کی موقعہ بہ موقعہ نازل ہونے والی آیات کو لکھنے، پڑھنے اور یاد کرنے کا خاص التزام کیا جاتا تھا۔ حدیث کے مذاکرہ کا رواج تھا، کچھ صحابہ حدیث کو لکھنے کا بھی اہتمام کرتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ کے بعد صدیقی دور خلافت میں قرآن کریم کی تدوین کی طرف توجہ ہوئی اور اسے ایک مصحف میں نہایت اہتمام واحتیاط کے ساتھ جمع کیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اسلامی مملکت کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا اور اسلام عرب سے نکل کر بلاد عجم تک پہنچ گیا اور نت نئی تبدیلیاں واقع ہونے لگیں۔ چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جملہ شعبہائے حیات اور خصوصاً شعبۂ تعلیم میں زبردست انقلابی تبدیلیاں کیں اور ترقیات کی بنیاد ڈالی۔

پہلی صدی ہجری میں احادیث مبارکہ کی تدوین کا سلسلہ شروع ہوگیا اور اس کے بعد کی دو صدیاں تدوین وایجادات کی صدیاں ثابت ہوئیں۔ خلافت راشدہ کے بعد اموی وعباسی ادوار میں اسلام دنیا کے متمدن علاقوں تک پہنچ چکا تھا۔ دین اسلام کے بڑھتے دائرہ اور نت نئے مسائل و واقعات کے پیش نظر حرفتوں، علوم اور فنون کی تدوین وایجاد شروع ہوئی۔ قرآن وحدیث کے معانی ومطالب کو سمجھنے کے لیے عجمیوں کو نحو وصرف جیسے علوم کی ضرورت ہوئی اور یہ علوم ایجاد ہوئے، ادباء وعلمائے نحو پیدا ہوئے۔ ترقیات کی کثرت اور عالم اسلام کی وسعت کے لحاظ سے نئے مسائل وحالات پیدا ہوتے رہے اور علماء وفقہاء کی ایک بڑی تعداد قرآن وحدیث کی روشنی میں ان مسائل وحالات کے حل نکالنے میں مشغول ہوئی، اس طرح فقہ واصول فقہ کی تدوین عمل میں آئی اور تفسیر واصول تفسیر، حدیث واصول حدیث، فقہ واصول فقہ، صرف و

نحو، اسماء الرجال اور تواریخ و معاجم کے متعلق علوم کی کتابیں لکھی جانے لگیں۔

اس وقت تک مساجد اور درسی حلقات کے بنیادی نصاب میں یہی قرآن و حدیث اور اس سے متعلق علوم نصاب کا جز رہے۔ پانچویں صدی میں امام غزالیؒ نے یونانی فلسفہ کے زیر اثر پیدا ہونے والے اسلام مخالف افکار و نظریات کے رد میں علم کلام کی بنیاد ڈالی جس سے اسلامی فلسفہ اور منطق کا جنم ہوا۔ یہ علوم اس وقت اور اس کے بعد تقریباً تمام ہی عالم اسلام کے خطوں میں مشترک تھے لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا مختلف اسباب و وجوہات کی بنیاد پر مختلف علاقے مختلف علوم کے ساتھ مشہور ہوتے گئے؛ جیسے عرب کے علاقے میں تفسیر، حدیث، اصول حدیث اور اسماء الرجال جیسے علوم سے زیادہ شغف رہا۔ اسلامی اندلس میں تاریخ، ادب اور شاعری زیادہ مرغوب رہی جب کہ ایران کے لوگ منطق و فلسفہ سے دلچسپی میں ہمیشہ ممتاز رہے۔ اسی طرح خراسان و ماوراء النہر (وسط ایشیا) میں بعد کی صدیوں میں فقہ، اصول فقہ اور تصوف کا خوب رواج رہا۔

ہندوستانی مسلمانوں کا نصاب تعلیم

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد اموی خلافت کے دور میں پہلی صدی ہجری کے اندر ہو چکی تھی اور محمد بن قاسم کے ہاتھوں سندھ و ملتان فتح ہو چکے تھے۔ اسی طرح پانچویں صدی ہجری میں سلطان محمود غزنوی نے سندھ و پنجاب کو زیر نگیں کر لیا تھا اور اپنی فتوحات کا دائرہ گجرات تک وسیع کر لیا تھا، لیکن ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کی ابتدا در اصل چھٹی صدی ہجری (مطابق ۱۲۰۶ء) کے اخیر میں سلطان شہاب الدین غوری کے نائب قطب الدین ایبک کے دور سے ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب وسط ایشیا کے مسلمان تفسیر و حدیث کے ساتھ صرف و نحو، بلاغت و ادب اور کلام و تصوف کو بھی اہمیت دینے لگے تھے۔ چوں کہ وسط ایشیا اور دیگر اسلامی ملکوں میں تاتاری حملوں کے بعد مضبوط اسلامی حکومت ہندوستان میں ہی قائم ہوئی تھی اور یہ علاقہ تاتاری یورشوں سے تقریباً آزاد بھی تھا؛ اس لیے وسط ایشیا کے علماء و مشائخ اور عام مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ہندوستان آ گئی تھی؛ چناں چہ فطری طور پر ان کے ساتھ یہ ذوق ہندوستان منتقل ہوا اور یہیں سے ہندوستانی نظام تعلیم کی بنیاد پڑی۔

مولانا حکیم سید عبدالحی لکھنوی نے اپنی کتاب ''الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند'' (ص ۱۱ تا ۱۷) میں قدیم ہندوستانی نصاب تعلیم کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ ذیل میں اسی بنیاد پر اختصار کے ساتھ عہد وسطی میں ہندوستانی مسلمانوں کے نصاب تعلیم کا ایک خاکہ پیش کیا جا رہا ہے:

پہلا دور

اس کا آغاز ساتویں ہجری سے سمجھنا چاہیے اور انجام دسویں صدی پر اس وقت ہوا جب کہ دوسرا دور شروع ہوگیا تھا، کم وبیش دوسو برس تک اِن فنون کی تحصیل معیار فضیلت سمجھی جاتی تھی: صرف، نحو، ادب، بلاغت، فقہ، اصول فقہ، منطق، کلام، تصوف، تفسیر، حدیث۔ اس طبقے کے علماء کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں علم فقہ معیار فضیلت تھا، حدیث میں صرف مشارق الانوار کا پڑھ لینا کافی سمجھا جاتا تھا اور حدیث میں مزید درک ومہارت کے لئے مصابیح آخری کتاب تھی۔ اس زمانے کے نصاب تعلیم میں جو خصوصیات نظر آتی ہیں وہ فاتحین ہند کے مؤثر اور نکھرے ہوئے مذاق کا نتیجہ تھیں، ہندوستان میں اسلامی حکومت کی بساط جن لوگوں نے بچھائی وہ غزنی اور غور سے آئے تھے، یہ وہ مقامات تھے جہاں فقہ اور اصول فقہ کا ماہر ہونا علم وفن کا طرۂ امتیاز سمجھا جاتا تھا اور ان ممالک میں فقہی روایات کا پایہ بہت بلند تھا۔

دوسرا دور

نویں صدی ہجری کے آخر میں شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ ملتان سے دہلی سلطان سکندر لودھی کے دربار میں آئے اور انھوں نے سابقہ معیار فضیلت کو کسی قدر بلند کرنے کے لئے قاضی عضدالدین کی تصانیف مطالع ومواقف اور علامہ سکاکی کی مفتاح العلوم نصاب میں داخل کیں۔ اس دور میں میر سید شریف کے تلامذہ نے شرح مطالع اور شرح مواقف اور علامہ تفتازانی کے شاگردوں نے مطول ومختصر المعانی اور تلویح و شرح عقائد نسفی کو رواج دیا۔ نیز اس زمانہ میں شرح وقایہ اور شرح جامی داخل نصاب کی گئیں، اس دور کے آخر میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے علمائے حرمین شریفین سے علم حدیث کی تکمیل کر کے علم حدیث کو فروغ دینے کی کوشش کی، ان کے بعد ان کے فرزند شیخ نورالحق نے بھی درس حدیث کی اشاعت کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوسکی۔ اس طبقے کے علمائے کرام کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں مفتاح العلوم سکاکی اور قاضی عضدالدین کی مطالع اور مواقف منتہیانہ کتابیں تھیں۔

تیسرا دور

دسویں صدی کے اخیر میں میر فتح اللہ شیراز (ایران) سے ہندوستان آئے، اکبر نے ان کو عضدالملک کا خطاب دے کر پذیرائی کی، انہوں نے سابق نصاب درس میں کچھ معقولی کتابوں کے اضافے کئے اور انھیں

کے زیر اثر ہندوستانی نصاب میں ان کا رواج ہوا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے جو اس دور کے سب سے آخری مگر سب سے زیادہ نامور عالم تھے، حرمین شریفین تشریف لے گئے اور وہاں چودہ ماہ قیام فرما کر علم حدیث کی تکمیل کی اور ہندوستان آ کر اس سرگرمی سے اس کی اشاعت کی کہ جس کے اثرات آج تک باقی ہیں، حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے اخلاف نے صحاح ستہ کے درس و تدریس کو اپنی سعی و کوشش سے جزو نصاب بنا دیا۔ شاہ صاحبؒ نے ایک نیا نصاب درس بھی مرتب کیا تھا مگر چونکہ اس زمانے میں علم کا مرکز دہلی سے لکھنؤ منتقل ہو چکا تھا، نیز ہمایوں اور اکبر کے زمانے میں ایران سے جو نیا تعلق قائم ہوا تھا، اس نے بتدریج ہندوستان کے علمی مذاق میں ایک جدید تغیر پیدا کر دیا تھا، مغل دربار کے ایرانی امراء اور علماء کے ذریعے منطق اور فلسفہ کو آہستہ آہستہ دوسرے علوم پر فوقیت حاصل ہوتی گئی؛ اس لیے شاہ صاحبؒ کے نصاب کو قبول عام حاصل نہ ہو سکا۔

چوتھا دور

چوتھا دور بارہویں صدی ہجری سے شروع ہوا، اس کے بانی ملا نظام الدین سہالوی لکھنویؒ تھے جن کا مرکز فرنگی محل لکھنؤ تھا۔ درس نظامی کے نام سے جو نصاب آج تمام مدارس عربیہ میں رائج ہے وہ ان ہی کی یادگار ہے۔ ملا نظام الدین نے دور سوم کے نصاب میں اضافہ کر کے ایک نیا نصاب مرتب کیا اور اس دور میں پڑھائی جانے والی کتابوں کو حتی الامکان جمع کرنے کی کوشش کی۔ درس نظامی میں تیرہ موضوعات کی تقریباً چالیس کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ فقہ اور اصول فقہ کے ساتھ، تفسیر میں جلالین و بیضاوی اور حدیث میں مشکاۃ المصابیح داخل تھی۔ انھوں نے ریاضی اور فلکیات کی کئی کتابیں اور ہندسہ (جیومٹری) پر بھی ایک کتاب شامل نصاب کی تھی۔ اس میں طب، تصوف اور ادب کی کوئی کتاب شامل نہیں تھی اور منطق و فلسفہ کو خاصی جگہ دی گئی۔

تیرہویں صدی کے وسط میں ہندوستان میں علم کے تین مرکز قائم تھے: دہلی، لکھنؤ اور خیر آباد۔ گو نصاب تعلیم تینوں کا قدرے مشترک تھا، تاہم تینوں کے نقطہ ہائے نظر مختلف تھے۔ دہلی میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا خاندان کتاب و سنت کی نشر و اشاعت اور تعلیم و تدریس میں ہمہ تن مشغول تھا، یہاں تفسیر و حدیث پر زیادہ توجہ دی جاتی تھی، علوم معقولہ کی حیثیت ثانوی درجے کی تھی۔ لکھنؤ میں علمائے فرنگی محلّی پر ماوراء النہر کا ساتویں صدی والا قدیم رنگ چھایا ہوا تھا، فقہ اور اصول فقہ کو ان کے یہاں سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی، تفسیر میں جلالین و بیضاوی اور حدیث میں صرف مشکاۃ المصابیح کافی سمجھی جاتی تھی۔ خیر آبادی مرکز کا علمی موضوع صرف منطق و فلسفہ تھا اور یہ علوم اس قدر اہتمام سے پڑھائے جاتے تھے کہ

جملہ علوم کی تعلیم ان کے سامنے ماند پڑ گئی تھی۔

دارالعلوم دیوبند اور اس سے ملحقہ مدارس کا نصاب

۱۸۵۷ء کے تاریخی حادثۂ انقلاب میں تقریباً ملک سے ساری نامور درس گاہیں برباد کردی گئیں اور خصوصاً ملک کا شمالی حصہ جو اس تحریک کا مرکز تھا اور دینی علوم وفنون کا گہوارہ تھا، اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ اس واقعہ کے تقریباً دس سال بعد جب دیوبند میں دارالعلوم بنیاد پڑی، اس کے نصاب میں ماضی قریب کے تینوں علمی گہواروں؛ دہلی، لکھنؤ اور خیرآباد، کی خصوصیات کو جمع کیا گیا۔ اس طرح اس میں درس نظامی کو بنیاد بناتے ہوئے صحاح ستہ کو شامل کیا گیا، فرنگی محل کے خاص فن فقہ کو بھی کافی اہمیت دی گئی اور خیرآبادی فن منطق کو بھی جگہ دی گئی۔

دارالعلوم دیوبند کا یہی نصاب تعلیم تقریباً ڈیڑھ صدیوں سے ہندوستان کے اکثر مدارس میں مروج ہے۔ اس نصاب میں حسبِ ضرورت تغیر وتبدل بھی ہوتا رہا ہے۔ دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس نے ان علوم کی عظمت کو نہ صرف یہ کہ باقی رکھا بلکہ ترقی دینے میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ اس نصاب کی خصوصیت یہ ہے کہ طالب علم میں امعان نظر اور قوت مطالعہ پیدا کرنے کا لحاظ اس میں زیادہ رکھا گیا ہے۔ اس نصاب کے ذریعہ طالب علم کے اندر جملہ علوم وفنون سے مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور طالب میں یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ مطالعہ اور محنت سے جس فن میں چاہے کمال پیدا کرلے۔

اس وقت دارالعلوم دیوبند اور اس کے طرز پر چلنے والے مدارس میں فضیلت تک تقریباً تیس موضوعات کی پچاس سے زیادہ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ ان موضوعات میں تفسیر وترجمۂ قرآن، حدیث و اصول حدیث، فقہ واصول فقہ، نحو وصرف، معانی وبیان وبلاغت، منطق وفلسفہ، تاریخ وتصوف، عقائد وادب اور تجوید وغیرہ جیسے علوم پڑھائے جاتے ہیں۔ ابتدا کی چند کتابوں کو چھوڑ کر ساری کتابیں عربی زبان میں ہیں۔ دورۂ حدیث کے بعد طالب علم کے ذوق وشوق اور اس کی صلاحیت کے مطابق اسے تفسیر واصول تفسیر، حدیث واصول حدیث، فقہ وفتاوی یا ادب عربی میں سے کسی ایک فن میں تخصص کی سہولت مہیا کی جاتی ہے اور اس سلسلے میں اس کی رہنمائی کی جاتی ہے۔ کمپیوٹر، انگریزی زبان وادب وغیرہ کے بھی کورسز ہیں جو اِن موضوعات سے دلچسپی رکھنے والے طلبہ کو اس میدان میں آگے بڑھنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے نصاب کو درس نظامی کا نام دیا جاتا ہے، جو کسی حد تک صحیح کہا جا سکتا ہے۔ لیکن کچھ لوگوں کو اس نام سے یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ یہ نصاب بعینہٖ بارہویں صدی ہجری کا ہے، حالاں کہ حقیقت یہ

ہے کہ اگر چہ دارالعلوم کے اس نصاب کی بنیاد وہی درس نظامی تھا جو قیام دارالعلوم کے وقت عموماً ہندوستانی مدارس و درس گاہوں میں رائج تھا، لیکن دارالعلوم کے قیام کی ابتدا ہی سے درس نظامی جوں کا توں کبھی بھی دارالعلوم کا نصاب نہیں رہا اور بعد میں حالات کے تقاضے کے پیش نظر اس میں تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ اگر کوئی شخص ملا نظام الدین کے درس نظامی کا آج کے دارالعلوم دیوبند کے نصاب سے موازنہ کرے تو اس کو دارالعلوم کے نصاب کو درس نظامی کا نام دینے میں بھی ہچکچاہٹ ہوگی؛ کیوں کہ اس میں علوم عالیہ کے ساتھ علوم آلیہ کی کتابوں میں بنیادی تبدیلیاں کی گئی ہیں، درس نظامی کی متعدد کتابوں کو بالکل نکال کر دوسری کتابوں کا اضافہ کیا گیا ہے، جب کہ بہت سے موضوعات کی کتابوں کو بدل دیا گیا ہے۔

نصاب دارالعلوم میں زمانہ کے تقاضوں کے مطابق تغیر وتبدل اور حذف و اضافہ کا عمل مسلسل جاری ہے۔ علوم دینیہ کے ساتھ عصری علوم اور معاشی ضرورتوں کا بھی لحاظ رکھا جارہا ہے۔ دارالعلوم میں دارالصنائع ،شعبۂ کمپیوٹر،شعبۂ انگریزی وشعبۂ صحافت اسی مسلسل عمل کا ایک حصہ ہیں۔

نصاب کی تبدیلی کے سلسلے میں ایک بات ضرور یاد رکھنی چاہیے کہ دارالعلوم دیوبند اور اس جیسے مدارس کا مقصد دینی علوم وثقافت کی حفاظت اور اسلام کی نشر واشاعت ہے۔ لہٰذا، ایسی کوئی تبدیلی جو اس عظیم مقصد میں خلل انداز ہو اسے قطعاً قبول نہیں کیا جاسکتا ہے۔ علوم عالیہ یعنی قرآن ، حدیث اور فقہ کو صحیح طور پر سمجھنے اور ان میں درک حاصل کرنے کے لیے جن علوم کی ضرورت ہوتی ہے، ان علوم کی تعلیم ہی ان مدارس کا اصل مقصد ہے۔ اس میں دوسرے علوم وفنون کی گنجائش محض اسی حد تک ہے جب تک کہ یہ دوسرے علوم ان مدارس کے اصل مقصد میں حائل یا مخل نہ ہوں۔ اسی لیے نصاب تعلیم میں کسی بھی جزوی ترمیم اور حذف و اضافہ کے وقت یہ امر بہرحال ملحوظ رہتا ہے کہ نصابِ تعلیم کا بنیادی ڈھانچہ اور اس نصابِ تعلیم کا اصل مقصد متاثر نہ ہو۔

ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ میں مدارس اسلامیہ کے نصاب ونظام کی اہمیت ایک تاریخی اور ناقابل انکار حقیقت ہے۔ انھیں مدارس کے بطن سے ہزار ہا ہزار علمائے کرام ،مفتیان عظام، مشائخ کبار اور سیاسی و سماجی شخصیات نے جنم لیا ہے۔ انیسویں صدی عیسوی کے نصف اخیر سے لے کر اب تک کی تاریخ میں ہندوستان کے گوشے گوشے اور پوری دنیا میں انھیں مدارس کے بوریہ نشین علماء نے دین اور علم دین کو پہنچایا ہے۔ مدارس کی تحریک سے ہمہ جہت شخصیات اور ان کی خدمات کا جو سلسلہ جاری ہوا ہے تاریخ اسلام میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ ان مدارس کے ذریعہ نہ صرف برصغیر میں اسلام کی حفاظت و بقا کا سامان پیدا ہوا بلکہ یہاں کے علماء کو تمام علوم اسلامیہ میں وہ بلند مقام حاصل ہوا کہ عرب وعجم اور ترکستان و بخارا کے علم و ادب کے گہوارے بھی اس کی عظمتوں کو سلام کرنے پر مجبور ہوگئے۔

دارالعلوم کا نظام تعلیم

دارالعلوم کا تعلیمی سال شوال سے شروع ہوتا ہے۔شوال میں داخلہ کی کاروائی مکمل کرنے کے بعد اوائل ذی قعدہ سے اسباق شروع ہوجاتے ہیں اور آخر رجب تک جاری رہتے ہیں۔ششماہی امتحان ماہ ربیع الاول کے آخری عشرہ میں ہوتا ہے جب کہ سالانہ امتحان شعبان میں ہوتا ہے جو تقریباً تین ہفتے تک جاری رہتا ہے۔شعبان کے آخری ہفتے سے عام تعطیل ہوجاتی ہے جو شوال کے پہلے ہفتے تک جاری رہتی ہے۔شوال کے دوسرے ہفتہ سے داخلہ شروع ہوجاتا ہے۔جمعہ کے دن ہفتہ کی تعطیل ہوتی ہے۔رمضان و عیدالفطر کی بڑی تعطیل کے علاوہ عیدالاضحیٰ میں تقریباً دس دن کی تعطیل ہوتی ہے۔

اوقات تعلیم

دارالعلوم میں درس کے اوقات دو حصوں میں تقسیم ہیں، پہلا حصہ چار گھنٹے کا ہے اور دوسرا دو گھنٹے کا۔ موسم گرما میں صبح ۶/بجے سے ۱۰/بجے تک اور بعد ظہر ساڑھے تین سے ساڑھے پانچ بجے تک اور موسم سرما میں صبح کو ۸/بجے سے ۱۲/بجے تک اور بعد ظہر ۲/بجے سے ۴/بجے تک درس کے اوقات ہیں۔موسم کے تغیر کے ساتھ تدریجاً اوقات بدلتے رہتے ہیں، یعنی چھ سے سوا چھ اور دو سے سوا دو، اسی طرح آٹھ سے پونے آٹھ اور ساڑھے تین سے سوا تین۔دارالعلوم میں ہر تعلیمی گھنٹہ پورے ۶۰/منٹ کا ہوتا ہے۔

امتحانات

دارالعلوم سے قبل مدارس عربیہ میں امتحانات کا طریقہ عموماً مروج نہ تھا، تاہم کچھ مدارس میں سالانہ امتحان کی تفصیلات ملتی ہیں۔مگر قیام دارالعلوم کے قریبی زمانہ میں یہ رواج متروک ہوچکا تھا اور مدارس عربیہ میں ششماہی اور سالانہ امتحان کا طریقہ جو طالب علم کی استعداد اور محنت وجانفشانی کے اندازہ کرنے کا ایک عمدہ ذریعہ ہے، مروج نہیں تھا۔طالب علم جب استاد سے ایک کتاب پڑھ لیتا تو اس سے مافوق دوسری کتاب بغیر امتحان لئے شروع کرادی جاتی تھی۔ظاہر ہے کہ اس میں طالب علم کی استعداد جانچنے اور پرکھنے

کا کوئی موقع نہ تھا۔

دارالعلوم نے اس نقص کو محسوس کرتے ہوئے اس طریقے کو ختم کر کے ششماہی اور سالانہ امتحان کو لازمی قرار دیا۔ دارالعلوم میں امتحانات کے سلسلے میں جو قواعد مروج ہیں وہ بھی کافی مستحکم ہیں، یہاں پرائیوٹ امتحان کا قاعدہ نہیں ہے۔ ہندوستان کے مدارس کے متعلق تاریخ میں امتحانات کا کوئی ذکر نہیں ملتا اور یہ تو بالکل یقینی ہے کہ دارالعلوم کے قیام کے متصل زمانے میں ہندوستان میں سالانہ امتحان کا قطعاً رواج نہ تھا۔

قوانین امتحان

امتحان جو طلبہ کی تعلیمی استعداد اور اساتذہ کی محنت وجاں فشانی کے اندازے کا معیار ہے اور جس پر ترقی درجات کا انحصار ہے، بہت ضروری چیز ہے، لیکن دارالعلوم کو جس طرح حکومت کے اثر سے بالکل علاحدہ رکھا گیا ہے، اسی طرح امتحان میں کسی قسم کی بیرونی مداخلت کو بھی ناپسند کیا گیا، نصاب تعلیم خود دارالعلوم کا اپنا مجوزہ ہے اور امتحانات بھی دارالعلوم خود ہی اپنی نگرانی میں لیتا ہے۔

امتحان دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک امتحان داخلہ، یہ ان طلبہ کا ہوتا ہے جو کسی دوسرے مدرسہ سے آکر دارالعلوم میں داخل ہونا چاہیں، یہ امتحان شوال میں ہوتا ہے، اس امتحان میں بہت ہی احتیاط برتی جاتی ہے اور بسا اوقات ایک عشر طلبہ داخلہ پاتے ہیں اور بقیہ طلبہ ایسے ہوتے ہیں جن کو امتحان داخلہ میں ناکام ہونے کے باعث واپس ہوجانا پڑتا ہے۔ دوسرا امتحان خواندگی ہوتا ہے، یہ سال میں دومرتبہ لیا جاتا ہے، ششماہی ماہ ربیع الاول میں اور سالانہ شعبان میں ہوتا ہے۔

امتحانات میں انتہائی احتیاط اور سخت ترین نگرانی کی جاتی ہے۔ پہلے اور دوسرے سال کے تمام اور تیسرے سال کی چند کتابوں تک امتحان زبانی سوال وجواب کے ذریعے لیا جاتا ہے، اوپر کی جماعتوں کا امتحان تحریری ہوتا ہے، سوالات کے پرچے نہایت احتیاط اور رازداری کے ساتھ چھپوائے جاتے ہیں۔

اس موقع پر معلوم ہونا چاہیے کہ دارالعلوم سے پہلے ہندوستان میں جتنے تعلیمی مراکز تھے ان کی حیثیت بالعموم شخصی درس گاہوں کی تھی اور یہ امر سب میں بطور قدر مشترک تھا کہ نہ ان میں درجہ بندی تھی، نہ حاضری کے رجسٹر ہوتے تھے، نہ طلبہ کو مجبور کیا جاتا تھا کہ فلاں کتاب اور فن کے ساتھ فلاں کتاب اور فن کا لینا ضروری ہے، مطلق آزادی تھی۔ جس کا جو جی چاہتا پڑھتا تھا اور جب تک چاہتا تعلیمی سلسلہ جاری رہتا، تعلیم کی کوئی مدت معین نہ تھی اور امتحان کا بھی کوئی خاص دستور نہ تھا۔ جماعت بندی، مدت تعلیم، حاضری اور امتحان کے التزام اور تناسب مضامین وغیرہ امور کے اجرا کی اولیت دارالعلوم کو حاصل ہے اور یہیں سے مدارس عربیہ

میں یہ امور بتدریج رواج پذیر ہوئے ہیں۔

مفت تعلیم اور وظائف

مدارس عربیہ میں تعلیم پانے والے طلبہ اکثر و بیشتر غریب اور نادار ہوتے ہیں، ان کے سرپرستوں میں اتنی استطاعت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے نونہالوں کی تعلیم و تربیت میں روپیہ خرچ کر کے ان کو تعلیم و تہذیب سے آراستہ کر سکیں۔ ہر ترقی کرنے والی قوم کی تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ ترقی کا راز اس قوم کے عوام کے تعلیم یافتہ ہونے میں مضمر ہوتا ہے اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک تعلیم کا مفت انتظام نہ ہو۔ چناں چہ صد ہا برس کے تجربے کے بعد بیسویں صدی کے بڑے بڑے ماہرین تعلیم بالآخر اس نتیجے پر پہنچے کہ عوام کی تعلیم مفت ہونی چاہئے اور جب تک یہ طریقہ اختیار نہ کیا جائے گا تعلیم کا عام ہونا مشکل ہے، جدید تعلیم کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ صرف ان لوگوں کے لیے خاص ہو کر رہ گئی جو اپنے اخراجات کے خود متحمل ہو سکیں، گویا عصری تعلیم کے حصول میں غریبوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ لیکن ہمارے قدیم تعلیمی نظام میں مصارف کو طلبہ کے بجائے درس گاہوں کے ذمے رکھا گیا ہے، اس تعلیمی نظام میں تعلیم پر کوئی فیس نہیں لی جاتی بلکہ طلبہ کے لیے زیر درس کتابوں کا انتظام بھی مفت کیا جاتا ہے، بلکہ نادار اور غریب طلبہ کو درس گاہوں کی جانب سے کھانا کپڑا اور دوسری ضروریات کے لیے نقد وظائف بھی دیئے جاتے ہیں، دارالعلوم میں شروع ہی سے اس امر کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے کہ غریب نادار طلبہ کے قیام و طعام، لباس، مصارف علاج اور دوسری لازمی ضروریات کی کفالت کا بار طلبہ کے بجائے دارالعلوم کی جانب سے برداشت کیا جائے، الا یہ کہ جو طلبہ خود اپنی کفالت پر قدرت رکھتے ہیں، وہ طعام و لباس اور بعض دوسرے مصارف خود برداشت کرتے ہیں۔

مگر اجراء وظائف میں یہ لحاظ رکھنا ناگزیر ہے کہ طلبہ میں تعلیمی امور سے بے رغبتی اور مفت خوری کی عادت پیدا نہ ہونے پائے اور وہ ہمہ تن تعلیمی مشاغل میں منہمک رہیں، اس لیے تمام وظائف ایک سال کے لیے جاری کئے جاتے ہیں، سال آئندہ میں ان کی از سرنو تجدید کرانی ہوتی ہے، طالب علم اگر کسی وقت بھی امتحان میں ناکام ہوتا ہے تو وظیفہ بند کر دیا جاتا ہے اور جب تک وہ اجرائے امداد کے قانون کے مطابق مطلوب اوسط نمبرات سے امتحان میں کامیابی حاصل نہ کرلے وظیفہ جاری نہیں ہوتا، البتہ دارالاقامہ میں قیام کے لیے جگہ اور کتب خانہ سے سال متعلقہ کی زیر درس کتابیں بلاتخصیص مستحق وغیر مستحق ہر طالب علم کو مستعار طریقے پر مفت دی جاتی ہیں۔

وظیفہ حاصل کرنے کے لیے حسب ذیل شرائط ضروری ہیں:

(الف) طالب علم کم از کم نور الایضاح اور ہدایۃ النحو وغیرہ کتب (جو دوسرے سال میں پڑھائی جاتی ہے) پڑھ چکا ہو۔

(ب) مذکورہ کتب کے امتحان میں سونمبروں میں کم از کم ۵۵ر نمبر حاصل کئے ہوں، جو کامیابی کا درجۂ اوسط ہے۔

(ج) غربت کی وجہ سے امداد کا طلب گار ہو۔

وظیفے کی دو قسمیں ہیں: کھانا اور نقد وظیفہ۔ کھانے کے انتظام کے لیے مطبخ ہے، جس سے ہر طالب علم کو ایک وقت میں دو تندوری روٹیاں دی جاتی ہیں جو ۲۵۰ گرام (خشک) آٹے کی ہوتی ہیں، دوپہر کو دال اور شام کو کھانے میں گوشت دیا جاتا ہے۔ مہینہ میں تین بار دوپہر کے کھانے میں فی طالب علم ایک کلو بریانی دی جاتی ہے۔

کھانے کے علاوہ مختلف مقدار میں نقد وظائف بھی دیئے جاتے ہیں، جو دوسو روپے ماہانہ تک ہوتے ہیں یہ دونوں قسم کے وظائف دارالعلوم کی اصطلاح میں ''امداد'' کہلاتے ہیں۔ جن طلبہ کی ''امداد'' جاری ہو جاتی ہے ان کو سال بھر میں دو جوڑے کپڑے اور دو جوڑے جوتے دیئے جاتے ہیں۔ حجروں میں روشنی اور کپڑوں کی دھلائی کے لیے ماہانہ وظیفہ مقرر ہے، بیمار طلبہ کے لیے معالج مقرر ہیں، طلبہ کو دوا مفت مہیا کی جاتی ہے اور کھانا پرہیزی ملتا ہے۔

ان امور کے علاوہ احاطۂ دارالعلوم کی تمام گزرگاہوں میں روشنی، اقامت گاہوں میں پانی کے نل اور موسم سرما کے لیے لحاف مستعار دیئے جاتے ہیں، طالب علم کو مالی امداد ملتی ہو یا نہ ملتی ہو دونوں صورتوں میں اس کے لیے رہائش کا نظم مفت کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کسی طالب علم سے تعلیم یا امتحانات کی کوئی فیس نہیں لی جاتی ہے۔

تقسیم انعام

دارالعلوم میں بعض دوسرے امور کی طرح شروع ہی سے تقسیم انعام کا بھی رواج ہے۔ طلبہ میں تعلیمی مشاغل کی نسبت ترغیب اور مسابقت کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے سالانہ امتحان میں کامیابی پر طلبہ کو مستحق انعام سمجھا جاتا ہے، جو طالب علم اعلیٰ نمبروں سے پاس ہوتا ہے اسے خصوصی انعام دیا جاتا ہے، انعام میں طالب علم کی استعداد کے مطابق درسی وغیر درسی کتابیں دی جاتی ہیں۔

تصدیق نامہ اور سند

جوطلبہ نصابِ دارالعلوم کی تکمیل کر کے سالانہ امتحانوں میں کامیابی حاصل کر لیتے ہیں ان کو فراغت تعلیم کے بعد سند دی جاتی ہے، سند میں ہر پڑھی ہوئی کتاب کے نام کے اندراج کا التزام رکھا جاتا ہے، مگر جس کتاب کے امتحان میں ادنی کامیابی سے کم نمبر ہوں وہ داخل سند نہیں کی جاتی۔ سند میں ان کتابوں کے ناموں کے علاوہ جن کا امتحان دیا جا چکا ہے، طالب علم کی علمی و ذہنی استعداد اور حسن قابلیت کا بھی ذکر ہوتا ہے اور اس بات کی شہادت دی جاتی ہے کہ اس نے دارالعلوم میں تعلیم پائی ہے، علوم وفنون میں مہارت رکھتا ہے، درس وتدریس اور افتاء کا اس کو حق حاصل ہے، اس کے علاوہ اس کے اخلاق، چال چلن کے متعلق بھی اظہار کیا جاتا ہے۔ سند مطبوعہ ہوتی ہے جس پر مہتمم اور اساتذہ کے دستخط اور دارالعلوم کی مہر ثبت ہوتی ہے۔

مآخذ:

تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد دوم، سید محبوب رضوی صاحب

دارالعلوم کی تعلیمی خصوصیات، سید محبوب رضوی صاحب

دارالعلوم کی تعلیمی خصوصیات

تعلیم جس قدر سادہ اور مختصر سا لفظ ہے اتنا ہی اہم اور روح کی گہرائی تک کو متأثر کرنے والا عمل ہے، تعلیم محض نقوش حروف، خطوط، آواز، بولیوں اور چھوٹی بڑی کتابوں کا نام نہیں ہے، بلکہ ایک ایسی ذہنی ودماغی اور علمی تربیت کا نام ہے جس کے ذریعے انسان کی فطری قوت وصلاحیت کو ابھار کر سنوارنا اور منظّم کرنا ہے اور انسانی جذبات واحساسات کو ایک عمدہ اور اعلیٰ نصب العین کے تحت لاکر مہذب اور شائستہ بنانا ہے، تاکہ نوع انسانی کے لیے مفید ثمرات ونتائج حاصل کئے جاسکیں، انسان کو اس کی اپنی صلاحیتوں کا صحیح استعمال کرانا بہت دشوار ہے اور جس قدر دشوار ہے اسی قدر ضروری بھی ہے۔

بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ اگر تعلیم صرف نہ جانی ہوئی چیزوں کی واقفیت تک محدود ہو تو کوئی غیر معمولی بات نہ ہوتی لیکن اگر اسے عمل کا پابند بنادیا جائے تو پھر اس کی دشواریاں کئی گنا بڑھ جاتی ہیں، اگر چہ علم کی قدر دنیا کی ہر قوم کرتی ہے، لیکن علم کی نسبت مسلمانوں کا جو نظریہ ہے، وہ دوسری قوموں سے بالکل مختلف ہے، غیر مسلم علم اس لیے حاصل کرتے ہیں کہ اس کے ذریعہ سے دنیا میں قوت وعظمت اور ترقی و برتری حاصل کریں، علم کو عام طور پر حصول معاش کے لیے وسیلہ سمجھا جاتا ہے، مگر مسلمانوں کی یہ خصوصیت ہے کہ انھوں نے علم کو وسیلے کے بجائے مقصد سمجھا ہے، ذریعۂ معاش نہیں سمجھا۔ مسلمانوں نے ہمیشہ علم کو علم کے لیے سیکھا ہے، انھوں نے علم کو کبھی اس لیے خاص نہیں کیا کہ اس کے ذریعے معاش حاصل کریں، مسلمانوں کے نزدیک حصول علم ایک فریضہ ہے جو دنیوی مفاد کے علاوہ اخروی نجات کا ذریعہ بھی ہے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ’’طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم‘‘ یعنی ہر مسلمان پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔

تحصیلِ علم کی یہ فرضیت عمل ہی کے لیے ضروری قرار دی گئی ہے اور ہر شخص پر تحصیلِ علم بقدر ضرورت واجب ہے۔ تاریخ کی یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک سر بلند نہیں ہوسکتی جب تک اس میں علم و عمل کی قوتیں بیدار نہیں ہوتیں، تعلیم ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس کی بدولت روحانی اور اخلاقی، تمدنی اور تہذیبی ترقی ہوسکتی ہے جو انسانی تخلیق کا مقصد اعلی ہے۔ ایسی ترقی کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ ہر طالب علم کو اس کا موقع دیا جائے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کی بہتر سے بہتر طریقہ پر نشو ونما کر سکے، بالفاظ دیگر معاشرے

کا فرض اولین ہے کہ وہ تمام ایسی سہولتیں مہیا کر دے جس سے ہر طالب علم اپنے بہترین جوہر دکھا سکے۔ در حقیقت علم سے قومیں بنتی ہیں اور جہل سے بگڑتی ہیں، بناء بریں ضروری ہے کہ ہر شخص کو تعلیم حاصل کرنے کے یکساں مواقع حاصل ہوں، اسلام نے تعلیم کو سماج کے مخصوص طبقوں کی اجارہ داری سے نجات دلا کر انسانیت پر اتنا بڑا احسان کیا ہے کہ اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

ہر ترقی حاصل کرنے والی قوم کی تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ اس کی ترقی کا راز اس قوم کے عوام کے تعلیم یافتہ ہونے میں مضمر ہوتا ہے، اور یہ اس وقت تک آسان نہیں جب تک تعلیم کا مفت انتظام نہ ہو۔ موجودہ طریقۂ تعلیم میں مصارف کی گراں باری نے اکثریت کو تعلیم کے فوائد سے محروم کر دیا ہے، صدہا برس کے تجربے کے بعد بیسویں صدی کے ماہرین تعلیم بالآخر اس نتیجے پر پہونچے ہیں کہ عوام کی تعلیم مفت ہونی چاہیے اور جب تک یہ طریقہ اختیار نہ کیا جائے گا، تعلیم کا عام ہونا مشکل ہے۔

قدیم تعلیمی نظام میں ہمیشہ سے اسی اصول پر عمل درآمد رہا ہے، چنانچہ ان مدارس میں تعلیم کا جو نہج اختیار کیا گیا تھا اس میں تعلیمی مصارف کو طلبہ کے بجائے درسگاہوں کے ذمہ رکھا گیا تھا، اس تعلیمی نظام میں تعلیم پر کوئی فیس عائد نہ تھی اور اتنا ہی نہیں بلکہ طلبہ کے لیے زیر درس کتابوں کا انتظام بھی مفت ہوتا تھا، پھر نہ صرف یہ کہ تعلیم مفت تھی اور قیام گاہ (بورڈنگ ہاؤس) کا کرایہ نہیں لیا جاتا تھا، بلکہ نادار اور غریب طلبہ کو درس گاہوں کی جانب سے کھانا، کپڑا اور دوسری ضروریات کے لیے نقد روپئے بھی دیئے جاتے تھے، مدارس عربیہ کی یہ وہ خصوصیت ہے جس کی مثال دنیا کے کسی تعلیمی نظام میں نہیں پائی جاتی۔

اس کے علاوہ مدارس عربیہ میں حصول علم پر کبھی کوئی ایسی پابندی نہیں کی گئی جس کے ذریعے قوم کے کچھ افراد پر تعلیم وتعلم کے دروازے بند کر دیئے گئے ہوں، بلکہ ان میں ہر وہ شخص جس کو اکتساب علم کا ذوق ہوتا بغیر کسی رکاوٹ کے علم حاصل کر سکتا تھا، عمر اور پیشے کی قید سے ہمارے مدارس ہمیشہ آزاد رہے ہیں اور ان میں رنگ ونسل، امیر وغریب اور اونچ نیچ کے مابین کوئی امتیاز اور فرق روا نہیں رکھا گیا۔ اسی بناء پر ہر شخص کے لئے خواہ وہ کسی نسل سے تعلق رکھتا ہو اور کتنا ہی کم مقدور کیوں نہ ہو، بلا تکلف اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی راہیں ہمیشہ کھلی رہی ہیں۔ مسلمانوں کی علمی تاریخ میں بے شمار ایسے علماء وفضلاء ملیں گے جو آبائی طور پر مختلف ادنیٰ واعلیٰ پیشوں سے تعلق رکھتے تھے، مدارس دینیہ میں تعلیم کو زیادہ سے زیادہ قیود وشرائط سے آزاد رکھے جانے کا اصول پیش نظر رکھا گیا ہے۔ ادنیٰ پیشے والوں سے تعلیم کی پابندی اٹھانا دنیا نے مسلمانوں ہی سے سیکھا ہے اور جس چیز کا سہرا آج یورپ کے سر باندھا جا رہا ہے، وہ درحقیقت مدارس عربیہ ہی کی دین ہے۔

مفت تعلیم

ہمارے قدیم نظام تعلیم کی یہی روایات دارالعلوم کا طرۂ امتیاز ہیں۔ یہاں بھی طلبہ سے کوئی فیس نہیں لی جاتی، غیر مستطیع اورضرورت مند طلبہ کو دارالعلوم کی جانب سے کھانا، کپڑا اور نقد وظائف دیئے جاتے ہیں، زیر درس کتابیں اور قیام کے لئے جگہ ہر مستطیع وغیر مستطیع طالب علم کیلئے مفت مہیا کی جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دارالعلوم کی تعلیم صرف دولت مندوں کے ساتھ مخصوص نہیں رہی ہے بلکہ غریب سے غریب شخص بھی اس کے ذریعے سے اپنے بچوں کو زیور علم سے آراستہ کرسکتا ہے،اس کا فیض عام اور بقدر استعداد تام ہے۔ دارالعلوم دیوبند ہندوستان میں وہ پہلی تعلیم گاہ ہے جو مفت تعلیم (Free Education) کی بنیاد پر قائم ہوئی اور ڈیڑھ صدی سے زیادہ مدت سے یہ مفت نظام تعلیم پوری کامیابی سے جاری وساری ہے۔

غیر فاصلاتی تعلیم

زمانہ ٹیکنیکل تعلیم میں ترقی کرکے ثریا پر پہنچ گیا ہے اور زمین کا سینہ چاک کرکے اس کے خزانے نکال لایا ہے، لیکن تعلیم اپنے اصل مقصد بلند اخلاقی اور جوہر انسانیت کے ساتھ آراستگی سے آج تک محروم ہے، دارالعلوم نے اپنا نظام تعلیم اس طرح مرتب کیا ہے کہ اس میں تعلیم کی پختگی کے ساتھ اخلاق کی بلندی اور اعمال وکردار کی پاکیزگی کی طرف یکساں توجہ دی گئی ہے، ظاہر ہے کہ تعلیم کے ساتھ تربیت کا تصور طلبہ اور اساتذہ کے درمیان فاصلاتی طور پر مشکل ہے یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم نے فاصلاتی تعلیم کو اپنے نظام میں کوئی جگہ نہیں دی ہے۔ گرچہ ٹیکنیکل ترقی نے پوری دنیا کو ایک ٹیبل پر سمیٹ کر رکھ دیا ہے اور جدید مواصلاتی نظام نے دوری کے تصور کو ختم کردیا ہے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ فاصلاتی تعلیم یا آن لائن ایجوکیشن کے ذریعے دنیا کے کسی کونے میں بیٹھ کر بحث ومباحثہ اور ہر طرح کے علم کا حصول تو ممکن ہے لیکن اس صورت میں تعلیمی ماحول کی پاکیزگی، اساتذہ کی نگرانی میں تربیت اور صالح صحبت کے تعین کے ذریعے شخصیت کا ارتقا نہ صرف مشکل بلکہ غیر ممکن ہے۔

فاصلاتی تعلیم کی یہی وہ خامی ہے جس کی بنیاد پر دارالعلوم نے اس نظام کو اپنے مقصد سے ہم آہنگ نہ پاکر مسترد کردیا ہے، البتہ دینی امور میں رہنمائی کے لیے آن لائن کا دروازہ پوری دنیا کے لیے کھول رکھا ہے۔ دارالعلوم دیوبند اپنے اس نظریۂ تعلیم میں کہاں تک کامیاب ہے اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ آج دنیا کے چپے چپے میں یہاں کے فضلاء دینی علوم وفنون پر دسترس حاصل کرنے کے ساتھ

ساتھ اسلام کی روحانی و اخلاقی قدروں سے آراستہ ہوکر اسلامی دعوت و تبلیغ کی جد و جہد میں اہم کردار ادا کررہے ہیں اوراپنے اعمال کی درستگی اور کردار کی پاکیزگی میں پوری دنیا کے لیے نمونہ بنے ہوئے ہیں۔

تعلیمی آزادی

برطانوی دور حکومت میں دارالعلوم وہ پہلی درس گاہ تھی جس نے ''آزادانہ طریقۂ تعلیم'' کو پیش کیا اور سیاسی غلامی کی فضا میں ملت کی ذہنی آزادی کو برقرار رکھنے کی جد و جہد کی۔ اگر چہ یہ کام بہت مشکل تھا مگر دارالعلوم نے اس پر عمل کر کے اس مشکل کو آسان بنا دیا، دارالعلوم نے حکومت برطانیہ کی پیش کش کے باوجود کبھی اس کی امداد قبول نہیں کی، اس لئے وہ بہت سی ایسی پابندیوں سے آزاد رہا ہے جو سرکاری ''زرامداد'' کے ساتھ ساتھ آنی لازمی ہیں۔ بعض لوگوں کی جانب سے کہا جاتا ہے کہ جب حکومت دارالعلوم کو گراں قدر مالی امداد دینے پر آمادہ تھی تو اس کو قبول امداد میں احتراز و انکار مناسب نہ تھا، قوم خواہ کتنی ہی فیاضی دکھائے مگر پھر بھی حکومت کی پیش کردہ امداد کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ ان لوگوں کی نظر غالباً اس امر پر نہیں گئی کہ مدارس عربیہ کو حکومت کے اثر سے اس لئے آزاد رکھنا ضروری ہے کہ حکومت خواہ مسلمانوں ہی کی کیوں نہ ہو جب تک وہ خالص اسلامی طرز کی حکومت نہ ہو اس کی سیاست بے لاگ اور بے غل وغش نہیں ہوسکتی اور مدارس عربیہ کے لئے ایسی تعلیم درکار ہے جو ہر قسم کے غیر اسلامی اثر اور خارجی عمل دخل سے بالکل آزاد ہو۔

دارالعلوم دیوبند نے کبھی حکومت وقت سے امداد حاصل نہیں کی، اس کا تمام تر سرمایہ اعتماد علیٰ اللہ ہے، دارالعلوم صرف مسلم عوام کے بھروسے پر دین کی خدمت میں منہمک رہا ہے اور لیل و نہار کی تیز و تند گردشوں کے باوجود اپنی قدیم شان دار روایات کے ساتھ قائم ہے اور ان شاءاللہ ہمیشہ اس کا فیض جاری رہے گا۔

دارالعلوم کو حکومت کی اعانت اور سرکاری مداخلت سے بالکل علیحدہ اور آزاد رکھا گیا ہے، برطانوی حکومت کی جانب سے تعلیم و تربیت کا جو نظام اس زمانے میں جاری رکھا گیا تھا وہ نہ صرف یہ کہ اسلامی نصب العین اور عقیدے سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا تھا بلکہ مسلمانوں کے لئے سخت مضر تھا، اگر اس کو قبول کر لیا جاتا تو ہماری موجودہ نسل محض یہی نہیں کہ اسلام سے بے بہرہ ہوتی بلکہ عجب نہیں کہ وہ اسلام سے منحرف اور باغی ہوچکی ہوتی۔ دارالعلوم کے اکابر نے بروقت اس خطرے کا احساس کیا اور سیاسی غلامی کے باوجود ذہنی آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے قدیم نظام تعلیم کی از سر نو بنیاد ڈالی تاکہ اس نصاب کی تعلیم سے فارغ ہونے والے طلبہ ایک مرد مومن کی حیثیت سے زندگی کے عملی میدان میں قدم رکھ سکیں۔

طلب علم کا اعلی مقصد

آج بھی عمومی طور پر بدقسمتی سے تعلیم کا مقصد یہ ہوکر رہ گیا ہے کہ اس کے ذریعے سے کوئی اچھی اور پُر منفعت ملازمت حاصل کر کے معقول روزی کمائی جائے، گویا تعلیم کا مفہوم ہی سرے سے بدل ڈالا گیا ہے، اور ''علم برائے علم'' کے بجائے اب صرف حصول معاش کے دوسرے بہت سے ذرائع کی طرح یہ بھی ایک ذریعہ بن کر رہ گیا ہے، حالانکہ شرف علم کا قدرتی تقاضا ہے کہ اس کا نصب العین بلند ہو۔ بلا شبہ دنیاوی علوم وفنون اس لئے حاصل کئے جاسکتے ہیں کہ ان کے ذریعے سے دنیاوی ترقی حاصل کی جاسکے، لیکن اگر اس نصب العین کو صرف اپنے ذاتی مفاد تک محدود کر دیا جائے اور اپنی ہی منفعت سامنے رکھی جائے تو یہ خودغرضی ہے، علم جیسی گراں قدر دولت کو صرف اپنی اغراض پر خرچ کرنا علم کی عظمت کو نہ پہچاننا ہے، دنیاوی علوم وفنون حاصل کرنے کا مقصد یہ بھی ہونا چاہئے کہ اس کے ذریعے سے پوری قوم کے سرمائے کو ترقی دی جاسکے اور نہ صرف اپنے عروج وترقی کا بلکہ وہ ملک وملت کی ترقی کا ذریعہ بن سکے۔

مدارس عربیہ کے طلبہ کے سامنے حصول علم کا مقصد اور نصب العین اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کی مخلوق کی بہترین خدمت ہے، شاگرد استاد کو استاد ہی سمجھتے ہیں، استادی اور شاگردی کی قدیم حدود مراتب کا پوری طرح لحاظ رکھتے ہیں، شاگرد اپنے استاذ کا ویسا ہی ادب کرتے ہیں جیسے اپنے والدین کا۔ اساتذہ کی خدمت کو ہر طالب علم باعث ازدیاد علم وبرکت تصور کرتا ہے۔

اسلامی تاریخ کا یہ زریں واقعہ یادرکھنے کے لائق ہے کہ بغداد میں جب مدرسہ نظامیہ قائم ہوا اور اس کے اساتذہ اور طلبہ کے گراں قدر مشاہرے مقرر ہوئے اور حکومت کی جانب سے ہر قسم کا سامانِ آسائش مہیا کیا گیا تو علمائے بخارا نے 'زوال علم' کی مجلس ماتم منعقد کی اور اس پر اظہار افسوس کیا کہ اب علم، علم کے لئے نہیں جاہ وثروت کے لئے حاصل کیا جائے گا، ظاہر ہے کہ جس شخص کے سامنے علم کا یہ اعلیٰ مقصد نہ ہوگا، وہ عصری اداروں کے بجائے دارالعلوم کا رخ ہی کیوں کرے گا، جس کی سند کی قیمت حکومت کی نظر میں تقویم پارینہ سے زائد نہیں ہے۔

دارالعلوم کے نصاب تعلیم سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ سرکاری امتحانات ''مولوی، فاضل'' وغیرہ کے معیار سے کہیں زیادہ بلند پایہ ہے، اس لئے اگر دارالعلوم چاہتا تو حکومت سے بآسانی اپنی سند کو ''مولوی، فاضل'' کے مساوی تسلیم کرا سکتا تھا، مگر اس نے اپنی سند کو سرکاری محکموں کی ملازمت کے لئے ''پروانہ راہ روی'' بنانے کے بجائے اس امر کو زیادہ مناسب سمجھا کہ وہ طلبہ میں ایسی علمی قابلیت وفضیلت پیدا کرنے کی

سعی کرے کہ لوگ اس طالب علم اوراس کی سند کو دیکھتے ہی یہ باور کرلیں کہ یہ کوئی کام کی چیز ہے اور یہ شخص دین کے جس کام کو اپنے ذمہ لے گا اس کو قابلیت اور خوش اسلوبی سے انجام دے سکے گا۔

اعلیٰ روحانی واخلاقی قدریں

دارالعلوم کے نصاب تعلیم میں اس بات کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے کہ اس کے ذریعے سے طالب علم اسلام کی روحانی اور اخلاقی قدروں کے ساتھ ساتھ اسلامی علوم وفنون میں بھی پورے طور پر دسترس اور مہارت حاصل کرسکے، تاکہ یہاں سے نکلنے کے بعد ملت کی مخلصانہ قیادت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کا اہل ہوجائے اور اسلامی دعوت وتبلیغ کی جدوجہد میں اہم کردار ادا کرسکے۔ دارالعلوم میں طلبہ کو یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ان کی تعلیم کا مقصد ڈگریاں حاصل کرنا یا سرکاری ملازمتوں اور عہدوں کے لئے تیاری کرنا ہرگز نہیں ہے، بلکہ یہ ایک خالص دینی تعلیم ہے جس کا مقصد انسانیت کی خدمت ہے۔

ہندوستان کے سیاسی اور جغرافیائی حالات کا تقاضہ ہے کہ مسلمانوں میں ایک ایسی جماعت موجود رہنی چاہئے جو اعلاء کلمۃ اللہ اور احیاء سنت کے لئے ہمیشہ سرگرم عمل رہے۔ خدا کا شکر ہے کہ دارالعلوم اپنے اس تعلیمی مقصد میں کامیاب ہے، اس درس گاہ سے ہزاروں کی تعداد میں ایسے علماء، مبلغین، مصنفین وقائدین نکلے ہیں جنھوں نے دارالعلوم کے اس مقصد سے کبھی گریز نہیں کیا ہے۔

حدیث نبوی، کتاب اللہ کی شرح وتفسیر اور اسلامی قانون کا دوسرا اہم ماخذ ہے۔ دارالعلوم دیوبند نے بیشتر دینی ودنیوی علوم کی خدمات انجام دی ہیں مگر اُن میں سب سے زیادہ نمایاں حیثیت حدیث کے درس کو حاصل رہی ہے، دارالعلوم کا درس حدیث روایت ودرایت اور تفقہ کے تمام اصول کا جامع رہا ہے۔ یہاں کوشش کی جاتی ہے کہ حدیث کی شرح اور اس کے متعلقہ مباحث پر ایسی تفصیل طلبہ کے سامنے آجائے جس سے احادیث نبوی کی جمع وتطبیق اور ترجیح وتاویل میں طلبہ کو اپنی آئندہ زندگی میں کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ یہی وجہ ہے کہ درس حدیث میں دارالعلوم دیوبند تمام دینی مدارس میں احترام وعظمت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند اپنے تعلیمی نظام کی وسعت، اتباع سنت میں پختگی اور علوم وفنون میں کامل رسوخ کی بنا پر برصغیر میں منفرد تعلیم گاہ کی حیثیت رکھتا ہے، خصوصاً حدیث نبوی کی تعلیم میں ایک منفرد اسلوب کا حامل ہے۔ دارالعلوم دیوبند کی اس خصوصیت نے اسے دوسری تمام تعلیم گاہوں سے ممتاز بنادیا ہے، اس کے دارالحدیث میں ہر سال ایک ہزار سے زائد طالبان علوم حدیث نبوی ﷺ کا اجتماع رہتا ہے جو دنیا کے مختلف حصوں سے محض حدیث کی تعلیم کے لئے یہاں آتے ہیں، ان طالبان حدیث میں ایک بڑی تعداد ایسے

لوگوں کی بھی ہوتی ہے جو دوسرے مدارس سے فارغ التحصیل ہوتے ہیں اور صرف اس لئے یہاں آتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند ہندوستان، پاکستان، برما، بنگلہ دیش اور افغانستان وغیرہ ملکوں کے دینی مدارس کی سر براہی کرتا ہے اور بہت سے مدارس طریقہ تعلیم اور اندرونی نظم ونسق میں دارالعلوم دیوبند کی تقلید کرتے ہیں۔

مآخذ:

تاریخ دارالعلوم دیوبند، سید محبوب رضوی صاحب

دارالعلوم دیوبند کی تعلیمی خصوصیات، سید محبوب رضوی صاحب

درجات تعلیم

دارالعلوم میں ابتدائی تعلیم سے اعلی اسلامی تعلیم کا نظم ہے۔ دارالعلوم کا سب سے اہم کورس 'فاضل' ہے جو آٹھ سال پر مشتمل ہوتا ہے۔ فاضل کورس کو عالمیت اور مولویت وغیرہ ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ فاضل کورس کے پہلے چار سالوں کا نظام 'مدرسہ ثانویہ' کی صورت میں علیحدہ ہے جس میں عربی صرف ونحو، عربی انشاء، منطق، ترجمۂ قرآن، تاریخ اور مبادی کی تعلیم دی جاتی ہے جبکہ آخری چار سالوں میں تفسیر، اصول تفسیر، فقہ، اصول فقہ، حدیث، اصول حدیث، معانی وبلاغت وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ فاضل کورس کا آخری سال 'دورۂ حدیث' سے موسوم ہے جس میں صحاحِ ستہ کے ساتھ موطا امام مالک، موطا امام محمد، طحاوی اور شمائل ترمذی کتب حدیث روایۃً ودرایۃً پڑھائی جاتی ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے فاضل کورس کو متعدد عصری جامعات جیسے مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد، ہمدرد یونیورسٹی نئی دہلی، لکھنؤ یونیورسٹی لکھنؤ وغیرہ میں بی اے کے مساوی تسلیم کیا جاتا ہے۔

فاضل کے بعد تکمیلات کے نام سے تخصصات کے شعبے ہیں جن میں تفسیر، حدیث، فقہ، علوم اسلامی، ادب عربی، تقابل ادیان وفرق وغیرہ موضوعات میں تخصص کے درجات ہیں۔ علوم اسلامیہ کے علاوہ انگریزی زبان وادب، کمپیوٹر اپلیکیشن، صحافت وغیرہ کے کورسز بھی موجود ہیں جن سے طلبہ حسب ضابطہ استفادہ کرسکتے ہیں۔

علاوہ ازیں، شعبۂ تجوید وحفظ قرآن کے تحت ناظرہ قرآن کے ساتھ حفظ قرآن، تجوید بروایت حفص اردو اور بروایت حفص عربی، قرأت سبعہ اور قرأت عشرہ کے درجات قائم ہیں۔

درجۂ دینیات کے تحت پرائمری تعلیم کا نظام قائم ہے جس میں طلبہ کو اردو، ہندی، انگریزی کے ساتھ بنیادی ریاضی، سائنس اور سماجیات وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ دینیات درجۂ پنجم میں فارسی زبان کی تعلیم دی جاتی ہے کیوں کہ اردو زبان کے مہارت اور درستگی کے لیے فارسی جاننا ضروری ہوتا ہے۔

فاضل کورس (مدت: آٹھ سال)

درجات ثانویہ

(۱) سال اول عربی
(۲) سال دوم عربی
(۳) سال سوم عربی
(۴) سال چہارم عربی

درجات متوسطہ

(۵) سال پنجم عربی
(۶) سال ششم عربی

درجات عالیہ

(۷) سال ہفتم عربی (موقوف علیہ)
(۸) سال ہشتم (دورۂ حدیث)

تکمیلات وتخصصات

(۱) تدریب فی التدریس (دوسال)
(۱) تکمیل تفسیر (ایک سال)
(۲) تخصص فی الحدیث (دوسال)
(۳) تکمیل افتاء (ایک سال)
(۴) تدریب علی الافتاء (دوسال)
(۵) تکمیل علوم (ایک سال)
(۶) تکمیل ادب عربی (ایک سال)
(۷) تخصص فی الادب العربی (ایک سال)

(۸) ڈپلومہ ان انگلش لنگویج اینڈ لٹریچر (دوسال) شعبۂ انگریزی زبان وادب
(۹) ڈپلومہ ان کمپیوٹر اپلیکیشن (ایک سال) شعبۂ کمپیوٹر
(۱۰) ڈپلومہ ان جرنلزم (صحافت)، (ایک سال) شیخ الہند اکیڈمی
(۱۱) تحفظ ختم نبوت (ایک سال) شعبۂ تحفظ ختم نبوت
(۱۲) مطالعۂ عیسائیت (ایک سال) شعبۂ ردعیسائیت
(۱۳) تحفظ سنت (مطالعۂ غیر مقلدیت)، (ایک سال) شعبۂ تحفظ سنت
(۱۴) محاضرات علمیہ (مطالعۂ ادیان وفرق)، (ایک سال) دفتر محاضرات علمیہ
(۱۵) خوش خطی (ایک سال) شعبۂ خوش خطی
(۱۶) خیاطی (ایک سال) شعبۂ دارالصنائع

تجوید وحفظ قرآن

(۱) ناظرہ قرآن
(۲) حفظ قرآن (دوتا پانچ سال)
(۳) روایت حفص اردو (دوسال)
(۴) روایت حفص عربی (ایک سال)
(۵) قرأت سبعہ (ایک سال)
(۶) قرأت عشرہ (ایک سال)

دینیات اردو وفارسی (پرائمری)

(۰) درجہ اطفال (نرسری)
(۱) درجہ اول
(۲) درجہ دوم
(۳) درجہ سوم
(۴) درجہ چہارم (فارسی)
(۵) درجہ پنجم (فارسی)

نصاب تعلیم فاضل کورس (آٹھ سالہ)

سال اول عربی

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب
تجویدالقرآن	۶	اصول التجوید (قاری جمشید علی قاسمی) پارہ عم حفظ تصحیح مخارج کے ساتھ، مشق ربع اول
سیرت	۶	سیرت خاتم الانبیاء (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب)
صرف	۶	میزان (مولانا سراج الدین عثمان اودھی) منشعب (مولانا حمزہ بدایونی) پنج گنج (مولانا صفی رودولوی)
نحو	۶	نحو میر (سید شریف جرجانی) شرح مائۃ عامل (سید شریف جرجانی) ترکیب کے لیے
تمرین عربی	۶	القراءۃ الواضحۃ اول (مولانا وحید الزماں کیرانوی) مفتاح العربیہ ۱/۲ (مولانا نور عالم خلیل امینی)
خط واملاء	۶	خط واملاء منتخب عبارات

سال دوم عربی

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب
تجویدالقرآن	۶	جمال القرآن (حضرت مولانا اشرف علی تھانوی) مع مشق بقیہ پارہ عم

صرف	٦	علم الصیغہ (مفتی عنایت علی کاکوروی) فصول اکبری (قاضی علی اکبرالہ آبادی)
نحو	٦	ہدایۃ النحو (سراج الدین عثمان اودھی)
تمرین عربی	٦	القراءۃ الواضحۃ دوم (مولانا وحیدالزماں کیرانوی) نفحۃ الأدب (مولانا وحیدالزماں کیرانوی)
فقہ	٦	نورالایضاح (شیخ حسن بن علی الشرنبلالی) مختصر القدوری (شیخ ابوالحسن محمد بن جعفر القدوری) تا ختم کتاب الحج
منطق	٦	آسان منطق (مولانا عبداللہ گنگوہی) المرقاۃ (علامہ فضل امام خیرآبادی)

سال سوم عربی

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب
ترجمۂ قرآن	٦	ترجمہ قرآن (سورہ ق سے آخر تک، پہلے پارہ عم اس کے بعد سورہ ق سے)
عربی ادب و حدیث	٦	نفحۃ العرب (مولانا اعزاز علی امروہوی) تا ختم عنوان نبذۃ من ذکاوۃ العرب اس کے بعد مشکوٰۃ الآثار (مولانا محمد میاں) مکمل
فقہ	٦	مختصر القدوری (شیخ ابوالحسن محمد بن جعفر القدوری) کتاب البیوع تا ختم کتاب
نحو	٦	کافیہ (ابن حاجب)
تمرین عربی	٦	القراءۃ الواضحۃ سوم (مولانا وحیدالزماں کیرانوی) مکمل بعدہ تعلیم المتعلم

منطق	٦	شرح التہذیب (شیخ عبداللہ الیزدی)
مطالعۂ تاریخ	......	تاریخ ملت: خلافتِ راشدہ (قاضی زین العابدین میرٹھی، مفتی انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی)

سال چہارم عربی

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب
ترجمۂ قرآن	٦	سورہ یوسف سے سورہ ق تک
حدیث	٦	الفیۃ الحدیث (مولانا محمد منظور نعمانی)
فقہ	٦	شرح وقایہ (صدر الشریعۃ عبید اللہ بن مسعود) جلد اول، جلد دوم تا کتاب العتاق
اصولِ فقہ	٦	تسہیل الاصول (مولانا ریاست علی بجنوری، مولانا نعمت اللہ اعظمی) اصول الشاشی (نظام الدین ابوعلی احمد بن محمد الشاشی)
بلاغت	٦	دروس البلاغۃ (حفنی ناصف وغیرہ)
منطق	٦	قطبی (قطب الدین رازی)
تاریخ اسلام	۳	تاریخ ملت: خلافتِ امویہ وعباسیہ وعثمانیہ (قاضی زین العابدین میرٹھی، مفتی انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی)
علوم عصریہ	۳	تاریخ جغرافیہ، علم مدنیت

سال پنجم عربی

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب
ترجمۂ قرآن	٦	از سورۂ فاتحہ تاختم سورۂ ہود
عقیدہ	۳	العقیدۃ الطحاویۃ (امام طحاوی) سلم العلوم کے بعد
فقہ	٦	ہدایہ (شیخ ابوالحسن مرغینانی) جلد اول

اصول فقہ	۶	نورالانوار (ملاجیون)
ادب عربی	۶	المقامات (الحریری)
بلاغت	۶	مختصر المعانی (شیخ سعدالدین تفتازانی)
منطق	۳	سلم العلوم (ملامحبّ اللہ بہاری)
تاریخ اسلام	مطالعہ	سلاطین ہند (قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی، مفتی انتظام اللہ شہابی)

سال ششم عربی

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب
تفسیر قرآن	۶	جلالین (شیخ جلال الدین محلی وشیخ جلال الدین سیوطی)
اصول تفسیر	۳	الفوزالکبیر (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)
فقہ	۶	ہدایہ (شیخ ابوالحسن مرغینانی) جلد دوم
اصول فقہ	۳	حسامی (شیخ حسام الدین اخسیکثی) الفوزالکبیر کے بعد
ادب عربی	۶	قصائد منتخبہ دیوان متنبّی دیوان الحماسۃ (ابوتمام) باب الادب
فلسفہ	۶	مبادئ الفلسفہ (مفتی سعید احمد پالن پوری) المیبذی (قاضی امام حسین المیبذی)
سیرت	مطالعہ	اصح السیر (مولانا عبدالرؤف داناپوری)

سال ہفتم عربی

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب
حدیث شریف	۱۸	مشکوٰۃ المصابیح (شیخ محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی)

اصول حدیث	۳	نخبۃ الفکر (علامہ ابن حجر العسقلانی) مقدمہ (شیخ عبدالحق محدث دہلوی)
عقیدہ	۶	شرح العقائد النسفیۃ (علامہ سعدالدین تفتازانی)
فقہ	۱۲	ہدایہ (شیخ ابوالحسن مرغینانی) جلد سوم وچہارم
علم الفرائض	۳	سراج (علامہ سجاوندی) شرح عقائد کے بعد

سال ہشتم (دورۂ حدیث)

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب
حدیث	۱۸	صحیح البخاری (امام محمد بن اسماعیل البخاری)
حدیث	۱۲	صحیح مسلم (امام مسلم بن الحجاج القشیر ی)
حدیث	۶	سنن ابی داؤد (امام سلیمان الاشعث السجستانی)
حدیث	۱۸	سنن الترمذی (امام محمد بن عیسی الترمذی)
حدیث	۳	سنن النسائی (امام احمد بن شعیب النسائی)
حدیث	۱	سنن ابن ماجہ (امام محمد بن یزید القزوینی) سنن نسائی کے بعد
حدیث	۲	شمائل ترمذی (امام محمد بن عیسی الترمذی) سنن ابن ماجہ کے بعد
حدیث	۲	شرح معانی الآثار (امام احمد بن محمد الطحاوی)
حدیث	۱	موطا امام مالک بروایۃ یحیٰ اللیثی (جمعہ کے دن)
حدیث	۱	موطا بروایۃ امام محمد بن الحسن الشیبانی
تجوید	خارج	تجوید ومشق
نوٹ: دورۂ حدیث میں مغرب اور عشاء کے بعد بھی اسباق ہوتے ہیں۔		

نصاب تعلیم تکمیلات وتخصصات

تدریب فی التدریس (دوسال)

اس دوسالہ کورس میں باصلاحیت فضلاء کا انتخاب کیا جاتا ہے اوران کو تدریس کی ٹریننگ کے ساتھ ابتدائی عربی جماعتوں کے طلبہ کو پڑھانے کا موقع بھی دیا جاتا ہے۔

تکمیل تفسیر

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب
تفسیر	۶	تفسیر ابن کثیر سورۂ صٰفّٰت سے سورۂ نجم کے ختم تک
تفسیر	۶	تفسیر ابن کثیر سورۂ اقتربت الساعۃ سے آخر قرآن تک
تفسیر	۶	بیضاوی آل عمران سے سورۂ اعراف تک
تفسیر	۶	بیضاوی شریف سورۂ بقرہ
اصول تفسیر	۶	مناہل العرفان (الزرقانی) مباحث منتخبہ
اصول حدیث	۶	مقدمۂ ابن صلاح

تخصص فی الحدیث (سال اول)

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب برائے سال اول
اصول حدیث	۶	مقدمہ ابن صلاح
تخریج	۶	اصول التخریج (الدکتور محمود الطحان) الباب الاول تخریج احادیث جمع الفوائد (شیخ محمد بن محمد المالکی)

جرح وتعدیل	۶	الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل (علامہ عبدالحیی لکھنوی) مدارس الرواۃ (۳۷۵)، رواۃ کے تفصیلی حالات کتب جرح وتعدیل کی روشنی میں
اسماء الرجال	۶	تعارف کتب اسماء الرجال: (۱) التاریخ الکبیر للبخاری (۲) الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم (۳) کتاب الثقات لابن حبان البستی (۴) کتاب المجر وحین لابن حبان (۵) تہذیب الکمال للمزی (۶) تہذیب التہذیب للحافظ ابن حجر العسقلانی (۷) تقریب التہذیب للحافظ ابن حجر العسقلانی (۸) الکامل فی الضعفاء لابن عدی (۹) میزان الاعتدال للذھبی
حفظ حدیث	۶	احکام سے متعلق ۱۳۵؍ احادیث مع الکلام علی الرواۃ المتکلم فیہم

تخصص فی الحدیث (سال دوم)

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب برائے سال دوم
دراسۃ الاسانید	۶	دراسۃ الاسانید: (۱) اصول التخریج الباب الثانی للطحان (۲) دراسۃ الحدیث الصحیح والحسن (۳) دراسۃ تطبیق الامثلۃ لانواع الاحادیث المختلفۃ (مولانا نعمت اللہ اعظمی، مولانا عبداللہ معروفی) منہج دراسۃ الاسانید والحکم علیھا (دکتور ولید بن حسن العانی)

دراسۃ المتون	۶	(۱) الفوائد البہیۃ فی دراسۃ المتون (مولانا نعمت اللہ اعظمی) (۲) الابواب المنتخبۃ من اعلاء السنن مع دراسۃ شاملۃ
تطبیق الاسانید	۶	تطبیق الاسانید
حفظ حدیث	۶	حفظ حدیث: احکام سے متعلق ۱۶۵/احادیث مع کلام علی الرواۃ المتکلم فیہم
مقالہ	......	علم حدیث کے کسی موضوع پر ۱۰۰ صفحات کا مقالہ

تکمیل افتاء (ایک سال)

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب
فرائض	۶	سراجی (تمرین کے ساتھ)
افتاء	۶	شرح عقود رسم المفتی لابن عابدین
قواعد		الاشباہ والنظائر لابن نجیم (الفن الاول والثانی) قواعد الفقہ (مولانا محمد عمیم الاحسان)
فقہ	۶	الدر المختار (ابواب طلاق، نکاح، وقف، قضاء دین)
فتوی نویسی	۶	تمرین (فتویٰ نویسی اور اس کے طریقوں کی عملی مشق)

تدریب علی الافتاء (سال اول)

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب
مطالعہ	۵	(۱) ملتقی الابحر تا کتاب الوقف (۲) الحیلۃ الناجزۃ (حضرت تھانوی)
خلاصۂ ابحاث	۳	(۱) بدائع الصنائع للکاسانی (کتاب الطہارۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب الزکاۃ) شش ماہی امتحان تک (۲) البحر الرائق لابن نجیم (کتاب الصلاۃ، کتاب الأیمان، کتاب الذبائح، کتاب الأضحیۃ) شش ماہی کے بعد

اصول فتاویٰ نویسی	۲	(۱)اصول الافتاء وآدابہ (مفتی تقی عثمانی) (۲)مقدمہ الدرالمختار (علامہ حصکفی)
تعارف کتب	۲	(۱) 'ابوحنیفہ' (شیخ ابوزہرہ) (۲)فقہ اہل العراق وحدیثہم (علامہ زاہد الکوثری) (۳)الفوائد البہیۃ (علامہ عبدالحی لکھنوی)
تمرین فتاویٰ	۲۴	۱۵۰ ر فتاوی مع تخریج وعنوان
مطالعہ		(۱)الجواہر المضیئۃ (۲)الاشباہ والنظائر لابن نجیم (الفن الثالث) (۳) امداد الفتاوی جلد سوم (حضرت مولانا اشرف علی تھانوی) (۴)تاریخ التشریع الاسلامی (مناع القطان)

تدریب علی الافتاء (سال دوم)

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب
مطالعہ	۶	(۱)ملتقی الابحر (از کتاب البیوع تاختم) (۳)امدادالفتاوی جلد ششم (حضرت مولانا اشرف علی تھانوی)
خلاصۂ ابحاث	۳	(۱) رد المختار (کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الوقف، کتاب الاجارۃ) شش ماہی امتحان تک (۲) فتح القدیر (کتاب البیوع، کتاب المضاربۃ، کتاب الشرکۃ، کتاب الوصیۃ، کتاب الھبۃ) شش ماہی کے بعد
اصول التشریع والفقہ	۳	(۱)اصول السرخسی (۲)الموافقات، جزء المقاصد (علامہ شاطبی)

تعارف کتب	۲	(۱) 'ابوحنیفہ: حیاتہ وعصرہ، آراؤہ وفقہہ' (شیخ ابوزہرہ) (۲) فقہ اہل العراق وحدیثہم (علامہ زاہد الکوثری) (۳) الفوائد البہیۃ (علامہ عبدالحی لکھنوی)
تمرین فتاویٰ	۱۲	۱۵۰ رفتاوی مع تخریج وعنوان
تفصیلی وتحقیقی فتوی نویسی	۲۴	کم از کم ۵۰ صفحات
مطالعہ		(۱) جواہر الفقہ (مفتی محمد شفیع دیوبندی) (۲) قضایا فقہیہ معاصرۃ (مفتی محمد تقی عثمانی) (۳) بدایۃ المجتہد (علامہ ابن رشد) (۴) مجلۃ الاحکام العدلیۃ

تکمیل علوم (ایک سال)

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب
تفسیر	۶	تفسیر بیضاوی
اصول حدیث	۶	مقدمۃ ابن الصلاح
فقہ		الاشباہ والنظائر (علامہ ابن نجیم)
اصول فقہ	۶	مسلم الثبوت (ملا محب اللہ بہاری)
حکمت شرعیہ	۶	حجۃ اللہ البالغہ (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)
علم کلام	۶	مسامرہ (شیخ کمال الدین محمد بن محمد بن ابی شریف)
تراجم	۶	سبیل الرشاد (شیخ عبیداللہ سندھی)

تکمیل ادب عربی (ایک سال)

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب
تاریخ الادب	۶	تاریخ الادب العربی (احمد حسن زیات)

نثر عربی	۶	المختارات العربیہ (م ع سلیم خان)
نظم عربی	۶	دیوان الحماسۃ لابی تمام (باب الحماسۃ والادب) المعلقات السبع (جمع حماد الراویۃ) ۳ منتخب معلقات
انشاء	۶	اسالیب الانشاء (محمود عمر وغیرہ)
ترجمہ	۶	اردو سے عربی اور عربی سے اردو
بلاغت	۶	البلاغۃ الواضحۃ (علی الجارم و مصطفیٰ امین)
مطالعہ		(۱) حیاتی (احمد امین) (۲) الایام (طٰہٰ حسین) (۳) عبرات (منفلوطی) (۴) عبقریات (محمود عقاد)

تخصص فی الادب (ایک سال)

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب
نثر جدید	۶	(۱) رجال من التاریخ (علی الطنطاوی) (۲) حیاتی (احمد امین)
نثر قدیم	۶	(۱) کتاب البخلاء للجاحظ (رسالۃ سہل بن ہارون، قصۃ اہل البصرۃ من المسجدیین) (۲) رسائل الجاحظ (رسالۃ کتمان السر)
الانشاء العربی	۶	الانشاء العربی، اردو سے عربی، عربی سے اردو ترجمہ الصحف العربیۃ المختارۃ
حفظ النصوص	۶	مجموعۃ من النظم والنثر للحفظ والتسمیع (محمد شریف سلیم)
مقالہ نویسی	۶	(۱) کتابۃ البحث العلمی (عبدالوہاب ابوسلیمان) (۲) کسی شخصیت یا علمی و ادبی موضوع سے متعلق ۱۰۰ صفحات پر مشتمل عربی مقالہ

مطالعہ	۶	(۱) من نفحات الحرم (شیخ الطنطاوی) (۲) النظرات (المنفلوطی) (۳) کلیلۃ ودمنۃ (ابن المقفی) (۴) نحو مذھب اسلامی فی الادب والنقد (عبد الرحمٰن رائفت پاشا)

ڈپلومہ ان انگلش لنگویج اینڈ لٹریچر - دو سال (شعبۂ انگریزی)

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب برائے سال اول
گرامر	۶	انگلش گرامر
ٹیکسٹ بک	۶	این سی ای آر ٹی سیریز (از حصہ اول تا ہشتم)
کمپوزیشن	۶	ایسے اینڈ کمپوزیشن (انگلش انشاء)
ترجمہ نگاری	۶	انگلش - اردو، اردو - انگلش ترجمہ
اسپوکن انگلش	۶	انگریزی میں بول چال اور تقریر کی مشق
ٹیوٹوریل	۶	ہوم ورک کی جانچ اور تعاون

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب برائے سال دوم
گرامر	۳	ایڈوانسڈ انگلش گرامر
ٹیکسٹ بک	۶	این سی ای آر ٹی سیریز (از حصہ نہم تا بی اے لیول)
ایسے اینڈ کمپوزیشن	۶	انگلش انشاء اور مضمون نگاری
ترجمہ نگاری	۶	انگلش - اردو، اردو - انگلش ترجمہ انگلش - عربی، عربی - انگلش ترجمہ (ہفتہ میں تین تین دن)
اسپوکن انگلش	۶	انگریزی میں بول چال اور تقریر کی مشق

دعوۃ	۳	حفظ ترجمۂ انگریزی منتخب آیات و احادیث ، اسلامی موضوعات پر تقریر کی مشق
کمپیوٹر وانٹرنیٹ	خارج	شعبۂ کمپیوٹر کے ذریعہ کمپیوٹر وانٹرنیٹ کی ٹریننگ

ڈپلومہ اِن کمپیوٹر اپلیکیشن - ایک سال (شعبۂ کمپیوٹر)

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب
مبادیات	۶	مبادیات کمپیوٹر، ونڈوز، انسٹالیشن
ٹائپنگ	۶	ان پیج، پیج میکر
ڈیزائننگ	۶	کورل ڈرا، فوٹوشاپ
ایم ایس آفس	۶	ایم ایس ورڈ، ایم ایس ایکسل، ایم ایس پاور پوائنٹ
انٹرنیٹ	۶	انٹرنیٹ
انگلش	۶	جنرل انگلش

ڈپلومہ ان جرنلزم (صحافت)، شیخ الہند اکیڈمی

فن	نصاب
سیرت	(۱) النبی الخاتم، مولانا مناظر احسن گیلانی (۲) سیرۃ المصطفیٰ، مولانا محمد ادریس کاندھلوی (۳) خطبات مدراس، مولانا سید سلیمان ندوی (۴) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب
اردو ادب	(۱) اردو قواعد، مولوی عبد الحق، (۲) ہماری کتاب حصۂ نثر (۳) ہماری کتاب حصۂ نظم (۴) ادبی سیپارے (ہر سہ کتب از خلیل الرب ایم اے)
تاریخ ہند	مقدمۂ تاریخ ہند، مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی (۲) مختصر تاریخ ہند، منشی ذکاء اللہ (۳) تاریخ ہند، ڈاکٹر خورشید الاسلام (۴) تاریخ اسلام پر ایک نظر، مولانا عبد الرحمٰن صاحب
عام معلومات	جنرل معلومات بذریعہ نوٹس، سید اقبال قادری (۲) سیاسی اصطلاحات، اسرار احمد آزاد (۳) اردو انسائیکلوپیڈیا پروفیسر فضل الرحمٰن

صحافت	رہبر اخبار نویسی، سید اقبال قادری (۲) تنقید کیا ہے؟، آل احمد سرور (۳) مقدمۂ شعروشاعری، مولانا الطاف حسین حالی
مضمون نگاری	سال بھر میں کم از کم دوسو صفحات کی مضمون نگاری

تحفظ ختم نبوت (شعبۂ تحفظ ختم نبوت)

فن	نصاب
عقائد	التصریح بما تواتر فی نزول المسیح علیہ السلام، حضرت مولانا علامہ انورشاہ کشمیری
عقائد	تکفیر کے اصول، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی
ردقادیانیت	ردقادانیت کے زریں اصول، مولانا منظور احمد چنیوٹی
تاریخ قادیانیت	قادیانیت: تحلیل وتجزیہ، مولانا ابوالحسن علی ندوی
تقابل	اسلام اور قادیانیت کا تقابلی مطالعہ، مولانا عبدالغنی پٹیالوی
مقالہ نویسی	خلاصۂ اسباق ومطالعہ
مطالعہ	قادیانی لٹریچر

مطالعۂ عیسائیت (شعبۂ ردعیسائیت)

فن	نصاب
ردعیسائیت	اظہار الحق، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی
ردعیسائیت	اعجاز عیسوی، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی
ردعیسائیت	عیسائیت کیا ہے؟، مولانا مفتی محمد تقی عثمانی
تمرین	خلاصۂ اسباق ومطالعہ
مطالعہ	کتب عیسائیت وردعیسائیت

مطالعۂ غیر مقلدیت (شعبۂ تحفظ سنت)

فن	نصاب
فقہ الحدیث	آثار السنن، علامہ محمد ابن علی شوق نیموی

فقہ الحدیث	اعلاء السنن، مولانا ظفر احمد تھانوی
مقالہ نویسی	دس مختلف موضوعات پر مقالے
خطابت	دس مختلف موضوعات پر تقاریر
مطالعہ	متون حدیث، کتب غیر مقلدین وغیرہ

محاضرات علمیہ (مطالعہ ادیان وفرق)

فن	تعداد محاضرہ	نصاب
یہودیت وعیسائیت	۶	محاضرات یہودیت، مولانا نعمت اللہ اعظمی
ہندوازم	۴	محاضرات ہندوازم، مولانا عبدالحمید نعمانی
قادیانیت	۵	محاضرات قادیانیت، مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری
شیعیت	۶	محاضرات شیعیت، مولانا محمد جمال میرٹھی
رضاخانیت	۶	محاضرات رضاخانیت، مولانا مفتی محمد امین پالن پوری
غیر مقلدیت	۶	محاضرات غیر مقلدیت، مولانا مفتی محمد راشد اعظمی
مودودیت	۵	محاضرات مودودیت، مولانا عبدالخالق سنبھلی
نوٹ: تکمیلات کے تمام طلبہ کو ہفتہ میں ایک محاضرہ پیش کیا جاتا ہے۔		

خوش خطی (ایک سال) شعبۂ خوش خطی

پہلی سہ ماہی (ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم)		
فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب
تمرین	۱۸	الف ب کی پوری تختی کی مشق
اصول خوشخطی	۱۸	تمام حروف کی ''الف'' تا ''یے'' پیمائش اور نظری معلومات خط نستعلیق کی وضاحت اور تعارف
دوسری سہ ماہی (صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی)		
تمرین	۱۸	مرکبات اور قطعات کی (اعجاز رقم) سے مکمل مشق

اصول خوشخطی	۶	کتابت کے ابتدائی خطوط کا تعارف کتابت کی اصطلاحات سے مکمل واقفیت اور نظری معلومات
تاریخ خوشخطی	۶	ہندوستان میں خط نستعلیق کا ارتقاء
املاء	۱	ہفتہ میں ایک بار املاء لکھنا
تیسری سہ ماہی (جمادی الاولیٰ، جمادی الثانی، رجب)		
تمرین	۱۸	سادہ کاغذ، لیتھو اور آفسیٹ کے کاغذ پر خفی قلم سے عبارت کی مشق ہفتہ میں ایک بار معیاری املا لکھنا
اصول خوشخطی	۶	نظم، غزل، متن، اقتباسات اور حاشیہ کو سمجھتے ہوئے مکمل مشق کتابت سے متعلق جملہ معلومات مثلاً مسطر بنانا، مسطر رنگنا، صفحات ڈالنا، مسطروں کے سائز لیتھو اور بلاک آفسیٹ کی کتابت اور سائز میں فرق وغیرہ کی معلومات
اصول عام	۶	کتابت کے ضروری سامان کی معلومات کتابت شدہ صفحات کو محفوظ رکھنے کے طریقے اور سلیقے کی مکمل معلومات اور اغلاط کو درست کرنے کا طریقہ
تاریخ خوشخطی	۶	کتابت کے خطوط کی مختصر تاریخ اور اس کا ارتقا

خیاطی (ایک سال) شعبۂ دارالصنائع

پہلی سہ ماہی (ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم)		
فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب
مبادی	۱۲	گز، انچ، انچی ٹیپ کی پہچان اور استعمال
حساب	۱۲	سوت، انچ، گز، ضرب وتقسیم (کٹنگ سے متعلق)

تمرین	۱۲	سوئی کا استعمال، ترپائی کی مشق
دوسری سہ ماہی (صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی)		
تمرین	۳۶	سلائی مشین چلانے کی مشق ڈرائنگ، نپائی کی مشق قینچی چلانے اور کپڑے کاٹنے کی مشق
تیسری سہ ماہی (جمادی الاولیٰ، جمادی الثانی، رجب)		
تمرین	۳۶	کرتا، پاجامہ، شلوار سلائی کی مشق شیروانی کی کٹنگ وسلائی کا تعارف صدری کی کٹنگ وسلائی کا تعارف

نصاب تعلیم شعبۂ تجوید وحفظ قرآن

تجوید بروایت حفص عربی (ایک سال)

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب
اصول التجوید	۶	خلاصۃ البیان (قاری ضیاء الدین) تحفۃ الاطفال (علامہ سلیمان الجمزوری) مقدمۃ الجزریۃ (علامہ جزری)
تدویر	۶	پہلا پارہ، نصف پارہ سیقول، عم پارہ
حدر	۶	ایک منزل
تمرین	۱۸	مشق رکوعات مختلفہ مع پارۂ عم ترتیلاً (ہر سہ طریق)

تجوید بروایت حفص اردو (دوسال)

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب برائے سال اول
اصول التجوید	۱۸	قواعد التجوید (قاری ابوالحسن اعظمی) جمال القرآن (حضرت مولانا اشرف علی تھانوی) جامع الوقف (قاری ابن ضیاء محبّ الدین)
تمرین	۱۸	مشق قصار مفصل ترتیلاً (تا سہ ماہی) مشق رکوعات مختلفہ (تا سالانہ) پارہ الٓمٓ تدویر ایک منزل حدر

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب برائے سال دوم
اصول التجوید	۱۸	فوائد مکیہ (قاری عبدالرحمٰن مکی) معرفۃ الرسوم (قاری ابن ضیاء محبّ الدین)
تمرین	۱۸	مشق اوساط مفصل ترتیلًا بعدہ رکوعات مختلفہ پارہ ۲۸، ۲۹ تدویر قرآن مکمل حدر

قرأت سبعہ (ایک سال)

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب برائے سال اول
اصول التجوید والقراءات والرسم	۱۸	التیسیر (ابوعمر الدانی) شاطبیہ (علامہ شاطبی) رائیہ (علامہ شاطبی)
تمرین	۱۸	مشق رکوعات فی الاختلاف اجراء قرآن مکمل

قرأت عشرہ (ایک سال)

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب برائے سال اول
اصول التجوید والقراءات	۱۲	الوجوہ المسفرۃ (شیخ شمس المتولی) الدرۃ المضیئۃ (علامہ جزری) طیبۃ النشر (علامہ جزری)
تمرین	۱۲	مشق آیات مختلفہ
اجراء	۱۲	اجراء قرآن مکمل

حفظ قرآن

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب برائے سال اول
حفظ	۱۲	قرآن مجید از پارہ نمبر ۱ تا پارہ نمبر ۵
دینیات	۶	تعلیم الاسلام (مفتی کفایت اللہ دہلوی) حصہ اول
تجوید	۶	مختصر قواعد تجوید
اسلامی تربیت	۱۲	ماثورہ دعائیں
		نصاب برائے سال دوم
حفظ	۱۲	قرآن مجید از پارہ ۶ تا پارہ ۱۳
دینیات	۶	تعلیم الاسلام (مفتی کفایت اللہ دہلوی) حصہ دوم
تجوید	۶	قواعد تجوید
اسلامی تربیت	۱۲	ماثورہ دعائیں
		نصاب برائے سال سوم
حفظ	۱۲	قرآن مجید از پارہ ۱۴ تا ۲۲
دینیات	۶	تعلیم الاسلام (مفتی کفایت اللہ دہلوی) حصہ سوم
تجوید	۶	قواعد تجوید
اسلامی تربیت	۱۲	ماثورہ دعائیں
		نصاب برائے سال چہارم
حفظ	۱۲	قرآن مجید از پارہ ۲۳ تا ۳۰ (حفظ مکمل)
دینیات	۶	تعلیم الاسلام (مفتی کفایت اللہ دہلوی) حصہ چہارم
تجوید	۶	قواعد تجوید
اسلامی تربیت	۱۲	ماثورہ دعائیں

نصاب برائے سال پنجم		
حفظ	۱۸	قرآن مجید (دور) تا ششماہی ۲۰ پارے ششماہی تا سالانہ ۱۰ پارے
تجوید	۶	قواعد تجوید
اسلامی تربیت	۱۲	ماثورہ دعائیں

نوٹ: درج بالا نصاب تعلیم متوسط ذہن کے طلبہ کی رعایت سے تخمینی نصاب ہے ورنہ اعلیٰ ذہن کے طلبہ دو سال ہی میں حفظ و دور مکمل کر لیتے ہیں۔

نصاب تعلیم دینیات وفارسی (پرائمری)

درجہ اطفال

مضمون	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب
حروف ابجدی	۶	نورانی قاعدہ (مولوی نور محمد)
دعائیں	۱۲	کلمات (پہلا، دوسرا کلمہ حفظ)
اردو زبان	۶	اردو قاعدہ، بعد شش ماہی
تحریر کی مشق	۶	تختی لکھنا
گنتی	۶	۱۰۰ ر تک گنتی لکھنا، پڑھنا

درجہ اول

مضمون	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب
قرآن شریف	۶	پارۂ عم والم ناظرہ، وحفظ تا سورہ فیل (بترتیب معکوس)
دینیات	۶	دینی تعلیم کا رسالہ، اول (مولانا محمد میاں)
عملی مشق	۶	وضو اور نماز کی مشق، تین کلمے حفظ
اردو	۶	اردو کی پہلی کتاب (مولانا اسماعیل میرٹھی)
اردو مشق تحریر	۶	تختی پر لکھنے کی مشق
ہندی	۶	بھاشا کرن، اول
ہندی مشق تحریر	۶	ہندی مشق تحریر
حساب	۶	بیسک حساب اول، ۱۰ تک پہاڑے، جمع وتفریق

درجہ دوم

مضمون	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب
قرآن شریف	۶	از پارہ۲ تا پارہ۱۲ ناظرہ، وحفظ تا سورہ الشمّس
دینیات	۳	دینی تعلیم کا رسالہ، حصہ دوم وسوم (مولانا محمد میاں)
عملی مشق	۳	پانچوں کلمے حفظ، وضو ونماز کی عملی مشق
اردو	۳	اردو کی دوسری کتاب (مولانا اسماعیل میرٹھی)
اردو مشق تحریر	۳	اردو نقل
ہندی	۳	بھاشا کرن، دوم
ہندی مشق تحریر	۳	ہندی مشق تحریر
جغرافیہ	۳	سرل اٹلس یعنی اصطلاحات جغرافیہ
حساب	۶	بیسک حساب، دوم، ۲۰ تک پہاڑے

درجہ سوم

مضمون	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب
قرآن شریف	۶	قرآن پاک از پارہ نمبر۱۳ تا ختم ناظرہ
قرآن شریف	۳	حفظ تا سورۂ انشقاق (اخیر سے)
دینیات	۳	دینی تعلیم کا رسالہ نمبر۴، ۵
عملی مشق	۳	چھ کلمے حفظ، وضو ونماز کی عملی مشق ودعائے نماز جنازہ
اردو	۳	اردو کی تیسری کتاب (مولانا اسماعیل میرٹھی)
اردو مشق تحریر	۳	اردو نقل
قواعد اردو	۳	قواعد اردو، حصہ اول (نثار بیگ)
ہندی	۳	بھاشا کرن، سوم

ہندی مشق تحریر	۳	ہندی نقل
حساب	۳	بیسک حساب، سوم
سماج	۳	سماجک ادھین، دوم

درجہ چہارم (فارسی)

مضمون	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب
تاریخ اسلام	۳	تاریخ اسلام اول (مولانا محمد میاں)
دینیات	۳	دینی تعلیم کا رسالہ نمبر ۶، ۷
اردو	۳	اردو کی چوتھی کتاب (مولانا اسماعیل میرٹھی)
اردو املاء	۳	اردو املاء
فارسی	۶	آمد نامہ (مولانا مصطفیٰ خان) مکمل رہبر فارسی (مولانا اشتیاق احمد) تیسیر المبتدی (مولانا عبداللہ گنگوہی) فارسی کی پہلی کتاب گلزار دبستاں، اول ودوم (شیخ سعدی) کریما (شیخ سعدی)
ہندی	۳	بھاشا کرن، چہارم
ہندی املاء	۳	ہندی املاء
انگریزی	۳	انگلش پرائمر
حساب	۳	بیسک حساب، چہارم
سماج	۳	سماجک ادھین، سوم
سائنس	۳	آؤ کر کے سیکھیں، اول

درجہ پنجم (فارسی)

مضمون	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب
تاریخ اسلام	۳	تاریخ اسلام، دوم (مولانا محمد میاں)
سوانح وتذکرہ	۳	مشاہیر دارالعلوم دیوبند (مفتی ظفیر الدین مفتاحی)
اردو	۳	اردو کی پانچویں کتاب (مولانا اسماعیل میرٹھی)
اردو	۳	اردو خطوط نویسی
فارسی	٦	فارسی کا معلم (مولانا جمیل احمد) گلستاں مکمل (شیخ سعدی) باستثناء باب پنجم بوستاں (شیخ سعدی)
ہندی	۳	بھاشا کرن، پنجم
ہندی املاء	۳	ہندی املاء
انگریزی	۳	نیو لائٹ انگلش ریڈر
حساب	۳	بیسک حساب، پنجم
سماج	۳	ہمارا سماج
سائنس	۳	آؤ کر کے سیکھیں، دوم

قواعدِ داخلہ

اس وقت دارالعلوم دیوبند میں قدیم وجدید طلبہ کی کل تعداد چار ہزار سے زائد ہے۔تکمیلات، کتابت، دارالصنائع کے شعبے قدیم طلبہ کے لیے ہیں، بقیہ شعبوں میں قدیم طلبہ کے بعد جو عدد باقی بچتا ہے اس کو جدید طلبہ سے مقابلہ کے امتحان کے ذریعہ پُر کیا جاتا ہے یعنی ہر جماعت کی مقررہ تعداد کو اونچے نمبرات سے شروع کر کے پورا کیا جاتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں جدید داخلے صرف درجۂ دینیات، حفظ وتجوید، درجات عربیہ اور خوش خطی میں ہی ہوتے ہیں۔اس کے علاوہ تکمیلات وتخصصات کے تمام کورسز میں صرف دارالعلوم کے قدیم طلبہ کا ہی داخلہ ہوسکتا ہے۔

جدید طلبہ کے لیے

جدید داخلے کے لئے آنے والے طلبہ کو فارم درخواست برائے شرکت امتحان داخلہ ۳؍شوال سے دفتر تعلیمات سے فراہم کیا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ ۸؍شوال تک جاری رہتا ہے۔امتحان داخلہ عموماً شوال کے پہلے ہفتے سے شروع ہوتا ہے۔

سال اول، دوم، سوم عربی میں داخلہ کیلئے کچھ کتابوں کا امتحان تقریری اور کچھ کا تحریری ہوتا ہے، بقیہ درجات عربیہ کا امتحان تحریری ہوتا ہے۔سال اول ودوم میں نابالغ بیرونی بچوں کا داخلہ نہیں ہوتا ہے۔

تمام درجات عربیہ کے طلباء کیلئے پارۂ عم کا صحیح پڑھنا لازم ہوتا ہے اور اس کا امتحان بھی لیا جاتا ہے۔

سال اول میں داخلہ کیلئے حساب (جمع، تفریق، ضرب، تقسیم) گلستاں مکمل علاوہ باب پنجم کا تحریری امتحان ہوتا ہے، آمدنامہ اور فارسی کا معلّم کا تقریری امتحان ہوتا ہے۔

سال دوم میں داخلہ کیلئے القرأۃ الواضحہ حصہ اول کا تحریری امتحان ہوتا ہے اور سال اول کی تمام کتب: میزان منشعب، پنج گنج، نحومیر، شرح مائۃ عامل، مفتاح العربیہ ہر دو حصے کا تقریری امتحان ہوتا ہے۔

سال سوم میں داخلہ کے لیے نفحۃ الادب، ہدایۃ النحو، نورالایضاح کا تحریری امتحان اور علم الصیغہ، فصول

اکبری (خاصیات)، قدوری تا کتاب الحج، مرقات، القراءۃ الواضحہ حصہ دوم کا تقریری امتحان ہوتا ہے۔

سال چہارم کے لیے قدوری (از کتاب البیوع تا ختم) ترجمہ قرآن (سورہ ق سے آخر تک) شرح تہذیب، نفحۃ العرب اور کافیہ کا تحریری امتحان ہوتا ہے۔

سال پنجم کے لیے شرح وقایہ جلد اوّل وجلد دوم (تا کتاب العتاق)، اصول الشاشی مع دروس البلاغہ، ترجمہ قرآن (سورہ یوسف سے سورہ ق تک) اور قطبی کا تحریری امتحان ہوتا ہے۔

سال ششم کے لیے ہدایہ اوّل، نورالانور، مختصر المعانی، سلم العلوم، مقامات حریری کا تحریری امتحان ہوتا ہے۔

سال ہفتم کے لیے جلالین، ہدایہ ثانی، حسامی، میبذی، قصائد منتخبہ از دیوان متنبّی کا تحریری امتحان ہوتا ہے۔ درجۂ ہفتم میں داخلے کیلئے قرآن کریم صحیح مخارج سے پڑھنا لازمی ہے۔ منتخب شدہ طلبہ کا امتحان لیا جاتا ہے اور قرآن کریم صحیح مخارج سے سنانے کے بعد ہی فارم داخلہ دیا جاتا ہے۔

دورۂ حدیث کے لیے ہدایہ آخرین، مشکوٰۃ شریف، شرح عقائد نسفی، نخبۃ الفکر اور سراجی کا تحریری امتحان ہوتا ہے۔ نیز پارہ عم صحیح مخارج کے ساتھ حفظ ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اس کا امتحان بروقت لیا جائیگا۔ پارہ عم حفظ صحیح مخارج سے سنانے کے بعد ہی فارم داخلہ دیا جاتا ہے۔ (عم کا یہ امتحان حصول سند کیلئے تجوید کے قائم مقام نہیں ہوتا ہے۔)

شعبۂ دینیات، اردو، فارسی: شعبۂ دینیات اردو، فارسی میں خصوصاً مقامی بچوں کو داخلہ دیا جاتا ہے۔ دینیات کے درجۂ اطفال میں صرف مقامی بچوں کا داخلہ بشرط گنجائش ہر وقت ممکن ہوتا ہے۔ دینیات کے بقیہ درجات میں داخلہ ذی الحجہ کی تعطیل تک لیا جاتا ہے۔

شعبۂ حفظ: شعبۂ حفظ میں خاص طور پر مقامی یا قرب وجوار کے نابالغ بچوں کا داخلہ بشرط گنجائش لیا جاتا ہے۔ مقررہ تعداد سے زائد کسی بچے کا داخلہ ممکن نہیں ہوتا ہے۔ اور درمیان سال میں صرف دارالعلوم کے شعبۂ ناظرہ سے فارغ بچوں کا داخلہ ہوتا ہے۔

شعبۂ ناظرہ: شعبۂ ناظرہ صرف اور صرف مقامی بچوں کے لئے مخصوص ہے اور اس شعبہ میں داخل ہونے والے بچوں کو دارالاقامہ کی جانب سے سیٹ نہیں دی جاتی ہے۔

شعبۂ تجوید، حفص اردو، عربی: حفص اردو میں وہ طلبہ داخل ہو سکتے ہیں جو حافظ قرآن ہوں اور اردو کی اچھی استعداد بھی رکھتے ہوں؛ نیز ان کی عمر اٹھارہ سال سے کم نہ ہو۔ حفص اردو میں داخلہ کے امیدواروں کا حساب (جمع وتفریق، ضرب وتقسیم) کا امتحان تحریری بھی ہوتا ہے۔ شعبۂ حفص عربی میں ان طلبہ کو داخل کیا جاتا ہے جنھیں قرآن کریم یاد ہو اور وہ عربی میں شرح جامی، یا سالِ سوم کی تعلیم حاصل کر چکے ہوں۔

قرأت سبعہ وعشرہ: قرأت سبعہ وعشرہ میں داخلہ کے لیے حافظ ہونا اور عربی کی سال چہارم تک کی جیداستعداد رکھنا ضروری ہوتا ہے۔سبعہ کے لیے حفص عربی سے فارغ ہونا اور عشرہ کے لئے قرأت سبعہ کا پڑھا ہوا ہونا ضروری ہوتا ہے۔

عام ضوابط

- جن امیدواروں کی وضع قطع طالبِ علمانہ نہیں ہوتی ،مثلاً : غیرِ شرعی بال، ریش تراشیدہ ہونا، ٹخنوں سے نیچے پاجامہ ہونا، یا دارالعلوم کی روایات کے خلاف کوئی بھی وضع ہونا، ان کو شریک امتحان نہیں کیا جاتا اور نہ ہی اس سلسلے میں کوئی رعایت کی جاتی ہے۔
- تمام جدید طلبہ کے لیے وطینت کا تصدیق نامہ پیش کرنا ضروری ہے۔ تصدیق نامۂ میں جوڈیشیل مجسٹریٹ کی جاری کردہ تصدیق شہریت یا راشن کارڈ، یا شناختی کارڈ برائے ووٹ، یا ہندوستانی پاسپورٹ کی مصدقہ فوٹو اسٹیٹ کاپی پیش کرنا لازم ہوتا ہے۔
- امیدواروں کے تاریخ پیدائش کا سرٹیفکیٹ کارپوریشن میونسپل بورڈ ٹاؤن ایریا، یا گرام پنچایت کا ہونا ضروری ہے۔واضح رہے کہ ۱۸ سال سے کم عمر پر فراغت تسلیم نہیں کی جاتی۔
- ہر طالب علم کے لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنے سرپرست کا ضمانت نامہ ہمراہ لے کر آئے اور فارم داخلہ کے ساتھ منسلک کریں۔
- جدید امیدواروں کے لیے سابقہ مدرسہ کا تعلیمی واخلاقی تصدیق نامہ پیش کرنا ضروری ہوتا ہے۔ کسی جماعت میں سماعت کی اجازت نہیں ہے،اور نہ ہی کسی کی ذاتی تصدیق یا دارالعلوم سمیت کسی مدرسہ میں سماعت کا اعتبار رہے۔

غیر ملکی جدید طلبہ کے لیے

- دارالعلوم دیوبند میں بیرون ملکی طلبہ کا داخلہ شوال سے ۳۰؍ذوالقعدہ تک ہوتا ہے۔
- مطلوبہ سال کے امتحان داخلہ میں کامیابی کے بعد داخلہ مل سکتا ہے۔
- داخلہ کے خواہش مند طلبہ کے پاس کم از کم ایک سال کا تعلیمی ویزہ ہونا چاہیے جس میں دارالعلوم میں تعلیم کی صراحت ہو۔ واضح رہے کہ ٹورسٹ ویزا پر داخلہ نہیں دیا جاتا ہے۔ پاسپورٹ اور ویزہ کی فوٹو کاپی درخواست داخلہ کے ساتھ داخل کرنی ہوتی ہے۔

- بنگلہ دیشی امیدواران کو تعلیمی ویزا کے علاوہ جناب مولانا قاری عبدالخالق صاحب جامعہ حسینیہ ارض آباد، میرپور، ڈھاکہ سے تصدیق بھی لے کر آنی ہوتی ہے۔
- ویزہ کے حصول میں مدد دینے کے لیے، دارالعلوم صرف 'نو آبجیکشن سرٹیفکیٹ' (NOC) جاری کرسکتا ہے۔ NOC کے حصول کے لیے درج ذیل تفصیلات فراہم کرنا ضروری ہے: (۱) نام امیدوار (۲) والد کا نام (۳) ڈاک کا مکمل پتہ (۴) پاسپورٹ کی نقل
- واضح رہے کہ دارالعلوم میں ذریعۂ تعلیم اردو زبان ہے؛ لہٰذا اگر بیرون ملکی طلبہ اردو زبان سے واقف ہوں تو یہ ان کے حق میں زیادہ بہتر ہوگا۔
- دارالعلوم دیوبند تعلیم، قیام وطعام اور دیگر سہولیات مفت فراہم کرتا ہے اور کسی بھی عنوان سے طلبہ سے کسی قسم کی کوئی فیس نہیں وصول کرتا۔
- ضروری کاغذات اور تصدیقات کی فوٹو کاپی درخواست فارم برائے داخلہ کے ساتھ جمع کرنی ہوتی ہے اور داخلہ فارم کے اجراء پر اصل کاغذات پیش کرنا ضروری ہوتا ہے۔

قدیم طلبہ کے لیے

- تمام قدیم طلبہ کے لیے ۲۰؍شوال تک حاضر ہونا ضروری ہوتا ہے۔
- جو طلبہ تمام کتابوں میں کامیاب ہوتے ہیں ان کو ترقی دی جاتی ہے، جو طلبہ دو کتابوں میں ناکام ہوتے ہیں ان کا ضمنی امتحان، داخلہ امتحان کے ساتھ لیا جاتا ہے، بصورت کامیابی ترقی دی جاتی ہے ورنہ بلا امداد سال کا اعادہ کردیا جاتا ہے۔ اعادۂ سال کی رعایت صرف ایک سال کے لیے ہے۔
- عربی سال اول میں مشق تجوید کے اور سال دوم میں جمال القرآن کے نمبرات بسلسلۂ ترقی درجہ اوسط میں شمار ہوتے ہیں۔ بقیہ سالوں میں تجوید وکتابت کے نمبرات بسلسلۂ ترقی اوسط میں شمار نہیں ہوتے؛ البتہ فوائد مکیہ اور صف عربی کے نمبرات ترقی واجرائے امداد کے سلسلے میں شمار کیے جاتے ہیں۔
- ایک تکمیل کی درخواست دینے والے دوسری تکمیل کے امیدوار نہ ہوسکیں گے الّا یہ کہ ان کے مطلوبہ درجۂ تکمیل میں تعداد پوری ہونے کے سبب ان کا داخلہ نہ ہوسکا ہو۔
- دارالافتاء کے فضلاء کا کسی شعبہ میں داخلہ نہیں ہوتا، تخصص فی الحدیث اس سے مستثنٰی ہے۔

- تخصص فی الحدیث سے فراغت کے بعد کسی دوسرے شعبہ میں داخلہ نہیں ہوتا؛ البتہ دارالافتاء اس سے مستثنیٰ ہے۔لہٰذا تخصص فی الحدیث کے بعد افتاء میں داخلہ ہوسکتا ہے اور افتاء کے بعد تخصص فی الحدیث میں داخلہ لیا جاسکتا ہے۔ان دونوں تکمیلات سے فارغ ہونے والے طلبہ کا کسی دوسری تکمیل میں داخلہ نہیں ہوتا۔
- جن طلبہ کے خلاف کوئی بھی شکایت دارالاقامہ،تعلیمات، یا اہتمام میں کسی بھی وقت درج ہوئی ہو،ان کو دورۂ حدیث کے بعد کسی بھی شعبہ میں داخل نہیں کیا جاتا ہے۔
- کسی بھی شعبہ میں داخلہ لینے والے قدیم فضلا کو اس شعبہ سے فراغت کے بعد ہی سندِ فضیلت دی جاتی ہے۔تکمیل کے طالب علم پر لازمی ہے کہ وہ اس کی تکمیل کرے،اگر درمیان سال میں تعلیم ترک کردی تو سند فضیلت سال کے آخیر تک نہیں دی جاتی ہے۔

تکمیل افتاء، تدریب فی الافتاء، تکمیل ادب عربی، تکمیل تفسیر، تکمیل علوم، تخصص فی الحدیث، شعبۂ انگریزی زبان وادب، شعبۂ کمپیوٹر، خوش نویسی، دارالصنائع، شعبۂ تحفظ ختم نبوت، شعبۂ ردعیسائیت، شیخ الہند اکیڈمی میں داخلہ کے لیے اوسط نمبرات طے ہیں اور انھیں کی روشنی میں تقابل کی بنیاد پر داخلہ دیا جاتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے قواعد داخلہ میں حسب ضرورت تغیر وتبدیلی ہوتی رہتی ہے اور ہر سال نیا قواعد داخلہ دفتر تعلیمات کی طرف سے شائع کیا جاتا ہے۔

ماخذ:

قواعد داخلہ، دفتر تعلیمات، دارالعلوم دیوبند، بابت ۳۷-۱۳۳۶ھ

چھٹا باب

خدمات دارالعلوم دیوبند

- دارالعلوم دیوبند: تجدید دین کی عالم گیر تحریک
- دارالعلوم دیوبند: دینی تعلیمی تحریک کا بین الاقوامی مرکز
- علمائے دیوبند اور تحفظ دین کی خدمات
- علمائے دیوبند اور عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ
- دارالعلوم دیوبند اور رد شیعیت
- شرک و بدعت کا مقابلہ
- دارالعلوم دیوبند اور فتنۂ عدم تقلید کا تعاقب
- غیر اسلامی افکار و خیالات کے خلاف دارالعلوم کی خدمات
- اصلاحی اور تبلیغی خدمات
- قرآن و علوم قرآن کی خدمات
- علمائے دیوبند اور خدمت حدیث
- علمائے دیوبند کی فقہی خدمات
- علمائے دیوبند کی عربی زبان و ادب کی خدمات
- علمائے دیوبند اور اردو زبان
- تحریک آزادئ ہند اور علمائے دیوبند
- علمائے دیوبند کی ملی و سماجی خدمات

دارالعلوم دیوبند:
تجدید دین کی عالم گیر تحریک

انیسویں صدی عیسوی میں یوروپی استعمار کی چیرہ دستیوں اور پوری دنیا خصوصاً عالم اسلام پر تصرف اور قبضہ سے ایک عالمگیر سیاسی، سماجی اور دینی بحران پیدا ہو چکا تھا۔ یوروپی استعمار اپنے ساتھ عیسائیت اور الحاد و بے دینی کا ایک سیلاب بلا خیز بھی ساتھ لا رہا تھا۔ پورے عالم اسلام کی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو معلوم ہوگا کہ اس وقت مسلمانوں کی قوت فکر وعمل مفلوج ہو کر رہ گئی تھی اور انڈونیشیا سے مراکش تک کے طول وعرض میں کوئی قابل ذکر تحریک موجود نہ تھی جو اس نازک صورت حال میں مغربی استعمار اور الحاد کے خلاف آہنی دیوار بن کر کھڑی ہو جاتی۔ ایسے نازک دور اور عالمگیر سناٹے میں پہلی آواز دیوبند سے اٹھی جو اگرچہ ابتدا میں ہلکی اور نحیف تھی لیکن آہستہ آہستہ وہ الحاد و بے دینی اور ظلم و بربریت کے سناٹے کو چیرتی چلی گئی اور نصف صدی کے اندر اندر پوری دنیا میں اس کا ڈنکا بجنے لگا:

تا ابد گوشِ جہاں زمزمہ زا خواہد بود
زیں نواہا کہ دریں گنبدِ گردوں زدہ ایم

عالم اسلام کی مؤثر ترین دینی تحریک

یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی حیات اجتماعی کی نشاۃِ ثانیہ کی تاریخ میں دارالعلوم کی مسلسل تعلیمی اور تبلیغی جد و جہد کا بڑا حصہ ہے۔ دارالعلوم کی طویل زندگی میں حوادث کے کتنے ہی طوفان اُٹھے اور حالات و سیاسیات میں کتنے ہی انقلاب آئے مگر یہ ادارہ جن مقاصد کو لے کر عالمِ وجود میں آیا تھا، انتہائی استقلال اور ثابت قدمی کے ساتھ ان کی تکمیل میں سرگرم عمل رہا۔ فکر و خیال کے ان ہنگاموں اور فتنۂ مغرب میں ڈوبی ہوئی تحریکوں کے دور میں اگر بالعموم مدارس عربیہ اور بالخصوص دارالعلوم جیسے ادارے کا وجود نہ ہوتا تو نہیں کہا جا سکتا کہ آج مسلمان جمود و بے حسی کے کس گردابِ عظیم میں پھنسے ہوئے ہوتے۔ ارشاد و تلقین، تبلیغ و تذکیر، تعلیم و تربیت اور اصلاحِ خلق کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں دارالعلوم کے فضلا مصروف عمل نہ ہوں اور

ملت اسلامیہ کی اصلاح وتربیت میں انھوں نے اہم کردار ادا نہ کیا ہو، دعوت وارشاد اور وعظ وتبلیغ کے بڑے بڑے جلسوں کی رونق اس وقت برصغیر میں دارالعلوم ہی کے گرامی قدر علماء کے دم سے قائم ہے۔ بڑے بڑے مدارس اسلامیہ کی مسند تدریس کی زینت آج یہی اصحاب ہیں۔

دارالعلوم دیوبند صرف ایک تعلیم گاہ ہی نہیں بلکہ درحقیقت ایک مستقل تحریک اور تجدید دین کا مرکز ہے جس سے ہندو پاک اور بنگلہ دیش کے علاوہ پورے ایشیا، مشرقی وجنوبی افریقہ اور یورپ وامریکہ کے کروڑہا کروڑ مسلمان وابستہ ہیں اور اسے اپنا علمی وفکری مرکز سمجھتے ہیں۔ الحمدللہ دارالعلوم دیوبند کا علمی وفکری فیض ایشیا سے گذر کر افریقہ، یورپ اور امریکہ تک پہنچ چکا ہے۔ ان علاقوں میں دارالعلوم کے فیض یافتہ افراد دینی وعلمی خدمات انجام دے رہے ہیں اور مرکزی شہروں اور دیہاتوں میں دارالعلوم کے طرز پر اسلامی درس گاہیں کھل چکی ہیں۔

برصغیر میں احیائے اسلام کا مرکز

دارالعلوم دیوبند نے برصغیر کے مسلمانوں کی دینی زندگی میں ان کو ایک ممتاز مقام پر پہنچانے کا بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے، یہ نہ صرف ایک بین الاقوامی تعلیمی ادارہ ہے بلکہ ذہنی نشو ونما، تہذیبی ارتقا اور ملّی حوصلہ مندیوں کا ایک ایسا مرکز بھی ہے جس کے صحیح علم، بلند کردار اور نیک نیتی پر مسلمانوں کو ہمیشہ بھروسہ اور فخر رہا ہے۔ جس طرح عربوں نے ایک زمانے میں یونانیوں کے علوم کو ضائع ہونے سے بچایا تھا ٹھیک اسی طرح دارالعلوم دیوبند نے اس زمانے میں علوم اسلامیہ اور بالخصوص علم حدیث کی جو گراں قدر خدمت انجام دی ہے وہ اسلام کی علمی تاریخ میں ایک زریں کارنامے کی حیثیت رکھتی ہے۔ دارالعلوم دیوبند نے ہندوستان میں نہ صرف دینی علوم اور اسلامی قدروں کی بقا وتحفظ کے زبردست اسباب فراہم کئے ہیں بلکہ اس نے تیرہویں صدی ہجری کے اواخر اور چودہویں صدی کی معاشرتی اور سیاسی زندگی پر بھی بہت دوررس اور نتیجہ خیز اثرات ڈالے ہیں۔

ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد جب انگریزوں نے اپنے سیاسی مصالح کے پیش نظر اسلامی علوم وفنون کی قدیم درسگاہوں کو یکسر ختم کر دیا تھا اس وقت ضرورت تھی کہ نہ صرف اسلامی علوم وفنون اور اسلامی تہذیب کی بقا کے لئے بلکہ مسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت کے لئے ایک تحریک شروع کی جائے جو مسلمانوں کو الحاد و بے دینی کے فتنۂ عظیم سے محفوظ رکھ سکے۔ اس وقت اسلام کے تحفظ کی تمام ذمہ داری علمائے کرام کے کاندھوں پر تھی، کیوں کہ اسلامی حکومت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ علمائے کرام نے اپنا فرض انجام دینے میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور مسلمانوں کی تمام توقعات دارالعلوم دیوبند کے

ذریعہ بدرجۂ اتم پوری ہوئیں۔

دارالعلوم دیوبند سے جو افراد فارغ ہوئے انھوں نے تعلیم وتبلیغ، تزکیۂ اخلاق، تصنیف وتالیف، فقہ و فتاویٰ، مناظرہ وخطابت، صحافت وتذکیر اور حکمت وطب وغیرہ میں جو بیش بہا خدمات انجام دی ہیں وہ کسی مخصوص خطے میں محدود نہیں ہیں، بلکہ ہندو پاک کے ہر ہر خطہ کے علاوہ بیرونی ممالک میں بھی پھیل چکی ہیں۔ دارالعلوم نے اپنے یومِ قیام سے اب تک برصغیر کے کونے کونے اور دنیا بھر کے مرکزی اور بڑے شہروں میں اپنے فرزندانِ رشید کو پہنچا دیا ہے جو پورے خطے میں آفتاب و ماہتاب بن کر چمک رہے ہیں اور مخلوق خدا کو ظلمت وجہل سے نکال کر نورِ علم سے مالا مال کر رہے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند نے جہاں ایک طرف مسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت کے لیے صحیح الفکر علماء و فضلاء پیدا کیے وہیں مدارس اسلامیہ کے وسیع نظام کے ساتھ دینِ اسلام کی اشاعت کا سامان بھی پیدا کیا۔ برصغیر کی پچھلی ڈیڑھ سو سالہ دینی وسماجی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو معلوم ہوگا کہ برصغیر کے مسلمانوں کی زندگی میں سب سے زیادہ مثبت اثر دارالعلوم کی تحریک سے پیدا ہوا ہے اور مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں سب سے زیادہ حصہ علمائے دیوبند کی علمی ودینی کوششوں کا ہے۔

عالمی دینی تعلیمی تحریک کا مرکز

ہندوستان میں برطانوی نظام تعلیم کے جاری ہونے کے بعد جب یہاں ایک نئی تہذیب اور نئے دور کا آغاز ہو رہا تھا تو اس نازک وقت میں دارالعلوم کے اکابر نے دینی تعلیم اور مدارس اسلامیہ کے قیام کی تحریک شروع کردی، خدا کے فضل وکرم سے ان کی تحریک مسلمانوں میں مقبول ہوئی، چنانچہ برصغیر میں جگہ جگہ دینی مدارس جاری ہوگئے اور یہ سلسلہ ایک وسیع جال کی شکل میں روز بروز وسعت پذیر ہے۔ بہت ہی قلیل مدت میں دارالعلوم کی شہرت بامِ عروج کو پہنچ گئی اور بہت جلد دارالعلوم نہ صرف متحدہ ہندوستان (بشمول پاکستان و بنگلہ دیش) بلکہ افغانستان، وسط ایشیا، انڈونیشیا، ملیشیا، برما، تبت، سیلون اور مشرقی و جنوبی افریقہ، یورپ، امریکہ وآسٹریلیا کے ممالک کے مسلمانوں کے لیے ایک بین الاقوامی دینی تعلیم کی تحریک کا مرکز بن گیا۔

اس وقت سے لے کر اب تک برصغیر کے طول وعرض میں بحمد اللہ بے شمار دینی مدارس جاری ہو چکے ہیں، اور روز بروز اُن کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، حتی کہ جو مدرسے دارالعلوم کے مزاج ومذاق سے ہٹے ہوئے ہیں یا دارالعلوم کے نصاب تعلیم کی اتباع نہیں کرتے ہیں ان کا نظام بھی دارالعلوم کے وضع کردہ

بنیادی اصولوں پر قائم ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ آج برصغیر میں جس قدر بھی دینی مدارس نظر آتے ہیں ان میں سے بیشتر وہی ہیں جو دارالعلوم دیوبند کے نقش قدم پر یا اس کے قائم کردہ اثرات سے جاری ہوئے ہیں؛ اس طرح دارالعلوم دیوبند کا وجود اسلام کی جدید تاریخ میں ایک عہد آفریں حیثیت رکھتا ہے، اور یہیں سے اس وقت پورے برصغیر میں دینی تعلیم گاہوں کا جال پھیلا ہوا ہے۔ ہندوستان میں موجود مدارس کا کوئی حتمی اعداو شمار موجود نہیں تاہم چھوٹے بڑے مدارس کی تعداد ایک اندازے کے مطابق دس ہزار سے زائد ہے۔ یہ تعداد ان لاکھوں مکاتب کے علاوہ ہے جو تقریباً ہر مسجد اور مسلم محلّہ میں قائم ہوتے ہیں۔

ہندوستان کے علاوہ، پاکستان اور بنگلہ دیش کے چپے چپے میں بھی اسی نہج پر ہزاروں مدرسے قائم ہیں جن کے بڑے مدرسوں میں ہزاروں طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ پاکستان میں وفاق المدارس کے تحت دس ہزار کے قریب مدراس کا متحدہ پلیٹ فارم بھی قائم ہے جن میں اکثریت دیوبندی مدارس کی ہے۔ اسی طرح بنگلہ دیش میں بھی دینی مدارس ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں۔ ہندوپاک اور بنگلہ دیش کے علاوہ برصغیر کے قریب دیگر ملکوں جیسے مشرق میں برما، شمال میں نیپال، مغرب میں افغانستان وایران اور جنوب میں سری لنکا وغیرہ میں بھی کافی مدارس دارالعلوم کے طرز پر قائم ہیں۔ ان مدارس سے ہزاروں علماء ہر سال فارغ ہوکر معاشرہ میں علم کی روشنی پھیلاتے ہیں۔ براعظم افریقہ کے جنوبی ملکوں خصوصاً ساؤتھ افریقہ میں دارالعلوم کے طرز کے سیکڑوں چھوٹے بڑے مدارس قائم ہیں۔ اسی طرح براعظم یورپ میں خصوصاً برطانیہ میں متعدد بڑے دارالعلوم اور مدارس قائم ہیں۔ بحر انٹلانٹک کے اس پار ریاستہائے متحدہ امریکہ، کناڈا اور ویسٹ انڈیز میں بھی دارالعلوم قائم ہوچکے ہیں اور دارالعلوم کے نہج پر علوم دینیہ کی تدریس واشاعت میں مشغول ہیں۔ دوسری طرف مشرق میں آسٹریلیا، فیجی، نیوزی لینڈ وغیرہ میں بھی الحمدللہ دارالعلوم دیوبند کے نہج پر مدارس قائم ہیں۔

دفاع اسلام کا مضبوط قلعہ

دین اسلام کے بنیادی عقائد کی حفاظت، اسلامی افکار وروایات کی پاسداری اور تمام فرق باطلہ اور افکار فاسدہ سے اسلام کا دفاع دارالعلوم دیوبند کے اکابر اور فضلاء کا طغرائے امتیاز رہا ہے۔ ہندوستان میں برطانوی استعمار کی نحوست سے مسلمانوں کو نت نئے فتنوں سے واسطہ پڑا، اسلام دشمن طاقتوں نے مسلمانوں میں افتراق وانتشار پیدا کرنے کے لیے باطل افکار وفرق کو خوب خوب پھلنے پھولنے کا موقع دیا۔ خود مسلمانوں کی ایک بڑی اکثریت زوالِ اقتدار کے ساتھ دینی واخلاقی زوال سے دوچار تھی۔ مسلمانوں کے عقائد وافکار میں تزلزل اور اضطراب پیدا ہوچکا تھا۔ اس نازک دور میں جب مسلمان سیاسی جنگ ہار چکا تھا، ایک طرف عیسائیت پوری

قوت کے ساتھ حملہ آور تھی، آریہ سماج اور ہندوؤں کی یلغار تھی، تو دوسری طرف خود مسلمانوں کی صفوں سے ایسے افراد اور جماعتیں جنم لے رہی تھیں جو مختلف زاویوں سے اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنے میں لگی تھیں۔

دارالعلوم دیوبند اپنے روز قیام سے اسلام کے دفاع میں تمام فرق باطلہ وافکار فاسدہ کے خلاف سد سکندری کی طرح ڈٹا رہا اور حدیث مبارک یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنھم تحریف الغالین وانتحال المبطلین و تاویل الجاھلین، طبرانی (ہر آئندہ نسل میں سے اس علم کے حامل ایسے عادل لوگ ہوتے رہیں گے جو اس سے غلو کرنے والوں کی تحریف، باطل پرستوں کے غلط انتساب اور جاہلوں کی تاویل کو دور کرتے رہیں) کے مطابق دینی عقائد وتعلیمات کا بھرپور دفاع کیا اور قرآن وحدیث اور صحابہ وسلف سے آنے والے متوارث دین کو اس کی اصلی حالت میں نئی نسلوں تک پہنچایا۔ علمائے دیوبند کو اس فرض کو انجام دینے میں مختلف محاذوں پر بیک وقت لڑنا پڑا۔

عیسائیت کا مقابلہ: ہندوستان پر انگریزی تسلط کے بعد عیسائی مشنریاں برصغیر میں اس زعم سے داخل ہوئی کہ وہ ایک فاتح قوم ہیں مفتوح قومیں فاتح قوم کی تہذیب کو آسانی سے قبول کرلیتی ہیں۔ انھوں نے پوری کوشش کی کہ مسلمانوں کے دل ودماغ سے اسلام کے تہذیبی نقوش مٹادیں یا کم ازکم انہیں ہلکا کردیں تاکہ بعد میں انھیں اپنے اندر ضم کیا جاسکے اور اگر وہ عیسائی نہ بن سکیں تو اتنا تو ہو کہ وہ مسلمان بھی نہ رہ جائیں۔ اس محاذ پر دارالعلوم اور اکابر دیوبند نے عیسائی مشنری اور مسیحی مبلغین سے پوری علمی قوت سے ٹکر لی اور نہ صرف علم واستدلال سے ان کے حملے پسپا کردیئے بلکہ عیسائی تہذیب اور ان کے مذہبی ماخذ پر کھلی تنقید کی اس سلسلے میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی خدمات سے علمی دنیا اچھی طرح واقف ہے۔

ہندو احیاء پرستی کا مقابلہ: غیر منقسم ہندوستان کی غالب اکثریت ایسے مسلمانوں کی ہے جن کے آباء واجداد کسی زمانے میں ہندو تھے۔ انگریزوں نے سیاسی اقتدار پر تسلط جمالینے کے بعد یہاں کے ہندوؤں کو اکسایا کہ یہ مسلمان جو کسی زمانہ میں تمہاری ہی قوم کے ایک حصہ تھے اس لیے اپنی عددی قوت کو بڑھانے کے لیے انھیں دوبارہ ہندو بنانے کی کوشش کرو چناں چہ انگریزوں کی خفیہ سرپرستی میں آریہ سماج کے ذریعہ مسلمانوں کو مرتد کرنے کی تحریک پوری قوت سے شروع ہوگئی۔ اسلام کے خلاف اس فکری محاذ پر حالات سے ادنیٰ مرعوبیت کے بغیر اکابر دارالعلوم نے اسلام کا کامیاب دفاع کیا۔ تقریر وتحریر، بحث ومناظرہ اور علمی ودینی اثر ونفوذ سے اس ارتدادی تحریک کو آگے بڑھنے سے روک دیا بالخصوص علمائے دیوبند کے سرخیل اور قائد وامام حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اس سلسلے میں نہایت اہم ومؤثر خدمات انجام دیں برصغیر کی مذہبی وسماجی تاریخ کا ایک معمولی طالب علم بھی حضرت موصوف کی ان خدمات جلیلہ سے پوری

طرح واقف ہے۔ تقسیم ہند کے قیامت خیز حالات میں جب کہ برصغیر کا اکثر حصہ خون کے دریا میں ڈوب گیا تھا اس ہولناک دور میں بھی شدھی وسنگٹھن کے نام سے مسلمانوں کو مرتد کرنے کی ایمان سوز تحریک برپا کی گئی۔ اس موقع پر بھی علمائے دیوبند وقت کے خونی منظر سے بے پرواہو کر میدان میں کود پڑے اور خدائے رب العزت کی مدد ونصرت سے ارتداد کے اس سیلاب سے مسلمانوں کو بحفاظت نکال لے گئے۔

قادیانیت کا مقابلہ: الحمدللہ علمائے دیوبند کو یہ فخر حاصل ہے کہ جب ختم نبوت کے عظیم بنیادی عقیدہ پر یلغار کی گئی اور انگریز کی خانہ ساز نبوت مسلمانوں کو ارتداد کی دعوت دینے لگی تو علمائے دیوبند سب سے پہلے پوری قوت کے ساتھ میدان میں آئے اور مسلمانوں کو اس ارتدادی فتنہ سے خبردار کیا۔ اکابر دارالعلوم اور اساطین علمائے دیوبند نے اپنی گراں قدر علمی تصانیف، موثر تقاریر اور لاجواب مناظروں سے انگریزی نبوت کے دجل وفریب کا اس طرح پردہ چاک کیا اور ہر محاذ پر ایسا کامیاب تعاقب کیا کہ اسے اپنے مولد ومنشاء لندن میں محصور ہو جانا پڑا۔ علمائے دیوبند کے علمی وفکری مرکز دارالعلوم دیوبند کی زیر نگرانی حریم ختم نبوت کی پاسبانی کی یہ مبارک خدمت پوری توانائیوں کے ساتھ آج بھی جاری وساری ہے۔

شیعیت کا مقابلہ: دارالعلوم ایک ایسے وقت میں قائم ہوا جب کہ انگریزوں نے لکھنؤ کی شیعی حکومت کا ۱۸۵۷ء میں الحاق کر کے اس کا وجود مٹا دیا تھا، لیکن اودھ کی شیعی حکومت اور سلطنت مغلیہ میں ان کے گہرے اثرات کی وجہ سے ان کے مذہبی عقائد کی چھاپ پورے ہندوستان پر پڑ گئی تھی۔ پورے ہندوستان میں شیعی عقائد اور ان کے مشرکانہ رسوم غیر شیعہ مسلمانوں کے دل ودماغ میں اس قدر رچ بس گئے تھے کہ اگر چہ ان کو صحیح طور پر کلمۂ شہادت بھی ادا کرنا نہ آتا ہو، مگر وہ تعزیہ داری اور اس کے ساتھ عقیدت مندی کا والہانہ جذبہ سینوں میں موج زن رکھتے تھے اور اس کو اپنے مسلمان ہونے کی سند سمجھتے تھے۔ حیرت ناک بات یہ تھی کہ شیعہ اتنے بڑے ملک میں سنیوں کے مقابل میں مٹھی بھر تھے لیکن کروڑوں اہل سنت والجماعت مسلمانوں کے دلوں میں شیعوں نے اپنے سارے عقائد ومراسم، جذبات وخیالات کی چھاپ ڈال دی تھی اور پورے ہندوستان کو شیعیت کے رنگ میں رنگ دیا تھا۔ علمائے دیوبند کا یہ قابل فخر کارنامہ ہے کہ انھوں نے برصغیر کو شیعوں کے ہمہ گیر اثرات سے پاک کیا اور اہل سنت والجماعۃ کے عقائد وافکار کی حفاظت و اشاعت کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔ علمائے دیوبند نے کتابوں، فتاوی اور بیانات کے ذریعہ امت مسلمہ کی بھرپور رہ نمائی فرمائی۔

شرک وبدعت کا مقابلہ: یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام جب ہندوستان پہنچا تو یہاں کی قدیم تہذیب و تمدن، رسم ورواج، طور وطریق، ذہن ومزاج اور مذہبی تعلیمات وروایات پر اس نے زبردست اثر ڈالا،

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی نا قابل انکار حقیقت ہے کہ ہندو تہذیب نے بھی مسلم تہذیب کو کم متاثر نہیں کیا ہے۔ یہ اثرات مسلم سماج میں اس طرح پیوست ہوکر رہ گئے کہ آج یہ احساس بھی مٹ گیا کہ یہ رسم ورواج اور طور وطریق اسلامی معاشرہ میں غیر مسلموں سے آئے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ علمائے سوء دنیا کمانے کے لیے شرک و بدعت کی تائید میں سامنے آگئے اور انھوں نے مستقل فرقہ کی شکل اختیار کرلی۔ علمائے دیوبند نے احقاق حق اور ابطال باطل کا فرض پوری دیانت داری سے ادا کرتے ہوئے پورے ملک میں اہل بدعت کا مقابلہ کیا، ان سے مناظرے کیے اور عوام پر حق واضح کیا۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا مرتضی حسن چاندپوریؒ وغیرہ نے نا قابل فراموش خدمات انجام دیں اور ان کے اخلاف کے ذریعہ اصلاح عقائد واعمال کا یہ مبارک سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

غیر مقلدیت کا مقابلہ: تاریخ شاہد ہے کہ ہندوستان کی تقریباً تمام اہم مسلم حکومتوں نے مذہب حنفی کا اتباع کیا اور فقہ حنفی ہی تمام قوانین وضوابط کی بنیاد بنا رہا۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی غالب اکثریت مذہب حنفی کی پابند تھی۔ پوری مسلم تاریخ میں تقلید سے انحراف، اسلامی روایات سے بغاوت اور سلف صالحین سے نفرت وکدورت کا کوئی قابل ذکر ثبوت نہیں ملتا۔ لیکن آخری زمانے میں جب سلطنت مغلیہ رو بہ زوال تھی اور ہندوستان میں انگریزوں کے ناپاک قدم پڑ چکے تھے، اس وقت نت نئی جماعتوں نے جنم لینا شروع کیا۔ عدم تقلید کا فتنہ بھی اسی تاریک زمانے کی پیداوار تھا۔ اس فرقہ نے بالکل خارجیوں جیسا طریقۂ کار اپنا کر نصوص فہمی کے سلسلہ میں سلف صالحین کے مسلمہ علمی منہاج کو پس پشت ڈال کر اپنے علم وفہم کو حق کا معیار قرار دے کر اجتہادی مختلف فیہ مسائل کو اولیٰ وغیر اولیٰ کی حدود سے نکال کر حق و باطل اور ہدایت و ضلالت کے درجہ میں پہنچا دیا، اور وہ فرد وطبقہ جو اُن کی اس غلط فکر سے ہم آہنگ نہیں تھا اس کو وہ ہدایت سے عاری، مبتدع، ضال ومضل اور فرقۂ ناجیہ بلکہ دین اسلام سے ہی خارج قرار دے دیا۔ علمائے دیوبند نے عمل بالحدیث کے نام سے اباحیت، ذہنی آزادی اور ہوی پرستی کے اس فتنہ کا بھرپور مقابلہ کیا اور غیر مقلدین کے ذریعہ اٹھائے گئے مسائل پر ان حضرات نے عظیم الشان تحقیقی مواد یکجا کردیا۔ پچھلی دہائیوں میں عالم عرب خصوصاً سعودی عرب میں تیل کی دولت کے ظہور کے بعد جب اس فتنے نے دوبارہ نہایت شد ومد کے ساتھ بال و پر نکالنے شروع کیے اور عرب کی سلفی ووہابی تحریک سے ہم آہنگ ہوکر اور وہاں سے مالی امداد پا کر ہندوستان میں دوبارہ افتراق بین الامت کی کوششیں شروع کیں تو پھر علمائے دیوبند میدان میں آگئے اور انھوں نے علم وتحقیق کی سطح پر غیر مقلدین کی ہفوات کا جواب دینے کے ساتھ پورے ملک میں جلسوں

اور کانفرنسوں کے ذریعہ عوام کو اس فتنہ سے باخبر کیا۔

نیچریت اور غیر اسلامی افکار و خیالات کا مقابلہ: اٹھارہویں صدی میں یورپ سے اٹھنے والے اقتصادی اور سائنسی انقلاب میں جہاں سماجی و سیاسی اور تجارتی و اقتصادی سطح پر بہت ساری مثبت تبدیلیاں وجود میں آئیں، وہیں مذہبی دنیا میں اس نے کہرام بپا کر دیا۔ یورپ کا سائنسی انقلاب دراصل مذہب یعنی عیسائیت سے بغاوت ہی کے بعد وجود میں آیا تھا کیوں کہ عیسائیت علم و سائنس کی ترقیات کے راستے میں رکاوٹ تھی۔ یورپ کے مذہب بیزار انقلابیوں نے بالآخر مذہب کو فعال اور معاشرتی زندگی سے نکال کر اسے چرچوں اور انفرادی زندگیوں تک محدود کر دیا۔ مذہب کو ناکارہ، فرسودہ اور از کار رفتہ سمجھ کر زندگی کے ہر گوشے کو سیکولرزم (لامذہبیت یا مذہب بیزاری) اور تعقل کے پہلو سے دیکھنے اور پرکھنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مسلمانوں میں پیدا ہونے والے اس عقل پرست نظریہ نے جہاں ایک طرف جدید معتزلہ اور نیچری پیدا کیے، وہیں اسی فکر کے پیٹ سے انکار حدیث کے فتنہ نے جنم لیا۔ اخیر زمانے میں تجدید پسندی اور مودودیت بھی اسی فکر کا شاخسانہ تھے۔ علمائے دیوبند نے مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت اور اسلامی حدود کی پاسبانی کا فریضہ انجام دیتے ہوئے ان باطل افکار و خیالات سے بھی ٹکر لی۔ انھوں نے دین کے صحیح فہم، اسلامی اصطلاحات و روایات کی سلیم تعبیر اور ہر دور میں اسلامی تعلیمات کی ابدی حقانیت و معنویت کو ثابت کیا۔

ان تمام تحریکات کے علاوہ جب بھی کسی فرد یا جماعت نے ما أنا علیه وأصحابی کے جادۂ مستقیم سے انحراف کیا اور ملت اسلامیہ کے اندر غلط افکار و نظریات کے سرایت کر جانے کا اندیشہ ہوا تو علمائے دیوبند کی جانب سے ہمیشہ ان پر نکیر کی گئی۔ غلط عقائد کا سد باب کیا گیا اور اس کی جگہ صحیح و متوارث اسلام پیش کرنے کی خدمات انجام دی گئیں۔ علمائے دیوبند کی انھیں مبارک کوششوں سے الحمدللہ آج ہندوستان میں دین اسلام اپنی پوری صحیح شکل میں نہ صرف موجود ہے بلکہ مدارس اسلامیہ، جماعت تبلیغ اور دینی اداروں کی برکت سے آج ہندوستان عالم اسلام کے اندر مستند دینی تعلیمات اور صحیح اسلامی روایات کے تحفظ و اشاعت میں سب سے ممتاز نظر آتا ہے۔

مرکز تجدید و احیائے دین

انیسویں صدی کے استعماری دور میں اکابر دیوبند نے اپنی علمی و دینی بصیرت سے اس حقیقت کا پورا ادراک کر لیا تھا کہ سماجی و اقتصادی تبدیلیاں جب اقتدار کے زیر سایہ پروان چڑھتی ہیں تو دینی و روحانی قدروں کی زمین بھی ہل جاتی ہے اس باب میں عثمانی ترکوں کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ترک قوم مغربی تہذیب کے طوفان میں اپنے آپ کو سنبھال نہ سکی اور مصطفیٰ کمال کی قیادت میں اپنے ماضی سے کٹ گئی جس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ ترک اسلامی تہذیب، مغربیت میں فنا ہو گئی اور ایک عظیم اسلامی سلطنت کا صفحۂ ہستی سے

وجود ختم ہو گیا۔ الغرض تہذیب اسلام کے لیے یہ نہایت نازک وقت تھا۔ تاریخ کے اس انتہائی خطرناک موڑ پر اکابر دیوبند کے سامنے وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ تھی کہ اسلامی تہذیب کو مغربیت کے اس سیلاب سے محفوظ رکھا جائے اور مسلمانوں کے دین و مذہب کا تحفظ کر کے انھیں ارتداد سے بچایا جائے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے پوری بیدار مغزی وژرف نگاہی سے ہر اس محاذ کو متعین کیا جہاں سے مسلمانوں پر فکری و عملی یلغار ہو سکتی تھی اور پھر اپنی بساط کی حد تک حکمت و تدبر کے ساتھ ہر محاذ پر دفاعی خدمات انجام دیں۔

اپنی پوری تاریخ میں دارالعلوم نے ہندوستانی مسلمانوں کو جہاں ایک طرف سماجی زندگی کا ترقی یافتہ شعور دیا ہے، تو دوسری طرف انھیں فکر و عمل کا توازن بخشا ہے، آج مسلمانوں کا جو طبقہ اسلامی نظریات کی معقول تعبیر، اسلامی افکار کی اطمینان بخش توجیہ اور صحیح اسلامی زندگی اختیار کئے ہوئے ہے وہ دارالعلوم کی ڈیڑھ سو سالہ علمی و عملی جد و جہد کا نتیجہ ہے۔ عام روایات کے برخلاف یہاں کا مذہبی رجحان کبھی رجعت پسند نہیں رہا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دارالعلوم ایک ایسا تعلیمی ادارہ ہے جو قدیم و جدید کے حسین سنگم پر قائم ہے اور جس کی اپنی شان دار روایت اس کے تابناک ماضی کی نقیب اور اس کے عظیم مستقبل کی پیامبر ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے دارالعلوم دیوبند کی ہمہ جہت خدمات کو 'تجدید دین' کا عنوان دیتے ہوئے لکھا:

> ''تجدید و احیائے دین کی جو تحریک گیارہویں صدی سے ہندوستان کو منتقل ہوئی تھی اور اپنے اپنے دور میں مجدد الف ثانیؒ، (شاہ ولی اللہ) محدث دہلویؒ اور شہید بالاکوٹ (سید احمد شہیدؒ) جس امانت کے حامل تھے، دارالعلوم دیوبند اس وراثت و امانت کا حامل بنا۔ لوگ دارالعلوم کو مختلف زاویہ سے دیکھتے ہیں؛ کوئی اسے علوم اسلامیہ کی یونیورسٹی سمجھتا ہے، کوئی اسے جہاد حریت کے مجاہدین کی تربیت گاہ قرار دیتا ہے، کوئی اسے دعوت و عزیمت اور سلوک و تصوف کا مرکز سمجھتا ہے، لیکن میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے لفظوں میں اس کو بقائے اسلام اور تحفظ دین کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔ دوسرے لفظوں میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ مجدد دین امت کا جو سلسلہ چلا آ رہا تھا، دارالعلوم دیوبند اپنے دور کے لیے مجدد دین امت کی تربیت گاہ تھی۔ یہیں سے مجدد اسلام حکیم الامت حضرت تھانویؒ نکلے۔ اسی سے دعوت و تبلیغ کی تجدیدی تحریک ابھری جس کی شاخیں چار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہیں سے تحریک حریت کے داعی تیار ہوئے، یہیں سے فرق باطلہ کا توڑ کیا گیا۔ یہیں سے محدثین، مفسرین، فقہاء اور متکلمین کی کھیپ تیار ہوئی۔ مختصر یہ کہ دارالعلوم دیوبند نے نہ صرف یہ کہ نابغۂ روزگار شخصیات تیار کیں بلکہ اسلام کی ہمہ پہلو تجدید و احیاء کے لیے عظیم الشان اداروں کو جنم دیا۔ اس لیے دارالعلوم دیوبند کو اگر تجدید و احیائے دین کی یونیورسٹی کا نام دیا جائے تو یہ اس کی خدمات کا صحیح عنوان ہوگا۔'' (ماہنامہ الرشید ساہیوال پاکستان، دارالعلوم دیوبند نمبر، 1976، ص 667)

دارالعلوم دیوبند:

دینی تعلیمی تحریک کا بین الاقوامی مرکز

برصغیر ہند میں سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد انگریزوں نے اپنے سیاسی مصالح کے پیش نظر اسلامی علوم وفنون کی قدیم درسگاہوں کو یکسر ختم کردیا تھا۔علماء واہل علم کی بڑی تعداد کو تہِ تیغ کرنے کے ساتھ ساتھ انھوں نے مدارس کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ ہندوستان میں مسلم سلطنتوں کے زمانے میں مدارس کا نظام عموماً اوقاف کی آمدنیوں یا مسلم حکمرانوں،نوابوں اور امراء ورؤساء کی سرپرستی میں چلتا تھا۔مسلم حکومت اور مسلم حکمرانوں کے جانے کے بعد برطانوی تسلط کے زمانے میں شدید ضرورت تھی کہ نہ صرف اسلامی علوم وفنون اور اسلامی تہذیب کی بقا کے لئے بلکہ مسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت کے لئے ایک دینی وتعلیمی تحریک شروع کی جائے جو مسلمانوں کو الحاد و بے دینی کے فتنۂ عظیم سے محفوظ رکھ سکے۔غیور اور باہمت علماء نے اس عظیم ضرورت کا بروقت ادراک کیا اور اسی کے نتیجہ میں دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔ بہت ہی قلیل مدت میں دارالعلوم کی شہرت بامِ عروج کو پہنچ گئی اور بہت جلد دارالعلوم نہ صرف ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش بلکہ افغانستان، وسط ایشیا، انڈونیشیا، ملیشیا، برما، تبت، سیلون اور مشرقی وجنوبی افریقہ، یورپ، امریکہ و آسٹریلیا کے ممالک کے مسلمانوں کے لیے ایک بین الاقوامی دینی تعلیم کی تحریک کا مرکز بن گیا۔

دارالعلوم دیوبند صرف ایک دینی تعلیم کا مدرسہ نہیں تھا، بلکہ وہ ایک دینی وتعلیمی تحریک تھی۔اس تحریک کے بنیادی عناصر 'اصول ہشت گانہ' میں وضع کیے گئے جن سے آئندہ ہندوستان میں مضبوط ومستحکم دینی تعلیمی نظام کی بنیاد پڑی۔ پہلا بنیادی اصول یہ تھا کہ مدارس کو حکومت وامراء کی سرپرستی سے نکال کر اسے جمہور اور عوام سے جوڑا گیا۔عوام کے چندوں سے چلنے والے اس نظام میں استحکام بھی تھا اور سماج کے ہر طبقہ سے بھرپور ربط بھی، جس کی وجہ سے تعلیم سماج کے ہر حلقہ میں پہنچنے لگی۔ دوسرا بنیادی اصول یہ تھا کہ مدارس کا نظام شورائی بنیادوں پر قائم ہو تاکہ اس کی کارکردگی زیادہ بہتر ہو اور اس کے نظام میں شفافیت ہو۔ گویا ہندوستان میں جمہوری سیاسی نظام شروع ہونے سے پون صدی قبل ہی دارالعلوم نے جمہوری اداروں کی بنیاد رکھ دی تھی۔

دارالعلوم دیو بند نے نصاب بھی ایسا مرتب کیا جو حالات زمانہ سے بالکل ہم آہنگ تھا اور اسلامی ہند کے تمام نظامہائے تعلیم کی خوبیوں کا جامع تھا۔ دارالعلوم نے ولی اللہی نصاب سے قرآن وحدیث، فرنگی محل کے نصاب سے فقہ اور خیر آباد کے نصاب سے معقولات کو لے کر ایسا جامع وحسین گلدستہ تیار کیا کہ جس کی دل آویز خوشبو کی کشش سے دیو بند میں ہندو بیرون ہند کے طالبان علوم اسلامیہ کا جمگھٹا لگ گیا۔

دارالعلوم کے طرز پر مدارس کا قیام

ہندوستان میں مدارس کا سابقہ نظام تیرہویں صدی ہجری تک تقریباً ختم ہو چکا تھا، کہیں کہیں مقامی حیثیت کے حامل کچھ خزاں رسیدہ مدارس کا وجود برائے نام باقی تھا جن میں علوم معقولہ کو سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی تھی، حدیث وتفسیر وغیرہ کی تعلیم کا بہت ہی کم رواج تھا، اس کے برعکس دارالعلوم کا قیام ولی اللّٰہی طرزِ فکر پر عمل میں آیا تھا، اس لئے یہاں علوم معقولہ کے بجائے زیادہ اہمیت علوم منقولہ تفسیر وحدیث اور فقہ کو دی گئی۔ دارالعلوم کے قیام کے بعد برصغیر میں جتنے بھی دینی مدارس جاری ہوئے ان میں بھی کم وبیش دارالعلوم کے اسی طریقہ کو پسند کیا گیا۔ قیام دارالعلوم کے چھ ماہ بعد رجب ۱۲۸۳ھ (نومبر ۱۸۶۶ء) میں سہارنپور میں مدرسہ مظاہر علوم جاری ہوا تو اس میں بھی وہی نصاب جاری کیا گیا جو دارالعلوم میں جاری تھا، پھر رفتہ رفتہ دارالعلوم کے نقش قدم پر مختلف مقامات میں دینی مدارس جاری ہوگئے۔ ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۶ء کی روداد میں تحریر ہے:

> ’’ہم نہایت خوشی ظاہر کرتے اس امر پر کہ اکثر حضرات باہمت نے اجراء مدارس عربی کو توسیع دینے میں کوشش کر کے مدارس بمقامات مختلفہ دہلی، میرٹھ، خورجہ، بلندشہر وسہارنپور وغیرہ میں جاری فرمائے اور دوسری جگہ مثل علی گڑھ وغیرہ اس کار کی تجویزیں ہو رہی ہیں‘‘۔ (روداد: ص۷۰، ۱۲۸۵ھ)

دارالعلوم دیو بند کے نقش قدم پر اس وقت جو مدارس جاری ہوئے دارالعلوم کی رودادوں میں تفصیل سے اُن کے حالات لکھے گئے ہیں، ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء کی روداد میں تحریر ہے:

> ’’ہم کمال خوشی سے یہ بات ظاہر کرتے ہیں اور منعم حقیقی کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس سال میرٹھ، گلاؤٹھی، دان پور میں مدارس اسلامی جدید جاری ہوئے اور ان کا تعلق کم وبیش اس مدرسہ (دارالعلوم دیو بند) سے ہوا اور ان مقامات کے باشندوں کو مبارک باد دیتے ہیں اور خدائے عز وجل کی جناب میں دعا کرتے ہیں کہ ان مدارس کو قیام ہو اور روز بروز ترقی پکڑیں اور بڑے بڑے شہروں اور قصبوں کے مسلمانوں کو اس کارِ خیر کی تقلید کی توفیق ہو، اے خدا پاک! وہ دن دکھلا کہ کوئی بستی اس دولت پائیدار سے خالی نہ رہے اور ہر گلی کوچے میں علم کا چرچہ ہو اور جہل عالم سے کافور ہو، آمین!‘‘۔ (روداد ۱۲۹۷ھ: ص۶۳-۶۱)

مشہور شہر میرٹھ میں حضرت نانوتویؒ نے اپنے آخری زمانۂ قیام میرٹھ میں ایک اسلامی مدرسہ قائم کیا تھا، یہ مدرسہ دارالعلوم دیوبند کی شاخ تھا، اس کے اولین اساتذہ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل فضلاء تھے۔ مفتی عزیزالرحمٰن دیوبند اور مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی جو علی الترتیب بعد میں دارالعلوم کے مفتیٔ اعظم اور مہتمم ہوئے، اس مدرسہ کے مسند درس کو زینت دیتے رہے، مولانا قاضی زین العابدین سجاد اور مولانا سراج احمد میرٹھی جیسی مقتدر ہستیاں اس مدرسہ کے اولین طلبہ میں شامل تھے۔

مرادآباد مدرسہ کے قیام کے بارے میں ۱۲۹۷ھ کی روداد میں لکھا ہوا ہے:

> ''مرادآباد ایک مشہور و معروف شہر ہے وہاں کے غریب مسلمانوں نے حسب ایماء حضرت نانوتویؒ عرصہ دو تین سال سے ایک مدرسہ اسلامی جاری کیا، اگرچہ اوائل میں یہ کارخانہ مختصر تھا مگر ماشاءاللہ یہ مدرسہ اچھے عروج پر ہے اور یوماً فیوماً امید ترقی ہے۔ واقعی اس مدرسہ کے جملہ کارپردازان نہایت زیرک اور امانت دار و دیانت دار ہیں، خداوند تعالیٰ ان کی سعی میں برکت عطا فرمائے اور اس کارخانہ کو قائم رکھے۔ اور زیادہ تر ترقی بخشے۔ آمین۔ (روداد ۱۲۹۷ھ: ص ۶۳-۶۱)

مرادآباد کا یہ مدرسہ جامعہ قاسمیہ کے نام مرادآباد کی شاہی مسجد میں قائم ہے۔ دارالعلوم کے ابتدائی دور میں جو مدارس جاری ہوئے ان میں مظاہر علوم سہارن پور کے بعد جامعہ قاسمیہ نے سب سے زیادہ ترقی کی۔ مشہور علمائے کرام کی کوششوں کے باعث اس مدرسہ کو بڑی شہرت حاصل رہی اور یہاں سے پڑھ کر مشہور علماء پیدا ہوئے۔

برصغیر ہند میں اسلامی مدارس کا جال

اس موقع پر یہ بات یاد رہے کہ آج مدارس کا قیام کچھ زیادہ مشکل نہیں رہا مگر ڈیڑھ سو سال پہلے کا خیال کیا جائے جب اس طرح کے مدارس کا رواج نہیں تھا، اور لوگ قیامِ مدارس کے طریقے اور ان کی ضرورت سے زیادہ واقف نہیں تھے۔ ان حالات میں حکومت کی امداد و اعانت کے بغیر صرف مسلمانوں کے چندہ کے بھروسے پر دینی مدارس جاری کرنا ایک زبردست کام تھا۔ دارالعلوم دیوبند کا علمی فیضان محض عالم بنا دینے تک ہی محدود نہیں رہا، بلکہ اس کے لائق افراد کے ذریعہ ایسا ماحول بھی پیدا ہو گیا جس سے جا بجا دینی مدارس قائم ہوتے چلے گئے، دارالعلوم کے قیام کے بعد ملک میں جس کثرت سے دینی مدارس قائم ہوئے اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس وقت مسلمانوں میں دینی مدارس قائم کرنے کا شدید جذبہ موجود تھا؛ لیکن اجراء مدارس کے قدیم وسائل چوں کہ یکسر ختم ہو چکے تھے اس لیے ہمتیں پست ہو گئیں تھیں، مگر جب دارالعلوم دیوبند نے پہل کی تو مسلمانوں کے سامنے ایک نئی شاہ راہ کھل گئی اسی کے ساتھ بعض مدارس کے منتظمین نے

دارالعلوم کی حیثیت کو مرکزی قرار دے کر مناسب سمجھا کہ اپنے اپنے مدرسوں کو دارالعلوم دیوبند کے زیر اثر ایک سلسلے میں منسلک کردیں۔

اس وقت سے لے کر اب تک برصغیر کے طول وعرض میں بحمداللہ بے شمار دینی مدارس جاری ہوچکے ہیں، اور روز بروز ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ جو مدرسے دارالعلوم کے مزاج و مذاق سے ہٹے ہوئے ہیں یا دارالعلوم کے نصاب تعلیم کا اتباع نہیں کرتے ہیں ان کا نظام بھی دارالعلوم کے وضع کردہ بنیادی اصولوں پر قائم ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ آج برصغیر میں جس قدر بھی دینی مدارس نظر آتے ہیں ان میں سے بیشتر وہی ہیں جو دارالعلوم دیوبند کے نقش قدم پر یا اس کے قائم کردہ اثرات سے جاری ہوئے ہیں؛ اس طرح دارالعلوم دیوبند کا وجود اسلام کی جدید تاریخ میں ایک عہد آفریں حیثیت رکھتا ہے، اور یہیں سے اس وقت پورے برصغیر میں دینی تعلیم گاہوں کا جال پھیلا ہوا ہے۔ دارالعلوم کے مزاج ومنہاج پر اس وقت پورے ہندوستان کے طول وعرض میں بلاشبہہ ہزاروں مدارس قائم ہیں جن میں بہت سے مدرسوں کا دارالعلوم سے باقاعدہ الحاق بھی ہے۔ ہندوستان کے جملہ مدارس کو باہم مربوط کرنے کے لئے رابطہ مدارس عربیہ دارالعلوم دیوبند کا مرکزی دفتر سرگرم عمل ہے جس سے اس وقت تین ہزار سے زائد مدارس عربیہ مربوط ہوچکے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند سے ملک کے دینی مدارس کا یہ ارتباط جماعت دیوبند کی شیرازہ بندی، علمی تنظیم، فکری اتحاد اور یگانگتِ باہمی کا ایک مفید اور مؤثر ذریعہ ہے۔

ہندوستان میں موجود مدارس کا کوئی حتمی اعداد وشمار موجود نہیں تاہم چھوٹے بڑے مدارس کی تعداد ایک اندازے کے مطابق دس ہزار سے زائد ہے۔ یہ تعداد ان لاکھوں مکاتب کے علاوہ ہے جو تقریباً ہر مسجد اور مسلم محلّہ میں قائم ہوتے ہیں۔

ہندوستان کے علاوہ، پاکستان اور بنگلہ دیش کے چپے چپے میں بھی اسی نہج پر ہزاروں مدرسے قائم ہیں جن کے بڑے مدرسوں میں ہزاروں طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ ان مدارس میں جن میں دارالعلوم کراچی، جامعہ بنوریہ کراچی، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، جامعہ اشرفیہ لاہور، جامعہ فاروقیہ کراچی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ پاکستان میں وفاق المدارس کے تحت دس ہزار کے قریب مدارس کا متحدہ پلیٹ فارم بھی قائم ہے جن میں اکثریت دیوبندی مدارس کی ہے۔ اسی طرح بنگلہ دیش میں بھی دینی مدارس ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں جن میں دارالعلوم ہاٹ ہزاری سب سے زیادہ قدیم ہے۔ اس کے علاوہ چٹا گانگ، ڈھاکہ، سلہٹ وغیرہ میں متعدد بڑے مدارس موجود ہیں۔

بیرون ممالک میں دارالعلوم کے طرز پر مدارس کا قیام

دارالعلوم کے قیام کے بعد ہی مکہ مکرمہ میں مشہور عالم دین حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے مدرسہ صولتیہ قائم کیا۔ یہ مدرسہ ۱۵ شعبان ۱۲۹۰ھ کو دارالعلوم کے ہی خطوط پر قائم کیا گیا تھا۔ اسی طرح مکہ مکرمہ میں ہی ایک دوسرا مدرسہ مولانا اسحاق امرتسری نے قائم کیا جو دارالعلوم کے فیض یافتہ تھے۔ مدینہ منورہ میں حضرت مولانا سید احمد فیض آبادیؒ (خلیفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ و برادر اکبر حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ) نے ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء میں مدرسہ علوم شرعیہ قائم فرمایا۔ یہ مدرسہ اہل مدینہ کے لیے بہت بافیض ثابت ہوا اور مدتوں تک اس کا شمار وہاں کے بڑے مدرسوں میں ہوتا تھا۔ مدرسہ صولتیہ اور مدرسہ شرعیہ کی پرانی عمارتیں حرم مکی اور حرم مدنی کے بہت قریب تھیں، لیکن اب وہ حرم کی توسیع کے بعد حرمین شریفین کا حصہ بن چکی ہیں۔ یہ دونوں مدرسے اس وقت تک قائم ہیں۔

ہندو پاک اور بنگلہ دیش کے علاوہ برصغیر کے قریب دیگر ملکوں جیسے مشرق میں برما، شمال میں نیپال، مغرب میں افغانستان و ایران اور جنوب میں سری لنکا وغیرہ میں بھی کافی مدارس دارالعلوم کے طرز پر قائم ہیں۔ ان مدارس سے ہزاروں علماء ہر سال فارغ ہو کر معاشرہ میں علم کی روشنی پھیلاتے ہیں۔

براعظم افریقہ کے جنوبی ملکوں خصوصاً ساؤتھ افریقہ میں دارالعلوم کے طرز کے سیکڑوں چھوٹے بڑے مدارس قائم ہیں، جہاں پورے افریقہ، یورپ اور امریکہ تک کے طلبہ داخل رہ کر تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ساؤتھ افریقہ کے ان مدارس میں دارالعلوم زکریا لینیشیا جوہانسبرگ، مدرسہ انعامیہ کیمپر ڈاؤن، دارالعلوم آزادویل، دارالعلوم نیوکیسل، دارالعلوم ابوبکر پورٹ ایلزبتھ، دارالعلوم اسپنگو بیچ، جامعہ محمودیہ اسپرنگس، دارالعلوم العربیۃ الاسلامیۃ کیپ ٹاؤن، مدرسہ جامع العلوم جوہانسبرگ، مدرسہ انعامیہ کیمپر ڈاؤن وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اسی طرح براعظم یورپ میں خصوصاً برطانیہ میں متعدد بڑے دارالعلوم اور مدارس قائم ہیں جہاں دارالعلوم کے طرز پر دینی تعلیم کا بہترین نظم موجود ہے۔ برطانیہ کے بڑے دینی مدارس میں دارالعلوم بری، دارالعلوم لندن، دارالعلوم برمنگھم، دارالعلوم لیسٹر، دارالعلوم بولٹن وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

بحر اٹلانٹک کے اس پار امریکہ، کناڈا اور ویسٹ انڈیز میں بھی دارالعلوم قائم ہو چکے ہیں اور دارالعلوم کے نہج پر علوم دینیہ کی تدریس و اشاعت میں مشغول ہیں۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ میں دارالعلوم نیویارک، دارالعلوم المدنیہ بفیلو، دارالعلوم ٹورنٹو، دارالعلوم شکاگو، اسی طرح کناڈا میں دارالعلوم اونٹاریو وغیرہ قابل

ذکر ہیں۔دوسری طرف مشرق میں آسٹریلیا، فیجی، نیوزی لینڈ وغیرہ میں بھی الحمدللہ دارالعلوم دیوبند کے نہج پر مدارس قائم ہیں۔

اس طرح مطلع دیوبند سے پھوٹنے والی یہ علم کی یہ روشنی اس وقت الحمدللہ پورے عالم کو روشن کیے ہوئے ہے۔ان مدارس سے استفادہ کرنے والے علماء وفضلاء پوری دنیا میں دینی علوم کی تدریس وتصنیف، دعوت وتبلیغ اورنشر واشاعت میں مشغول ہیں۔قدیم روایت کے ان مدارس دینیہ نے اسلامی علوم کی حفاظت واشاعت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔سلف صالحین کے نہج پر دینی علوم کی تعلیم کا یہ نظام اپنے اندر بہت ساری برکتیں رکھتا ہے جس سے دوسرے نظام خالی نظر آتے ہیں۔

مدارسِ دینیہ سے برصغیر کے مسلمانوں کو کیا نفع پہنچا اس سلسلے میں علامہ اقبالؒ کا مشہور تاثر جو انھیں کے ایک عقیدت مند حکیم احمد شجاع سے منقول ہے مدارس اسلامیہ کو ایک اچھا خراج عقیدت ہے۔علامہ فرماتے ہیں:

> ''ان مدارس کو اسی حالت میں رہنے دو، غریب مسلمانوں کے بچوں کو انہیں مدرسوں میں پڑھنے دو، اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا اسے میں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں، اگر ہندوستان کے مسلمان ان مدرسوں کے اثر سے محروم ہوگئے تو بالکل اسی طرح ہوگا جس طرح اندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس حکومت کے باوجود ہوا، آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈر اور الحمرا کے نشانات کے سوا اسلام کے پیرؤں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا، ہندوستان میں بھی آگرہ کے تاج محل اور دہلی کے لال قلعہ کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سوسالہ حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا''۔(خون بہا، از حکیم احمد شجاع حصہ اول: ص ۴۳۹)

علمائے دیوبند اور تحفظ دین کی خدمات

دین اسلام کی دعوت وحفاظت کے سلسلے میں علمائے دیوبند نے وہ زریں کارنامے انجام دیے ہیں جن کی بنا پر یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ اگر سرزمین دیوبند سے علم ومعرفت کا یہ چشمہ صافی نہ بہہ نکلا ہوتا تو تیرہویں صدی ہجری کے اواخر میں ہندوستان سے قرآن وسنت کے علوم کا خاتمہ ہوگیا ہوتا اور یہاں کا ہر مسلمان فتنۂ ارتداد کی زد میں آچکا ہوتا۔ دارالعلوم کے اربابِ حل وعقد نے ابتداء ہی سے حمیت دینی اور جذبۂ اسلامی سے سرشار رہ کر اپنی درسی وعلمی مصروفیات کے ساتھ ساتھ امتِ مسلمہ کے احوال پر گہری نظر رکھی، جہاں کہیں بھی کسی فتنہ نے سر ابھارا، علمائے دیوبند نے اس کا بھرپور تعاقب کرکے اپنی ایمانی حمیت کا ثبوت پیش کیا۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی کے بقول:

> ''جس امتیاز پر دارالعلوم کی بنیاد پڑی اور جو اس کا حقیقی سنگ بنیاد ہے وہ دین کی حمیت اور اسلام کی حفاظت کا جذبہ تھا، یہ ہے اس دارالعلوم کا طرۂ امتیاز۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور ان کے عالی مقام رفقا حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ وغیرہ کے اندر جو جذبہ کارفرما تھا وہ حمیت اسلامی کا جذبہ تھا، اسی نے ان سے دارالعلوم کی بنیاد رکھوائی۔ میں سمجھتا ہوں کہ دارالعلوم کے حق میں ازالۂ حیثیت عرفی کا جرم ہوگا اگر کہا جائے کہ دارالعلوم چند مخصوص کتابوں کے پڑھنے، پڑھانے اور درس وتدریس کے ایک مرکز کی حیثیت سے قائم ہوا تھا۔ اس سے بڑھ کر اس کے بانیوں کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں ہوسکتی، ایسے کہنے والوں کو ان بزرگوں کی روحوں کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا۔ جس وقت یہ کہا جاتا تھا کہ یہ محض ایک مدرسہ ہے تو حضرت شیخ الہندؒ تڑپ اٹھتے تھے، ان کے نزدیک یہ اسلام کا قلعہ اس کے داعیوں اور مجاہدوں کی تربیت کی ایک چھاؤنی اور سلطنت مغلیہ کے گل ہونے والے چراغ کا بدل بلکہ نعم البدل تھا''۔ (پاجا سراغِ زندگی، ص ۱۳۵)

عیسائیت کی یلغار کے خلاف میدان میں

ایسٹ انڈیا کمپنی جس کا ظاہری مقصد تجارت اور اصل مقصد ہندوستان میں عیسائیت کی تبلیغ اور سیاسی اقتدار کا حصول تھا، رفتہ رفتہ ہندوستان کی سیاسی، تعلیمی اور انتظامی معاملات میں مداخلت کرنے لگی تھی، اس

غرض سے جگہ جگہ بائبل سوسائٹیاں قائم کی گئیں، انجیل کا ترجمہ ملک کی تمام زبانوں میں کیا گیا اور پوری قوت کے ساتھ عیسائیت کی تبلیغ شروع کی گئی۔ اس راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ مسلمانوں کے علوم اور ان کا مذہبی شغف تھا، اس کے لیے ۱۸۳۵ء کا تعلیمی نظام مرتب کیا گیا جس کی روح لارڈ میکالے کے نزدیک یہ تھی کہ:

''ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو اور یہ ایسی جماعت ہونی چاہیے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق اور رائے، الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو۔'' (مسلمانوں کا روشن مستقبل، ص ۱۷۱)

انگریزی تہذیب کا یہ حربہ مسلمانوں کی مذہبی زندگی، قومی روایات اور علوم وفنون کے لیے سخت تباہ کن تھا، جس کو قبول کرنے کے لیے وہ کسی طرح تیار نہ ہوسکتے تھے اور ابھی تک وہ اپنی مذہبی زندگی اور قومی شعور کو برقرار رکھنے کا کوئی حل نہ سوچ سکے تھے کہ اسی دوران ۱۸۵۷ء کا جنگی ہنگامہ پیش آ گیا، جس کی بے پناہ تباہ کاریوں اور ہولناکیوں نے دلوں کو ہیبت زدہ، دماغوں کو ماؤف اور روحوں کو پژمردہ کردیا۔ پوری قوم پر جمود، بے حسی اور مایوسی کی گھٹائیں چھا گئیں، ہندوستان میں مسلمانوں کی پوری تاریخ میں یہ سب سے زیادہ بھیانک، نازک اور خطرناک وقت تھا، ایسے پرآشوب وقت میں جب کہ گردش لیل ونہار نے ملت اسلامیہ کے لیے نہایت تباہ کن صورت حال پیدا کردی تھی۔ علمائے وقت نے حالات وواقعات کو محسوس کیا اور دارالعلوم دیوبند اور ملک میں جابجا اس کے طرز کے دینی مدارس قائم کرکے ایک دفاعی حصار تیار کیا جس نے ملک کو سیاسی شکست کے نتائج سے بڑی حد تک محفوظ کردیا۔ دوسری طرف مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا ابوالمنصور وغیرہ حضرات نے پوری ہمت وجرأت کے ساتھ عیسائی مشنریوں کا زبردست مقابلہ کیا اور ہندوستان کے مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے مسیحی مبلغین کے خواب کو شرمندۂ تعبیر نہیں ہونے دیا۔

عیسائی عام مجمعوں میں وعظ وتقریر اور مناظرے کرتے تھے، ہمارے علماء نے اس میدان میں عیسائی مبلغین کا زبردست مقابلہ کیا اور اپنے پرزور دلائل سے عیسائی مشنریوں کو پے در پے ایسی شکستیں دیں کہ ان کے منصوبے خاک میں مل گئے۔ اس سلسلے میں دہلی، آگرہ اور شاہجہاں پور کے نام خاص طور پر لیے جاسکتے ہیں؛ آگرہ میں مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اور شاہجہاں پور میں حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر عیسائی پادریوں کا ایسا مقابلہ کیا کہ وہ ٹھہر نہ سکے۔ شاہجہاں پور کے مناظرے کی تفصیلات ''گفتگوئے مذہبی'' کے نام سے شائع ہوچکی ہیں، مذکورہ مقامات کے علاوہ اور بھی بہت سے مقامات پر علماء نے پادریوں سے مناظرے کیے اور اس طرح سے عیسائی مشن کے اثرات کو پھیلنے سے روکنے کے لیے زبردست رکاوٹیں کھڑی کردیں اس کام میں بلاشبہ ہندوستان کے بہت سے علماء کا حصہ رہا ہے اور ان

کی عظیم خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، مگر اس سلسلے میں علمائے دیوبند نے جو زبردست خدمات انجام دی ہیں وہ اپنی جگہ بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔

عیسائی مشنریوں نے اپنی تصنیف و تالیف میں بھی وعظ و تبلیغ کا وہی جارحانہ طریقہ اختیار کیا تھا جس میں عیسائیت کے محاسن بیان کرنے سے زیادہ اس بات پر زور دیا جاتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام پر رکیک حملے کیے جائیں، علماء کی جانب سے اس میدان میں بھی عیسائی مشنریوں کو چیلنج کیا گیا جس کے نتیجہ میں ان کی روز افزوں سرگرمیاں بڑی حد تک کمزور پڑ گئیں۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی مشہور عالم کتاب 'اظہار الحق' کا نام لینا کافی ہوگا جو آج بھی رد عیسائیت کے موضوع ایک منفرد اور عظیم الشان انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔ غرض دارالعلوم دیوبند اور اس کے اکابر نے اس وقت دین کی حفاظت کی خاطر ہر ممکنہ کوششیں کیں اور ہر داخلی و خارجی فتنے سے نمٹنے کے لیے کامیاب جدوجہد کر کے ہر ممکن طریقے سے اسلام کا دفاع کیا۔

اسی کے ساتھ ساتھ، فتنۂ عیسائیت سے عوام الناس کو متعارف کرانے کے لیے علمائے دیوبند نے علمی میدانوں میں ٹھوس اقدامات کیے اور متعدد وقیع اور اہم تصنیفات کے ذریعہ آگے آنے والوں کے لیے دلیل راہ قائم کر گئے۔ اردو زبان میں دیگر علمائے دیوبند کی کچھ اہم تصنیفات درج ذیل ہیں:

(۱) اظہار الحقیقۃ عربی، حضرت مولانا حکیم محمد رحیم اللہ بجنوری
(۲) احسن الحدیث فی ابطال التثلیث، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ
(۳) اسلام اور نصرانیت، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ
(۴) دعوتِ اسلام، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی
(۵) بشائر النبیین، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ
(۶) اسلام اور مسیحیت، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ
(۷) توحید، تثلیث اور راہِ نجات، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ
(۸) تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام، حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
(۹) سبیل السلام، مولانا ڈاکٹر مصطفیٰ حسن علوی
(۱۰) بائبل سے قرآن تک (ترجمہ اظہار الحق) حضرت مفتی تقی عثمانی
(۱۱) عیسائیت کیا ہے؟ حضرت مفتی تقی عثمانی
(۱۲) محاضرات رد عیسائیت، حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی

۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء میں دارالعلوم نے ہندوستان میں عیسائی مشنریوں کے بڑھتی سرگرمیوں کے پیش نظر مطالعۂ عیسائیت کے لیے باضابطہ ایک شعبہ قائم کیا۔ اس شعبہ کے ذریعہ فضلاء کی تربیت اور مختلف زبانوں میں لٹریچر کی تیاری کا کام ہو رہا ہے۔

آریہ سماج کا فتنہ اور اس کی سرکوبی

جب انگریزی حکومت کی سازش سے ہندوؤں کو سیاسی اور سماجی سطح پر مسلمانوں کے مقابلے میں لا کھڑا کیا گیا، انگریزوں نے اپنی پالیسی کے تحت ہندؤں کو مذہبی برتری کی راہ سُجھائی اور ہندوؤں کو مسلمانوں کے مقابلے میں مناظرہ کے لیے تیار کیا۔ میلہ خدا شناسی شاہجہاں پور اس کی واضح مثال ہے جس میں عیسائی، ہندو اور مسلمان؛ تینوں مذاہب کے نمائندوں کو بذریعہ اشتہار دعوت دی گئی کہ وہ اپنے اپنے مذاہب کی حقانیت کو ثابت کریں۔ اس اہم اور نازک موقع پر مسلمانوں کی ترجمانی کے لیے حضرت نانوتویؒ خود شریک ہوئے اور حکومت کی سازش کو ناکام بنا دیا۔

اس کے بعد آریہ سماج کے بانی پنڈت دیانند سرسوتی نے مذہبِ اسلام کو خاص طور پر راست نشانہ بناتے ہوئے اس پر اعتراض کا ایک سلسلہ شروع کر دیا جس کی وجہ سے مسلمانوں میں بے چینی اور غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ حضرت نانوتویؒ نے حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود حسن دیوبندیؒ مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ اور مولانا عبدالعدلؒ کے ساتھ روڑکی اور میرٹھ میں اس فتنہ کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ حضرت نانوتویؒ نے پنڈت سرسوتی کے اعتراضات کے جوابات دیے اور ایسے دلائل پیش کیے کہ غیر مسلم بھی حیرت میں رہ گئے۔ اس طرح حضرت نانوتوی اور ان کے شاگردوں کی پامردی اور اولوالعزمی کی بنا پر آریہ سماجی فتنہ دب گیا۔

فتنۂ ارتداد اور ہندو احیا پرستی کا مقابلہ

بیسویں صدی کے ربع اول میں تحریک خلافت اور کانگریس کے باہمی تعاون اور اشتراک عمل سے ہندو اور مسلمانوں میں اس قدر یک جہتی اور اتحاد و اتفاق کا ماحول تھا کہ دونوں قومیں شیر وشکر بن گئیں۔ یہ ایسے حالات تھے جن کی وجہ سے ہندوستان میں برطانوی حکومت کا مستقبل خطرہ میں پڑ گیا تھا۔ انگریزوں نے حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے منافرت اور تفریق کا اپنا پرانا نسخہ استعمال کیا۔ ۱۹۲۲ء میں وائسرائے نے ترک موالات کے ایک بڑے لیڈر سوامی شردھانند کو جو اس وقت جیل میں تھے بلا کر گفتگو کی۔ اس گفتگو کے بعد جو صیغۂ راز میں رہی ان کو رہا کر دیا گیا۔ جیل سے نکلنے کے بعد سوامی شردھانند نے

مسلمانوں کی شدھی کی تحریک شروع کی جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ مسلمان جو آباء واجداد سے ہندوستان ہی کے رہنے والے تھے اور جنھوں نے مسلمان فاتحین کے زیر اثر اسلام قبول کرلیا تھا، اب وہ مسلمانوں کے زوال کے بعد اپنے اصل دین یعنی ہندو مذہب کی طرف لوٹ جائیں۔ دوسری طرف ڈاکٹر مونجے نے سنگٹھن نام کی خالص ہندوؤں کی جماعت قائم کی۔ آریہ سماج کی ان منظّم تحریکات کا مقصد اسلام سے ناواقف اور سادہ لوح مسلمانوں کو آریہ بنانا تھا۔ آگرہ، متھرا، ایٹہ، اٹاوہ، کان پور، فرخ آباد، گوڑگاؤں اور مین پوری وغیرہ اضلاع اس تحریک کے خاص مرکز تھے۔ لاہور کے اخبار 'کیسری' نے آگرہ کے ساڑھے چار لاکھ ملکانہ نو مسلم راجپوتوں کو شدھی کر لینے کی طرف توجہ دلائی۔ (تاریخ دارالعلوم، اول ۲۶۲، بحوالہ روشن مستقبل)

۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۳ء میں اس فتنۂ ارتداد نے ہندوستان کے مسلمانوں میں سخت ہیجان واضطراب پیدا کردیا تھا۔ اس نازک موقع پر دارالعلوم نے وہی کیا جو اس عظیم الشان دینی ادارے کے شایان شان تھا۔ اس سلسلہ میں مدافعانہ اور جوابی کارروائی سے قبل آل انڈیا نیشنل کانگریس سے اخلاقی طور پر اپیل کی گئی کہ وہ ان جارحانہ سرگرمیوں کو جو مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان منافرت اور عداوت کے جذبات پیدا کررہے ہیں اسے اپنے ہمہ گیر اثرات سے فی الفور بند کرائے۔ یک جہتی کی اپیل کا خاطر خواہ اثر نہ دیکھ کر دارالعلوم نے دیگر مسلم اداروں کے ساتھ مل کر اس فتنہ کی سرکوبی کا تہیہ کیا۔

دارالعلوم نے آگرہ کو تبلیغی کاموں کا مرکز بنا کر وہاں ایک دفتر کھولا اور اپنے پچاس مبلغ ارتداد کے علاقہ میں بھیج دیئے جو مدت تک بڑی محنت اور جانفشانی سے تبلیغی خدمات دیتے رہے۔ مبلغین کی انتھک مساعی سے بے شمار مرتدین تائب ہوکر اسلام میں واپس آگئے۔ اکثر مقامات پر آریہ مبلغین سے مناظرے ہوئے جن میں بالعموم دارالعلوم کے مبلغ کامیاب رہے۔ جن مقامات پر آریہ سماج کی تحریک جاری تھی وہاں کے مسلمان عموماً دین سے ناواقف اور سادہ لوح تھے، مبلغین نے وعظ وتبلیغ کے ذریعہ راجپوتوں کو اسلام سے روشناس کرایا اور ان کی دینی تعلیم وتربیت کے لیے جگہ جگہ مساجد، مکاتب اور مدارس کھولے۔ اس جدوجہد کا یہ فائدہ ہوا کہ ارتداد کا بڑھتا ہوا سیلاب رُک گیا۔ بعد میں ان علاقوں کے بچے دارالعلوم دیوبند اور دیگر دینی مدارس سے فارغ التحصیل ہوئے اور انھوں نے اپنے علاقوں میں جا کر دینی زندگی کو نشاۃ ثانیہ بخشی۔ آج الحمد للہ یہ خطہ خصوصاً میوات کا علاقہ تبلیغی جماعت کا اہم مرکز بن چکا ہے اور وہاں سے ایسے لوگ نکل رہے ہیں جو خود دین کے داعی بن گئے ہیں اور تبلیغ دین کے لیے دور دراز کا سفر کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ علمائے دیوبند کے اخلاص، جہد وجہد اور اللہ کے کرم سے ہوا۔

اسی طرح برطانوی دور میں جب بھی کوئی ایسا قانون بنانے کی کوشش کی گئی جو اسلامی شریعت سے

متصادم ہوسکتا تھا تو علمائے دیوبند نے اس کا زبردست مقابلہ کیا اور بروقت اپنی فرض شناسی کا ثبوت دیا۔ شاردا ایکٹ اور وقف بل وغیرہ اہم امور پر علمائے دیوبند نے پوری جرأت اور صفائی کے ساتھ اسلام کا نقطۂ نظر پیش کرنے میں کبھی تأمل نہیں کیا اور اس سلسلہ میں کبھی کوئی مداہنت گوارا نہیں کی۔

دارالعلوم دیوبند اور اس کے فضلاء نے تحفظ دین کی خاطر پورے برصغیر میں مدارسِ دینیہ کا جال پھیلا کر دینی تعلیم کو گھر گھر پہنچایا اور اس طرح عوام الناس کے ایمان کی حفاظت کی۔ اسلامی معتقدات کو عوام تک پہنچانے کے لئے انھوں نے اردو اور مقامی زبانوں میں کتابوں کی تصنیف اور اشاعت کا سلسلہ شروع بھی کیا۔ انھیں علماء کی کوششوں سے آج اردو زبان میں عربی زبان کے بعد علوم اسلامیہ کا سب سے بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ علماء نے دینی عقائد، دینی مسائل، اسلامی علوم، اسلامی تاریخ کے ساتھ ساتھ باطل افکار و خیالات کے رد میں بھی کتابیں لکھیں۔ اردو زبان میں دینی عقائد اور اسلامی افکار کے سلسلہ میں علمائے دیوبند کی چند اہم تصنیفات درج ذیل ہیں:

(۱) احسن الکلام فی اصول عقائد الاسلام، مولانا رحیم اللہ بجنوری
(۲) اسلامی عقائد (اردو)، مولانا محمد عثمان دربھنگوی
(۳) اسلامی عقائد (بنگلہ)، مولانا محمد عثمان دربھنگوی
(۴) کنز الفرائد ترجمہ شرح عقائد، مولانا عبدالاحد دیوبندی
(۵) حدوثِ مادہ وروح، مولانا محمد ادریس کاندھلوی
(۶) الدین القیم، مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ
(۷) علم الکلام، مولانا محمد ادریس کاندھلوی
(۸) عقائد الاسلام، مولانا محمد ادریس کاندھلوی
(۹) عقائد الاسلام قاسمی، مولانا محمد طاہر قاسمی دیوبندی
(۱۰) عقائد الفرائد حاشیہ شرح عقائد، مولانا محمد علی چاٹگامی
(۱۱) حاشیہ عقیدۃ الطحاوی، مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
(۱۲) رحمۃ اللہ الواسعۃ شرح حجۃ اللہ البالغۃ، مفتی سعید احمد پالن پوری
(۱۳) بیان الفوائد شرح شرح عقائد، مولانا مجیب اللہ گونڈوی

دارالعلوم میں باقاعدہ شعبہ دعوت وتبلیغ قائم ہے جس کو ہمیشہ باصلاحیت علماء وفضلاء کی خدمات حاصل رہی ہیں جو تقریر ومناظرہ اور افہام وتفہیم کے ذریعہ دین کی تبلیغ کا اہم کام انجام دیتے رہے ہیں۔ اس وقت

بھی اس شعبہ میں حضرات مبلغین مقرر ہیں جو مختلف علاقوں میں مدارس اور عام مسلمانوں کی دعوت پر سفر کرنے کے علاوہ اقدامی طور پر بھی تبلیغی اسفار کرتے ہیں۔ بلاشبہہ ان حضرات کی مساعی جمیلہ مسلمانوں کو دین اسلام پر ثابت قدم رکھنے اور دارالعلوم سے قریب لانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ دارالعلوم اس وقت قائم ہوا جب ہندوستان میں اسلام مخالف طاقتیں پوری طرح سرگرم عمل تھیں اور ان کی عیاریوں اور دسیسہ کاریوں سے وہ وقت قریب نظر آرہا تھا کہ ہندوستان میں مذہبی تعلیم، اسلامی احکام اور شعائر دین کی روشنی گم یا کم از کم مدھم ہو جائے۔ اس پر آشوب وقت میں دارالعلوم نے ملت کی ڈگمگاتی کشتی کو سنبھالا؛ اس لئے جہاں تک مسلمانوں کی نشأۃ ثانیہ کا تعلق ہے بے تکلف کہا جاسکتا ہے کہ اس کی تاریخ کا بڑا حصہ دارالعلوم کی مسلسل تعلیمی اور تبلیغی کوششوں کے دامن سے وابستہ ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ فکر وخیال کے ان ہنگاموں اور فتنۂ مغرب میں ڈوبی ہوئی تحریکوں کے دور میں اگر دارالعلوم اور اس جیسے دینی ادارے نہ ہوتے تو اس بھیانک سیاسی اور تہذیبی انقلاب کے سامنے شکست خوردہ مسلم قوم جمود و بے حسی کے نہ جانے کس گرداب میں پھنسی ہوتی۔ یہ عزم و یقین کے دھنی ان اکابر علمائے کرام کا ہی کارنامہ ہے کہ پورے ہندوستان میں نہ صرف یہ کہ اسلام اور مسلمانوں کے عقائد و اعمال پوری طرح محفوظ رہے، بلکہ اسلام اور علوم اسلامیہ کے عظیم الشان سرمایہ کی نشر و اشاعت کے مراکز بھی قائم ہو گئے۔

علمائے دیوبند اور عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ

برطانوی دورِ حکومت میں مغربی تہذیب وتعلیم اور عیسائی مشنریوں کی یلغار کے علاوہ تشکیک پیدا کرنے کی ایک طاقت ورتحریک بھی جاری تھی جس کا مقصد اسلام سے تعلق رکھنے والی ہر چیز کو مسلمان نوجوانوں کی نظر میں مشتبہ ومشکوک بنا دینا تھا، خواہ اس کا تعلق شریعت وقانون سے ہو یا تہذیب وتمدن اور ثقافت وتاریخ سے، ہندوستانی علماء نے ان دونوں تحریکوں اور طاقتوں کا پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کیا، خاص طور سے علمائے دیوبند نے معذرت ودفاع کی سیاست کو ترک کرکے اقدام وحملے کی سیاست اور بھرپور علمی تنقید کا راستہ اختیار کیا۔ اس کے نتیجے میں تبلیغ عیسائیت کی یہ تیز وتند لہریں اور تشکیک کی پوری مہم پسپائی اختیار کرنے پر مجبور ہوگئی اور مسلمانوں کے اندر اسلام پر نیا اعتماد، اپنی تہذیب وثقافت پر فخر اور اپنی شخصیت وتاریخ کا احترام پیدا ہوگیا۔

عیسائی مشنریوں کو جب اپنے تمام حربوں میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور ان کی تمام چالیں اور پروپیگنڈے ناکام ہوئے تو انھوں نے مسلمانوں کے ہی اندر ایسے افراد کی تلاش شروع کردی جو مسلمانوں کے لئے مارِ آستیں ثابت ہوں اور اسلام کی مقدس تعلیمات کو مسخ کرسکیں، چناں چہ انگریزوں کے اشارہ پر پنجاب کا مرزا غلام احمد قادیانی پہلے مسیح موعود، پھر مہدی اور ظلی وبروزی کا فلسفہ بیان کرنے کے بعد باضابطہ نبوت کا دعویٰ کر بیٹھا، جب کہ ختم نبوت پر مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے اور اس کا منکر دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ برطانوی حکومت کے زیر اثر اس کے متبعین پورے ملک میں پھیلنے لگے اور دیکھتے دیکھتے یہ لعنت ایک سنگین فتنہ بننے لگی۔

مرزا غلام احمد کی تکفیر اور قادیانیت کی سرکوبی

علمائے دیوبند کو یہ شرف حاصل ہے کہ انھوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کا تعاقب سب سے پہلے شروع کیا۔ ۱۳۰۱ھ میں جب مرزا قادیانی نے مجددیت کے پردے میں اپنے مزعومہ الہامات کو ''وحی الٰہی'' کی حیثیت سے ''براہین احمدیہ'' میں شائع کیا تو لدھیانہ کے کچھ علماء (مولانا محمد، مولانا عبداللہ اور مولانا

اسماعیل رحمہم اللہ جو حضرات دیوبند کے منتسبین میں تھے) نے فتوی صادر کیا کہ یہ شخص مسلمان نہیں ہے، بلکہ اپنے عقائد و نظریات کے اعتبار سے زندیق اور خارج اسلام ہے۔ مرزا قادیانی اور اس کے دعووں کے متعلق مکمل طور پر اطمینان حاصل کرنے کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے بھی مرزا قادیانی اور اس کے پیرؤوں کو زندیق اور خارج از اسلام قرار دیا۔ حضرت گنگوہیؒ تمام اکابر دیوبند کے سرخیل ومقتدیٰ تھے اور ان کا فتوی گویا پوری جماعت کا متفقہ فتوی تھا؛ یہی وجہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اس ضرب کی ٹیس کو آخر دم تک محسوس کرتا رہا۔

۱۳۳۱ھ میں دارالعلوم دیوبند سے مرزا غلام احمد قادیانی اور فتنۂ قادیانیت کے خلاف ایک تفصیلی فتوی شائع ہوا جس پر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا انور شاہ کشمیری اور دیگر اکابرین دیوبند کے دستخط تھے۔ یہ فتوی حضرت مولانا مفتی سہول احمد صاحب کے قلم سے ہے۔ ۱۳۳۶ھ میں ایک تیسرا تفصیلی فتوی دارالعلوم کے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ کے قلم سے صادر ہوا جس پر تمام مشاہیر علمائے ہند کے دستخط تھے۔ ادھر مکہ مکرمہ میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے قادیانی کے خلاف کفر وارتداد کا فتوی صادر فرمایا جس پر علمائے حرمین کے بھی دستخط تھے۔ (ماہنامہ الرشید، دارالعلوم دیوبند نمبر، ص ۶۷۷)

مسئلۂ تکفیر بہت ہی نازک مسئلہ ہے۔ ایک مسلمان کو جس طرح کافر کہنا بہت ہی سنگین جرم ہے، اسی طرح کسی کھلے کافر کو مسلمان کہنے پر اصرار کرنا بھی معمولی بات نہیں۔ مرزا قادیانی کے خلاف تکفیر کے فتووں سے علمائے دیوبند کا ایک خصوصی امتیاز سامنے آیا اور وہ تھا ان کا مسلک اعتدال۔ اس وقت عام طور پر لوگ اس مسئلہ میں افراط وتفریط کا شکار تھے۔ ان دونوں گروہوں کے طرز عمل سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ خدانخواستہ ان کی بے احتیاطی سے کفر واسلام کی حدود ہی مٹ کر نہ رہ جائیں۔ بالآخر علمائے دیوبند نے آگے بڑھ کر اسلام اور کفر کے حدود کو ممیّز کیا اور لوگوں کو بتایا کہ اسلام اور کفر کے درمیان خط فاصل کیا ہے اور وہ کون سی حد ہے جس کو عبور کر لینے کے بعد آدمی اسلام سے بالکلیہ خارج ہو جاتا ہے۔ اس موضوع پر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے ''اکفار الملحدین فی شئی من ضروریات الدین'' میں تحقیق وتفتیش کا حق ادا کر دیا۔ نیز دیگر علمائے دیوبند نے بھی اس مسئلہ پر قلم اٹھایا اور اس مسئلہ کو خوب منقح کر کے امت کے سامنے حق وباطل کو واضح کر دیا۔ علمائے دیوبند شروع ہی سے اس نتیجہ تک پہنچ گئے کہ مرزا غلام احمد کے متبعین کا شمار مسلمانوں کے ایک فرقہ کی حیثیت سے نہیں ہے بلکہ وہ غیر مسلموں کی ایک جماعت ہے جس کا اسلام کے مسلمہ اور بنیادی اصولوں سے کوئی تعلق نہیں بلکہ غیر مسلموں سے کہیں زیادہ یہ گروہ اسلام اور مسلمانوں کا دشمن ہے۔

فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے لیے امتیازی شان سے کام کرنے کی توفیق اکابر دارالعلوم ہی کو میسر ہوئی ہے جن میں حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ، مولانا محمد علی مونگیریؒ، مولانا احمد حسن امروہوی، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا عبدالسمیع انصاری دیوبندی، مولانا محمد مسلم دیوبندیؒ، مولانا مرتضٰی حسن چاند پوریؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا مفتی شفیع دیوبندیؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا بدرِ عالم میرٹھیؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا ابوالوفاء شاہجہانپوریؒ اور مولانا نور محمد ٹانڈویؒ وغیرہ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ علمائے دیوبند کی عظیم الشان تحریری، تقریری اور مناظرانہ خدمات کی بدولت قادیانیت کا پورے ملک میں کامیابی کے ساتھ تعاقب کیا گیا اور قادیانیوں کو عوامی حلقوں سے لے کر عدالتی کمروں تک ہر محاذ پر شکست فاش دے دی گئی۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے خصوصیت کے ساتھ ختم نبوت کے تحفظ اور دفاع میں نمایاں کردار ادا کیا۔ آپ نے اپنے لائق وفائق شاگردوں کو ختم نبوت کے دفاع کے مشن پر لگا دیا۔ آپ نے فتنۂ قادیانیت کے استیصال کے لیے مسلمانوں کو منظّم کرنے کی کوشش کی اور آخر میں تنظیم احرار اسلام کے صدر حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کو امیر شریعت بنا کر رد قادیانیت کی کمان سونپ دی۔

انگریزوں کی سرپرستی میں کچھ ہی عرصہ میں قادیانیت جسد اسلامی کے لیے ایک ناسور بن گئی تھی۔ یہ دنیا کا مال دار ترین گروہ تھا اور اس کا نظام کار عیسائی مشنریوں جیسا تھا۔ اس نازک وقت میں جب علمائے اسلام ملک کی آزادی کی خاطر قید وبند کی آزمائشوں سے گزر رہے تھے، قادیانیوں نے انگریزوں کی سرپرستی میں اپنی تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھیں اور خصوصیت کے ساتھ ایسے لوگوں پر محنت کی جو اہم سرکاری عہدوں پر فائز تھے۔

پاکستان میں قادیانیت کی بیخ کنی

۱۹۴۷ء میں جب تقسیم ہند کا سانحہ پیش آیا اور پاکستان معرض وجود میں آیا، قادیانیوں نے اپنی سرگرمیاں پاکستان منتقل کرلیں اور چنیوٹ کے قریب ایک شہر آباد کر کے اس کا نام ربوہ (چناب نگر) رکھا اور اس کو اپنا مرکز بنالیا۔ پاکستان میں اپنا مرکز منتقل کرنے میں قادیانیوں کے دلوں میں یہ جذبہ کارفرما تھا کہ پاکستان ایک نومولود ملک ہے اور پہلے ہی دن سے اہم اور کلیدی عہدوں پر قادیانی قابض ہیں؛ لہٰذا ایک نہ ایک دن ہم اس ملک کی باگ ڈور کے مالک بن جائیں گے۔ خطرناک بات یہ تھی پاکستانی فوج کے اعلی فوجی عہدہ داروں میں ایک دو کے علاوہ باقی سب قادیانی تھے اور ملک کا وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان کٹر قادیانی تھا۔ حکومت کے دفاتر میں کلیدی عہدوں پر قادیانیوں کا تسلط تھا اور حکومت کی پالیسیوں میں ان کا عمل دخل تھا۔

ایسے نازک حالات میں پاکستان میں قادیانیوں کے بڑھتے اثر ورسوخ اور حکومت کے در و بست پر بتدریج ان کے قبضہ وتسلط کے پیش نظر علمائے دیوبند نے ایک غیر سیاسی خالص تبلیغی تنظیم 'مجلس تحفظ ختم نبوت' کی بنیاد ڈالی جس کے پہلے امیر اور قائد حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تھے۔ دوسری طرف سیاسی میدان میں بھی حضرت مولانا یوسف بنوریؒ اور دیگر علمائے دیوبند نے قادیانیت کے خلاف ایک محاذ کھڑا کر دیا۔ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں کو قادیانی فتنہ کی سنگینی سے آگاہ کرنے اور قادیانیوں کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنے کے لیے انھوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ ختم نبوت کے مجاہدین کو قید و بند کی صعوبتوں اور جبر وتشدد کا نشانہ بننا پڑا، لیکن انھوں نے مردانہ وار تمام مخالف حالات کا مقابلہ کیا اور آخر کار علماء کی مسلسل جدو جہد کی بنا پر پاکستان کی قومی اسمبلی نے ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو قادیانیوں کی دونوں شاخوں (قادیانی اور لاہوری) کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔

پاکستان میں تحریک تحفظ ختم نبوت میں نمایاں خدمات انجام دینے والوں میں حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مفتی محمود صاحبؒ، حضرت مولانا محمد حیات صاحبؒ، حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ، حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی و دیگر علمائے دیوبند پیش پیش تھے۔

رابطۂ عالم اسلامی کی متفقہ قرارداد

پاکستان کے علمائے دیوبند نے قادیانی فتنہ کا مقابلہ کرنے کے لیے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر رائے عامہ کو ہموار کرنے کی کوشش کی اور عالم اسلام کو قادیانیت کے دجل وفریب اور اس کی خطرناکی سے آگاہ کیا۔ پاکستان میں مسلم ممالک کے سفراء، عالم اسلام کے سربراہوں اور عظیم شخصیتوں کو قادیانی فتنہ اور اس کی سیاسی و مذہبی سازشوں سے آگاہ کیا گیا جس کے نتیجہ میں قادیانیت کے خلاف سب سے پہلی اور بڑی کامیابی اس وقت ملی جب رابطۂ عالم اسلامی نے مکہ مکرمہ میں ربیع الاول ۱۳۹۴ھ مطابق اپریل ۱۹۷۴ء کی بین الاقوامی عظیم الشان کانفرنس میں قادیانیت کے خلاف قرار داد پاس کی۔ اس کانفرنس میں عالم اسلام کی ۱۴۴ر تنظیموں کے نمائندے شریک تھے۔ کانفرنس نے اپنی متفقہ قرارداد میں کہا کہ قادیانیت ایک نہایت خطرناک باطل تحریک ہے جو اپنی اغراض خبیثہ پر پردہ ڈالنے کے اسلام کا لبادہ اوڑھتا ہے۔ قادیانیت کے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے کانفرنس نے طے کیا کہ دنیا کی تمام اسلامی تنظیمیں قادیانی سازشوں کا تعاقب کریں اور ان کا معاشرتی واقتصادی بائیکاٹ کریں۔ کانفرنس نے اسلامی حکومتوں سے مطالبہ کیا کہ وہ قادیانیوں کی

ہر قسم کی سرگرمیوں پر پابندی لگائیں اور انھیں غیر مسلم اقلیت قرار دیں۔

علمائے دیوبند کی پیہم اور مجاہدانہ کوششوں سے قادیانیت کی کمر ٹوٹ گئی۔ عالم اسلام کے سب سے بڑے ملک پاکستان اور عالم اسلام کی سب سے عظیم تنظیم رابطۂ عالم اسلامی کی طرف سے ان کو غیر مسلم قرار دلوا کر انھوں نے یہ ثابت کر دیا کہ قادیانیت کا اسلام سے کچھ لینا دینا نہیں ہے اور قادیانیت بھی دنیا کے دیگر کافرانہ مذاہب و تحریکات میں سے ایک تحریک ہے۔ اب قادیانیوں کے پاسپورٹ اور دیگر سرکاری کاغذات پر انھیں مسلمان نہیں لکھا جائے گا اور وہ خود کو مسلمان جتا کر دوسروں کو دھوکا نہیں دے سکیں گے۔ اس سے مسلمان روز روز کی دردسری سے محفوظ ہو گئے۔

قادیانیت کی ہندوستان واپسی اور دارالعلوم دیوبند کی خدمات

اپریل ۱۹۸۴ء میں جب مرحوم صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق نے امتناعِ قادیانیت آرڈیننس جاری کیا تو قادیانیوں کا موجودہ سربراہ مرزا طاہر فرار ہو کر لندن پہنچ گیا اور قادیانیوں نے دوبارہ اپنی سرگرمیوں کا رخ ہندوستان کی طرف پھیر دیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دارالعلوم دیوبند کے ارباب حل وعقد نے اس فتنہ کے دوبارہ سر اٹھانے کو بروقت بھانپ لیا اور انھوں نے حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ صدر جمعیۃ علمائے ہند و رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کی خصوصی تحریک پر قادیانیت کے تعاقب کے لیے مسلمانوں میں عموماً اور ذمہ دارانِ مدارس عربیہ میں خصوصاً اجتماعی جد و جہد کی ضرورت کا احساس پیدا کرنے کے لیے ۲۹ر تا ۳۱ر اکتوبر ۱۹۸۶ء کو دارالعلوم دیوبند میں سہ روزہ عالمی اجلاس تحفظ ختم نبوت منعقد کیا۔ اس اجلاس کے صدر حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند تھے اور اجلاس کا افتتاح حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے فرمایا۔ ۳۱ر اکتوبر کو اختتامی اجلاس میں جناب ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف سابق جنرل سکریٹری رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے اپنے وقیع خطاب میں فرمایا:

> ”میں دارالعلوم دیوبند کو اس اہم ترین اقدام کے لیے مبارک باد پیش کرتا ہوں، درحقیقت دارالعلوم دیوبند کے بزرگوں نے ہندوستان میں قادیانیت کے مہیب فتنہ اور اس کی از سر نو کوششوں کو ختم کرنے کے لیے عالمی سطح پر یہ اجلاس منعقد کر کے اپنی بیداری کا مظاہرہ کیا ہے۔ میں اسی تاریخی اجلاس میں شرکت کو اپنی خوش نصیبی تصور کرتا ہوں“۔

اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے شرکائے اجلاس میں نیا عزم اور حوصلہ پیدا ہوا اور اس موقع پر کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کا قیام عمل میں آیا۔ جس کے صدر حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم اور ناظمِ

اعلیٰ حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند منتخب ہوئے اور حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری ناظم بنائے گئے۔ ملک بھر کی مؤثر شخصیات پر مشتمل ۲۳ رحضرات کی مجلس عاملہ تشکیل دی گئی۔ ۱۹۸۶ء کے اجلاس کے بعد سے ہی دارالعلوم میں کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کا مرکزی دفتر ردقادیانیت کے سلسلہ میں مصروف عمل ہے جس کی شاخیں ملک کے طول وعرض میں پھیلی ہوئی ہیں۔

مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند نے ملک کے ایسے ایسے مقامات پر جہاں قادیانی فتنہ کسی شکل میں موجود تھا وہاں کے علماء وائمہ کو اس فتنہ کی دسیسہ کاریوں اور تباہ کاریوں سے آگاہ کرنے کے لیے تربیتی کیمپوں کا سلسلہ شروع کیا۔ سب سے پہلے حضرت مولانا محمد اسماعیل کٹکیؒ کی سرپرستی میں دارالعلوم دیوبند میں ۱۹۸۸ء میں دس روزہ تربیتی کیمپ منعقد کیا گیا جس میں بہت سے علماء کو ردقادیانیت کی تربیت دی گئی۔ دارالعلوم نے دوسرا تربیتی کیمپ ۱۹۹۰ء میں مشہور عالم حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی (پاکستان) کی زیرنگرانی وتربیت منعقد کیا۔ مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند کی طرف سے پورے ہندوستان میں قادیانیوں کی سرگرمیوں پر نظر رکھی جاتی ہے اور وقتاً فوقتاً حسب موقع وضرورت تربیتی کیمپوں، جلسوں اور مناظروں کے ذریعہ عام مسلمانوں کو اس فتنہ کے بارے میں آگاہ کیا جاتا ہے اور اس جماعت کے پرچارکوں کا تعاقب کیا جاتا ہے۔

خلاصۂ کلام

الحمدللہ علمائے دیوبند کو یہ فخر حاصل ہے کہ جب ختم نبوت کے اس عظیم بنیادی عقیدہ پر یلغار کی گئی اور انگریز کی خانہ ساز نبوت مسلمانوں کو ارتداد کی دعوت دینے لگی تو علمائے دیوبند نے سب سے پہلے پوری قوت کے ساتھ میدان میں آئے اور مسلمانوں کو اس ارتدادی فتنہ سے خبردار کیا۔ اکابر دارالعلوم اور اساطین علمائے دیوبند میدان میں نکلے اور اپنی گراں قدر علمی تصانیف، موثر تقاریر اور لاجواب مناظروں سے انگریزی نبوت کے دجل وفریب کا اس طرح پردہ چاک کیا اور ہر محاذ پر ایسا کامیاب تعاقب کیا کہ اسے اپنے مولد ومنشاء لندن میں محصور ہوجانا پڑا۔ علمائے دیوبند کے علمی وفکری مرکز دارالعلوم دیوبند کی زیرنگرانی حریم ختم نبوت کی پاسبانی کی یہ مبارک خدمت پوری توانائیوں کے ساتھ آج بھی جاری وساری ہے۔

ردقادیانیت پر علمائے دیوبند کی تصنیفی خدمات ایک نظر میں

ردقادیانیت کے موضوع پر سب سے زیادہ کام علمائے دیوبند نے انجام دیا ہے۔ اس موضوع پر جتنی

کتابیں لکھی گئیں ہیں غالباً کسی ملحدانہ تحریک پر اتنا لٹریچر تیار نہیں ہوا ہوگا۔ ذیل میں علمائے دیوبند کی تالیف کردہ کتابوں کی ایک فہرست پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ فہرست تمام کتابوں کا احاطہ نہیں کرتی، اگر مزید تلاش وجستجو کی جائے تو اور بھی کتابیں سامنے آسکتی ہیں۔

(۱) عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰؑ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ

(۲) تحیۃ الاسلام، علامہ انور شاہ کشمیریؒ

(۳) اکفار الملحدین فی شئ من ضروریات الدین، علامہ انور شاہ کشمیریؒ

(۴) خاتم النّبیین، علامہ انور شاہ کشمیریؒ

(۵) التصریح بما تواتر فی نزول المسیح، علامہ انور شاہ کشمیری

(۶) الخطاب الملیح فی تحقیق المہدی والمسیح، مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۷) الشہاب، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

(۸) الجواب الفصیح لمنکر حیاۃ المسیح، مولانا بدرِ عالم میرٹھی مہاجر مدنی

(۹) نزول عیسی علیہ السلام، مولانا بدرِ عالم میرٹھی مہاجر مدنی

(۱۰) فتنۂ قادیانیت، مولانا محمد یوسف بنوریؒ

(۱۱) کلمۃ السر فی حیاۃ روح السر، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

(۱۲) کلمۃ اللہ فی حیاۃ روح اللہ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

(۱۳) مسک الختام فی ختم نبوت سید الانام، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

(۱۴) اسلام اور مرزائیت کا اصولی اختلاف، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

(۱۵) لطائف الحکم فی اسرار نزول عیسی علیہ السلام، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

(۱۶) مسلمان کون ہے اور کافر کون؟ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

(۱۷) دعاوی مرزا، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

(۱۸) القول المحکم، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

(۱۹) حقیقت مرزا، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

(۲۰) شرائط نبوت، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

(۲۱) مولانا نانوتویؒ پر مرزائیوں کا بہتان، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

(۲۲) مرزائی لیٹریچر میں توہین انبیاء، مولانا بہاء الحق قاسمی صاحب امرتسری

(۲۳) ایمان کی کسوٹی، مصنفہ مولانا محمد مسلم صاحب دیوبندی

(۲۴) مسلم پاکٹ بک، مولانا محمد مسلم صاحب دیوبندی

(۲۵) آفتاب اسلام بجواب انوار احمدیہ، مولانا محمد مسلم صاحب دیوبندی

(۲۶) ختم نبوت (۳ حصے) مفتی محمد شفیع عثمانیؒ

(۲۷) مسیحِ موعود کی پہچان، مفتی محمد شفیع عثمانیؒ

(۲۸) ایمان وکفر، مفتی محمد شفیع عثمانیؒ

(۲۹) اسلامی تبلیغی انسائیکلوپیڈیا، مفتی محمد شفیع عثمانیؒ

(۳۰) مسلمانوں کو مرزائیت سے نفرت کے اسباب، مولانا احمد علی لاہوریؒ

(۳۱) الہاماتِ مرزا، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ

(۳۲) صاعقۂ آسمانی برفرقۂ قادیانی، مولانا محمد مرتضٰی حسن چاند پوریؒ

(۳۳) مرزائیت کا خاتمہ، مولانا محمد مرتضٰی حسن چاند پوریؒ

(۳۴) تحقیق الکفر والایمان، مولانا محمد مرتضٰی حسن چاند پوریؒ

(۳۳) فتح قادیان کا دلکش نظارہ، مولانا محمد مرتضٰی حسن چاند پوریؒ

(۳۵) مرزائیت کا جنازہ بے گوروکفن، مولانا محمد مرتضٰی حسن چاند پوریؒ

(۳۳) اشدالعذاب علی مسیلمۃ الکذاب، مولانا محمد مرتضٰی حسن چاند پوریؒ

(۳۴) اول السبعین، مولانا محمد مرتضٰی حسن چاند پوریؒ

(۳۵) ثانی السبعین، مولانا محمد مرتضٰی حسن چاند پوری

(۳۶) صحیفۃ الحق، مولانا محمد مرتضٰی حسن چاند پوریؒ

(۳۷) قادیان میں زلزلہ، مولانا محمد مرتضٰی حسن چاند پوریؒ

(۳۸) دین مرزا کفر خالص، مولانا محمد مرتضٰی حسن چاند پوریؒ

(۳۹) القادیانی والقادیانیۃ، مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

(۴۰) قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ، مولانا محمد منظور نعمانیؒ

(۴۱) کفرواسلام کی حدود اور قادیانیت، مولانا محمد منظور نعمانیؒ

(۴۲) المتنبی القادیانی، مولانا مفتی محمود پشاوری

(۴۳) اسلام اور قادیانیت کا تقابلی مطالعہ، مولانا عبدالغنی پٹیالویؒ
(۴۴) فلسفۂ ختم نبوت، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ
(۴۵) عقیدۃ الامۃ فی معنی ختم النبوۃ، علامہ خالد محمود
(۴۶) علامات قیامت، مفتی محمد رفیع عثمانی
(۴۷) مسئلۂ ختم نبوت علم وعقل کی روشنی میں، مولانا محمد اسحاق سندیلوی
(۴۸) ائمۂ تلبیس، مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری
(۴۹) رئیس قادیان، مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری
(۵۰) قادیانی نبوت کا خاتمہ، مفتی نعیم لدھیانوی
(۵۱) ترک مرزائیت، مولانا لال حسین اختر صاحب
(۵۲) مسیح علیہ السلام مرزا قادیانی کی نظر میں، مولانا لال حسین اختر صاحب
(۵۳) عمل مرزا، مولانا لال حسین اختر صاحب
(۵۴) ختم نبوت اور بزرگان امت، مولانا لال حسین اختر صاحب
(۵۵) قادیانی دجل کا جواب، قاضی مظہر حسین چکوال
(۵۶) عبرت ناک موت، مولانا لال حسین اختر صاحب
(۵۷) قادیانی مفتی کا جھوٹ اسہال میں وصال، مولانا لال حسین اختر صاحب
(۵۸) قادیانی ریشہ دوانیاں، مولانا لال حسین اختر صاحب
(۵۹) مسلمانوں کی نسبت مرزائیوں کا عقیدہ، مولانا لال حسین اختر صاحب
(۶۰) خلیفہ قادیانی جواب دیں، مولانا محمد علی جالندھری
(۶۱) مرزائیوں کا سیاسی کردار، مولانا محمد علی جالندھری
(۶۲) تحفۂ قادیانیت، مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ
(۶۳) قادیانی کا مقدمہ، مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ
(۶۴) عقیدۂ ختم نبوت اور کلمۂ طیبہ کی توہین، مولانا محمد یوسف لدھیانوی
(۶۵) نزول عیسی اور مسیح کی شناخت، مولانا محمد یوسف لدھیانوی
(۶۶) کذبات مرزا، مولانا نور محمد ٹانڈوی
(۶۷) مغلظات مرزا، مولانا نور محمد ٹانڈوی

(۶۸) اختلافات مرزا، مولانا نور محمد ٹانڈوی

(۶۹) کفریات مرزا، مولانا نور محمد ٹانڈوی

(۷۰) تناقضات مرزا، مولانا نور محمد ٹانڈوی

(۷۱) کرشن قادیانی آریہ تھے یا عیسائی؟ مولانا نور محمد ٹانڈوی

(۷۲) ردمرزائیت کے زریں اصول، مولانا منظور احمد چینوٹی

(۷۳) انگریزی نبی، مولانا منظور احمد چینوٹی

(۷۴) مرزائیوں کا عبرت ناک انجام، مولانا منظور احمد چینوٹی

(۷۵) الہامی گرگٹ، مولانا منظور احمد چینوٹی

(۷۶) غدار کی تلاش، مولانا منظور احمد چینوٹی

(۷۷) محاضرات ردقادیانیت، قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری

(۷۸) قادیانی شبہات کے جوابات، مولانا اللہ وسایا صاحب

(۷۹) پارلیمنٹ میں قادیانی شکنی، مولانا اللہ وسایا صاحب

(۸۰) دعاوی مرزا، مولانا اللہ وسایا صاحب

(۸۱) تفاسیر قرآن اور مرزائی شبہات، مولانا شاہ عالم گورکھپوری

(۸۲) مرزائیت اور عدالتی فیصلے، مولانا شاہ عالم گورکھپوری

وغیرہ وغیرہ

دارالعلوم دیوبند اور ردشیعیت

ہندوستان میں اکثر مسلم سلطنتیں اور مغلیہ حکومت کے سربراہان اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے تھے، البتہ ملک میں کہیں کہیں شیعہ حکومتیں یا ریاستیں بھی قائم ہوئیں جن میں بہمنی سلطنت (۱۵۲۷ء-۱۳۴۷ء)، فیض آباد ولکھنؤ کی اودھ حکومتیں (۱۷۲۲ء تا ۱۸۵۸ء) اورنوابان رام پور زیادہ نمایاں ہوئے ہیں۔ایران کی شیعی صفوی حکومت نے ہمایوں بادشاہ کو پناہ دی اور اسے ہندوستان کی حکومت دوبارہ دلانے اور سوری حکومت کو شکست دینے میں بھرپور تعاون دیا۔اس کے بعد سے شاہانِ مغلیہ کے ایران کے ساتھ اچھے مراسم رہے اور اس کی وجہ سے شیعی عناصر کا حکومت میں عمل دخل رہا۔خصوصاً اورنگ زیب عالم گیر کے انتقال کے بعد جب مغلیہ حکومت کمزور پڑنے لگی تو ان شیعی عناصر نے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی اور بادشاہ ان کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنے رہے۔لال قلعہ میں تعزیہ داری اور شہزادوں کا اس میں پوری دل چسپی سے حصہ لینا یہ سب کچھ شیعی اقتدار کا ثمرہ تھا۔شیعی عناصر معتدد بادشاہوں کا تختہ پلٹنے حتی کہ ان کی ایذاء وقتل کی سازشوں میں بھی شریک رہے۔شیعوں کے دورِ عروج میں ان کے خلاف زبان کھولنا کچھ آسان نہیں تھا۔عام مسلمانوں کا عالم یہ تھا کہ بڑے بڑے سنی جاگیرداروں نے شیعہ عناصر کی داروگیر کے خوف سے اہلِ تشیع ہونے کا اعلان واظہار کردیا تھا۔

اس ماحول میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس فتنہ کا ادراک کرلیا تھا اور ''اِزالۃ الخفاء فی خلافۃِ الخُلفاء'' اور ''قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین'' کے ذریعہ اہل السنۃ والجماعۃ کے موقف کو دلائل و براہین کے ساتھ پیش فرمایا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے دشمنوں پر ضرب کاری لگائی۔حضرت شاہ صاحبؒ کے بعد آپ کے فرزند وجانشین حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے ''تحفۂ اثنا عشریہ'' لکھ کر روافض کے سامنے ایک ایسا چیلنج کھڑا کردیا جس کا علمی جواب ان کے پاس نہ تھا۔ان کوششوں کی وجہ سے ان حضرات کو شیعوں کے مظالم کا نشانہ بننا پڑا۔

ہندوستان سے شیعی اثرات کا ازالہ

دارالعلوم ایک ایسے وقت میں قائم ہوا جب کہ انگریزوں نے لکھنؤ کی شیعی حکومت کا ۱۸۵۷ء میں الحاق کر کے اس کا وجود مٹادیا تھا؛ لیکن اودھ کی شیعی حکومت اور سلطنتِ مغلیہ میں ان کے گہرے اثرات کی

وجہ سے ان کے مذہبی عقائد کی چھاپ پورے ہندوستان پر پڑ گئی تھی۔ پورے ہندوستان میں شیعی عقائد اور ان کے مشرکانہ رسوم اس طرح غیر شیعہ مسلمانوں کے دل و دماغ میں رچ بس گئے تھے کہ اگر چہ ان کو صحیح طور پر کلمۂ شہادت بھی ادا کرنا نہ آتا ہو؛ مگر وہ تعزیہ داری اور اس کے ساتھ عقیدت مندی کا والہانہ جذبہ سینوں میں موج زن رکھتے تھے اور اس کو اپنے مسلمان ہونے کی سند سمجھتے تھے۔ سنی مسلمانوں کی مسجدوں میں تعزیے رکھے رہتے تھے اور ان کے محلوں میں چبوترے بنے ہوتے۔ محرم کے مہینے میں سنی مسلمان بڑی عقیدت سے تعزیہ اٹھاتے۔ حیرت ناک بات یہ تھی کہ شیعہ اتنے بڑے ملک میں سنیوں کے مقابل میں مٹھی بھر تھے؛ لیکن کروڑوں اہل السنۃ والجماعۃ مسلمانوں کے دلوں میں شیعوں نے اپنے سارے عقائد و مراسم، جذبات و خیالات کی چھاپ ڈال دی تھی اور پورے ہندوستان کو شیعیت کے رنگ میں رنگ دیا تھا۔

ایسے نازک حالات میں جب کہ ہندوستان میں بیرونی حملوں سے مسلمانوں کے دین و ایمان کو بچانے کی کوششیں جاری تھی، دارالعلوم دیوبند کے اکابرین نے شیعیت اور سبائیت کے فتنہ سے بھی مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کی سعیِ بلیغ کی۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے ان جانشینوں نے ناموسِ صحابہؓ کے دفاع اور مسلمانوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح میں نہایت وقیع اور گراں قدر خدمات انجام دیں۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ''ہدیۃ الشیعہ'' اور ''اَجوبۂ اربعین'' میں اس فرقہ کے ذریعہ اٹھائے گئے سوالوں کا بھرپور جواب دیا ہے۔ اسی طرح حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی ''ہدایۃ الشیعہ'' طبع ہوئی، اس میں شیعی پروپیگنڈوں کا بہت مسکت جواب لکھا گیا۔

حضرت نانوتویؒ نے عملی طور پر تعزیہ داری اور دیگر شیعی رسوم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا بیڑا اٹھایا۔ اس کی ابتدا قصبہ دیوبند ہی کی ایک مسجد سے ہوئی۔ حضرت نانوتوی اور ان کے ایک مرید حاجی محمد یاسین عرف دیوان جی نے اعلان کر دیا کہ اب تعزیہ نہیں اٹھے گا، قصبہ کے شیوخ مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے؛ لیکن دیوبند کے اہلِ حرفہ حضرت نانوتویؒ کے ساتھ کھڑے ہو گئے، پھر بالآخر مخالفین مغلوب ہو گئے اور تعزیہ کے ڈھانچہ کو توڑ کر پھینک دیا گیا۔ قصبہ کے دوسرے محلوں کے مسلمانوں کو بھی احساس ہوا کہ علمائے حق تعزیہ داری کی مشرکانہ رسم کے مخالف ہیں تو انھوں نے بھی اس بارے میں سنجیدگی سے سوچا اور اپنے اپنے محلوں کی مسجدوں سے تعزیوں کے ڈھانچے نکال کر باہر پھینک دیے۔ اس طرح قصبہ دیوبند کے سنی مسلمانوں کے دلوں سے اس مشرکانہ عقیدہ کے جراثیم دور ہوئے۔ حضرت نانوتویؒ نے اپنے متعدد خطوط میں شیعوں کے پیدا کردہ شکوک اور ان کی خرافات کا پردہ فاش کیا ہے۔ ایسے خطوط اکثر فارسی زبان میں ہیں اور کچھ خطوط اردو میں بھی ہیں جو آپ کے مجموعۂ مکاتیب ''فیوض قاسمیہ'' میں شامل ہیں۔ حضرت نانوتویؒ کی کوششوں

سے سادات کے متعدد گھرانے شیعیت سے تائب ہو کر سنی ہوئے۔

حضرت نانوتویؒ کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ عملی جدوجہد کے میدان میں آئے۔ آپ نے ریاست بھاول پور میں شیعوں سے لوہا لیا اور انھیں شکست فاش دی۔ ردشیعیت میں آپ کی بلند پایہ تصنیف ''ہدایاتُ الرشید فی اِفحام العنید'' ہے جو پونے نوسو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور اس موضوع کی مدلل اور مفصل ترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ شیعوں کے ساتھ مناظروں کے تجربہ سے دیگر علمائے حق کو روشناس کرانے کے لیے آپ نے ایک دوسری کتاب ''مطرقۃ الکرامہ'' لکھی۔ حضرت نانوتویؒ کے ایک دوسرے شاگرد حضرت مولانا رحیم اللہ بجنوریؒ نے بھی شیعوں کے رد میں اہم علمی کارنامہ انجام دیا۔ ردِ شیعیت سے متعلق انھوں نے کئی علمی یادگاریں چھوڑیں۔

بعد کے دور میں شیعیت اور سبائیت کے رد میں نمایاں خدمات انجام دینے والوں میں امام اہل السنۃ والجماعۃ حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ کا نام نامی سرِفہرست ہے۔ حضرت مولانا لکھنویؒ نے اس اہم موضوع کے ہر ہر گوشے سے متعلق اس قدر معلومات فراہم کردیں کہ اس باب میں ان کا کوئی ہم پلہ نظر نہیں آتا۔ آپ نے مناظروں اور تقاریر کے ذریعہ شیعی ایوانوں میں زلزلہ برپا کردیا اور تاعمر شیعیت کے خلاف شمشیرِ براں بنے رہے۔ دیگر علمائے دیوبند خصوصاً حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ وغیرہ نے آپ کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔

دارالعلوم نے صرف رسمی تعلیم پر اکتفاء نہیں کیا؛ بلکہ پورے مسلم معاشرہ کے اعمال وعقائد کی اصلاح کا بیڑا بھی اٹھایا۔ قیامِ دارالعلوم کے کچھ عرصہ بعد ہی علمائے حق نے بدعات وخرافات اور مشرکانہ رسوم وعقائد کے خلاف جو چومکھی لڑائی چھیڑی، اس جنگ میں علمائے حق کے ایک حریف شیعہ بھی تھے۔ علمائے دیوبند کی انھیں مخلصانہ تبلیغی واصلاحی کوششوں سے آہستہ آہستہ سنی مسلمانوں سے شیعی اثرات دور ہوئے اور انھوں نے شیعی رسوم وخرافات سے توبہ کی۔

ناموسِ صحابہؓ کا دفاع

علمائے دارالعلوم دیوبند تمام صحابہؓ کی عظمت کے قائل ہیں؛ البتہ ان میں باہم فرقِ مراتب ہے تو عظمتِ مراتب میں بھی فرق ہے؛ لیکن نفسِ صحابیت میں کوئی فرق نہیں؛ اس لیے محبت وعقیدت میں بھی فرق نہیں پڑسکتا پس ''الصَّحابةُ كُلُّهُمْ عُدُوْل'' اس مسلک کا سنگ بنیاد ہے۔ صحابۂ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خیرالقرون میں سب سے پہلے نمبر پر ہیں اور پوری امت کے لیے معیارِ حق ہیں۔ علمائے

دیوبند انھیں غیر معصوم ماننے کے باوجود ان کی شان میں بدگمانی اور بدزبانی کو جائز نہیں سمجھتے اور صحابہؓ کے بارے میں اس قسم کا رویہ رکھنے والے کو حق سے منحرف سمجھتے ہیں۔ علمائے دیوبند کے نزدیک ان کے باہمی مشاجرات میں خطا و صواب کا تقابل ہے، حق و باطل اور طاعت و معصیت کا نہیں؛ اس لیے ان میں سے کسی فریق کو تنقید و تنقیص کا ہدف بنانے کو جائز نہیں سمجھتے۔ علمائے دیوبند حضراتِ شیخین کی تفضیل کے قائل ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عظمت و احترام کے قائل ہیں؛ لیکن بدقسمتی سے ہندوستان میں انگریزوں کی سازش سے ایسی صورتِ حال پیدا ہوگئی کہ شیعوں کی طرف سے حضراتِ صحابۂ کرامؓ کی شان عالی میں تبرا (نفرت) بازی کی جانے لگی اور اس کی وجہ سے شیعہ سنی کشیدگی پھیلنے لگی۔ اس نازک دور میں تبرا باز شیعوں کے جواب میں حضرات علمائے دیوبند نے تحریکِ مدحِ صحابہؓ شروع کی۔ حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ وغیرہ علمائے کرام نے اس میں سرگرم حصہ لیا۔ جب وقت کی سیاسی آندھیوں نے قافلۂ اسلام کی صفِ اول پر یلغار کی تو حضرت مدنیؒ نے مقامِ صحابہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے معیارِ حق ہونے پر پُر زور مباحث تحریر فرمائے۔

قیامِ پاکستان کے بعد اس موضوع پر مستقلاً تنظیم اہل السنۃ والجماعۃ، تحریک اہلِ سنت وغیرہ ناموں سے مختلف جماعتیں قائم ہوئیں، جن میں سید نور الحسن شاہ بخاری، مولانا عبدالستار تونسوی، علامہ دوست محمد قریشی اور ان کے رفقائے کار نے قابلِ قدر کام کیا؛ جب کہ حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور مولانا قاضی مظہر حسین وغیرہ حضرات نے تحریک مدحِ صحابہؓ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور شیعیت کو دنداں شکن جواب دیا۔ ان بزرگوں کے علاوہ مولانا ولایت حسین رئیس دیورہ صوبۂ بہار، مولانا محمد شفیع سنگتھروی، مولانا لطف اللہ جالندھری، مولانا یوسف لدھیانوی وغیرہ علمائے دیوبند نے بھی اس محاذ پر گراں قدر خدمات انجام دیں۔

ایران کا شیعی انقلاب

۱۹۷۹ء میں جب خمینی کے زیر قیادت ایران میں انقلاب آیا اور شیعی حکومت قائم ہوئی۔ شیعی حکومت نے زبردست پروپیگنڈہ کے ذریعہ اسے اسلامی انقلاب کا نام دیا اور ملتِ اسلامیہ کے بیشتر افراد اس پروپیگنڈہ کی زد میں آگئے۔ پورے عالمِ اسلام خصوصاً برِ صغیر میں ایرانی انقلاب کو صالح اسلامی انقلاب سمجھا جانے لگا۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر علمائے دیوبند میدان میں آگئے اور انھوں نے ایران کے اس نام نہاد اسلامی انقلاب کی قلعی کھول کر رکھ دی۔ اس سلسلہ میں خاص طور سے حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی کتاب

''ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت'' نے ایرانی انقلاب کا خیر مقدم کرنے والوں کی آنکھیں کھول دیں اور ان کے سامنے حقیقت بے نقاب ہوکر آ گئی۔

علمائے دیوبند کا یہ قابلِ فخر کارنامہ ہے کہ انھوں نے برصغیر کو شیعوں کے ہمہ گیر اثرات سے پاک کیا اور اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد وافکار کی حفاظت واشاعت کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔ علمائے دیوبند نے کتابوں، فتاوی اور بیانات کے ذریعہ امتِ مسلمہ کی بھرپور رہ نمائی فرمائی اور اب بھی حسبِ ضرورت الحمد للہ یہ سلسلہ جاری ہے۔ دارالعلوم میں تخصصات میں داخل طلبہ کے لیے دیگر ادیان وفرق کے ساتھ شیعیت کے سلسلہ میں بھی محاضرات پیش کیے جاتے ہیں۔

ردشیعیت میں علمائے دیوبند کی تصنیفی خدمات

شیعیت اور رافضیت کے رد میں ہند وپاک کے علمائے کرام نے ایک گراں قدر ذخیرہ جمع کر دیا ہے جس میں سب سے نمایاں تصنیفی خدمات امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ کی ہیں۔ ذیل میں ہم کچھ کتابوں کے نام پیش کر رہے ہیں:

(۱) ہدیۃ الشیعہ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

(۲) الاجوبۃ الکاملۃ فی الاسولۃ الخاملۃ، حضرت نانوتویؒ

(۳) اجوبہ اربعین درردِ روافض، افادات حضرت نانوتویؒ، مرتب: صوفی عبدالحمید خان سواتی

(۴) ہدایۃ الشیعہ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

(۵) ہدایات الرشید الی اِفحام العنید، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ

(۶) مطرقۃ الکرامۃ فی مرآۃ الامامۃ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ

(۷) اِبطالُ اصولِ الشیعہ، حضرت مولانا حکیم محمد رحیم اللہ بجنوریؒ

(۸) الکافی للاعتقاد الصافی، حضرت مولانا حکیم رحیم اللہ بجنوریؒ

(۹) المنار رسائل السنہ والشیعہ، حضرت مولانا حکیم رحیم اللہ بجنوریؒ

(۱۰) ارشاد الثقلین، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی

(۱۱) دفع المجادلہ عن آیات المباہلہ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ

(۱۲) عثمان ذوالنورین، حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ

(۱۳) فتنۂ رفض، حضرت مولانا محمد منظور احمد نعمانیؒ

(۱۴) ایرانی انقلاب، خمینی اور شیعیت، حضرت مولانا محمد منظور احمد نعمانی
(۱۵) شیعہ اثناعشری اور عقیدۂ تحریفِ قرآن، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی
(۱۶) شیعہ سنی اختلافات: حقائق کے آئینہ میں، مولانا محمد منظور نعمانی
(۱۷) شیعہ سنی اختلافات اور صراط مستقیم، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی
(۱۸) اسلام اور شیعہ مذہب، مولانا امام علی دانش قاسمی لکھیم پوری
(۱۹) محاضراتِ ردشیعیت، مولانا محمد جمال میرٹھی
(۲۰) حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق، حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی
(۲۱) اکابرِ صحابہ اور شہدائے کربلا پر افتراء، مولانا عبدالرشید نعمانی
(۲۲) حقیقتِ شیعہ، مولانا عبدالرشید نعمانی
(۲۳) برأتِ عثمان، مولانا ظفر احمد عثمانی
(۲۴) ارشادالشیعہ، مولانا سرفراز خان صفدر
(۲۵) ازالۃ الشک فی مسئلۃ فدک، مولانا عبدالستار تونسوی
(۲۶) شان حضرت فاروق اعظمؓ، مولانا عبدالستار تونسوی
(۲۷) شان سیدنا عثمان بن عفانؓ، مولانا عبدالستار تونسوی
(۲۸) شان حیدر کرارؓ، مولانا عبدالستار تونسوی
(۲۹) خمینیت: عصرِ حاضر کا عظیم فتنہ، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی
(۳۰) شیعیت قرآن وحدیث کی روشنی میں، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی
(۳۱) شیعہ مذہب دین ودانش کی کسوٹی پر، مولانا محمد عاشق الٰہی بلندشہری
(۳۲) واقعۂ کربلا اور اس کا پس منظر، مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی
(۳۳) عقائدالشیعۃ، مفتی محمد فاروق میرٹھی
(۳۴) تاریخ کی مظلوم شخصیتیں، مولانا عبدالعلی لکھنوی
(۳۵) تعارف مذہب شیعہ، مولانا عبدالعلی لکھنوی
(۳۶) شیعہ مذہب تاریخ کے آئینے میں، مولانا محمد جمال میرٹھی

وغیرہ

شرک وبدعت کا مقابلہ

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام جب ہندوستان پہنچا تو یہاں کی قدیم تہذیب وتمدن، رسم ورواج، طور وطریق، ذہن ومزاج اور مذہبی تعلیمات وروایات پر اس نے زبردست اثر ڈالا، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہندو تہذیب نے بھی مسلم تہذیب کو کم متاثر نہیں کیا ہے۔ یہ اثرات مسلم سماج میں اس طرح پیوست ہوکر رہ گئے ہیں کہ آج یہ احساس بھی مٹ گیا ہے کہ یہ رسم ورواج اور طور وطریق اسلامی معاشرہ میں غیر مسلموں سے آئے ہیں۔ ہندوستانی مسلمانوں میں بہت سی بدعات وخرافات، رسم ورواج، قبر پرستی، عرس ومیلہ، قوالی اور راگ باجہ، مردوں اور عورتوں کی مزارات پر مخلوط حاضری، منتیں مانگنا، نذر ونیاز چڑھانا، تیجہ چہلم، شادی بیاہ کی رسمیں، نسل وخون کا امتیاز اور ذات پات میں اونچ نیچ وغیرہ سیکڑوں طور وطریق، رسم ورواج اور ہندو قومی ومذہبی روایات مسلم معاشرہ میں در آئی ہیں۔

ہندوستان مسلمانوں کی مذہبی وسماجی حالت

ہندوستان میں مسلمانوں کے دور زوال نے انھیں احساس کمتری میں مبتلا کر دیا تھا اور اس کی وجہ سے ان کے اندر بہت سی اخلاقی اور دینی برائیوں نے جنم لے لیا تھا۔ کچھ تو ہندو تہذیب سے اثر پذیری اور کچھ دنیا پرست علمائے سوء اور مصنوعی صوفیوں اور پیروں کی مفاد پرستی اور زر طلبی کی وجہ سے بدعات وخرافات کو جزو ایمان بنا لیا گیا۔ قبر پرستی کا چلن اتنا بڑھ چکا تھا کہ اسلامی معاشرہ میں قمری مہینوں کے نام مسلمان عورتوں میں جو مروج تھے وہ سب انھیں خرافات کی نشان دہی کرتے تھے۔ فاتحہ، تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں، سہ ماہی، ششماہی، برسی، نذر ونیاز، عرس، بی بی کی صحنک، بوعلی قلندر کی سہ منی، شیخ سدو کا بکرا، غازی میاں کا مرغا، شاہ عبدالحق کا توشہ، بڑے پیر کی گیارہویں، شاہ معین الدین کی چھٹی، قبروں پر چادریں، پھول بتاشہ، مسجدوں میں گاتے بجاتے طاق بھرائی، قبروں پر چراغ، چڑھاوے کی منت، شب براءت کا حلوہ، امام جعفر کا کونڈہ، ربیع الاول کا جشن عید میلاد النبی، محفل میلاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا عقیدہ، دوران میلاد قیام، انبیاء واولیاء کو حاضر وناظر جاننے کا عقیدہ، تعزیے بنانا، مالیدہ چڑھانا، تعزیہ کا جلوس، امام حسین کے نام کی سبیل وغیرہ بدعات وخرافات عام مسلمانوں کے داخلی وخارجی

زندگی کے مظاہر تھے۔ ہندوستان کا مسلمان انھیں توہمات کو حاصل ایمان سمجھتا تھا۔

عرسوں کے میلوں میں بے حجاب عورتوں اور مردوں کا مخلوط اجتماع، اصحاب قبور کو خدائی اختیارات کا مالک سمجھنا، ان سے براہ راست مانگنا اور حاجت روائی کی درخواست کرنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اجمیر کے سات عرسوں میں شرکت ایک حج کے برابر ہے وغیرہ جیسے سیکڑوں مشرکانہ خیالات ان پڑھ مسلمانوں کے دلوں میں پیوست ہوگئے تھے۔ بے شمار بدعات کار ثواب سمجھ کر انجام دی جاتی تھیں اور پورا معاشرہ انھیں گمراہیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ مفاد پرست صوفیاء اور علماء سوء نے بزرگوں کو خدائی اختیارات کا شائبہ پیدا کرنے والے القاب جیسے پیر دستگیر، مشکل کشا، غریب نواز، غوث بندہ نواز، گنج بخش، مولا دستگیر وغیرہ سے مشہور کر دیا جو اِن شخصیتوں کو اس کائنات میں مختار کل اور متصرف ہونے کا پتہ دیتے ہیں۔ ان ناموں کی شہرت نے بزرگوں کی قبروں کو بتدریج مرجع خلائق بنا دیا۔ قبروں پر زائرین کی بھیڑ نے حریص اور دین فروش انسانوں کو دنیاوی منفعت حاصل کرنے کے لیے اکسایا اور وہ ان قبروں پر قبضہ کر کے بیٹھ گئے اور آپس میں مناصب اور منافع تقسیم کر لیے۔ اس طرح قبروں کی تجارت بڑے پیمانے پر کمپنی کی شکل اختیار کر گئی۔

علمائے حق دیو بند میدان کارزار میں

مسلمانوں کی اس صورت حال کے خلاف سب سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے سب سے مضبوط آواز اٹھائی۔ آپ کے بعد حضرت مولانا سید احمد شہید رائے بریلوی، حضرت مولانا اسماعیل شہید دہلوی اور حضرت مولانا عبدالحئی بڈھانوی رحمہم اللہ نے بڑی جرأت اور جانبازی کے ساتھ مسلمانوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ لیکن یہ تحریک اصلاح و جہاد مئی ۱۸۳۱ھ میں حضرت سید احمد شہید اور ان کے رفقاء کی شہادت کے بعد ختم ہوگئی۔ اس کے بعد خانوادۂ ولی اللہی کے علمی جانشین علمائے دیو بند نے اصلاح کی اس مہم کو جاری رکھنے اور آگے بڑھانے کے لیے اپنی جد و جہد کا آغاز کیا۔ اس مشن کی سربراہی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کر رہے تھے۔

قرآن وحدیث کی تعلیمات کی اشاعت

مسلمانوں میں عقائد کی جو خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں اور دوسری قوموں کے اختلاط کے نتیجہ میں جو بدعقیدگیاں در آئی تھیں ان کی بنیادی وجہ مسلم عوام میں تعلیم کی کمی، دینی معلومات کا فقدان اور اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت تھی۔ علماء نے اندازہ لگا لیا تھا کہ عقیدوں کی ان خرابیوں کا علاج اسلامی تعلیم کا فروغ

اور دینی معلومات کو ہر خاص و عام تک پہنچانا ہے؛ جب دین کی صحیح معلومات عام ہوجائیں گی، ہر علاقہ، ہر شہر اور گاؤں میں دینی تعلیم سے واقف لوگ پیدا ہوجائیں گے تو ساری بدعقیدگیاں ختم ہونی شروع ہو جائیں گی۔ اس لیے اکابر ملت نے دینی مدارس کے قیام کو منصوبہ بند طریقہ سے جاری کرنے کو وقت کی سب سے اہم ضرورت سمجھا۔

قیام دارالعلوم کے بعد سے ہی پورے ملک میں جگہ جگہ بہت سے دینی مدارس کے کھلنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ مدرسوں کا نظام اور طریقہ اس نہج پر رکھا گیا کہ ہر سطح کے لوگ ان مدارس سے استفادہ کرسکیں اور سماج کے ہر طبقہ کے لوگوں کے لیے دینی تعلیم حاصل کرنا آسان بنادیا گیا۔ علمائے حق کے ذریعہ قائم کردہ ان مدارس کا فیض شہروں سے گذر کر دورافتادہ قریوں تک پہنچ گیا اور دینی تعلیم کا نور محلوں کوٹھیوں سے آگے بڑھ کر جھونپڑیوں تک پہنچ گیا۔ مسلم آبادیوں میں دینی علوم کے حاملین پیدا ہونے لگے جنھوں نے علومِ دینیہ کی روشنی میں اپنے معاشرہ اور اپنی زندگی کی آلودگیوں کو دیکھا، اسلام کی عقیدۂ توحید اور اس کے عملی تقاضوں کو سمجھا تو ان میں خود تبدیلی پیدا ہوئی اور رفتہ رفتہ بدعات اور خرافات کی تاریکی دور ہونے لگی۔

تزکیۂ باطن اور اتباع سنت کی تحریک

جن لوگوں نے اپنی سابقہ زندگی کی بدعات وخرافات سے تائب ہوکر اسلام کی صحیح تعلیمات کی روشنی میں نئی زندگی شروع کی اور دین وشریعت کے تقاضوں پر پورے طور پر عمل پیرا ہونا چاہا تو قدرتی طور پر ایسے بزرگوں کی تلاش ہوئی جو اُن کو دین وشریعت کے تقاضوں سے آشنا کریں تاکہ وہ اپنی زندگی سدھارنے کے ساتھ ساتھ اپنے خاندان، اہل محلّہ اور اپنی آبادی کے لوگوں کو بھی صراط مستقیم پر لگائیں۔ امت کی اس دینی ضرورت کی تکمیل کے لیے پہلے ہی سے خانقاہیں موجود تھیں جہاں علوم شریعت سے آراستہ علمائے کرام سلوک واحسان کی دولت عوام میں تقسیم کرنے کے لیے تیار بیٹھے تھے۔ چناں چہ ان خانقاہوں نے صحیح اسلامی عقائد، سنت نبویہ اور تدین وتقوی کی اشاعت میں اہم کردار ادا کیا۔ خانقاہ رشیدیہ گنگوہ، خانقاہ رائے پور، خانقاہ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآباد، خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون، خانقاہ مولانا سید محمد علی مونگیری، خانقاہ حسینیہ ٹانڈہ وغیرہ خانقاہوں اور بزرگوں اور ان کے خلفاء سے مربوط ہوکر لاکھوں کروڑوں انسانوں نے شرک و بدعت اور نافرمانی وگنہ گاری کی زندگی سے توبہ کی، قلوب کا تزکیہ کیا اور سنت نبویہ کی اتباع کے جذبہ سے سرشار ہوئے۔

اس طرح دینی مدارس اور اہل اللہ کی خانقاہوں نے مل کر اصلاح کا ایک پرجوش سلسلہ شروع کیا اور اس کے بہترین نتائج بھی سامنے آتے گئے۔ ہر قابل ذکر آبادی میں دین داروں اور دین وشریعت کے

تقاضوں کو سمجھنے اوران پر عمل کرنے والوں کی تعداد نمایاں ہونے لگی اوران کی زندگیوں سے تمام بدعات و خرافات اور مشرکانہ عقائد رخصت ہونے لگے۔

وہابیت کا الزام

دوسری طرف علمائے دیوبند نے اردو زبان میں جو اس وقت ہندوستان میں عوام الناس کی زبان تھی، اسلامی عقائد و اعمال پر کتابیں تصنیف کیں تاکہ معمولی نوشت وخواند کے لوگ بھی استفادہ کرسکیں۔ انھیں کتابوں میں تقویۃ الایمان اور صراط مستقیم کے علاوہ تحذیر الناس (مصنفہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ)، حفظ الایمان و اصلاح الرسوم (مصنفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)، براہین قاطعہ (مصنفہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ) وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے فتاوی کا ایک بڑا حصہ اسلامی عقائد کی تشریح وتوضیح اور بدعات وخرافات کی تردید پر مشتمل ہے۔ ان کتابوں کی تصنیف کا مقصد یہی تھا کہ مسلمان بدعات وخرافات اور مشرکانہ عقائد سے دور ہوکر دین کی صحیح تعلیم کو سمجھیں اور اپنی طرف سے دین میں ایجادات کرکے اُن کو مذہبی امور کی شکل نہ دے دیں۔

اہل بدعت کی طرف سے ان کتابوں کا جواب ممکن نہیں تھا کیوں کہ وہ شرک کو اسلام اور بدعات و خرافات کو اصل ایمان کہنے کی جرأت نہیں کرسکتے تھے، تو انھوں نے اہل حق کے دلائل کا جواب دینے کے بجائے ان پر وہابیت کا الزام لگانا شروع کیا۔ اس زمانے میں شیخ عبدالوہاب نجدی کی تشدد پسندانہ پالیسیوں کی وجہ سے لفظ وہابی ایک بہت بڑی گالی تھی اور جسے وہابی کہا جاتا تھا اس کو اسلام دشمن، گستاخ رسول اور انتہا پسند خیال کیا جاتا تھا۔ علمائے سوء کو اہل حق کے خلاف کچھ نہیں ملا تو انھوں نے ان کی کتابوں میں تحریف کرکے ان کو کافر اور گستاخ رسول بنانے کی مہم شروع کی۔ انھوں نے علمائے حق کو نشانہ بنایا اوران گنت فتوے اور کتابچے ان مقربان بارگاہ خداوندی کو کافر قرار دینے کے سلسلہ میں لکھے اور شائع کیے۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ رسم ورواج، قبر پرستی وعرس، نذر و نیاز اور فاتحہ ومیلاد کی مخالفت کرنے والوں کی ذات کو نشانہ بنا کر اتنا متہم کردیا جائے کہ عوام میں اشتعال اوران سے نفرت اور دوری پیدا ہوجائے، پھران کی اصلاحی مہم اپنی موت آپ مرجائے گی۔

احمد رضا خان صاحب کی تکفیری مہم

علمائے حق کو بدنام کرنے کی مہم اس وقت شباب پر پہنچی جب مولوی احمد رضا خان بریلوی نے دیانت و

امانت کو بالائے طاق رکھ کر ایک ایمان سوز منصوبہ بنایا اور اتنی رازداری برتی کہ کسی کو اس کی سُن گُن تک نہیں ملی۔ اس منصوبہ کا بنیادی عنصر ہی بڑا دل دوز اور اشتعال انگیز ہے۔ خانۂ کعبہ اور گنبد خضری کے سایہ میں سازش، فریب، غلط بیانی اور اللہ کے بہت سے مقرب بندوں کے ایمان کو قتل کرنے کے دلی جذبے کی تکمیل کے لیے ریشہ دوانیاں کی گئیں۔ چناں چہ علمائے حق کی کتابوں میں تحریف کرکے ان کی عبارتوں میں تغیر وتبدل کرکے اس میں کفر کے احتمالات پیدا کرکے حرمین شریفین کے علماء کو دام فریب میں لاکر ان سے کفر کے فتوے حاصل کیے گئے۔ مولوی احمد رضا خان نے اپنے اس سیاہ کارنامے کو 'حسام الحرمین' کے نام سے شائع کیا۔

بعد میں جب علمائے عرب پر سازش کا انکشاف ہوا، تو انھوں نے علمائے دیوبند کے پاس ایک سوال نامہ بھیج کر عقائد کے متعلق وضاحت طلب کی جس کا جواب حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ نے تحریر فرمایا اور علمائے عرب نے اس پر مکمل اطمینان واعتماد کا اظہار کیا۔ سوال وجواب کا یہ مجموعہ المهند علی المفند کے نام سے شائع ہوا۔ اسی طرح حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے بھی اس کے جواب میں 'الشہاب الثاقب' تالیف فرمایا اور خان صاحب کے کذب وفریب کا پردہ چاک کردیا۔

علمائے حق کو بدنام کرکے اور ان کی تحریروں میں تغیر وتبدل کرکے ان پر کفر کے فتوی لگا کر مولوی احمد رضا خان نے علماء کی اصلاحی مہم کو ناکام بنانا اور بدعات وخرافات کی دیوار کو سہارا دینا چاہا۔ ان کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے کہ انھوں نے بدعات وخرافات اور مشرکانہ عقائد میں مبتلا لوگوں کو ایک رشتہ میں پرو کر ایک فرقہ کی شکل دے دی۔ اس فرقہ کی تشکیل میں سب سے بڑا اور اہم کردار ان کی 'کافرگری' کی مہم نے انجام دیا۔ اس وقت ہندوستان کے تمام مشاہیر علماء واولیاء، مجاہدین آزادی، اسلامی مدارس کے علماء واساتذہ، محدثین وفقہاء، مصلحین وقائدین اور مصنفین واہل قلم کوئی بھی ان کی شمشیر تکفیر سے محفوظ نہیں رہ گیا۔

رضا خانیت کا تعاقب

مولوی احمد رضا خان کی تکفیری مہم اور بدعات وخرافات کی حمایت کی بنیاد پر مسلمانوں میں مستقل طور پر ایسا فرقہ وجود میں آگیا جو بدعات اور مشرکانہ رسوم کو دین کا حصہ سمجھتا اور علمائے حق کو کافر گرداننا اپنا فرض سمجھتا۔ یہ فرقہ بعد میں رضا خانی یا بریلوی کے نام سے جانا گیا۔ یہ فرقہ زبانی عشق رسول کا بہت دعویدار رہے اور اپنے سوا تمام طبقات اسلام کو قابل گردن زدنی اور دنیا کے ہر کافر مشرک سے بدتر سمجھتا ہے؛ لیکن عملاً اس کا حال یہ ہے کہ شریعت کے روشن چہرے کو مسخ کرکے دین میں نت نئے اضافے کرتا رہتا ہے اور من گھڑت افکار کو شریعت قرار دیتا ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے رسوم ورواج کو بدعت قرار

دیا ہے اور اپنے ہر خطبے میں اس کی برائی بیان فرمایا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے لے کر آج تک علمائے حق نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو سب سے زیادہ رد بدعت پر مرکوز رکھا کیوں کہ اسی سے شرک کی راہ نکلتی ہے۔ علمائے دیوبند میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا مرتضی حسن چاند پوریؒ وغیرہ نے شرک وبدعت کے رد میں ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔

رضا خانی طبقہ نے اپنے آباء واجداد کی متوارث گمراہیوں پر اصرار کرتے ہوئے علمائے حق کی شان میں نازیبا الفاظ بلکہ دشنام طرازیوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ بالآخر علمائے حق نے ان کا تعاقب کیا، ان کو مجمع عام میں لاکر ان سے مناظرے کیے، ان کے عقائد کا پوسٹ مارٹم کیا اور ان کے الزامات کے مسکت جوابات دیے۔ علمائے حق، قرآن وحدیث کی روشنی میں بدعات وخرافات کی تردید کرتے جس کے جواب میں اہل بدعت اشتعال انگیز باتیں کرتے اور دشنام طرازی پر اتر آتے۔ ایسے انتہائی خطرناک حالات میں علمائے حق نے احقاق حق اور ابطال باطل کا فرض پوری دیانت داری سے ادا کیا۔ علماء نے پورے ملک میں اہل بدعت کا مقابلہ کیا، ان سے مناظرے کیے اور عوام پر حق واضح کیا۔ ایسے علماء کی فہرست میں چند نام یہ ہیں: حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری، حضرت مولانا مرتضی حسن چاند پوری، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب، حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی، حضرت مولانا ابوالوفاء شاہ جہاں پوریؒ، حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ، حضرت مولانا محمد اسماعیل سنبھلیؒ، حضرت مولانا نور محمد ٹانڈویؒ، حضرت مولانا ارشاد احمد فیض آبادیؒ وغیرہ۔

دوسری طرف علمائے حق نے تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ انھوں نے بدعات کے تمام مسائل پر چھوٹی بڑی بے شمار کتابیں تصنیف کیں اور حق وباطل کو واضح کر کے عوام کے سامنے پیش کر دیا۔ اس میدان میں حضرت مولانا مرتضٰی حسن چاند پوری، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی، حضرت مولانا نور محمد ٹانڈوی، حضرت مولانا سرفراز خاں صفدر وغیرہ نے نمایاں خدمات انجام دیں اور مبتدعین کے تعاقب میں سرگرم عمل رہے۔

دارالعلوم دیوبند کی تاریخ سے واقف حضرات جانتے ہیں کہ اس کے فرزند اسلام کی سنت قائمہ کے حامی اور بدعت سے بہت دور ہیں اور ایسے کسی عمل کو جو شاہ راہ مسلسل سے نہ آئے وہ اسے اسلام کا نام دینے کے لیے تیار نہیں کیوں کہ ان کا موقف اسلام کی سنت قائمہ سے مکمل وفاداری ہے۔ ان کے نزدیک اہل سنت والجماعت وہ لوگ ہیں جو اسلام کی سنت قائمہ سے وابستہ اور جماعت صحابہ کے نقش پا سے دین کی راہیں تلاش کرنے والے ہوں اور بدعات کو فروغ دینے والے نہ ہوں۔ ان حضرات کا یقین ہے کہ بدعت

کا دروازہ کھلا رکھنے سے تفریق بین المسلمین لازمی ہوگی کیوں کہ بدعات ہر گروہ کی اپنی اپنی ہوں گی یہ فقط سنت ہے جو تمام مسلمانوں کو ایک لڑی میں پروسکتی ہے اور ملت واحدہ بنا کر رکھ سکتی ہے؛ اس لیے بدعات کے رد میں علمائے دیوبند کا یہ اہتمام کوئی منفی داعیہ نہیں بلکہ شاہراہ اسلام سے مخلصانہ عقیدت ہے۔

علمائے دیوبند کی انھیں مبارک کوششوں سے الحمدللہ آج ہندوستان میں دین اسلام اپنی پوری صحیح شکل میں نہ صرف موجود ہے بلکہ مدارس اسلامیہ، جماعت تبلیغ اور دینی اداروں کی برکت سے آج ہندوستان عالم اسلام کے اندر مستند دینی تعلیمات اور صحیح اسلامی روایات کے تحفظ واشاعت میں سب سے ممتاز نظر آتا ہے۔

رد بدعت میں علمائے دیوبند کی علمی خدمات

(۱) تحذیر الناس، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی

(۲) الجہد المقل فی تنزیہ المعز والمقل، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ

(۳) براہین قاطعہ، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ

(۴) المہند علی المفند یعنی عقائد علمائے دیوبند، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ

(۵) النفائس المرغوبۃ، حضرت مفتی کفایت اللہ شاہ جہانپوری

(۶) الشہاب الثاقب، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ

(۷) حفظ الایمان، حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۸) تنزیہ القرآن، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۹) بسط البنان، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۱۰) مفید المومنین فی رد المبتدعین، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۱۱) طریقۂ مولود شریف، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۱۲) اغلاط العوام، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۱۳) الجنۃ لاہل السنۃ، حضرت مولانا عبدالغنی پٹیالوی

(۱۴) سبیل السداد فی مسئلۃ الامداد، مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ

(۱۵) السحاب المدرار، مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ

(۱۶) توضیح البیان فی حفظ الایمان، مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ

(۱۷) مجموعہ رسائل (دو درجن رسائل کا مجموعہ) مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ

(۱۸) علم غیب، حضرت قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ
(۱۹) کلمۃ الایمان، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ
(۲۰) سنت وبدعت، مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ
(۲۱) تبرید النواظر فی تحقیق الحاظر والناظر یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک، حضرت مولانا سرفراز خاں صفدرؒ
(۲۲) راہِ سنت، مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر
(۲۳) ازالۃ الریب عن عقیدۃ علم الغیب، مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر
(۲۴) نور وبشر، مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر
(۲۵) دل کا سرور، مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر
(۲۶) تنقید متین بر تفسیر نعیم الدین، مولانا سرفراز خاں صفدر
(۲۷) مختارِ کل، مولانا سرفراز خاں صفدر
(۲۸) الشہاب المبین سماعِ موتی، مولانا سرفراز خاں صفدر
(۲۹) چراغ کی روشنی، مولانا سرفراز خاں صفدر
(۳۰) گلدستۂ توحید، مولانا سرفراز خاں صفدر
(۳۱) تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور، مولانا سرفراز خاں صفدر
(۳۲) عبارات اکابر، مولانا سرفراز خاں صفدر
(۳۳) اظہار الغیب فی اثبات علم الغیب، مولانا سرفراز خاں صفدر
(۳۴) ملا علی قاری اور مسئلۂ علم غیب، مولانا سرفراز خاں صفدر
(۳۵) تفریح الخواطر فی ردتنویر الخوطر، مولانا سرفراز خاں صفدر
(۳۶) بوارق الغیب، مولانا منظور احمد نعمانیؒ
(۳۷) مطالعۂ بریلویت، علامہ خالد محمود صاحب
(۳۸) فتح بریلی کا دل کش نظارہ، مولانا منظور احمد نعمانیؒ
(۳۹) صاقعۂ آسمانی بر فرقۂ رضا خانی، مولانا منظور احمد نعمانیؒ
(۴۰) سیف یمانی بر فرقۂ رضا خانی، مولانا منظور احمد نعمانیؒ
(۴۱) تاریخ میلاد، مولانا منظور احمد نعمانیؒ
(۴۲) امعان النظر فی اذان القبر، مولانا منظور احمد نعمانی

(۴۳) حضرت شاہ اسمٰعیل شہید اور معاندین اہل بدعت کے الزامات، مولانا منظور احمد نعمانیؒ
(۴۴) فیصلہ کن مناظرہ، مولانا منظور احمد نعمانی
(۴۵) شارع حقیقی، مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمی
(۴۶) اعلی حضرت بریلوی کا تعارف نامہ، مولانا نور محمد ٹانڈوی
(۴۷) اعلی حضرت بریلوی کا حقہ، مولانا نور محمد ٹانڈوی
(۴۸) تکفیری افسانے، مولانا نور محمد ٹانڈوی
(۴۹) بدعات وممنوعات، مولانا نور محمد ٹانڈوی
(۵۰) مولوی حشمت علی رضا خانی کا تکفیری فتوی، مولانا نور محمد ٹانڈوی
(۵۱) صاعقۃ الرحمٰن علی حزب الشیطان، مولانا نور محمد ٹانڈوی
(۵۲) ابن الوقت کی خانہ تلاشی، مولانا اسماعیل مرادآبادی
(۵۳) براءۃ الابرار عن مکائد الاشرار، مولانا عبدالرؤف جگن پوری
(۵۴) شمشیر حقانی برگردن رضا خانی، مولانا عبدالرؤف جگن پوری
(۵۵) اصلاح فاتحہ، مولانا عبدالرؤف جگن پوری
(۵۶) تعزیر سلطانی برمفتری کذاب رضا خانی، مولانا عبدالرؤف جگن پوری
(۵۷) حق پر کون ہے؟ مولانا امام علی دانش صاحب
(۵۸) زلزلہ درزلزلہ، مولانا امام علی دانش صاحب
(۵۹) بدعت اور شرک، مفتی کفیل الرحمٰن نشاط دیوبندیؒ
(۶۰) زلزلہ درزلزلہ، مولانا نجم الدین احیائی
(۶۱) بریلوی فتنے کا نیا روپ، مولانا محمد عارف سنبھلیؒ
(۶۲) بریلوی تراجم قرآن کا علمی تجزیہ، مولانا اخلاق حسین قاسمیؒ
(۶۳) بریلویت کا تنقیدی جائزہ، مولانا جمیل احمد نذیری
(۶۴) بریلویت کا شیش محل، مولانا محمد طاہر حسین گیاوی
(۶۵) رضا خانیت کے علامتی مسائل، مولانا محمد طاہر حسین گیاوی
(۶۶) انگشت بوسی سے بائبل بوسی تک، مولانا محمد طاہر حسین گیاوی
(۶۷) بریلی مذہب پر ایک نظر، مولانا عبداللہ قاسمی غازی پوری

(۶۸) دیوبند سے بریلی تک، مولانا عبدالقدوس رومی

(۶۹) دیوبند سے بریلی تک، مولانا ابوالاوصاف جون پوری

(۷۰) قاطع الورید، مولانا محمد اسحاق بلیاوی

(۷۱) رضاخانی مذہب، مولانا ریاض احمد قاسمی

(۷۲) ہمارا دین حق، مولانا ریحان الدین قاسمی

(۷۳) خیر الکلام فی مسئلۃ القیام، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

(۷۴) محاضرۂ رضاخانیت، مولانا مفتی محمد امین پالن پوری

وغیرہ

دارالعلوم دیوبند اور فتنۂ عدمِ تقلید کا تعاقب

برصغیر ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ اسلامی علوم وفنون اور تہذیب وروایت کی آمد کا آغاز ہو گیا تھا۔ ہندوستان کے تقریباً تمام ہی حکمراں علم دوست اور مذہبی واقع ہوئے تھے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ہندوستان کی تقریباً تمام اہم مسلم حکومتوں نے مذہبِ حنفی کا اتباع کیا اور فقہ حنفی ہی تمام قوانین وضوابط کی بنیاد بنا رہا۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی غالب اکثریت مذہب حنفی کی پابند تھی۔ پوری مسلم تاریخ میں تقلید سے انحراف، اسلامی روایات سے بغاوت اور سلفِ صالحین سے نفرت وکدورت کا کوئی قابلِ ذکر ثبوت نہیں ملتا؛ لیکن آخری زمانے میں جب سلطنتِ مغلیہ روبہ زوال تھی اور ہندوستان میں انگریزوں کے ناپاک قدم پڑ چکے تھے، اس وقت نت نئی جماعتوں نے جنم لینا شروع کیا۔ عدمِ تقلید کا فتنہ بھی اسی تاریک زمانے کی پیداوار ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے جانشینوں کی کوششوں سے ہندوستان میں ہمہ جہت اصلاحی تحریک شروع ہوئی۔ حضرت سید احمد شہید رائے بریلویؒ اور حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کی تحریک کا ایک محاذ جس طرح جہاد اور سیاسی اصلاح کا تھا، اسی طرح مسلم معاشرہ میں بدعات اور کفریہ وشرکیہ عقائد کے خلاف بھی محاذ کھولا گیا تھا۔ ان تحریک کے بانیوں کی جہاد بالاکوٹ میں ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱ء میں شہادت کے بعد بعض مفسد مزاجوں کے ذہن میں ائمۂ دین متین کی تقلید کا انکار اور فقہ وفقہاء بالخصوص حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی طرف سے عناد کا خیال پیدا ہوا۔ اس جماعت کے سرغنہ مولوی عبدالحق بنارسی تھے، جنھوں نے حضرت سید احمد شہیدؒ کی خلافت کے مدعی بن کر لوگوں کو لامذہبیت کی طرف بلایا۔ وہ سفرِ حج میں سید صاحب کے ہم قافلہ تھے؛ لیکن ائمۂ کرام پر بدزبانی اور دیگر فاسد نظریات کی وجہ سے سید صاحب نے ان کو اپنے قافلہ سے نکال دیا تھا۔ مولوی عبدالحق بنارسی نے ہزارہا لوگوں کو عمل بالحدیث کے پردے میں قیدِ مذہب سے ہی بیگانہ کردیا۔ عمل بالحدیث کے نام سے صحابہ وسلف سے بےزاری اور ائمۂ فقہ کی توہین کی یہ تحریک بظاہر مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے کی گھناؤنی سازش تھی۔ مولوی عبدالحق بنارسی کے انجام سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ انھوں نے خود اعتراف کیا کہ میں نے عمل بالحدیث کے پردے میں وہ کام کیا کہ عبداللہ بن سبا سے نہ بنا تھا۔ (۱)

بدقسمتی سے اس تحریک میں مولانا نذیر حسین دہلوی، نواب صدیق حسن خان قنوجی اور مولانا محمد حسین بٹالوی جیسے لوگ شامل ہوگئے۔ ان حضرات نے تقلید سے بیزاری اور نام نہاد عمل بالحدیث کو خوب فروغ دیا۔ یہ تمام غیر مقلد علماء انگریزوں کے بے حد خیر خواہ، برطانوی حکومت کے قصیدہ خواں اور پکے وفادار تھے۔ انھوں نے انگریزی حکومت کے خلاف جہاد کے فتوے پر دستخط سے انکار کیا اور جہاد کی تنسیخ پر رسائل بھی لکھے۔ ان کی خدمات کے صلہ میں برطانوی حکومت کی طرف سے ان کو انعامات اور نوازشیں ملیں؛ حتی کہ انگریزی سرکار نے ہی اس جماعت کو جو پہلے خود کو ''محمدی'' کہتی تھی ''اہلِ حدیث'' کا نیا اور پُر فریب نام الاٹ کیا۔ آج بھی یہ جماعت خود کو فخریہ اسی نام یاد کرتی ہے۔ (۲)

علمائے دیوبند کا ردِ عمل

انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد، دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔ دارالعلوم دیوبند کے اکابر و علماء جماعتِ ولی اللّٰہی کے وارث ہونے کی حیثیت سے اسلامی علوم و روایات کے امین تھے اور ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت کے مخالف تھے۔ دارالعلوم کے قیام کے ساتھ ہی جن داخلی فتنوں سے علمائے دیوبند کو سابقہ پڑا، ان میں ایک اہم فتنہ عدمِ تقلید کا بھی تھا۔ حضرت شاہ اسحاق محدث دہلویؒ کے مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد دہلی میں میاں نذیر حسین دہلوی نے جو اکثر مسائل میں امام شافعیؒ کی مسائل پر عمل کرتے تھے؛ مگر کسی امام کی تقلید کے قائل نہ تھے، حنفیوں کے خلاف ایک محاذ کھول دیا اور احناف کو دعوتِ مبارزت دینے لگے۔ انھوں نے ایسے تلامذہ تیار کیے جو پورے مک میں ان کے خیالات و رجحانات کی تبلیغ کرتے۔ جن جن علاقوں میں ان کے تلامذہ تھے ان علاقوں میں ان کے مسلک کی اشاعت ہوئی اور ملک کے بقیہ حصوں میں وہ زیادہ کامیاب نہیں ہوسکے۔

چوں کہ میاں نذیر حسین صاحب کا مرکز نشر و اشاعت دہلی تھا؛ اس لیے قریبی مقامات تک ان کی تبلیغی سرگرمیوں کی اطلاع پہنچتی رہتی تھی۔ یہ غیر مقلدین کسی امام کی تقلید کو ضلالت و گمراہی سے تعبیر کرتے اور دینی و شرعی مسائل پر گفتگو اور بحثوں میں انتہائی جارحانہ رویہ اختیار کرتے۔ چناں چہ اکابر علمائے دیوبند نے اس فتنہ کا بھرپور تعاقب کیا اور عوام الناس کے دلوں میں دین و شریعت، صحابہ و سلف اور اسلامی علوم و روایات کی عظمت و عقیدت کو کم نہیں ہونے دیا۔

درسِ حدیث کا نیا طریقہ

اکابرین دیوبند نے ایک طرف حدیث کے طریقۂ تدریس میں نمایاں تبدیلی پیدا کی؛ تاکہ علماء کا ایک

ایسا طبقہ پیدا ہو سکے جس کو قرآن وحدیث اور فقہِ اسلامی پر مکمل بصیرت اور اعتماد حاصل ہو۔ تیرھویں صدی ہجری کے وسط تک درسِ حدیث میں صرف حدیث کا ترجمہ اور مذاہبِ اربعہ کا بیان کردینا کافی سمجھا جاتا تھا؛ مگر جب اہلِ حدیث کی جانب سے احناف پر شدومد کے ساتھ یہ الزام لگایا گیا کہ ان کا مذہب حدیث کے مطابق نہیں ہے تو حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ اور ان کے بعض تلامذہ نے مذہبِ حنفی کے اثبات وترجیح پر توجہ فرمائی۔ علمائے دیوبند میں حضرت نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت شیخ الہندؒ اور دوسرے حضرات نے اس سلسلہ کو یہاں تک فروغ دیا کہ آج حدیث کی کوئی معروف درس گاہ اس طرزِ تدریس سے خالی نظر نہیں آتی۔ درسِ حدیث میں حنفیہ کے اثبات وترجیح کا یہ طریقہ اور تنقیحات وتشریحات کا وہ انداز جو آج دارالعلوم دیوبند کا طرۂ امتیاز ہے اور کم وبیش مدارسِ عربیہ کے درسِ حدیث میں مروج ومتداول ہے، اسے غیر مقلدیت کے اسی فتنہ کے ردِعمل میں فروغ دیا گیا۔

دوسری طرف اکابر وعلمائے دیوبند نے کتبِ احادیث کی شروح کا سلسلہ شروع کیا جس میں فقہی احادیث پر ان حضرات نے تفصیلی کلام کیا اور احناف کی مستدل روایات کو واضح کیا اور بظاہر ان کے خلاف نظر آنے والی روایات کا مدلل جواب پیش کیا۔ ان حضرات کی یہ علمی کاوشیں اللامع الدراری شرح بخاری، فیض الباری شرح بخاری، فتح الملہم شرح صحیح مسلم، الکوکب الدری شرح جامع ترمذی، بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد، معارف السنن شرح جامع ترمذی، اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک، امانی الاحبار شرح معانی الآثار للطحاوی وغیرہ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ کتبِ احادیث کی شرح وتحقیق کا یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے اور اس میں بیش بہا اضافے بھی کیے گئے ہیں۔ اس ضمن میں سب سے اہم علمی خدمت 'اعلاء السنن' کے ذریعہ انجام دی گئی، جس کی تکمیل حضرت تھانویؒ کی زیرِ نگرانی خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے ہاتھوں انجام پائی۔ اس ضخیم مجموعہ میں فقہِ حنفی کے تمام مسائل کے مستدلات یعنی احادیث و آثار کو یکجا کرنے کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا گیا ہے۔

مختلف فیہ مسائل پر تحریریں

ملک بھر میں اگرچہ غیر مقلدین آٹے میں نمک کے برابر تھے؛ لیکن ان کی جارحیت، ائمۂ فقہ کی شان میں گستاخی اور چھوٹے چھوٹے مسائل پر تعصب کی وجہ سے بہت سے مقامات پر عوام الناس میں تشویش پیدا ہونے لگی تھی جس کی اطلاعات خطوط وغیرہ کے ذریعہ اکابر دیوبند کو ہوتی تھی۔ ان حضرات نے ملتِ اسلامیہ کو درپیش دیگر مسائل سے نمٹنے کے ساتھ ساتھ ان مسائل کی طرف بھی توجہ دینا ضروری سمجھا؛ چناں چہ حضرت

نانوتویؒ نے قرأت خلف الامام، آمین بالجہر، رفع یدین، تراویح وغیرہ مسائل پر قلم اٹھایا۔ حضرت نانوتویؒ اس وقت عیسائیت، آریہ سماج، سناتن دھرم جیسی اسلام دشمن طاقتوں سے نبرد آزما تھے اوران کی زیادہ تر توجہ ان خارجی طاقتوں کی طرف تھی جو اسلام کے قلعہ پر حملہ آور تھیں۔ اسی طرح حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے بھی اسلام پر حملہ آور تمام داخلی فتنوں کے خلاف محاذ کھول دیا تھا؛ چناں چہ حضرت گنگوہیؒ نے بھی تقلید، تراویح، قرأۃ فاتحہ خلف الامام، رفع یدین، آمین بالجہر، جمعہ فی القریٰ وغیرہ مسائل پر تحقیقی رسائل رقم فرمائے۔

غیر مقلدین، عوام میں شورش پیدا کرنے اور مسلمانوں کے درمیان افتراق وانتشار پیدا کرنے کے لیے نت نئے حربے اختیار کرتے۔ انھوں نے اپنے چند مخصوص مسائل کے سلسلہ میں عوامی سطح پر بہت عامیانہ لب ولہجہ میں احناف کے خلاف بدگمانیاں پیدا کرنے کے لیے اپنے اعتراضات اشتہارات کی شکل میں شائع کرنا شروع کیا جس سے ان کا مقصد عوام میں اشتعال پیدا کرنا اور خود کو مشہور کرنا تھا۔ علمائے حق کو مجبور ہو کر ان کی حرکتوں کا مناسب جواب دینا پڑا۔ مولوی محمد حسین امرتسری کے اسی طرح کے ایک اشتہار کے جواب میں حضرت شیخ الہندؒ نے 'ادلۂ کاملہ' تحریر فرمائی اور غیر مقلدین کے دس سوالات کا جواب لکھا۔ مولوی امرتسری کی طرف سے اس کتاب کا کوئی جواب نہیں آیا؛ بلکہ ان کے ایک ہم خیال مولوی احمد حسن امروہوی نے اس کا جواب لکھنے کی کوشش کی اور مولوی محمد حسین امرتسری نے اس کو ہی کافی سمجھا۔ پھر حضرت شیخ الہندؒ نے اس کے جواب میں 'ایضاح الادلہ' تحریر فرمائی جو بڑے سائز کے چار سو صفحات پر شائع ہوئی۔ یہ کتاب حضرت شیخ الہندؒ کا ایک علمی شاہ کار ہے اور مسائل مختلف فیہ میں قولِ فیصل کا درجہ رکھتی ہے۔

حضرات علمائے دیوبند نے دینِ اسلام کی نشر واشاعت کے ساتھ شریعتِ اسلامیہ کی حدود وثغور کی حفاظت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ عمل بالحدیث کے نام سے اباحیت، ذہنی آزادی اور ہویٰ پرستی کے اس فتنہ کے سلسلہ میں انھوں نے حسبِ موقع وضرورت زبان وقلم کا استعمال کیا۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مقلدین کے ذریعہ اٹھائے گئے مسائل پر ان حضرات نے تحقیقی مواد یکجا کر دیا۔ اس میدان میں خصوصیت سے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مولانا ناظر حسین دیوبندیؒ، مولانا خیر محمد جالندھریؒ، مولانا منصور علی مرادآبادی وغیرہ حضرات نے تحقیق کا حق ادا کر دیا۔

غیر مقلدیت سلفیت کے پردے میں

ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف عوامی ردِ عمل اور تحریکِ آزادی میں شدت کی وجہ سے یہ فتنہ کچھ کمزور سا پڑ گیا اور خصوصاً ملک کے آزاد ہونے کے بعد یہ انگریزوں کی سرپرستی سے محروم ہو گیا؛ جس کی وجہ

سے ایک عرصہ تک یہ فتنہ کچھ زیادہ طاقت ور نہ رہا؛ لیکن عالمِ عرب خصوصاً سعودی عرب میں تیل کی دولت کے ظہور کے بعد اس فتنے نے دوبارہ نہایت شد و مد کے ساتھ بال و پر نکالنے شروع کیے۔ عرب کی سلفی و وہابی تحریک سے ہم آہنگ ہوکر اس فرقہ کے لوگوں نے عربوں میں سلفیت کے پس پردہ اثر ورسوخ قائم کرنا شروع کیا اور وہاں سے مالی امداد پاکر ہندوستان میں دوبارہ افتراق بین الامت کے مشن پر لگ گئے۔ اس فرقہ نے بالکل خارجیوں جیسا طریقۂ کار اپنا کر نصوص فہمی کے سلسلہ میں سلفِ صالحین کے مسلمہ علمی منہاج کو پس پشت ڈال کر اپنے علم وفہم کو حق کا معیار قرار دے کر اجتہادی مختلف فیہ مسائل کو حق و باطل اور ہدایت و ضلالت کے درجہ میں پہنچا دیا، اور فرد وطبقہ جو اُن کی اس غلط فکر سے ہم آہنگ نہیں تھا، اس کو وہ ہدایت سے عاری، مبتدع، ضال ومضل، فرقۂ ناجیہ بلکہ دین اسلام سے ہی خارج قرار دے دیا۔ اس فرقہ نے بالخصوص علمائے دیوبند کے خلاف ہمہ گیر مہم چھیڑ دی اور انھیں نہ صرف دائرۂ اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج قرار دیا؛ بلکہ دائرۂ اسلام سے ہی خارج کر دینے کی ناپاک ونامراد کوشش میں لگ گئے۔

غیر مقلدین کی اس تکلیف دہ اور دل آزار مہم کے خلاف علمائے دیوبند نے پھر اس موضوع پر قلم اٹھایا اور جن مسائل کو غیر مقلدین نے حق و باطل کا معیار بنا دیا تھا، ان کو واضح کیا کہ ان میں اختلاف کی کیا نوعیت ہے اور ان اختلافات میں کہاں تک جانا ''اختلاف امتی رحمۃ'' کا مصداق ہے اور کہاں تک جانا ''بغیاً بینھم'' کا مصداق ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ، حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ، حضرت مولانا ابوبکر غازی پوریؒ وغیرہم نے نہایت قابلِ قدر خدمات انجام دیں اور علمی طور پر اس فتنہ کا سدِ باب کیا۔

غیر مقلدوں کی اشتعال انگیزیوں اور حکومت سعودی عرب کی طرف سے ان کی سرپرستی کے ردعمل میں حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کی سربراہی میں جمعیۃ علمائے ہند نے ۲،۳ مئی ۲۰۰۱ء میں دہلی میں تحفظِ سنت کانفرنس کا سلسلہ شروع کیا؛ تاکہ علمی طور پر اس فتنہ کا جواب دینے کے ساتھ ساتھ سعودی عرب کی حکومت کو بھی اس فتنہ کی سرپرستی پر خبر دار کیا جائے۔ اسی طرح دارالعلوم دیوبند نے بھی ۱۳ فروری ۲۰۱۳ء کو مدارسِ اسلامیہ اور علماء کا نمائندہ اجلاس بلایا اور ملک و بیرون ملک میں اس فتنہ کے تعاقب کا عہد کیا۔ علمائے دیوبند نے پورے ملک کے طول وعرض میں تحفظِ سنت کے اجلاسوں اور کانفرنسوں کے ذریعہ شریعتِ اسلامیہ پر مسلم عوام کے اعتماد کو بحال کیا اور غیر مقلدین کے خارجیت زدہ ناپاک مشن پر قدغن لگانے کی بھرپور کوشش کی۔

فقہ اور فقہاء کے سلسلہ میں علمائے دیوبند کا موقف

علمائے دیوبند احکامِ شرعیہ فرعیہ اجتہادیہ میں فقہ حنفی کے مطابق عمل کرتے ہیں؛ بلکہ برصغیر میں آباد کم

وبیش پچاس کروڑ مسلمانوں میں نوے فیصد سے زائد اہل السنۃ والجماعۃ کا یہی مسلک ہے؛ لیکن اپنے اس مذہب ومسلک کو آڑ بنا کر دوسرے فقہی مذاہب کو باطل ٹھہرانے یا ائمۂ مذاہب پر زبانِ طعن دراز کرنے کو جائز نہیں سمجھتے؛ کیوں کہ یہ حق و باطل کا مقابلہ نہیں ہے؛ بلکہ صواب وخطا کا تقابل ہے۔ مسائلِ فرعیہ اجتہادیہ میں ائمۂ اجتہاد کی تحقیقات میں اختلاف کا ہو جانا ایک ناگزیر حقیقت ہے اور شریعت کی نظر میں یہ اختلاف صحیح معنوں میں اختلاف ہے ہی نہیں۔

رہا جماعتِ مجتہدین میں سے کسی ایک کی پیروی وتقلید کو خاص کر لینا تو دین کے بارے میں آزادیٔ نفس سے بچنے اور خودرائی سے دور رہنے کے لیے امت کے سوادِ اعظم کا طریقِ مختار یہی ہے، جس کی افادیت و ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بابِ تقلید میں علمائے دیوبند کا یہی طرزِ عمل ہے۔ وہ کسی بھی امام، مجتہد یا اس کی فقہ کی کسی جزئی کے بارے میں تمسخر، سوئے ادب یا رنگِ ابطال وتردید سے پیش آنے کو خسرانِ دنیا و آخرت سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک یہ اجتہادات شرائع فرعیہ ہیں اصلیہ نہیں کہ اپنے فقہ کو موضوع بنا کر دوسروں کی تردید یا تفسیق وتضلیل کریں؛ البتہ اپنے اختیار کردہ فقہ پر ترجیح کی حد تک مطمئن رہیں۔ (۳)

ردِ غیر مقلدیت میں علمائے دیوبند کی علمی خدمات

(۱) توثیق الکلام فی الانصات خلف الامام، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

(۲) الحق الصریح، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

(۳) لطائفِ قاسمی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

(۴) سبیل الرشاد، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

(۵) ہدایۃ المعتدی فی قرأۃ المقتدی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

(۶) الرأی النجیح، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

(۷) ادلۂ کاملہ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ

(۸) ایضاح الادلہ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ

(۹) الاقتصاد فی الضاد، حضرت مولانا رحیم اللہ بجنوریؒ

(۱۰) الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۱۱) استجاب الدعوات عقیب الصلوات، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۱۲) القول البدیع فی اشتراط المصر للتجمیع، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۱۳) فصل الخطاب فی مسئلۃ ام الکتاب، حضرت مولانا علامہ انورشاہ کشمیریؒ
(۱۴) خاتمۃ الکتاب فی مسئلۃ فاتحۃ الکتاب، حضرت علامہ انورشاہ کشمیریؒ
(۱۵) نیل الفرقدین فی مسئلۃ رفع الیدین، حضرت مولانا علامہ انورشاہ کشمیریؒ
(۱۶) بسط الیدین لنیل الفرقدین، حضرت علامہ انورشاہ کشمیریؒ
(۱۷) کشف الستر عن صلاۃ الوتر، حضرت مولانا علامہ انورشاہ کشمیریؒ
(۱۸) ہدایۃ المقتدین، حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ
(۱۹) الفرقان فی قرأۃ ام القرآن، حضرت مولانا ناظر دیوبندیؒ
(۲۰) الجواب الکامل فی ازہاق الباطل، حضرت مولانا ناظر دیوبندیؒ
(۲۱) خیر التنقید فی مسئلۃ التقلید، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ
(۲۲) خیر المصابیح فی عدد التراویح، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ
(۲۲) الفتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین، حضرت مولانا منصور علی مرادآبادیؒ
(۲۳) نور العینین فی تحقیق رفع الیدین، حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ
(۲۴) قرآن وحدیث کے خلاف غیر مقلدین کے ۵۰ مسائل، حضرت مفتی مہدی حسن شاہجہان پوریؒ
(۲۵) کشف الغمۃ بسراج الامۃ، حضرت مفتی مہدی حسن شاہجہان پوریؒ
(۲۶) امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ
(۲۷) الازہار المربوعۃ فی رد الآثار المتبوعۃ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ
(۲۸) رکعات تراویح، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ
(۲۹) الاعلام المرفوعۃ فی حکم الطلاقات المجموعۃ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ
(۳۰) تحقیق اہلِ حدیث، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ
(۳۱) الالبانی: شذوذہ واخطاؤہ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ
(۳۲) حجیتِ حدیث، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ
(۳۳) اجتہاد وتقلید کی بے مثال تحقیق، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ
(۳۴) حفظ الرحمٰن لمذہب النعمان، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ
(۳۵) امام ابوحنیفہ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن بجنوریؒ
(۳۶) تقلید ائمہ، حضرت مولانا محمد اسماعیل سنبھلی

(۳۷) قرأت خلف الامام، حضرت مولانا سید فخر الدین مرادآبادیؒ
(۳۸) رفع یدین، حضرت مولانا سید فخر الدین مرادآبادیؒ
(۳۹) آمین بالجہر، حضرت مولانا سید فخر الدین مرادآبادیؒ
(۴۰) الکلام المفید فی اثبات التقلید، حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ
(۴۱) تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور، حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ
(۴۲) احسن الکلام مسئلہ فاتحہ خلف الامام، حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ
(۴۳) طائفۂ منصورہ، حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ
(۴۴) عمدۃ الاثاث (طلاق ثلاث)، حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ
(۴۵) مقامِ ابی حنیفہؒ، حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ
(۴۶) ینابیع (تراویح)، حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ
(۴۷) وقفۃ مع اللا مذھبیۃ، حضرت مولانا ابوبکر غازی پوریؒ
(۴۸) غیر مقلدین کی ڈائری، حضرت مولانا ابوبکر غازی پوری
(۴۹) ارمغانِ حق، حضرت مولانا ابوبکر غازی پوری
(۵۰) صحابۂ کرام کے بارے میں غیر مقلدین کا موقف، حضرت مولانا ابوبکر غازی پوری
(۵۱) عورتوں کا طریقۂ نماز، حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی
(۵۲) فقہ حنفی اقرب الی النصوص ہے، مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری
(۵۳) حضرت امام ابوحنیفہؒ پر ارجاء کی تہمت، حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی
(۵۴) علم حدیث میں امام ابوحنیفہؒ کا مقام ومرتبہ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی اعظمی
(۵۵) مسائل نماز، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی اعظمی
(۵۶) امام کے پیچھے مقتدی کی قرأت کا حکم، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی اعظمی
(۵۷) تحقیق مسئلۂ رفعِ یدین، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی اعظمی
(۵۸) خواتینِ اسلام کی بہترین مسجد، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی اعظمی
(۵۹) طلاق ثلاث، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی اعظمی
(۶۰) صحابۂ کرام کا مقام اور غیر مقلدین کا موقف، حضرت مولانا عبد الخالق سنبھلی
(۶۱) اجماع وقیاس کی حجیت، مولانا مفتی محمد راشد اعظمی

(۶۲) محاضرات ردغیرمقلدیت، مولانا مفتی محمد راشد اعظمی

(۶۳) مسائل وعقائد میں غیرمقلدین اور شیعہ مذہب کا توافق، مولانا محمد جمال میرٹھی

(۶۴) توسل واستغاثہ بغیراللہ اور غیرمقلدین، مولانا مفتی محمود حسن بلند شہری

(۶۵) غیرمقلدین کے ۵۶ اعتراضات کے جوابات، مولانا مفتی شبیر احمد قاسمی

(۶۶) ایضاح المسالک، مولانا مفتی شبیر احمد قاسمی

(۶۷) مجموعۂ رسائل ومقالات (شائع شدہ برموقع اجلاس تحفظ سنت، جمعیۃ علمائے ہند)

(۶۸) مجموعۂ رسائل، حضرت مولانا مفتی مہدی حسن شاہ جہان پوری

(۶۹) رسائل غیرمقلدیت، جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

(۷۰) فضائل اعمال پر اعتراض: ایک اصولی جائزہ، مولانا مفتی عبداللہ معروفی

(۷۱) تقلید کی شرعی حیثیت، حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی

(۷۲) غیرمقلدیت: اسباب وتدارک، مولانا مفتی عبداللہ معروفی

(۷۳) تذکرۃ النعمان، مولانا عبداللہ بستوی مدنی

وغیرہ

حواشی:

(۱) کشف الحجاب ص ۲۱، از قاری عبدالرحمٰن پانی پتی

(۲) الحیاۃ بعد الممات، مولوی تلطف حسین؛ الاقتصاد فی مسائل الجہاد، مولوی محمد حسین بٹالوی (دیکھئے: محاضرہ ردغیرمقلدیت، جزء اول، مولانا مفتی محمد راشد اعظمی، دارالعلوم دیوبند)

(۳) تفصیل کے لئے دیکھئے: علمائے دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج، حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ، سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند

غیر اسلامی افکار وتحریکات کے خلاف دارالعلوم دیوبند کی خدمات

اٹھارہویں صدی میں یورپ سے اٹھنے والے اقتصادی اور سائنسی انقلاب میں جہاں سماجی وسیاسی اور تجارتی واقتصادی سطح پر بہت ساری مثبت تبدیلیاں وجود میں آئیں، وہیں مذہبی دنیا میں اس نے کہرام بپا کر دیا۔ یورپ کا سائنسی انقلاب دراصل مذہب یعنی عیسائیت سے بغاوت ہی کے بعد وجود میں آیا تھا کیوں کہ عیسائیت علم وسائنس کی ترقیات کے راستے میں رکاوٹ تھی۔ یورپ کے مذہب بیزار انقلابیوں نے بالآخر مذہب کو فعال اور معاشرتی زندگی سے نکال کر اسے چرچوں اور انفرادی زندگیوں تک محدود کر دیا۔ مذہب کو ناکارہ، فرسودہ اور از کار رفتہ سمجھ کر زندگی کے ہر گوشے کو سیکولزم (لامذہبیت یا مذہب بیزاری) اور تعقل کے پہلو سے دیکھنے اور پرکھنے کا سلسلہ شروع ہوا۔

فتنۂ اعتزال جدید

یہی سائنسی انقلاب جب سامراجی طاقتوں کے ذریعہ ان کی نوآبادیات میں آیا جہاں اسلام کے نام لیوا موجود تھے تو اُن میں بھی نفسیاتی طور پر شکست خوردہ اور احساس کمتری میں مبتلا طبقہ نے یورپ کے اسی مزاج کو بعینہٖ قبول کرلیا جب کہ اسلام اور اس کی تعلیمات عقل سلیم کے عین مطابق اور بشری ضروریات کو حاوی تھیں اور ترقی پذیر زمانے کے ساتھ شانہ بشانہ چل سکتی تھیں۔ سائنس اور عقل کی حیرت انگیز ایجادات و ترقیات کی روشنی سے ان کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں اور انھوں نے اسی روشنی میں اسلامی تعلیمات کو بھی پرکھنا شروع کر دیا۔ بے لگام تعقل پسندی اور جدت پسندی میں انھوں نے فرقۂ معتزلہ کی طرح عقل کو ہی معیار کامل قرار دے کر قرآن و حدیث کی نصوص تک کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ وحی الٰہی، معجزات، مابعد الطبیعیاتی امور جیسے جنت وجہنم، ملائکہ اور مافوق الفطرت واقعات کے انکار یا اس میں تاویل وتوجیہ اور تحریف کی کوششوں میں لگ گئے، جب کہ تغیر پذیر سائنس نے کچھ ہی عرصہ میں اسلامی افکار وتعلیمات کی

تائید کردی اوران عقلیت پسندوں کی رکیک تاویلات واعتراضات کی ہوانکل گئی۔ اعتزال جدید کے ان علم برداروں کوجدید معتزلہ، نیچری اور مختلف ناموں سے سے پکارا گیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی ژرف نگاہی اور مومنانہ فراست سے وقت کی رفتار کو بھانپ لیا تھا اور حجۃ اللہ البالغۃ جیسی عظیم الشان کتاب لکھ کر جدید سائنسی دور میں اسلامی تعلیمات کی معنویت اور معقولیت کو اجاگر کردیا تھا۔ ولی اللٰہی مشن کے وارث وامین علمائے دیوبند نے اس تحریک کو آگے بڑھایا۔ خصوصاً حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تمام کتابیں عقل ومنطق کے اعلی معیار پر فائز ہیں۔ آپ نے اپنی کتابوں میں متکلمانہ رنگ میں اسلام کی صداقت وحقانیت پر بہترین مواد اکٹھا کردیا ہے۔ اسلامی تعلیمات کو عقلی انداز سے ثابت کرنے میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو بھی خاص ملکہ حاصل تھا۔ آپ کی کتابیں عقل ونقل کی شاہد عدل ہیں؛ المصالح العقلیۃ للمسائل النقلیۃ، اشرف الجواب اور الانتباہات المفیدہ اس موضوع پر بے مثال کتابیں ہیں۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ بھی حکمت قاسمی کے ترجمان تھے اور ان کی کتابیں بھی عقل ومنطق کی میزان پر پورا اُترتی ہیں۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ نبیرۂ حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کی تحریریں اور تقریریں بھی بہت مدلل اور معقول ہوتی تھیں۔ آپ تقریباً تمام ہی اسلامی موضوعات پر عقلی ونقلی دلائل سے بحث فرماتے تھے۔ سائنس اور اسلام، معجزات، تقدیر، برزخ وغیرہ موضوعات پر آپ کی مستقل کتابیں اور رسائل موجود ہیں۔

تحریک خاکسار

عنایت اللہ مشرقی کی خاکسار تحریک بھی اسی سلسلۂ زیغ وضلال کی ایک کڑی تھی۔ مشرقی نے اپنی 'تذکرہ' نامی کتاب میں اہل حق کے خلاف راہ اختیار کی اور الحاد وزندقہ کی باتیں لکھیں۔ اس نے امت مسلمہ کو اہل حق سے دور کرنے کے لیے 'مولوی کا غلط مذہب' کے نام سے رسالے شائع کیے۔ حضرات علمائے حق نے اس کی بھی خوب خبر لی اور امت پر اس کی گمراہی کھول کر واضح کی۔ اس موضوع پر حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے 'الارشاد الی بعض احکام الالحاد' (مشرقی اور اسلام) اور مولانا بہاء الحق قاسمی امرتسریؒ نے 'خاکساری فتنہ' نامی کتابیں تصنیف فرمائیں۔

فتنۂ انکارحدیث

بیسوی صدی کے نئے فتنوں میں ایک فتنہ انکار حدیث ہے جو عقلیت پرستی کے فتنوں کے سلسلہ کی ایک

کڑی ہے۔ اس فرقہ نے انکار حدیث کے نظریہ کو رواج دیا اور اپنی گمراہی کو چھپانے کے مقصد سے اپنے لیے 'اہل قرآن' نام تجویز کیا۔ یہ دراصل آزاد مزاجوں اور اباحیت پسندوں کا ایک گروہ تھا جو اسلام کے پردے میں اسلام پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس جماعت کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کو محض ایک نظریاتی معمہ بنا کر اسے مسلمانوں کی عملی زندگی سے نکال دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ عملی زندگی سے اس کا رشتہ کٹ جانے کے بعد مسلمانوں کا من حیث القوم وجود ہی ختم ہو جاتا۔

قرآن حکیم میں اوامر ونواہی ہیں جن میں بہت سے احکام ایسے ہیں جن کا اجمالی حکم قرآن میں دیا گیا اور ان پر عمل کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا۔ ان احکام کی تفصیلات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائیں۔ جو لوگ آزاد منش ہیں، اعمال کی بندش میں آنے سے کتراتے ہیں اور ان کا نفس زندگی کے شعبوں میں اسلام کو اپنانے کے لیے تیار نہیں؛ لہٰذا یہ لوگ حدیث کے منکر ہو جاتے ہیں۔ چوں کہ قرآن کریم میں تمام احکام کی تفصیلات مذکور نہیں ہیں؛ اس لیے آزادی کا راستہ نکالنے کے لیے انکار حدیث کا سہارا لیتے ہیں۔ بلاشبہ حدیث کا انکار اور صرف قرآن پر اصرار ایک کھلی ہوئی گمراہی تھی، لیکن انھوں نے اہل قرآن کے پرفریب نام سے مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی۔ بہت سے لوگ جو حقیقت حال سے واقف نہیں تھے اور صحیح وغلط میں تمیز نہیں کر سکتے تھے وہ ان کی تحریروں سے متاثر ہو گئے۔

مشہور منکرین حدیث عبداللہ چکڑالوی، اسلم جیراج پوری اور غلام احمد پرویز وغیرہ کا ایک طبقہ سامنے آیا جس نے مستشرقین کے مشن کے مطابق احادیث کے عظیم الشان ذخیرہ سے متعلق شکوک وشبہات کا بیج بونے کی کوشش کی۔ انھوں نے حضرات صحابۂ کرام اور سلف صالحین کی دین متین کو محفوظ بنانے کی مساعیٔ جمیلہ پر پانی پھیرنا چاہا۔

بالآخر علمائے دیوبند نے فتنۂ انکار حدیث کی طرف بھی توجہ فرمائی اور علمی وتاریخی طور پر ان کے دعووں کی قلعی کھول کر رکھ دی۔ انھوں نے عوام پر واضح کر دیا کہ یہ نام نہاد اہل قرآن نہ صرف علم حدیث کے منکر ہیں بلکہ قرآن کریم کے بھی منکر ہیں۔ دشمنان دین مستشرقین یہود ونصاریٰ نے ان کو مسلمانوں میں بددینی پھیلانے پر لگایا ہے اور یہ انھیں کے شاگرد ہیں اور انھیں کی باتیں زبانی اور تحریری طور پر مسلمانوں میں پھیلاتے ہیں۔ دراصل انگریزوں نے اسکولوں اور کالجوں میں الحاد وزندقہ کی جو تخم ریزی کی تھی یہ انھیں پودوں کے برگ وبار ہیں۔

منکرین حدیث کے رد میں علمائے دیوبند کی کتابیں درج ذیل ہیں:

(۱) نصرۃ الحدیث، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ

(۲) انکارحدیث کے نتائج، حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ
(۳) انکارحدیث کے نتائج، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ
(۴) فتنۂ انکارحدیث اوراس کا پس منظر، حضرت مولانا عاشق الٰہی بلندشہریؒ
(۵) فتنۂ انکارحدیث، مولاناولی حسن خان ٹونکی
(۶) انکارحدیث کیوں؟، علامہ محمد ایوب صاحب دہلوی
(۷) نظریۂ دوقرآن پرایک نظر، حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب
(۸) صرف ایک اسلام، مولانا سرفراز خان صفدرؒ
(۹) تدوین حدیث، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی
(۱۰) سیف ملول بردشمن حدیث رسول، محمد فضل اللہ وانمباڑی
(۱۱) فکرغامدی: ایک تحقیقی اورتاریخی مطالعہ، مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ
(۱۲) کتابت حدیث عہدرسالت وصحابہ میں، مولانا محمد رفیع عثمانی
(۱۳) سنت کا مقام اورفتنۂ انکارحدیث،، مولانا محمد رفیع عثمانی
(۱۴) حجیت حدیث، حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی

مودودیت یا جماعت اسلامی

تجدد پسندی، عقل پرستی اورنام نہاد احیائے اسلام کی بنیاد پر وجود میں آنے والا ایک فرقہ مودودیت یا جماعت اسلامی بھی ہے۔ جناب ابوالاعلی مودودی اس جماعت کے بانی ہیں جنھوں نے اپنے اثر انگیز طرز تحریر اور جدت پسند صحافتی لٹریچر سے ایک حلقہ بنالیا تھا جو بعد میں اس جماعت کی بنیاد بنا۔ ۱۹۴۱ء میں جماعت کی تشکیل سے قبل جب مودودی صاحب کے نظریات سامنے نہیں آئے تھے، عقیدہ اور نصب العین کی کوئی تعیین نہیں تھی، مودودی صاحب سیدھے سادھے چل رہے تھے، بلکہ علماء سے مودودی صاحب کا ربط بھی تھا۔ جمعیۃ علمائے ہند میں اکابر دیوبند کے زیرسایہ انھوں نے کئی اہم کتابیں تصنیف کیں جس کو انھوں نے سراہا۔ لیکن جماعت اسلامی کی تشکیل کے بعد جب اس کا دستور سامنے آیا تو اس کی بعض دفعات قابل اعتراض تھیں۔ یہیں سے اکابر کا اختلاف شروع ہوا۔

جماعت اسلامی کے دستور کی پہلی دفعہ میں دین کے لیے معیارحق کی تعیین کی گئی ہے کہ اللہ ورسول کے علاوہ کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے اور کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو۔ یہ دفعہ صحابۂ کرام کے اجتماعی عمل اور

فیصلہ کے حجت ہونے کی نفی کرتی ہے؛ حالاں کہ اہل سنت والجماعۃ کے نزدیک یہ بھی حجت شرعیہ ہے۔ مودودی دستور کی رو سے جماعت صحابہ معیار حق باقی نہیں رہتی۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں انھوں نے لکھا کہ وہ ''ٹھیٹھ اسلامی نظام'' کو برپا نہیں کر سکے، وہ ''ٹھیک منہاج نبوت'' پر قائم نہیں رہ سکے، ان کے دور میں جاہلیت کے جراثیم در آئے تھے، حضرت عثمانؓ سے فلاں فلاں غلطیاں ہوئیں، حضرت معاویہؓ کے سیرت و کردار پر جاہلیت کے فلاں فلاں داغ دھبے تھے، ابوموسی اشعریؓ اور عمرو بن عاص نے اقامت دین کے بجائے ڈپلومیسی سے کام لیا، وغیرہ وغیرہ۔ یہی نہیں بلکہ انھوں نے انبیائے کرام علیہم السلام کے سلسلہ میں بھی نامناسب تبصرے کیے۔ اسی لیے مودودی تحریک کی خاصیت ہے کہ جو شخص اس سے جس قدر زیادہ وابستہ ہوگا اسی قدر اس کے لوح قلب پر صحابۂ کرام اور اسلاف امت بلکہ انبیائے کرام علیہم السلام کی ''کمزوریوں'' کا نقش قائم ہوگا۔ مودودی صاحب کی کتابوں خلافت و ملوکیت، تجدید و احیائے دین وغیرہ میں یہ مضامین موجود ہیں۔

جماعت اسلامی کے دستور میں اس کا نصب العین اور اس کی تمام سعی و جہد کا مقصود دنیا میں حکومت الٰہیہ کا قیام اور آخرت میں رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ حکومت الٰہیہ کے قیام کے اس منصوبہ کو مودودی صاحب نے اپنی کتاب ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں'' میں واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ (الہ، رب، عبادت، دین) کی چار بنیادی اصطلاحوں کے مفہوم پر پردہ پڑ جانے کی وجہ سے قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم بلکہ اس کی حقیقی روح نگاہوں سے مستور ہو گئی۔ گویا اتنی صدیوں سے ملت اسلامیہ ایسی شخصیتوں سے بانجھ رہی اور علمائے امت کی ان اصطلاحوں تک رسائی نہیں ہوسکی۔ مودودی صاحب کے نزدیک اعمال شریعت کا بنیادی مقصد اقامت دین اور حکومت الٰہیہ کا قیام ہے، جو چیز دین کی ایک شاخ تھی اسے دین کی بنیاد بنا دیا گیا جن کی وجہ سے تمام اعمال شریعت کا محور بجائے رضائے الٰہی کے 'سیاست' ہو گیا۔ نماز کی غایت ''فوجی ٹریننگ''، زکاۃ کا مقصد ''حاصلات''، روزے کی علت ''فوجی جفاکشی کی مشق''، حج کا روحانی اجتماع ''انٹرنیشنل کانفرنس'' اور ارکان اربعہ کا مجموعہ ''ٹریننگ کورس'' بن گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکالا گیا کہ تمام وہ مؤمنین بلکہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ السلام جن کے لیے اقامت دین اور حکومت الٰہیہ مقدر نہیں تھی وہ ''ناکام انسان'' اور ''ناکام پیغمبر'' نظر آنے لگے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے مودودی صاحب کی کتاب ''اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر'')

مودودی صاحب نے قرآنی آیات کو اپنے نظریات کے مطابق ڈھالا اور تفسیر بالرائے کے مرتکب ہوئے۔ ان کے نزدیک قرآن کو سمجھنے کے لیے کسی تفسیر کی حاجت نہیں، ایک اعلی درجہ کا پروفیسر ہونا کافی ہے (تفہیمات ۲۹۲)۔ احادیث کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ یہ دعوی کرنا صحیح نہیں کہ بخاری و مسلم میں جتنی

احادیث درج ہیں ان کے مضامین کو جوں کا توں بلا تنقید قبول کر لینا چاہیے۔ کسی روایت کے سنداً صحیح ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا نفس مضمون بھی ہر لحاظ سے صحیح ہو اور جوں کا توں قابل قبول ہو۔ (رسائل و مسائل ۲/۴۱) اسی بنیاد پر انھوں نے بخاری ومسلم کی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے متعلق ثلاث کذبات کی حدیث پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''وہ دراصل ان مہمل افسانوں میں سے ہے جو بائبل میں انبیاء کے نام پر گھڑے گئے ہیں۔'' (رسائل ومسائل ۲/۳) مودودی صاحب نہ مسلک اہل حدیث کو تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتے تھے اور نہ ہی حنفیت اور شافعیت کے پابند تھے۔ (رسائل ومسائل ۱/۱۵۳) مودودی صاحب مسلکاً آزاد تھے بلکہ ان کی تحریروں سے مجتہد مطلق ہونے کا ادعاء ظاہر ہوتا ہے۔

مودودی صاحب کے زور قلم سے امت مسلمہ کے اندر جب فاسد عقائد وافکار کی اشاعت کا آغاز ہوا تو علمائے حق نے افراط وتفریط کے بغیر ان کے متعلق رائے پیش کی اور قرآن وحدیث اور شریعت اسلامیہ کی روشنی میں مودودی عقائد وافکار کی حیثیت واضح کی۔ مودودی صاحب کے مضامین پر سب سے پہلے رد وکدح کرنے والے علماء میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ وغیرہ ہیں۔ حضرت مدنیؒ نے مودودی دستور وعقائد کی تشریح میں تفصیلی رسالہ لکھا۔ نیز مودودی صاحب کے چار رفقاء میں سے جو جماعت اسلامی کے امیروں میں شامل تھے دو حضرات یعنی حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ اور حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے چھ ماہ بعد ہی استعفاء دے دیا۔ مولانا نعمانیؒ نے مودودی صاحب کے ساتھ اپنی رفاقت کی سرگرشت کی تفصیلات بھی لکھ کر شائع کیں۔

علمائے حق نے مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کے افکار وعقائد کے تعارف وتعاقب میں ایک بڑا ذخیرہ جمع فرمادیا جس سے ہر صاحب عقل ودانش کو معلوم ہو جائے گا کہ مودودیت ایک مستقل فرقہ ہے جو اہل سنت والجماعۃ کے نظریات سے کوسوں دور ہے۔ اس کی زرق برق تحریر اور شگفتہ وشستہ انشاء پردازی وطلاقت لسانی میں آج کا پڑھا لکھا انسان بھی گم ہو جاتا ہے، الفاظ کی بھول بھلیوں میں بھٹک جاتا ہے اور اس کی زہرناکی کو سمجھ نہیں پاتا۔ مودودیت دراصل اعتزال، خارجیت اور شیعیت کا مسموم معجون مرکب ہے جس نے خارجیوں کی طرح حکومت کو اولین درجہ دیا، صحابہ کو مطعون کیا۔ معتزلہ کی طرح عقل کو نقل پر ترجیح دی اور شیعوں کی حضرات صحابہ پر الزامات لگائے۔ ان جملہ فرقوں کی طرح اپنے نظریات کے مطابق تفسیر بالرائے کا ارتکاب کیا۔

رد مودودیت میں علمائے دیوبند کی علمی خدمات

(۱) مودودی دستور وعقائد کی حقیقت، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ

(۲) مکتوبات ہدایت، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ
(۳) تنبیہات، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ
(۴) ایمان وعمل، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ
(۵) فتنۂ مودودیت، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ
(۶) جماعت اسلامی کا دینی رخ، حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ
(۷) جماعت اسلامی کے نظریات وافکار، حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ
(۸) جماعت اسلامی پر تبصرہ، مولانا عبدالصمد رحمانی
(۹) دارالعلوم کا ایک فتوی اور اس کی حقیقت، حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ
(۱۰) الاستاذ المودودی وشئ من حیاتہ وافکارہ، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ
(۱۱) حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ
(۱۲) مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت، حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ
(۱۳) کشف حقیقت یعنی تحریک مودودیت اپنے اصلی رنگ میں، حضرت مولانا قاری سعید احمد صاحبؒ
(۱۴) مودودی صاحب کا ایک غلط فتوی اور ان کے چند دیگر باطل نظریات، حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ
(۱۵) براءۃ عثمانؓ، حضرت مولانا ظفر عثمانیؒ
(۱۶) مقام صحابہ، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ
(۱۷) شواہد تقدس اور تردید الزامات، حضرت مولانا محمد میاں دیوبندیؒ
(۱۸) درر منثورہ، حضرت مولانا محمد میاں دیوبندیؒ
(۱۹) آئینہ تحریک مودودی، حضرت مفتی مہدی حسن صاحب
(۲۰) عصر حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ
(۲۱) مودودی مذہب، مولانا عزیز احمد بی اے
(۲۲) جماعت اسلامی کے دینی رجحانات، مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب
(۲۳) حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق، حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی
(۲۴) اسلام اور جدت پسندی، حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی
(۲۵) محاضراتِ ردمودودیت، مولانا عبدالخالق سنبھلی
(۲۶) مقدمہ تفہیم القرآن کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، مولانا ریاست علی بجنوری

(۲۷) مودودی صاحب اکابر امت کی نظر میں، مولانا حکیم اختر صاحب
(۲۸) جماعت اسلامی کا دینی رخ، مولانا قاضی مظہر حسین صاحب
(۲۹) علمی محاسبہ، مولانا قاضی مظہر حسین صاحب
(۳۰) مودودی مذہب، مولانا قاضی مظہر حسین صاحب
(۳۱) مودودی کے نام کی کھلی چٹھی، مولانا قاضی مظہر حسین صاحب
(۳۲) مکتوبات ثلثہ، مولانا عبدالرشید محمود گنگوہی
(۳۳) مودودی صاحب اوران کی تحریرات کے متعلق چند اہم مضامین، از علمائے دیوبند، دارالاشاعت کراچی
(۳۴) عصمت انبیاء اور مولانا مودودی، مولانا طاہر حسین گیاوی
(۳۵) مودودی صاحب اپنے افکار وخیالات کے آئینہ میں (ترجمہ الاستاذ المودودی)، مولانا اعجاز احمد اعظمی
(۳۶) تفہیم القرآن پر ایک تحقیقی جائزہ، مفتی جمیل الرحمٰن پرتاپ گڑھی
وغیرہ

دارالعلوم دیوبند کی اصلاحی اور تبلیغی خدمات

دارالعلوم دیوبند کے اکابر وعلماء نے جہاں درس وتدریس، تصنیف وتالیف، ملی واجتماعی معاملات میں رہ نمائی کے ذریعہ ملت اسلامیہ کی خدمت کی ہے، وہیں انھوں نے اصلاحی وتبلیغی میدانوں میں پورے برصغیر بلکہ پورے عالم میں بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ اس سلسلہ میں انھوں نے سیکڑوں اصلاحی کتابیں لکھیں اور مسلمانوں کے عقائد واعمال کی اصلاح کے لیے ملک کے کونے کونے میں وعظ وتقریر کی مجلسیں قائم کیں۔ جہاں جہاں اور جب جب مسلمانوں کو کسی بھی ایسے معاملہ کا سامنا ہوا جس سے ان کے دین و ایمان کو نقصان پہنچ سکتا تھا یا ان کی مذہبی شناخت متاثر ہوسکتی تھی، علمائے دیوبند نے بروقت اس کا ادراک کرتے ہوئے مسلمانوں کو اس سے باخبر کیا۔ دارالعلوم کے اکابر ومشائخ نے جس طرح مسلم نونہالوں کی تعلیم وتربیت کے لیے اسلامی مدارس ومراکز قائم فرمائے اسی طرح انھوں نے عامۃ المسلمین کی روحانی تربیت کا بھی انتظام فرمایا۔

خانقاہوں کے ذریعہ اصلاحی خدمات

دارالعلوم کے اکابر ومشائخ جس طرح دینی علوم کے حامل وامین اور اسلامی روایات کے پاس دار تھے، اسی طرح وہ نسبت باطنی سے آراستہ اور روحانی طور پر تربیت یافتہ بھی تھے۔ علمی سلسلہ کی طرح علمائے دیوبند کا روحانی سلسلہ بھی حضرات اولیائے کرام ومشائخ عظام کے واسطہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فریضۂ منصبی یعنی تعلیم وتزکیہ کے مطابق علمائے دیوبند نے تعلیم کے ساتھ تزکیہ اور مدارس کے ساتھ خانقاہوں کا سلسلہ بھی قائم فرمایا۔ انھوں نے اخلاقی رذائل اور عادات قبیحہ کے ازالہ اور اعمال صالحہ، اخلاق فاضلہ اور عقائد صحیحہ سے لوگوں کو آراستہ کرنے کے لیے خانقاہیں قائم کیں اور مسترشدین کے لیے ذکر وشغل اوراد ووظائف متعین کیے۔ اکابرین دیوبند نے سلوک واحسان اور تصوف و طریقت کو دین کے اہم جزء کا درجہ دیا کیوں کہ تہذیب اخلاق، تزکیۂ نفس اور سلوک باطن کی تکمیل کے بغیر اعتدالِ اخلاق، استقامتِ ذوق ووجدان، باطنی بصیرت، ذہنی پاکیزگی اور مشاہدۂ حقیقت ممکن نہیں۔ لیکن

انھوں نے بے بصر معتقدین کی غلوزدہ رسموں، بے بصرانہ نقالیوں اور خلاف سنت وشریعت امور کا ہمیشہ انکار کیا۔ ان کے نزدیک سیدھا اور بے غل وغش راستہ سنت نبوی کا اتباع، سلف صالحین صحابہ وتابعین اور ائمۂ مجتہدین وفقہائے دین کا تلقین کردہ راستہ ہی سلامتی کی شاہراہ ہے۔

مشائخ دیوبند نے ان خانقاہوں کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں معرفت کی روشنی پیدا کی اور لاکھوں نفوس کو ذکر وفکر کی دولت تقسیم کرتے رہے۔ ان بزرگوں کے ہاتھوں پر لاکھوں لوگوں کو سابقہ گناہوں کی زندگی سے توبہ اور تجدید ایمان کی توفیق نصیب ہوئی۔ اپنی سابقہ گناہوں کی زندگی سے تائب ہونے والے اور اسلام کی صحیح تعلیمات کی روشنی میں نئی زندگی شروع کرنے والے انھیں خانقاہوں کی طرف متوجہ ہوتے جہاں ان کو ذکر وفکر کے ساتھ سنت کی اتباع، نفس کے محاسبہ اور آخرت کی تیاری کا سبق دیا جاتا۔

ان روحانی مربیوں اور ان کے خلفاء سے مربوط ہوکر لاکھوں کروڑوں انسانوں نے شرک وبدعت اور نافرمانی وگنہ گاری کی زندگی سے توبہ کی، قلوب کا تزکیہ کیا اور سنت نبویہ کے اتباع کے جذبہ سے سرشار ہوئے۔ ان کی زندگیوں میں اہل اللہ کی خانقاہوں کی برکت سے دین وشریعت کے تقاضوں کی سمجھ پیدا ہوئی اور سنت کی اتباع کا ذوق پیدا ہوا، اور نتیجۃً ان کی زندگیوں سے تمام بدعات وخرافات اور مشرکانہ عقائد رخصت ہوگئے۔ برصغیر ہند میں ان بزرگوں کی خانقاہوں نے صحیح اسلامی عقائد، سنت نبویہ اور تدین وتقوی کی اشاعت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

دارالعلوم دیوبند سے وابستہ جن ارباب احسان وسلوک نے ملک کے اطراف میں روحانی تربیت کے مراکز اور خانقاہیں قائم کرکے بے شمار لوگوں کی رہ نمائی فرمائی ان کی فہرست طویل ہے، یہاں کچھ خاص حضرات مشائخ کی ایک فہرست پیش کی جارہی ہے جن کے ہاتھ پر توبہ اور بیعت کرنے والوں کی تعداد لاکھوں میں رہی ہے:

(۱) سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ
(۲) قطب ارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ
(۳) حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ
(۴) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۵) شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
(۶) حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ
(۷) حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ

(۸) حضرت مولانا سید میاں اصغر حسین دیوبندیؒ
(۹) حضرت مولانا ضرغام الدین فیض آبادیؒ
(۱۰) حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ
(۱۱) حضرت مولانا عبدالغفور عباسی مدنیؒ
(۱۲) حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ
(۱۳) حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ
(۱۴) حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ
(۱۵) حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ
(۱۶) حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ
(۱۷) حضرت مولانا اسعد اللہ رام پوریؒ
(۱۸) حضرت مولانا عبدالحق اکوڑویؒ
(۱۹) حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ
(۲۰) حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ
(۲۱) حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوریؒ
(۲۲) حضرت مولانا مسیح اللہ خاں جلال آبادیؒ
(۲۳) حضرت مولانا قاری فخر الدین گیاویؒ
(۲۴) حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ
(۲۵) حضرت مولانا عبدالجبار معروفیؒ
(۲۶) حضرت مولانا ابرار الحق ہردوئیؒ
(۲۷) حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ
(۲۸) حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندویؒ
(۲۹) حضرت مولانا عبدالحلیم جون پوریؒ
(۳۰) حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ
(۳۱) حضرت مولانا احمد علی آسامیؒ

علم تصوف میں تصنیفی خدمات

علمائے دیوبند نے نہ صرف تصوف کو سنت و شریعت سے ہم آہنگ کرتے ہوئے اسے عملی طور پر نباہا بلکہ علمی طور پر بھی سلوک واحسان کی اہمیت وضروریت اور اس کے صحیح طریقۂ کار کی طرف رہ نمائی کی۔ تصوف میں غلو پسند افراد کی وجہ سے جو افراط وتفریط درآئی تھی علمائے حق نے اس کو دور کیا اور تصوف و طریقت کے سلسلہ میں معتدل اور متوازن رائے قائم کی۔ تصوف کے سلسلہ میں علمائے دیوبند کی تصنیفات کی ایک فہرست پیش کی جارہی ہے:

(۱) غذائے روح، حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ

(۲) ضیاء القلوب، حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ

(۳) شمائم امدادیہ، حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ

(۴) جمال قاسمی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

(۴) مکاتیب رشیدیہ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

(۶) اتمام النعم ترجمہ تبویب الحکم، حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ

(۷) اکمال الشیم، حضرت مولانا عبداللہ گنگوہیؒ

(۸) فیوض یزدانی ترجمہ الفتح الربانی، حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ

(۹) تبلیغ دین ترجمہ الثلاثین من الاربعین، حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ

(۱۰) آداب الشیخ والمرید، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۱۱) تبویب تربیت السالک، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۱۲) تربیت السالک، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۱۳) التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۱۴) التصرف فی تحقیق التصوف، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۱۵) التکشف عن مہمات التصوف، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۱۶) خصوص الکلم فی حل نصوص الحکم، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۱۷) عنوان التصوف، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۱۸) کلید مثنوی مولانا روم، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۱۹) مبادی التصوف، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۲۰) مسائل السلوک کلام ملک الملوک، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۲۱) الافاضات الیومیہ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۲۲) انفاس عیسیٰ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۲۳) کمالات امدادیہ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۲۴) السنۃ الجلیۃ فی الچشتیۃ العلیۃ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۲۵) حیاۃ المسلمین، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۲۶) تعلیم الدین، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۲۷) قصد السبیل، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۲۸) جزاء الاعمال، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۲۹) سلاسل طیبہ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ
(۳۰) مکتوبات شیخ الاسلام، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ
(۳۱) الدرالمنضود ترجمہ البحر المورود للشعرانیؒ، حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ
(۳۲) رحمۃ القدوس، حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ
(۳۳) القول المنصور فی ابن منصور، حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ
(۳۴) رفع الاشتباہ عن اولیاء اللہ، حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی
(۳۵) مقامات تصوف، حضرت مولانا اسماعیل سنبھلیؒ
(۳۶) تصوف کیا ہے؟ حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ
(۳۷) مقام توحید، حضرت مولانا منظور احمد نعمانیؒ
(۳۸) نسبت اور ذکر وشغل، حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ
(۳۹) وصیۃ السالکین، حضرت مولانا وصی اللہ الہ آبادیؒ
(۴۰) الافادات الوصیۃ، حضرت مولانا وصی اللہ الہ آبادیؒ
(۴۱) وصیۃ الاحسان، حضرت مولانا وصی اللہ الہ آبادیؒ
(۴۲) دیباچہ معرفت، حضرت مولانا وصی اللہ الہ آبادیؒ
(۴۳) تصوف ونسبت صوفیہ، حضرت مولانا وصی اللہ الہ آبادیؒ

(۴۴) وصیۃ الاخلاق، حضرت مولانا وصی اللہ الہ آبادیؒ
(۴۵) وصیۃ الاخلاص، حضرت مولانا وصی اللہ الہ آبادیؒ
(۴۶) خمخانۂ باطن، حضرت مولانا وصی اللہ الہ آبادیؒ
(۴۷) معیت الہیہ، حضرت مولانا عبدالغنی پھولپوریؒ
(۴۸) معرفت الہیہ، حضرت مولانا عبدالغنی پھولپوریؒ
(۴۹) مقالات احسانی، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی
(۵۰) اکابر کا سلوک واحسان، حضرت مولانا زکریا کاندھلویؒ
(۵۱) تاریخ دعوت وعزیمت، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ
(۵۲) حکم الذکر بالجہر، حضرت مولانا سرفراز خان صفدر
(۵۳) شریعت وتصوف، مولانا مسیح اللہ خاں شروانی
(۵۴) ذکر الٰہی، مولانا مسیح اللہ خاں شروانی
(۵۵) نجات دارین، مولانا زاہد الحسینی
(۵۶) ترجمہ انفاس العارفین، مولانا یوشع سہارنپوری

وغیرہ

شعبۂ تبلیغ دارالعلوم دیوبند

انیسویں صدی کے پہلے عشرہ میں ہندوستان کے اندر آریہ سماج کی جارحانہ سرگرمیوں اور تحریک ارتداد کے پھیلنے کی وجہ سے دارالعلوم نے تبلیغ اور دعوت دین کے لیے مستقل شعبہ قائم کیا۔ دارالعلوم کے مبلغین کی کوششوں سے الحمد للہ ارتداد کا بڑھتا ہوا سیلاب رک گیا اور شدھی وسنگٹھن کی کوششوں سے جو مسلمان دین سے برگشتہ ہوگئے تھے وہ اسلام میں واپس آ گئے۔ بعد میں تبلیغ ودعوت کے دائرہ کو وسیع کرتے ہوئے یہ نظام قائم کیا گیا کہ دارالعلوم کے مستقل مبلغین ملک کے طول وعرض میں تبلیغ دین کا دینی فریضہ انجام دینے لگے۔ اس کے ساتھ ساتھ دارالعلوم میں بھی ایسے طلبہ تیار کیے جانے لگے جو وعظ وپند کے علاوہ تقریر ومناظرہ میں معترضین ومخالفین کا کما حقہ مقابلہ کرسکیں۔

دارالعلوم کے شعبۂ تبلیغ کے پلیٹ فارم سے اب تک متعدد مبلغین وعلماء وابستہ رہ چکے ہیں جن میں چند اہم علماء کے نام یہ ہیں: مولانا ابوالوفاء شاہ جہانپوری، مولانا حامد الانصاری غازی، مولانا خلیق احمد

سردھنوی، مولانا عزیز احمد قاسمی فیض آبادی، مولانا ہادی حسن صاحب، مولانا سید معظم علی نجیب آبادی، مولانا محمد یونس بکھروی، مولانا عتیق الرحمٰن آروی، مولانا سید سیف اللہ ہاشمی، مولانا عبدالسمیع گونڈوی، مولانا سید ارشاد احمد فیض آبادی وغیرہ۔

دارالعلوم دیوبند کے فضلاء اور تربیت یافتہ علماء کی اصلاحی و تبلیغی خدمات اظہر من الشمس ہیں۔ کوئی اہم دینی و اصلاحی اجلاس اور موقر اسلامی پلیٹ فارم علمائے دیوبند سے خالی نہیں ہوتا، یہی نہیں بلکہ اس کی قیادت کی باگ ڈور عموماً علمائے دیوبند کے ہاتھوں میں رہتی ہے۔

تبلیغی جماعت

علمائے دیوبند نے امت مسلمہ کے نونہالوں کو دینی تعلیم و تربیت سے آراستہ کرنے کے لیے مدارس کھولے، سالکین طریقت کی اصلاح و تربیت کے لیے خانقاہیں قائم کیں، مسلمانوں میں دینی لہر پیدا کرنے کے لیے مواعظ و تقاریر کا سلسلہ شروع کیا۔ تاہم عوام الناس کی ایک بڑی تعداد علم دین سے دور اور اسلامی تعلیمات سے ناواقف تھی۔ ان مسلمانوں کے دین و ایمان کی فکر کرنے اور ان کے اندر اسلامی روح کو بیدار کرنے کا کام جماعت تبلیغ نے شروع کیا۔ اس تحریک نے عام مسلمانوں تک پہنچ کر فرداً فرداً ان کو دین کی راہوں پر لگایا، کلمہ اور اسلامی عقائد سکھائے، نماز کا پابند بنایا اور ان میں اللہ کی راہ میں وقت اور مال خرچ کرنے کا حوصلہ پیدا کیا۔

تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ ہیں جو کاندھلہ ضلع مظفر نگر کے اس خانوادۂ علم و فضل سے تعلق رکھتے ہیں جس میں ایک سے ایک ماہتاب اور آفتاب پیدا ہوئے۔ حضرت مولانا یحییٰ کاندھلویؒ، حضرت مولانا شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ، حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ، حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ وغیرہ اکابر علمائے دیوبند بھی اسی خاک سے پیدا ہوئے۔ حضرت مولانا الیاس کاندھلویؒ نے مظاہر علوم سہارن پور اور دیوبند میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ سے علوم ظاہری کی تکمیل کی۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ سے سلوک کے مراحل طے کیے۔ بیسویں صدی کے دوسرے عشرہ میں آپ نے بستی نظام الدین دہلی میں مستقل قیام پذیر ہو کر میوات کے میو قوم میں تبلیغی سرگرمیاں شروع کیں۔ شب و روز محنت کر کے میوات میں آپ نے مکاتب قائم کیے اور گشت کے ذریعہ عمومی دعوت و تبلیغ کا منصوبہ بنایا جو آہستہ آہستہ نہایت کامیابی سے پھیلنے لگا۔

۱۹۲۶ء میں آپ نے میوات کے باشندوں کی جماعتیں بنا کر تبلیغ کے کام میں لگایا۔ ۱۹۳۷ء میں

میواتی مبلغین کومیوات سے باہر مختلف قریبی شہروں اورصوبوں میں بھیجا۔حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے اس کام نے اہل علم کو اپنی طرف متوجہ کرنا شروع کیا۔ چنانچہ مظاہر علوم سہارن پور، دارالعلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کے علماء واساتذہ نے مولانا کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی خدمات پیش کیں اور آپ سے ہدایات لے کر اپنے اپنے مقام پر تبلیغ کا کام شروع کیا۔تبلیغ کی تحریک میں علماء ابتدا سے شریک رہے اور اکابر علماء جیسے حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ،حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا عبد القادر رائپوریؒ وغیرہم تبلیغی جلسوں میں شریک ہوتے تھے۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ اور حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے اس تحریک میں بہت سرگرم حصہ لیا اور زبان وقلم سے اس تحریک کو ترقی دی۔ اللہ تعالی نے حضرت مولانا الیاس کاندھلویؒ کے خلوص کی برکت سے اس تحریک کو ایسی کامیابی عطا فرمائی کہ تبلیغی جماعتیں مختلف علاقوں اورشہروں میں بھیجی جانے لگیں اور پھر پورے برصغیر میں اصلاح وتبلیغ کا کام بڑی باقاعدگی سے ہونے لگا۔ جماعت تبلیغ کومرکز اور ملک کے طول وعرض میں علماء سے تعاون ملا اوران کی کاوشوں سے یہ کام پھیلتا چلا گیا۔

۱۹۴۴ء میں حضرت مولانا الیاس کاندھلویؒ کے حادثۂ وفات کے بعد جماعت تبلیغ کا دوسرا دور حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کی قیادت میں شروع ہوا۔تقسیم ہند کے بعد پاکستان اور پھر بنگلہ دیش میں تبلیغی تحریک کا تسلسل قائم ہوا۔ پھر بلاد عربیہ، افغانستان، ترکی، انڈونیشیا، ملایا، برما، سری لنکا وغیرہ میں تبلیغی نظام کو پھیلایا گیا۔ بعد میں یہ سلسلہ دراز ہوتا ہوا یوروپ، امریکہ، افریقہ، آسٹریلیا اور ایشیا کے دور دراز ملکوں میں بھی پہنچ گیا۔

تبلیغی جماعت کے کارناموں کی داستان بڑی ایمان افروز ہے۔ یہ تحریک بڑے خلوص وللّٰہیت اور سوز و گداز کے ساتھ شروع ہوئی جو اس کی مقبولیت کی واضح دلیل ہے۔ بلاشبہ جماعت تبلیغ عصر حاضر کی عظیم الشان دینی وتبلیغی تحریک ہے جس نے قرون اُولیٰ کے بعد پوری اسلامی تاریخ میں اتنے بڑے پیمانے کے پر دین کی نشر واشاعت اور تبلیغ کا اس طرز پر نظم کیا کہ چلتے پھرتے مدرسے پوری دنیا کی ہر ہر مسجد میں قائم ہوگئے۔تبلیغی جماعت نے پوری دنیا میں اسلامی انقلاب پیدا کیا اور مسلمانوں کو مذہب سے جوڑنے میں اہم کردار ادا کیا۔

علمائے دیوبند کی قرآن و علوم قرآن کی خدمات

علمائے دیوبند نے درس و تدریس، وعظ و نصیحت اور دوسرے مشاغل کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کے میدان میں جو عظیم الشان کارنامے انجام دیئے ہیں وہ نہ صرف برصغیر کے مسلمانوں کے لیے بلکہ دنیائے اسلام کے لیے بھی ایک قابل فخر سرمایہ ہے۔ علوم دینیہ میں سے متعلق کوئی علم و فن ایسا نہیں ہے جس میں ان کی تصنیفات و تالیفات موجود نہ ہوں، ان میں بڑی بڑی ضخیم کتابیں بھی ہیں اور چھوٹے چھوٹے رسالے اور کتابچے بھی ہیں، یہ کتابیں زیادہ تر تو اردو اور عربی و فارسی زبانوں میں ہیں مگر ان کے علاوہ دیگر علاقائی اور بین الاقوامی زبانوں میں بھی ان کی کتابیں ہیں۔ تصنیف و تالیف کے میدان میں فضلائے دارالعلوم نے جو قابل قدر خدمات انجام دی ہیں وہ برصغیر کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہیں۔

قرآن کریم اسلام کی بنیاد اور شریعت کی اساس ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ سب سے زیادہ لائق توجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے دیوبند نے قرآن کریم و علوم القرآن پر ایک عظیم الشان ذخیرہ چھوڑا ہے۔ یہ وراثت انھیں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے خانوادہ سے حاصل ہوئی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے بدلتے ہوئے سیاسی و سماجی اور ملکی و عالمی حالات کے پیش نظر ضروری محسوس کیا کہ قرآن کریم کا متداول زبانوں میں ترجمہ کیا جائے اور اس کے علوم و معارف کو امت کے سامنے پیش کیا جائے، چناں چہ انھوں نے خود قرآن کریم کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا جو اس وقت کے ہندوستان کی علمی زبان تھی۔ دوسری طرف آپ نے اصول تفسیر میں الفوز الکبیر جیسی محققانہ کتاب تصنیف فرمائی۔ آپ کے بعد آپ کے فرزندوں میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے فارسی زبان میں تفسیر عزیزی تالیف فرمائی۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے دیگر دو صاحب زادوں حضرت مولانا عبد القادر صاحبؒ اور شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے اس زمانے کی عوامی زبان اردو میں قرآن کریم کا بالترتیب با محاورہ اور تحت اللفظ ترجمہ کیا جو بعد کے اردو زبان کے تمام ترجموں کی بنیاد بنا۔

علمائے دیوبند نے بھی اس وراثت کو آگے بڑھاتے ہوئے قرآن اور قرآنی علوم پر جو بیش بہا مواد اکٹھا کیا اس کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس کے مقابلہ میں برصغیر کی کوئی جماعت ان کی خدمات کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہنچ سکتی۔ پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین یوسف (پاکستان) کی تحقیق کے مطابق ۱۹۹۰ء تک تقریباً تین سو

علمائے دیوبند نے قرآن کریم کو اپنا موضوع بنایا اور ۲۱ زبانوں میں قرآن کی خدمات انجام دیں۔ مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے ۸۴ تراجم کیے گئے ہیں اور تقریباً دوسو مکمل اور نامکمل مطبوعہ تفسیریں لکھی گئی ہیں۔ علوم القرآن کے حوالہ سے علمائے دیوبند نے ۳۴ موضوعات پر کتابیں لکھی ہیں جس میں ۲۰/احکام القرآن پر، ۳۳/اصول تفسیر وتراجم پر، ۶/اعجاز القرآن پر، ۱۰/فصاحت و بلاغت پر، ۱۵/تاریخ قرآن پر، ۳/ارض القرآن پر، ۴۴ قصص القرآن پر، ۲۹ لغات القرآن پر، ۸ فضائل قرآن پر، ۱۵/تاریخ تجوید پر، ۱۲۰/تجوید و قرأت پر، ۱۵/اسباب نزول قرآن پر، ۱۴/قرآنی ادعیہ پر، ۷/اسمائے حسنٰی پر، ۱۹/گمراہ فرقوں کی تفسیری آراء کے رد میں، ۵/قرآنی انڈیکس پر، ۵ فلسفۂ قرآن پر اور تقریباً سو کتابیں متفرق قرآنی موضوعات پر لکھی گئی ہیں۔ (پندرہ روزہ نجات پشاور، ڈیڑھ سو سالہ خدمات دارالعلوم دیوبند کانفرنس نمبر، ص ۴۳۸) ۱۹۹۰ء کے بعد علمائے دیوبند کی جو تصنیفات وجود میں آئی ہیں وہ ان کے علاوہ ہیں۔

ترجمۂ قرآن، تفسیر اور علوم قرآنی پر علمائے دیوبند کی تصنیفات

علمائے دیوبند کی تمام قرآنی خدمات کا احاطہ تو نہیں کیا جا سکتا، تاہم ذیل کے صفحات میں کچھ اہم تراجم قرآن (اردو اور دیگر زبانوں کے)، نیز تفسیر، علوم القرآن اور متعلقات قرآن سے متعلق مشہور کتب کی فہرست پیش خدمت ہے:

تراجم قرآن:

(۱) ترجمۂ قرآن مجید، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۲) ترجمہ وتفسیر، حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ
(۳) ترجمۂ قرآن مجید، حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ
(۴) ترجمۂ قرآن، سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ
(۵) توضیح القرآن، مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب
(۶) ترجمۂ قرآن مجید (کشمیری)، مولانا محمد یوسف شاہ کشمیریؒ
(۷) ترجمۂ شیخ الہند (ہندی)، مولانا سید ارشد مدنی صاحب وجناب محمد سلیمان صاحب
(۸) ترجمۂ شیخ الہند (گجراتی)، مولانا غلام محمد صادق راندیری
(۸) ترجمۂ شیخ الہند (فارسی) باہتمام حکومت افغانستان شائع شدہ ۱۹۴۰ء

(۹) ترجمۂ شیخ الہند و تفسیر عثمانی (پشتو)

(۱۰) ترجمۂ قرآن بنگالی، مولانا محمد طاہر صاحبؒ

(۱۲) ملخص معارف القرآن بنگالی (حضرت مفتی محمد شفیع صاحب) ترجمہ: مولانا محی الدین خان

(۱۳) ترجمہ قرآن آسامی، مولانا شیخ عبدالحق آسامیؒ

(۱۴) ترجمہ و تفسیر قرآن تیلگو، مولانا عبدالغفور کرنولی فاضل دیوبند

(۱۵) ترجمہ قرآن کنڑ (حضرت تھانویؒ)، دارالاشاعت بنگلور ۱۹۶۶ء

(۱۶) انگلش ٹرانسلیشن آف دی قرآن، مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب

(۲۰) انوارالقرآن (پشتو زبان)، مولانا سید انوارالحق صاحب کا کاخیل

(۲۱) ترجمۂ قرآن (گوجری کشمیری زبان)، مولانا فیض الوحید صاحب

تفاسیر قرآن:

(۱) تفسیر بیان القرآن، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۲) تفسیر عثمانی (موضح الفرقان حاشیہ ترجمہ شیخ الہند)، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندیؒ

(۳) تفسیر معارف القرآن، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

(۴) تفسیر معارف القرآن، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

(۵) شرح تفسیر بیضاوی، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

(۶) تفسیر ثنائی (اردو)، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ

(۷) تفسیر احمدی، مولانا احمد علی لاہوریؒ

(۸) ہدایت القرآن (۹ / پارے)، مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی

(۹) ہدایت القرآن تکملہ، مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہ

(۱۰) درسِ قرآن، مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحی

(۱۱) تفسیر القرآن، مولانا شائق احمد عثمانی

(۱۲) بیان القرآن (اول، دوم)، مولانا احمد حسن صاحب

(۱۳) احسن التفاسیر، مولانا سید حسن دہلویؒ

(۱۴) تفسیر کلام الرحمٰن، مولانا غلام محمد صاحب

(۱۵) تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن (عربی)، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ
(۱۶) تفسیر درس قرآن، مولانا عبدالحی فاروقیؒ
(۱۷) تقریر القرآن، مولانا محمد طاہر صاحب دیوبندیؒ
(۱۸) تفسیر حبیبی، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مروانی
(۱۹) مفتاح القرآن، مولانا شبیر ازہر میرٹھی
(۲۰) تفسیر قرآن، مولانا سرفراز خان صفدر صاحبؒ
(۲۱) مستند موضح فرقان، موانا اخلاق حسن قاسمی دہلویؒ
(۲۱) تفسیر تقریر القرآن، مولانا عزیز الرحمٰن صاحب بجنوریؒ
(۲۲) تفسیر تعلیم القرآن، مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب
(۲۳) معالم العرفان فی دروس القرآن، مولانا صوفی عبدالحمید سواتی
(۲۴) جواہر التفاسیر، مولانا عبدالحکیم لکھنوی
(۲۵) درسِ قرآن، قاری اخلاق احمد صاحب دیوبندی
(۲۶) تفسیر بیان السبحان، مولانا عبدالدائم الجلالی
(۲۷) انوار القرآن، مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندی
(۲۸) حاشیہ تفسیر بیضاوی (عربی)، حضرت مولانا عبدالرحمٰن امروہویؒ
(۲۹) ترجمہ تفسیر جلالین، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ
(۳۰) حاشیہ تفسیر جلالین، مولانا حبیب الرحمٰن دیوبندی
(۳۱) حاشیہ جلالین عربی، مولانا احتشام الحق کاندھلوی
(۳۲) ترجمہ تفسیر ابن عباس، مولانا عبدالرحمٰن کاندھلویؒ
(۳۳) ترجمہ تفسیر مدارک، مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیریؒ
(۳۴) ترجمہ ابن کثیر، مولانا انظر شاہ مسعودی کشمیریؒ
(۳۵) معالم التنزیل، مولانا محمد علی صدیقی کاندھلوی
(۳۶) حواشی قرآن مجید مترجمہ شاہ عبدالقادر، حضرت مولانا احمد لاہوریؒ
(۳۷) کمالین ترجمہ جلالین، حضرت مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندی
(۳۸) جمالین شرح جلالین، مولانا محمد جمال میرٹھی

(۳۹) تفسیر الحاوی (تقریر بیضاوی)، مولانا جمیل احمد، مفتی شکیل احمد
(۴۰) تفسیر سورۂ حجرات، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ
(۴۱) تفسیر سورۂ بقرہ، مولانا عبدالعزیز صاحب ہزاروی
(۴۲) الدرر المکنون فی تفسیر سورۃ الماعون، پروفیسر حکیم عبدالصمد صارم صاحب
(۴۳) تفسیر سورۂ فاتحہ، یونس، یوسف، کہف، مولانا احمد سعید صاحب دہلویؒ
(۴۴) احسن البیان فی ما یتعلق بالقرآن، مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی
(۴۵) مرآۃ التفسیر، مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی
(۴۶) مقدمہ علی تفسیر البیضاوی، مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی
(۴۷) فیض الکریم تفسیر قرآن عظیم، مولانا صبغت اللہ صاحب
(۴۸) کشف القرآن، مولانا محمد یعقوب صاحب شرودی

متعلقات قرآن:

(۱) اسرار قرآنی، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ
(۲) مشکلات القرآن (عربی)، حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ
(۳) سبق الغایات فی نسق الآیات، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۴) آداب القرآن، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۵) یتیمۃ البیان، مولانا محمد یوسف بنوریؒ
(۶) علوم القرآن، مفتی تقی عثمانی صاحب
(۷) علوم القرآن، مولانا عبیداللہ اسعدی قاسمی
(۸) علوم القرآن، مولانا شمس الحق افغانی صاحب
(۹) احکام القرآن، مولانا شمس الحق افغانی صاحب
(۱۰) مفردات القرآن، مولانا شمس الحق افغانی صاحب
(۱۱) مشکلات القرآن، مولانا شمس الحق افغانی صاحب
(۱۲) حکمت النون، مولانا محمد طاہر صاحب دیوبندیؒ
(۱۳) تلاوۃ القرآن، مولانا وصی اللہ صاحب الہ آبادیؒ

(۱۴) فیض الرحمٰن، مولانا یعقوب الرحمٰن عثمانی
(۱۵) حل القرآن، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۱۶) ہدیۃ المہدیین فی آیۃ خاتم النّبیین، حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب دیوبندیؒ
(۱۷) لغات القرآن، مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب
(۱۸) تذکرۃ المفسرین، مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب
(۱۹) ضرورۃ القرآن، مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب
(۲۰) بیان القرآن علی علم البیان، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ
(۲۱) روح القرآن، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ
(۲۲) اعجاز القرآن، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندیؒ
(۲۳) التحریر فی اصول التفسیر، مولانا محمد مالک کاندھلوی
(۲۴) منازل العرفان فی علوم القرآن، مولانا محمد مالک کاندھلوی
(۲۵) العون الکبیر شرح الفوز الکبیر، حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری
(۲۶) الفوز العظیم شرح اردو الفوز الکبیر، مولانا خورشید انور صاحب فیض آبادی
(۲۷) الروض النضیر شرح اردو الفوز الکبیر، مولانا حنیف گنگوہی
(۲۸) الخیر الکثیر شرح اردو الفوز الکبیر، مفتی امین صاحب پالنپوری
(۲۹) السراج المنیر ترجمہ تفسیر کبیر اول، مولانا شیخ عبد الرحمٰن صاحب
(۳۰) التنقید السدید علی التفسیر الجدید، ابوالمآثر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ
(۳۱) تدوین قرآن، حضرت مولانا مناظر حسن گیلانیؒ
(۳۲) تاریخ تدوین القرآن، مولانا مصطفیٰ اعظمی
(۳۳) تاریخ قرآن، مولانا عبد الصمد صارم
(۳۴) التعوذ فی الاسلام، حضرت مولانا طاہر قاسمی
(۳۵) دینی دعوت کے قرآنی اصول، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ
(۳۶) فہم قرآن، حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ
(۳۷) قصص القرآن، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ
(۳۸) منحۃ الجلیل، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ

(۳۹) وحی الٰہی، حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ

(۴۰) قرآن پاک آپ سے کیا کہتا ہے؟ حضرت مولانا منظور احمد نعمانی

(۴۱) ذخیرۃ الجنان فی فہم القرآن، مولانا سرفراز خان صفدر صاحب

(۴۲) تفسیروں میں اسرائیلی روایات، مولانا نظام الدین اسیرادروی

(۴۳) لغات القرآن، مولانا عبدالرشید نعمانی

(۴۴) منتخب لغات القرآن، مولانا نسیم احمد بارہ بنکوی

(۴۵) جائزہ تراجم قرآنی، مولانا محمد سالم قاسمی وغیرہ

(۴۶) قرآن اوراس کے حقوق، مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی

(۴۷) قرآن محکم، مولانا عبدالصمد رحمانیؒ

(۴۸) قرآن پاک اورسائنس، مولانا خلیل احمد صاحبؒ

(۴۹) قرآن مجید اورانجیل مقدس، مولانا محمد عثمان فارقلیطؒ

(۵۰) تذکیر بسورۃ الکہف، مولانا مناظر حسن گیلانیؒ

(۵۱) بدیہیاتِ قرآن، مولانا محمد عارف جمیل مبارک پوری

تجوید وقرأت

دارالعلوم دیوبند نے فن تجوید وقرأت کی طرف بھی خصوصی توجہ کی اور ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء میں باقاعدہ طور پر ایک مستقل شعبۂ تجوید قائم ہوا۔ تدریس کے لیے نظر انتخاب ممتاز ماہر فن حضرت قاری عبدالوحید خان الہ آبادی (م ۱۳۶۵ھ) پر پڑی۔ آپ استاذ الاساتذہ حضرت قاری عبدالرحمٰن مکی کے تلمیذ ارشد تھے۔ آپ دارالعلوم دیوبند میں کم وبیش ۴۵ سال تک خدمتِ قرآن کی مسند پر فائز رہے اور دارالعلوم کے سیکڑوں علماء نے آپ سے استفادہ کیا۔ آپ کے بعد حضرت قاری عبدالرحمٰن مکیؒ کے دوسرے باکمال اور نامور ترین شاگرد حضرت قاری حفظ الرحمٰن پرتاپ گڈھی دارالعلوم کے شعبۂ تجوید کی مسند صدارت پر فائز کیے گئے۔ آپ کے زمانہ میں ملک وبیرون ملک سے فن تجوید وقرأت کے شائق طلبہ جوق در جوق آنے شروع ہوئے اوراس دور میں اس شعبہ کا فیض ملک سے باہر دور دراز تک پہنچ گیا۔ آپ کو اس وقت کے دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث وصدر المدرسین حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی سرپرستی اوران کا خصوصی تعاون حاصل تھا۔ قرآن پاک کی تصحیح طالب علم کے لیے لازم قرار دی گئی اور بغیر مشقی وکتابی تعلیم کے سند نہ دیے جانے کا ضابطہ بنایا گیا۔

دوسری طرف حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تجوید قرآن پر گراں قدر کتب ورسائل تحریر فرمائے ۔آپ کا رسالہ جمال القرآن آج برصغیر کے تمام اداروں میں نصاب تجوید میں داخل ہے۔اس آخری دور میں مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی نے علم تجوید وقرأت میں مختلف موضوعات چھوٹی بڑی درجنوں کتابیں لکھیں اور تجوید وقرأت کے مختلف گوشوں پر تحقیقی موادا کٹھا کر دیا ہے۔

دارالعلوم نے اس فن میں صرف عظیم الشان رجال کار ہی پیدا نہیں کیے بلکہ اسی کے ساتھ فن کی علمی، تصنیفی اور طباعتی خدمات کا نہایت شاندار سلسلہ قائم کیا۔آج فن تجوید میں جو چھوٹی بڑی کتابیں اور رسائل و شروح نظر آتی ہیں اور جو کتابیں بیشتر مدارس میں داخل نصاب ہیں، وہ بلا واسطہ یا بالواسطہ دارالعلوم دیوبند ہی کے فیض یافتگان کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔

فن تجوید وقراءت میں علمائے دیوبند کی کچھ اہم تصانیف حسب ذیل ہیں:

(۱) جمال القرآن، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
(۲) تجوید القرآن (منظوم)، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
(۳) حق القرآن (منظوم)، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
(۴) تنشیط الطبع فی اجراء السبع، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
(۵) وجوہ المثانی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
(۶) ہدیۃ الوحید، حضرت قاری عبدالوحید خان صاحب الہ آبادی
(۷) عنایات رحمانی شرح قصیدۂ شاطبیہ لامیہ (تین جلدیں)، مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتی
(۸) اسہل المواردشرح رائیہ للشاطبی، مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتی
(۹) کاشف العسر شرح ناظمۃ الزہر للشاطبی، مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتی
(۱۰) مفتاح الکمال شرح تحفۃ الاطفال للجزری، مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتی
(۱۱) تسہیل القواعد، مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتی
(۱۲) تنویر شرح التیسیر فی السبعہ، قاری رحیم بخش صاحب پانی پتی
(۱۳) الوجوہ المفسرہ (اردو ترجمہ)، قاری رحیم بخش صاحب پانی پتی
(۱۴) تکمیل الاجر فی القراءات العشر، قاری رحیم بخش صاحب پانی پتی
(۱۵) علم قرأت اور قرائے سبعہ، قاری ابوالحسن صاحب اعظمی
(۱۶) النفحۃ العنبریہ شرح المقدمۃ الجزریہ، قاری ابوالحسن صاحب اعظمی

(۱۷) النفحات القاسمیۃ شرح متن الشاطبیۃ، قاری ابوالحسن صاحب اعظمی
(۱۸) التحفۃ الجمیلۃ شرح رائیۃ للشاطبی، قاری ابوالحسن صاحب اعظمی
(۱۹) التبشیر شرح التیسیر، قاری ابوالحسن صاحب اعظمی
(۲۰) الفوائدالدریۃ ترجمۃ المقدمۃ الجزریۃ، قاری ابوالحسن صاحب اعظمی
(۲۱) قواعدالتجوید، قاری ابوالحسن صاحب اعظمی
(۲۲) قراءات عشرہ کا حامل قرآن مجید، قاری ابوالحسن صاحب اعظمی
(۲۳) تیسیر القراءات فی السبع المتواترات، قاری ابوالحسن صاحب اعظمی
(۲۴) قرآنی املاء اور رسم الخط، قاری ابوالحسن صاحب اعظمی
(۲۵) رسم المصحف اور اس کے مصادر، قاری ابوالحسن صاحب اعظمی
(۲۶) کاتبین وحی، قاری ابوالحسن صاحب اعظمی
(۲۷) دربار رسالت کے نوقراء، قاری ابوالحسن صاحب اعظمی
(۲۸) نعم الورود فی احکام المدود، قاری ابوالحسن صاحب اعظمی
(۲۹) حسن الاقتداء فی الوقف والابتداء، قاری ابوالحسن صاحب اعظمی
(۳۰) تحصیل الاجر فی القراءات العشر، قاری ابوالحسن صاحب اعظمی
(۳۱) حسن المحاضرات فی رجال القراءات، قاری ابوالحسن صاحب اعظمی
(۳۲) مشکلات القراءات، قاری ابوالحسن صاحب اعظمی
(۳۳) اصول التجوید، قاری جمشید علی صاحب
(۳۴) اصول القراءات، قاری جمشید علی صاحب
(۳۴) اللولؤ المکنون فی روایۃ قالون، قاری عبدالرؤف بلندشہری
(۳۵) معین الطلبہ فی اجراء قرأت السبعۃ، قاری عبدالرؤف بلندشہری
(۳۶) دارالعلوم دیوبند اور خدمات تجوید وقرأت، قاری ابوالحسن صاحب اعظمی

وغیرہ

علمائے دیوبند اور خدمت حدیث

ہندوستان میں اسلام کی آمد گو پہلی صدی ہجری (ساتویں صدی عیسوی) سے شروع ہو چکی تھی اور صحابہ و تابعین کی ایک تعداد سندھ اور قریبی علاقوں میں پہنچ چکی تھی، لیکن ہندوستان کے شمالی وجنوبی علاقوں میں اسلام اور مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ گیارہویں صدی عیسوی میں محمود غزنوی کے دور میں شروع ہوا اور پھر ۱۲۰۶ء میں غوریوں کے ذریعہ ہندوستان میں پہلی مسلم سلطنت کے قیام کے بعد ہی سے ہندوستان میں علماء وصلحاء کی کثرت سے آمد شروع ہوئی۔ دہلی سلطنت (۱۲۰۶-۱۵۲۶ء) کے ابتدائی زمانے میں وسط ایشیا اور بغداد وعراق میں تاتاریوں کی خونیں یورشوں کی وجہ سے علماء وفقہاء کی ایک بڑی تعداد کو ہندوستان نے اپنے دامن میں جگہ دی۔

ہندوستان کی ابتدائی تاریخ میں علم فقہ اور پھر منطق وفلسفہ کو منتہائے کمال سمجھا جاتا تھا اور ان فنون کے ماہرین یہاں پیدا ہوئے۔ فن حدیث کی طرف خال خال ہی لوگوں نے توجہ دی۔ تاہم ہندوستان کے علماء متقدمین نے فن حدیث میں کئی اہم کارنامے انجام دیے جو پوری علمی دنیا میں سراہے گئے؛ جیسے شیخ حسن بن محمد الصغانی (۱۱۸۱-۱۲۵۲ء) کی مشارق الانوار، شیخ علاء الدین علی متقی ہندی (۱۴۸۰-۱۵۶۷ء) کی کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، شیخ محمد بن طاہر پٹنی (۱۵۰۴-۱۵۷۸ء) کی مجمع البحار اور المغنی فی اسماء الرجال وغیرہ۔ مغلیہ دور حکومت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۵۵۲-۱۶۴۲ء) نے علم حدیث کی اشاعت میں گراں قدر خدمات انجام دیں اور اشعۃ اللمعات ولمعات التنقیح وغیرہ قیمتی کتابیں تالیف فرمائیں۔

ہندوستان میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۷۰۳-۱۷۶۲ء) نے علم حدیث کو نیا موڑ دیا۔ شاہ صاحب کی اولاد وتلامذہ کے ذریعہ یہ سلسلہ پورے ہندوستان میں پھیل گیا۔ شاہ صاحب کے زمانے تک علم حدیث میں مشارق الانوار اور مشکاۃ المصابیح نہائی کتابیں تھیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور ان کے صاحبزادے شیخ نورالحق نے اس سلسلہ کو مزید وسعت دینے کی کوشش کی، لیکن ہندوستان میں علم حدیث کی اشاعت کا شرف خانوادۂ ولی اللہی کو حاصل ہونا مقدر ہو چکا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حرمین شریفین جا کر علم حدیث کی تکمیل کی اور واپس آ کر دہلی میں صحاح ستہ کی تعلیم کا آغاز کیا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے اخلاف نے صحاح ستہ کی درس وتدریس کو اپنی سعی وکوشش سے جزو نصاب بنا دیا۔

مغلیہ حکومت کے سقوط کے بعد دارالعلوم دیوبند کی شکل میں انتہائی نامساعد حالات میں ہندوستان کے اندر اسلام کی حفاظت و اشاعت کا مرکز قائم کیا گیا۔ دارالعلوم دیوبند نے جہاں ان نازک حالات میں اسلام اور مسلم تہذیب کی حفاظت و بقا کا سامان پیدا کیا، وہیں دینی علوم خصوصاً علم حدیث کی اشاعت میں زبردست کردار ادا کیا۔ علمائے دیوبند کی عظیم الشان خدمتِ حدیث ہندوستان کی علمی و تحقیقی تاریخ کا نہایت روشن باب ہے جس کا دیگر علماء اور محققین نے کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔ عالم اسلام کے سیاسی و علمی زوال کے دور میں دارالعلوم نے تفسیر وفقہ کے ساتھ علمِ حدیث کی بھی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ حدیث کی تدریسی و تصنیفی ہر میدان کی خدمت میں دارالعلوم کے نمایاں کارناموں سے تاریخ کے اوراق بھرے ہوئے ہیں اور یہ صرف دعویٰ ہی نہیں ہے بلکہ ان خدمات سے متأثر ہوکر دنیائے اسلام کے متبحر عالم، نامور اہل قلم، مشہور علمی رسالہ ''المنار'' مصر کے ایڈیٹر علامہ سید رشید رضا لکھتے ہیں:

> ''ہمارے بھائی ہندوستانی علماء کی توجہ اس زمانہ میں علم الحدیث کی طرف متوجہ نہ ہوتی تو مشرقی ممالک سے یہ علم ختم ہو چکا ہوتا کیونکہ مصر، شام، عراق اور حجاز میں دسویں صدی ہجری سے چودھویں صدی کے اوائل تک یہ علم ضعف کی آخری منزل پر پہنچ گیا تھا''۔ (مقدمہ مفتاح کنوز السنۃ)

شیخ یوسف سید ہاشم الرفاعی وزیر حکومت کویت نے دارالعلوم میں ایک جلسۂ عام میں تقریر کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ

> :''اسلام پر اعتراضات کے دفعیہ کے لیے ہم جلیل القدر علماء کے محتاج ہیں، حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر کے معیار کے علماء کی ضرورت ہے اور ہمیں فخر ہے کہ اس درجہ کے علماء اس دارالعلوم میں موجود ہیں''۔ (تاریخ دارالعلوم ص:۴۱۶، ج:۱)

عالم اسلام کے ممتاز محدثین اور محقق علماء دارالعلوم کی خدمات حدیث کے نہ صرف معترف بلکہ مداح ہیں۔ شیخ زاہد الکوثری، شیخ عبدالفتاح ابوغدہ، شیخ عوامہ کو ان میں سے بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔

علمائے دیوبند نے علم حدیث کی ہر ہر پہلو اور ہر ہر گوشے سے خدمت کی ہے اور حدیث کا کوئی میدان ان کی علمی کاوشوں سے خالی نہیں ہے، لیکن درس حدیث خصوصی طور پر ان کے فکر و تدبر اور غور و تحقیق کی جولان گاہ رہا ہے جس میں ڈیڑھ سو سال سے یہ حضرات مسلسل اپنی تحقیقات کے نادر موتی بکھیرتے رہے ہیں۔

علمائے دیوبند نے حدیث کی تدریس میں پرانے انداز پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ برصغیر میں درس حدیث کا ایسا منفرد طرز اختیار کیا جو متقدمین کی درسی خصوصیات کا حامل ہونے کے ساتھ دلائل ائمہ اور حالات کے مطابق مذہب حنفی کے اثبات و ترجیح پر بھی مشتمل ہوتا ہے۔ نیز، وہ ان تمام مسائل پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں جو دور حاضر میں اسلام کے لیے بظاہر ایک چیلنج کی صورت اختیار کر گئے ہیں۔ خدمت حدیث

کا یہ درسی انداز اکابرینِ دیوبند کی فکری پرواز کا نتیجہ ہے، ورنہ اس سے پہلے ہندوستان کے تمام ہی محدثین حدیث کے ترجمہ اور مذاہب ائمہ کے بیان پر اکتفا کرتے تھے، ان کے دلائل کا تذکرہ اور اس میں موازنہ کا بالکل رواج نہ تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور دیگر حضرات اکابر کا حدیث کی تنقیح وتشریح کا درسی سلسلہ اتنا مقبول ہوا کہ ہندوستان، برما، افغانستان، ملیشیا، بخارا، ترکستان اور انڈونیشیا کے پروانۂ حدیث کھنچ کھنچ کر یہاں آنے لگے اور آج حدیث کی کوئی معروف درس گاہ اس کے فیض یافتگان سے خالی نظر نہیں آتی۔

دارالعلوم دیوبند اور اس کے طرز پر قائم مدارس اسلامیہ کے ذریعہ برصغیر میں ایسے باصلاحیت محدثین پیدا ہوئے جنھوں نے زندگی کا وافر حصہ کتبِ حدیث خاص کر صحیح بخاری وصحیح مسلم کو پڑھنے پڑھانے یا اس کی شرح لکھنے میں صرف کیا۔ ان محدثین میں سے چند نمایاں نام حسب ذیل ہیں: حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ، شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ، مولانا غلام رسول ہزاروی، مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ، مولانا محمد یحیٰی کاندھلویؒ، مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ، مولانا احمد حسن امروہویؒ، مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا اصغر حسین دیوبندیؒ، علامہ ابراہیم بلیاویؒ، مولانا جلیل احمد علویؒ، مولانا ظہور احمد دیوبندیؒ، مولانا فخر الدین احمد مرادآبادیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانی تھانویؒ، مولانا احمد رضا بجنوریؒ، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا حمید الدین فیض آبادیؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ، مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ، مولانا محمد اسماعیل سنبھلیؒ، مولانا عبد الجبار اعظمیؒ، مولانا اسلام الحق اعظمیؒ، مولانا بشیر احمد بلند شہریؒ، مولانا انظر شاہ کشمیریؒ، مولانا محمد میاں دیوبندیؒ، مولانا شریف الحسن دیوبندیؒ، مولانا عبد الحق اکوڑوی، مولانا عبد الاحد دیوبندیؒ، مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، مولانا نصیر احمد خان بلند شہریؒ، مولانا عثمان غنیؒ، مولانا خورشید عالم دیوبندیؒ، مولانا نعیم احمد دیوبندیؒ، مولانا زین العابدین اعظمی، مولانا سعید احمد پالن پوری، مولانا نعمت اللہ اعظمی، مولانا ارشد مدنی، مولانا عبد الحق اعظمی، مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی، مولانا قمر الدین گورکھپوری، مولانا ریاست علی بجنوری، مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی اعظمی، مولانا سرفراز خان صفدرؒ، مولانا سلیم اللہ خان کراچوی، مولانا مصطفٰی اعظمی، مولانا ابواللیث اعظمی وغیرہ۔

علمائے دیوبند نے درس حدیث کے مبارک شغل کو پورے برصغیر کے گوشے گوشے اور دنیا کے دوسرے حصوں تک پہنچادیا۔ علمائے دیوبند کے درس حدیث کی خصوصیات کی بناء پر دنیا بھر سے طالبان علومِ حدیث کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر امنڈ پڑا اور ڈیڑھ سو سالوں سے اب تک یہ سلسلہ پیہم جاری ہے۔ دارالعلوم دیوبند نے

اپنے یومِ قیام سے اب تک ہزار ہا ہزار حدیث کے رجال کار دنیا میں پھیلا دیے ہیں۔

علاوہ ازیں، یہ دارالعلوم ہی کا طغرۂ امتیاز ہے کہ اس نے حدیث کی خدمت کے لیے شروع ہی سے سب سے بلند و بالا اور پرشکوہ عمارت دارالحدیث کے نام سے تعمیر کی جو شاید اسلامی تاریخ میں اپنی نوعیت کی ایک منفرد کوشش تھی اور علم حدیث کے تئیں علمائے دیوبند کی عظمت کی غماز اور اس سلسلہ میں ان کی عظیم الشان خدمات کا ایک نقش جمیل ہے۔

یہ تو علمائے دیوبند کی صرف درسی خدمات کا ایک جائزہ تھا، اس سے آگے بڑھ کر جب ہم تصنیفی دنیا میں نظر دوڑاتے ہیں تو یہاں بھی علم حدیث کا کوئی گوشہ ایسا نظر نہیں آتا جس پر حضرات علمائے دیوبند کی علمی و تحقیقی کاوشیں موجود نہ ہوں، خواہ وہ متون حدیث کی شرحیں لکھنے کا موضوع ہو یا احادیث کے ذخیرہ کو تحقیق و تعلیق کے ساتھ شائع کرنے کا، خواہ اصول حدیث کا موضوع ہو یا حدیث کی تاریخ کا۔ ذیل میں حدیث کے عنوان سے ہونے والی تالیفی خدمات کا اجمالاً تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

صحیح بخاری اور علمائے دیوبند کی خدمات

(۱) تعلیقات جامعة علی صحیح البخاری (عربی): حضرت مولانا احمد علی سہارن پوریؒ نے بخاری کے ۲۵ر اجزاء پر تعلیقات کی، باقی پانچ حصوں پر ان کے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے تعلیق کی۔

(۲) لامع الدراری علی صحیح البخاری: یہ مجموعہ دراصل حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا درسِ بخاری ہے جو حضرت مولانا محمد یحیٰی کاندھلویؒ نے اردو زبان میں قلم بند کیا تھا جس کا شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے عربی زبان میں ترجمہ کیا تعلیق و تحقیق کے بعد یہ عظیم کتاب منظر عام پر آئی۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور اس کی ۱۰ جلدیں ہیں۔

(۳) فیض الباری علی صحیح البخاری: یہ محدث کبیر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کا درس بخاری ہے جس کو ان کے شاگرد رشید مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ نے عربی زبان میں مرتب کیا ہے۔ سب سے پہلے یہ شرح مصر سے شائع ہوئی، اس کے بعد سے دنیا کے بے شمار ممالک میں لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو چکی ہے، چنانچہ آج عرب و عجم میں اس شرح کو صحیح بخاری کی اہم شروح میں شمار کیا جاتا ہے۔ عرب و عجم میں علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کا شمار مستند و معتبر محدثین میں کیا جاتا ہے اور مشرق و مغرب کے تمام علمی حلقوں نے ان کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا گیا ہے۔

(۴) الابواب والتراجم للبخاری: اس کتاب میں بخاری شریف کے ابواب کی وضاحت کی گئی ہے۔ صحیح

بخاری میں احادیث کے مجموعہ کے عنوان پر بحث ایک مستقل علم کی حیثیت رکھتی ہے جسے ترجمۃ الابواب کہتے ہیں۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے اس کتاب میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور علامہ ابن حجر العسقلانیؒ جیسے علماء کے ذریعہ بخاری کے ابواب کے بارے میں کی گئی وضاحتیں ذکر کرنے کے بعد اپنی تحقیقی رائے پیش کی ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور اس کی ۶ جلدیں ہیں۔

(۵) انوار الباری فی شرح صحیح البخاری: حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کا درس بخاری، مرتب: مولانا احمد رضا بجنوری

(۵) شرح تراجم البخاری: شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ

(۶) شرح تراجم البخاری: مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

(۷) التقریر علی صحیح البخاری: شیخ زکریا کاندھلویؒ، شیخ محمد یونس صاحب

(۸) ارشاد القاری الی صحیح البخاری: مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ

(۹) تلخیص البخاری شرح صحیح البخاری: مولانا شمس الضحیٰ مظاہریؒ

(۱۰) تحفۃ القاری فی حل مشکلات البخاری: مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

(۱۱) ترجمۃ صحیح بخاری: مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

(۱۲) فضل الباری شرح صحیح بخاری: مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

(۱۳) تحقیق وتعلیق لامع الدراری علی جامع البخاری: شیخ محمد زکریا کاندھلویؒ

(۱۴) النبراس الساری فی اطراف البخاری (عربی): مولانا عبد العزیز گوجرانوالاؒ

(۱۵) انعام الباری شرح بخاری، مولانا محمد امین چاٹگامی

(۱۶) امداد الباری فی شرح البخاری: مولانا عبد الجبار اعظمیؒ، مولانا زین العابدین اعظمیؒ

(۱۷) جامع الدراری فی شرح البخاری: مولانا عبد الجبار اعظمیؒ

(۱۸) التصویبات لما فی حواشی البخاری من التصحیفات: مولانا عبد الجبار اعظمیؒ

(۱۹) الخیر الجاری علی صحیح البخاری: مولانا خیر محمد مظفر گڑھیؒ

(۲۰) النور الساری علی صحیح البخاری: مولانا خیر محمد مظفر گڑھیؒ

(۲۱) احسان الباری لفہم البخاری: مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ

(۲۲) جواہر البخاری علی اطراف البخاری: مولانا قاضی زاہد حسینیؒ

(۲۳) انعام الباری فی شرح اشعار البخاری: مولانا عاشق الٰہی بلندشہری ومہاجر مدنیؒ
(۲۴) ایضاح البخاری: حضرت مولانا فخر الدین احمد مراد آبادیؒ کا درس بخاری،
مرتب: مولانا ریاست علی بجنوری
(۲۵) القول الفصیح فی تراجم البخاری، حضرت مولانا سید فخر الدین احمدؒ مراد آبادی
(۲۶) دروس بخاری: حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کا درس بخاری، جامع مولانا نعمت اللہ اعظمی
(۲۷) نصر الباری شرح البخاری (۱۴ جلدیں): مولانا عثمان غنیؒ
(۲۸) حمد المتعالی علی تراجم صحیح البخاری: مولانا سید بادشاہ گلؒ تلمیذ حضرت مدنیؒ
(۲۹) فضل البخاری فی فقہ البخاری: مولانا عبدالرؤف ہزارویؒ، تلمیذ علامہ کشمیری
(۳۱) تسہیل الباری فی حل صحیح البخاری: مولانا قاری صدیق احمد باندویؒ
(۳۲) کشف الباری فی شرح البخاری: مولانا سلیم اللہ خان صاحب
(۳۲) شرح البخاری، تجرید البخاری: مولانا محمد حیات سنبھلیؒ
(۳۳) انعام الباری، دروس بخاری شریف: مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا درس بخاری،
مرتب: مولانا مفتی محمد انور حسین صاحب
(۳۴) تحفۃ القاری: مولانا مفتی محمد سعید احمد پالن پوری کا درس بخاری
(۳۵) تفہیم البخاری (ترجمہ اردو صحیح بخاری، ۳۰؍ جلدیں)، مولانا ظہور الباری قاسمی

صحیح مسلم اور علمائے دیوبند کی خدمات:

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور مفتی محمد تقی عثمانی کی شرح مسلم کو عرب وعجم میں بڑی شہرت حاصل ہوئی ہے۔

(۱) موسوعۃ فتح الملہم بشرح صحیح امام مسلم: یہ صحیح مسلم کی اہم ومقبول شرح ہے جس کو عرب وعجم میں بڑی شہرت حاصل ہوئی ہے۔ اس شرح کو عربی زبان میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے تحریر کیا تھا لیکن شرح مکمل ہونے سے قبل ہی آپ کا انتقال ہو گیا۔

(۲) تکملۃ فتح الملہم: حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہ نے کتاب الرضاعۃ سے آخیر تک ٦ جلدوں میں اس شرح کو عربی زبان میں مکمل کیا اور ابتدائی ٦ جلدوں پر تعلیقات بھی تحریر فرمائیں۔ امت مسلمہ خاص کر عرب علماء میں اس شرح کو خاص مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ لبنان کے متعدد ناشرین اس

شرح کے بے شمار نسخے شائع کر چکے ہیں۔

(۳) الحل المفہم لصحیح مسلم: یہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا درس مسلم ہے جو شیخ محمد یحییٰ کاندھلویؒ نے قلمبند کیا تھا اور شیخ محمد زکریا کاندھلویؒ نے اپنی تعلیقات کے ساتھ اس کو دو جلدوں میں شائع کرایا۔

(۴) نعمۃ المنعم فی شرح المجلد الثانی لمسلم: شیخ نعمت اللہ اعظمی دامت برکاتہم کی تالیف ہے جو کتاب البیوع سے لے کر باب استحباب المواساۃ بفضول الماء تک ہے جس کی ۳۸۳ صفحات پر مشتمل ایک جلد شائع ہو چکی ہے۔

(۵) صحیح مسلم شریف مترجم عربی اردو: مولانا عابد الرحمٰن کاندھلوی

(۶) القول المفہم فی حل مغلقات الصحیح لمسلم (عربی)، مولانا شوکت علی قاسمی سیتامڑھی

سننِ ترمذی کی خدمات

(۱) النفح الشذی شرح ترمذی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

(۲) الورد الشذی علی جامع ترمذی، حضرت مولانا شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ

(۳) الکوکب الدری، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

(۴) معارف السنن شرح جامع ترمذی (عربی)، حضرت مولانا یوسف بنوریؒ

(۵) معارف مدنیہ تقریر ترمذی حضرت مدنیؒ، حضرت مولانا سید طاہر حسنؒ

(۶) تقریر ترمذی، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ

(۷) العرف الشذی علی جامع الترمذی، حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ

(۸) شرح ترمذی، حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ

(۹) الطیب الشذی شرح ترمذی، مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب

(۱۰) درس ترمذی، مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

(۱۱) تحفۃ الالمعی شرح ترمذی، مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری

(۱۲) الحدیث الحسن فی جامع الترمذی، شعبۂ تخصص فی الحدیث، دارالعلوم دیوبند

(۱۳) حسن صحیح فی جامع الترمذی، شعبۂ تخصص فی الحدیث، دارالعلوم دیوبند

(۱۴) حسن غریب فی جامع الترمذی، شعبۂ تخصص فی الحدیث، دارالعلوم دیوبند

(۱۵) شرح ترمذی (عربی)، مولانا شمس الحق افغانی صاحب

(۱۶) شرح ترمذی (عربی)، مولانا سید بادشاہ گل صاحب
(۱۷) معارف الترمذی، مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری صاحب
(۱۸) خزائن السنن شرح ترمذی، مولانا سرفراز خان صفدر صاحب
(۱۹) شرح ترمذی، مولانا موسیٰ خان روحانی بازی صاحب
(۲۰) شرح ترمذی، مولانا عبدالستار اعظمی صاحب

بقیہ کتب ستہ کی خدمات

(۱) بذل المجہود شرح ابوداؤد (عربی ۵/جلدیں)، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ
(۲) انوار المحمود حاشیہ سنن ابی داؤد، حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ
(۳) التعلیق المحمود حاشیہ ابوداؤد، حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ
(۴) حاشیہ بذل المجہود شرح ابوداؤد، حضرت مولانا شیخ زکریا صاحبؒ
(۵) الدر المنضود شرح ابی داؤد، مولانا محمد عاقل صاحب سہارن پوری
(۶) شرح ابوداؤد، مولانا عبدالماجد صاحب
(۷) القول المحمود فی حل معضلات سنن ابی داؤد، مولانا شوکت علی قاسمی سیتامڑھی
(۸) شیوخ الامام ابوداؤد السجستانی، مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی اعظمی
(۹) حاشیہ سنن نسائی، مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب
(۳) حاشیہ سنن ابن ماجہ، حضرت مولانا انور شاہ کشمیری و حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ
(۱۰) حاشیہ ابن ماجہ، مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب
(۱۱) رفع الحاجہ ترجمہ ابن ماجہ، مولانا عبدالماجد صاحب
(۱۱) شرح ابن ماجہ (عربی) مولانا منظور نعمانی صاحب
(۱۴) مصباح الزجاجہ، مولانا اسعد قاسم سنبھلی

دیگر کتب حدیث کی خدمات

(۱) اوجز المسالک ۶/جلدیں، حضرت مولانا شیخ زکریا صاحبؒ
(۲) حاشیہ مؤطا امام مالک، مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب

(۳) کشف المغطی عن رجال المؤطا، مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب
(۴) نخب الافکار شرح شرح معانی الآثار (علامہ بدرالدین العینیؒ)، تحقیق: مولانا ارشد مدنی صاحب
(۵) تقریب شرح معانی الآثار، مولانا نعمت اللہ اعظمی
(۶) ایضاح الطحاوی، مفتی شبیر احمد قاسمی
(۷) درس طحاوی، مولانا جمیل احمد سکروڈوی
(۸) الکلام الحاوی علی الطحاوی، مولانا سرفراز خان صفدرؒ
(۹) مصباح الطحاوی، مولانا اسعد اللہ صاحب سہارن پور
(۱۰) تراجم الاحبار من رجال معانی الآثار، مولانا سید محمد ایوب سہارن پوری
(۱۱) حاشیہ طحاوی، مولانا سید محمد ایوب سہارن پوری
(۱۲) التعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ المصابیح (عربی ۷/جلدیں)، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ
(۱۳) مظاہر حق جدید شرح مشکوٰۃ المصابیح، مولانا عبداللہ جاوید
(۱۴) معارف المشکوٰۃ شرح مشکوٰۃ المصابیح، حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب عالی
(۱۵) شرح مشکوۃ المصابیح، مولانا موسی خان روحانی بازی
(۱۶) حاشیۂ مشکوۃ، مولانا نصیرالدین کامل پوری
(۱۷) تنظیم الاشتات شرح مشکاۃ، مولانا ابوالحسن چاٹگامی
(۱۸) قلائدالازہار شرح کتاب الآثار ۳/جلدیں، مولانا مفتی مہدی حسن شاہجہاں پوریؒ
(۱۹) شرح شمائل ترمذی، مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب
(۲۰) خصائل نبوی، شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ
(۲۱) جمع الفضائل شرح الشمائل، مولانا محمد اسلام قاسمی

متون احادیث کی تعلیق وتحقیق

(۱) سنن سعید بن منصور (عربی)، مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ
(۲) حاشیہ آثار السنن (عربی)، حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ
(۳) تعلیق وتحقیق مصنف عبدالرزاق (عربی) ۱۱/جلدیں، مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ
(۴) تعلیق وتحقیق المطالب العالیہ (عربی) ۴/جلدیں، مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ

(۵) تعلیق وتحقیق کتاب الزہد والرقاق، مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ
(۶) تعلیق وتحقیق مسند حمیدی (عربی)، مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ
(۷) تعلیق وتحقیق علی صحیح ابن خزیمہ، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ قاسمی اعظمی
(۸) تحقیق وتعلیق علی کتاب المغنی فی ضبط الاسماء لرواۃ الانباء، مولانا زین العابدین اعظمی
(۹) تحقیق وتخریج جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد، شعبۂ تخصص فی الحدیث، مظاہر علوم سہارن پور
(۱۰) رسائل (من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل، اعلام المحدثین، نخب من اسماء رجال الصحاح)، مولانا زین العابدین اعظمی

مجموعۂ احادیث وکتب متعلقہ

(۱) اعلاء السنن (۱۸ جلدیں)، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ
(۲) معارف الحدیث، حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ
(۳) الفیۃ الحدیث، حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ
(۴) جامع الآثار، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۵) تابع الآثار، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۶) منتخب احادیث، حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ
(۷) مشکوٰۃ الآثار، حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ
(۸) روض الریاحین ترجمہ بستان المحدثین، حضرت مولانا عبدالسمیع دیوبندیؒ
(۹) حفظِ اربعین انتخاب مسلم شریف، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۱۰) المسک الزکی، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۱۱) اطفاء الفتن ترجمہ احیاء السنن، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۱۲) الادراک والتوصل الی حقیقۃ الاشتراک والتوسل، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۱۳) منحۃ الحبیب فی شرح الفیۃ الحدیث، مولانا محمد ادریس کاندھلوی
(۱۴) مستزاد الحقیر علی زاد الفقیر، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ
(۱۵) الباقیات شرح انما الاعمال بالنیات، مولانا ادریس کاندھلویؒ

(۱۶) تحفۃ الاخوان شرح حدیث شعب الایمان، مولانا دریس کاندھلویؒ

(۱۷) جواہرالاصول فی اصول الحدیث، مولانا عبدالرحمٰن مروانی

(۱۸) شرح جواہرالاصول، قاضی اطہر مبارکپوریؒ

(۱۹) دراسات فی الاحادیث النبویہ، ڈاکٹر مصطفیٰ قاسمی اعظمی

(۲۰) الاتحاف لمذہب الاحناف، علامہ انورشاہ کشمیریؒ

(۲۱) دررِفرائد ترجمہ جمع الفوائد، مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ

(۲۲) مذہب مختار ترجمہ وحواشی معانی الاخیار، مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ

(۲۳) اللآلی المنثورۃ، افادات حضرت شیخ الہندؒ، مولانا عبدالحفیظ بلیاویؒ

(۲۴) عمدۃ المفہم فی حل مقدمۃ مسلم، مولانا عبدالقادر محمد طاہر صاحب رحیمیؒ

(۲۵) فضل اللہ الصمد فی توضیح الادب المفرد، حضرت مولانا فضل اللہ جیلانیؒ

(۲۶) فیض المنعم شرح مقدمۃ مسلم، حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری

(۲۷) نعمۃ المنعم شرح مقدمۃ مسلم، حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی

(۲۸) فیض الملہم شرح مقدمۃ مسلم، حضرت مولانا اسلام الحق صاحب کوپاگنجیؒ

(۲۹) نصرۃ المنعم شرح مقدمۃ مسلم، حضرت مولانا عثمان غنیؒ صاحب

(۳۰) ایضاح المسلم شرح مقدمۃ مسلم، مولانا محمد غانم صاحب دیوبندی

(۳۱) شرح مقدمہ شیخ عبدالحق، مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی اعظمی

(۳۲) معین اللبیب تعلیق علی الفیۃ الحدیث (عربی)، مولانا توقیر عالم پورنوی

(۳۳) تحفۃ الاریب شرح الفیۃ الحدیث، مولانا توقیر عالم پورنوی

(۳۴) انتخاب صحاحِ ستہ، حضرت مولانا زین العابدین سجاد میرٹھیؒ

(۳۵) ترجمان السنۃ، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ

(۳۶) معارف السنۃ، مولانا احتشام الحسن کاندھلوی

(۳۷) حدیثِ رسول کا قرآنی معیار، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

(۳۸) حجیت حدیث، حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ

(۳۹) حجیت حدیث، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

(۴۰) نصرۃ الحدیث، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ
(۴۱) حجیت حدیث، مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب
(۴۲) تدوین حدیث، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ
(۴۳) کتابتِ حدیث، حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ
(۴۴) اسباق حدیث، حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی
(۴۵) حدیث اور فہم حدیث، مولانا مفتی عبداللہ معروفی
(۴۶) علماء دیوبند وخدماتہم فی الحدیث (عربی)، ڈاکٹر عبدالرحمٰن البرنی
وغیرہ

علمائے دیوبند کی فقہی خدمات

ہندوستان کی اسلامی تاریخ سے دل چسپی رکھنے والوں کو معلوم ہوگا کہ ابتدائی صدیوں میں جب ہندوستان میں سندھ وغیرہ علاقوں میں مسلمانوں کی قابل ذکر آبادیاں شروع ہوئیں اس وقت سے ہی سے یہاں فقہ حنفی کا رواج ہوا۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی غالب اکثریت ہمیشہ سے مذہب حنفی کی پابند تھی۔ ہندوستان کی تقریباً تمام اہم مسلم حکومتوں نے مذہب حنفی کا اتباع کیا اور فقہ حنفی ہی ہندوستان میں تمام قوانین و ضوابط کی بنیاد بنا رہا۔ سلاطین دہلی (۱۲۰۶-۱۵۲۶ء) اور سلطنت مغلیہ (۱۵۲۶-۱۸۵۷ء) کے عہد میں فقہ کی زبردست خدمات انجام دی گئیں۔ سلطنت دہلی کے عہد میں فقہ اسلامی تعلیمی نصاب کا اہم ترین جزء تھا، بلکہ فقہ کی تعلیم منتہائے کمال سمجھی جاتی تھی۔ اسی زمانے میں فتاوی غیاثیہ، فتاوی فیروز شاہی اور فتاوی قراخانی وغیرہ فقہی مجموعے وجود میں آئے، خاص طور پر فقہ اسلامی کا عظیم الشان انسائیکلوپیڈیا فتاوی تاتارخانیہ اسی زمانے کی یادگار اور فخر ہندوستان ہے۔ مغل عہد حکومت میں بھی فقہ حنفی ہی ہندوستانی قانون تھا لیکن نصاب میں علوم عقلیہ کو زیادہ اہمیت دی گئی۔ مغل عہد حکومت میں ہی علماء کی ایک جماعت کے تعاون سے شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیرؒ (۱۶۵۸-۱۷۰۷ء) نے فتاوی کا ایک مجموعہ تیار کرایا جو اس وقت فتاوی ہندیہ یا فتاوی عالم گیری کے نام سے پوری دنیا میں مشہور ہے۔ اس عہد میں فقہ وفتاوی کے موضوعات پر متعدد اہم تصانیف (مثلاً فتاوی بابری، فتاوی برہنہ، نظام الاحتساب، فتاوی نقشبندیہ، فتاوی السراج المنیر وغیرہ) معرض وجود میں آئیں۔ ہندوستان کے عہد اسلامی میں فقہ اسلامی کے بے شمار محققین، علماء اور اساتذہ پیدا ہوئے۔

سلطنت مغلیہ کے زوال اور اسلامی نظام تعلیم کے بکھر جانے کے بعد جب دارالعلوم دیوبند کو ہندوستان کی علمی و دینی وراثت کو سنبھالنے اور ترقی دینے کی توفیق میسر آئی تو اس نے فقہ اسلامی کو نصاب تعلیم میں کما حقہ جگہ دی اور فقہ واصول فقہ کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی کیوں کہ فقہ کتاب وسنت کا نچوڑ اور اسلامی نظام حیات اور تہذیب وتمدن کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ علمائے دیوبند نے جس طرح دین کے تمام شعبوں کو اپنے دامن میں سمیٹا اور ہر ایک کی خدمت کا شرف حاصل کیا ہے، اسی طرح شریعت کے بنیادی شعبۂ فقہ کی بھی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ علمائے دیوبند کی عظیم الشان خدمات کے باعث

آج دار العلوم دیوبند پوری دنیا میں فقہ حنفی کا سب سے بڑا گہوارہ تصور کیا جاتا ہے اور علمائے دیوبند اس کے سب سے بڑے ترجمان، جب کہ فقہ حنفی پر پوری دنیا میں مسلمانوں کی غالب اکثریت کا عمل ہے اور اسلامی ممالک حتی کہ سعودی عرب وغیرہ کی عدالتوں میں فقہ حنفی اساس کی حیثیت رکھتا ہے۔

علمائے دیوبند فقہ میں حنفی مسلک کے پیرو اور ترجمان ہیں۔ ان کا فقہی سرچشمہ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ کا مدون کردہ فقہ و اصول فقہ ہے، لیکن ان کی تصنیفات اور تحریروں میں مسلکی تعصب اور تشدد پسندی کا نشان تک نہیں ملتا۔ علمائے دیوبند فقہِ اسلامی کے چاروں مذاہب کو اہل سنت و جماعت کا ترجمان مانتے ہیں اور سب سے یکساں عقیدت و محبت رکھتے ہیں۔

دار الافتاء

دار العلوم جس وقت قائم ہوا اس زمانے میں پرانے علماء کی درس گاہیں ویران اور مسندیں خالی ہو چکی تھیں۔ علماء خال خال رہ گئے تھے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ کوئی مسئلہ بتانے والا مشکل سے ملتا تھا۔ اسی لیے دار العلوم کے قیام کے ساتھ ہی مسلمانوں نے دینی رہ نمائی کے سلسلہ میں دار العلوم کی طرف نگاہ اٹھائی اور ملک کے اطراف و جوانب سے طلب فتاوی کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ اولاً یہ کام اساتذہ کے سپرد رہا، چناں چہ حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ صدارت تدریس کے ساتھ فتوی نویسی کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ مگر جب طلب فتاوی کی تعداد غیر معمولی طور پر بڑھنے لگی تو باضابطہ شعبہ کے قیام کی طرف توجہ مبذول ہوئی اور ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ھ میں دار الافتاء کا باضابطہ قیام عمل میں آیا اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ اس اہم خدمت کے لیے منتخب ہوئے۔ حضرت ممدوح اپنے زمانے کے یگانۂ روزگار عالم اور زبردست فقیہ ہونے کے علاوہ زہد و تقوی میں بھی امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ اس وقت سے اب تک اس خدمت پر ایسے حضرات مامور ہوتے رہے جن کو فقہ میں زیادہ سے زیادہ بصیرت حاصل ہوتی تھی۔ دار الافتاء کی گران قدر شخصیات میں حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی اعزاز علی امروہویؒ، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی دیوبندیؒ، مولانا مفتی سہول بھاگل پوری، مفتی سید مہدی حسن شاہجہاں پوریؒ، مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی، مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ، مولانا مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی، مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ وغیرہم شامل ہیں۔

دار الافتاء، دار العلوم کا نہایت اہم شعبہ ہے اور اس سے ملک و بیرون ملک کے علماء و عوام، مختلف مسائل میں رہ نمائی حاصل کرتے ہیں۔ آغاز ہی سے دار الافتاء کی طرف مسلمانان ہند کا بے پناہ رجوع ہوا

اور رفتہ رفتہ اسے مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی۔ برصغیر کی حدود سے آگے بڑھ کر پوری دنیا کے مسلمان اپنے اہم مسائل میں دارالافتاء کی طرف رجوع کرنے لگے اور اس کی رائے کو قابل اعتبار سمجھنے لگے۔

دارالافتاء سے جو فتاوی طلب کیے جاتے ہیں ان میں روزمرہ کے معمولی مسائل کے علاوہ اہم، پیچیدہ اور غور طلب مسائل، پنچایتوں کے فیصلے، عدالتوں کی اپیلیں اور مختلف الاحکام فتاوی کثرت سے ہوتے ہیں۔ دارالافتاء کے فتاوی کو ہر جگہ وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ عدالتیں یہاں کے فتاوی کو اہمیت دیتی ہیں۔ عوام کے علاوہ علماء بھی اکثر مسائل میں اس کی جانب رجوع کرتے ہیں۔ اس اہمیت ونزاکت کے باوجود دارالافتاء کا کام عام اور خاص مسلمانوں میں ہمیشہ اطمینان اور وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند کی فقہی خدمات کا روشن باب ہے اور دارالافتاء کے باوقار اور مستند فتاوی کی وجہ سے پورے برصغیر میں آج فتوی کو مسلمانوں کی دینی زندگی میں جو اہم اور بے نظیر مقام حاصل ہے اس کا سہرا دارالافتاء کو جاتا ہے۔

دارالعلوم کے دارالافتاء سے گذشتہ ایک سو بیس سال کے درمیان صادر ہونے والے فتاوی کی تعداد آٹھ لاکھ سے متجاوز ہے۔ اس وقت ہر سال تقریباً دس ہزار استفتاءات کے جوابات لکھے جاتے ہیں۔ دارالافتاء کے ریکارڈ میں تقریباً پانچ سو فتاوی کے رجسٹر محفوظ ہیں جن میں یہاں سے جاری شدہ فتاوی کی نقل ریکارڈ ہے۔

اب تک صرف پہلے مفتی حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے فتاوی کو کتابی شکل میں مرتب کرکے فتاوی دارالعلوم کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ شروع کی بارہ جلدیں (تا کتاب اللقطہ) حضرت مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ کی مرتب کردہ ہیں، تیرہویں جلد سے اٹھارہویں جلد کی ترتیب کا کام حضرت مولانا مفتی محمد امین پالن پوری نے انجام دیا ہے۔ دارالافتاء سے سابق صدر مفتیان میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ اور حضرت مفتی نظام الدین اعظمیؒ کے کچھ فتاوی الگ سے بھی شائع ہوئے ہیں۔

آن لائن فتوی

دارالعلوم نے امت مسلمہ کی ضرورت اور سہولت کا لحاظ کرتے ہوئے ملک میں انٹرنیٹ کی شروعات کے ساتھ ہی آن لائن فتوی کا سلسلہ بھی شروع کیا اور بعد میں اس کے لیے اردو اور انگریزی میں فتاوی کی سہولت مہیا کرنے والی ڈاٹا بیس ویب سائٹ شروع کی جو اس وقت دنیا کی سب سے بڑی دولسانی فتوی سروس ہے۔ ویب سائٹ پر اردو اور انگریزی زبانوں میں اس وقت تقریباً تیس ہزار فتاوی آن لائن شائع

ہو چکے ہیں اور ہر وقت ویب سائٹ پر موجود رہتے ہیں۔ اس سروس سے پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے دارالعلوم دیوبند سے شرعی امور میں رہ نمائی حاصل کرنا آسان تر ہو گیا ہے۔

مدارس اسلامیہ میں قائم دارالافتاء

دارالعلوم ہی کے طرز پر ملک و بیرون ملک کے مدارس اسلامیہ میں دارالافتاء کا سلسلہ قائم ہے جن میں بیشتر مفتیانِ کرام دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ اور دارالعلوم کے فقہی طرز و منہاج کے پیروکار ہیں، اس طرح ان اداروں کی خدمات بھی ایک طرح سے دارالعلوم ہی کے فیض کا تسلسل ہے۔ ان اداروں میں مظاہر علوم سہارن پور، مدرسہ قاسمیہ شاہی مرادآباد، المعہد العالی للتدریب فی القضا والافتاء پٹنہ، المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد وغیرہ نمایاں ہیں۔

امارت شرعیہ

ماضی میں مسلمانوں کے اجتماعی نظام کی نگرانی مسلم حکومتیں کیا کرتی تھیں اور تمام اجتماعی احکام وقوانین کا اجراء ونفاذ اسلامی حکومتوں کے ذریعہ ہوا کرتا تھا۔ لیکن ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے زوال کے ساتھ مسلمانوں کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔ اسی پس منظر میں مسلمانوں کی شیرازہ بندی اور ان کی دینی و اجتماعی زندگی کو صحیح اسلامی خطوط پر منظّم کرنے کے لیے آزادئ ہند سے قبل کل ہند سطح پر امارت شرعیہ کے قیام کی تجویز ہوئی جس کے اصل محرک حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی وغیرہ تھے، لیکن کل ہند سطح پر امارت شرعیہ کا خواب ابتداء شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ تاہم حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نے ۱۹۲۱ء میں امارت شرعیہ بہار واڑیسہ قائم کی۔

اس وقت سے یہ تنظیم مسلمانوں کو شرعی طور پر منظّم کرنے اور ان کو نظام شرعی پر قائم رکھنے میں مسلسل اور کامیاب کوشش کر رہی ہے۔ امارت شرعیہ کی کی نگرانی میں خصوصاً بہار، اڑیسہ، جھارکھنڈ میں اور ملک کے دیگر حصوں میں دارالقضاء قائم ہیں۔ امارت شرعیہ کے پلیٹ فارم سے حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد، حضرت مولانا منت اللہ رحمانی، حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب، مولانا عبدالصمد رحمانی، مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی اور مولانا سید نظام الدین وغیرہ حضرات نے نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔

۱۹۸۶ء میں جمعیۃ علمائے ہند کی طرف سے کل ہند سطح پر امارت شرعیہ کے قیام کے لیے ایک اجتماع طلب کیا گیا جس میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ کو امیر الہند مقرر کیا گیا۔ حضرت محدث اعظمی

کے انتقال کے بعد ۱۹۹۲ء میں حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کو امیر الہند ثانی منتخب کیا گیا اور پھر ۲۰۰۶ء میں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوریؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کو امیر الہند ثالث منتخب کیا گیا۔ جمعیۃ علماء ہند دہلی میں امارت شرعیہ کے تحت محکمۂ شرعیہ، دارالافتاء، بیت المال، رویت ہلال وغیرہ کا نظام قائم ہے۔

ادارۃ المباحث الفقہیہ اور اسلامک فقہ اکیڈمی

اسی طرح ہندوستان میں فقہ اور فتوی کے میدان میں عوام الناس کی ضروریات کی تکمیل اور بدلتے زمانہ کے مطابق نئے اور پرانے مسائل میں غور وخوض اور اجتماعی فیصلہ لینے کے لیے مختلف ادارے وجود میں آئے جن کی تشکیل و تعمیر اور ترقی میں ابنائے دارالعلوم ہی نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ ان اداروں میں ادارۃ المباحث الفقہیہ اور اسلامک فقہ اکیڈمی نہایت اہم اور قابل ذکر ہیں۔

جدید معاملات و مسائل میں علماء و ارباب افتاء کے باہمی مشورہ و اتفاق رائے سے شریعت کا واضح موقف متعین کرنے کے لیے جمعیۃ علمائے ہند کی طرف سے حضرت مولانا مفتی محمد میاں دیوبندیؒ کی سرکردگی میں ۱۹۷۰ء میں ادارۃ المباحث الفقہیہ کا قیام عمل میں آیا۔ اس ادارہ کے تحت نئے مسائل کے سلسلہ میں اجتماعی غور وخوض کے لیے فقہی اجتماعات منعقد کیے جاتے ہیں جس میں ملک کے مختلف گوشے میں فقہ وفتاوی کی خدمات انجام دینے والے علمائے دیوبند شریک ہوتے ہیں۔ ادارہ کی اہم خدمات میں اس کے تحت نظام قضا کا قیام ہے جو کسی نہ کسی شکل میں اب بھی قائم ہے۔

صنعتی اور معاشرتی انقلابات کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی ومسائل ومشکلات کے اجتماعی حل کی طرف دوسری اہم اور قابل قدر کوشش اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نے ۱۹۸۹ء میں دہلی میں اس ادارہ کی بنیاد رکھی۔ اس وقت یہ اکیڈمی فقہ اسلامی کے موضوع پر نہایت فعال اور گراں قدر خدمات انجام دے رہی ہے۔ نئے مسائل کے حل میں اکیڈمی کی کوششوں کو نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم اسلام میں بڑی مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی۔

اسلامک فقہ اکیڈمی تین میدانوں میں اہم خدمات انجام دے رہی ہے: (۱) فقہی سیمیناروں کا انعقاد (۲) فقہی لٹریچر کی اشاعت (۳) تربیتی ورکشاپ کا قیام۔ اکیڈمی کے سیمیناروں میں بے شمار جدید مسائل پر غور وخوض اور بحث ومباحثہ کے بعد اجتماعی فیصلہ لیے گئے اور ان میں ہندوستان کے علاوہ پاکستان، بنگلہ دیش، ایران، سعودی عرب، عراق، مصر، کویت، یمن، برونائی اور برطانیہ کے مفکرین اور علماء کی بھی شرکت ہوتی رہی ہے۔ اکیڈمی نے فقہی لٹریچر کی طباعت واشاعت کے میدان میں بھی اہم خدمات انجام دی ہیں

اور اردو، عربی، انگلش، ہندی وغیرہ زبانوں میں فقہی مواد شائع کیا ہے۔اس سلسلہ میں اکیڈمی کی ایک اہم خدمت موسوعہ فقہیہ کا اردو ترجمہ ہے جسے وزارت اوقاف کویت نے عالم اسلام کے ممتاز فقہاء کے ذریعہ ۱۹۶۷ء میں ۴۵ جلدوں میں تیار کرایا تھا۔

مجموعۂ فتاوی

علمائے دیوبند کی ایک بڑی تعداد نے فقہ اسلامی کو اپنی علمی و تحقیقی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور انھوں نے مسلمانوں کی شرعی رہ نمائی کا فریضہ انجام دیا۔ فقہ وفتوی سے متعلق عظیم خدمات انجام دینے والوں کی ایک بڑی تعداد ہے، البتہ ان میں سے کچھ حضرات کے منتخب فتاوی متعدد جلدوں میں شائع ہوکر عام ہو چکے ہیں۔ ان فتاوی میں بہت سے مسائل پر اہم اور تفصیلی فتاوی بھی ہیں جو ایک مستقل کتاب کا درجہ رکھتے ہیں۔ بہر حال علمائے دیوبند کے کچھ اہم مجموعہائے فتاوی حسب ذیل ہیں:

(۱) فتاوی دارالعلوم دیوبند، ۱۸ جلدیں، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ

(۲) فتاوی رشیدیہ مع باقیات فتاوی، دو جلدیں، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

(۳) امداد الفتاوی، چھ جلدیں، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۴) عزیز الفتاوی، آٹھ اجزاء، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ

(۵) امداد المفتیین، آٹھ اجزاء، حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ

(۶) کفایۃ المفتی، نو جلدیں، حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ

(۷) فتاوی خلیلیہ، ایک جلد، حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ

(۸) فتاوی شیخ الاسلام، ایک جلد، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

(۹) فتاوی محمودیہ، ۲۵ جلدیں، حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ

(۱۰) احسن الفتاوی، آٹھ جلدیں، حضرت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ

(۱۱) خیر الفتاوی، پانچ جلدیں، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ

(۱۲) فتاوی رحیمیہ، چھ جلدیں، حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ

(۱۳) فتاویٰ حقانیہ، چھ جلدیں، شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک وغیرہ

(۱۴) فتاوی مفتی محمود، چھ جلدیں، حضرت مولانا مفتی محمود سرحدیؒ

(۱۵) ثمینۃ الفتاویٰ، چار جلدیں، مولانا محمد یعقوب صاحب شرودیؒ

(۱۶) آپ کے مسائل اوران کا حل، نوجلدیں، حضرت مولانا مفتی یوسف لدھیانویؒ
(۱۷) منتخبات نظام الفتاوی، تین جلدیں، حضرت مفتی نظام الدین اعظمیؒ
(۱۸) کتاب الفتاوی، چھ جلدیں، حضرت مولانا خالدسیف اللہ رحمانی
(۱۹) فتاوی امارت شرعیہ، دوجلدیں، حضرت مولانا ابوالمحاسن سجادؒ وغیرہ
(۲۰) فتاوی قاضی، ایک جلد، قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ
(۲۱) فتاوی احیاء العلوم، ایک جلد، حضرت مولانا مفتی محمد یاسین مبارک پوری
(۲۲) فتاوی عثمانی، تین جلدیں، حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی
(۲۳) کتاب المسائل، تین جلدیں، مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری
(۲۴) محمودالفتاوی، چارجلدیں، مولانا مفتی احمد خان پوری ڈابھیل
(۲۵) حبیب الفتاوی، ایک جلد، مولانا مفتی حبیب اللہ چمپارنی
(۲۶) دین فطرت: آپ کے مسائل اوران کا حل، ایک جلد، مفتی عزیز الرحمٰن فتح پوری
(۲۷) جامع الفتاوی، پانچ جلدیں، مرتب: مولانا مہربان علی بڑوتوی
(۲۸) فتاوی علمائے ہند، ایک جلد، مولانا انیس الرحمٰن قاسمی

فقہ القرآن وفقہ الحدیث

قرآن مجید کا ایک حصہ فقہی احکام پر مشتمل ہے اوران میں عبادات، معاشرت، تعزیرات، خصومات، اقتصادیات، دستوری قوانین اور بین الاقوامی قوانین وغیرہ سے متعلق اصول واحکام مذکور ہیں۔ اسی وجہ سے اہل علم نے احکام قرآنی کو اپنی تحریر اور فکرونظر کا موضوع بنایا ہے۔ اس موضوع پر دیوبند کے حلقہ سے نہایت مہتم بالشان کام حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی زیر سرپرستی انجام پایا ہے۔ حضرت تھانویؒ کے حکم سے چار بلند پایہ علماء مولانا ظفر احمد تھانویؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، مولانا جمیل احمد تھانویؒ نے قرآن میں فقہ حنفی کے موافقات کو جمع کرنے کا اہتمام کیا، چناں چہ احکام القرآن کے نام سے پانچ ضخیم جلدوں میں یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا جو بلاشبہ قرآن میں موجود فقہی احکام کا ایک موسوعہ اور انسائیکلوپیڈیا ہے۔ اسی طرح علمائے دیوبند کے ذریعہ لکھی جانے والی قرآن کریم کی تفاسیر میں احکام قرآنی کا ایک بڑا ذخیرہ پوری فقہی تفصیلات ودلائل کے ساتھ موجود ہے۔

احکام فقہیہ سے متعلق احادیث کا سب سے بڑا مجموعہ اعلاء السنن ہے جو حضرت تھانویؒ ہی کی سرپرستی

میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی کے ذریعہ انجام پایا۔ علامہ زاہد الکوثری، شیخ عبد الفتاح ابوغدہ اور عالم اسلام کے اہل تحقیق اور اصحاب نظر علماء نے اس کارنامہ کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ احادیثِ احکام پر ابتدائی ادوار سے لے کر اب تک جو کام ہوا ہے اور اس موضوع پر جو قیمتی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں اعلاء السنن ایک اہم ترین کارنامہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

علمائے دیوبند نے شروح حدیث کی جو بے نظیر اور نہایت وقیع خدمات انجام دی ہیں ان میں حدیث کے ساتھ احکام فقہیہ کی تحقیق اور مسائل اختلافیہ کی اعتدال کے ساتھ مناقشہ کے نقطۂ نظر سے نہایت عظیم الشان کام انجام دیے ہیں۔ علمائے دیوبند کی فقہی بصیرت اور علمی بلندی کا اندازہ لگانے کے لیے خصوصاً ان شروح احادیث کو دیکھا جا سکتا ہے: لامع الدراری، فیض الباری، فتح الملہم و تکملہ فتح الملہم، الکوکب الدری، العرف الشذی، معارف السنن، بذل المجہود، الفیض السماوی، قلائد الازہار، اوجز المسالک، التعلیق الصبیح، امانی الاحبار وغیرہ۔ اس کے علاوہ اردو زبان میں بھی فقہ الحدیث کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ شروح حدیث کا تفصیلی ذکر علمائے دیوبند کی کے باب میں گزر چکا ہے۔

علمائے دیوبند نے متعدد فقہی احکام و مسائل سے متعلق قرآن وحدیث کے دلائل کو یکجا جمع کیا ہے اور اس سلسلہ میں فقہ حنفی پر وارد ہونے والے سوالات و اعتراضات کا علمی جائزہ لیا ہے۔ اس سلسلہ میں اہم کوشش جمعیۃ علماہند کی طرف سے ہوئی اور ۲۰۰۱ء میں تحفظ سنت کانفرنس کے موقع پر دو درجن سے زائد ایسے مقالات کا مجموعہ تین جلدوں میں شائع کیا جس میں غیر مقلدین کے ذریعہ اٹھائے جانے والے سوالات کا مدلل جواب لکھا گیا ہے۔ ان مقالات میں تقلید، اجماع و قیاس، عقائد، عبادات وغیرہ سے متعلق اہم احکام و مباحث کو قرآن وحدیث کے دلائل سے مزین کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ علمائے دیوبند نے ایسی متعدد کتابیں لکھی ہیں جن میں فقہی احکام کو قرآن وحدیث سے مدلل کیا گیا ہے، جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

(۱) بغیۃ الالمعی فی تخریج الزیلعی، مولانا مفتی شفیع دیوبندیؒ

(۲) فتاویٰ محمدی مع شرح دیوبندی، حضرت مولانا میاں سید اصغر حسین دیوبندی

(۳) الحجۃ علی اہل المدینۃ (امام محمدؒ)، تعلیق مولانا مفتی مہدی حسنؒ

(۴) شرح کتاب الآثار، (امام محمدؒ)، تعلیق مولانا مفتی مہدی حسنؒ

(۵) تحقیق فتح الرحمٰن فی اثبات مذہب النعمان (شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ)، حضرت مفتی نظام الدین اعظمیؒ

(۶) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ نماز، مولانا مفتی جمیل احمد نذیری
(۷) نمازِ احناف، مفتی حبیب الرحمٰن مئو آئمہ

تدوین فقہ، اصول فقہ، اسرار شریعت وغیرہ پر تصنیفات

(۱) الحیلۃ الناجزہ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۲) المصالح العقلیہ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۳) اشرف الجواب، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۴) فقہ حنفی کے اصول وضوابط، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۵) اجتہاد وتقلید کا آخری فیصلہ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
(۶) مقدمۂ تدوین فقہ، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ
(۷) اصول فقہ، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ
(۸) مقدمۂ نور الایضاح، حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ
(۹) مقدمہ اسلامی عدالت، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ
(۱۰) تدوین فقہ (مقدمہ فتاوی دارالعلوم)، مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ
(۱۱) مقدمۂ تاتارخانیہ، مولانا قاضی سجاد حسین صاحبؒ
(۱۲) آپ فتوی کیسے دیں؟ مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری
(۱۳) فقہ اسلامی: تدوین وتعارف، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
(۱۴) آسان اصول فقہ، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
(۱۵) الموجز فی اصول الفقہ (عربی)، مولانا عبید اللہ اسعدی
(۱۶) القواعد الفقہیہ المحمودۃ، مولانا ابو الکلام شفیق
(۱۷) اجماع اور قیاس کی حجیت، مولانا جمیل احمد سکروڈوی
(۱۸) اودھ میں افتاء کے مراکز اور ان کی خدمات، مولانا اشتیاق احمد اعظمی
(۱۹) قاموس الفقہ، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
(۲۰) اسلامی عدالت، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ
(۲۱) مجموعہ قوانین اسلامی، حضرت مولانا منت اللہ رحمانی، مفتی ظفیر الدین مفتاحی وغیرہم

(۲۲) فتاوی تاتارخانیہ (پانچ جلدیں)، تحقیق مولانا قاضی سجاد حسین دہلویؒ

(۲۳) فتاوی تاتارخانیہ (۲۳؍جلدیں)، تحقیق وتعلیق مولانا مفتی شبیر احمد صاحب

(۲۴) صنوان القضاء، تحقیق حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

(۲۵) مختارات النوازل، تحقیق مولانا خالد سیف اللہ رحمانی وغیرہ

(۲۶) اسلام کا نظام اراضی مع فتوح الہند، حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ

(۲۷) اسلامی معاشیات، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

(۲۸) اسلام کا اقتصادی نظام، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

(۲۹) اسلام کا زرعی نظام، حضرت مولانا تقی امینی صاحب

(۳۰) ہمارا معاشی نظام، حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی

کتب فقہیہ اور فقہی مسائل پر تصنیفات

فقہی جزئیات پر علمائے دیوبند کے رسائل اور کتب کی تعداد بے شمار ہے۔ اذان ونماز، روزہ وتراویح، حج وعمرہ، ذبح وقربانی وغیرہ موضوعات پر سیکڑوں چھوٹے بڑے رسائل لکھے گئے ہیں۔ ذیل میں کچھ کتب و رسائل کے نام درج کیے جاتے ہیں:

(۱) تالیفات رشیدیہ (مجموعۂ رسائل)، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

(۲) احسن القری فی توضیح اوثق العری، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ

(۳) بہشتی زیور، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۴) تعلیم الاسلام، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ

(۵) مفید الوارثین، حضرت مولانا میاں سید اصغر حسین

(۶) میراث المسلمین، حضرت مولانا میاں سید اصغر حسین

(۷) احکام حج، حضرت مولانا مفتی شفیع دیوبندیؒ

(۸) مسائل سجدۂ سہو، مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی

(۹) مسائل امامت، مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی

(۱۰) ایضاح المسالک، مفتی شبیر احمد قاسمی

(۱۱) ایضاح المناسک، مفتی شبیر احمد قاسمی

(۱۲) احکام لحوم الخیل، مولانا بدرالحسن قاسمی

(۱۳) نکاح وطلاق ومیراث، مفتی فضیل الرحمٰن عثمانی

(۱۴) اسلام میں جدید معیشت وتجارت، حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی

(۱۵) مجموعہ مکمل ومدلل مسائل، مولانا محمد رفعت قاسمی

جدید مسائل پر تصنیفات

علمائے دیو بند نے جس طرح قدیم فقہی سرمایہ کو کھنگال کر اردو زبان میں ایک عظیم الشان ذخیرہ جمع کردیا، اسی طرح انھوں نے جدید سائنسی وعقلی دور میں روزمرہ پیدا ہونے والے نت نئے مسائل کو بھی غور و تحقیق کا موضوع بنایا اور فقہ حنفی کے اصول ومنہج کے روشنی میں ان کا حل پیش کیا۔ مفتیان کرام کے مطبوعہ وغیر مطبوعہ فتاوی میں ایسے مسائل کی ایک معتد بہ مقدار موجود ہے اور جدید مسائل پر علیحدہ کتابیں بھی شائع ہوئی ہیں۔ فقہی کانفرنسوں اور اجتماعات کے ذریعہ جدید مسائل پر تحقیق کا یہ سلسلہ تا ہنوز جاری وساری ہے۔ اس سلسلہ میں چھوٹی بڑی درجنوں کتابیں منظر عام پر آئیں۔ ذیل میں کچھ اہم کتابوں کے نام پیش ہیں:

(۱) آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیو بندیؒ

(۲) جواہر الفقہ، حضرت مولانا مفتی شفیع دیو بندیؒ

(۳) فقہی مقالات، حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی

(۴) عصر حاضر کے جدید مسائل، مولانا بدرالحسن قاسمی

(۵) معاشرتی مسائل، مولانا برہان الدین سنبھلی

(۶) جدید فقہی مسائل، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

(۷) حلال وحرام، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

(۸) ایضاح المسائل، مفتی شبیر احمد قاسمی

(۹) ایضاح النوادر، مفتی شبیر احمد قاسمی

(۱۰) رویت ہلال، حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب

(۱۱) مسئلۂ سود، حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب

(۱۲) بینک انشورنس اور سرکاری قرضے، مولانا برہان الدین سنبھلی

(۱۳) رویت ہلال کا مسئلہ، مولانا برہان الدین سنبھلی

(۱۴) اسلامی عدالت، قاضی مجاہدالاسلام قاسمی
(۱۵) شیرز اور کمپنی، قاضی مجاہدالاسلام قاسمی
(۱۶) ضرورت وحاجت، قاضی مجاہدالاسلام قاسمی
(۱۷) جدید تجارتی شکلیں، قاضی مجاہدالاسلام قاسمی
(۱۸) اوقاف، قاضی مجاہدالاسلام قاسمی
(۱۹) مجلّہ فقہ اسلامی، قاضی مجاہدالاسلام قاسمی
(۲۰) چند اہم عصری مسائل، مفتی زین الاسلام قاسمی الہ آبادی

شروح کتب فقہ

فقہ واصول فقہ کی نصابی اور متداول کتابوں کی تحقیق وتعلیق اور شرح نگاری میں بھی علمائے دیوبند نے نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ کتب فقہیہ میں ہدایہ، شرح وقایہ، شرح نقایہ، کنز الدقائق، قدوری، نور الایضاح، سراجی وغیرہ کے اردو وعربی زبانوں میں متعدد شروح وحواشی لکھے ہیں۔ اسی طرح اصول فقہ کی کتابوں میں حسامی، اصول الشاشی، نورالانوار وغیرہ کی شرحیں یا حواشی بھی لکھے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں، کچھ کتب فقہیہ کے اردو میں تراجم بھی کیے گئے ہیں جیسے فتاوی عالم گیری کا اردو ترجمہ، نورالایضاح اور قدروی وغیرہ کے اردو ترجمے۔

مشاہیر مفتیان وفقہائے کرام

(۱) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (۲) حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۳) حضرت مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ (۴) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ (۵) حضرت مولانا مفتی اعزاز علی امروہویؒ (۶) حضرت مفتی ریاض الدین صاحبؒ بجنوری (۷) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ (۸) حضرت مولانا محمد سہول صاحب بھاگل پوری (۹) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ گنگوہی (۱۰) حضرت مفتی محمد فاروق صاحب امبیٹھویؒ (۱۱) حضرت مفتی سید مہدی حسن شاہجہاں پوریؒ (۱۲) حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ (۱۳) حضرت مولانا مفتی محمد میاں دیوبندیؒ (۱۴) مفتی قاضی مسعود احمد دیوبندی (۱۵) مفتی جمیل احمد سیوہاروی (۱۶) حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی (۱۷) حضرت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ (۱۸) حضرت مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانویؒ (۱۹) قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ (۲۰) حضرت مفتی

ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ (۲۱) مفتی حبیب الرحمٰن خیر آبادی (۲۲) مفتی احمد علی سعید نگینوی (۲۳) مفتی کفیل الرحمٰن نشاط (۲۲) حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی (۲۳) مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (۲۴) مولانا مفتی احمد خان پوری (۲۵) مولانا برہان الدین سنبھلی (۲۶) مولانا عتیق احمد بستوی (۲۷) مولانا عبید اللہ اسعدی (۲۸) مفتی محمود حسن بلند شہری (۲۹) مفتی شبیر احمد قاسمی (۳۰) مولانا مفتی سلمان منصور پوری (۳۱) مفتی زین الاسلام قاسمی غیرہم

علمائے دیو بند کی انھیں عظیم الشان خدمات کی وجہ سے دارالعلوم دیو بند کو دنیا بھر میں فقہ حنفی کا سب سے بڑا مرکز اور علمائے دیو بند کو فقہ حنفی کا مجدد سمجھا جاتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند اور خدمات عربی ادب

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے ہی عربی زبان اس ملک میں داخل ہو چکی تھی۔ ہندوستانی علماء نے ہر عہد اور ہر زمانے میں عربی زبان کو علمی وفکری زبان کے طور پر استعمال کیا اور اس زبان میں بھی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ علمائے متقدمین میں علامہ حسن بن محمد الصغانی مصنف مشارق الانوار والعباب الزاخر، علامہ طاہر پٹنی مصنف مجمع بحار الانوار، فیضی مصنف سواطع الالہام، علامہ مرتضی الزبیدی مصنف تاج العروس من جواہر القاموس، شیخ عبدالحق محدث الدہلوی، شیخ محمد علی التھانوی مصنف کشاف اصطلاحات الفنون، شاہ ولی اللہ محدث الدہلوی وغیرہم متعدد ایسے نام ہیں جن کی علمی کاوشیں پوری دنیا میں مشہور ہیں۔ متاخرین علماء میں شیخ عبدالحیي فرنگی محلی، نواب صدیق حسن خان بھوپالی، مولانا حکیم عبدالحیي حسنی، مولانا غلام علی آزاد بلگرامی، مولانا فیض الحسن سہارن پوری، شیخ حمیدالدین فراہی، مولانا مسعود عالم ندوی، مولانا ابوالحسن علی ندوی وغیرہ شخصیات نے دینی وادبی میدانوں میں عربی زبان کے توسط سے عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں۔

حضرت مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ جو دارالعلوم کی تاسیس میں شریک رہے اور دارالعلوم کے خزانچی کے طور پر خدمات انجام دیتے رہے، عربی زبان کے مسلم ادیب، شاعر اور مصنف تھے۔ عربی میں الہدیۃ السنیۃ کے نام سے انھوں نے دیوبند اور دارالعلوم کے حالات رقم کیے ہیں۔ علاوہ ازیں، عربی شاعری کے علاوہ انھوں نے متعدد کتابوں کے عربی حواشی بھی تحریر فرمائے۔ اولین فضلائے دارالعلوم میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی عربی تصنیفات ان کے نبوغ علمی اور براعت وکمال پر بجا طور پر دلالت کرتی ہیں۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ مہتمم دارالعلوم کی عربی شاعری خصوصاً لامیۃ المعجزات ہندوستان کی عربی شاعری کا ایک مایۂ ناز سرمایہ ہے۔ اسی طرح حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ، حضرت مولانا زین العابدین میرٹھی، حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے جہاں علم حدیث اور دیگر میدانوں میں انمٹ نقوش ثبت کیے ہیں وہیں عربی زبان وادب کے حوالے سے بھی نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ دارالعلوم میں عربی زبان وادب کے حوالے سے ایک مشہور نام ہے۔آپ کی کتاب نفحۃ العرب علمی حلقوں میں متداول اورمعروف ہے۔ دارالعلوم دیوبند میں گذشتہ چار دہائیوں سے عربی زبان وادب کے تئیں جو دلچسپی اورترقی پائی جاتی ہے اس کا سہرا حضرت مولانا وحید الزمان کیرانویؒ کو جاتا ہے جنھوں نے ایک طرف عربی زبان کے ماہرین کی ایک جماعت پیدا کی اور دوسری طرف لغت وادب کی بیش قیمت کتابیں تصنیف کیں جو آج بھی عربی زبان وادب کے طالب علم کے لیے دلیل راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

علمائے دیوبند نے عربی شاعری میں بھی یادگار نقوش چھوڑے ہیں جو مختلف کتابوں اور مجلّات وغیرہ میں بکھرے ہوئے ہیں۔اگر ان نظموں اور قصائد کو جمع کیا جائے تو ایک معتد بہ دفتر تیار ہوسکتا ہے۔ان میں کچھ اہم نام درج ذیل ہیں: حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رحیم اللہ بجنوریؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ، حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ، حضرت مولانا یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ، مولانا محمد یوسف کامل پوری، مولانا عبدالحق مدنی، مولانا عزیز الحق چاٹگامی، مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی ، مولانا محمد ابراہیم مسقطی ، مولانا عزیز الحق بنگلہ دیشی، مولانا عبد الرحمٰن سیوہاروی، مولانا میرک شاہ اندرابی، مولانا محمد یامین سہارن پوری وغیرہم

دارالعلوم میں عربی صحافت کی بھی شاندار تاریخ رہی ہے۔۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء میں سہ ماہی عربی مجلّہ 'دعوۃ الحق' جاری ہوا، جو حضرت مولانا وحید الزماں کیرانوی کی ادارت میں نکلتا تھا۔مولانا وحید الزماں کیرانوی ہی کی ادارت میں ایک دوسرا عربی رسالہ 'الکفاح' جمعیۃ علمائے ہند کے ترجمان کے طور پر بھی نکلتا تھا۔

۱۳۹۷ھ میں دارالعلوم نے دارالعلوم کے اجلاس صد سالہ کی تیاریوں کے موقع پر سہ ماہی 'دعوۃ الحق' کو 'الداعی' کے نام سے شائع کرنا شروع کیا جو ابتدا میں پندرہ روزہ تھا اور اب ماہانہ شائع ہورہا ہے۔مولانا بدر الحسن قاسمی اس کے پہلے ایڈیٹر تھے،اب یہ مجلّہ مولانا نور عالم خلیل امینی کی زیر ادارت شائع ہورہا ہے۔ ماہنامہ الداعی نے عربی صحافت کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں اور اس کی تحریریں عالم عرب میں بھی قدر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں۔

دارالعلوم دیوبند اور اس کے طرز پر قائم ہونے والے مدارس نے بھی ہندوستان میں عربی زبان کی خدمت میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ برصغیر اور دنیا کے دیگر حصوں میں دارالعلوم کے طرز پر جو مدارس قائم

ہیں سب کی مرکزی زبان عربی ہے۔قرآن وحدیث، فقہ وعلوم اسلامیہ کے جو مضامین ان مدارس میں پڑھے اور پڑھائے جاتے ہیں عربی زبان پر قدرت کے بغیر ان کا سمجھنا سمجھانا ممکن نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان مدارس کا فاضل علوم دینیہ کی تعلیم کی سند پاکر فارغ التحصیل ہونے کے ساتھ تک عربی زبان پر بھی ایک حد تک قدرت رکھتا ہے، جب کہ ان میں سے ایک بڑی تعداد کو عربی زبان پر اچھی خاصی دسترس ہوتی ہے۔

علمائے دیوبند نے ہندی نژاد ہونے کے باوجود بڑے بڑے اہم تصنیفی وتالیفی کام عربی زبان میں انجام دئے ہیں۔دارالعلوم کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ قیام دارالعلوم سے اب تک کوئی بھی عرصہ ایسا نہیں گزرا ہے جس میں ابنائے دارالعلوم کی عربی خدمات کا سلسلہ جاری نہ رہا ہو،کسی نہ کسی حیثیت ونوع کی عربی خدمت کی مثال ہر دور میں پیش کی جاسکتی ہے۔علمائے دیوبند کی عربی زبان میں ہر موضوع پر تالیفات موجود ہیں اور انھوں نے اس کا حق بھی ادا کر دیا ہے۔خواہ تفسیر ہو یا حدیث، منطق ہو یا فلسفہ، تاریخ ہو یا ادب، غرض ہر موضوع پر علمائے دیوبند کا معیاری کام موجود ہے۔ذیل میں ایسی کتابوں کی ایک فہرست پیش کی جارہی ہے۔

علم قرآن وتفسیر

(۱) مشکلات القرآن، حضرت مولانا علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ

(۲) سبق الغایات فی نسق الآیات، حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ

(۳) احکام القرآن، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

(۴) الہام الرحمٰن، حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ

(۵) تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن، حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ

(۶) بیان الفرقان علی علم البیان، حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ

(۷) یتیمۃ البیان، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ

(۸) نوالین شرح جلالین، حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ

(۹) مرآۃ التفسیر، حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ

(۱۰) قاموس القرآن، مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھیؒ

(۱۱) العون الکبیر شرح الفوز الکبیر، حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری

(۱۲) تفسیرات شیخ الاسلام ابن تیمیہ، مولانا اقبال احمد اعظمی

علم حدیث

(۱) لامع الدراری علی جامع البخاری، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

(۲) الکوکب الدری علی جامع الترمذی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

(۳) الورد الشذی علی جامع الترمذی، حضرت مولانا شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ

(۴) العرف الشذی علی جامع الترمذی، حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیریؒ

(۵) بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد، حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ

(۶) فیض الباری علی البخاری، حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ

(۷) العرف الشذی بشرح جامع الترمذی، حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ

(۸) فتح الملہم شرح صحیح مسلم، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

(۹) تکملۃ فتح الملہم از حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

(۱۰) معارف السنن شرح الترمذی، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ

(۱۱) الطیب الشذی، حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ

(۱۲) کشف المغطی عن رجال المؤطا، حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ

(۱۳) تحفۃ القاری بحل مشکلات البخاری، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

(۱۴) الابواب والتراجم للبخاری، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

(۱۵) اوجز المسالک الی مؤطا الامام مالک، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

(۱۶) امانی الاحبار شرح معانی الآثار، حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ

(۱۷) التعلیق الصبیح شرح مشکوۃ المصابیح، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

(۱۸) شرح شمائل الترمذی، حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ

(۱۹) اعلاء السنن، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

(۲۰) شرح کتاب الآثار للامام محمدؒ، حضرت مولانا مفتی مہدی حسن شاہ جہان پوریؒ

(۲۱) تحقیق وتعلیق مصنف عبدالرزاق، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ
(۲۲) تحقیق وتعلیق مصنف ابن ابی شیبہ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ
(۲۳) تحقیق وتعلیق مسند حمیدی، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ
(۲۴) تحقیق وتعلیق کتاب الزہدوالرقاق للمحدث عبداللہ بن مبارکؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ
(۲۵) تحقیق وتعلیق سنن سعید بن منصور، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ
(۲۶) تحقیق وتعلیق المطالب العالیہ بزوائد المسانید الثمانیہ للحافظ ابن حجر العسقلانی، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ
(۲۷) حمد المتعالی علی تراجم البخاری، مولانا سید بادشاہ گل صاحب
(۲۸) حاشیہ جواہر الاصول فی علم حدیث الرسولؐ للامام محمد بن محمد بن علی فارسی حنفی، مولانا قاضی اطہر مبارک پوری
(۲۹) النبراس الساری فی اطراف البخاری، مولانا عبدالعزیز پنجابی
(۳۰) حاشیہ آثار السنن، حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ
(۳۱) تعلیق وتحقیق علی صحیح ابن خزیمہ، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ قاسمی اعظمی
(۳۲) تحقیق نخب الافکار شرح شرح معانی الآثار (علامہ بدرالدین العینیؒ)، حضرت مولانا ارشد مدنی
(۳۳) تقریب شرح معانی الآثار، حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی
(۳۴) الحدیث الحسن فی جامع الترمذی، شعبۂ تخصص فی الحدیث، دارالعلوم دیوبند
(۳۵) حسن صحیح فی جامع الترمذی، شعبۂ تخصص فی الحدیث، دارالعلوم دیوبند
(۳۶) حسن غریب فی جامع الترمذی، شعبۂ تخصص فی الحدیث، دارالعلوم دیوبند
(۳۷) شرح ترمذی، مولانا شمس الحق افغانی صاحب
(۳۸) شرح ترمذی، مولانا سید بادشاہ گل صاحب
(۳۹) مستزاد الحقیر حاشیہ علی زاد الفقیر للعلامہ ابن ہمام، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ
(۴۰) الباقیات فی شرح حدیث انما الاعمال بالنیات، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ
(۴۱) تحفۃ الاخوان بشرح حدیث شعب الایمان، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ
(۴۲) جواہر الاصول فی اصول الحدیث، مولانا عبدالرحمٰن مردانی (م۱۹۷۵ھ)

(۴۳) حجۃ الوداع وعمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ
(۴۴) فضل اللہ الصمد فی توضیح الادب المفرد، حضرت مولانا فضل اللہ جیلانیؒ
(۴۵) شیوخ الامام ابی داؤد السجستانی، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی اعظمی
(۴۶) علماء دیوبند وخدماتہم فی علم الحدیث، ڈاکٹر عبدالرحمٰن البرنی

علم فقہ

(۱) فصل الخطاب فی مسئلہ ام الکتاب، حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ
(۲) نیل الفرقدین فی مسئلہ رفع یدین، حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ
(۳) بسط الیدین لنیل الفرقدین، حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ
(۴) کشف الستر عن صلوۃ الوتر، حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ
(۵) بغیۃ الاریب فی احکام القبلۃ والمحاریب، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ
(۶) حاشیہ محمود الروایہ شرح نقایہ لملا علی القاری، حضرت مولانا محمد اعزاز علی امروہویؒ
(۷) حاشیہ کنز الدقائق، حضرت مولانا محمد اعزاز علی امروہویؒ
(۸) حاشیہ قدوری، حضرت مولانا محمد اعزاز علی امروہویؒ
(۹) حاشیہ نور الایضاح، حضرت مولانا محمد اعزاز علی امروہویؒ
(۱۰) شرح قدوری، مولانا غلام اللہ خاں
(۱۱) تعلیق المبسوط لامام محمد، مولانا ابوالوفاء افغانی
(۱۲) بغیۃ الالمعی فی تخریج الزیلعی، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ
(۱۳) تعلیق الحجۃ علی اہل المدینۃ (امام محمدؒ)، مولانا مفتی مہدی حسنؒ
(۱۴) تحقیق فتح الرحمٰن فی اثبات مذہب النعمان (شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ)، حضرت مفتی نظام الدین اعظمیؒ
(۱۵) الموجز فی اصول الفقہ، مولانا عبیداللہ اسعدی
(۱۶) القواعد الفقہیہ المحمودۃ، مولانا ابوالکلام شفیق
(۱۷) قاموس الفقہ، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

(۱۸) تحقیق فتاوی تاتارخانیہ (پانچ جلدیں)، مولانا قاضی سجاد حسین دہلویؒ

(۱۹) تحقیق فتاوی تاتارخانیہ (۲۳؍جلدیں)، مولانا مفتی شبیر احمد صاحب

(۲۰) تحقیق صنوان القضاء، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

(۲۱) تحقیق مختارات النوازل، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی وغیرہ

علم عقائد وکلام

(۱) عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ نزول عیسیٰ علیہ السلام، حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ

(۲) اکفار الملحدین فی شیئ من ضروریات الدین، حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ

(۳) ضرب الخاتم علی حدوث العالم، حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ

(۴) مرقاۃ الطارم لحدوث العالم، حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ

(۵) ازالۃ الرین فی الذب عن قرۃ العینین، حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ

(٦) ہدیۃ المہدیین فی آیۃ خاتم النبین، حضرت مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ

(۷) التصریح بما تواتر فی نزول المسیح، حضرت مولانا محمد شفیع دیوبندیؒ

(۸) التمہید لائمۃ التجدید، حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ

(۸) الکندی وآراؤہ الفلسفیہ، مولانا سید عبدالرحمٰن ہزاروی

(۹) الحیاۃ الاجتماعیہ عند نجم الدین الرازی، مولانا سید عبدالرحمٰن ہزاروی

(۱۰) الیانع الجنی فی الفروق بین الرسول والنبی، مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی

(۱۱) الفوائد الملکوتیۃ فی ان الاحادیث حجۃ فی العربیہ، مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی

(۱۲) کتاب الاعیان والکبراء، مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی

(۱۳) الہیئۃ الجدیدۃ، مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی

(۱۴) الاستاذ المودودی، مولانا محمد یوسف بنوری

(۱۵) وقفۃ مع اللامذھبیۃ، مولانا ابوبکر غازی پوری

(۱٦) صور تنطق، مولانا ابوبکر غازی پوری

تاریخ،سوانح وادب

(۱) لامیۃ المعجزات،حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی
(۲) معین اللبیب فی قصائد الحبیب،مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ
(۱) رجال السند والہند فی القران السابع،مولانا قاضی اطہر مبارک پوری
(۳) الفتوحات الاسلامیہ فی الہند،مولانا قاضی اطہر مبارک پوری
(۴) العقد الثمین فی فتوح الہند ومن ورد فیہا من الصحابۃ والتابعین،مولانا قاضی اطہر مبارک پوری
(۵) نفحۃ العنبر فی حیات الشیخ انور،حضرت مولانا محمد یوسف بنوری
(۶) التذکرہ الحمودۃ،مولانا مفتی محمود حسن ہزاروی (م۱۹۷۳ء)
(۷) دارالعلوم دیوبند مدرسۃ فکریۃ ...، مولانا عبیداللہ اسعدی
(۸) الشیخ المقرئ محمد طیب رحمہ اللہ،مولانا نور عالم خلیل امینی
(۹) مُجتمعاتنا المعاصرۃ والطریق الی الاسلام،مولانا نور عالم خلیل امینی
(۱۰) المسلمون فی الہند،مولانا نور عالم خلیل امینی
(۱۱) الصحابۃ ومکانتہم فی الاسلام،مولانا نور عالم خلیل امینی
(۱۲) فلسطین فی انتظار صلاح الدین،مولانا نور عالم خلیل امینی
(۱۳) العلامۃ انور شاہ الکشمیری: حیاتہ وشعرہ،مولانا عبدالملک قاسمی

لغات ونصابی کتب

(۱) مصباح اللغات،مولانا عبدالحفیظ بلیاویؒ
(۲) اردو عربی ڈکشنری،مولانا عبدالحفیظ بلیاویؒ
(۳) بیان اللسان (عربی اردو لغت)،مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھیؒ
(۴) نفحۃ العرب،مولانا محمد اعزاز علی امروہویؒ
(۵) القاموس الجدید (اردو سے عربی)،مولانا وحید الزماں کیرانویؒ
(۶) القاموس الجدید (عربی سے اردو)،مولانا وحید الزماں کیرانویؒ
(۷) القاموس الاصطلاحی (اردو سے عربی)،مولانا وحید الزماں کیرانویؒ

(۸) القاموس الاصطلاحی (عربی سے اردو)، مولانا وحید الزماں کیرانویؒ

(۹) القاموس الوحید (عربی سے اردو)، مولانا وحید الزماں کیرانویؒ

(۱۰) سہ لسانی ڈکشنری، حکیم عزیز الرحمٰن مئوی

(۱۱) القاموس الفرید، مولانا فرید الزمان کیرانوی

(۱۲) شرح المقامات الحریریہ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

(۱۳) توضیحات شرح سبع معلقات، مولانا قاضی سجاد حسینؒ

(۱۴) التعلیقات شرح المقامات، مولانا نور الحقؒ

(۱۵) حاشیہ دیوان متنبّی، حضرت مولانا محمد اعزاز علی امروہویؒ

(۱۶) القرأۃ الواضحۃ، حضرت مولانا وحید الزماں کیرانویؒ

(۱۷) نفحۃ الادب، مولانا وحید الزماں کیرانویؒ

(۱۸) مفتاح العربیہ، مولانا نور عالم خلیل امینی

(۱۹) القرأۃ العربیۃ، مولانا عبد القدوس قاسمی نیرانوی و مولانا محمد ساجد قاسمی

(۲۰) کیف تکون الکتابات مؤثرۃ، مولانا نور عالم خلیل امینی

(۲۱) تعلموا اللغۃ العربیۃ فإنہا من دینکم، مولانا نور عالم خلیل امینی

اردو کتابوں کے عربی تراجم

علمائے دیوبند کی اکثر تصنیفی خدمات اردو زبان میں ہیں جن میں اکابر علماء کی بہت سی ایسی تصنیفات ہیں جو اسلامی علوم وفنون میں بے بہا اضافہ کی حیثیت رکھتی ہیں اور اس قابل ہیں کہ انھیں عربی اور دیگر زبانوں میں منتقل کیا جائے۔ شیخ عبد الفتاح ابوغدہ نے علمائے دیوبند کی تصانیف کی اہمیت کے اعتراف کے ساتھ اس خواہش کا اظہار بھی کیا کہ ان میں جو کتابیں اردو اور فارسی زبانوں میں ہیں ان کا عربی میں ترجمہ کرایا جائے، تاکہ عرب دنیا کو بھی ان سے استفادہ کا موقع مل سکے، موصوف کے الفاظ یہ ہیں:

"علم وفتویٰ کے اساطین سے مالا مال عظیم الشان ادارے کے علمائے عظام کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے میں ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں بلکہ اگر ذرا جرأت کروں تو کہہ سکتا ہوں کہ ہمارا ایک واجبی حق ہے جس کا مطالبہ میں کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ان علمائے کرام کا فریضہ ہے کہ اپنی منفردانہ عقول کے نتائجِ فکر اور بیش بہا علمی فیوض وتحقیقات کو عربی زبان کا جامہ پہنا کر عالمِ اسلام کے دوسرے علماء کے لیے استفادے کا موقع فراہم کریں، یہ فریضہ ان حضرات پر اس لیے عائد

ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص ہندوستان کے علمائے محققین کی کوئی تصنیف پڑھتا ہے تو اس میں اس کو وہ نئی منفردانہ تحقیق ملتی ہیں جن کا مدار گہرے علم اور وسیع مطالعے کے علاوہ تقویٰ وصلاح اور روحانیت پر ہوتا ہے۔ چوں کہ ہندوستان کے یہ علماء اور شیوخِ کرام نیکی وصلاح روحانیت واستغراق فی العلم جیسی شروط پر نہ صرف یہ کہ پورے اترتے ہیں بلکہ سلفِ صالحین کے صحیح وارث اور ان کے نمونے ہیں اس لیے ان کی کتابیں بہت سی نئی تحقیقات اور حسبِ حالاتِ وقت کتنی ہی کارآمد چیزوں پر مشتمل ہوتی ہیں "ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ" بلکہ ان حضرات کی بعض کتابیں تو وہ ہیں جن میں ایسی چیزیں ملتی ہیں جو متقدمین علمائے اکابر، مفسرین، محدثین اور حکماء کے یہاں بھی دستیاب نہیں ہوتیں۔ (تاریخ دارالعلوم، جلد اول، ص: ۲۱-۵۲۰)

ابنائے دارالعلوم نے اس پہلو کی طرف بھی توجہ دی ہے اور اسلاف کے کارناموں کو عربی زبان میں منتقل کرنے کا سلسلہ شروع ہوا ہے، تاہم ابھی ضرورت ہے کہ اس سمت اور توجہ دی جائے۔ ذیل میں اردو سے عربی میں منتقل کی جانے والی کچھ اہم کتابوں کے نام پیش کیے جا رہے ہیں:

(۱) محاورات فی الدین، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، ترجمہ: مولانا محمد ساجد قاسمی
(۲) ردود علی الاعتراضات الموجهة الی الاسلام، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، ترجمہ: مولانا محمد ساجد قاسمی
(۳) العقیدة الاسلامیة: شبهات وردود، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، عربی ترجمہ: مولانا محمد ساجد قاسمی
(۴) حجة الاسلام، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، ترجمہ: مولانا محمد ساجد قاسمی
(۵) حجة الاسلام، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، ترجمہ: مولانا عبدالحمید سواتی
(۶) الاسلام والعقلانیة، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، ترجمہ: مولانا نور عالم خلیل امینی
(۷) لآلی منثورة، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، ترجمہ: مولانا نور عالم خلیل امینی
(۸) بحوث فی الدعوة والفکر الاسلامی، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، ترجمہ: مولانا نور عالم خلیل امینی
(۹) الحالة التعلیمیة فی الهند، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، ترجمہ: مولانا نور عالم خلیل امینی
(۱۰) الصحابة ماذا ینبغی أن نعتقد عنهم، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، ترجمہ: مولانا محمد ساجد قاسمی
(۱۱) العقل والنقل، حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ، عربی ترجمہ: مولانا عبدالرشید قاسمی بستوی
(۱۲) علماء دیوبند اتجاههم الدینی ومزاجهم المذهبی، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، ترجمہ: مولانا نور عالم خلیل امینی
(۱۳) الفتنة الدجالیة، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، ترجمہ: مولانا عارف جمیل مبارک پوری
(۱۴) الامام محمد قاسم النانوتوی کما رأیتهٗ، حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ، ترجمہ: مولانا عارف جمیل مبارک پوری

علمائے دیوبند اور اردو زبان

دارالعلوم دیوبند جس پس منظر میں قائم ہوا، پوری واقعیت کے ساتھ اس کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ برطانوی تسلط نے نصرانیت کی اشاعت کے لیے جن حربوں کا استعمال کیا، دارالعلوم دیوبند نے دینی، تعلیمی، سیاسی، سماجی، ثقافتی اور لسانی ہر محاذ پر انگریزوں کے پروپیگنڈوں کو ناکام بنا دیا۔ مسلمانوں کے اندر سے دینی روح کو مردہ اور اسلامی تشخص کو ملیا میٹ کر دینے کے لیے مغرب سے جو پُر شور آندھی اٹھی تو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ہندوستان میں اب اسلام کی بقا کچے دھاگے سے لٹک رہی ہے؛ لیکن علمائے ہند خاص طور پر دارالعلوم دیوبند کے اکابر نے مسلمانوں کے اندر سے مایوسی کے احساس کو نکال کر امید کی روشنی پیدا کی اور ہر طرح سے اسلام اور مسلمانوں کا تحفظ کیا۔ اکابر دیوبند کی دوررس نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ مسلمانوں کی مذہبی زبان عربی ہے اور ہندوستان میں فارسی کا بول بالا ہے؛ لیکن مستقبل میں ہندوستان کا لسانی نقشہ کچھ اور ہوگا۔ برطانوی حکومت ہندوستانیوں کی لسانیات پر حملہ کر کے جہاں ایک طرف انگریزی زبان وادب کے فروغ کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی وہیں دوسری طرف ہندوستان پر حکومت کرنے کے لیے انھیں یہاں کی زبانیں جاننا بھی ضروری تھا۔ اردو اس وقت ایک غیر ترقی یافتہ زبان تھی۔ انگریزوں نے اردو زبان کی طرف توجہ دی اور اپنے ناپاک عزائم کو بروئے کار لانے کے لیے اردو سیکھنا شروع کیا اور اس کی تعلیم کو آسان کرنے کے لیے قواعد بھی مرتب کروائے۔

دارالعلوم دیوبند کا جو تاسیسی دور ہے، وہ اردو کا ارتقائی دور کہلاتا ہے۔ اس وقت اردو زبان اپنے خدوخال کو آراستہ کرنے میں مصروف تھی۔ علمائے دیوبند نے محسوس کیا کہ اگرچہ عربی مسلمانوں کی دینی زبان ہے اور فارسی پر بھی مذہب کا لبادہ ڈال دیا گیا ہے؛ لیکن مستقبل قریب میں اردو کا بول بالا ہونے والا ہے، ہندوستان میں اگر کسی زبان کے ذریعہ اسلام کی خدمت ہو سکتی ہے، تو وہ اردو ہی ہے۔ اکابر دیوبند نے عربی اور فارسی جیسی شیریں اور ترقی یافتہ زبانوں کو اچانک نظر انداز کر کے اردو ہی کو ذریعۂ تعلیم کیوں بنایا؟ ظاہر ہے کہ اسے علمائے دیوبند کی فراستِ ایمانی کا نتیجہ ہی کہا جا سکتا ہے؛ کیوں کہ اگر دارالعلوم دیوبند کا ذریعۂ تعلیم عربی یا فارسی ہوتا، تو اس کا دائرہ سمٹ کر کتنا کم ہو جاتا، اس کا اندازہ

ہندوستان کے موجودہ لسانی پس منظر میں بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

اردو کا ارتقاء اور علمائے دیوبند

دارالعلوم دیوبند کے اکابرین نے اپنے علمی و دینی فرائض کی ادائیگی کے لیے بنیادی طور پر جس زبان کو اختیار کیا وہ اردو زبان ہی تھی۔ دارالعلوم کے پہلے روحانی سرپرست سید الطائفہ حضرت الحاج حاجی امداد اللہ قدس سرہ کی اردو تالیفات اور روح پرور و پُرسوز شاعری مؤثر زبان و بیان اور شعر و ادب کا بہترین نمونہ ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے دقیق علمی مباحث اور فلسفیانہ عمیق مضامین کو اسی زبان کے توسط سے علماء و عوام کے سامنے رکھا۔ حضرت نانوتویؒ نے اردو زبان کو ایک عوامی اور نوخیز زبان کی سطح سے اوپر اٹھا کر علمی و فکری بلندی و پختگی عطا کی۔ دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی سوانح اس وقت لکھی جب خود اردو ادب سوانح نگاری کے نرالے اسلوب اور مثالی نمونوں سے خالی تھا، یہ سوانح فن اردو ادب کا بہترین شاہکار ہے۔ دارالعلوم دیوبند کی قد آور شخصیت فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا اسلوب نگارش آج بھی مسلم ہے، ان کی آراستہ و پیراستہ تحریر، شگفتہ و شائستہ اردو کا بہترین نمونہ ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے طالب علم شاگرد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ باکمال ادیب تھے، انھوں نے اپنی علمی تصانیف اور دردانگیز شاعری کے ذریعہ اردو کی زبردست خدمت انجام دی ہے۔ محاورات اور روزمرہ کے استعمالات سے بھری ہوئی آپ کی تحریریں اردو کے ایک نئے اسلوب کے بیش قیمت سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کی مشہور تصنیف 'اشاعت اسلام' اپنی سلاست اور رواں دواں اردو میں امتیازی حیثیت کی حامل ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ایک ہزار سے زاید تصانیف و رسائل اردو زبان کے فروغ میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا حاشیۂ قرآن اردو میں نرالے طرز کی بنیاد پر قبولیت عام حاصل کر چکا ہے۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی خودنوشت سوانح 'نقش حیات' اردو زبان میں حقیقت پسندی اور شائستگی کا عمدہ نمونہ ہے۔ صاحبِ طرز ادیب مولانا مناظر احسن گیلانی بھی دارالعلوم ہی کے فرزند ہیں جنھوں نے اردو زبان و ادب پر اپنی خدمات کے گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔

اردو زبان میں تصنیف و تالیف

علمائے دیوبند نے عوام سے رابطہ، وعظ و تبلیغ، فتویٰ، دینی و ملکی معاملات میں قوم کی شرعی رہنمائی

اور تذکیر و تزکیہ کے لیے تصنیف و تالیف کا راستہ اختیار کیا اور اس سلسلے میں انھوں نے جو قابل قدر خدمات انجام دی ہیں وہ برصغیر کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہیں۔ تصنیف و تالیف کے میدان میں تنہا ایک بزرگ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی چھوٹی بڑی کتابوں کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہے، دینی اور اصلاحی نقطۂ نگاہ سے زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں حضرت تھانویؒ کی تصانیف موجود نہ ہوں وہ تصانیف کی کثرت اور افادیت کے لحاظ سے ہندوستانی مصنفین میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔

علمائے دیوبند نے درس و تدریس، وعظ و نصیحت اور دوسرے مشاغل کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی جو عظیم الشان کارنامے انجام دیئے ہیں وہ نہ صرف برصغیر کے مسلمانوں کے لیے بلکہ دنیائے اسلام کے لیے بھی ایک قابل فخر سرمایہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ علوم دینیہ سے متعلق کوئی علم و فن ایسا نہیں ہے جس میں ان کی تصنیفات و تالیفات موجود نہ ہوں، ان میں بڑی بڑی ضخیم کتابیں بھی ہیں اور چھوٹے چھوٹے رسالے اور کتابچے بھی۔ یہ کتابیں زیادہ تر اردو زبان میں ہیں۔ علمائے دیوبند نے اردو زبان میں جو علمی و فکری اور دینی و ادبی سرمایہ تیار کیا ہے اس سے ایک عظیم الشان کتب خانہ تیار ہوسکتا ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق علمائے دیوبند کی چھوٹی بڑی اردو تصانیف کی مجموعی تعداد بارہ پندرہ ہزار کے لگ بھگ ہے۔ علماء کی انھیں خدمات کی بدولت آج اردو زبان میں اسلامی لٹریچر کا اتنا بڑا ذخیرہ موجود ہے جو شاید عربی کے بعد دنیا کی کسی اور زبان میں موجود نہیں۔

علمائے دیوبند میں ایک بڑی تعداد ایسے علمائے کرام کی ہے جنھوں نے اردو زبان میں متعدد و قیع کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں صاحب معارف القرآن مفتی محمد شفیع صاحبؒ، مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا محمد میاں دیوبندیؒ، مولانا طاہر دیوبندیؒ، حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ، مولانا منظور صاحب نعمانیؒ، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ، مولانا عبد الصمد رحمانیؒ، مولانا یوسف لدھیانویؒ، شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ، مولانا سرفراز خان صفدرؒ، مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ، قاضی زین العابدین میرٹھیؒ، مولانا حامد الانصاری غازیؒ، مولانا احمد رضا بجنوریؒ، قاضی اطہر مبارکپوریؒ، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا انظر شاہ کشمیریؒ، مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، مفتی عاشق الٰہی مدنی، مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ، مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی اعظمی، مولانا مفتی تقی عثمانی، مولانا نظام الدین اسیر ادروی، مولانا اعجاز احمد اعظمی، مولانا عبد الحفیظ رحمانی، مولانا محمد عثمان معروفی، مولانا محمد ابوبکر غازی پوری، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی وغیرہ علمائے دیوبند نے اردو کے علمی و ادبی سرمایہ میں رنگارنگ اضافہ کرکے زبان و ادب کی گراں قدر

خدمات انجام دی ہیں۔

دہلی کا تصنیفی ادارہ ندوۃ المصنّفین اور ڈابھیل میں مجلس علمی فضلائے دارالعلوم ہی کے قائم کیے ہوئے ادارے تھے جن سے بہت سی معیاری کتابیں شائع ہوکر علم دوست حلقہ سے خراجِ تحسین حاصل کرچکی ہیں۔اسی طرح مطبع قاسمی دیوبند، تاج المعارف، شیخ الہند اکیڈمی، مکتبہ دارالعلوم وغیرہ اداروں سے بھی بہت سی کتابیں چھپ چکی ہیں۔دیوبند کے تقریباً ساٹھ کتب خانے اکابر دیوبند کی تصانیف کو چھاپنے اور شائع کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ان کتابوں کی اشاعت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ دیوبند میں آفسیٹ پریس کی کئی مشینیں کتابوں کے چھاپنے میں مصروف رہتی ہیں۔ان کتابوں کے قبول عام کا یہ عالم ہے کہ بہشتی زیور (حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ) کے کئی کئی ایڈیشن معریٰ اور محشّٰی بیک وقت مختلف کتب خانوں سے نکلتے رہتے ہیں۔تعلیم الاسلام مصنفہ مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ کی مقبولیت کا بھی یہی عالم ہے،اس کے بھی ایڈیشن پر ایڈیشن نکلتے رہتے ہیں۔

علمائے دیوبند کی تصانیف برصغیر کے ملکوں کے علاوہ، افغانستان، برما، نیپال، سیلون، جنوبی افریقہ، انگلستان، امریکہ اور دوسرے بہت سے ملکوں تک پہنچتی اور ذوق وشوق کے ہاتھوں لی جاتی ہیں۔ دینی کتابوں کی کثرتِ اشاعت کی وجہ سے دیوبند ہندوستان بھر میں دینی کتابوں کا سب سے بڑا مرکز سمجھا جاتا ہے۔ چناں چہ ان کتابوں کے ذریعے سے بہت سے ملکوں میں دینی علوم کے نشر واشاعت کی زبردست خدمت دیوبند کی سرزمین سے انجام پارہی ہے۔دیوبند سے شائع ہونے والی کتابیں زیادہ تر اردو زبان میں ہوتی ہیں؛ اس لیے ان کتابوں کے ذریعے سے اردو زبان کا دائرہ بھی دن بدن وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے۔ایشیا، افریقہ اور یورپی ملکوں کے کروڑوں مسلمان ان کتابوں سے مستفید ہورہے ہیں۔اور بقولِ مرحوم پروفیسر ہمایوں کبیر ''اس ذریعے سے دنیا میں ہندوستان کی عظمت کو زبردست بڑھاوامل رہا ہے، اور اس طرح سے اردو بین الاقوامی زبان بن گئی ہے''۔

حضرت تھانوی اور دیگر بزرگان دیوبند کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ انھوں نے اپنی تصنیفات کا حق محفوظ نہیں رکھا، بلکہ ان کو افادۂ ملت کے لیے عام کردیا ہے، ان بزرگوں کو تجارت اور منفعتِ مالی کبھی مقصود نہیں رہی، بلکہ اصل مقصد صرف افادہ واصلاح رہا۔

علمائے دیوبند کی اردو شاعری

علمائے دیوبند نے لطیف جذبات وخیالات کی ترجمانی کے لیے اردو شاعری کا بھی سہارا لیا ہے۔درس

و تدریس، وعظ و نصیحت اور تصنیف و تالیف کے ساتھ انھوں نے عروس شاعری کی زلفوں کو سنوارنے اور لیلائے سخن کو سجانے میں بھی بھرپور حصہ لیا ہے۔ علماء کے مزاج کے مطابق ان کی شاعری میں حقیقت پسندی، واقعہ نگاری، روحانیت اور اعلی اخلاقی قدروں کا حسین و جمیل امتزاج پایا جاتا ہے۔ انھوں نے لایعنی اور مبتذل طریقوں سے ہٹ کر شاعری کو ہمیشہ اعلی مقاصد کے لیے استعمال کیا۔ نیز، شاعری کو انھوں نے مشغلہ کے طور پر نہیں اپنایا، بلکہ حسب ضرورت افکار و خیالات کے اظہار کے لیے اس کی مدد لی۔ یہی وجہ ہے کہ شعر و شاعری میں ان کے مجموعے اور دواوین نہیں تیار ہوئے لیکن وہ اس صنف سخن کی باریکیوں اور نزاکتوں سے نہ صرف پوری طرح واقف تھے بلکہ اس میں استاذانہ حیثیت رکھتے تھے۔

دارالعلوم دیوبند کے پہلے روحانی سرپرست سید الطائفہ حضرت الحاج مولانا امداد اللہ قدس سرہ کی روح پرور و پرسوز شاعری اردو زبان کی روحانی شاعری کا بہترین نمونہ ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اردو زبان کے قادر الکلام شاعر تھے، آپ کا طویل نعتیہ قصیدہ بہاریہ اردو زبان میں آپ کی قادر الکلامی اور مہارت فن کا شاہد عدل ہے۔ آپ کے بعض اشعار تو اپنی جامعیت اور لطیف استعارہ کی بنیاد پر اردو کے قد آور شعرا کے اشعار کے ہم پلہ ہیں۔ حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ بھی قادر الکلام شاعر تھے۔ حضرت تھانویؒ اردو شاعری میں بھی اپنا ایک مقام رکھتے تھے آپ نے اپنے خاص مسترشد مولانا سید سلیمان ندوی کے خطوط کے جوابات اکثر شاعری کے ذریعہ دیے ہیں۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، مولانا احسان اللہ تاجورؔ نجیب آبادی، مولانا عامر عثمانی، مولانا افضال الرحمٰن جوہرؔ، مولانا مصطفیٰ حسن علوی کاکوروی، مولانا کاشف الہاشمی، مولانا نسیم الدین فریدی امروہوی، مولانا ریاست علی ظفرؔ بجنوری، مفتی کفیل الرحمٰن نشاطؔ، مولانا کفیل احمد علوی، مولانا صادق علی بستوی، مولانا عبد الجلیل راغبی، مولانا ولی اللہ ولیؔ بستوی وغیرہ متعدد علمائے دیوبند ہیں جن کے مجموعۂ کلام بھی طبع ہو چکے ہیں۔ جب کہ فضلائے دیوبند میں ایک بڑی تعداد ایسی بھی ہے جو شعر و ادب کا اچھا ذوق رکھنے کے ساتھ سخن سنجی اور شعر گوئی کا بھی ملکہ رکھتے ہیں۔

اردو صحافت اور علمائے دیوبند

دارالعلوم اور اردو صحافت کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ میڈیا و صحافت کی اہمیت کے پیش نظر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ نے ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں ماہنامہ القاسم جاری کیا جسے ۱۳۳۱ھ میں دارالعلوم سے متعلق کر دیا گیا۔ اس رسالہ کے مضمون نگاروں میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا اعزاز علی امروہویؒ،

حضرت مولانا سید میاں اصغر حسین دیوبندیؒ، مولانا سراج احمد رشیدی، نوجوانوں میں قاری محمد طیب صاحب، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا عبدالحفیظ دربھنگوی اور مولانا محمد طاہر قاسمی وغیرہ حضرات تھے۔ پھر ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی یاد میں ماہنامہ الرشید کا اجراء کیا گیا۔ یہ سلسلہ ۱۳۴۱ھ تک قائم رہا۔

۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۱ء میں 'دارالعلوم' کے نام سے ایک اردو ماہانہ رسالہ جاری کیا گیا جو تا حال شائع ہو رہا ہے۔ اس رسالہ کے پہلے ایڈیٹر مولانا عبدالوحید غازی پوری (مدیر و بانی نئی دنیا دہلی) قرار پائے، پھر قاضی خلیق احمد صدیقی سردھنوی اور مولانا عبدالحفیظ بلیاوی کو اس کا مدیر بنایا گیا۔ پھر اس رسالہ کی ادارت مولانا ازہر شاہ قیصر، مولانا ریاست علی بجنوری، مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی سے وابستہ رہی۔

۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء میں دارالعلوم نے مولانا کفیل احمد علوی کی ادارت میں پندرہ روزہ آئینہ دارالعلوم کی اشاعت کا آغاز کیا، جس کا سلسلہ ۱۴۳۰ھ/ ۲۰۰۹ء تک جاری رہا۔

دارالعلوم ہی کے طرز پر دیگر مدارس میں بھی اردو رسالہ شائع کرنے کا رجحان پیدا ہوا۔ چناں چہ ماہنامہ مظاہر علوم سہارن پور، ماہنامہ ندائے شاہی مرادآباد، ماہنامہ البلاغ دارالعلوم کراچی، بینات جامعہ بنوریہ کراچی، ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک، یادگار اسلاف میرٹھ، ریاض الجنۃ گورینی جون پور، ضیاء الاسلام اعظم گڈھ وغیرہ ایسے درجنوں رسائل ہیں جو ابنائے دیوبند نے شروع کیے۔ اس وقت بہت سے مدارس اپنا ترجمان نکالتے ہیں جن کی ادارت کے فرائض ابنائے دیوبند ہی ادا کرتے ہیں۔

علمائے دیوبند میں ایک بڑی تعداد ایسی ہے جنھوں نے اپنے قیمتی مقالات اور زریں نگارشات سے اردو کی لازوال خدمات انجام دی ہیں ان میں مولانا حامد الانصاری غازی، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی (برہان)، مولانا محمد منظور نعمانی (الفرقان)، مولانا عبد الوحید صدیقی (نئی دنیا)، مولانا نظام الدین اسیر ادروی (ترجمان الاسلام)، مولانا اعجاز احمد اعظمی (المآثر وضیاء الاسلام)، مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی (ماہنامہ دارالعلوم)، مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی (الفرقان)، مولانا نور الحسن راشد (احوال وآثار)، مولانا محمد ہاشم القاسمی (الفیصل)، مولانا اسرار الحق قاسمی (ملی اتحاد) مولانا رضوان قاسمی (صفا)، مولانا کفیل احمد علوی (آئینۂ دارالعلوم) مولانا سلمان منصور پوری (ندائے شاہی)، مولانا فضیل احمد (کردار جمعیۃ) مولانا افضال الحق جوہر قاسمی، مولانا وارث مظہری (ترجمان دارالعلوم)، مولانا عبداللہ خالد (مظاہر علوم)، مولانا انیس آزاد بلگرامی (تنویر حرم)، مولانا حقانی القاسمی (استعارہ)، مولانا ابوالکلام قاسمی (تہذیب الاخلاق)، مولانا عبدالرشید بستوی (محدث عصر)، مولانا ندیم الواجدی (ترجمان دیوبند)، مولانا نور عالم خلیل امینی،

مولانا بدرالحسن قاسمی، مولانا عبدالحمید نعمانی وغیرہ کے علاوہ سیکڑوں فضلائے دیوبند اردو زبان وادب کی عظیم الشان خدمات انجام دے رہے ہیں۔ علاوہ ازیں ہندوستان کے معاصر اخبارات ورسائل میں جو مقالات و مضامین شائع ہوتے ہیں ان میں لکھنے والوں کی ایک بڑی تعداد فضلائے دیوبند کی ہے۔

اردو اور مدارس اسلامیہ

دارالعلوم دیوبند کے قیام کے نتیجہ میں ہندوستان کے چپے چپے میں دینی مدارس کا جال پھیلا ہوا ہے اور جملہ مدارس دارالعلوم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنا ذریعۂ تعلیم اردو کو بنا کر زبان وادب کی ایک وقیع اور قابلِ قدر خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اگرچہ ہندوستان کی مختلف ریاستوں کی زبانیں مختلف ہیں؛ لیکن ہر جگہ کے مدارس میں ذریعۂ تعلیم اردو ہی ہے۔ یہاں تک کہ مغربی بنگال اور آسام سمیت بنگلہ دیش کے مدارس میں بھی دارالعلوم کے نہج پر اردو ہی میں درس دیا جاتا ہے؛ حتیٰ کہ خود ساؤتھ افریقہ اور برطانیہ وغیرہ میں جو مدارس ہیں ان میں سے اکثر کا ذریعۂ تعلیم اردو ہی ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ تقسیم وطن کے بعد اردو زبان کے ساتھ ہندوستان میں جس طرح کا سوتیلا رویہ اپنایا گیا اور اردو زبان تقسیم کا شکار ہوگئی، اگر مدارس اسلامیہ عربیہ نہ ہوتے یا اہل مدارس کی توجہ اردو کی طرف نہ ہوتی تو اس کا وجود آج ہندوستان میں اسی طرح کا ہوتا جیسے اس وقت فارسی کا ہے۔

آج اگر اردو میں زندگی ہی نہیں بلکہ وہ ترقی کی منازل طے کر رہی ہے، تو یہ اہل مدارس ہی کی دین ہے۔ فضلائے دارالعلوم ملک و بیرون ملک کے مختلف مدارس میں شعر و شاعری، نثر نگاری و انشا پردازی، تصنیف و تالیف، تراجم و تشریحات اور ماہانہ و ہفتہ وار رسائل کے ذریعہ اردو کی وقیع اور پروقار خدمات انجام دے رہے ہیں۔ حدیث و تفسیر اور فقہ و فتاویٰ کے جو کام اردو زبان میں علمائے دیوبند کے ذریعہ ہوئے ہیں، وہ اردو زبان کو عروج بخشنے میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو اردو زبان کا تعلق تین بڑے اداروں سے ہے۔ ایک طرف دارالعلوم دیوبند اور مسلک دیوبند کی پابندی کرنے والے ادارے ہیں، دوسری طرف علی گڑھ اور اس کی جدید علمی روایت کا ساتھ دینے والے ادارے ہیں اور تیسری طرف ندوۃ العلماء اور اس کے حلقۂ فکر و نظر سے تعلق رکھنے والے ادارے ہیں؛ لیکن اردو زبان وادب کی خدمت میں دیوبند کو ترجیحی حیثیت اس وجہ سے حاصل ہے کہ یہاں کے علماء کی اردو تصنیفات دیگر اداروں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہیں۔

اردو اور مسلمان

اردو زبان مسلمانوں کی زبان ہے، یہ کہنا سراسر غلط ہے۔ ہندوستان کی مقامی زبانیں پراکرت، اپ بھرنش، سنسکرت اور پنجابی کے ساتھ عربی وفارسی کے باہمی اختلاط سے اردو زبان وجود میں آئی ہے۔اس کی پیدائش سے لے کر ارتقا کی تمام منزلوں کو طے کرنے میں ہندو، مسلمان، بدھ، جین، عیسائیوں اور پادریوں کا یکساں کردار رہا ہے؛ لیکن اردو زبان مذہبی عصبیت کا اس وقت شکار ہوئی جب آزادی سے قبل ہی ہندوؤں کا ایک رجعت پسند طبقہ ہندو راشٹر کا تصور لے کر وجود میں آیا اور جس نے ملک کی یکجہتی کو پارہ پارہ کرنے کے لیے نفرت کا بیج بونا شروع کیا۔اس طبقہ نے ہندوؤں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اردو کا رسم الخط عربی رسم الخط کے مشابہ ہے اور مسلمانوں کے مذہبی رہنما اس زبان کو اپنا ذریعۂ تعلیم بنائے ہوئے ہیں۔ ہندو قوم پرست جماعت اپنی اس تحریک میں بہت حد تک کام یاب ہوگئی اور اردو جو ہندوستانی روایت کی امین اور قومی یکجہتی کی واضح علامت تھی، وہ بری طرح مذہبی منافرت اور فرقہ وارانہ عصبیت کا شکار ہو کر رہ گئی۔

خلاصۂ کلام

خلاصہ یہ کہ مختلف جہتوں سے اردو زبان وادب کے سلسلے میں دارالعلوم دیوبند کی بے مثال خدمات کا اگر گہرائی کے ساتھ جائزہ لیا جائے ،تو ہزاروں صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے۔دارالعلوم دیوبند نے علمی، دینی، سیاسی اور سماجی میدانوں کے ساتھ ساتھ اردو زبان وادب میں بھی اپنی زریں خدمات کے گہرے نقوش چھوڑے ہیں جنھیں کسی طرح فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

تحریک آزادیٔ ہند اور علمائے دیوبند

دارالعلوم دیوبند کا قیام جہاں مسلمانوں کے اندر اسلامی تہذیب وتمدن کو بحال کرنے، علوم شرعیہ سے آگاہ کرکے جوہرِ اسلام کو اجاگر کرنے اور اس کے بنائے ہوئے سیدھے خطوط پر چلنے کے لئے ہوا تھا، وہیں ہندوستان کو انگریزوں کے جبر واستبداد سے نجات دلانے اور مغربیت سے دور رکھ کر انگریزوں کی کوشش کو ناکام کرنا بھی اس کا ایک اہم مقصد تھا۔ انگریزوں کی فرعونیت کو ختم کرنے کے لئے دارالعلوم ایک ضرب کلیم ثابت ہوا جس کی مجاہدانہ وسرفروشانہ کوششوں نے ہندوستان میں انگریزوں کا جینا دوبھر کر دیا۔ ہندوستان کی طویل جدوجہد آزادی میں ہمارے اسلاف نے زبردست قربانیاں دیں اور اپنی کا نذرانہ پیش کیا اور اپنی جان و مال کا نذرانہ پیش کیا۔ انھوں نے تحریکیں چلائیں، تختۂ دار پر چڑھے، قید و بند کی صعوبتیں جھلیں اور حصولِ آزادی کی خاطر میدان جنگ میں ڈٹے رہے تا آں کہ غیر ملکی (انگریز) ملک سے نکل جانے پر مجبور ہوئے۔ فرزندانِ دیوبند نے انگریزوں کے خلاف محاذ آرائیاں کرکے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ تاریخ حریت ہند کا روشن باب ہیں۔

مسلمانوں کے دور حکومت میں ہندوستان کی ترقی وخوشحالی کو دیکھ کر انگریزوں نے بڑی چالاکی اور عیاری کے ساتھ پہلے اس ملک میں تجارت کے نام پر اڈے بنانے کی اجازت حاصل کی اور پھر بعد میں مسلم حکومت کے کمزور ہوتے ہی انھوں نے اپنے آپ کو مسلح اور مستحکم کرنا شروع کر دیا۔ بنگال میں انگریزوں کے توسیعی منصوبوں کو بھانپتے ہوئے نواب سراج الدولہ نے ۱۷۵۷ء میں ان سے باقاعدہ جنگ کی۔ دوسری طرف جنوب میں سلطان حیدر علی اور سلطان ٹیپو نے انگریزوں کی پیش قدمی کو روکنے کی بھرپور کوشش کی جس میں بالآخر سلطان ٹیپو ۱۷۹۹ء میں شہید ہو گئے۔

ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد انگریزوں کے حوصلے بڑھ گئے اور ملک میں انھیں چیلنج کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ انگریزوں نے سیاسی اثرات بڑھانے کے ساتھ ساتھ مشنری اور تبلیغی سرگرمیاں شروع کر رکھی تھیں۔ بالآخر ملک کے سنگین حالات کے پیش نظر، تحریک ولی اللہی کے قائد شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (م ۱۸۲۳ء) نے ۱۸۰۳ء میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا مشہور فتوی دیا، جس میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا گیا۔

اسی پس منظر میں سید احمد شہید رائے بریلویؒ کی تحریک شروع ہوئی جس نے انگریزوں کے حلیف سکھوں کے ساتھ تاریخی جہاد چھیڑا اور ۱۸۳۱ء میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ وغیرہ حضرات نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔

۱۸۵۷ء میں ہندوستان کی آزادی لیے ملک کے طول وعرض میں جو سب سے بڑی مسلح جنگ لڑی گئی اس میں اکابرین دیوبند نے بھی بڑی سرگرمی سے حصہ لیا اور شاملی وتھانہ بھون کے محاذ پر انگریزی فوجوں سے لوہا لیا۔

معرکۂ ۱۸۵۷ء میں اکابرین دیوبند کی شرکت

۱۸۵۷ء میں انگریزی اقتدار سے ہندوستان کی آزادی کے لیے دارالعلوم کے اکابر بالخصوص حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (عمر ۴۲ سال)، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (عمر ۲۵ سال)، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (عمر ۲۹ سال) وغیرہ حضرات نے سرفروشانہ جدوجہد رقم کی۔ میرٹھ اور دہلی میں انگریزوں کے خلاف مسلح جدوجہد کے موقع پر ضلع مظفر نگر کے تاریخی قصبہ تھانہ بھون کے ایک اجتماع میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ہاتھ پر بیعت امارت کر کے ان کو امیر منتخب کیا گیا اور اسی وقت انگریزی حکومت کے ختم ہونے کا اعلان کر دیا گیا اور آزادئ وطن کے لیے جانباز مجاہدین کی جماعت بنائی گئی۔ حضرت حافظ ضامن شہیدؒ کو صدر مجلس جنگ، حضرت نانوتویؒ کو چیف کمانڈر، مولانا محمد منیر نانوتویؒ کو معاون کمانڈر اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو فوجی سکریٹری بنایا گیا۔

اتفاق سے اسی زمانے میں انگریزی فوج کے چند سوار کہاروں کے کندھوں پر کارتوسوں کی بہنگیاں لدوائے ہوئے سہارن پور سے کیرانہ جارہے تھے، جماعت مجاہدین کے لیے یہ بڑا اچھا موقع تھا، انھوں نے سواروں پر حملہ کر کے ہتھیار چھین لیے۔ انگریزی افسر جو ساتھ تھے مقابلے میں مارے گئے۔ اس کامیابی کے بعد مجاہدین نے قریب کی تحصیل شاملی پر حملہ کیا جس میں انگریزوں کی ایک چھوٹی سی فوج رہتی تھی۔ تحصیل کو انگریزی فوج نے قلعے کی طرح مستحکم کر کے دروازہ بند کر لیا۔ مجاہدین چوں کہ کھلے میدان میں تھے، اس لیے انھیں انگریزی فوج کی گولیوں سے بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ اس نازک موقع پر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے بڑی جرأت ودلیری سے کام لے کر تحصیل کے پھاٹک کو آگ لگا دی۔ مجاہدین آگ کے شعلوں ہی میں تحصیل کے اندر گھس گئے۔ بڑا سخت معرکہ پڑا۔ دست بدست جنگ کے بعد محصورین ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوگئے۔ عین اس وقت جب انگریزی فوجی ہتھیار ڈال رہے تھے حضرت حافظ ضامنؒ انگریزی فوج کی گولی سے شہید ہوگئے۔ کچھ روایات کے مطابق یہ معرکہ تین دن تک جاری رہا۔ انگریزی

وقائع نگار ہنری جارج کین کے مطابق اس لڑائی میں ۱۱۳ محصورین مارے گئے۔

یہ واقعہ ۲۴ محرم ۱۲۷۴ھ دوشنبہ (۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء) کا ہے۔ مجاہدین کی یہ جماعت انگریزی فوج پر غالب آگئی اور تحصیل پر قبضہ کرلیا اور عمارت کو توڑ پھوڑ کر کھنڈر بنا دیا۔ لیکن یہ جنگ ایک محاذ کی جنگ نہ تھی، یہ جنگ تو پورے ملک میں لڑی جارہی تھی۔ اتفاق یہ کہ فتح شاملی کے دن ہی ۱۴ ستمبر کو انگریزی فوج دہلی میں داخل ہوکر لال قلعہ پر قابض ہوگئی۔ بدقسمتی سے ہندوستانی عوام اس وقت اپنی طاقت کو منظّم نہ کر سکے اور نتیجۃً انگریزوں کا پورے ملک پر تسلط قائم ہوگیا۔

انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کرنے کے بعد اطراف و جوانب کے باغیوں کی سرکوبی کی مہم بڑے پیمانے پر شروع کی۔ انگریزوں کی اس فہرست میں تھانہ بھون اور شاملی بھی تھا۔ انگریزوں نے اس حملہ کا سخت انتقام لیا اور تھانہ بھون کو بری طرح تباہ و برباد کر دیا۔ جنگ میں حصہ لینے والے تمام مجاہدین کے خلاف وارنٹ جاری ہوا۔ اسی لیے حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ ہجرت کر کے چھپ چھپا کر مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ گرفتار ہوکر جیل میں قید کیے گئے لیکن چھ ماہ کے بعد رہائی پائی۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے خلاف بھی وارنٹ جاری ہوا لیکن دو سال تک انگریزوں کے ہاتھ نہیں آئے، پھر بالآخر حکومت برطانیہ نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی اور عام معافی کا اعلان کر دیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد اول، ص ۵۱۰-۵۰۶، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: حیات اور کارنامے، ص ۹۴-۸۲)

دارالعلوم دیوبند: مجاہدین حریت کی چھاؤنی

جہاد ۱۸۵۷ء کی ناکامی اور سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد، مسلمان طبقہ خاص طور پر انگریزوں کی انتقامی کارروائی کا سب سے زیادہ نشانہ بنا۔ انگریزوں نے علماء و امراء کی ایک بڑی تعداد کو قتل کر دیا، مدارس و معاہد تباہ و برباد کر دیے اور اسلامی تہذیب و ثقافت کو ختم کرنے کا تہیہ کرلیا۔ ایسے ناگفتہ بہ حالات میں اکابرین دیوبند نے ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے مقصد سے تعلیمی تحریک برپا کرنے کا فیصلہ کیا اور دارالعلوم دیوبند اس سلسلہ کی پہلی کڑی تھی۔ سیاسی زوال نے مسلمانوں کو بے چارگی و مجبوری اور بے چینی و پریشانی کے جس عالم میں پہنچا دیا تھا، دارالعلوم دیوبند کے قیام سے انھیں سکون و اطمینان اور قرار نصیب ہوا۔ اور پھر تاریخ نے ثابت کر دیا کہ علماء نے فراست ایمانی سے جو فیصلہ کیا تھا اس کے بالکل صحیح نتائج برآمد ہونے شروع ہوگئے۔ جہاں ایک طرف دارالعلوم دیوبند نے دینی تعلیم کے فروغ، عقائد صحیحہ و

اسلامی تعلیمات کی اشاعت، مسلمانوں کے دینی تشخص کی حفاظت اور اسلامی علوم وفنون کی ترقی وآبیاری میں بھرپور حصہ لیا وہیں دوسری طرف مجاہدین اور سرفروشوں کی ایک جماعت پیدا کی جس نے آزادی کے مبارک جذبہ کو نہ صرف زندہ رکھا بلکہ انگریزی سامراج کا اس وقت تک تعاقب کرتے رہے جب تک وہ اس ملک کو چھوڑ کر نہ چلا گیا۔

ان علماء واکابر کو اگرچہ میدان جنگ میں شکست ہوچکی تھی لیکن ان کا تصورِ آزادی فنا نہیں ہوا تھا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد صرف یہی جماعت تھی جس نے آزادی کے تصور کو ہندوستان میں زندہ رکھا۔ یہی نہیں بلکہ انگریز دشمنی اور آزادیٔ وطن کے جذبے میں جو حرارت، طاقت اور عمومیت پیدا ہوتی گئی وہ انھیں حضرات کی پیہم کوششوں کا نتیجہ ہے۔

تحریک شیخ الہند

جہاد ۱۸۵۷ء کے بعد پہلے مرحلے میں دارالعلوم کا قیام عمل میں آیا۔ دارالعلوم نے خاموشی سے تقریباً پون صدی تک افراد کی تیاری پر توجہ مرکوز رکھی۔ بالآخر دارالعلوم دیوبند کے پہلے سپوت شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی مجاہدانہ سرگرمیوں سے یہ تحریک دوسرے مرحلے میں داخل ہوئی جس کو تحریک شیخ الہند یا عرف عام میں تحریک ریشمی رومال کہا جاتا ہے۔

تحریک شیخ الہند کی ابتدا بیسویں صدی کے دوسرے عشرے میں ہوئی جب شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے شاگردوں اور متوسلین کی ایک بڑی جماعت اس انقلابی تحریک سے وابستہ ہوگئی۔ شیخ الہندؒ کے نمائندے ملک کے اندر اور ملک کے باہر افغانستان، آزاد علاقہ، صوبہ سرحد اور حجاز کے اندر سرگرم اور فعال تھے۔

اس تحریک میں اہم رول آپ کے شاگرد مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے ادا کیا۔ شیخ الہندؒ نے مولانا سندھی کو کابل اس مشن پر بھیجا کہ حکومتِ افغانستان کو ہندوستان کی تحریکِ آزادی میں اخلاقی اور فوجی امداد دینے کے لیے تیار کرلیا جائے۔ اسی درمیان مولانا سندھی نے کابل میں ایک عارضی حکومتِ ہند قائم کی جس کے تین رکن تھے؛ راجہ مہندر پرتاپ سنگھ صدر، مولانا برکت اللہ بھوپالی وزیر اعظم اور مولانا عبید اللہ سندھی وزیر ہند۔ اس عارضی حکومت نے مختلف ممالک میں اپنے وفود روانہ کرکے انگریزوں کے خلاف رائے عامہ کو ہموار کرنے کی کوشش کی۔ اسی سلسلہ میں ایک وفد روس بھیجا گیا، اس کے بعد دو وفود ترکی اور جاپان کے لیے روانہ کیے گئے۔ ترکی جانے والے وفد میں عبدالباری اور شجاع اللہ اور جاپان جانے والے وفد میں شیخ عبد

القادر اور ڈاکٹر متھرا سنگھ شامل تھے۔ جاپان جانے والے وفد کو گرفتار کر کے روسی حکام نے برطانیہ کے حوالے کر دیا اور بدقسمتی سے ترکی جانے والا وفد بھی برطانوی حکام کے قبضہ میں آ گیا۔ ان کے بیانات سے سارے واقعات انگریزوں کے علم میں آ گئے۔ انھیں دنوں مشہور ترک جرمن مشن افغانستان آیا جس کا مقصد افغانستان کو برطانیہ کے خلاف لڑنے پر آمادہ کرنا اور جنگ عظیم میں شامل ہونا تھا۔

تحریک آزادی کے لیے حضرت شیخ الہند نے اپنا مرکز بھی سرحدی علاقہ کو بنایا تھا۔ انگریزوں سے مقابلہ میں مجاہدین وہاں پہلے سے متحرک تھے۔ افغانی قبائل کو جہاد کی دعوت دینے اور ان کو متحد و متفق رکھنے کے لیے حاجی ترنگ زئی، عبدالرحیم سندھی وغیرہ متعدد افراد اس علاقہ میں کام کر رہے تھے۔ مرکز یاغستان سے تقاضہ ہو رہا تھا کہ حضرت شیخ الہند وہاں تشریف لے جائیں، تو مجاہدین کا اجتماع اور زیادہ ہو جائے گا، آپس کے تفرقہ کا خطرہ نہ رہے گا، اور کاروبار جہاد میں پختگی آ جائے گی؛ لیکن مجاہدین اور ضروریاتِ جہاد کے لیے غیر معمولی امداد کی بھی ضرورت تھی اور حضرت کے علاوہ اور کوئی ایسا نہ تھا کہ لوگ اس کی شخصیت سے متاثر ہوں اور محض خفیہ اشارہ پر غیر معمولی امداد پیش کر دیں۔ لہٰذا حضرت نے فیصلہ کیا کہ کسی باقاعدہ حکومت کو آمادہ کیا جائے کہ وہ پشت پناہی کرے۔ اس مرحلہ پر حضرت نے یاغستان کے بجائے حجاز کا ارادہ کیا کہ ترکی حکومت سے رابطہ قائم کریں۔

اسی مقصد کے لیے حضرت شیخ الہند ۱۹۱۵ء میں حجاز تشریف لے گئے اور وہاں دو سال تک ان کا قیام رہا۔ حجاز میں خلافتِ عثمانیہ کے ذمہ داروں سے خصوصاً غالب پاشا گورنر مدینہ اور خلافت عثمانیہ کے وزیر الحرب انور پاشاہ وغیرہ سے رابطہ کیا اور انھیں ہندوستان کی صورت حال سے آگاہ کیا اور اپنے منصوبہ سے واقف کرایا۔ ان دونوں نے شیخ الہندؒ کے خیالات سے اتفاق کرتے ہوئے، ان کے منصوبے کی تائید کی اور برطانوی حکومت کے خلاف اپنے اور اپنی حکومت کے تعاون کا یقین دلایا۔ غالب پاشا نے تائید و تعاون پر مشتمل ایک خط آپ کو لکھ کر دیا جس میں انھوں نے حضرت شیخ الہند کی شخصیت پر اعتماد کا اظہار اور اہل ہند سے ان کی مدد کی اپیل تھی۔ اس خط کو ہندوستان کی تحریکِ آزادی میں 'غالب نامہ' سے یاد کیا جاتا ہے۔ ترکی سپہ سالار غازی انور پاشا کے پیغام کا مضمون بھی وہی تھا جو غالب نامہ کا تھا یعنی اس میں ہندوستانیوں کے مطالبہ آزادی کی تحسین کی گئی تھی، اور اپنی طرف سے امداد و اعانت کا وعدہ تھا اور ہر شخص کو جو ترکی کی رعیت یا ملازم ہو حکم تھا کہ مولانا محمود حسن صاحب پر اعتماد کرنے اور ان کی اعانت میں حصہ لینے کی تاکید تھی۔ یہ فرامین صندوق کی تلی میں پیوست کر کے ہندوستان پہنچائے گئے۔ پھر ان کے فوٹو لیے گئے اور ان کو افغانستان و یاغستان کے جہادی مراکز پہنچایا گیا۔

مولانا عبیداللہ سندھی نے حضرت شیخ الہند کو حالات سے مطلع کرنے کے لیے ریشمی کپڑے کے تین ٹکڑوں پر خط لکھ کر جولائی ۱۹۱۶ء میں عبدالحق نامی ایک نومسلم نوجوان کو دیا اور اس کو ہدایت کردی کہ یہ خطوط شیخ عبدالرحیم سندھی کو پہنچادیں تاکہ وہ ان خطوط کو مدینہ روانہ کردیں۔ایک روایت کے مطابق یہ خطوط مولانا منصور انصاری نے لکھے تھے۔ بہر حال یہ خطوط ملتان کے خان بہادر رب نواز خاں کو ہاتھ لگ گئے اور اس نے ملتان ڈویژن کے انگریز کمشنر کو یہ خطوط حوالے کر دیے۔بعد میں پنجاب سی آئی ڈی نے اس سلسلہ میں تحقیقات کیں۔انگریزوں نے ان کاروائیوں اور مقدمات کو ریشمی رومال سازش کیس (Silk Letter Conspiracy Case) کا نام دیا اور اسی بنیاد پر اس کو 'تحریک ریشمی رومال' کہا جانے لگا۔اس کیس سے متعلق تمام امور کی تفصیل انڈیا آفس لائبریری لندن کے پولٹیکل اور سیکریٹ شعبہ میں محفوظ ہے۔

مولانا عبیداللہ سندھی نے یہ خطوط زرد رنگ کے ریشمی کپڑے کے تین ٹکڑوں پر لکھے تھے اور یہ تاریخی و سیاسی اعتبار سے اہمیت کے حامل ہیں۔ان میں سے پہلا خط شیخ عبدالرحیم سندھی کے نام تھا۔یہ خط حضرت مولانا شیخ الہند کو مدینہ بھیجنا تھا اور حضرت شیخ الہند کو خط کے ذریعہ بھی اور زبانی بھی آگاہ کردیں کہ وہ کابل آنے کی کوشش نہ کریں۔دوسرا خط حضرت شیخ الہند کے نام تھا جس کے سلسلہ میں ہدایت تھی کہ تحریک کے ممتاز کارکنوں کو بھی یہ خط دکھا دیا جائے۔اس خط میں رضا کار فوج جنود اللہ اور اس کے ۱۰۴/افسروں کا ذکر تھا جن کی فوجی تربیت اور ذمہ داری لکھی گئی تھی۔اس میں راجہ مہندر پرتاب سنگھ کی سرگرمی، عارضی حکومت کا قیام روس جاپان اور ترکی وفود کی تفصیل بیان کی گئی تھی۔

تیسرا خط بھی حضرت شیخ الہند کے نام تھا۔اس خط میں تحریر تھا کہ ہندوستان میں تحریک کے کون کون سے کارکن سرگرم ہیں اور کون کون سے لوگ سست پڑ گئے ہیں۔اس میں مولانا آزاد اور مولانا حسرت موہانی کی گرفتاری کی اطلاع بھی تھی۔اس میں مہمند اور سوات کے علاقوں میں مجاہدین کی سرگرمیوں، جرمن ترک مشن کی آمد اور اس کے ناکام ہونے کے اسباب اور افغانستان کو جنگ میں شریک ہونے کے لیے کن کن چیزوں کی ضرورت ہے اس کی تفصیل بھی درج تھی۔ساتھ ہی حضرت شیخ الہند کو یہ مشورہ دیا گیا کہ وہ مدینہ منورہ میں ٹھہر کر ترکی، افغانستان اور ایران میں معاہدہ کرانے کی کوشش کریں۔اس خط میں حضرت شیخ الہند سے یہ بھی گزارش کی گئی تھی کہ وہ ہندوستان نہ آئیں،حکومت نے ان کو گرفتار کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔

اسی زمانہ میں انگریزوں سے مل کر مکہ کے گورنر شریف حسین نے ترکی حکومت کے خلاف بغاوت برپا کردی۔شریف حسین کے سرکاری علماء نے ایک استفتاء اور اس کا جواب مرتب کرایا، جس میں ترکی فوج کی

تکفیر تھی، سلاطینِ آلِ عثمان کی خلافت سے انکار کیا گیا تھا اور شریف حسین کی بغاوت کو حق بجانب اور مستحسن قرار دیا گیا تھا۔ شریف حسین سے تعلق رکھنے والے بہت سے علماء نے اس پر دستخط کر دیے تھے؛ لیکن علماء کی کثیر تعداد متردد اور خائف تھی۔ حضرت شیخ الہند کے سامنے یہ فتوی پیش کیا گیا تو حضرت نے اس پر تائیدی دستخط کرنے سے سختی سے انکار کر دیا۔ آپ کے انکار پر تمام حق پرست علما کی ہمت بلند ہوگئی، جو حضرات متردد اور خائف تھے، ان سب نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ فتوی پر دستخط نہ کرنے کی وجہ سے حکومتِ برطانیہ کے اشارے پر شریف حسین نے گرفتاری کے احکام جاری کر دیے، حضرت شیخ الہند طائف میں ۱۵/فروری ۱۹۱۷ء کو گرفتار کر لیے گئے اور وہاں سے بحیرۂ روم میں واقع جزیرہ مالٹا روانہ کر دیے گئے جو برطانیہ کے سیاسی اور جنگی قیدیوں کا مرکز تھا۔ وہاں سخت تکلیف کی زندگی گزارنے کے بعد ۸/جون ۱۹۲۰ء کو تین برس سات مہینے کی اسارت کے بعد بمبئی پہنچا کر آپ کو رہا کیا گیا۔

دوسری طرف ریشمی رومال خطوط کی روشنی میں ہندوستان میں بھی حکومت نے نہایت ہی تیزی سے کاروائی شروع کی، چھاپے مارے اور گرفتاریاں شروع کیں۔ ۲۲۲/افراد کے خلاف انکوائری اور پوچھ تاچھ کی گئی۔ ۵۹/اشخاص پر حکومت برطانیہ کا تختہ الٹنے کا اور غیر ممالک سے امداد حاصل کرنے کی سازش کا مقدمہ قائم کیا گیا۔ ادھر افغانستان میں بھی امیر حبیب اللہ کی رائے بدل گئی، اس نے انگریزوں کے دباؤ پر مولانا مولانا عبیداللہ سندھی اور ان کے ساتھیوں کی گرفتاری اور نظر بندی کا حکم جاری کر دیا۔

جنگ عظیم کی ابتدا، عربوں کی ترکوں کے خلاف بغاوت، امیر حبیب اللہ کی طوطا چشمی اور دوسرے اسباب کی بنیاد پر تحریک ریشمی رومال اپنے انقلابی مقاصد کو پورا کرنے میں ناکام رہی؛ لیکن اس تحریک کی تفصیلات سے بوریہ نشین علماء کی بلندیٔ فکر، مجاہدانہ اولوالعزمی اور ان کے تدبر وسیاست کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کی تحریک آزادی کی تاریخ میں ’تحریک ریشمی رومال‘ ایک تابناک باب کی حیثیت رکھتی ہے۔

شیخ الہند کی اس تحریک میں مولانا منصور انصاری، مولانا فضل ربی، مولانا فضل محمود، مولانا محمد اکبر کا شمار اہم ارکان میں تھا۔ مولانا عبدالرحیم رائے پوری، مولانا محمد احمد چکوالی، مولانا محمد صادق کراچوی، شیخ عبدالرحیم سندھی، مولانا احمد اللہ پانی پتی، ڈاکٹر مختار احمد انصاری وغیرہ نے اپنا تعاون پیش کیا۔ ان کے علاوہ مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا احمد علی لاہوری، حکیم اجمل خان وغیرہ بھی آپ کے مشیر ومعاون تھے۔ مالٹا کے اسارت خانہ میں حضرت شیخ الہند کے ساتھ آپ کے دیگر رفقاء حضرت مولانا حسین احمد مدنی، مولانا عزیر گل پشاوری، مولانا حکیم نصرت حسین امروہوی، مولانا وحید احمد فیض آبادی وغیرہم بھی قید کیے گئے تھے۔

حضرت شیخ الہندؒ نے مالٹا سے واپسی کے بعد ملک کی آزادی میں سرگرم حصہ لیا۔ مالٹا میں اسارت کے

زمانے میں حضرت شیخ الہند نے محسوس کرلیا تھا کہ ہندوستان کی آزادی صرف ایک قوم اپنی کوشش سے حاصل نہیں کرسکتی ہے۔ لہٰذا آپ نے انقلاب وتشدد کی پالیسی بدل کر ہندوستان کی آزادی کو ہندو اور مسلمان کی مشترکہ جدوجہد سے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اسی سلسلہ میں آپ نے نیشنلسٹ طاقتوں کا ساتھ دیا اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنا میں حصہ لیا۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے: نقش حیات، حضرت مولانا حسین احمد مدنی، جلد دوم، صفحہ ۱۷۸-۱۳۱؛ ریشمی خطوط سازش کیس، مولانا محمد میاں دیوبندی)

جمعیۃ علمائے ہند اور جدوجہد آزادی

۱۹۱۹ء میں ہی تحریک خلافت شروع ہوئی جو جنگ عظیم اول کے بعد خلافت عثمانیہ کے تحفظ اور ہندوستان پر برطانوی تسلط کے خلاف ایک نہایت مؤثر اور ہمہ گیر تحریک تھی۔ اس تحریک نے ہندوستان میں ہندو مسلم اتحاد کا عظیم الشان نمونہ پیش کیا اور اس پلیٹ فارم سے مسلمان اور ہندو شانہ بشانہ انگریزی حکومت کے خلاف لڑے۔ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ و دیگر علمائے دیوبند اس تحریک میں شریک رہے۔ ۱۳؍نومبر ۱۹۱۹ء کو دہلی میں خلافت کمیٹی کا اجلاس مولانا فضل الحق کی صدارت میں ہوا جس میں برطانیہ کے جشنِ صلح کے بائیکاٹ کی تجویز مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نے پیش کی جس کی تائید میں گاندھی جی نے بھی تقریر کی۔ اسی موقع پر انقلابی علماء نے 'جمعیۃ علمائے ہند' کے نام سے باضابطہ دستوری جماعت کی تشکیل کا فیصلہ کیا جس کے پہلے صدر مفتیٔ اعظم حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ منتخب ہوئے۔ جمعیۃ علمائے ہند کے قیام کے بعد علمائے دیوبند کی مجاہدانہ سرگرمیاں اسی پلیٹ فارم سے جاری رہیں اور ہندوستان کی آزادی کی تحریک اس جماعت کا بنیادی مشن تھا۔

جمعیۃ علمائے ہند ایک ایسے وقت میں قائم ہوئی جب انگریزی استبداد اپنی آخری حدوں کو چھو رہا تھا اور کسی میں جرأت موجود نہیں تھی کہ وہ سات سمندر پار کی اس اجنبی مخلوق کے خلاف کوئی آواز بلند کرسکے، لیکن جمعیۃ علمائے ہند اور اس کے بانیوں نے سب سے پہلی جو آواز لگائی وہ وہی تھی جسے سننے کے لیے ہر ہندوستانی گوش برآواز تھا، اس نے مکمل آزادی کا نعرہ دیا اور کہنا چاہیے کہ اس نعرہ کے ذریعہ اس نے تحریک آزادی کے لیے قائم تمام تنظیموں، تحریکوں اور انجمنوں پر سبقت حاصل کرلی۔

جون ۱۹۲۰ء میں خلافت کانفرنس الہ آباد میں نان کوآپریشن (ترک موالات) شروع کرنے کا فیصلہ ہوا۔ جولائی ۱۹۲۰ء میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے ترک موالات کا فتوی دیا جس کو بعد میں مولانا

ابوالمحاسن سجاد بہاریؒ نے مرتب کر کے جمعیۃ علمائے ہند کی طرف سے ۴۸۴ دستخطوں کے ساتھ شائع کیا۔ غیر ملکی مال کے بائیکاٹ اور برطانوی حکومت کے ساتھ عدم تعاون کی یہ تجویز بہت کارگر ہتھیار تھا جو جنگِ آزادی میں استعمال کیا گیا، انگریزی حکومت اس کا پورا پورا نوٹس لینے پر مجبور ہوئی اور اس کا خطرہ پیدا ہو گیا کہ پورا ملکی نظام مفلوج ہو جائے اور عام بغاوت پھیل جائے۔

نومبر ۱۹۲۰ء میں جمعیۃ علمائے ہند کا دوسرا اجلاسِ عام دہلی میں حضرت شیخ الہندؒ کی صدارت میں ہوا۔ آپ نے اپنے خطبۂ صدارت میں سیاسی جدوجہد کی منتشر طاقت کو متحد و مؤثر بنانے کے لیے کانگریس کے مشترکہ پلیٹ فارم پر جمع ہونے کی دعوت دی۔ حضرت شیخ الہند کی اس کوشش نے جنگ آزادی کے نعرہ میں ایک روح پھونک دی۔

جولائی ۱۹۲۱ء میں خلافت کانفرنس کراچی کے اجلاس میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے صاف لفظوں میں اعلان کیا کہ حکومت برطانیہ کے ساتھ موالات و اعانت کے تمام تعلقات اور ملازمت حرام ہے۔ اس کے پاداش میں کراچی کا مشہور مقدمہ چلا جس میں آپ کے ساتھ مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، گروشنکراچاریہ وغیرہ کو دو دو سال قید با مشقت کی سزا ہوئی۔

جنوری ۱۹۲۴ء میں جمعیۃ علمائے ہند کے پانچویں اجلاس میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اپنے خطبہ میں آزادئ کامل کی طرف سب سے پہلے توجہ دلائی۔ پھر جمعیۃ علمائے ہند نے حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کے صدارت میں ہونے والے ساتویں اجلاس میں ۱۴؍ مارچ ۱۹۲۶ء کو سب سے پہلے مکمل آزادی کی تجویز پاس کی۔ ہندوستان پر برطانوی قبضہ کے خلاف ہندوستانیوں کی طرف سے یہ پہلی تجویز تھی جس نے بہانگ دہل برطانیہ سے ملک کی مکمل آزادی کی حمایت کی، ورنہ اس وقت کانگریس وغیرہ دیگر قومی جماعتیں حکومت سے محض کچھ مراعات کی طالب ہوا کرتی تھیں۔ بالآخر جمعیۃ علمائے ہند کی یہی تجویز ملک کے ہر فرد کی آواز بن گئی۔

۱۹۲۹ء میں گاندھی جی کے 'ڈانڈی مارچ' اور نمک سازی تحریک میں جمعیۃ علمائے ہند کے رہنما مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی وغیرہ نے شرکت کی اور دیگر قومی کارکنوں کے ساتھ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا سید فخر الدین مرادآبادی، مولانا سید محمد میاں دیوبندی اور مولانا بشیر احمد بھٹہ وغیرہ بھی گرفتار ہوئے۔

۱۹۳۰ء کی تحریک سول نافرمانی میں جمعیۃ علمائے ہند کے صدر حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی اور ناظم اعلی جمعیۃ علمائے ہند مولانا احمد سعید دہلوی کو قانونِ تحفظِ عامہ اور بغاوت کے جرم میں گرفتار کر کے قید بامشت کی سزا دی گئی۔ ۱۹۳۲ء میں جب دوبارہ سول نافرمانی کی تحریک شروع کی گئی تو جمعیۃ علمائے ہند نے

بھی کانگریس کی جنگی کونسل کی طرح 'ادارہ حربیہ' قائم کرکے ڈکٹیٹرانہ نظام جاری کیا جس کے ذمہ دار مولانا ابوالمحاسن سجاد صاحب تھے۔ مارچ ۱۹۳۴ء میں جمعیۃ علمائے ہند کے پہلے ڈکٹیٹر حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی ایک لاکھ افراد کا جلوس لے کر نکلے اور گرفتار کرلیے گئے۔ جمعیۃ علمائے ہند کے دوسرے ڈکٹیٹر حضرت مولانا حسین احمد مدنی کو بھی دیوبند سے دہلی آتے ہوئے راستے میں گرفتار کرلیا گیا۔ اس کے بعد سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا محمد میاں دیوبندی، رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی وغیرہم ڈکٹیٹر منتخب ہوتے رہے اور گرفتاریاں دیتے رہے۔ اس تحریک میں تقریباً تیس ہزار مسلمان گرفتار کیے گئے۔

۱۹۳۵ء میں حکومت ہند کا جو دستور بنایا گیا تھا اس میں مسلمانوں کی مذہبی وملی مشکلات کے حل کے لیے جمعیۃ علمائے ہند نے ایک فارمولا پیش کیا تھا جس کو 'مدنی فارمولا' کا نام دیا گیا تھا۔ اگر اس فارمولے کے مطابق دستور بنایا جاتا تو کافی حد تک مسلمانوں کی مشکلات حل ہوجاتیں اور ملک تقسیم نہ ہوتا۔ بہرحال گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے ذریعہ مسلمانوں کو جو بھی مراعات حاصل ہوئیں وہ اسی فارمولے کی بنیاد پر شامل ہوئیں۔

۳۷-۱۹۳۶ء میں جمعیۃ علمائے ہند نے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی کی رہ نمائی میں صوبہ سرحد کی اسمبلی میں شریعت بل کا مسودہ پیش کرکے پاس کرایا، جو بالآخر شریعت ایکٹ بنا اور آج تک نافذ ہے۔ ۱۹۳۷ء میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے انگریزی اقتدار کے مقابلے میں بلاتفریق مذہب وملت ہندوستانیوں کے لیے متحدہ قومیت کی وکالت کی اور اس کو قرآن وحدیث سے ثابت کیا۔ اُس وقت مسلم لیگ اور ہندومہاسبھا کی جانب سے مذہب پر مبنی تصورات پیش کیے جارہے تھے۔

۴۰-۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم کے موقع پر جمعیۃ علمائے ہند نے جبری بھرتی کی پرزور مخالفت کی اور اعلان کیا کہ جنگ کے سلسلہ میں ہم کسی طرح کا تعاون نہیں کریں گے، جس کی پاداش میں جمعیۃ کے رہ نماؤں اور کارکنوں کو گرفتار کیا گیا۔ ان میں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا محمد قاسم شاہجہانپوری، مولانا ابوالوفا شاہجہانپوری،، مولانا محمد اسماعیل سنبھلی، مولانا شاہد میاں فاخری الہ آبادی، مولانا اختر الاسلام مدرسہ شاہی مرادآباد وغیرہ شامل ہیں۔

اپریل ۱۹۴۲ء میں جمعیۃ علماء کی بچھرایوں کانفرنس میں آزادی کے مطالبہ کی پاداش میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کو جون ۱۹۴۲ء میں گرفتار کرلیا گیا اور چھ ماہ کی مدت اسارت ختم ہونے کے وقت دوبارہ غیر محدود عرصہ کے لیے نظر بند کردیا گیا۔ ۵/اگست ۱۹۴۲ء کو جمعیۃ علمائے ہند کی مجلس عاملہ کے چار مقتدر ارکان

حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا احمد سعید دہلوی اور مولانا عبدالحلیم صدیقی لکھنوی کے دستخطوں سے ایک اخباری بیان جاری کیا گیا جس میں کھلے لفظوں میں کہا گیا تھا کہ ''انگریز ہندوستان چھوڑ دے''۔ اس کے بعد ۸/اگست کو کانگریس نے بمبئی کے اجلاس میں 'کوئٹ انڈیا' (انڈیا چھوڑ دو) کی تجویز پاس کی۔ اس کی پاداش میں کانگریس کی طرح جمعیۃ علمائے ہند کے رہ نما اور ہزاروں کارکن گرفتار ہوئے جن میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا محمد میاں دیوبندی، مولانا نورالدین بہاری وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

جمعیۃ علمائے ہند نے مسلمانوں کے لیے الگ اسٹیٹ یعنی نظریۂ قیامِ پاکستان کی ہمیشہ پوری قوت کے ساتھ مخالفت کی۔ لیکن ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو مجاہدین ملت کی بیش بہا قربانیوں کی بدولت جب آفتابِ آزادی نصف شب کو طلوع ہوا، برطانوی شاطر حکمراں اپنی پھوٹ ڈالنے والے سیاست میں کامیاب ہو چکے تھے۔ اس مبارک گھڑی میں ہندو مسلم اتحاد کی وہ عمارت جس کی تعمیر جمعیۃ علماء کے اکابر نے کی تھی وہ لرزہ براندام ہوگئی، نفرت کی آندھیوں میں صدیوں کے پروردہ رشتے کچے دھاگوں کی طرح ٹوٹ گئے۔ اس وقت شمالی ہند کے مسلمانوں کے سامنے کربلا جیسے مناظر تھے۔ اس بھیانک تاریکی میں جمعیۃ علمائے ہند نے امید کا چراغ روشن کیا، لڑکھڑاتے قدموں کو سہارا دیا اور حوصلوں کو بحال کیا۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے: جمعیۃ علماء نمبر، ہفت روزہ الجمعیۃ نئی دہلی، شائع شدہ بہ موقع ۲۵/واں اجلاس عام ممبئی ۱۹۹۵ء، صفحہ نمبر ۵۷ تا ۶۵)

خلاصۂ کلام

ہندوستان کی تحریک آزادی کی پوری تاریخ میں علمائے دیوبند کی مجاہدانہ سرگرمیاں بہت نمایاں ہیں۔ فکر ولی اللہی کے وارث وامین ہونے کی حیثیت سے علمائے دیوبند نے پورے تسلسل اور اعتماد کے ساتھ انگریزوں سے لوہا لیا اور بالآخر انھیں ملک چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ ان علماء نے جذبۂ آزادی کی شمع ایسے تیرہ و تاریک ماحول میں بھی جلائے رکھی جب برطانوی جبر واستبداد اپنے عروج پر تھا اور انگریزوں کے خلاف کوئی بھی میدان میں نہیں تھا۔ ان علماء نے پوری سیاسی بصیرت اور تدبر کے ساتھ وقت اور حالات کے تقاضے کے تحت اپنے ہتھیار بدلے، اپنا طریقۂ کار تبدیل کیا، لیکن آزادی کے عظیم الشان ہدف ومقصد سے کبھی سرِ مو انحراف نہیں کیا۔ یہ ان بوریہ نشین علماء ہی کی دوررس نگاہیں تھیں جنھوں نے ہر موڑ پر تحریک آزادی کی قیادت کی اور مکمل آزادی، کوئٹ انڈیا وغیرہ جیسی تاریخی تحریک شروع کرنے میں انھوں نے دوسروں پر سبقت حاصل کی؛ جب کہ دوسری طرف ملک وبیرون ملک کے اعلیٰ تعلیمی اداروں سے سیاست و پولیٹکل

سائنس کی ڈگریاں حاصل کرنے والے افراد ان کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکے اور وہ انگریزی حکومت کو ہمیشہ ناقابل تسخیر ہی سمجھتے رہے۔

دوسری طرف علماء نے تقسیم ہندوستان اور نظریۂ پاکستان کی زبردست مخالفت کی، حالاں کہ وہ اس میں کامیاب نہیں ہو پائے اور انگریز اپنی تفرقہ انگیزی کی سیاست میں کامیاب ہوئے؛ لیکن علماء کی متحدہ قومیت کی حمایت کا سب سے اہم فائدہ یہ ہوا کہ ہندوستان ایک سیکولر اور جمہوری ملک بنا اور اس کے دستور نے ہندوستانی مسلمانوں کو برابر کا حق دیا۔ خدانخواستہ اگر ملک کا سیاسی ڈھانچہ غیر سیکولر اور غیر جمہوری ہوتا تو مسلمانوں کا اس ملک میں کیا حال ہوتا اس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ ہندوستان کے آئین میں مسلمانوں کو باعزت برابری کا حق انھیں علماء کی متحدہ کوششوں کا نتیجہ ہے جنھوں نے ہر طرح کی فرقہ واریت اور مذہبی لکیروں سے ہٹ کر اس کثیر المذاہب اور متنوع الثقافۃ ملک کے لیے سیکولر آئین بنوایا تا کہ یہاں ہر مذہبی طبقہ اپنے مذہب پر آزادی کے ساتھ قائم رہ سکے اور اپنے مذہب کی بقاو اشاعت کے لیے خودمختار ادارے قائم کر سکے۔

علمائے دیوبند کی ملّی وسماجی خدمات

علمائے دیوبند کی تاریخ سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ ان کا دائرۂ عمل محض مذہبی اور تعلیمی میدان ہی تک محدود نہیں رہا، بلکہ انھوں نے ہمیشہ ملک وسماج سے جڑ کر تمام مسلمانوں اور عام انسانوں کی خدمت کو بھی اپنے دائرۂ عمل میں شامل رکھا۔ علمائے دیوبند ہمیشہ سماج کے ہر طبقہ سے مربوط رہے اور ملت و سماج کی ضروریات کے پیش نظر انھوں نے حسب استطاعت اپنی خدمات پیش کرنے میں لیت ولعل سے کام نہیں لیا۔ عوام میں تعلیمی بیداری کا فروغ اور جہادِ آزادی میں سرگرم حصہ داری اسی احساس فرض کا نتیجہ تھی جس سے علمائے دیوبند نے کبھی پہلوتہی نہیں کی۔

تقسیم ملک کے بعد ہندوستان میں علمائے دیوبند نے بہت سے سماجی ورفاہی، ملی ونیم سیاسی مختلف ادارے قائم کیے اور ان کے توسط سے ہندوستان میں سیاسی وسماجی سطح پر مسلمانوں کے پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے کی کوششیں کی۔ ان اداروں میں علمائے دیوبند کی نمائندہ تنظیم 'جمعیۃ علمائے ہند' کا دائرۂ کار سب سے زیادہ وسیع اور مؤثر رہا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر تنظیمیں جیسے مسلم پرسنل لا بورڈ وغیرہ ہیں جنھیں علمائے دیوبند نے یا تو قائم کیا یا اپنے سرگرم تعاون سے انھیں تقویت پہنچائی۔ ذیل کی سطور میں علماء کی انھیں ملی وسماجی خدمات کی ایک جھلک پیش کی جارہی ہے۔

جمعیۃ علمائے ہند اور اس کی ملی وسماجی خدمات

جمعیۃ علمائے ہند، آزاد ہندوستان کی تاریخ میں مسلمانوں کی سب سے قدیم اور بڑی تنظیم ہے جس نے مسلمانوں کے جان ومال اور دین ومذہب کے تحفظ، فرقہ واریت کی مخالفت، تعلیم اور ریلیف وبازآبادکاری کے میدانوں میں عظیم الشان اور قابل فخر خدمات انجام دی ہیں۔ جمعیۃ علماء کے اکثر مرکزی صدور اور صوبہ جات و اضلاع کے صدور وذمہ داران دارالعلوم دیوبند کے اکابر وعلماء رہے ہیں جن میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، حضرت مولانا محمد میاں دیوبندیؒ، حضرت مولانا سید فخرالدین مرادآبادیؒ، حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ وغیرہ جیسی شخصیات شامل ہیں۔

۱۹۴۷ء میں ملک کی آزادی اور مسلم آبادی کی تقسیم کے بعد ہندوستان میں قیام کا فیصلہ کرنے والے مسلمانوں کے لیے زندگی بہت مشکل تھی، خصوصاً شمالی ہند اور دہلی واطراف کے مسلمانوں پر ایک قیامت صغریٰ ٹوٹ پڑی تھی۔ ان پرخطر اور نازک حالات میں مسلمانوں کو تسکین وتسلی دینے اور ان کے پیروں کو جمانے میں اکابرِ جمعیۃ نے اہم کردار ادا کیا۔

اسی طرح ملک کے طول وعرض میں فرقہ وارانہ فسادات اور فرقہ پرستی کی روک تھام کے لیے طویل اور صبر آزما جدوجہد کی۔ اس سلسلہ میں جمعیۃ علماء نے پارلیمنٹ اور اسمبلی کے ایوانوں سے لے کر عوامی مقامات اور جلسہ گاہوں سے فرقہ واریت کی مخالفت کی اور ملک دشمن طاقتوں کو آشکارا کیا۔ جمعیۃ علماء کے علماء واکابر نے بڑی جرأت اور استقامت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کیا اور فساد زدہ مسلمانوں کی مدد اور بازآبادکاری میں جو خدمات انجام دیں وہ ہماری ملّی تاریخ کا روشن باب ہیں۔

ہندوستانی مسلمانوں کے لیے جمعیۃ علمائے ہند کی سب سے اہم خدمت اور کارنامہ ہندوستانی دستور کا سیکولر ڈھانچہ ہے۔ دستور کے بہت سے اجزا جن کا براہ راست یا بالواسطہ تعلق مسلمانوں سے ہے، حالات و ماحول کے لحاظ سے جو بھی ممکن تھا مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے دستور ساز اسمبلی کے رکن ہونے کی حیثیت سے وہ کر دکھایا۔ آج دستور میں اقلیتوں کو جو حقوق، مراعات اور ضمانتیں دی گئی ہیں ان میں سے بیشتر جمعیۃ علمائے ہند کے رہ نماؤں کی جدوجہد اور کوششوں کا ثمرہ ہیں۔ آج دستور کی وہی دفعات ہیں جو مسلمانوں کو ہندوستان میں سربلند رکھنے کے مواقع فراہم کرتی ہیں۔ اگر ان حقوق کو حاصل کرنے کی طاقت پیدا ہوجائے اور مسلمان احساسِ کمتری سے نکل آئیں تو ان کا مستقبل تابناک ہوسکتا ہے۔

جمعیۃ علمائے ہند نے ملک کے دستور اور اس کے سیکولر تانے بانے سے چھیڑ چھاڑ کرنے والی ہر کوشش اور سازش کے خلاف آواز اٹھائی۔ وہ خواہ پرارتھنا یا قومی گیت، وندے ماترم کا معاملہ ہو یا نصابی کتابوں میں مخصوص فرقہ وارانہ ذہنیت کی پرورش کا، خواہ یکساں سول کوڈ کا معاملہ ہو یا مذہبی عمارات بل کا، خواہ سرحدی علاقوں میں مسلمانوں کی شہریت کا مسئلہ ہو یا مسلم عائلی مسائل سے چھیڑ چھاڑ کا، ہر معاملہ میں جمعیۃ علمائے ہند نے اپنے دستوری حق کے حصول اور سیکولزم کی بقا کے لیے پوری کوشش کی۔ جمعیۃ علمائے ہند کی انھیں کوششوں کی وجہ سے دستور اور سیکولرزم میں یقین نہ رکھنے والے افراد اور جماعتوں کی ناپاک سازشیں کام یابی سے ہم کنار نہ ہوسکیں۔

ہندوستان میں موقوفہ جائیدادوں اور مسلم اوقاف پر غاصبانہ قبضے، قبرستانوں اور مسجدوں تک کی فروخت، نااہل متولیوں کی جارحانہ گرفت وخیانت، زمینداری کے خاتمہ کے نتیجہ میں اوقاف کے سلسلہ میں

پیش آمدہ دشواریاں، وقف کمیٹیوں کی حالتِ زاراوراس طرح کے دوسرے بہت سے متعلقہ مسائل ایسے تھے جنھوں نے ملت کے لیے مالی، اقتصادی اور مذہبی دشواریاں پیدا کردی تھیں۔ چناں چہ جمعیۃ علمائے ہند نے ان مسائل کی طرف بھرپور توجہ دی۔ جمعیۃ علماء نے مختلف مواقع پر مؤثر تجاویز، قانونی کارروائی اور اثر و رسوخ کے ذریعہ اوقاف کی بحالی اور اصلاح و درستگی کے لیے قدم اٹھایا۔اس سلسلہ میں فروری ۱۹۷۹ء کو کل ہند اوقاف کانفرنس منعقد کی گئی اور جمعیۃ کی وقف کمیٹی کے مرتب کردہ مسودہ کو پارلیمنٹ میں پاس کرکے ایکٹ کی صورت دی گئی۔

بابری مسجد کا قضیہ ہندوستان کی تاریخ کا سب سے اہم اور حساس قضیہ ہے جس کی وجہ سے ملک میں فسادات، قتل وخون، بدامنی و بے چینی اور افتراق وانتشار کا ایک طوفان برپا ہوا اور بالآخر فرقہ پرستوں نے حکومتی پشت پناہی میں ۶ / دسمبر ۱۹۹۲ء کو بابری مسجد کو شہید کرڈالا۔ بابری مسجد کیس میں جمعیۃ علمائے ہند ۱۹۳۴ء ہی سے سرگرم عمل ہے جب انگریزوں نے ہندو مسلم کو باہم لڑانے اور اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کے مقصد سے بابری مسجد کی جگہ کے سلسلہ میں من گھڑت واقعات کی بنیاد پر رام جنم بھومی کا شاخسانہ پیدا کیا جب کہ ساڑھے تین سو سال بابری مسجد کے تعلق سے کوئی جھگڑا نہیں تھا اور تاریخی طور پر اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ رام مندر توڑ کر بابری مسجد بنائی گئی۔

مارچ ۱۹۳۴ء میں دو فرقوں کے درمیان ہونے والے تصادم کے بعد حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ صدر جمعیۃ علمائے ہند نے خود اجودھیا جاکر حالات کا جائزہ لیا اور ورکنگ کمیٹی کو رپورٹ پیش کی۔ دسمبر ۱۹۴۹ء کی جس رات کو مسجد میں بت رکھے گئے جمعیۃ علماء کے قائدین حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ اور مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے اس جسارت کو ہندوستان کی جمہوریت کے لیے بدنما داغ اور سیکولرزم کے لیے شرمناک حرکت قرار دیا۔ جمعیۃ علماء نے موضوع کی نزاکت کے پیش نظر فیصلہ کیا کہ اس کو عوامی مسئلہ نہ بنایا جائے، بلکہ قانونی کارروائی اور حکومت کے ساتھ رابطہ سے اس مسئلہ کے حل کی کوشش کی جائے۔اسی مقصد کے پیش نظر جمعیۃ نے قانونی انصاف کے حصول کے لیے ۱۹۴۹ء ہی میں عدالتی کارروائی کا آغاز کردیا تھا۔ دوسری طرف جمعیۃ علماء نے برادران وطن کو مسئلہ کی اہمیت سے آگاہ کرنے اور مبنی بر انصاف پالیسی اپنانے کے لیے بابری مسجد کے تعلق سے تاریخی حقائق کو آشکارا کرنا شروع کیا۔اس کے لیے انھوں نے باہمی تبادلۂ خیال کی راہ اپنائی اور بالآخر وہ برادران وطن کی ایک بڑی تعداد کو قائل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ جمعیۃ کی یہ پالیسی نہ صرف مسجد کے تحفظ کے نقطۂ نظر سے ضروری تھی بلکہ ملکی اتحاد اور قومی یکجہتی کے لیے بھی ضروری تھی۔لیکن حکومت کی منافقانہ پالیسیوں اور فرقہ پرستوں کی بڑھتی قوت کے پیش نظر

بیسوی صدی کی آٹھویں دہائی میں بابری مسجد کا قضیہ ایک حساس سیاسی اور فرقہ وارانہ مسئلہ بن گیا اور آخر کار بابری مسجد کو فرقہ پرستوں نے حکومتی سرپرستی میں دن دہاڑے شہید کر ڈالا۔ جمعیۃ علماء اس وقت سے لے کے اب تک بابری مسجد کیس میں مدعی ہے اور اب یہ معاملہ سپریم کورٹ میں زیر سماعت ہے۔

جمعیۃ علماء کے اکابر و اسلاف نے ابتدا ہی سے جو معتدل پالیسی اپنائی تھی وقت کی کسوٹی نے اسے حرف بہ حرف صحیح ثابت کر دکھایا ہے۔ جو لوگ جمعیۃ علماء کو اس کی معتدل پالیسی کی وجہ سے مصلحت پسندی کا طعنہ دے کر بدنام کرتے تھے، آج وہ بھی اس اعتراف پر مجبور ہیں کہ اکابر جمعیۃ نے بابری مسجد کے تئیں جو پالیسی بنائی تھی اس پر عمل کیا جاتا اگر تو آج شاید وہ حالات رونما نہیں ہوتے جو اس وقت ہندوستانی مسلمانوں اور ان کی عبادت گاہوں کے لیے باعثِ تشویش بنے ہوئے ہیں۔

جمعیۃ علمائے ہند کا دائرۂ کار بہت وسیع ہے۔ اس نے اردو زبان کے تحفظ، علی گڈھ مسلم یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اقلیتی کردار کے تحفظ اور دیگر بہت سے اہم مسائل میں ملک وملت کی قیادت کی۔ جمعیۃ علماء نے ہندوستان میں مسلمانوں کو مذہبی طور پر متحد کرنے کے لیے امارت شرعیہ قائم کی اور دوسری طرف مسلمانوں کے اندر پیدا ہونے والی بہت سی مذہبی وسماجی برائیوں کے خاتمہ کے لیے اصلاح معاشرہ تحریک کی شروعات کی۔ آزاد ہندوستان میں امن وامان، فرقہ وارانہ ہم آہنگی، جمہوریت کے فروغ اور سیکولرزم کے تحفظ کے لیے اکابر جمعیۃ اور علمائے دیوبند کی کوششیں جدید ہندوستان کی تاریخ کا روشن باب ہے جنھیں کوئی انصاف پسند مؤرخ نظر انداز نہیں کرسکتا۔

تفصیل لیے دیکھئے: جمعیۃ علماء نمبر، ہفت روزہ الجمعیۃ نئی دہلی، شائع شدہ بہ موقع ۲۵ رواں اجلاس عام ممبئی ۱۹۹۵ء، ص ۱۱۳-۳۷۴

مسلم پرسنل لا کا تحفظ

ہندوستان کے جمہوری اور سیکولر نظام میں مسلمانوں کے لیے مسلم پرسنل لا کی بڑی اہمیت ہے تاکہ مسلمان اپنے تمام عائلی اور شخصی معاملات کو بھی شریعت اسلامیہ کے دائرے میں رہتے ہوئے حل کریں۔ علمائے دیوبند نے برطانوی دور میں اور ملک کی آزادی کے بعد جمہوری حکومتوں کے عہد میں اس اہم مسئلہ کو کبھی نظر انداز نہیں کیا۔ ۱۹۱۷ء میں وزیرِ ہند کی ہندوستان آمد کے موقع پر ملک کے انتظام میں کچھ تغیرات متوقع تھے۔ اس وقت علمائے دیوبند نے حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب کی سربراہی میں وزیر ہند کو دس دفعات پر مشتمل ایک میمورنڈم پیش کیا اور پوری صفائی کے ساتھ مطالبہ کیا کہ حکومت مسلمانوں کے عائلی مسائل کے سلسلہ میں کوئی ایسا ایکٹ وضع نہ کرے جو شرعی قوانین سے متصادم ہو، ایسا قانون ہمارے لیے

نا قابلِ قبول ہوگا۔اس میمورنڈم پراس دور کے تقریباً پانچ سو علماء کے تائیدی دستخط تھے۔

اس میمورنڈم میں دو بنیادی مطالبے تھے۔ایک یہ کہ ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کے اجراء کے لیے محکمۂ قضا قائم کیا جائے، چوں کہ شرعی اصول کے مطابق بہت سے مسائل کی تنفیذ کے لیے مسلم حاکم کا ہونا شرط ہے؛ اس لیے قاضیوں کا انتخاب وتقرر اہل السنۃ والجماعۃ سے ہو؛ اس کونسل میں ہر فرقے کے علماء نمائندے اور ممبر ہوں اور مسائل کا فیصلہ ہر فرقہ کے اپنے فقہی اصول پر ہو۔دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے مذہبی شعائر، مساجد و مدارس، مقابر و اوقاف، خانقاہوں اور دیگر دینی رفاہ عام کے تحفظ ونگرانی اور نظم و نسق کے لیے شیخ الاسلام کا عہدہ قائم کیا جوان تمام شعائر کو تنظیم کے ساتھ چلانے کا ذمہ دار ہو۔

اس کے بعد ۱۹۲۹ء میں ہندوستان میں مسلم اوقاف کی تنظیم کا مسئلہ اٹھا جو مسلم پرسنل لا ہی کا ایک اہم جز و تھا۔حکومت نے ایک کمیٹی مقرر کی جس نے اوقاف کے متعلق سوالات ملک کے مختلف حلقوں میں بھیجے۔ اس پر وقف کے مسائل کی تفصیلات مرتب کرائی گئیں۔حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی قیادت میں وقف بل کے مسودے پر شریعت اسلامیہ کے نقطۂ نظر سے تنقید کرتے ہوئے پیش کردہ اشکالات کا تحریری حل پیش کیا گیا اور ساتھ ہی ایک تحریر بنام 'الانصاف فی قانون الاوقاف' مرتب کی گئی جس پر تمام اکابر علماء کے دستخط ثبت ہوئے۔اس سلسلہ میں وقت کے مناسب تمام مساعی عمل میں لائی گئیں۔

اسی طرح علمائے دارالعلوم نے عائلی قوانین کے مشترک منصوبے کو خلافِ شرع ہونے کی وجہ سے بڑی قوت سے چیلنج کیا اور اس کے خلاف مضامین اور رسائل رکھے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام

۱۹۷۲ء میں پرسنل لا میں تغیر وتبدل کا مسئلہ بڑے زور شور سے اُٹھا اور اسلام کے فقہی اور شرعی مسائل کو زمانۂ حال کی ضرورت کے لیے ناکافی ظاہر کیا گیا تو اس کا علمی جائزہ لینے اور اس کے بارے میں پیش کردہ شبہات کی جواب دہی کے لیے حضرات اساتذہ وارباب افتاء دارالعلوم دیو بند پر مشتمل ایک مسلم پرسنل لا کمیٹی بنائی گئی تا کہ وہ ان مسائل کے سلسلے میں مدلل دفاع کا فریضہ انجام دے۔

اس سلسلے میں اولاً حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم نے ممتاز فضلاء دیو بند کا ایک اجتماع ۱۴؍ مارچ ۱۹۷۲ء کو دارالعلوم میں طلب کیا جس میں ملک کے دوسرے دانشوروں کو بھی دعوت دی گئی، وجہ یہ تھی کہ اس مسئلے کے بارے میں ہر چند حضرات علمائے کرام نے بلاشبہ کافی توجہ فرمائی، مضامین مقالات اور رسائل شائع کیے، لیکن یہ ساری جدو جہد انفرادی اور شخصی طور پر ہوئی، ضرورت تھی کہ اجتماعی طور

پر اس مسئلے کا شرعی موقف سامنے آئے اسی پر گورنمنٹ بھی توجہ دے سکتی تھی۔ اس نقطۂ نظر سے اولاً علمائے دیوبند کے منتخب حضرات اور ملک کے دوسرے مشاہیر اہلِ دانش کو دارالعلوم میں جمع ہونے کی دعوت دی چنانچہ متعدد مقامی اور غیر مقامی مفکّرینِ ملت شریک ہوئے تاکہ پرسنل لا کے بارے میں شرعی موقف متعین کرلیا جائے۔ اجتماع نے ایک آل انڈیا مسلم پرسنل لا کنونشن کی تجویز منظور کی اور ۲۷-۲۸ر دسمبر ۱۹۷۲ء کو عروس البلاد بمبئ میں اس کنونشن کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا۔

مقصد کی اہمیت کے پیشِ نظر یہ مناسب اور مفید سمجھا گیا کہ ہندوستان کے مختلف مکاتبِ فکر کے اکابر اور معروف و مسلم تنظیموں کے سربراہوں کی طرف سے مشترکہ دعوت نامہ جاری کیا جائے۔ چنانچہ متعینہ تاریخوں میں یہ عظیم کنونشن اپنی غیر معمولی خصوصیات کے ساتھ ممبئ میں منعقد ہوا۔ جس میں ہندوستان کی تمام مسلم جماعتوں نے حصہ لیا۔ مسلمانانِ ہند کے مختلف مکاتبِ فکر کے اجتماع اور نمائندگی کے لحاظ سے یہ کنونشن جس قدر غیر معمولی تھا اُسی حد تک خدا تعالیٰ نے اسے کامیاب بھی فرمایا۔ کنونشن کے داعیوں اور مندوبین کی متفقہ رائے سے جن میں سنّی، شیعہ، مہدی، بریلوی، اہلِ حدیث اور جماعتِ اسلامی کے علاوہ دوسری سیاسی غیر سیاسی جماعتوں کے رہنما موجود تھے۔ حضرت مولانا محمد طیّب صاحب مہتمم دارالعلوم کو کنونشن کا صدر منتخب کیا گیا، ہندوستانی مسلمانوں کے مختلف مذہبی مکاتبِ فکر اور طبقات میں سے کوئی طبقہ بھی ایسا نہیں رہا جس کے اکابر علماء و زعماء کنونشن کے پلیٹ فارم پر جمع نہ ہوگئے ہوں۔ اس کنونشن نے اور دوسرے لفظوں میں ہندوستان کے تمام مکاتبِ فکر کے مسلمانوں نے متحدہ آواز کے ساتھ اپنے ریزولیوشن کے ذریعے اعلان کر دیا کہ وہ کسی حالت میں بھی مسلم پرسنل لا میں تغیر و تبدل کو گوارہ نہیں کر سکتے، یہ شریعتِ اسلامی کا ایک حصہ ہے۔ اس متحدہ آواز کا اثر ملک اور حکومت دونوں پر پڑا اور اس ذریعے سے ہندوستان کے تمام مسلمان وحدتِ کلمہ کی بنا پر متحد ہوگئے، جو ہندوستان کی تاریخ میں ایک بے مثال صورتِ حال تھی۔ تحریک خلافت کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ ہر مکتبِ فکر کے مسلمانوں نے متحد ہوکر اور ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوکر اسلامی اتحاد کا ثبوت دیا۔

ممبئ کے کنونشن کا بنیادی مقصد پرسنل لا کا تحفظ اور ترمیم سے اس کا بچاؤ کرتے ہوئے تمام مکاتبِ فکر کے اہلِ علم و فضل اور دانشوروں کی طرف سے یہ اعلان کرنا تھا کہ مسلمانانِ ہند خواہ ان کا تعلق کسی مکتبِ فکر سے ہو اپنے پرسنل لا سے نہ کسی حالت میں دست بردار ہو سکتے ہیں نہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی و ترمیم گوارا کر سکتے ہیں، اور نہ کسی ایسے قانون کو قبول کرنے کے لیے تیار ہیں جو پرسنل لا کے کسی شرعی جزئیہ پر بھی اثر انداز ہو، بالفاظِ دیگر مسلمان اپنی معاشرتی اور ثقافتی خصوصیات اور امتیازات کو فنا کرنے کے لیے تیار نہیں

ہیں، جن پر ان کے ملّی وجود کی عمارت کھڑی ہوئی ہے اور ان کا ممتاز شرعی اور قومی امتیاز قائم ہے۔ (تاریخ دارالعلوم دیو بند، جلد اول، ص۴۰۳-۴۰۹)

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اس وقت ملک کا موقر ترین ادارہ ہے جو ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیّب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیو بند اس آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے بانی صدر اور حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانیؒ اس کے پہلے جنرل سکریٹری منتخب کیے گئے۔ ان حضرات کے بعد حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی، حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی اور حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب وغیرہ نے اس ادارہ کی قیادت کی اور اپنے عہد کے مسائل کو نہایت خوش اسلوبی اور جرأت کے ساتھ حل کرنے کی کوشش کی۔

دہشت گردی کی مخالفت اور امن پسندی

دارالعلوم دیو بند بنیادی طور پر تعلیمی ادارہ ہے لیکن اس نے عوام الناس کو متاثر کرنے والے قومی اور بین الاقوامی اہم امور و مسائل سے خود کو کبھی بھی دور نہیں رکھا اور اس سلسلہ میں اپنی رائے دینے سے گریز نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم نے گزشتہ دہائیوں میں ہندوستان اور پورے عالم میں انتہا پسندی اور دہشت گردی جیسے اہم مسائل سے صرف نظر نہیں کیا۔ دارالعلوم نے امن وامان کے قیام کی حمایت اور ہر طرح کی دہشت گردی وانتہا پسندی کی ہمیشہ مخالفت و مذمت کی۔ دارالعلوم کے علماء واکابر نے ہمیشہ جمہوری طرزِ فکر اور بقائے باہم کے اصول کی حمایت اور فرقہ واریت، مسلکی عناد وتعصب، مذہبی منافرت اور نسلی، علاقائی اور لسانی تعصّبات کی کھل کر مخالفت کی۔

حالاں کہ ملک کی فرقہ پرست طاقتوں نے دارالعلوم اور مدارس اسلامیہ کو نشانہ بنائے رکھا اور اس کو دہشت گردی کا اڈہ قرار دیتے رہے؛ لیکن دارالعلوم نے ہمیشہ مثبت اور معقول انداز میں اس الزام کا دفعیہ کیا۔ امریکہ میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر ۱۱/ستمبر ۲۰۰۱ء کو حملہ اور امریکہ کی افغانستان پر چڑھائی کے بعد دارالعلوم کا نام سرخیوں میں آنے لگا تو اس وقت اکابر نے دارالعلوم کے دروازے عالمی اور مقامی میڈیا کے لیے کھول دیے اور ہر کسی کو دارالعلوم آکر حقیقتِ حال کو دیکھ کر فیصلہ کرنے کی دعوت دی۔ الحمدللہ دارالعلوم کی اس دانش مندی اور حقیقت پسندانہ حکمتِ عملی کی وجہ سے بدخواہوں کی کوششیں ناکام ہوگئیں اور دارالعلوم کی امن پسندی اور مذہبی رواداری کا نقش قائم ہوگیا۔

دارالعلوم کے دارالافتاء کی طرف سے متعدد بار سوالات کے جواب میں دہشت گردی اور معصوم و بے

گناہ لوگوں کو قتل کرنے کے خلاف فتاوی جاری کیے گئے۔اسی پس منظر میں دارالعلوم دیو بند نے فروری ۲۰۰۸ء میں ایک کل ہند دہشت گردی مخالف کانفرنس منعقد کی جس میں ہندوستان کے اکثر فرقوں اور جماعتوں کے نمائندے شریک ہوئے۔اس کانفرنس کے ذریعہ ہر طرح کی سرکاری، انفرادی اور جماعتی دہشت گردی کی مذمت کی گئی اور اعلان کیا گیا کہ معصوموں کا ناحق خون سراسر ظلم اور انسانیت کے قتل کے مترادف ہے۔دارالعلوم کی اس کانفرنس کو عالمی میڈیا نے کوریج دیا اور اس کے مثبت نتائج سامنے آئے۔

دارالعلوم اور مدارس اسلامیہ امن پسند، مہذب اور باوقار شہری تیار کرنے میں ایک اہم کردار ادا کررہے ہیں۔مدارس اسلامیہ کا نصاب ونظام جہاں ایک طرف دینی واخلاقی تعلیم دیتا ہے، وہیں ذہنی و روحانی تربیت بھی فراہم کرتا ہے۔یہی وجہ ہے فضلائے مدارس اخلاقی جرائم سے پاک ہوتے ہیں اور ان کا سماجی ریکارڈ بہت اچھا ہوتا ہے۔

ساتواں باب

دارالعلوم دیوبند مشاہیر کی نظر میں

- مشاہیر ہند کی نظر میں
- مشاہیر عرب وعجم کی نظر میں
- شعراء کے منظوم تاثرات

دارالعلوم دیوبند مشاہیر کی نظر میں

دارالعلوم دیوبند ہمیشہ سے اپنی تعلیمی، تربیتی، تہذیبی اور سیاسی خدمات کی وجہ سے عالمی سطح پر شہرت و عظمت اور مقبولیت کا حامل رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی ہمہ جہت خدمات کا اعتراف ہر دور میں مشاہیر علماء کرام، زعمائے ملت اور عالم اسلام کے معزز دانشور و مفکر حضرات نے کھل کر کیا ہے اور اس کے ہمہ گیر علمی و دینی اثرات اور کارناموں کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

ابتدا ہی سے دارالعلوم کی زیارت کو آنے والے مہمانوں کی کثرت رہی ہے۔ ان واردین وصادرین میں ہندو بیرون ہند کے مسلمانوں کے علاوہ مختلف مذاہب، مختلف خیال اور مختلف شعبہائے زندگی کے سبھی افراد شامل ہیں۔ سب نے اپنے اپنے نقطہائے نظر سے دارالعلوم کی اہمیت کا اعتراف کیا ہے اور اپنے تاثرات کا زبانی اور تحریری طور پر آزادانہ اظہار کیا ہے۔ ان معائنوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دنیا کے اہل الرائے دارالعلوم کی نسبت کیا رائے رکھتے ہیں۔ یہ معائنہ جات اکثر سالانہ رودادوں اور معائنہ رجسٹروں میں محفوظ ہیں، ان سب کا پیش کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ ذیل میں ہم مشاہیر کے چند تاثرات نقل کررہے ہیں کہ جو دیوبند کی عظمت و رفعت کے شواہد اور اس کے فیوض و برکات کی صداقت پر دلائل کی حیثیت سے پیش کئے جاسکتے ہیں۔

مشاہیر ہند کی نظر میں

مولانا ابوالکلام آزاد

’’ہندوستان کے اسلامی تعلیمات کے اس عظیم ادارہ میں نہ صرف ہندوستان کے حصوں سے طلبہ کھنچے چلے آتے ہیں بلکہ انڈونیشیا‘ ملیشیا‘ افغانستان‘ وسط ایشیا اور چین جیسے دور دراز ممالک سے بھی یہاں طلبہ آتے ہیں، اس قدر وسیع رقبے میں دارالعلوم کی ہر دل عزیزی اس کی عظمت کا ثبوت ہے۔ یہ ادارہ صحیح معنی میں اسلامی تعلیمات کی ایک بین الاقوامی یونیورسٹی ہے۔‘‘ (۱۹۵۰ء)

مولانا شوکت علی

’’جو اثر میرے قلب پر دیوبند کو دیکھ کر ہوا، وہ نہایت دل خوش کن تھا، میں وہ اثرات دیوبند میں پاتا ہوں، جن سے کسی قوم کے زندہ ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔‘‘ (۷؍جنوری ۱۹۴۱ء)

ڈاکٹر راجندر پرشاد

(صدر جمہوریہ ہند)

’’آپ کے دارالعلوم نے صرف اس ملک کے بسنے والوں ہی کی خدمت میں نہیں بلکہ آپ کے اپنی خدمات سے اتنی شہرت حاصل کرلی ہے کہ غیر ممالک کے طلبہ بھی آپ کے یہاں آئے ہیں۔ اور یہاں سے تعلیم پاکر جو کچھ یہاں انھوں نے سیکھا ہے اپنے ملک میں اس کی اشاعت کرتے ہیں۔ یہ بات اس ملک کے سبھی باشندوں کے لیے قابل فخر ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے بزرگ علم کو عمل کے لیے پڑھتے اور پڑھاتے ہیں، ایسے لوگ پہلے بھی ہوئے ہیں، مگر کم۔ ان لوگوں کی عزت بادشاہوں سے بھی زیادہ ہوتی تھی، آج دارالعلوم کے بزرگان اسی طرز پر چل رہے ہیں، اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ صرف دارالعلوم یا مسلمانوں ہی کی خدمت نہیں بلکہ پورے ملک اور پوری دنیا کی خدمت ہے۔ آج دنیا میں مادیت کے فروغ سے بے چینی

پھیلی ہوئی ہے، اور دلوں کا اطمینان مفقود ہے، اس کا صحیح علاج روحانیت ہے، میں دیکھتا ہوں کہ سکون و اطمینان کا وہ سامان یہاں کے بزرگ مہیا فرما رہے ہیں، اگر خدا کو اس دنیا کو رکھنا منظور ہے تو دنیا کو بالآخر اسی لائن پر آنا ہے۔'' (۱۳/جولائی ۱۹۵۷ء)

نواب بہادر یار جنگ

(حیدرآباد دکن)

''اس زمانہ میں جب کہ نیچریت و دہریت نے قلوب واذہان پر قبضہ کرلیا ہے، اور دنیا میں ہر طرف لامذہبیت کا دور دورہ ہے، وہ نفوس قدسیہ قابل مبارکباد ہیں جنھوں نے اس درسگاہ کی بنیاد رکھی، یا جو لوگ اب اس کو نہایت کامیابی سے چلا رہے ہیں۔ گزشتہ ۷۰/۷۵/سالوں میں اس مادرِ علمی کے سپوتوں نے ہندوستان ہی نہیں بلکہ تمام ممالک ایشیاء میں علم کی روشنی کو جس طرح پھیلایا اس سے سبھی واقف ہیں۔''
(۳۰/اکتوبر ۱۹۳۹ء)

شیخ محمد عبداللہ، کشمیر

''موجودہ زمانہ میں دنیا ہر قسم کے بحران علی الخصوص کردار کے بحران سے دوچار ہو رہی ہے، اگر ہم بانیان ادارہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا محمود حسن کے کردار کو اپنا مشعلِ راہ بنائیں اور ادارہ کے ساتھ وابستہ نصب العین کو عمل سے زندہ رکھیں تو مجھے یقین ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ کردار کے بحران اور دیگر ہر قسم کی مشکلات سے نجات حاصل کرنے میں بنی نوع انسان کی بے مثال خدمات انجام دیں گے۔'' (۲۸/جنوری ۱۹۶۸ء)

مولانا عبدالباری فرنگی محلّی

''میں نے جتنے قومی اور سرکاری ادارے دیکھے ہیں قدرے مشترک طور پر سب کا حال یہ ہے کہ ان کی شہرت واقفیت سے زیادہ ہے، جس قدر ان کے کارنامے شائع کیے جاتے ہیں وہ اندرونی حالات کے اعتبار سے زائد ہوتے ہیں، لیکن دارالعلوم دیوبند کو دیکھنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس کی واقعی خدمات اس کی اشاعت سے بہت زیادہ ہیں۔''

نواب لطیف یار جنگ بہادر

(حیدر آباد دکن)

''میں نے باوقات متعدد متفرق جماعتوں اور ان کی ٹکڑیوں میں ٹھہر ٹھہر کر ان کے بحث ومباحثہ کو سنا اور دیکھا، دل بہت خوش ہوا، معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا فیضان خاص اس درسگاہ پر ہے، دین کی تعلیم فرشتوں کو ہو رہی ہے، اس وقت تقریباً چھ سو سے زائد طلبہ ہیں اور اکثر کا قیام مدرسہ میں ہے، اور سب مسجد مدرسہ میں نماز کے لیے آتے ہیں، زندگی بالکل ساکت وصامت ہے، راتوں کو بارہ بجے تک عام طلبہ اور اس کے بعد بھی بعض طلبہ مطالعہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جب کوئی شخص خواہ کسی درجہ کا ہو ان کے سامنے آئے تو ادب سے سلام کرتے ہیں اور باحیا طریقہ پر جھک کر پیش آتے ہیں، یہ اسلامی نورانی سماں دوسرے مقام پر ہندوستان میں تو مفقود ہے، کہیں مقامات مقدسہ میں ہو تو ہو۔

تقسیم خوراک کے وقت میں نے دیکھا کہ ایک سلیم طریقہ پر خوراک اور اس کے لوازم بغیر کسی شور وشر کے تقسیم ہو جاتے ہیں، روٹی اور سالن کو چکھ کر دیکھا اچھا تھا اور مزے دار بھی۔ تعمیر کو بھی دیکھا نہایت عمدہ طریقہ پر کرائی گئی ہے، صفائی اس قدر ہے کہ سرکاری دفاتر جن پر ہزاروں روپیہ صرف ہوتا ہے، اس سے کسی طرح کم نہیں ہے، بہرحال میری توقع اور امید سے زیادہ مجھے یہ درس گاہ نظر آئی۔ اساتذہ خاص خاص فن میں یکتا ہیں، میرے دل سے دعا نکلتی ہے کہ خداوند عالم کارکنان مدرسہ کی عمر اور ایمان میں برکت دے، افسوس ہے کہ جو کچھ میں نے دیکھا اس کے اظہار کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔'' (۲۷/اپریل ۱۹۲۹ء)

فخر الدین علی احمد

(صدر جمہوریہ)

''مجھے دارالعلوم دیوبند کو دیکھ کر مسرت ہوئی، اس درس گاہ نے علم وعرفان کی روشنی سے دنیا والوں کے دلوں کو منور کیا اور اس کی مایۂ ناز ہستیوں نے ملکی سیاست میں نمایاں کارنامے انجام دے کر اپنے عظمت کا پرچم بلند کیا ہے، اس سے بھی سبھی بخوبی واقف ہیں کہ یہ ادارہ ملک میں اپنی علمی اور سیاسی خدمات میں ممتاز رہا ہے۔

میں اس کے کتب خانہ میں نادر کتابوں کے عظیم ذخیرہ کو دیکھ کر متأثر ہوا، مجھے مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ان کے شرکاء کار اساتذہ اور طلبہ سے مل کر بہت خوشی ہوئی، میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دارالعلوم دیوبند کو نئی روشنی میں پرانی روایات کو قائم رکھتے ہوئے آگے بڑھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ملک وملت کی

خدمت میں ہمیشہ اس کونمایاں مقام حاصل ہو۔'' (آمین) (۲۴؍اپریل ۱۹۷۶ء)

بی گوپال ریڈی
(گورنر آف یوپی)

''مجھے خوشی ہے کہ میں دارالعلوم دیوبند دیکھ سکا جو آج اسلامی تعلیم کا بین الاقوامی طور پر مشہور ادارہ ہے، اس مرکز میں ایک بہت بڑی لائبریری ہے اور ڈیڑھ ہزار سے زائد طلباء یہاں زیر تعلیم ہیں ان میں سے ایک بڑی تعداد کو قیام وطعام اور کتابیں مفت دی جاتی ہیں، میری تمنا ہے کہ یہ ادارہ مذہبی تعلیمات کے ایک مرکز کی حیثیت، اپنی آن بان کو باقی رکھے اور نیز ملک کی خدمت کے جذبے کو بھی فروغ دے اور اس پر زور دے۔'' (۲۲؍ستمبر ۱۹۶۹ء)

پروفیسر ہمایوں کبیر
(وزیر سائنسی تحقیقات وثقافتی امور حکومت ہند)

''مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ آج جبکہ دنیا بھر کی یونیورسٹیاں کروڑوں روپے خرچ کرتی ہیں، یہ دارالعلوم بہت ہی کم خرچ سے اس قدر بڑی اور قابل قدر خدمات انجام دے رہا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ اگر اس کے بانیوں اور کارکنوں میں خداترسی اور خدمت خلق کا جذبہ نہ ہوتا تو وہ اس پر ہر سال کروڑوں روپے خرچ کرتے، مگر ان کے ایثار اور خلوص کا یہ عالم ہے کہ انھوں نے کبھی حکومت سے امداد کے لئے ایک پیسہ نہیں مانگا اور صرف خدا کے بھروسے اور غریب مسلمانوں کی امداد پر اسے چلاتے رہے، اور آج تک چلا رہے ہیں، اگر ایسے دارالعلوم کو کوئی مشنری سوسائٹی چلاتی تو اس کا سالانہ بجٹ کسی ریاستی بجٹ سے کم نہ ہوتا، مگر دنیا یہ سن کر حیرت کرے گی کہ دارالعلوم ایک سو سال سے کم سے کم مصارف کے ساتھ اعلیٰ سے اعلیٰ خدمات انجام دے رہا ہے، وہ علماء جو کسی سرکاری یونیورسٹی میں پروفیسر بن کر ہزاروں روپے مشاہرہ پاتے وہ اس میں اقل قلیل تنخواہ لے کر کام کرتے ہیں اور بوریہ نشینی کے ساتھ وہ کام انجام دیتے ہیں جو ائر کنڈیشنڈ کمروں اور کرسیوں پر بھی نہیں دیا جاسکتا، یہ دارالعلوم دوسری یونیورسٹیوں کے لئے ایک مثالی یونیورسٹی ہے، اس کی سادگی اور اس کے ارباب کار کا خلوص وایثار اور مقصد کی لگن دوسروں کے لئے نمونہ بن سکتا ہے۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ علمی اور مذہبی ادارہ فرقہ پرستی کا قائل یا حامی ہے وہ چمکتے ہوئے سورج کی کرنوں کا انکار کرتے ہیں، نہ صرف یہ ادارہ بلکہ اس کے فضلا اور مدرسین فرقہ پرستی کے ہمیشہ مخالف رہے ہیں، فرقہ

پرستی کی مخالفت بہت معمولی بات ہے، یہ ایک منفی چیز ہے، اس ادارے نے تو سارے ملک میں حریتِ وطن کی شمع روشن کی اور قوم کو آزادی کے لئے بیدار کیا، اگر اس کے اکابر اس وقت آزادی کا نعرہ نہ لگاتے جب کہ کانگریس کا وجود تک نہ تھا تو آج ہندوستان کی تاریخ یہ نہ ہوتی جو آج نظر آرہی ہے، یہ ادارہ آزادی کا معلم اور استقلالِ وطن کا شمع بردار ہے۔ آزادی کا جو تخم اس نے بویا تھا آج ہم اس کا پھل کھا رہے ہیں۔''

اکبر علی خاں

(گورنر اتر پردیش)

''میں آج اس دارالعلوم میں حاضری کو اپنے لئے باعث عزت وافتخار سمجھتا ہوں میری نیک تمنائیں اس مرکز علم اور مراکز آزدیٔ ہند کے ساتھ ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔

خدا کرے یہ دارالعلوم روز افزوں ترقی کرے اور علم و دانش کے پھیلانے میں اور خدمت خلق کی خدمت گزاری کے جذبے میں ترقی دینے اور حب الوطنی کے احساسات کو قوی تر کرنے میں اپنی دیرینہ کوشش وسعی کو جاری رکھے۔'' (۱۲/دسمبر ۱۹۷۳ء مطابق ۱۲/ذی قعدہ ۱۳۹۳ھ)

حکیم عبدالحمید

(بانی جامعہ ہمدرد، دہلی)

''ہندوستان کا یہ علمی اور روحانی ادارہ علم دین کی خدمت میں مصروف ہے، اپنی ایک سو تیرہ سال کی زندگی میں اس نے اسلامی علوم کے بہت سے شعبوں میں ہزاروں ایسے اصحاب فضل وکمال پیدا کئے جن کے اثرات برصغیر ہی میں نہیں بلکہ دوسرے ممالک میں موجود رہے ہیں، اور ابھی یہ موجود ہیں۔''

مشاہیر عرب وعجم کی نظر میں

محمد ظاہر شاہ درانی

(سابق شاہ افغانستان)

’’میں بہت مسرور ہوں کہ آج مجھے دارالعلوم دیکھنے کا موقع ملا، یہ دارالعلوم افغانستان میں خاص طور سے وہاں کے مذہبی حلقوں میں بہت معروف ومشہور ہے، افغانستان کے علماء دارالعلوم دیوبند کے بانیوں اور یہاں کے اساتذہ کو ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھتے آئے ہیں۔‘‘ (۲۵فروری ۱۹۵۸ء)

سردار نجیب اللہ خاں

(سفیر افغانستان نئی دہلی)

دارالعلوم دیوبند افغانستان کی نظر میں ایک عوامی، علمی اور اسلامی درس گاہ ہے، مگر میں اپنے مشاہدے کی بناء پر کہہ سکتا ہوں کہ یہ صرف ایک درس گاہ ہی نہیں بلکہ اسلامی ثقافت کا مرکز بھی ہے، دارالعلوم نے اس زمانہ میں جب کہ ہندوستان سے اسلامی حکومت رخصت ہو چکی تھی، دین اور دینی علوم کی حفاظت کی۔ مجھے یقین ہے کہ دارالعلوم آئندہ بھی اسی طرح علوم وفنون کی خدمت میں مشغول رہے گا، افغانستان کے عوام، علماء اور علم دوست لوگ اس کے قدردان ہی نہیں بلکہ بہی خواہ اور مددگار بھی ہیں۔ دارالعلوم ثقافت اسلامیہ کا ایک عظیم ادارہ ہے اور آپ اپنی نظیر ہے۔ ثقافت اسلامی کی بنیاد سچائی، محبت، مساوات، اخوت اور حقیقت شناسی پر مبنی ہے، اور یہ ادارہ ان اجزاء پر مشتمل ہے۔ دارالعلوم کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ اس نے ہمیشہ راست کردار مجاہد اور راست گفتار فرزند پیدا کئے ہیں جن پر دارالعلوم صحیح طور پر فخر کر سکتا ہے۔ دارالعلوم تنہا ہندوستان کا ورثہ نہیں ہے، بلکہ پورے عالم اسلام کی میراث ہے۔‘‘ (۱۹۵۰ء)

سید رشید رضا مصری

(صاحب تفسیر المنار)

''آپ جو عظیم الشان اور گراں بہا آپ علم اور دین کی انجام دے رہے ہیں ان کے لحاظ سے آپ میرے اور تمام مسلمانوں کے شکریہ کے مستحق ہیں، مجھے اس دارالعلوم کو دیکھ کر بڑی مسرت حاصل ہوئی، میں آپ حضرات کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر میں دارالعلوم دیوبند کو نہ دیکھتا تو میں ہندوستان سے نہایت غمگین واپس جاتا (لولم ازرہا لرجعت من الہند حزیناً)۔ اس مدرسہ کے نسبت میں نے اب تک جو سنا تھا، اس سے بہت زیادہ پایا۔ استاذ جلیل مولانا انور شاہ صاحب نے جو اصول بیان کیے ہیں اور مشائخ کا جو مسلک بتایا ہے، میں اسے پسند کرتا ہوں اور اس سے متفق ہوں، فقہ حنفی بلاشبہ کافی ووافی ہے۔'' (رجب ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء)

انوار السادات (سابق صدر جمہوریہ مصر)

(جنرل سکریٹری مؤتمر اسلامی)

''اس عظیم اور تاریخی درس گاہ کی زیارت نے مجھے مجبور کیا میں بصمیم قلب اپنے ان بھائیوں کی خدمت میں مبارک باد پیش کروں جو اس کو چلا رہے ہیں، میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس ادارہ کو علم ومعرفت کا مینارہ بنائے اور ہمیشہ ہمیشہ مسلمانوں کو اس سے مستفید ہونے کے موقع عطا فرمائے۔'' (۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۵ء)

شیخ عبد الفتاح ابو غدہؒ شامی

''میرے لیے اللہ کا بہت بڑا فضل وانعام ہے کہ اُس نے ہندوستان کے شہروں کی زیارت کا موقع بہم پہنچایا بالخصوص ان شہروں میں سرِ فہرست دیوبند اور اس کی دینی درسگاہ ''دارالعلوم'' ہے، جو درحقیقت ہندوستان کا علم وتقوی سے بھرپور زندہ قلب علماء ومؤلفین کا مرکز اور دین ومعرفت کے طلباء کی آماجگاہ ہے، اس مرکزِ علم کی زیارت عمر بھر کی تمناؤں اور لیل ونہار کے خوابوں میں سے ایک خواب وتمنا تھی، خدا کا شکر ہے کہ آج دارالعلوم دیوبند سر کی نگاہوں سے دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی، اور پرانا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا، دور رہتے ہوئے اس کے بارے میں جو کچھ سنا تھا، اس کا جو کچھ ذہن میں خاکہ اور تصور تھا قریب سے دیکھ کر اس کو اس سے کہیں زیادہ پایا۔ اس مقدس ادارے کے گوشے گوشے سے انوارِ علم کا فیضان ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تعلیم دی جاتی ہے اور تشنگانِ علم اور طالبانِ رشد وہدایت کے لیے مثالی نظم

ونسق، سلیقہ شعاری اور روشن دماغی کے ساتھ اس اسلوب سے احکام دین وشریعت بیان کئے جاتے ہیں، جس میں اہل روحانیت کی روحانیت اوراصحابِ علم وتحقیق کے آثار وفیوض نمایاں طور پر جھلکتے ہیں۔

علم وتقوی کے اساطین سے مالا مال اس عظیم الشان ادارے کے علماءعظام کی خدمات جلیلہ کا ذکر کرتے ہوئے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں، بلکہ اگر ذرا جرأت کروں تو کہہ سکتا ہوں کہ وہ ہمارا ایک واجبی حق ہے، جس کا مطالبہ میں کررہا ہوں وہ یہ ہے کہ ان علماء کرام کا فریضہ ہے کہ اپنے متفردانہ عقول کے نتائج فکر اور بیش بہا علمی فیوضات وتحقیقات کو عربی زبان کا جامہ پہنا کر عالم اسلام کے دوسرے علماء کو استفادے کا موقع فراہم کریں، یہ فریضہ ان پر اس لیے عائد ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص ہندوستان کے علمائے محققین کی کوئی تصنیف پڑھتا ہے تو اس میں اس کو وہ نئی منفردانہ تحقیقات ملتی ہیں جن کا مدار علیہ گہرے علم اور وسیع مطالعہ کے علاوہ تقوی وصلاح اور روحانیت ہوتی ہے، یہ حضرات سلف صالحین کے صحیح وارث اوراُن کے نمونے ہیں، اس لیے ان کی کتابیں نئی اور کارآمد چیزوں سے خالی نہیں ہوتیں۔ وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء.....

بلکہ ان حضرات کی بعض کتابیں تو وہ ہیں جن میں ایسی چیزیں ملتی ہیں جو متقدمین علماء اکابر، مفسرین، محدثین اور حکماء کے یہاں بھی دستیاب نہیں، لیکن افسوس اور قلق کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان نادر تالیفات میں سے اکثر بلکہ سب کی سب اردو زبان میں لکھی گئی ہیں، اس لیے فریضۂ معرفت اور امانت علم کی ادائیگی کے لیے یہ بات اولین واجبات میں سے ہے کہ ان نفیس شاہکار اور عمدہ کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کیا جائے تاکہ ان سے وہ آنکھیں روشنی حاصل کریں جو ایسی چیزوں کے لیے بے تاب تشنہ اور مشتاق ہیں، اور جیسا کہ میرا خیال ہے اس اہم ذمہ داری اور کٹھن فریضے کی ادائیگی کا کام اسی ادارہ عامرہ کے افراد کر سکتے ہیں جو ممتاز ترین علماء وطلباء کا گہوارہ اور سرچشمہ ہے، یہ دین وثقافت کی ایک عظیم الشان خدمت اور قابل ذکر کارنامہ ہوگا، یہ اس ادارہ کے علماء اور طلبہ کا واجبی فرض ہے، اور اللہ تعالی سے میری دعاء ہے کہ اس کار عظیم میں اس کی خصوصی مدد ومعاونت ان کے شامل حال ہو۔'' (۲۸/ ربیع الاوّل ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء)

شیخ عبدالحلیم محمود (شیخ الازہر)

''میں نے دارالعلوم دیوبند کی زیارت کی اور یہاں کچھ وقت گزارنے کی سعادت حاصل کی، میں نے طلبہ کو دیکھا کہ وہ محنت و جانفشانی کے ساتھ طلب علم میں لگے ہوئے ہیں اور دوسری طرف اساتذہ کے بارے میں بھی اندازہ ہوا کہ خلوص قلب کے ساتھ افادۂ علمی کی خاطر جد و جہد کے لئے کمربستہ ہیں۔ دارالعلوم میں جو نظام چل رہا ہے اس کے تحت طلبہ نہایت سہولت وآسانی کے ساتھ قیام وطعام اور تعلیم و

تدریس سے مستفید ہوتے رہتے ہیں۔

میں یہ اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ دارالعلوم کے مہتمم صاحب کے زہد وتقویٰ اور رفعتِ علیم اور اخلاص وللّٰہیت ہی کے یہ آثار ہیں جو اس ادارہ میں مشاہد ہوتے ہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ فضلائے دارالعلوم تمام شہروں اور ملکوں میں پہنچ کر اشاعت علم میں کامیابی کے ساتھ مشغول ہیں۔ ہم سب کی یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دارالعلوم دیوبند کے ذمہ داروں اور اساتذہ طلبہ اور بہی خواہوں کو بے مثال اجر وثواب سے نوازے۔"

(۲۶/اپریل ۱۹۷۵ء)

شیخ محمد الحکیم (مفتی حلب، شام)

"آج مجھے دوسری مرتبہ دارالعلوم کو دیکھنے کا موقع ملا، میں نے پہلی حاضری کے بعد سے اب تک دو سال کے عرصے میں ہونے والی اس ادارے کی ترقیات کو دیکھ کر بڑی خوشی محسوس کی اس کے اساتذہ کی کاوشیں قابل احترام اور اس کے طلبہ کی ترقیات قابل ستائش ہیں، خدا سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اسلام اور مسلمانانِ عالم، خاص طور پر ان قابل قدر ہندوستانی علما حضرات کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے جنھوں نے اسلامی تہذیب و ثقافت اور علم وعرفان کی اشاعت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا ہے اور ہمیں اپنی مرضیات کی توفیق دے"، آمین۔ (۲۴ نومبر ۱۹۷۴ء مطابق ۹ ذیقعدہ ۱۳۹۴ھ)

شیخ محمد الفحام
(سابق شیخ الازہر، مصر)

"میں ایک زمانے سے دارالعلوم دیوبند کی زیارت کا مشتاق تھا، یہ اشتیاق دن بدن بڑھتا رہا، میں نے اللہ سے دعاء کی کہ میری موت اس وقت تک نہ آئے جب تک میں دارالعلوم دیوبند کی زیارت نہ کرلوں، الحمد للہ کہ میری یہ تمنا پوری ہوئی جس کو میں کبھی بھول نہیں سکتا، میں نے اپنی آنکھ سے جو کچھ یہاں دیکھا وہ اس سے بہت زیادہ ہے جو میں نے سنا تھا، میری دعا ہے کہ اللہ تعالی دارالعلوم دیوبند اور اس کے علماء کو ہر قسم کی توفیق اور ترقی سے نوازے، یہ ادارہ اسلام کے قلعوں میں سے ایک محفوظ قلعہ ہے، اللہ تعالی ان لوگوں کی اعانت فرمائے جو اس میں کام کر رہے ہیں تا کہ وہ اسلام کی خوب سے خوب تر خدمت انجام دے سکیں۔"

(۲۶/اپریل ۱۹۷۵ء)

شیخ یوسف السیّد ہاشم الرفاعی

(سابق وزیر حکومت کویت)

’’عالم اسلام کو اس وقت ایک زبردست چیلنج کا سامنا ہے، یہ چیلنج پہلے تو اسلام کے دشمنوں کی جانب سے تھا وہ کہا کرتے تھے کہ اسلام اِس دور کا ساتھ نہیں دے سکتا، لیکن اب یہ چیلنج خود داخلی طور پر مسلم نوجوانوں کے اندر سے ابھر رہا ہے، جدید تعلیم یافتہ نوجوان مستشرقین کی کتابیں دیکھتے ہیں، اور تشکیک میں مبتلا ہوکر کہتے ہیں کہ اسلام عصر حاضر میں رہ نمائی کی صلاحیت نہیں رکھتا، اور بڑی مصیبت یہ ہے کہ اگر دشمن آپ کے گھر میں ہو تو اس کا مقابلہ دشوار ہوتا ہے، ان نوجوانوں کا حال یہ ہے کہ وہ اسلام کو اس کے صحیح خد وخال کے ساتھ جانتے ہی نہیں ہیں، اس فکری چیلنج کے لیے ہمیں علمائے راسخین کی ضرورت ہے اور علمائے راسخین پیدا کرنے کے لیے دارالعلوم دیوبند جیسے ادارہ کی ضرورت ہے، اور یہ ضرورت صرف ہندوستان کی نہیں بلکہ سارے عالم اسلام کی ضرورت ہے، اسلام پر اعتراضات کے دفعیہ کے لیے ہم جلیل القدر علماء کے محتاج ہیں، ہمیں حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر کے معیار کے علماء کی ضرورت ہے، اور ہمیں فخر ہے کہ الحمد للہ اس درجہ کے علماء اس دارالعلوم میں موجود ہیں۔

دارالعلوم دیوبند اپنے افکار ونظریات میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تحقیقات ونظریات سے کسب فیض کرکے اسی ڈگر پر چل رہا ہے، امام غزالی نے اپنے عہد کے مطابق فلسفۂ یونان کی یلغار سے اسلام کو محفوظ رکھا، شاہ ولی اللہ نے کفر وشرک کی تردید کے لیے کام کیا، ہمیں بھی اس وقت ان چیزوں پر کام کرنا چاہئے جو اس دور کی پیداوار ہیں، شیطانی طاقتیں روز نئے نئے حربے استعمال کرتی ہیں، ہمیں اپنے عقائد وافکار کی حفاظت کے لیے اُسی طرز پر اُن کے خلاف کام کرنا چاہئے۔‘‘ (۷ نومبر ۱۹۷۵ء)

شیخ عبداللہ عمر نصیف

(جنرل سکریٹری رابطۂ عالم اسلامی مکۃ المکرّمہ)

’’یہ امر واقعہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کا مرتبہ انتہائی بلند ہے اور روز اوّل ہی سے اس کی خدمات عظیم تر ہیں، یہاں کے فضلاء ہند و بیرون ہند میں دین اسلام کی بقاء وحفاظت کے لیے بنیادی رول ادا کررہے ہیں اور مستقبل میں بھی ان شاء اللہ اسلام کے حوالے سے ہمہ جہتی خدمات انجام دیں گے۔‘‘ (۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء)

شیخ عبداللہ عبدالمحسن الترکی

(وائس چانسلر جامعہ الامام محمد بن سعود، ریاض)

''آج کا یہ دن ہمارے لیے انتہائی مسعود ومبارک ہے کہ اللہ رب العزت نے اس عظیم اسلامی یونیورسٹی میں ہمیں حاضری کا موقع عطا فرمایا جس نے نسل در نسل علماء، دین کے داعی، علم ومعرفت کے جیالوں کو جنم دیا، اس کے بانیین خداترس علماء اور بزرگ تھے، اس کے علمی وروحانی سرچشمہ سے طلبہ کی ایک بڑی جماعت سیراب ہورہی ہے، امید ہے کہ اس کے یہ فرزند بنیادی علم دین کی طرف ہمیشہ متوجہ اور سنت نبوی پر عامل رہیں گے، سلف صالحین کے نقش قدم پر چل کر مبتدعین اور اہل زیغ وضلال کا منھ توڑ جواب دیتے رہیں گے، نیز دعوت الی اللہ کے بنیادی فریضہ میں کوتاہی سے کام نہ لیں گے۔

یہ چیز بھی میرے لیے انتہائی مسرت کا باعث ہے کہ ہندوستان کے مسلم ادارے خاص طور سے دارالعلوم دیوبند حرمین شریفین اور خادم حرمین شریفین کی برابر حمایت کرتے رہتے ہیں، مفسدین کی سازشوں اور دشمنوں کی طرف سے اسلام کے خلاف آنے والی بادِ مخالف کا رخ پھیر دیتے ہیں، حق کا دفاع کرتے ہیں۔

ہم دارالعلوم دیوبند اور اس کے فرزندوں کے لیے ہر خیر وبھلائی کی دعاء کرتے ہیں، ہم اس موقع سے جامعہ کے نظام کو جان سکے، ہماری خواہش ہے کہ ''جامعۃ الامام محمد بن سعود'' اور سعودی عرب کے دیگر تمام جامعات کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کا جوڑ اور تعاون جاری رہے حتی کہ اساتذہ وطلبہ ایک دوسرے سے افادہ واستفادہ کرتے رہیں۔'' (۱۴۰۷ھ ۱۹۸۷ء)

شیخ محمد بن عبداللہ السُّبَیِّل

(امام وخطیب مسجد حرام مکۃ المکرّمہ)

''میرے لیے انتہائی مسرت اور سعادت کا موقع ہے کہ اللہ رب العزت نے دارالعلوم دیوبند، یہاں کے علماء ومشائخ اور ذمہ داران سے ملاقات کی توفیق نصیب فرمائی، کئی مرتبہ دارالعلوم دیوبند دیکھنے کی خواہش دل میں جاگی، بالآخر آج یہ مبارک موقع آہی گیا، یہاں کا حسن انتظام، طلبہ کا علم کے تئیں جنون اور دلچسپی نے مجھے بے حد مسرور اور متاثر کیا۔ دارالعلوم دیوبند، یہاں کے اکابر علماء اور اُن کے روشن کارناموں سے آج دنیا واقف ہے، یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ علمائے دیوبند نے بحیثیت جماعت جو کام کیا ہے اس سے علم دین کا کوئی گوشہ مستثنیٰ نہیں گویا دارالعلوم ایک آفتاب ہے:

ولیس یصح في الأذهان شيء　　إذا احتاج النّهار إلی دلیل
(آفتاب آمد دلیل آفتاب)

تمام مدارس میں اس کی الگ پہچان ہے، یہاں کے علماء ممتاز ہیں، اللہ رب العزت ان کو ان کی شایانِ شان بہترین بدلہ عنایت فرمائے۔

میں نے بے شمار ملکوں کا سفر کیا، سیکڑوں مدارس میں گیا جو اسی کی پیداوار ہیں، یا پھر اس کے نقش قدم پر یا اس کے قائم کئے ہوئے اثرات سے جاری ہوئے ہیں، چنانچہ بنگلہ دیش، پاکستان، ملیشیا، انڈونیشیا حتی کہ برطانیہ جہاں جہاں بھی میں مدرسوں میں گیا سب جگہ دارالعلوم دیوبند کے فیض ہی کا نتیجہ نظر آیا۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالی اس کی نصرت فرمائے اور یہ جامعہ اسلام کا ایک روشن مینارہ ثابت ہو، اور اپنی ضیاپاشیوں سے پورے عالم کو روشن کرے، جس طرح اس نے برصغیر اور اس سے متصل اسلامی ممالک کو منور کیا، اللہ تعالی اس کے بانیین کو بہترین بدلہ عنایت فرمائے کہ ان حضرات کی انتھک کوششوں، بلند ہمتی اور جذبۂ عمل سے دارالعلوم جیسے عظیم ادارے کا قیام عمل میں آیا۔'' (۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۷ء)

شیخ عائض ابن عبداللہ القرنی
(عربی کے مشہور مصنف وخطیب)

''چونکہ ہم دارالعلوم دیوبند کے واقعات، خبریں، حقائق اور یہاں کے علماء کی کتابیں اور ان کے مجاہدانہ کارناموں کو پڑھا کرتے تھے اس لیے دیارِ حرم (مکۃ المکرّمہ، مدینہ منورہ) بلکہ ہر جگہ یہ خواہش رہتی کہ کب ہم اس کو قریب سے دیکھیں گے، ہم دل ہی دل میں یہ کہا کرتے تھے کہ ہماری یہ دیرینہ تمنا کب پوری ہوگی۔

الغرض ہم نے دارالعلوم کے بارے میں بہت کچھ پڑھا اور سنا بلکہ آپ کے یہاں کے علماء کی بعض کتابیں ہمارے یہاں جامعات میں پڑھائی جاتی ہیں، میں اس وقت اپنے جذبات کا اظہار ''متنبّی'' کے اس شعر سے کروں گا:

واستکبر الأخبار قبل لقائه　　فلمّا التقینا صغّر الخَبَرَ الخُبْرُ

ترجمہ: مجھے اس کے دیدار سے پہلے اس کی خبریں بڑی محسوس ہوئیں، مگر جب قریب سے دیکھا تو مشاہدہ نے بتایا کہ یہ تو اُس سے بڑھ کر ہے۔

میں نے دنیا کے تیس سے زائد ملکوں کا سفر کیا، لیکن سب سے زیادہ فرحت وانبساط اس دارالعلوم دیوبند کو دیکھ کر ہوا، میں نے یہاں کے علماء وطلباء کو اور جگہوں کے مقابلے میں سنت پر زیادہ عمل پیرا پایا (یہ

محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے)

دارالعلوم دیوبند کی ایک قدیم تاریخ ہے، ہزاروں علماء، محدثین، فقہاء، مفسرین، مبلغین اسی کی کوکھ سے پیدا ہوئے اس طرح برصغیر میں اسلام کی حفاظت کا یہ ضامن بنا، شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم نے کہا تھا:

رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی　　　فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی

(جس کو شیخ موصوف نے عربی زبان میں اس طرح ادا فرمایا)

وعند الناس فلسفة وفكر　　　ولكن أين تلقين الغزالي

وجلجلة الأذان بكل حي　　　ولكن أين صوت من بلال

لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر اقبال مرحوم آج موجود ہوتے اور دارالعلوم دیوبند، یہاں کے علماء وطلباء کو دیکھتے تو بے ساختہ یہ کہتے کہ یہاں تو روح بلالی بھی موجود ہے اور تلقین غزالی بھی۔

بخدا آج اگر مجھ سے یہ کہا جائے کہ آپ عالیشان محلات میں چاہیں تو شاہوں، وزراء، حکام اور امراء کی ہم نشینی اختیار کریں یا اِن علماء وطلبہ کے ساتھ اس خاک پر بیٹھیں تو میں ان علماء وطلبہ کی ہم نشینی کو ترجیح دوں گا، اس ربع مسکوں میں دارالعلوم دیوبند اور وابستگان دارالعلوم تنہا نہیں ہیں، بلکہ ان کے ساتھ خدائی نصرت ہے، کروڑوں مسلمان بھائی ان کے لیے ہمنوائی اور خیر کی دعا کرتے رہتے ہیں۔" (۱۴۳۲/۲۰۱۱ء)

شیخ محمد عوّامہ

(مشہور محدث مدینہ منورہ)

"خدائے عزوجل کا بے پایاں شکر و احسان ہے کہ اس نے میری اس آرزو کو پورا کیا کہ مجھے از ہر ہند، علم ودانش کے مرکز اور اسلام کے مضبوط اور عالیشان قلعہ دارالعلوم دیوبند دیکھنے کی توفیق بخشی، گذشتہ صدیوں میں اسلام کی تاریخ میں ایسے بہت سے مراکز ہوئے ہیں، جن سے امت مسلمہ کو خوب خوب نفع پہنچا، لیکن موجودہ صدی میں اس روشن منارے کی طرح کوئی منارہ نظر نہیں آتا، اس کی محدود عمر کے سامنے اس کے علمی وعملی کارنامے لامحدود ہیں، ہر علم پسند دوست اور ہر وہ شخص جس نے اس پُر بہار جامعہ کے متعلق سن رکھا ہے، وہ بخوبی جانتا ہے کہ یہ جامعہ ہندو پاک، بنگلہ دیش، جنوبی افریقہ، یورپ وغیرہ میں ہزاروں سے متجاوز فرزندوں کی مادرِ علمی ہے، شہروں اور آبادیوں سے ماوراء اس کی گونج ہر نشیب وفراز پہاڑوں اور وادیوں میں پہنچی ہوئی ہے۔" (۱۴۳۲ھ/۲۰۱۱ء)

شیخ عبدالرحمٰن السدیس

(امام وخطیب مسجد حرام مکۃ المکرّمہ)

’’جمعیۃ علمائے ہند کی عظمت صحابہ کانفرنس (دہلی) میں شرکت کے موقع پر دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث حضرت مولانا ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم کی دعوت پر مجھے دارالعلوم دیوبند جیسے عظیم علمی وتربیتی مرکز کی زیارت کا موقع میسر آیا، یہ وہ جامعہ ہے کہ ہندوستان جیسے ملک سے برسہا برس سے اس کا اہم اسلامی پیغام جاری ہے، میں دارالعلوم دیوبند کے اس دورہ کو خدا کی بے شمار نعمتوں میں سے ایک نعمت سمجھتا ہوں۔

اس مبارک موقع سے میں خادم حرمین شریفین اوران کے دونوں نائبین نیز ائمہ حرمین شریفین اورسعودی عوام کی جانب سے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم وجملہ ذمہ داران وملازمین اورطلبہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں، اس حاضری اورملاقات پرارباب دارالعلوم کی طرف سے جومحبت مجھے ملی الفاظ میں ان کا اظہار نہیں کیا جاسکتا۔

واقعتاً دارالعلوم دیوبند ایمان اور علم کے ہتھیار سے مسلح نسل کو تیار کرنے میں ایک درخشاں کردارادا کر رہاہے، پوری ملت اسلامیہ خاص کر برصغیر کواس پر ناز ہے۔‘‘ (۱۴۳۲ھ/ ۲۰۱۱ء)

شیخ سعود بن ابراہیم الشریم

(امام وخطیب مسجد حرام مکۃ المکرّمہ)

’’جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ ہندوستان کے ہمارے اس پروگرام میں دارالعلوم دیوبند کی زیارت بھی شامل ہے، تو مجھے بہت خوشی ہوئی اس لیے کہ جب بھی ہم ہندوستان، یہاں کے مسلمانوں اور علماء کے کارناموں کو سنتے تھے تو اس میں دارالعلوم دیوبند کا ذکر ضرور آتا، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے بغیر ہندوستان میں اسلام کی تاریخ نامکمل ہے۔

آج دارالعلوم دیوبند سے کون ناواقف ہے، ہندو بیرون ہند اس کے چرچے ہیں، چنانچہ اللہ تبارک وتعالی کا احسان ہے کہ اُس نے ہمیں اِس جامعہ کا دیدار کرایا جس کے بارے میں ہم کثرت سے صرف سنا کرتے تھے۔‘‘ (۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء)

شیخ صالح بن عبدالعزیز بن محمد آل الشیخ

(وزیر برائے مذہبی امور سعودی عرب)

’’مہتمم جامعہ حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم کی دعوت پر مجھے دارالعلوم دیوبند

کی زیارت اور یہاں کے علماء وطلبہ سے ملاقات کا موقع ملا، میں نے دارالعلوم دیوبند، اس کے علماء اور ان کے علم وفضل کی بابت بہت کچھ سن رکھا تھا، یہاں آکر اس کا مشاہدہ ہوگیا، اس لیے کہ اس نے برصغیر میں اسلام کی شمع کو روشن رکھتے ہوئے علومِ قرآن وسنت کی حفاظت، اسلام اور مسلمانوں کے وجود کو صحیح شکل میں باقی رکھا ہے۔

میں دارالعلوم دیوبند کے ذمہ داران ومنتسبین کا بے حد ممنون ومشکور ہوں، بلا شبہ ہمارے اور آپ کے درمیان یہ رشتہ بہت مضبوط بنیادوں پر قائم ہے جس کو دنیا کی کوئی طاقت کمزور نہیں کرسکتی، وہ ہے کلمہ کی طاقت۔''

(۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء)

شعراء کے منظوم تاثرات

ترانۂ دارالعلوم دیوبند

مولانا ریاست علی ظفرؔ بجنوری

یہ علم وہنر کا گہوارہ، تاریخ کا وہ شہ پارہ ہے
ہر پھول یہاں اک شعلہ ہے، ہر سرو یہاں مینارہ ہے

خود ساقئ کوثر نے رکھی، میخانے کی بنیاد یہاں
تاریخ مرتب کرتی ہے دیوانوں کی رُوداد یہاں

جو وادئ فاراں سے اٹھی، گونجی ہے وہی تکبیر یہاں
ہستی کے صنم خانوں کے لیے ہوتا ہے حرم تعمیر یہاں

برسا ہے یہاں وہ ابرِ کرم، اٹھا تھا جو سوئے یثرب سے
اس وادی کا سارا دامن سیراب ہے جوئے یثرب سے

کہسار یہاں دب جاتے ہیں، طوفان یہاں رک جاتے ہیں
اس کاخِ فقیری کے آگے شاہوں کے محل جھک جاتے ہیں

ہر بوند ہے جس کی امرت جل، یہ بادل ایسا بادل ہے
سوساگر جس سے بھر جائیں یہ چھاگل ایسا چھاگل ہے

مہتاب یہاں کے ذروں کو، ہر رات منانے آتا ہے
خورشید یہاں کے غنچوں کو ہر صبح جگانے آتا ہے

یہ صحنِ چمن ہے برکھا رُت، ہر موسم ہے برسات یہاں
گلبانگ سحر بن جاتی ہے ساون کی اندھیری رات یہاں

اسلام کے اس مرکز سے ہوئی، تقدیس عیاں آزادی کی
اس بامِ حرم سے گونجی ہے سو بار اذاں آزادی کی

اس وادیٔ گل کا ہر غنچہ، خورشیدِ جہاں کہلایا ہے
جو رِند یہاں سے اٹھا ہے وہ پیرِ مُغاں کہلایا ہے

جو شمعِ یقین روشن ہے یہاں، وہ شمعِ حرم کا پرتو ہے
اس بزمِ ولی اللّٰہی میں تنویرِ نبوت کی ضو ہے

یہ مجلسِ مے وہ مجلس ہے، خود فطرت جس کی قاسم ہے
اس بزم کا ساقی کیا کہیے جو صبحِ ازل سے قائم ہے

جس وقت کسی یعقوبؔ کی لے، اس گلشن میں بڑھ جاتی ہے
ذروں کی ضیا خورشیدِ جہاں کو ایسے میں شرماتی ہے

عابدؔ کے یقیں سے روشن ہے، سادات کا سچا صاف عمل
آنکھوں نے کہاں دیکھا ہوگا اخلاص کا ایسا تاج محل

یہ ایک صنم خانہ ہے جہاں، محمودؔ بہت تیار ہوئے
اس خاک کے ذرے ذرے سے کس درجہ شرر بیدار ہوئے

ہے عزمِ حسینؔ احمد سے بپا، ہنگامۂ دارو گیر یہاں
شاخوں کی لچک بن جاتی ہے باطل کے لیے شمشیر یہاں

رومی کی غزل رازی کی نظر، غزالی کی تلقین یہاں
روشن ہے جمالِ انورؔ سے پیمانۂ فخرالدینؔ یہاں

ہر رِند ہے ابراہیمؔ یہاں، ہر میکش ہے اعزازؔ یہاں
رِندانِ ہُدی پہ کھلتے ہیں تقدیسِ طلب کے راز یہاں

ہیں کتنے عزیزؔ اس محفل کے، انفاسِ حیات افروز ہمیں
اس سازِ معانی کے نغمے، دیتے ہیں یقیں کا سوز ہمیں

طیبہ کی مئے مرغوبؔ یہاں، دیتے ہیں سفالِ ہندی میں
انوارِ چراغِ نعمانیؔ، روشن ہیں جمالِ ہندی میں

خالقؔ نے یہاں اک تازہ حرم، اس درجہ حسیں بنوایا ہے
دل صاف گواہی دیتا ہے، یہ خلدِ بریں کا سایہ ہے

اس بزمِ جنوں کے دیوانے، ہر راہ سے پہنچے یزداں تک
ہیں عام ہمارے افسانے، دیوارِ چمن سے زِنداں تک

سو بار سنوارا ہے ہم نے، اس ملک کے گیسوئے برہم کو
یہ اہلِ جنوں بتلائیں گے، کیا ہم نے دیا ہے عالم کو

جو صبحِ ازل میں گونجی تھی، فطرت کی وہی آواز ہیں ہم
پُروَردۂ خوشبو غنچے ہیں، گلشن کے لیے اعجاز ہیں ہم

اس برقِ تجلی نے سمجھا پروانۂ شمعِ نور ہمیں
یہ وادیٔ ایمن دیتی ہے تعلیمِ کلیمِ طُور ہمیں

دریائے طلب ہوجاتا ہے، ہر میکش کا پایاب یہاں
ہم تشنہ لبوں نے سیکھے ہیں مے نوشی کے آداب یہاں

بلبل کی دعا جب گلشن میں، فطرت کی زباں ہوجاتی ہے
انوارِ حرم کی تابانی ہر سمت عیاں ہوجاتی ہے

ہر موج یہاں ایک دریا ہے، اک ملت ہے ہر فرد یہاں
گونجا ہے، ابد تک گونجے گا، آوازۂ اہلِ درد یہاں

امدادؔ و رشیدؔ و اشرفؔ کا، یہ قُلزُمِ عرفاں پھیلے گا
یہ شجرۂ طیب پھیلا ہے؛ تا وسعتِ امکاں پھیلے گا

خورشید یہ دینِ احمد کا، عالم کے افق پر چمکے گا
یہ نور ہمیشہ چمکا ہے؛ یہ نور برابر چمکے گا

یوں سینۂ گیتی پر روشن، اسلاف کا یہ کردار رہے
آنکھوں میں رہیں انوارِ حرم؛ سینے میں دلِ بیدار رہے

قدیم ترانۂ دارالعلوم دیوبند

مولانا عبدالرؤف منصفؔ اعظمی

مرکز علم وہنر اے چشمۂ فیضانِ حق
تجھ سے سیکھا ہے جہاں نے علم وحکمت کا سبق

تہنیت خواں تھے ملائک چرخ پر باصد خوشی
دستِ قاسمؒ سے ترِی بنیاد جب رکھی گئی

دستِ قال اللہ کا تو اک علم بردار ہے
داعئ حق وصداقت مرکزِ ابرار ہے

تیری ضو پاشی سے اک دنیا منور ہوگئی
ہوگئے عالم پہ اسرار حقیقت منجلی

جلوۂ توحید کی حامل ہے تیری زندگی
ہرطرف اسلام کی پھیلی ہے تجھ سے روشنی

نغمہ زن باغِ حقیقت کے یہاں پیدا ہوئے
جن کی صوتِ سرمدی پر اہل دل شیدا ہوئے

قوم کی کشتی نکالی تونے ہر گرداب سے
وقت پر تونے جھنجھوڑا غفلتوں کے خواب سے

ہرمسافر کو دکھایا راستہ مقصود کا
دے دیا ہر کارواں کو صبحِ منزل کا پتہ

دعوتِ حقانیت سے سربلند وسرفراز
داعئ تہذیبِ دیں ہے حامئ طرزِ حجاز

تیری جِدّ وجُہد کا للّٰہیت مقصود ہے
تیرے ہراقدام میں جذبہ یہی موجود ہے

درحقیقت ہند میں تو علمِ دیں کی جان ہے
تیرا مسلک پیروئ صاحب قرآن ہے

تو جہاں میں ملتِ اسلام کا شہکار ہے
خرمن الحاد پر اک برقِ شعلہ بار ہے

دَم بخود ہے مادیت حسن حال وقال سے
دہریت لرزاں ہے تیرے زورِ استدلال سے

تیرے فیضِ عام سے کتنے بنے اہل کمال
علم میں یکتائے دوراں، ماہرینِ قیل وقال

تیری محفل میں جنھوں نے پی شراب ارغواں — دہر کی ہر بزم میں ہیں کامیاب وکامراں
خانقاہوں میں بھی ہیں اور رزم گاہوں میں بھی ہیں — نعرہ زن بھی ہیں کہیں، سرگرم آہوں میں بھی ہیں
مسندِ تدریس پر بیٹھے تو شیخِ کامراں — اور سیاسیات میں نباض نیرنگ جہاں
قاسمؒ ویعقوبؒ سے پوچھے کوئی وقعت تری — چشمِ شیخ الہندؒ پر بھی منکشف رفعت تری
تیرے ہی فیضان سے یکتا ہوئے مفتی عزیزؒ — افتخارِ عصر خود، ممتاز اربابِ تمیز
اور حبیبؒ ذی فطانت، مالک نظمِ جمیل — مطلقاً نبّاضِ فطرت پیکرِ فکرِ جمیل
انورؒ وشبیرؒ جیسے بھی ہوئے اہلِ کمال — عبد الاحدؒ ومدنیؒ جیسے ہیں ابھی زندہ مثال
تیرے ہی فیضان سے فخرؒ وکفایتؒ بھی ہوئے — اور عبیدؒ کاشفِ رمزِ سیاست بھی ہوئے
تھانویؒ صاحب بھی جو تھے مرجعِ خلقِ خدا — عارفِ سرّ حقیقت، صاحب صدق وصفا
ہیں بہت سے اب بھی تیرے باغ میں اہلِ کمال — جی میں آتا ہے گناؤں بعض کو بہر مثال
صاحبِ کشف وکرامت پیکر صبر و رضا — اسوۂ خُلقِ پیمبر، مرجعِ خلقِ خدا
مظہرِ شانِ جلالت چشمۂ علم وسُنن — حضرتِ مولانا مدنیؒ، قائدِ اہل زمن
عالِمِ یکتائے دَوراں، مظہر فضل وکمال — حضرت عبد السمیعؒ ہیں نکتہ سنجِ قیل وقال
مسندِ فقہ وادب پر ضوفشاں اعزازؒ ہیں — موعظت میں طیبؒ رنگیں بیاں ممتاز ہیں
مسندِ افتا پہ ہیں مہدی حسنؒ جلوہ فگن — مسندِ تعلیم پر رونق فزا فخر الحسنؒ
ماہر تفہیم ہیں حضرت جلیلؒ خوش مقال — جن کے ذوقِ استقامت پر فدا فضل وکمال
واقفِ علمِ ریاضی، ماہر دستور فن — ہیں بشیرؒ دانش افزا مشفقِ اہل زمن
حضرتِ عبدالاحدؒ، شیخ المعانی کے پسر — ہیں مجسم طاعت واخلاق کے روشن گہر
تیرے اعلیٰ کارناموں کی ہیں زریں داستاں — محوِ حیرت ہورہے ہیں جن پر اصحابِ جہاں

منصفؔ معجز بیاں زلّہ ربائے خوان تست
بردل وجانش رواں شام وسحر فرمان تست

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
اور
دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا نسیم احمد فریدیؒ

ساقیٔ دہلی کے مستوں نے بارضِ دیوبند — جب رکھی بنیادِ مے خانہ بطورِ یادگار
دور دورہ ساغرِ صہبائے طیبہ کا ہوا — جُرعہ نوشانِ ازل آئے قطار اندر قطار
قاسمؔ و محمودؔ و انورؔ نے لنڈھائے خُم کے خُم — اپنی وسعت کے مطابق پی گیا ہر بادہ خوار
آج بھی ساقی کی چشم خاص کی تاثیر دیکھ — بادۂ مغرب کے متوالوں کا ٹوٹا ہے خمار
در کفے جامِ شریعت در کفے سندانِ عشق — یہ خصوصیت یہاں ہر فرد میں ہے آشکار
اس کے ہر مے خوار کو پیرِ مغاں کا حکم ہے — باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار
کاش اے ساقیٔ دہلی تو بھی آکر دیکھتا — اپنے مے خانے کی رونق، اپنے رندوں کی بہار
تیرا دورِ جام دورِ چرخ سے بھی تیز تر — تیرا مستقبل ترے ماضی سے بڑھ کر شاندار
یا الٰہی حشر تک باقی رہے یہ مے کدہ — دور میں ساغر رہے تا گردشِ لیل و نہار
اس کی ہر ہر اینٹ میں تاریخِ ماضی ثبت ہے — ہند میں ہے بزمِ دِلی کی یہ واحد یادگار
مسلمِ ہندی اگرچہ مفلس و نادار ہے — پھر بھی اس سرمایۂ ملت کا ہے سرمایہ دار
شوکتیں جب دہلیٔ مرحوم کی آتی ہیں یاد — دیکھ کر اس کو بہل جاتا ہے قلبِ سوگوار
جن کی کوشش سے چلا ہے دورِ صہبائے حجاز — نور سے معمور کردے اے خدا اُن کے مزار

آفریدیؔ تو بھی ہو ساغر بکف مینا بدوش
طالبِ جوشِ عمل ہے، ساقیٔ ابر بہار

دارالعلوم دیوبند

مولانا ظفر علی خان مرحوم

شاد باش وشاد زی، اے سرزمینِ دیوبند
ہند میں تو نے کیا اسلام کا جھنڈا بلند

ملتِ بیضا کی عزت کو لگائے چار چاند
حکمتِ بطحا کی قیمت کو کیا تو نے دوچند

اسم تیرا بامسمّٰی، ضرب تیری بے پناہ
دیوِ استبداد کی گردن ہے اور تیری کمند

تیری رجعت پر ہزار اقدام سو جاں سے نثار
قرن اول کی خبر لائی تری الٹی زقند

تو علم بردار حق ہے، حق نگہ باں ہے ترا
خیل باطل سے پہنچ سکتا نہیں تجھ کو گزند

ناز کر اپنے مقدر کو کہ تیری خاک کو
کر لیا ان عالمانِ دین قیم نے پسند

جان کر دیں گے جو ناموسِ پیمبرؐ پر فدا
حق کے رستے پر کٹا دیں گے جو اپنا بند بند

کفر ناچا جن کے آگے بارہا تگنی کا ناچ
جس طرح جلتے توے پر رقص کرتا ہے سپند

اس میں قاسمؒ ہوں کہ انور شاہؒ کہ محمود الحسنؒ
سب کے دل تھے دردمند اور سب کی فطرت ارجمند

گرمیٔ ہنگامہ تیری ہے حسین احمدؒ سے آج
جن سے پرچم ہے روایاتِ سلف کا سربلند

مظہرِ نورِ خدا دارالعلوم

جناب عثمان شاکر دیوبندی

السلام اے سرزمینِ خلد زارِ دیوبند — مرحبا بادِ نسیمِ گل بہارِ دیوبند
عالمِ انسانیت میں امن کی تصویر ہے — بزمِ عالم میں، ہوائے مشکبارِ دیوبند
ہے گماں خورشید کا ہر ذرۂ ناچیز پر — دل جگاتا ہے جہاں میں جلوہ زارِ دیوبند
کوچہ و بازار جس کے پرسکون ودل نواز — صورتِ راہِ وفا ہے، رہ گذارِ دیوبند
قدسیوں کی سرزمیں، جنات کا مسکن ہے یہ — مظہرِ نورِ خدا ہے راز دارِ دیوبند
بند کرڈالے ہیں جس میں دیو استبداد کے — بے نشاں ہیں، بے مکاں وہ گنہ گار دیوبند
دیو کے ظلمت کدوں میں نور کا سامان ہے — ہند و مسلم کیا، سبھی ہیں نگہدارِ دیوبند
وہ امینِ عظمت وناموسِ ہندوستان ہے — ہے عروسِ ملک وملت اب شمارِ دیوبند
ایک دریائے حقیقت از مکاں تا لا مکاں — فیض کا ہے عام جاری آبشارِ دیوبند
ہے زمینِ دیوبند تسکینِ دل آرامِ جاں — جنتِ ارضی ہے ہراک لالہ زارِ دیوبند
اے مرے پیارے وطن تو ملک کی ہے آبرو — مرتبہ اعلیٰ ہے، برتر ہے وقارِ دیوبند
ملک وملت کو بچاؤ فرضِ اول جان کر — کہتا ہے للکار کر اک وضعدارِ دیوبند
مدنیؔ ومحمودؔ کے مسلک کا رہبر آ گیا — دھوم سے ہر سمت آیا تاجدارِ دیوبند
حق نما وحق نگر روشن حقیقت حق نواز — یوسفِ ثانی ہے گویا گل عذارِ دیوبند
کاروانِ ملک وملت آج کیوں تاراج ہے — پھر اُٹھا ہے سرفروش وجاں نثارِ دیوبند

مل گئے شاکرؔ یہاں جب رہنمایانِ جہاں
کیوں نہ ہوگی روح اپنی نغمہ بارِ دیوبند

چمنستانِ دیوبند

جناب صابرؔ مظفر آبادی، کشمیر

میں ہی نہیں ہوں ایک ثنا خوانِ دیوبند　　اہلِ جہاں میں مدحِ سرایانِ دیوبند

وہ سرزمیں کہ آئی تھی بو جس سے علم کی　　وہ سرزمیں ہے آج خیابانِ دیوبند

یعقوبؒ اور قاسمؒ وامدادؒ کی اے دل　　ممنون ہے بہار گلستانِ دیوبند

محمودؒ ہوں حسینؒ ہوں انورؒ ہوں یا علیؒ　　ہیں سارے آفتاب درخشانِ دیوبند

ہے قریہ، قریہ عالمِ اسلام کا ندیم　　منت کش فیوضِ دبستانِ دیوبند

جاہ وجلال وشوکت دارا وجم کو آج　　لائے نہیں نظر میں گدایانِ دیوبند

الحاد وکفر غرب ہو یا شرکِ ایشیا　　دونوں کی موت، برق درخشانِ دیوبند

ہے دل سے یہ دعا کہ معطر بہ علم دیں　　یا رب رہے سدا یہ چمنستانِ دیوبند

ہے اس کا فیض شرق سے تا غرب منتشر
صابرؔ ہو کیوں نہ آج ثنا خوان دیوبند

وہ پہلا گھر علوم کا ہندوستان میں

مولانا محمد عثمان قاسمی جونپوری

علم و عمل کا مرکزِ اعلیٰ کہیں جسے
تاریکیوں میں نور کا جلوا کہیں جسے

دارالعلوم جس کی بنا ہے خلوص پر
قاسمؒ کی ذات پاک کا صدقا کہیں جسے

وہ جس کا فیض عام ہے سارے جہان میں
بہتے ہوئے علوم کا دریا کہیں جسے

ہر ذرہ جس کا مہر درخشاں کی طرح ہے
ظلماتِ شب میں صبح کا تارا کہیں جسے

ایک معجزہ کی طرح چمکتا ہے اس کا نور
وہ روشنیٔ حق یدِ بیضا کہیں جسے

وہ پہلا گھر علوم کا ہندوستان میں
اس وصف کے لحاظ سے کعبا کہیں جسے

مہرِ منیر ماہِ درخشاں کی طرح ہے
اس کا وجود نورِ سراپا کہیں جسے

پہلے ہی دن سے جس کی بِنا اتّقا پہ تھی
امدادؒ کی دعا کا نتیجا کہیں جسے

گلشن علومِ دین کا کہتے ہیں جس کو سب
اور ساتھ ساتھ گلشن تقوا کہیں جسے

بجھتی ہے تشنہ لب کی یہیں آ کے تشنگی
تشنہ لبانِ علم کی صہبا کہیں جسے

جس کی ضیا سے ظلمتِ بدعات مٹ گئی
بے شبہ دینِ حق کا منارا کہیں جسے

گلہائے تر سے جس ک معطر جہان ہے
اک یک پھول وہ گلِ رعنا کہیں جسے

دارالعلوم فضلِ خدائے کریم ہے
عثمانؔ کو بھی اس سے نیازِ قدیم ہے

دیوبند! اے مرکزِ اسلام! تو زندہ رہے

حکیم آزاد شیرازی

سرزمین دیوبند! اے سرفروشوں کی زمیں
خطۂ ہندوستان میں تو ہے فردوسِ بریں

تیرے نقش پاء میں رنگِ صبح وگردِشام ہے
تو زمانہ میں حریفِ گردش ایام ہے

سو برس سے علم کا منبع ہے سرچشمہ ہے تو
کائناتِ علم میں پھیلی ہے تیری رنگ وبو

ہند میں تو مرکزِ رشد وہدایت بھی تو ہے
تو یقیناً وارثِ علمِ نبوت بھی تو ہے

ہند سے جب دورِ عالم گیر رخصت ہوگیا
بتکدے سے نعرۂ تکبیر رخصت ہوگیا

اپنے ہاتھوں میں بجائے تیغ تھے چنگ وربا ب
شاعری تھی مرثیے تھےاور قصیدوں کی کتاب

دیکھ کر یہ حال بدلیں کروٹیں افرنگ نے
آ کے گھیرا شاعرانِ مغلیہ کو جنگ نے

سید احمدؒ شاہ اسماعیلؒ ابھی بیدار تھے
سکھا شاہی کے مگر پنجاب میں آثار تھے

جو مجاہد تھے انھوں نے ہاتھ میں تلوار لی
چند غداروں نے پر امداد کی کفار کی

ہوگئے ملت پہ قرباں وہ شہیدانِ وفا
لُٹ گیا سرحد پہ سب اہلِ حرم کا قافلہ

اس طرف ٹیپو اٹھا جو شیرِ ہندوستان تھا
وہ اکیلا رزم آراء برسر میدان تھا

ہاں مگر غدار واں بھی مل گئے انگریز کو
وہ بلالائے ہلاکو خان اور چنگیز کو

سرخرو سلطان ٹیپو بھی شہادت سے ہوا
یوں وطن محکوم افرنگی سیاست سے ہوا

گوسناون کا جہاد حریت ناکام تھا
تو مگر مصروفِ سعئ خدمت اسلام تھا

جب ہوئی ناکام کوشش ریشمی رومال کی
بن گیا تمہید ماضی حال واستقبال کی

تیرے خادم تھے جو شیخ الہند محمود الحسنؒ — تھے یقیناً اپنی تنہا ذات میں اک انجمن
درسِ دیں تو اک بہانا تھا حقیقت اور تھی — شیخ کے نزدیک تو جنگِ سیاست اور تھی
مدتوں جاری رہا تیرا جہادِ حریت — کام آخر آگیا تیرا جہادِ حریت
اب فرنگی کی غلامی سے وطن آزاد ہے — سرزمینِ دیوبند آزاد ہے آباد ہے
سرزمینِ ہند میں تو مرکزِ اسلام ہے — پایۂ عرشِ بریں پر نقش تیرا نام ہے

ہے دعا تو حشر تک زندہ و تابندہ رہے
تیرا فیض عام جاری اور درخشندہ رہے

دارالعلوم دیوبند

جناب اکرام القادری، پاکستان

تو عظیم اور تیرے بانی بھی یقیناً تھے عظیم
خاص ہیں تجھ پر عنایاتِ خداوندِ کریم

آبیاری تو نے کی ہے گلشنِ اسلام کی
ہر طرف پھیلا ہوا ہے تیرا فیضانِ عظیم

خُم کے خُم تو نے لنڈھائے بادۂ عرفان کے
بالیقیں ہے تیرائے خواروں پہ احسانِ عظیم

تو نے قائم کی جہاں میں دین وتقویٰ کی فضا
سلف کو آئی تھی تجھ سے علم وعرفاں کی نسیم

تیرے پروانوں نے آزادی کا لہرایا علم
تیرے فرزانوں سے گھبراتا تھا فرنگی لئیم

ہیں ترے معمارِ اول حضرتِ نانوتویؒ
فقر تھا جن کی رِدا اور معرفت جن کی گلیم

مدتوں شامل رہا ہے سرپرستوں میں ترے
عاشقِ سنت رشید احمدؒ سا انسانِ عظیم

تیری آغوشِ محبت میں پکے تھے تھانویؒ
جو سراجِ اولیا ہیں اور امت کے حکیم

تیری ہی مٹی سے اٹھّے تھے اسیرانِ مالٹا
جن کو بخشا تھا خدائے پاک نے قلبِ سلیم

تیری نسبت پر ہمیشہ ناز فرماتے رہے
حضرتِ مدنیؒ امامِ اولیاء جنت مقیم

فیض پایا تیرے فرزندوں سے انور شاہؒ نے
جو ذکی تھا، نابغہ تھا عبقری تھا اور فہیم

تھے عُبید اللہ سندھی خوشہ چینوں میں ترے
سرنگوں ہے عظمتوں کے سامنے جن کی غنیم

قاری طیبؒ سا عظیم انساں تھا تیرا مہتمم
کوہِ عزم وعلم تھا جو اور اوّاہ وحلیم

تجھ کو بخشا ہے خدا نے وہ علوّ مرتبت
صالحین تیرے دعا گو اولیاء تیرے ندیم

گونجتے ہوں زمزمے قرآن وسنت کے جہاں
کیوں وہاں سے پھر نہ ہو مایوس شیطان رجیم

کیوں نہ میں اکرامؔ ان ابرار کی مدحت کروں
جن کی توصیف وثنا کرتا ہے قرآنِ کریم

دارالعلوم دیوبند

جناب زبیر افضلؔ عثمانی

مرے اجداد کی تخلیق کا شہ کار حسیں
باعث عظمتِ دیں رفعتِ دیں شوکتِ دیں

جس پہ معمار کو ہے ناز وہ تعمیر ہے تو
فخر ہے جس پہ مصور کو وہ تصویر ہے تو
کاتبِ مصحفِ ایمان کی تحریر ہے تو
جلوۂ حسنِ جہاں تاب کی تنویر ہے تو

جس نے روشن کیا دنیا میں چراغِ ایماں
جس نے حل کردیئے سربستہ رموزِ قرآں
جس نے تاریخ کے اوراق کیئے زر افشاں
جس کی آغوش میں تسنیم کی موجیں ہیں رواں

جس نے زندہ کیا بھولے ہوئے افسانوں کو
جس نے فرزانہ کہا دین کے دیوانوں کو
جس نے توحید کی مے بخش دی میخانوں کو
جس نے اک سوز عطا کردیا پروانوں کو

جس کے ہاتھوں میں رہا اسوۂ حسنہ کا چراغ
جس نے سیرت کیلئے وقف کیئے روح ودماغ

جس نے دھوڈالے زمانے سے ابوجہلی داغ
جس کا ہر پھول بتائے گا تمھیں عظمتِ باغ

یہ حقیقت ہے کہ فردوسِ بداماں ہے یہ
جوخزاں دیدہ نہ ہو ایسی بہاراں ہے یہ
دل مومن کا مچلتا ہوا ارماں ہے یہ
سازِ توحید کے تاروں پہ غزل خواں ہے یہ

بے نیازِ غمِ پیری ہے جوانی اس کی
زندہ و روشن و تازہ ہے کہانی اس کی
قول اللہ کا سنتے ہی زبانی اس کی
مہر ومہ سے ہے فزوں نور فشانی اس کی

رفعت کون ومکاں کا اسے حاصل کہہ دوں
سینۂ جسم رسالت کا اسے دل کہہ دوں
سرورِ کون ومکاں کی اسے محفل کہہ دوں
جادۂ علم وعمل کی اسے منزل کہہ دوں

میرے معبود اسے اور درخشاں کردے
میرے مالک اسے امت کا نگہباں کردے
اس کی عظمت کو ابھی اور نمایاں کردے
اس کے ہر گوشہ کو انوار بداماں کردے

مرے اجداد کی تخلیق کا شہ کار حسیں
باعث عظمتِ دیں رفعتِ دیں شوکتِ دیں

آٹھواں باب

شخصیات دارالعلوم دیوبند

- دوراول کے علماء واکابر دارالعلوم کے حالات
- دورثانی کے علماء واکابر دارالعلوم کے حالات
- دورثالث کے علماء واکابر دارالعلوم کے حالات
- موجودہ دور کے علماء واکابر دارالعلوم کے حالات
- مشاہیر علماء ومشائخ دارالعلوم کے حالات
- شخصیات دارالعلوم ایک نظر میں
- اراکین مجلس شوری دارالعلوم دیوبند
- سابقہ اساتذۂ عربی دارالعلوم دیوبند
- موجودہ انتظامیہ، اساتذہ، نظماء وعہدہ داران

دوراول کے علماء واکابر دارالعلوم کے حالات

دوراول کے علماء واکابر دارالعلوم

	علماء واکابر	عہدہ
۱	حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ	بانی وسرپرست
۲	حضرت حاجی سید عابد حسین دیوبندیؒ	بانی ومہتمم
۳	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	سرپرست
۴	حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ	شیخ الحدیث وصدر مدرس
۵	حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ	مہتمم دارالعلوم
۶	حضرت حاجی سید فضل حق صاحبؒ	مہتمم دارالعلوم، یکےاز بانیان
۷	حضرت مولانا محمد منیر صاحب نانوتویؒ	مہتمم دارالعلوم
۸	حضرت مولانا سید احمد صاحب دہلویؒ	شیخ الحدیث وصدر مدرس
۹	شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ	سرپرست وشیخ الحدیث وصدر مدرس
۱۰	حضرت مولانا عبدالرحیم رائے پوریؒ	سرپرست

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

۱۲۴۸-۱۲۹۷ھ/۱۸۳۳-۱۸۸۰ء

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، دارالعلوم دیوبند کے اولین سرپرست، بانی ومفکراور جماعت علمائے دیوبند کے سرخیل تھے۔آپ ولی اللّٰہی خوان علم کے آخری خوشہ چینوں میں سے تھے۔ علوم عقلیہ و نقلیہ کے ماہر، ہندوستان کے چنیدہ اکابر علماء کے استاذ اور مربی تھے۔ جہاد آزادی کے ایک سرفروش قائد ہونے کے ساتھ ایک کامیاب مناظر ومبلغ کے طور پر انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کے دفاع کا حق ادا کر دیا۔

ابتدائی حالات

نانوتہ ضلع سہارن پور میں شوال ۱۲۴۸ھ مطابق مارچ ۱۸۳۲ء میں آپ کی ولادت ہوئی جو سہارنپور کے نواح میں ایک قدیم مردم خیز قصبہ ہے۔آپ کے والد کا نام شیخ اسد علی تھا۔ابتدائی تعلیم وطن مالوف میں حاصل کی،مکتب کی تعلیم کے بعد دیوبند پہنچا دیے گئے، یہاں کچھ دنوں مولانا مہتاب علی صاحب کے مکتب میں پڑھا، پھر اپنے نانا مولوی وجیہہ الدین صاحب کے پاس سہارنپور چلے گئے جہاں عربی صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔

۱۲۵۹ھ مطابق ۱۸۴۳ء کے آخر میں آپ کو حضرت مولانا مملوک العلی نانوتویؒ اپنے ہمراہ دہلی لے گئے۔ وہاں آپ نے متوسطات وعلیا کے درجات کی اکثر کتابیں حضرت مولانا مملوک العلی نانوتویؒ سے پڑھیں۔ دہلی کالج میں بھی داخلہ لیا مگر سالانہ امتحان میں شرکت نہیں کی۔ آخر میں اس حلقۂ درس میں حاضر ہوئے جو علوم قرآن وحدیث میں سارے ہندوستان میں مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔حضرت شاہ ولی اللہؒ کی مسند علم پر حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ رونق افروز تھے،ان سے علم حدیث کی تحصیل کی۔

مزاج میں استغنا اور عجز وانکساری اس درجے کا تھا کہ علما کی مخصوص وضع ودستار وغیرہ کا کبھی استعمال نہیں کیا،تعظیم سے بہت گھبراتے تھے۔جن امور میں نمایاں ہونے کا موقع ہوتا ان سے عموماً دور رہتے تھے۔۱۲۷۷ھ مطابق ۱۸۶۰ء میں حج کے لیے تشریف لے گئے، واپسی کے بعد مطبع مجتبائی میرٹھ میں تصحیح

کتب کی ملازمت کرلی، ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۸ء تک اسی مطبع سے وابستہ رہے، اسی زمانے میں دوسری مرتبہ حج کے لیے جانا ہوا اور اس کے بعد مطبع ہاشمی میرٹھ سے تعلق ہوگیا، اس دوران میں درس وتدریس کا مشغلہ برابر جاری رہا مگر کسی مدرسہ کی ملازمت اختیار نہیں کی۔

حضرت نانوتویؒ نے حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت وارادت کی سعادت حاصل کی اور اپنی پرہیز گاری وتقوی اور حاجی صاحب کی توجہ کی بدولت سلوک ومعرفت کے بلند مقام پر پہنچے پھر خلافت سے نوازے گئے۔آپ کے کمال علمی، زہدوورع اور اخلاص وللّٰہیت کی بنا پر حاجی صاحب کے دل میں آپ کی بڑی قدر تھی۔

جنگ آزادی میں شرکت

حضرت نانوتویؒ نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں نہ صرف یہ کہ مردانہ وار حصہ لیا بلکہ حضرت حاجی امداداللہؒ کی امارت میں قائم ہونے والے نظام میں ان کو فوجی اصطلاح میں چیف کمانڈر کی ذمہ داریاں ملی تھیں۔آخرکاران مجاہدین نے شاملی ضلع مظفرنگر کی تحصیل فتح کرڈالی مگر اس وقت کے بگڑے ہوئے سیاسی حالات نے شاملی سے آگے بڑھنے کا موقع نہ دیا۔ برطانوی فوجوں کے مقابلے میں ہندوستانی انقلابیوں کی عمومی ناکامی کے بعد آپ کے خلاف گرفتاری کا وارنٹ بھی جاری ہوا۔ جنگ آزادی میں حضرت نانوتویؒ اوران کے رفقاء کے عظیم کارنامے تاریخ ہند کا روشن باب ہیں۔ان حضرات نے ہندوستانیوں کے دلوں میں آزادی کی شمع روشن کی اور انگریزوں کے تسلط سے ہندوستان کو آزاد کرنے کے لیے ٹھوس لائحۂ عمل تیار کیا۔ بعد میں آپ کے شاگردوں خصوصاً حضرت شیخ الہندؒ اوران کے تلامذہ نے انھیں حضرات کے نقشِ قدم پر چل کر انگریزوں کو اس ملک سے نکال کر ہی دم لیا۔

احیائے سنت کی تحریک

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ نے اس وقت مسلم معاشرہ میں جڑ پکڑنے والی بہت سی بدعات ورسوم کے خلاف کامیاب تبلیغی واصلاحی کوششیں کیں۔نکاح بیوگان، تعزیہ داری کا صفایا اور اہل دیوبند سے ترک رسوم وبدعات پر تحریری معاہدہ اسی سلسلہ کی سنہری کڑیاں ہیں۔عقد بیوگان کی ترویج بھی ان کا ایک عظیم الشان معاشرتی اور اصلاحی کارنامہ ہے، تیرھویں صدی کے آخر تک عقد بیوگان بہت معیوب سمجھا جاتا تھا۔مگر اس کو ختم کرنے کی کسی میں ہمت نہ تھی، سید احمد شہیدؒ، مولانا مملوک العلی نانوتویؒ، مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ، مولانا محمد احسن نانوتویؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی مساعی جمیلہ سے عقد بیوگان کو خوب

بڑھا واملا، حضرت نانوتویؒ نے اپنی بیوہ بہن کو جو عمر میں ان سے بہت بڑی تھیں اور بوڑھی ہو چکی تھیں نکاح پر آمادہ کر کے اس قبیح رسم کو اس طرح توڑا کہ اب کوئی یہ بھی نہیں جانتا کہ یہاں کبھی یہ رسم موجود بھی تھی۔

برصغیر میں ہندو مسلم آبادی کے اختلاط کے باعث لڑکیوں کو وراثت سے محروم کرنے کا چلن بھی عام ہو گیا تھا۔ حضرت نانوتویؒ نے احیاء سنت کے لیے کوشش کرتے ہوئے اہل اسلام کو اس طرف بھی متوجہ کیا اور ان کو اس کے مفاسد سمجھائے۔ آپ کے طرز عمل اور کوششوں سے مظفر نگر اور سہارنپور وغیرہ کے علاقے اس عمل بد سے پاک ہوئے، لوگوں میں لڑکیوں کے حق وراثت کے تعلق سے شعور بیدار ہوا۔ بدعات ورسوم کی بیخ کنی، معاشرہ کی اصلاح، صنف نازک کو اس کا حق دلانے کے سلسلے میں آپ کی مساعی سے اسلامی احکام کے نفاذ کے لیے آپ کی دھن اور تڑپ کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

دیوبند کی اکثر آبادی سنی مسلمانوں پر مشتمل تھی مگر وہاں اچھے اچھے گھرانوں میں شیعی اور تفضیلی اثرات موجود تھے اور سنی مسلمانوں کا ایک خاصا طبقہ شیعی رسوم ورواج اور تعزیہ داری میں مبتلا تھا۔ دیوبند کی مشہور 'محل مسجد' میں تعزیہ رکھا جاتا تھا، محرم کے مہینہ میں اٹھتا تھا، تو اس کے اٹھانے والے اکثر سنی مسلمان ہی ہوتے تھے، گرچہ کچھ شیعی گھرانے بھی شامل ہوتے تھے، حضرت نانوتویؒ کی کوشش سے اس رسم پر بھی بند لگا۔

مغل حکومت کے آخری دور میں بارہہ کے جن سادات نے بادشاہ گر ہونے کی حیثیت حاصل کر لی تھی ان میں سے بعض مظفر نگر اور سہارنپور کے اطراف وجوانب کے رہنے والے تھے ان لوگوں نے اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے مغل دور میں اور بعد کے ادوار میں شیعیت کو خوب رواج دیا یہ حضرات شیعیت میں غالی بھی تھے۔ حضرت نانوتوی علیہ الرحمۃ نے ان بستیوں کے متعلق کوششیں کیں لہٰذا ان سادات بارہہ میں خانجہاں پور، رتھیڑی، منصور پور کے خاندان حضرت کے ہاتھوں پر تائب ہو گئے اور اس قدر گرویدہ ہوئے کہ پھر تو آپ کے ہر مشن کے ساتھی اور ہر تحریک کے رفیق بن گئے۔

حضرت نانوتوی علیہ الرحمہ نے رسوم وبدعات کی بیخ کنی کرنے اور مسلمانوں کو راہ مستقیم پر گامزن کرنے کے لیے وعظ وتقریر کے ساتھ ساتھ عملی قدم اٹھاتے ہوئے دیوبند کے مسلمانوں سے رسوم وبدعات کے ترک پر ایک تحریری معاہدہ لیا تھا جس میں برائیوں اور بدعات ورسوم کو بالترتیب ذکر کیا گیا تھا۔ اور پھر یہ صرف کاغذی راضی نامہ نہیں بن کر رہ گیا، بلکہ یہ اتنا مؤثر ثابت ہوا کہ شادی بیاہ میں رسم ورواج کی ادائیگی اور فضول خرچی موقوف ہو گئی، موت کے بعد کیے جانے والے رسوم سوم وچہلم موقوف ہو گئے، میت کو ایصال ثواب کا طریقہ شرع کے موافق ہو گیا، اس طرح اور بھی متعدد رسوم وبدعات پر بند لگ گیا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: سوانح قاسمی، مولانا مناظر احسن گیلانی، جلد دوم، ص ۱۵ تا ۶۷)

حضرت نانوتوی علیہ الرحمۃ نے اپنے مختلف رسائل اور طویل خطوط میں شیعیت اور غیر مقلدیت سے متعلق اہم امور کا بلیغ انداز میں رد بھی لکھا ہے۔ اس طرح آپ نے تحریر وتقریر ہر دو طریقے سے دینِ اسلام کی حفاظت واشاعت کا کامیاب فریضہ انجام دیا۔

عیسائی پادریوں سے مناظرہ

ہندوستان پر اپنے تسلط کو پائیدار اور لازوال بنانے کے لیے انگریزوں نے پورے ملک میں مشنریوں کا جال پھیلا دیا تھا اور خصوصاً دہلی واطراف کے مسلمان ان کا نشانہ تھے۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور دیگر علماء ومخلصین اسلام نے عیسائیت کا کامیاب تعاقب کیا اور ہندوستان کو عیسائی بنانے کی برطانوی کوشش کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ حضرت نانوتویؒ نے بھی اس عظیم تحریک میں حصہ لیا۔ حضرت نانوتویؒ کے قیامِ دہلی کے زمانے میں جب وہاں پادریوں نے پیر پھیلانے شروع کر دیے تھے، وہ کھلم کھلا اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراضات کرتے اور کوئی بھی ان کے جواب کی ہمت نہ کرتا ۔حضرت نانوتویؒ نے اپنے شاگردوں کو وعظ کہنے کا مکلّف کیا اور کہا کہ جہاں پر وہ وعظ کہیں تم لوگ بھی وعظ کہو۔ ایک بار اس طرح مباحثہ کی صورت پیدا ہوگئی، آپ معمولی لباس میں عیسائیوں کے پادری تاراچندر کے پاس پہنچے اور چند باتوں میں اس کو اس طرح گھیرا کہ اس کی زبان نہ کھل سکی اور اس کو سر بازار شکست ورسوائی ہوئی۔ اس کے بعد ان کا تعارف مشہور مناظر اسلام مولانا ابوالمنصور ناصرالدین علی دہلویؒ (متوفی ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء) سے ہوا اور دونوں میں علمی تعلق قائم رہا۔ (سوانحِ قاسمی، جلد دوم، ص ۳۵۸)

میلہ خداشناسی شاہجہاں پور

انگریزی حکومت نے ایک خطرناک سازش یہ کی کہ ہندوؤں کو مسلمانوں کے مقابلے میں لا کھڑا کیا، ہندوستان میں مسلمانوں کو سیاسی اہمیت حاصل تھی، انگریزوں نے اپنی پالیسی کے تحت ہندوؤں کو بڑھایا اور مسلمانوں کو گھٹایا۔ جب معاشی وسیاسی میدان میں ہندو آگے بڑھ گئے تو ان کو مذہبی برتری کی راہ سُجھائی اور ہندوؤں کو مسلمانوں کے مقابلے میں مناظرہ کے لیے تیار کیا اور اس کے مواقع بھی بہم پہنچائے گئے تاکہ ہندو مسلمانوں سے کھلے عام مناظرے کریں۔ شاہجہاں پور (یوپی) کے قریب چاند پور گاؤں میں وہاں کے زمیندار پیارے لال کبیر پنتھی پادری نولس کی سربراہی اور رابرٹ جارج کلکٹر شاہجہاں پور کی تائید واجازت سے ۸/مئی ۱۸۷۶ء کو ایک میلہ خداشناسی منعقد ہوا جس میں عیسائی، ہندو اور مسلمان؛ تینوں

مذاہب کے نمائندوں کو بذریعہ اشتہار دعوت دی گئی کہ وہ اپنے اپنے مذاہب کی حقانیت کو ثابت کریں۔
مسلمانوں کی ترجمانی کے لیے حضرت نانوتوی تشریف لے گئے، ۸/مئی ۱۸۷۶ء کو میلہ خدا شناسی منعقد ہوا جب مباحثہ شروع ہوا، تو ہندوؤں کے ترجمان لالہ جی نے کمال ہوشیاری سے نہایت مہمل اور بے معنی بات کے ذریعہ خود کو مباحثہ سے الگ کر لیا اب اصل مباحثہ عیسائیوں اور مسلمانوں کے مابین رہا۔ عیسائیوں کی جانب سے پادری نولس اور دیگر انگلستانی پادری بھی تھے۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرت نانوتویؒ کے حکم سے حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ اور مولانا سید ابوالمنصور تھے۔ اول روز یہ حضرات پادری کے اعتراضات کے جوابات دیتے رہے مگر دوسرے دن حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے حصہ لیا اور اسلام کی حقانیت اور ابطال تثلیث و شرک پر ایسے زبردست دلائل پیش کیے کہ مجمع داد تحسین دیے بغیر نہ رہ سکا اس طرح آپ کی وجہ سے اسلام کی حقانیت آشکارا ہوئی۔ (سوانح قاسمی جلد دوم ص/۳۸۲؛ قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ احوال و آثار ص/۲۱۰)

دوسرے سال مارچ ۱۸۷۷ء مطابق ۱۲۹۴ھ میں منشی اندرمل مرادآبادی اور آریہ سماج کے بانی پنڈت دیانند سرسوتی بھی ایک فریق کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ حضرت نانوتوی نے دنیا کے دو بڑے مذاہب عیسائیت اور ہندو مذہب کے ماننے والوں کو ایک ساتھ مخاطب بنانے اور دین صحیح کا پیغام ان تک پہنچانے کے اس اہم موقع کو غنیمت جانتے ہوئے پہلے تو اچھی طرح بات پیش کرنے کی نیت سے اضافی وقت حاصل کرنے کی کوشش کی جب اس میں کامیابی نہ ملی تو جس طرح بھی بن پڑے پیغام حق پہنچانے کا عزم کیا۔ انتظامیہ کمیٹی کی طرف سے یہ طے پایا تھا کہ پہلی تقریر پنڈت جی کی ہوگی مگر موقع پر پنڈت نے پہلو تہی کی، حضرت نانوتویؒ نے بحث وجود اور توحید اور تحریف انجیل پر تقریر فرمائی اور اعتراضات و جوابات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ آپ کی تقریر پر ایک یوروپین پادری کا تبصرہ یہ ہے کہ مجھے بہت سے جلسوں میں شرکت کا اتفاق ہوا بہت سے علمائے اسلام سے گفتگو کی، مگر نہ ایسی تقریر سنی اور نہ ایسا عالم دیکھا، ایک دبلا پتلا آدمی، میلے کپڑے، یہ بھی نہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی عالم ہے ہم تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ حق کہتے تھے لیکن اگر تقریر پر ایمان لایا کرتے تو اس شخص کی تقریر پر ایمان لے آتے (سوانح قاسمی ۲ص/۴۲۵)

حضرت نانوتویؒ نے میلہ خدا شناسی میں دونوں سال شریک ہو کر اسلام کے خلاف سازش کو ناکام بنا دیا۔

مناظرہ رڑکی و میرٹھ

ربیع الاوّل ۱۲۹۵ھ میں حج سے واپسی کے وقت جدّہ میں حضرت نانوتویؒ کی طبیعت خراب ہوگئی،

وطن آکر طبیعت کسی قدر سنبھل گئی، مگر مرض رفع نہ ہوا، اسی سال شعبان ۱۲۹۵ھ میں رڑکی سے اطلاع ملی کہ آریہ سماج کے بانی پنڈت دیانند سرسوتی نے مسلمانوں کے مذہب پر اعتراض کرنے شروع کردیے ہیں جس کی وجہ سے مسلمانوں میں بے چینی اور غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ رڑکی کے ذمہ داروں نے مولانا سے تشریف لانے کی گذارش کی، حضرت نانوتویؒ خرابیٔ صحت کے باعث اپنے تلامذہ حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود حسن دیوبندیؒ مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ اور مولانا عبد العدلؒ کو پنڈت جی سے بات کرنے کے لیے بھیجا مگر پنڈت جی کسی قیمت پر ان سے بات کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ بالآخر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اسی علالت کے عالم میں رڑکی پہنچے اور پنڈت جی سے مراسلت کی، ہزار حیلے بہانے کرنے کے بعد پنڈت جی نے راہ فرار اختیار کی، آپ نے اپنے شاگردوں سے شہر کے مختلف علاقوں میں وعظ کہنے اور آریہ سماج کی حقیقت کھولنے کو کہا اور آخر کے تین دن آپ نے بھی بیان فرمایا، جس میں حضرت نانوتویؒ نے ان کے اعتراضات کے جوابات دیے اور ایسے دلائل پیش کیے کہ غیر مسلم بھی حیرت میں رہ گئے۔

اس کے بعد پنڈت جی میرٹھ پہنچے، انہوں نے وہاں بھی وہی انداز اختیار کیا، مسلمانان میرٹھ کی درخواست پر حضرت نانوتویؒ میرٹھ تشریف لے گئے پنڈت جی نے وہاں بھی گفتگو کرنا منظور نہ کیا، مجبوراً حضرت نانوتویؒ نے میرٹھ کے جلسۂ عام میں اپنی پرزور تقریر کے ذریعے سے اعتراضات کے جواب دیئے۔ اس طرح حضرت نانوتوی اور ان کے شاگردوں کی پامردی اور اولوالعزمی کی بنا پر آریہ فتنہ دب گیا اور اسلام کا پہلو واضح ہوا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: سوانحِ قاسمی، جلد دوم، ص ۴۸۷ تا ۵۱۲)

دارالعلوم دیوبند اور دینی تعلیمی تحریک کا قیام

حضرت نانوتوی علیہ الرحمہ کی زندگی کا سب سے اہم کارنامہ برصغیر میں علوم اسلامیہ کے احیاء کے لیے تعلیمی تحریک کا آغاز ہے۔ برطانوی ہندوستان میں حکومتِ وقت نے جب عیسائی تعلیمی نظام کو رائج کرنا چاہا اس ماحول میں حضرت نانوتویؒ نے ایک ایسے نظام تعلیم وتربیت کی تحریک چلائی، جس کے ذریعہ سے ان کا مقصد ایسی نسل تیار کرنا تھا جو فکر ونظر اور عقل وشعور کے اعتبار سے کامل مسلمان ہو اور مسلمانوں کے دینی، تہذیبی اور علمی سرمایہ کی پاسبانی کرسکے۔ اسی فکر کے تحت دیگر اکابر علماء ومشائخ تعاون سے 'دارالعلوم' کی بنیاد ڈالی گئی۔ حضرت نانوتویؒ اس ادارہ کی سرپرستی ونگرانی فرماتے ہوئے ہر طرح سے اس کی تعمیر وترقی کے لیے کوشاں رہے؛ چنانچہ جلد ہی یہ ادارہ بام عروج پر پہنچ گیا۔ دارالعلوم کے قیام میں جو جماعت شریک تھی، ان میں حضرت نانوتویؒ کی شخصیت سب سے نمایاں تھی اور انھیں کے فکری منہج کے مطابق دارالعلوم کا ارتقا ہوا۔

حضرت نانوتویؒ نے مدرسۂ دیوبند کی شکل میں برپا ہونے والی اس دینی تعلیمی کی تحریک کو منظّم، دیرپا اور مؤثر تر بنانے کے لیے ایک دستورالعمل تحریر فرمایا جس میں انھوں نے دارالعلوم دیوبند اور اس کے منہاج پر جاری دیگر مدارس دینیہ کے لیے کچھ اصول وضع کیے۔ یہی اصول دارالعلوم دیوبند ہی نہیں بلکہ برصغیر کے تمام اسلامی مدارس کے لیے رہنما اصول یا دستورِ اساسی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حضرت نانوتویؒ نے اپنی ایمانی فراست سے چھینے ہوئے اقتدار کا نعم البدل تعلیمی راہ سے حریت فکر کی بقاء وارتقاء کو قرار دیا۔ اس سلسلہ میں دیوبند کے مدرسے کے قیام اور اس کے باقاعدہ عمدہ انتظام کے ساتھ اس مقصد کی اہمیت کے پیش نظر ملک گیر پیمانے پر مدارس قائم کرنا شروع کیا اور بہ نفس نفیس خود جاکر مرادآباد، گلاؤٹھی، امروہہ اور مظفرنگر میں مدارس قائم کیے۔ حضرت نانوتویؒ نے جابجا اپنے متوسلین کو زبانی اور خطوط کے ذریعہ قیام مدارس کی ہدایت فرمائی۔ چناں چہ بہت سے مدارس حضرت کی زندگی ہی میں قائم ہوگئے تھے۔ بریلی میں حضرت نانوتویؒ نے بریلی کے اکابر وعمائد کے مشورہ سے مصباح التہذیب کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ اسی طرح میرٹھ میں آپ نے مدرسۂ اسلامی کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ آپ کی سرپرستی میں قائم ہونے والے مدارس میں مرادآباد کا مدرسہ شاہی، امروہہ کا مدرسہ جامع مسجد آج بھی قائم ہیں اور اہم علمی ودینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

قیامِ دارالعلوم کے بعد اسی طرز پر مدارس کے قیام کا سلسلہ شروع ہوگیا اور دیکھتے ہی دیکھتے برصغیر سے باہر تک یہ سلسلہ پھیل گیا۔ اس وقت ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش کے ساتھ ساتھ افغانستان، وسط ایشیا، انڈونیشیا، ملیشیا، برما، تبت، سیلون اور مشرقی وجنوبی افریقہ، یورپ، امریکہ وآسٹریلیا کے ممالک میں دارالعلوم کے طرز کے مدارس قائم ہیں اور حضرت نانوتویؒ کے مقرر کردہ اصول کی روشنی میں سرگرم عمل ہیں۔ دارالعلوم اور دیگر مدارس نہ صرف انھیں اصولوں پر قائم ہیں بلکہ ان پر کاربند رہنے کو اپنی کامیابی کی ضمانت سمجھتے ہیں۔

مسند درس پر

تحصیل علم سے فراغت کے بعد پہلے کچھ دنوں تک مدرسہ دارالبقاء دہلی میں پڑھایا۔ اس مدرسہ کو شاہجہاں بادشاہ نے جامع مسجد دہلی کے ساتھ مسجد سے داہنی سمت میں تعمیر کرایا تھا اور ۱۸۵۷ء میں ہی انگریزوں نے اسے منہدم کردیا تھا۔ (قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ احوال وآثارص/۱۸۶)

پھر حضرت نانوتویؒ نے ذریعۂ معاش کے لیے مطبع احمدی دہلی میں تصحیح کتب کا کام اختیار فرمایا اور پھر

آخر تک میرٹھ کے مطبع مجتبائی اور مطبع ہاشمی میں یہی ذریعۂ معاش رہا۔ تصحیح کتب کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ بھی ہمیشہ جاری رہا، لیکن کسی مدرسہ کی ملازمت نہیں اختیار کی۔ صحاح ستہ کے علاوہ مثنوی مولانا رومؒ اور دوسری کتابیں بھی پڑھاتے تھے، مگر درس کسی مدرسہ کے بجائے مطابع کی چہار دیواری، مسجد یا مکان پر ہوتا، جہاں خاص خاص تلامذہ زانوئے ادب تہ کرتے تھے۔

۱۸۵۷ء کے بعد روپوشی کے زمانے میں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کو بخاری شریف کا کچھ حصہ پڑھایا۔ اس کے بعد جب آپ میرٹھ میں مطبع سے وابستہ ہوئے تو ایک جماعت کو جس میں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ بھی شریک تھے مسلم شریف کا درس دیا۔ اسی دوران مثنوی مولانا روم کا درس بھی دیتے تھے۔ (ایضاً، ص ۲۰۶)

پھر جب دارالعلوم دیوبند کا اجراء ہوا اور آپ دیوبند منتقل ہوئے تو مخصوص طور پر فلسفہ و ہیئت اور حدیث شریف کی متعدد کتابوں کا درس دیتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے قیام سے قبل اور بعد میں بہت سے طالبانِ علومِ دینیہ نے آپ سے علمی فیض حاصل کیا جن میں مشاہیر علمائے کرام شامل ہیں، مثلاً حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ، حضرت مولانا احمد حسن امروہویؒ، حضرت مولانا رحیم اللہ بجنوریؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ لائق و فائق تلامذہ کے واسطے سے حضرت کا علمی فیضان خوب جاری ہوا۔

علوم عربیہ کی تعلیم و تعلم، مدارس اور جماعت بندی وغیرہ کا جو طریقہ آج مروج ومتداول ہے، علمائے سلف کا طریقہ اس سے مختلف تھا، عام طور پر علما اپنے مکانوں اور مساجد میں بیٹھ کر بطور خود لوجہ اللہ تعلیم دیتے تھے، حصول معیشت کے لیے تجارتی کاروبار کرتے یا متوکلانہ زندگی گزارتے تھے، حضرت نانوتویؒ نے حالات کی سخت نامساعدت کے باوجود سلف کی اس متاع عزیز کو جس ہمت و استقلال اور استغنائے قلب کے ساتھ برقرار رکھا وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔

درس حدیث کا طریقہ

درس حدیث میں حنفیہ کے اثبات وترجیح کا وہ طریقہ اور تنقیحات وتشریحات کا وہ انداز جو آج دارالعلوم دیوبند کا طرۂ امتیاز ہے اور کم وبیش مدارس عربیہ کے درس حدیث میں مروج ومتداول ہے، اسے فروغ دینے میں حضرت نانوتویؒ کا بڑا حصہ ہے، تیرھویں صدی ہجری کے وسط تک درس حدیث میں صرف حدیث کا ترجمہ اور مذاہب اربعہ کا بیان کر دینا کافی سمجھا جاتا تھا، مگر جب غیر مقلدین کی جانب سے احناف پر شد

ومد کے ساتھ یہ الزام لگایا جانے لگا کہ ان کا مذہب حدیث کے مطابق نہیں ہے تو حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ اور ان کے بعض تلامذہ نے مذہب حنفی کے اثبات وترجیح پر توجہ فرمائی، دارالعلوم میں حضرت نانوتویؒ، حضرت شیخ الہندؒ اور دوسرے حضرات نے اس کو یہاں تک فروغ دیا کہ آج حدیث کی کوئی معروف درس گاہ اس سے خالی نظر نہیں آتی۔

حضرت نانوتویؒ کے درس سے کما حقہ استفادہ صرف وہی طلبہ کر سکتے تھے جو خود ذی استعداد اور ذہین و ذکی ہوں، نیز پہلے سے کتاب کا بغور مطالعہ کر چکے ہوں، حضرت نانوتویؒ کی ذہانت وذکاوت و بالغ نظری اور قوت استدلال کا فی الجملہ اندازہ ان کی تصانیف سے کیا جا سکتا ہے، ان کا یہ قول تھا کہ کتاب وسنت کے تمام احکام سراسر عقلی ہیں، البتہ ہر شخص کے عقل کی وہاں تک رسائی نہیں ہوسکتی، حکیم منصور علی خاں مرادآبادیؒ جو حضرت نانوتویؒ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، اپنی تصنیف مذہب منصور میں حضرت کے درس وتقریر کی خصوصیات کے ذیل میں لکھتے ہیں:

> ”حقیقت یہ ہے کہ حضرت نانوتویؒ جب کسی اہم اور مشکل مسئلہ کو جمہور کے تصورات کے خلاف ثابت فرماتے تو بڑے بڑے ارباب علم وفضل حیران اور انگشت بدنداں رہ جاتے تھے، جو حکم ظاہر میں قطعاً بے دلیل و برہان معلوم ہوتا وہ تقریر کے بعد عقل کے عین مطابق معلوم ہونے لگتا تھا، آپ کے پیش کردہ دلائل کے خلاف بڑے بڑے ارباب علم وفضل کو جرأت نہ ہوتی تھی۔“ (مذہب منصور جلد دوم ص ۱۷۸)

تحشیۂ صحیح بخاری

تحصیل علم سے فراغت کے بعد حضرت نانوتویؒ نے کم عمری ہی میں حضرت مولانا احمد علیؒ کی فرمائش پر صحیح بخاری کے آخری چند سیپاروں کا حاشیہ تحریر فرمایا، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ لکھتے ہیں:

> ”جناب مولوی احمد علی صاحب سہارنپوریؒ نے تحشیہ اور تصحیح بخاری شریف کے جو پانچ چھ سیپارے آخر کے باقی تھے، مولوی صاحب کے سپرد کیا، مولوی صاحب نے اس کو ایسا لکھا ہے کہ اب دیکھنے والے دیکھیں کہ اس سے بہتر اور کیا ہوسکتا ہے، اس زمانے میں بعض لوگوں نے جو کہ مولوی صاحب کے کمال سے آگاہ نہ تھے، جناب مولوی احمد علی صاحبؒ کو بطور اعتراض کہا تھا کہ آپ نے یہ کیا کام کیا، آخری کتاب کو اس ایک نئے آدمی کے سپرد کیا، اس پر مولوی احمد علی صاحب نے فرمایا تھا کہ میں ایسا نادان نہیں ہوں کہ بغیر سمجھے بوجھے ایسا کروں اور پھر مولوی صاحبؒ کا تحشیہ دکھلایا، جب لوگوں نے جانا اور وہ جگہ بخاری میں سب جگہ سے مشکل ہے علی الخصوص تائید مذہبِ حنفیہ کا، جو اول سے التزام ہے اور اس جگہ جہاں امام بخاری نے اعتراض مذہب حنفیہ پر کئے ہیں ان کے جواب لکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کتنے مشکل ہیں، اب جس کا جی چاہے اس جگہ کو دیکھ لے اور سمجھ لے کہ کیسا حاشیہ لکھا ہے، اور اس حاشیہ میں یہ بھی التزام تھا کہ کوئی بات بے سند اور کتاب کے بغیر

محض اپنے فہم سے نہ لکھی جائے۔ (حالات جناب طیب مولوی محمد قاسم، حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ، بحوالہ سوانح قاسمی، ص ۳۰-۲۹، مکتبہ دارالعلوم دیوبند)

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ نے مبہم طور پر بائیس تیئس سال کی عمر بتائی ہے۔ جو لوگ حضرت نانوتویؒ کی عبقریت سے واقف نہ تھے ان کو صحیح بخاری کی تصحیح وتحشیہ جیسا مہتم بالشان علمی کام ایک نوعمر کے سپرد کئے جانے پر تعجب ہونا ہی چاہئے تھا۔ مگر حضرت مولانا احمد علیؒ جیسے بالغ نظر نے اپنے شاگرد کی غیر معمولی ذہانت وذکاوت اور تبحر علمی کو کما حقہ پہچان لیا تھا۔

دیگر تصانیف

حضرت نانوتویؒ کی دو درجن سے زیادہ تصانیف ان کی یادگار ہیں، انہوں نے اپنے زمانے میں ان مسائل پر قلم اٹھایا ہے جو اس وقت زیادہ تر زیر بحث تھے۔ ۱۸۵۷ء اور مابعد کے طوفانی اور بلاخیز دور میں حضرت نانوتویؒ نے اپنی تحریروں میں ان مسائل پر قلم اٹھایا ہے جن کا اس زمانہ کے مسلمانوں کو سب سے زیادہ سامنا ہوا۔ آپ نے عیسائی پادریوں اور ہندو پنڈتوں کے مقابلہ میں اسلام کی ترجمانی کا حق ادا کردیا۔ نیز، اسلامی عقیدہ وعمل کے بے شمار موضوعات پر اپنے البیلے اور معقولی انداز تحریر سے اسلامیان ہند کو ایسا علمی لٹریچر فراہم کیا جس سے ابھی تک اس کا دامن خالی تھا۔ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی موجود ومطبوعہ تصانیف کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) قبلہ نما (۲) آب حیات (۳) جواب ترکی بہ ترکی (۴) حجۃ الاسلام (۵) ہدیۃ الشیعہ (۶) تقریر دلپذیر (۷) تحذیر الناس (۸) لطائفِ قاسمی (۹) فیوض قاسمیہ (۱۰) جمال قاسمی (۱۱) مکتوبات قاسمیہ (۱۲) تصفیۃ العقائد (۱۳) تحفۂ لحمیہ (۱۴) اسرار قرآنی (۱۵) الحق الصریح (۱۶) توثیق الکلام فی الانصات خلف الامام (۱۷) انتصار الاسلام (۱۸) الاجوبۃ الکاملۃ فی الاسولۃ الخاملۃ (۱۹) الدلیل المحکم علی عدم قرأۃ الفاتحۃ للموٗتم (۲۰) گفتگوئے مذہبی معروف بہ روداد میلہ خداشناسی

وفات

حضرت نانوتویؒ نے ۴۹ر سال کی عمر میں ۴ر جمادی الاولی ۱۲۹۷ھ/ ۱۵راپریل ۱۸۸۰ء کو پنجشنبہ کے دن وفات پائی۔ دارالعلوم کے شمالی جانب آپ کا مزار ہے۔ یہ جگہ آپ کی طرف منسوب ہوکر قبرستان قاسمی کہلاتی ہے۔

حضرت مولانا کے نامور ہم عصر سرسید احمد خان مرحوم نے آپ کے انتقال کے موقع پر اپنے تاثرات کا ان الفاظ میں اظہار کیا تھا:

''لوگوں کا خیال تھا کہ بعد جناب مولوی محمد اسحاق صاحب کے کوئی شخص ان کی مثل ان تمام صفات میں پیدا ہونے والا نہیں، مگر مولوی محمد قاسم صاحبؒ نے اپنی نیکی، دینداری، تقویٰ، ورع اور مسکینی سے ثابت کر دیا کہ مولوی محمد اسحٰق صاحب کی مثل اور شخص کو بھی خدا نے پیدا کیا ہے، بلکہ چند باتوں میں ان سے زیادہ۔ بہت لوگ زندہ ہیں جنھوں نے مولوی محمد قاسم صاحب کو نہایت کم عمری میں دلّی میں تعلیم پاتے دیکھا ہے، انھوں نے جناب مولوی مملوک العلی صاحب مرحوم سے تمام کتابیں پڑھی تھیں، ابتدا ہی سے آثار تقویٰ و ورع اور نیک بختی و خدا پرستی ان کے اوضاع واطوار سے نمایاں تھے اور یہ شعر ان کے حق میں بالکل صادق تھا:

بالائے سرش ز ہوشمندی ☆ می تافت ستارۂ بلندی

زمانۂ تحصیل علم میں جیسے وہ ذہانت اور عالی دماغی اور فہم وفراست میں معروف ومشہور تھے ویسے ہی نیکی اور خداپرستی میں بھی زبان زد اہل فضل وکمال تھے، ان کو جناب مولوی مظفر حسین صاحبؒ کی صحبت نے اتباعِ سنت پر بہت زیادہ راغب کر دیا تھا اور حاجی امداد اللہؒ کے فیض صحبت نے ان کے دل کو ایک نہایت اعلیٰ رتبہ کا دل بنا دیا تھا۔ خود بھی پابند شریعت وسنت تھے اور لوگوں کو بھی پابند شریعت وسنت کرنے میں زائد از حد کوشش کرتے تھے، بایں ہمہ عام مسلمانوں کی بھلائی کا خیال تھا۔ انہی کی کوشش سے علوم دینیہ کی تعلیم کے لیے نہایت مفید مدرسہ دیوبند میں قائم ہوا، اور ایک نہایت عمدہ مسجد بنائی گئی، علاوہ اس کے چند مقامات میں بھی ان کی سعی اور کوشش سے اسلامی مدرسے قائم ہیں، وہ کچھ خواہش پیر ومرشد بننے کی نہیں کرتے تھے لیکن ہندوستان میں اور خصوصاً اضلاع شمال ومغرب میں ہزارہا آدمی ان کے معتقد تھے اور ان کو اپنا پیشوا اور مقتدا جانتے تھے۔ مسائل خلافیہ میں بعض لوگ ان سے ناراض تھے اور بعضوں سے وہ ناراض تھے، مگر جہاں تک ہماری سمجھ ہے ہم مولوی محمد قاسم صاحب کے کسی فعل کو خواہ کسی سے ناراضی کا ہو، خواہ کسی سے خوشی کا ہو، کسی طرح ہوائے نفسانی یا ضد اور عداوت پر محمول نہیں کر سکتے، ان کے تمام کام اور افعال جس قدر کے تھے بلاشبہ للّٰہیت اور ثواب آخرت کی نظر سے تھے اور جس بات کو وہ حق اور سچ سمجھتے تھے اس کی پیروی کرتے تھے، ان کا کسی سے ناراض ہونا صرف اور صرف خدا کے واسطے تھا اور کسی سے خوش ہونا بھی صرف خدا کے واسطے تھا، کسی شخص کو مولوی قاسمؒ اپنے ذاتی تعلقات کے سبب اچھا یا برا نہیں جانتے تھے، بلکہ صرف اس خیال سے کہ وہ برے کام کرتا ہے یا بری بات کہتا ہے، خدا کے واسطے جانتے تھے، مسئلہ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کا خاص ان کے برتاؤ میں تھا، ان کی تمام خصلتیں فرشتوں کی سی تھیں، ہم سب دل سے ان کے ساتھ محبت رکھتے تھے اور ایسا شخص جس نے ایسی نیکی سے اپنی زندگی بسر کی ہو بلاشبہ نہایت محبت کے لائق ہے۔

اس زمانے میں سب لوگ تسلیم کرتے ہیں اور شاید وہ لوگ بھی جو ان سے بعض مسائل میں اختلاف کرتے تھے تسلیم کرتے ہوں گے مولوی محمد قاسم اس دنیا میں بے مثل تھے، ان کا پایہ اس زمانے میں شاید معلومات علمی میں شاہ عبد العزیزؒ سے کچھ کم ہو، اور تمام باتوں میں ان سے بڑھ کر تھا، مسکینی اور

نیکی اور سادہ مزاجی میں اگر ان کا پایہ مولوی محمد اسحٰق سے بڑھ کر نہ تھا تو کم بھی نہ تھا، درحقیقت فرشتہ سیرت اور ملکوتی خصلت کے شخص تھے اور ایسے شخص کے وجود سے زمانہ کا خالی ہو جانا ان لوگوں کے لیے جو ان کے بعد زندہ ہیں نہایت رنج اور افسوس کا باعث ہے''۔(علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۲۴/۴/۱۸۸۰؛ موجِ کوثر، شیخ محمد اکرام، ۶۸-۳۶۷)

متعلقہ کتب:

سوانح قاسمی، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

مولانا محمد قاسم نانوتوی: حیات اور کارنامے، مولانا نظام الدین اسیر ادروی

تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد اول، ص ۱۲۲-۱۰۲

حضرت حاجی سید عابد حسین دیوبندیؒ

۱۲۵۰-۱۳۳۱ھ/۱۸۳۴-۱۹۱۳ء

حاجی صاحبؒ دیوبند کے نہایت متقی، پرہیزگار اور صاحب اثر بزرگ تھے۔ دارالعلوم کے سرگرم بانیوں میں تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے منصب اہتمام پر سب سے پہلے آپ ہی فائز ہوئے۔ آپ طریقہ چشتیہ صابریہ کے ایک معروف صاحب سلسلہ بزرگ اور زہد و ریاضت کا پیکر تھے۔ حضرت حاجی صاحب کا حلقۂ اثر دیوبند اور اطراف وجوانب میں بہت وسیع تھا۔ آپ کا نسبی تعلق سادات رضویہ سے ہے۔

قرآن شریف اور فارسی پڑھ کر علوم دینیہ کی تعلیم دہلی میں حاصل کی۔ تصوف میں حضرت میاں جی کریم بخش صابریؒ (رام پور منیہاران) کے خلیفہ ومجاز تھے جن کو مولانا محمد حسن رام پوریؒ (متوفی ۱۲۷۹ھ) سے خلافت حاصل تھی۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بھی آپ کو شرف خلافت حاصل تھا۔

اوصاف وکمالات

حضرت حاجی صاحبؒ کا ۶۰/برس تک مسجد میں قیام رہا۔ مشہور ہے کہ ۳۰/سال تک آپ کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔ نماز تہجد کا ایسا التزام تھا کہ ۶۰/سال تک قضا کی نوبت نہیں آئی۔ صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ رشد و ہدایت اور تذکیر و تزکیۂ قلوب کے علاوہ آپ کو ''فن عملیات'' میں زبردست ملکہ حاصل تھا۔ مختلف النوع کاموں کی کثرت کے باوجود ضبط اوقات کا بے حد التزام تھا اور ہر کام ٹھیک اپنے وقت پر انجام پاتا تھا۔ اتباع سنت کا غایت اہتمام تھا، ان کا مقولہ ہے کہ ''بے عمل درویش ایسا ہے جیسے سپاہی بے ہتھیار، درویش کو چاہئے کہ اپنے آپ کو چھپانے کے لیے عمل ظاہر کردے''۔

ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ مریدین میں حاجی محمد انور دیوبندیؒ نے نفس کشی کے طور پر کھانا پینا قطعاً ترک کردیا ہے، آپ نے بتاکید ان کو لکھا کہ ''یہ امر سنت کے خلاف ہے، بطریق مسنون کھانا پینا ضرور چاہیے خواہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو''۔ (تذکرۃ العابدین، نذیر احمد دیوبندی، ص: ۶۷، مطبوعہ دہلی ۱۳۳۳ھ)

انوار قاسمی میں سوانح مخطوطہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

”حاجی صاحب دیوبند میں ایک ذی وجاہت، صاحب اثر، عابدوزاہد ہستی تھے، آپ کی بزرگی کا سکہ دیوبند کے ہر خورد وکلاں، مرد وعورت، بچے وبوڑھے کے دل پر تھا، ان کے روحانی فیض نے دیوبند اور اطراف وجوانب بلکہ دوسرے صوبوں کے لوگوں کے دلوں کو بھی مسخر کر رکھا تھا۔ عابدوزاہد ہونے کے ساتھ بہت بڑے عامل بھی تھے، آپ کے تعویذوں کا روحانی فیض بیماروں پر تریاق کا کام کرتا تھا، آپ کی صورت کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا۔ پابندیٔ وضع، استقلال طبع، اولوالعزمی، خوش تدبیری آپ کی مشہور ہے، باوجودیکہ دنیا کو ترک کر دیا ہے، مگر کوئی آپ سے مشورہ لیتا ہے تو اس میں ایسی اچھی رائے ہوتی ہے جیسے بڑے کسی ہوشیار دنیادار کی“۔ (انوار قاسمی جلد اول ص: ۳۵۰، ۳۵۱)

سوانح قاسمی میں لکھا ہے کہ ”اہل دیوبند کو آپ سے کمال درجے کی عقیدت ہے، آپ کی ذات فیض آیات سے خلائق کو بہت طرح کا نفع حاصل ہے۔ گھر، بار، زمین، باغ؛ جس قدر آپ کی ملک میں تھا سب کا سب راہ خدا میں دے کر محض خدا پر تکیہ کیے ہوئے تھے۔ (سوانح قاسمی جلد دوم ص: ۲۳۹، ۲۴۱)

اوقات ومعمولات کے ضبط ونظم کا بڑا اہتمام رکھتے تھے، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ فرمایا کرتے تھے کہ ”جاننے والا ہر وقت یہ بتا سکتا ہے کہ اس وقت حاجی صاحبؒ فلاں کام میں مشغول ہوں گے، اگر کوئی جا کر دیکھے تو اسی کام میں ان کو مشغول پائے گا“۔

اشرف السوانح میں حضرت تھانویؒ کا ایک ملفوظ نقل کیا گیا ہے کہ میں حاجی صاحبؒ کو بزرگ تو سمجھتا تھا مگر یہ خیال نہ تھا کہ وہ شیخ اور مربی بھی ہیں، لیکن اپنے ایک باطنی اشکال کے دوران ان کے جواب شافی سے مجھے معلوم ہوا کہ وہ کامل درجے کے شیخ اور مربی تھے۔ (اشرف السوانح جلد اول ص: ۱۵۰، ۱۴۸)

حضرت حاجی صاحب اور قیام دارالعلوم

دارالعلوم دیوبند کے لیے عوامی چندے کی تحریک کا آغاز آپ ہی نے فرمایا تھا۔ حاجی فضل حقؒ نے حضرت نانوتویؒ کی سوانح مخطوطہ میں دارالعلوم کے لیے چندہ کا طریقہ اختیار کرنے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: ”ایک دن بوقت اشراق حضرت حاجی سید عابد حسینؒ سفید رومال کی جھولی بنا کر اور اس میں تین روپے اپنے پاس سے ڈال کر چھتہ مسجد سے تن تنہا مولوی مہتاب علی مرحوم کے پاس تشریف لائے۔ مولوی صاحب نے کمال کشادہ پیشانی سے چھ روپے عنایت کیے اور دعا کی اور بارہ روپے مولوی فضل الرحمٰن صاحب نے اور چھ روپے اس مسکین (سوانح مخطوطہ کے مصنف حاجی فضل حق صاحب) نے دیئے، وہاں سے اٹھ کر مولوی ذوالفقار علی سلمہ کے پاس آئے، مولوی صاحب ماشاء اللہ علم دوست ہیں، فوراً بارہ روپے دیئے اور حسن اتفاق سے اس وقت سید ذوالفقار علی ثانی دیوبندی وہاں موجود تھے، ان کی طرف سے بھی بارہ روپے عنایت

کیے، وہاں سے اٹھ کر یہ درویش بادشاہ صفت محلّہ ابوالبرکات پہنچے، دوسو روپے جمع ہو گئے اور شام تک تین سو روپے۔ پھر رفتہ رفتہ چرچا ہوا اور جو پھل پھول اس کو لگے وہ ظاہر ہیں، یہ قصہ بروز جمعہ ۲/ ذی قعدہ ۱۲۸۲ھ) میں ہوا"۔ (سوانح مخطوطہ بحوالہ سوانح قاسمی جلد دوم ص: ۲۵۸، ۲۵۹)

آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے یہ ایک عجیب وغریب اور نئی بات تھی کہ عوامی چندے کی بنیاد پر ایک ایسا تعلیمی ادارہ قائم کیا جائے جو حکومت کے اثرات سے آزاد ہو۔ آنے والے عوامی و جمہوری دور کے پیش نظر یہ ایک زبردست ایمانی فراست اور پیش بینی تھی۔ اوقاف کے سابقہ طریقہ کے بجائے عوامی چندہ کا یہ طریقہ بہت کامیاب ہوا۔ دینی مدارس کے قیام اور دینی تعلیم کی نشر واشاعت کے لیے یہ ایک ایسا مفید اور مستحکم طریقہ تھا کہ جس نے دینی تعلیم کے فروغ کو عوامی چندے کی تحریک میں تبدیل کر دیا۔

بالآخر ۱۵/ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۱/ مئی ۱۸۶۶ء پنجشنبہ کو مسجد چھتہ کے کھلے صحن میں انار کے ایک چھوٹے سے درخت کے سائے میں نہایت سادگی کے ساتھ دارالعلوم کا افتتاح عمل میں آیا۔ حضرت مولانا ملا محمود دیوبندیؒ کو پہلا مدرس مقرر کیا گیا اور محمود حسن نامی بچہ اس درس گاہ کا پہلا طالب علم تھا جو بعد میں شیخ الہند کے نام سے پوری دنیا میں جانا پہچانا گیا۔ اگرچہ بظاہر یہ ایک مدرسہ کا بہت ہی مختصر اور محدود پیمانے پر افتتاح تھا، مگر درحقیقت یہ ہندوستان میں دینی تعلیم کی ایک عظیم تحریک کے نئے دور کا آغاز تھا۔

دارالعلوم دیوبند کے منصب اہتمام پر

دارالعلوم کے اولین محرک اور بانی ہونے کے علاوہ آپ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری کے رکن رکین اور پہلے مہتمم بھی ہیں۔ دارالعلوم کا منصب اہتمام تین مرتبہ آپ کے سپرد ہوا۔ آپ کی کل مدت اہتمام تقریباً دس سال ہے۔ آخر میں بے پناہ مصروفیت کے باعث آپ اہتمام سے مستعفی ہو گئے تھے۔ آپ کے اثر و وجاہت سے دارالعلوم کو کافی فوائد حاصل ہوئے اور وہ ترقی کی جانب گامزن رہا۔

پہلی مرتبہ یوم تاسیس ۱۵/ محرم ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء سے رجب ۱۲۸۴ھ مطابق ۱۸۶۷ء تک مہتمم رہے۔ ۱۲۸۴ھ میں حضرت حاجی صاحبؒ نے سفر حج کا عزم کیا۔ روداد میں مذکور ہے کہ "یہ ایسا زلزلہ تھا کہ اگر بنیاد مدرسہ بیخ برکندہ ہو جاتی تو عجب نہ تھا؛ کیوں کہ باشندگان دیوبند میں بظاہر کوئی ایسا نظر نہ آتا تھا کہ اس کام کا متکفل ہوتا۔ لیکن خدا خود میر سامان است ارباب توکل را، بعض ارکان کو جنھیں لیاقت کامل اور اخلاص نیت ہے یہ القاء ہوا کہ اس کام کے واسطے مولوی رفیع الدین نہایت مناسب ہیں، چناں چہ ابتدائے شعبان ۱۲۸۴ھ سے یہ کام ان کے سپرد ہوا۔"

دوسری مرتبہ حج سے واپسی کے بعد ۱۲۸۶ء/ ۱۸۶۹ء میں آپ منصب اہتمام پر فائز کیے گئے اور ۱۲۸۸ھ/ ۱۸۷۱ء تک اس پر برقرار رہے۔ ۱۲۸۸ھ میں دارالعلوم کے اہتمام کے علاوہ جامع مسجد کی تعمیر کا کام بھی حاجی صاحبؒ کی نگرانی میں ہورہا تھا، دونوں کام کافی وقت چاہتے تھے؛ اس لیے مناسب سمجھا گیا کہ حاجی صاحب کے کاموں کے بار کو ہلکا کیا جائے؛ لہٰذا دارالعلوم کا اہتمام پھر مولانا رفیع الدینؒ کے سپرد کردیا گیا، البتہ اہم امور کی نگرانی حاجی صاحب سے متعلق رکھی گئی۔

تیسری مرتبہ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ/ ۱۸۸۸ء میں دارالعلوم کے مہتمم مقرر ہوئے اور شعبان ۱۳۱۰ھ /۱۸۹۳ء تک اس پر فائز رہے۔ ۱۳۰۶ھ میں حضرت مولانا رفیع الدینؒ نے حج کا ارادہ فرمایا اور بقصد ہجرت مدینہ میں قیام کی نیت کی۔ اراکینِ شوری نے حضرت حاجی عابد حسینؒ سے اہتمام کی ذمہ داریوں کے سنبھالنے کی درخواست کی۔

پھر آخر کار ۱۳۱۰ء میں حضرت حاجی عابد حسینؒ کی غیر معمولی مصروفیات کی وجہ سے اہتمام میں تغیر کرنا پڑا۔ روداد میں لکھا ہے:

> ”چوں کہ حضرت حاجی عابد حسین صاحب مدظلہ العالی کو بوجہ ہجوم خلق اللہ جوان کی خدمت بابرکت میں نزدیک ودور سے جوق در جوق واسطے دعائے حل مشکلات ودفع امراض کہ شبانہ روز حاضر ہوتے ہیں اور حضرت ممدوح بوجہ شفقت واخلاق حسنہ کسی کا ناکام جانا پسند نہیں فرماتے، اس قدر فرصت نہیں ملتی کہ امور اہتمام میں زیادہ وقت صرف فرماسکیں۔ لہٰذا، حضرت ممدوح نے یہ مناسب سمجھا کہ حاجی فضل حق صاحب کو اہتمام کا کام سپرد فرمادیں اور خود ان کاموں کی نگرانی فرماتے رہیں۔ اہل شوری نے بخیال تخفیفِ تصدیعِ حضرت موصوف اس کو تسلیم کیا۔“

دیو بند شہر کی عظیم الشان جامع مسجد کی تعمیر بھی آپ ہی کی جدوجہد اور سعی وکوشش کا نتیجہ ہے۔

وفات

پنجشنبہ ۲۷/ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ مطابق ۲۷ نومبر ۱۹۱۳ء کو اکیاسی سال کی عمر میں وفات پائی اور دارالعلوم کے شمال میں قبرستان قاسمی کے متصل بہ جانب شمال مشرق ایک احاطہ میں مدفون ہیں۔ ’مدار المہام بہشت بریں‘ مادہ سن وفات ہے۔

مثنوی فروغ کے مصنف مولانا فروغ دیو بندی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

اور حضرت معدن لطف و کرم   متقی و حاجی بیت الحرم

حق نے ان پر کی ہر اک خوبی تمام   ہے محمد اور عابد(۱) جن کا نام

کی انھوں نے ہے ریاضت اس قدر جس سے عاجز رہتے ہیں اکثر بشر
اس قدر طاعات حق لائے بجا نفس ان کا حکم میں ان کے ہوا
ہیں بہت پاکیزہ خصلت ، نیک خو رات دن رہتے ہیں محو ذکر ھوٗ
یادِ حق میں قلب ہے ان کا گرو مہتمم ہیں جامع مسجد کے وو
مدرسے میں دل سے وہ عالی مقام رہتے ہیں دائم شریکِ انتظام
ان کی برکت سے یہ مسجد ، مدرسہ ہے ترقی روز افزوں پر سدا
ہمت باطن کا ہے ان کے اثر جس سے دین میں ہوئی یہ کر و فر
اجر ان کو ان کی نیت کا ملے حق انھیں اس کی جزائے خیر دے
یہ ترقی دین کی ان سے ہوئی ایسی ہمت کر سکے گا کب کوئی

مآخذ:

تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد دوم، ص ۲۲۱ تا ۲۲۵

تذکرۃ العابدین، نذیر احمد دیوبندی، ص: ۶۷، مطبوعہ دہلی ۱۳۳۳ھ

حاشیہ: (۱) حضرت حاجی صاحب کو 'عابد حسین' اور 'محمد عابد' دونوں ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔
(تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد دوم، حاشیہ ص ۲۲۵)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

۱۲۴۲-۱۳۲۳ھ/ ۱۸۲۷-۱۹۰۵ء

امام ربانی قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی عظیم شخصیتیں اسلامی ہند کے اس دور میں پیدا ہوئیں جب اس کے جاہ وجلال اور عظمت واقتدار کا پرچم نگوں ہورہا تھا۔ اس کی بہاروں کا کارواں پابہ رکاب تھا اور بادخزاں کے جھونکے چلنے شروع ہوگئے تھے۔ تاریخ کے اس دوراہے پر کھڑے ہوکر اسلامی ہند کے ماضی کی طرف نگاہ ڈالیے تو حد نگاہ تک ہماری سربلندی وفرازی اور حکمرانی واقتدار کا پرچم آسمان سے باتیں کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اور پھر جب اس کے مستقبل کی طرف دیکھئے تو ذلت وادِبار اور پستی ونکبت کی کالی گھٹائیں اُمڈتی ہوئی نظر آتی ہیں، راہیں تاریک سے تاریک تر ہوتی دکھائی دیتی ہیں۔ مسلمان بے بسی کے عالم میں سلامتی کی راہیں تلاش کررہا تھا اور کوئی فیصلہ کرنے میں بے بس نظر آرہا تھا۔

تاریخ کے ٹھیک اس موڑ پر یہ دونوں تاریخی شخصیتیں عالمِ وجود میں آئیں، جو اپنے مضبوط کردار، خارا شگاف قوت فکر اور اپنے حیرت انگیز کارناموں کی وجہ سے تاریخ کا عنوان اور سرنامہ بن گئیں۔ مؤرخ کا قلم مجبور ہے کہ جب اسلامی ہند کی عروج وزوال کی تاریخ مرتب کرے تو ان دونوں تاریخ ساز بزرگوں کو ہندوستان میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور تحریک اصلاح کے امیر کارواں اور ملت اسلامیہ کے مسیحا کی حیثیت سے پیش کرے اور ان کے عظیم کارناموں کو سنہرے حروف میں لکھے۔ دونوں کے دو محاذ تھے۔ حضرت نانوتویؒ ادیان باطلہ کے مقابلے میں سینہ تان کر کھڑے ہوگئے اور حریف کے سارے حملوں کا بھرپور جواب دے کر ان کو ہزیمت کی رسوائی اور شکست کی ذلت کے ساتھ میدان چھوڑنے پر مجبور کردیا۔ دوسری طرف حضرت گنگوہیؒ نے مسلمانوں کی داخلی گمراہیوں کے سدباب کے محاذ پر مورچہ سنبھالا اور تاریخ ساز کارنامہ انجام دیا۔ اسلام میں مشرکانہ اوہام وعقائد کے نفوذ کی راہیں بند کرنے میں کامیابی حاصل کی۔

تعلیم اورابتدائی حالات

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ۶/ ذیقعدہ ۱۲۴۲ھ/ ۱۰/ جون ۱۸۲۷ء کو گنگوہ میں پیدا ہوئے، ان کے والد ماجد مولانا ہدایت احمد اپنے زمانے کے جید عالم تھے، وہ احسان وسلوک میں دہلی کے حضرت شاہ غلام علی مجددی کے مجاز تھے۔

حضرت گنگوہیؒ قرآن شریف وطن میں پڑھ کر اپنے ماموں کے پاس کرنال چلے گئے، اور ان سے فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ پھر مولوی محمد بخش رام پوری سے صرف ونحو کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۲۶۱ھ مطابق ۱۸۴۵ء میں دہلی پہنچ کر حضرت مولانا مملوک العلی نانوتویؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ یہیں حضرت نانوتویؒ سے تعلق قائم ہوا، جو پھر ساری عمر قائم رہا۔ دہلی میں معقولات کی بعض کتابیں مفتی صدرالدین آزردہ سے بھی پڑھیں، آخر میں حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ کی خدمت میں رہ کر علم حدیث کی تحصیل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت میں رہ کر سلوک و تصوف کی تکمیل کی۔ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے حضرت نانوتویؒ کی سوانح میں لکھا ہے:

> ''جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولوی محمد قاسم صاحب سے اسی زمانے سے ہم سبقی اور دوستی رہی ہے، آخر میں حدیث جناب شاہ عبدالغنی صاحبؒ کی خدمت میں پڑھی اور اسی زمانے میں دونوں صاحبوں نے جناب قبلہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب دام ظلہ سے بیعت کی اور سلوک شروع کیا۔'' (سوانح قاسمی، جلد اول، ص ۲۸)

انھوں نے بڑی تیز رفتاری سے سلوک کی منزلیں طے کرلیں، چنانچہ صرف چالیس دن کی قلیل مدت میں خلافت سے سرفراز ہوگئے اور گنگوہ واپس ہوکر حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے حجرے کو اپنی قیام گاہ بنایا، اس دوران مطب ذریعہ معاش رہا۔

انقلاب ۱۸۵۷ء میں خانقاہِ قدوسی سے مردانہ وار نکل کر انگریزوں کے خلاف صف آرا ہوگئے اور اپنے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ اور دوسرے رفقا کے ساتھ شاملی کے معرکۂ جہاد میں شامل ہوکر خوب دادِ شجاعت دی۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی سربراہی میں جو نظام قائم کیا گیا اس میں حضرت نانوتویؒ سپہ سالار اور حضرت گنگوہیؒ وزارت جنگ کے سکریٹری نامزد کیے گئے۔ معرکۂ شاملی کے بعد گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا اور ان کو گرفتار کرکے سہارنپور کی جیل میں بھیج دیا گیا، پھر وہاں سے مظفرنگر منتقل کردیا گیا۔ وہاں بہت سے قیدی آپ کے معتقد ہوگئے اور جیل خانے میں جماعت کے ساتھ نماز ہونے لگی۔ آپ پر مقدمہ چلا اور بالآخر کافی ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے باعزت بری کردیے گئے۔

حضرت گنگوہیؒ کا علمی فیضان

رہائی کے بعد گنگوہ میں آپ نے درس وتدریس کا سلسلہ شروع فرمایا۔ ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء میں تیسرے حج کے بعد آپ نے یہ التزام کیا کہ ایک سال کے اندر اندر پوری صحاح ستہ کو ختم کرا دیتے تھے۔ معمول یہ تھا کہ صبح سے ۱۲ بجے تک طلبہ کو پڑھاتے تھے۔ آپ کے درس کی شہرت سن سن کر طالبان حدیث دور دور سے آتے تھے۔ کبھی کبھی ان کی تعداد ۷۰/۸۰ تک پہنچ جاتی تھی، جن میں ہند و بیرون ہند کے طلبہ شامل ہوتے تھے۔ طلبہ کے ساتھ غایت محبت وشفقت سے پیش آتے تھے۔ ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء سے آپ نے مستقل صحاح ستہ کی تعلیم اپنے لیے خاص کر لی تھی اور دیگر علوم وفنون کی کتابیں بالکل بند کر دی تھیں۔ یہ سلسلہ ۱۴ برس تک مسلسل جاری رہا۔ حضرت گنگوہی سے اس زمانے کے تقریباً تین سو علماء نے دورۂ حدیث کی تکمیل کی جو بعد میں بڑے اہل علم و تقوی اور اپنے علاقہ وزمانہ کے آفتاب و ماہتاب ہوئے۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ حضرت گنگوہیؒ اپنی خانقاہ ہی میں درس دیتے تھے، کوئی باقاعدہ مدرسہ نہیں تھا، بلکہ آپ حسبۃً للہ پڑھاتے تھے۔

درس کی تقریر ایسی ہوتی تھی کہ ایک عامی بھی سمجھ لیتا تھا۔ آپ کے درس حدیث میں ایک خاص خوبی یہ تھی کہ حدیث کے مضمون کو سن کر اس پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہو جاتا تھا۔ آپ نے مسائل فقہیہ کو حدیث پر منطبق کر کے درس حدیث کا ایک ایسا طرز قائم فرمایا جو یقیناً بے نظیر اور حالات زمانہ کے لحاظ سے بہت ضروری تھا۔ بخاری شریف کی درسی تقریر لامع الدراری شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی تحقیق وتحشیہ کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔ جامع ترمذی کی درسی تقریر الکوکب الدری بھی حضرت شیخ الحدیثؒ کی تحقیق وتحشیہ کے ساتھ منظرِ عام پر آ چکی ہے۔ یہ شروح مختصر ہونے کے باوجود بخاری وترمذی کی نہایت جامع شرحوں میں شمار کی جاتی ہیں۔ ۱۳۱۴ھ تک آپ کا درس جاری رہا۔ درس حدیث میں آپ کے آخری شاگرد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کے والد ماجد مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ تھے۔ آخر میں بعض وجوہات کی وجہ سے درس بند ہو گیا مگر ارشاد و تلقین اور فتاویٰ کا سلسلہ برابر جاری رہا، ذکر اللہ کی تحریض وترغیب پر بڑی توجہ تھی، جو لوگ خدمت میں حاضر ہوتے رغبت آخرت کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور لے کر جاتے، اتباع سنت کا غایت درجہ اہتمام فرماتے تھے۔

حضرت گنگوہیؒ کو علم حدیث اور تصوف کے ساتھ فقہ اسلامی سے بڑی گہری مناسبت تھی، اسی وجہ سے آپ کو فقیہ النفس کہا جاتا ہے۔ فتاوی رشیدیہ آپ کی فقہی بصیرت اور علمی بلندی کا شاہکار ہے۔ اس کے علاوہ متعدد فقہی مسائل پر آپ نے قلم اٹھایا اور موضوع کا حق ادا کر دیا۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ جیسی عبقری شخصیت کا تاثر تھا کہ حضرت گنگوہیؒ نہ صرف فقہ حنفی کے ماہر تھے بلکہ چاروں مذاہب فقہیہ کے فقیہ

تھے۔میں نے کسی کونہیں دیکھاجو چاروں مذہبوں کا ماہر ہو۔

آپ تقویٰ، اتباع سنت، شریعت پر استقامت، بدعات کے استیصال، سنت کے پھیلانے اور شعائر اسلام کے بلند کرنے اور دین کے معاملہ میں کسی کی کوئی پرواہ نہ کرنے میں اللہ کی نشانی تھے۔علم وعمل، مریدین کی تربیت اور تزکیۂ نفوس کی سربراہی آپ پر منتہی ہوتی تھی۔ اللہ تعالی نے آپ کو ایسے شاگرد اور خلفاء دیے جن کا شمار اپنے زمانہ کے مشاہیر اہل علم واہل تقوی میں ہوتا ہے۔آپ کے کبار خلفاء میں شیخ خلیل احمد سہارن پوریؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مشہور شاگردوں میں شیخ محمد یحییٰ کاندھلویؒ، شیخ ماجد علی مانویؒ وغیرہ شامل ہیں۔

حضرت گنگوہیؒ کی علمی یادگاریں

دو درجن سے زائد کتابیں ورسائل آپ کی یادگار رہیں جو آپ کی علمی رفعت وبلندی کی شاہد ہیں:

(۱) فتاوی رشیدیہ (۲) الکوکب الدری تقریر ترمذی (۳) لامع الدراری تقریر بخاری (۴) الحل المفہم تقریر مسلم (۵) الفیض السمائی تقریر نسائی (۶) مکاتیب رشیدیہ (۷) لطائف رشیدیہ (۸) سبیل الرشاد (۹) زبدۃ المناسک (۱۰) قطوف دانیہ (۱۱) اوثق العریٰ فی تحقیق الجمعۃ فی القری (۱۲) الحق الصریح فی اثبات التراویح (۱۳) الرای النجیح فی عدد رکعات التراویح (۱۴) ردّ الطغیان فی اوقاف القرآن (۱۵) الشّمس اللامعۃ فی کراہۃ الجماعۃ الثانیۃ (۱۶) فتوی احتیاط الظہر بعد الجمعۃ (۱۷) ہدایۃ المعتدی فی قرأۃ المقتدی (۱۸) مجموعہ فتاویٰ میلاد شریف وعرس وغیرہ (۱۹) کیا ہندوستان دارالحرب ہے؟ (۲۰) امداد السلوک (۲۱) تصفیۃ القلوب (۲۲) ہدایۃ الشیعۃ (۲۳) دافع بدعت (۲۴) تقلید شخصی وغیرہ

حضرت گنگوہیؒ اور دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کے بانی حضرات سے آپ کے گہرے مراسم تھے، خصوصاً حضرت نانوتویؒ سے زمانہ طالب علمی سے انتہائی تعلق اور موانست رہی۔اسی لیے ابتداء ہی سے دارالعلوم کی تعلیمی وتعمیری سرگرمیوں میں آپ شریک رہا کرتے تھے۔یہی وجہ تھی کہ ۱۲۹۷ھ میں حضرت نانوتویؒ کے انتقال کے بعد لوگوں کی نگاہیں حضرت گنگوہیؒ کی طرف کی اٹھیں اور آپ نے باضابطہ دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی قبول فرمائی۔ دارالعلوم کی تعمیر وترقی میں حضرت گنگوہیؒ، حضرت نانوتویؒ کے ہم نوا اور ہم زبان تھے۔ ہر اہم موقع پر حضرت گنگوہیؒ کی دیوبند میں تشریف آوری ضروری تھی۔

سرپرست کا عہدہ اگر چہ کوئی آئینی وقانونی اختیارات کا حامل نہیں تھا، لیکن سرپرست کا اعتماد واحترام نظم دارالعلوم میں کلیدی رول ادا کرتا تھا اور عموماً ہر کام میں سرپرست کی منشاء اور رائے کی خلاف ورزی نہیں ہوتی تھی۔

حضرت گنگوہیؒ کی سرپرستی کے دور میں کئی ایسے اہم واقعات رونما ہوئے جس میں حضرت گنگوہیؒ کی بصیرت نے کلیدی کردار ادا کیا۔ مشکل حالات میں دارالعلوم کی گتھیوں کو سلجھا دینا ان کی ایک بڑی خصوصیت تھی۔ حضرت گنگوہیؒ کے دور سرپرستی میں ہی حضرت نانوتویؒ کے خلف الرشید حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب کو دارالعلوم دیوبند کا مہتمم بنایا گیا جو اپنے پیش رووں کے برخلاف ۳۴ سال تک اس عہدہ پر قائم رہے۔ حافظ محمد احمدؒ نے حضرت گنگوہیؒ کی منشا کے مطابق دارالعلوم کو ترقی دینے میں مثالی کردار ادا کیا۔ یہ حضرت گنگوہیؒ کی فراست ایمانی تھی کہ ایسی شخصیت کو دارالعلوم کی ذمہ داری دی جو درحقیقت اس عظیم منصب کے اہل بھی تھے اور مستحق بھی، جنھوں نے دارالعلوم کو کئی خطروں سے بچایا اور اس کو از ہر ہند کے بلند مقام تک پہنچانے کے لیے شاہراہ تیار کی۔

حضرت گنگوہیؒ نے ۱۳۱۴ھ (۱۸۹۷ء) سے مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور کی سرپرستی بھی قبول فرمالی تھی۔ گویا آپ اس زمانے میں تمام علمائے دیوبند ومظاہر علوم کے متفق علیہ بزرگ اور قائد تھے۔

وفات

۹ر جمادی الثانیہ ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۱ر اگست ۱۹۰۵ء بروز جمعہ، اذان جمعہ کے بعد ۷۸ سال کی عمر میں وفات پائی اور گنگوہ ضلع سہارن پور میں مدفون ہوئے۔

متعلقہ کتب:

تذکرۃ الرشید، حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ

مولانا رشید احمد گنگوہی: حیات اور کارنامے، مولانا نظام الدین اسیر ادروی

تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد اول، ۱۲۵ تا ۱۲۹

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ

۱۲۴۹ھ-۱۳۰۲ھ/۱۸۳۳ء-۱۸۸۴ء

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ دارالعلوم کے سب سے پہلے صدرالمدرسین اور شیخ الحدیث ہیں۔ آپ بلند پایہ عالم ربانی، صاحب کشف بزرگ اور عالی مرتبت محدث گزرے ہیں۔ استاذ العلماء حضرت مولانا مملوک العلی نانوتویؒ کے فرزند رشید اور مایۂ ناز شاگرد ہیں۔ دارالعلوم کو ایک مدرسہ سے دارالعلوم بنانے اور اس کے نظام تعلیم کو ترقی دینے میں آپ کا بڑا کردار رہا ہے۔ فضلائے دیوبند کی پہلی صف کے مشہور علماء آپ کے شاگرد رہے ہیں۔

ابتدائی حالات

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ ۱۳رصفر ۱۲۴۹ھ مطابق ۲رجولائی ۱۸۳۳ء کو نانوتہ میں پیدا ہوئے۔ منظور احمد، غلام حسین اور شمس الضحیٰ ان کے تاریخی نام ہیں۔ قرآن مجید نانوتہ میں حفظ کیا۔ محرم ۱۲۶۰ھ مطابق ۱۸۴۴ء میں جب کہ ان کی عمر گیارہ سال کی تھی ان کے والد ماجد حضرت مولانا مملوک العلیؒ ان کو دہلی لے گئے۔ میزان منشعب اور گلستاں سے ان کی تعلیم شروع ہوئی۔ تمام علوم متداولہ اپنے والد ماجد سے حاصل کیے، البتہ علم حدیث کی تحصیل حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ سے کی۔ علوم منقول ومعقول میں اپنے والد ماجد کے مثل تھے۔

ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۱ء میں حضرت مولانا مملوک العلی کا انتقال ہوگیا۔ اس کے ایک سال بعد تک دہلی میں قیام رہا، بعد ازاں اجمیر کے گورنمنٹ کالج میں ان کا تقرر ہوگیا، مکتوبات یعقوبی میں لکھا ہے:

''اجمیر میں ۳۰ روپے پر ملازم ہوکر تشریف لے گئے، اس وقت آپ بہت کم سن تھے، پرنسپل اجمیر کالج نے دیکھ کر کہا ''مولوی تو اچھا ہے، مگر نوعمر اور کم سن ہے، پرنسپل کی سفارش پر آپ کو ڈپٹی کلکٹری کا عہدہ دیا گیا، مگر آپ نے قبول نہیں کیا، بعد ازاں آپ کو سو روپئے ماہوار پر بنارس بھیجا گیا، وہاں سے ڈیڑھ سو روپے کی تنخواہ پر ڈپٹی انسپکٹر بنا کر سہارنپور میں تقرر ہوا، یہیں غدر کا واقعہ پیش آیا''۔

اس زمانے میں نانوتہ میں قیام رہا، سرکاری ملازمت سے استعفا دے کر سبکدوش ہوگئے اور میرٹھ میں

منشی ممتاز علی کے مطبع میں ملازم ہوگئے۔حضرت نانوتوی کی سوانح (حالات طیب) میں خود لکھتے ہیں: ''منشی ممتاز علی صاحب نے میرٹھ میں چھاپہ خانہ قائم کیا،مولوی (محمد قاسم) صاحب کو پرانی دوستی کے سبب بلالیا، وہی تصحیح کی خدمت تھی، یہ کام برائے نام تھا،مقصود ان کا مولوی صاحب کو اپنے پاس رکھنا تھا، احقر اس زمانے میں بریلی اور لکھنؤ ہو کر میرٹھ میں اسی چھاپے خانہ میں نوکر ہوگیا۔''

دارالعلوم دیوبند میں

۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم کے قیام کے بعد دیوبند تشریف لائے اور یہاں صدارت تدریس کی مسند پر فائز ہوئے۔آپ دارالعلوم کے پہلے شیخ الحدیث تھے۔آپ کے فیض تعلیم وتربیت نے بہت سے ممتاز علما پیدا کیے، جو آسمان علم وفضل کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔۱۹سال کی مدت میں ۷۷؍طلبہ نے آپ سے علوم نبویہ کی تحصیل کی جن میں مولانا عبدالحق پورقاضوی، مولانا عبداللہ انبیٹھوی، مولانا فتح محمد تھانوی، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا خلیل احمد انبیٹھوی، مولانا احمد حسن امروہوی، مولانا فخر الحسن گنگوہی، مولانا حکیم منصور خاں مرادآبادی، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا حافظ محمد احمد اور مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمہم اللہ جیسے مشاہیر اور یگانۂ عصر علمائے کرام شامل ہیں۔

حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ اور ان کے تلامذہ کے فیض تعلیم کو دیکھتے ہوئے اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ اس وقت ہندو پاک، بنگلہ دیش، افغانستان اور وسط ایشیا میں جس قدر علماء موجود ہیں، ان کی بڑی تعداد اسی خوان علم کی زلہ ربا ہے۔آپ کے حلقۂ درس کی نسبت اشرف السوانح میں لکھا ہے:

> ''مولانا محمد یعقوبؒ جو علاوہ ہر فن میں ماہر ہونے کے بہت بڑے صاحبِ باطن اور شیخ کامل بھی تھے، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے مولانا ممدوح سے بڑے بڑے فیوض و برکات حاصل کیے ہیں اور زیادہ تر علوم عجیبہ وغریبہ انھیں سے حاصل فرمائے ہیں، اور مولانا کے اکثر اقوال و احوال اور حقائق و معارف نہایت لطف لے کر بیان فرمایا کرتے ہیں، اور آنکھوں سے زار و قطار آنسو جاری ہوجاتے ہیں'' (اشرف السوانح جلد ا ص ۳۳)

اخلاق فاضلہ

حضرت مولانا محمد یعقوبؒ نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے سلوک ومعرفت کے مقامات طے کیے تھے، اکثر جذب وکیف کی حالت طاری رہتی تھی، دنیوی علائق کی جانب مطلق توجہ نہ تھی، انھوں نے جو خطوط اپنے ایک مرید منشی محمد قاسم نیانگری کے نام لکھے ہیں وہ سلوک ومعرفت کا مرقع اور حقائق تصوف کا

دستورالعمل ہیں، سالک کے لیے وہ ایک جامع ہدایت نامہ ہیں۔

مکتوبات یعقوبی کے دیباچہ نگار حکیم امیر احمد عشرتی لکھتے ہیں کہ آپ کے صدہا شاگرد و مرید اور شاگردوں کے شاگرد بلاد ہندوستان، کابل و بخارا وغیرہ میں موجود ہیں، آپ جامع علوم معقول ومنقول ہیں فاضل اجل اور عالم ہونے کے علاوہ سالک ومجذوب بھی تھے، اور جیسے کہ آپ روحانی طبیب تھے، اسی طرح امراضِ ظاہری کا بھی علاج کرتے تھے۔

آپ نہایت خوش وضع، خوش خلق، خوش خو، خوش لہجہ وخوش گفتگو تھے، بڑے صاحبِ کمال ومکاشفات تھے۔ باوجودیکہ مزاج میں جلال اور 'جذب' کا غلبہ تھا اور اس رُعب واثر کا یہ عالم تھا کہ لوگ بات کرتے ہوئے گھبراتے تھے، مگر آپ ہر شخص سے نہایت اخلاق وتواضع کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اپنے بزرگوں کی طرح مزاج میں بڑا استغنا تھا، جس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک صاحب نے جن کو مولانا کے مزاج میں بڑا دخل تھا عرض کیا: فلاں نواب صاحب کی بڑی خواہش ہے کہ ایک مرتبہ آپ ان کے یہاں تشریف لے جائیں، مولانا نے فرمایا ''ہم نے سنا ہے کہ جو مولوی نواب صاحب کے یہاں جاتا ہے، نواب صاحب اس کو سو روپے دیتے ہیں ہمیں وہ خود بلا رہے ہیں اس لیے شاید دو سو روپے دے دیں، سو دو سو روپے ہمارے کتنے دن کے ہیں، ہم وہاں جا کر مولویت کے نام پر دھبّہ نہ لگائیں گے''۔

مولوی جمال الدین بھوپالی، حضرت مولانا مملوک العلیؒ کے شاگرد تھے۔ انھوں نے اسی تعلق کی بنا پر حضرت مولانا یعقوبؒ کو ایک بڑے مشاہرہ پر بھوپال طلب فرمایا، مگر آپ نے دارالعلوم کی قلیل تنخواہ کے باوجود دارالعلوم سے ترکِ تعلق کو پسند نہ فرمایا اور اپنے بھانجے مولانا خلیل اختر انبہٹوی کو بھوپال بھیج دیا۔

سفرِ حج

آپ نے دو حج کیے، پہلا حج ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۸۶۰ء میں حضرت مولانا محمد قاسم قدس سرہ کی معیت میں کیا، حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ اور حضرت حاجی عابد حسین دیوبندیؒ بھی ساتھ تھے، یہ سفر پنجاب اور سندھ کے راستے سے کیا گیا۔ بیاض یعقوبی میں خود انھوں نے اس سفر کی مفصل یادداشت لکھی ہے۔

دوسرے حج کے لیے ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۸۷۷ء میں تشریف لے گئے اس مرتبہ بھی علما کی ایک بڑی جماعت کی معیت رہی۔ حضرت مولانا نانوتویؒ، حضرت مولانا گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ، مولانا محمد منیر نانوتویؒ، مولانا حکیم ضیاء الدین رام پوریؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ وغیرہ حضرات کے علاوہ اس مقدس قافلے میں تقریباً سو آدمی تھے۔

علمی یادگار

حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ اردو، فارسی اور عربی شعروشاعری سے ذوق رکھتے تھے۔ اردو و فارسی میں 'گمنام' تخلص تھا۔ دہلی میں بزمانہ طالب علمی، غالب، مومن، ذوق، صہبائی اور آزردہ جیسے یگانۂ روزگار شعرا کو دیکھا تھا اور ان کی مجالسِ سخن کے ہنگاموں سے ان کے کان آشنا تھے۔ مولانا کا فارسی اور اردو کلام 'بیاض یعقوبی' میں درج ہے۔ اشعار میں قدرت کلام کے ساتھ سوز وگداز اور درد واثر پایا جاتا ہے۔

تصانیف میں تین رسالے آپ کی یادگار ہیں۔ حضرت نانوتویؒ کے حالات میں آپ کی تصنیف ''حالات جناب طیب مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم'' (طبع اول بھاول پور ۱۲۹۷ھ) اگرچہ بہت مختصر سوانح حیات ہے مگر زبان وبیان اور حالات وواقعات کے لحاظ سے بہت قابل قدر ہے۔ ان کا دوسرا مجموعہ مکتوبات یعقوبی ہے جو ۶۴ خطوط پر مشتمل ہے۔ یہ خطوط استفسارات کے جوابات میں لکھے گئے ہیں، ان میں راہ سلوک کی دشواریوں کا حل مسائل شرعیہ کا ذکر اور طریقت وسلوک کا دستور العمل بیان کیا گیا ہے۔ تیسرا مجموعہ بیاض یعقوبی ہے یہ سفر حج کے حالات، کتب احادیث کی اسانید، منظومات اور عملیات وغیرہ پر مشتمل ہے اور آخر میں طبی نسخے درج ہیں۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے دونوں مجموعوں پر حسب ضرورت حواشی تحریر فرمائے ہیں۔

وفات

وفات سے چند دن پہلے وطن مالوف نانوتہ تشریف لے گئے تھے وہیں بمرض طاعون ۳؍ربیع الاول ۱۳۰۲ھ/ دسمبر ۱۸۸۴ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ نانوتہ میں سہارن پور روڈ پر واقع قبرستان میں مدفون ہیں۔

ماخذ:

تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد دوم، ص ۱۷۱ تا ۱۷۸

دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات، ص ۵۱ تا ۵۴

حضرت مولانا رفیع الدینؒ دیوبندی

۱۲۵۲-۱۳۰۸ھ/ ۱۸۳۶-۱۸۹۰ء

حضرت مولانا رفیع الدین دیوبندیؒ دارالعلوم دیوبند کے دوسرے مہتمم تھے۔تقوی وانابت،نظم وانتظام اور دیانت وامانت میں ممتاز تھے۔حضرت مولانا شاہ عبدالغنی مجددیؒ کے اجل خلفاء میں تھے اور دارالعلوم کے مفتی اول حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ (متوفی ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۸ء) کو آپ سے بیعت و خلافت کی نسبت حاصل تھی۔

حضرت مولانا رفیع الدین دیوبندیؒ ۱۲۵۲ھ/ ۱۸۳۶ء میں پیدا ہوئے،آپ عثمانی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔آپ کے والد مولانا فریدالدین عثمانی دیوبندیؒ ایک جید عالم دین تھے اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے خلفاء میں تھے۔آپ کے تین بھائی جناب بلند بخت عثمانی، جناب مقصودعلی عثمانی اور جناب سید احمد عثمانی معرکۂ بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔

آپ باقاعدہ عالم نہ تھے،لیکن فارسی و دینیات کا کافی علم تھا۔ گوعلمی حیثیت معمولی تھی لیکن انتظامی امور کا زبردست ملکہ تھا اور اس بارے میں عجیب وغریب صفات کے مالک تھے۔

آپ حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ مہاجر مدنی کے مشہور خلفاء میں تھے۔حضرت شاہ صاحب ان پر فخر کیا کرتے تھے۔آپ نے حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ سے بھی اکتساب فیض کیا تھا۔آپ کا شمار اپنے زمانے کے اولیائے کاملین میں تھا۔حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے آپ کے بارے میں فرمایا:

> ’’ان میں اور مولانا گنگوہی میں سوائے اس میں کوئی فرق نہیں کہ مولانا گنگوہی عالم ہیں اور وہ (شاہ رفیع الدین صاحب) عالم نہیں، ورنہ نسبت باطنی کے لحاظ سے دونوں ایک درجہ کے ہیں۔‘‘
> (اشرف السوانح،جلد اول،ص ۱۳۹)

دارالعلوم کے مسند اہتمام پر

حضرت مولانا رفیع الدینؒ دو مرتبہ دارالعلوم کے مہتمم مقرر ہوئے۔پہلی مرتبہ ۱۲۸۴ھ/ ۱۸۶۷ء سے ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء تک حاجی عابد حسین صاحبؒ کے سفر حج کے زمانے میں اہتمام کی خدمات انجام دیں۔

۱۲۸۶ھ/ ۱۸۶۹ء میں سفرِ حج پر تشریف لے گئے، اسی وجہ سے اہتمام کی ذمہ داریاں دوبارہ حضرت حاجی عابد حسینؒ کو سپرد کر دی گئیں۔ پھر تقریباً تین سال کے بعد ۱۲۸۸ھ/ ۱۸۷۱ء میں حضرت حاجی صاحب کی جامع مسجد کی تعمیر اور دیگر مشغولیات کی وجہ سے دوبارہ مہتمم قرار پائے اور ۱۳۰۶ھ/ ۱۸۸۸ء تک اس منصب پر فائز رہے۔ آپ کی کل مدت اہتمام تقریباً ۱۹؍سال ہے۔

دارالعلوم کی ظاہری و معنوی ترقی میں حضرت مولانا رفیع الدینؒ نے اہم کردار ادا کیا۔ مشہور ہے کہ دیانت و امانت کے ساتھ انتظامی سلیقے کا بہت کم اجتماع ہوتا ہے مگر آپ میں یہ صفات بدرجۂ اتم موجود تھیں۔

دارالعلوم کی اکثر ابتدائی عمارتیں آپ ہی کے زمانۂ اہتمام میں تعمیر ہوئیں۔ ان کے تعمیری ذوق کا اندازہ اس زمانے کی عمارتوں بالخصوص نودرے وغیرہ کی پختگی، استواری اور حسن تعمیر سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ عمارت دارالعلوم کی عمارتوں میں ایک ممتاز شان اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء میں اس کی بنیاد کے وقت خواب میں دیکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ تشریف لائے اور فرمایا کہ یہ احاطہ تو بہت مختصر ہے۔ یہ فرما کر بہ نفس نفیس عصائے مبارک سے احاطہ کا ایک طویل و عریض نشان کھینچ کر بتلایا کہ ان نشانات پر عمارت بنوائی جائے۔ چناں چہ اسی کے مطابق بنیاد کھدوا کر تعمیر کرائی گئی۔ یہ دارالعلوم کی سب سے پہلی عمارت تھی۔ اس عمارت کا سنگ بنیاد رکھنے والوں میں محشئ بخاری حضرت مولانا احمد علی سہارن پوریؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ جیسے علماء و اتقیاء شامل تھے۔

دارالعلوم کا مرکزی احاطۂ مولسری آپ ہی کے دور کی یادگار ہے۔ اسی احاطے میں وہ تاریخی کنواں موجود ہے جو نودرہ کے ساتھ بنا تھا۔ یہ کنواں بڑا بابرکت سمجھا جاتا ہے۔ حضرت مولانا رفیع الدینؒ ہی نے ایک دوسرے خواب میں یہ بھی دیکھا تھا کہ کنواں دودھ سے بھرا ہوا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیالہ سے دودھ تقسیم فرما رہے ہیں۔ بعض کے پاس چھوٹے برتن ہیں اور بعض کے پاس بڑے، ہر شخص اپنا برتن دودھ سے بھروا کر لے جا رہا ہے۔ دودھ کی تعبیر علم سے اور برتنوں کی تعبیر ہر شخص کے ''ظرف علم'' سے کی گئی۔

(مبشرات دارالعلوم، انوار الحسن ہاشمی بحوالہ خطبۂ صدارت مولانا محمد طیب صاحب جلسۂ انعام ۱۳۶۶ھ)

ہجرت اور انتقال

حضرت مولانا رفیع الدینؒ ۱۳۰۶ھ/ ۱۸۸۸ء میں دوبارہ حج کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ کا یہ سفر حج بقصد ہجرت تھا۔ آپ نے مستقل طور پر مدینہ منورہ میں قیام فرمایا۔

ہجرت کے دو سال بعد ۱۳۰۸ھ/ ۱۸۹۰ء میں مدینہ منورہ ہی میں انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔

حضرت حاجی سید فضل حق دیو بندیؒ

وفات: ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۸ء

حضرت حاجی منشی فضل حقؒ ابن سیف علی دیو بند کے خاندان سادات رضویہ سے تھے۔ دارالعلوم کی بناء اور تعاون میں ابتدا سے شریک تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے شرف بیعت حاصل تھا۔ شروع سے ہی دارالعلوم دیو بند کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔

دارالعلوم کے قیام کے بعد دفتری امور کے ذمہ دار بنائے گئے تھے۔ ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء میں حضرت حاجی عابد حسینؒ کی گوناگوں مصروفیات کے باعث مستعفی ہونے کے بعد حضرت حاجی فضل حق صاحب دارالعلوم کے منصب اہتمام پر فائز کیے گئے، اور تقریباً ایک سال تک اس خدمت کو انجام دے کر منصبِ اہتمام سے مستعفی ہو گئے۔

تحریری صلاحیتوں کے ساتھ ان میں انتظامی صلاحیت بھی بدرجۂ اتم پائی جاتی تھی۔ دارالعلوم کے ساتھ تعلق سے قبل سہارن پور میں سرکاری محکمۂ تعلیم سے مدت تک وابستہ رہ چکے تھے۔

حاجی فضل حق صاحبؒ نے حضرت نانوتویؒ کی ایک مفصل سوانح حیات لکھی تھی، جو طبع نہ ہوسکی۔ سوانح قاسمی مؤلفہ مولانا مناظر احسن گیلانی میں مخطوطہ کے نام سے جابجا اس کے اقتباسات دیئے گئے ہیں، ان اقتباسات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نہایت جامع اور مکمل سوانح حیات ہوگی۔ یہ سوانح ۱۳۸۵ء تک دارالعلوم کے خزانے میں محفوظ تھی۔ (قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: احوال وآثار، باقیات ومتعلقات، مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی، ص ۳۳۸)

ریاست جھالاواڑ (راجستھان) میں ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں وفات پائی۔ (حوالۂ بالا)

حضرت مولانا محمد منیر نانوتویؒ

۱۲۴۷ھ-۱۳۲۱ھ/ ۱۸۳۱ء-۱۹۰۳ء

حضرت مولانا محمد منیر نانوتویؒ دار العلوم کے چوتھے مہتمم تھے۔ آپ مشہور عالم ومصنف مولانا محمد احسن نانوتویؒ اور مولانا محمد مظہر نانوتویؒ (بانی مظاہر علوم سہارن پور) کے چھوٹے بھائی تھے۔ آپ حضرت نانوتویؒ کے رشتہ کے بھائی تھے اور جہاد شاملی میں شریک تھے۔ نہایت ہی خدا ترس اور صاحب دیانت وتقوی بزرگوں میں تھے۔

حضرت مولانا محمد منیر نانوتویؒ ۱۲۴۷ھ مطابق ۱۸۳۱ء میں نانوتہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد حافظ لطف علی سے حاصل کی، پھر دہلی کالج میں داخل ہوگئے۔ وہاں حضرت مولانا مملوک العلی نانوتویؒ، مفتی صدر الدین آزردہ اور پھر حضرت شاہ عبد الغنی دہلویؒ سے علمی استفادہ کیا۔ حضرت نانوتویؒ سے آپ کے بہت گہرے تعلقات تھے۔ دونوں بچپن کے ساتھی تھے۔

مولانا محمد منیرؒ صاحب جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے ایک سرگرم کارکن اور مجاہد تھے۔ شاملی کے معرکے میں دوسرے اکابر کے دوش بدوش شریک رہے۔ سوانح قاسمی کے مطابق مولانا منیر صاحب حربی سکریٹری تھے اور انھوں نے خوب داد شجاعت دی۔ جنگ شاملی کے بعد روپوش ہوگئے تھے۔ عام معافی کے بعد اپنے بڑے بھائی مولانا محمد احسن کے پاس بریلی پہنچے اور ۱۸۶۱ء مطابق ۱۲۷۸ھ میں بریلی کالج میں ملازم ہوگئے۔ پنشن ملنے تک بریلی میں قیام رہا۔ قیام بریلی کے زمانے میں اپنے بھائی مولانا محمد احسن کے مطبع صدیقی بریلی کے مہتمم بھی رہے۔ ۱۲۹۴ھ کے بعد بریلی سے تعلق ختم ہوگیا۔ آپ نہایت وجیہ اور خاموش مزاج تھے۔

مولانا محمد منیر صاحبؒ نقشبندی سلسلے میں بیعت تھے۔ انھوں نے امام غزالیؒ کی کتاب منہاج العابدین کا اردو ترجمہ سراج السالکین کے نام سے کیا جو مطبع صدیقی بریلی میں ۱۲۸۱ھ مطابق ۱۸۶۴ء میں طبع ہوا۔ ان کی دوسری تصنیف فوائد غریبہ ہے، یہ رسالہ تصوف کے مسائل پر مشتمل ہے۔ یہ رسالہ تین ابواب پر مشتمل ہے؛ پہلا باب توحید ورسالت سے متعلق ہے، دوسرا نفس کے بیان میں ہے اور تیسرا قرآن کریم کی تلاوت سے متعلق ہے۔ حضرت مولانا نے ایک رسالہ حج کے موضوع پر بھی لکھا تھا۔ ۱۲۷۸ھ اور

۱۲۹۵ھ میں آپ نے حج ادا کیا۔

آپ کو ۱۳۱۱ھ میں سر پرست دارالعلوم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ایماء پر حضرت منشی فضل حق صاحبؒ کے بعد دارالعلوم کا مہتمم بنایا گیا۔ آپ ایک سال سے کچھ زائد مدت تک اس عہدہ پر متمکن رہے۔ دارالعلوم میں خارج اوقات میں طلبہ کو عربی ادب کی کتابیں پڑھاتے تھے۔ دیانت و امانت میں مولانا محمد منیرؒ کا بڑا پایہ تھا۔ ارواح ثلاثہ میں ان کے متعلق ایک واقعہ لکھا ہے کہ دارالعلوم کی سالانہ روداد چھپوانے کے لیے ڈھائی سو روپے لے کر دہلی گئے۔ اتفاق سے وہاں روپے چوری ہو گئے۔ مولانا منیر اس حادثے کی کسی کو اطلاع کئے بغیر اپنے وطن نانوتہ آئے، اپنی زمین فروخت کر کے روپیہ فراہم کیا اور اس سے روداد چھپوا کر لائے۔ مجلس شوریٰ کے ارکان کو جب اس کا علم ہوا تو انھوں نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے اس کے متعلق مسئلہ دریافت کیا۔ وہاں سے جواب آیا کہ ’’مہتمم صاحب امین تھے اور روپیہ چوں کہ بلا تعدی کے ضائع ہوا اس لیے ان پر تاوان نہیں آسکتا‘‘۔ ارکان نے حضرت گنگوہیؒ کا فتویٰ دکھا کر مولانا محمد منیر صاحبؒ سے درخواست کی کہ اپنا روپیہ واپس لے لیں۔ مولانا نے فرمایا کہ ’’فتویٰ کی بات نہیں ہے، اگر خود مولانا رشید احمد صاحب کو ایسا واقعہ پیش آتا تو کیا وہ روپے لے لیتے‘‘؟ چنانچہ اصرار کے باوجود روپیہ لینے سے انکار کر دیا۔ (ارواح ثلاثہ حکایت: ۴۵۳، مولانا محمد احسن نانوتوی، ص: ۱۵۷، ۶۰)

حضرت مولانا محمد منیر صاحبؒ اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد احسن نانوتویؒ کے انتقال کے بعد دارالعلوم کے اہتمام سے ۱۳۱۳ھ (۱۸۹۵ء) میں مستعفی ہو کر نانوتہ واپس چلے گئے۔ تاریخ وفات محفوظ نہیں، تاہم ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء تک حیات کا ذکر ملتا ہے۔

حضرت مولانا سید احمد دہلویؒ

م۱۳۱۱ھ/۱۸۹۴ء

حضرت مولانا سید احمد دہلویؒ دارالعلوم دیوبند کے دوسرے صدر المدرسین تھے۔مولانا موصوف نہایت جلیل القدر علماء میں سے تھے،منقولات کے ساتھ علوم معقولہ خصوصاً فن ریاضی وہیئت میں امام وقت سمجھے جاتے تھے۔

قیامِ دارالعلوم کے تیسرے سال ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۸ء میں مدرس دوم کی حیثیت سے بلائے گئے۔۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء میں حضرت مولانا محمد یعقوبؒ کی وفات پر مسند صدارت تفویض ہوئی،جس پر چھ سال تک فائز رہے۔اس مدت میں ۲۸ طلبہ نے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۹۰ء میں دارالعلوم سے علاحدگی اختیار کر کے بھوپال چلے گئے۔

مولانا سید احمد دہلویؒ،حضرت نانوتویؒ سے بیعت تھے۔حضرت تھانویؒ اپنی مثنوی زیروبم میں کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''جناب مولانا (سید احمد) بالخصوص درفن ریاضیہ ید طولی می داشتند وکمالِ مہارت این فنون مشہور و معروف''

جن شعروں پر مذکورہ بالا حاشیہ لکھا گیا ہے،وہ یہ ہیں:

دوئمی آن سالک شرعِ نبی — مولویٔ سید احمد دہلوی
وصف ذہن او اگر سازد قلم — ختم نبود بشکند صدہا قلم
خاتمِ معقول و علمِ فلسفہ — ہم ریاضی و علومِ مشکلہ
پارسا و متقی، کم گو، حلیم — ہم سخی و ہم جواد و ہم کریم

(تاریخ دارالعلوم،جلد دوم،ص۱۷۹)

آپ کے سلسلہ میں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحبؒ لکھتے ہیں:

''سید احمد نام،ابوالخیر کنیت،مولوی امام الدین صاحب (خلف فرزند علی) کے فرزند ارجمند،مرحوم دہلی کے نامی گرامی مولویوں کے خاندان کے فرد اور خانوادۂ سادات کے چشم و چراغ تھے۔مولوی امام الدین صاحب ملکہ زینت محل اور مغل شہزادوں کے استاذ واتالیق ہونے کی وجہ سے بڑی

شہرت وعزت رکھتے تھے۔ مولانا سید احمد صاحب مولانا میر سید محبوب علی صاحب جعفری کے بھانجے تھے جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے ممتاز تلامذہ میں ہیں۔ مولانا سید احمد صاحب کو علوم عقلیہ بالخصوص ریاضی وہیئت میں یدطولی حاصل تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسمؒ فرمایا کرتے تھے کہ مولوی سید احمد صاحب کو خداوند کریم نے فنون ریاضی میں وہ استعداد اور مناسبت عطا فرمائی ہے کہ ان فنون کے موجدوں کو بھی شاید اتنی ہی ہو۔ ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۹۰ء میں نواب شاہجہاں بیگم کی درخواست اور طلبی پر بھوپال تشریف لے گئے اور مدرسہ جہاں گیری کی صدر مدرسی واہتمام کے عہدہ کو قبول کیا۔ لیکن یہ فیضان علمی زیادہ مدت تک جاری نہ رہ سکا اور چار سال بعد ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۴ء میں آپ نے اس دار فانی سے کوچ فرمایا۔ مولانا نہایت خاموش، کم آمیز اور باوقار عالم تھے۔"
(حیات عبدالحیی، ندوۃ المصنفین دہلی، نومبر ۱۹۷۰ء ص ۶۱،۶۲)

متعلقہ کتب:

تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد دوم، ص ۱۷۸ تا ۱۷۹

مشاہیر علمائے دیوبند، قاری فیوض الرحمٰن پاکستانی، مطبوعہ مکتبہ عزیزیہ، لاہور ص ۵۱ تا ۵۴

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ

۱۲۶۸- ۱۳۳۹ھ/ ۱۸۵۱-۱۹۲۰ء

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ دارالعلوم کے اولین طالب علم، حضرت گنگوہیؒ کے بعد دارالعلوم کے سرپرست، شیخ الحدیث، صدر مدرس اور دارالعلوم کے صف اول کے علماء کے استاذ و مربی ہیں۔ درس و تصنیف، ارشاد و تلقین اور ملکی و قومی خدمات میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ دین کے ہر دائرہ میں آپ کی خدمات نمایاں مقام رکھتی ہیں۔

ابتدائی حالات

حضرت شیخ الہندؒ کی پیدائش ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء میں بریلی میں ہوئی، جہاں ان کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علیؒ سرکاری محکمۂ تعلیم سے وابستہ تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے مشہور عالم چچا حضرت مولانا مہتاب علیؒ سے حاصل کی۔ قدوری اور شرح تہذیب پڑھ رہے تھے کہ دارالعلوم کا قیام عمل میں آیا، آپ اس میں داخل ہوگئے۔ حضرت شیخ الہند دارالعلوم کے سب سے پہلے طالب علم ہیں۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا ملا محمود دیوبندیؒ، مولانا حضرت مولانا سید احمد دہلویؒ اور حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کا نام شامل ہے۔ نصاب دارالعلوم کی تکمیل کے بعد حضرت نانوتویؒ کی خدمت میں رہ کر علم حدیث کی تحصیل فرمائی۔ فنون کی بعض اعلیٰ کتابیں والد ماجد سے پڑھیں۔ ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۳ء میں حضرت نانوتویؒ کے دست مبارک سے دستارِ فضیلت حاصل کی۔ زمانۂ تعلیم ہی میں آپ کا شمار حضرت نانوتویؒ کے ممتاز تلامذہ میں ہوتا تھا اور حضرت نانوتویؒ آپ پر خاص شفقت فرماتے تھے۔ قاسمی علوم کا جو فیضان آپ کی ذات سے ہوا، اس کی نظیر دوسرے تلامذہ میں نہیں ملتی۔ آپ حضرت نانوتویؒ کے علوم و افکار کے امین تھے اور ان کی ایضاح و تشریح میں نمایاں حصہ لیا۔

علم و تقویٰ میں یگانۂ روزگار شخصیت

حضرت مولانا محمود حسنؒ کی اعلیٰ علمی و ذہنی صلاحیتوں کے پیش نظر دارالعلوم کی مدرسی کے لیے اکابر کی نظر انتخاب آپ کے اوپر پڑی اور ۱۲۹۱ھ میں مدرس چہارم کی حیثیت سے آپ کا تقرر عمل میں آیا۔ حضرت

شیخ الہند نے اپنی تدریسی زندگی کے آغاز سے بڑی محنت اور جاں فشانی کے ساتھ دارالعلوم کی خدمت کی۔ کبھی کبھی آپ کے ذمہ ۱۹؍ کتابوں کا سبق متعلق ہوتا تھا اور آپ مغرب وعشاء اور فجر کے بعد بھی اسباق پڑھاتے تھے۔ حضرت نانوتویؒ کی وفات کے حادثۂ جانکاہ کی وجہ سے تدریسی سلسلہ موقوف کردیا تھا لیکن پھر حضرت مولانا رفیع الدین دیوبندیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے اصرار کے بعد دوبارہ مسند تدریس سنبھالی۔ ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۸۹۰ء میں حضرت مولانا سید احمد دہلویؒ کے بعد دارالعلوم میں صدارت تدریس کے منصب پر فائز ہوئے۔ دارالعلوم میں صدارت تدریس کا مشاہرہ اس وقت ۷۵؍روپیہ تھا، مگر آپ نے ۵۰؍روپئے سے زیادہ کبھی قبول نہیں فرمائے، بقیہ ۲۵؍روپئے دارالعلوم کے چندے میں شامل فرمادیتے تھے۔

ظاہری علم وفضل کی طرح باطن بھی آراستہ تھا۔ طریقت کی تحصیل حضرت گنگوہیؒ کی بارگاہ میں کی۔ جب آپ کو سلوک وتصوف میں کمال حاصل ہوگیا تو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کو تحریر فرمایا کہ مولوی محمود حسن اب اس مقام پر پہنچ چکے ہیں کہ حضرت کی طرف سے ان کو اجازت وخلافت عنایت فرمادی جائے۔ جب تک حضرت حاجی صاحبؒ حیات تھے، حضرت گنگوہیؒ بالعموم خود اجازت وخلافت دینے کے بجائے آپ سے سفارش کرتے تھے اور حاجی صاحبؒ اجازت وخلافت کی تحریر بھیج دیتے تھے، پھر اس کے بعد آپ بھی اپنی طرف سے اجازت وخلافت دے دیتے۔ حضرت شیخ الہندؒ اوراد ووظائف، شب بیداری اور تہجد گزاری کے ہمیشہ پابند رہے۔ جن ایام میں آپ اٹھارہ انیس اسباق پڑھاتے تھے، عشاء اور فجر کے بعد بھی درس ہوتا تھا، رات میں مطالعہ بھی کرتے تھے اور شب بیداری کے معمول میں کبھی فرق نہیں آتا تھا۔ اسارت مالٹا کے زمانے میں جب کہ وہاں کی سردی اور برفانی ہوائیں نوجوان ہمراہیوں کے لیے ناقابل برداشت تھیں، آپ بڑھاپے اور لاغری کی حالت میں بھی رات کو اخیر پہر اٹھ کر اپنے مولی سے راز ونیاز میں مصروف ہوجاتے۔

آپ کی زندگی میں بڑی سادگی تھی۔ گفتار وکردار، عادات واطوار اور لباس وغیرہ میں کسی طور پر برتری کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ تواضع وخاکساری طبیعت میں بہت زیادہ تھی۔ غرباء اور معمولی آدمیوں میں رہنا پسند فرماتے تھے۔ امراء اور اہل دنیا کے تکلفات سے گھبراتے تھے۔ بڑے فقیہ تھے، نقلی وعقلی علوم میں پوری مہارت تھی۔ تاریخ کا مطالعہ بھی بڑا وسیع تھا۔ شعر وادب سے بھی لگاؤ تھا اور بہت زیادہ اشعار یاد تھے۔ خود بھی شاعر تھے۔ آواز صاف تھی، کلام میں ایجاز تھا۔ درمیانہ قد تھا۔ چلنے اور بات کرنے میں بڑا وقار تھا۔ ان کے مکھڑے سے ہمت اور تواضع کے آثار نمایاں تھے، عبادت اور مجاہدہ کا نور ٹپکتا تھا۔ احباب اور تلامذہ کے ساتھ انبساط کے باوجود وقار اور ہیبت کا اثر دکھائی دیتا تھا۔

حضرت شیخ الہند کا علمی فیضان

تدریس کی ابتداء آپ نے دارالعلوم سے کی اور آخر تک آپ کا علمی فیضان جاری رہا۔ آپ کے درس کا امتیاز تحقیق اور ایجاز تھا، لب لباب پر اقتصار فرماتے تھے۔ محدثین اور ائمہ مجتہدین کا بے حد احترام کرتے تھے۔ آپ کے حلقۂ درس کو دیکھ کر سلف صالحین اور اکابر محدثین کے حلقۂ حدیث کا نقشہ نظروں میں پھر جاتا تھا۔ قرآن وحدیث حضرت کی زبان پر تھا، صحابہ وتابعین اور فقہاء ومجتہدین کے اقوال اور ائمہ اربعہ کے مذاہب از بر تھے۔ بہت سے ذی استعداد اور ذہین وذکی طالب علم جو مختلف اساتذہ کی خدمتوں میں استفادہ کرنے کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے اپنے شکوک وشبہات کے کافی وشافی جواب پانے کے بعد حضرت مولانا کی زبان سے آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے معانی اور مضامین عالیہ سن کر سرِ نیاز خم کر کے معترف ہوتے کہ یہ علم کسی میں نہیں ہے اور ایسا محقق عالم دنیا میں نہیں دیکھا۔ آپ کی زبردست علمی شخصیت کے باعث کثیر تعداد میں طلبہ نے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے فراغت حاصل کی۔ دارالعلوم کے صف اول کے فضلاء وعلماء میں تقریباً سب ہی نے آپ سے کسب فیض کیا ہے۔ حضرت شیخ الہند کے فیض تعلیم نے مختلف علوم وفنون کے ماہرین کی ایک جماعت تیار کی ہے۔ مثلاً: حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ، حضرت مولانا منصور انصاریؒ، حضرت مولانا ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا محمد اعزاز علی امروہویؒ، حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ، حضرت مولانا سید فخرالدین احمدؒ، حضرت مولانا سید احمد فیض آبادیؒ ثم المدنی بانی مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ منورہ، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، حضرت مولانا محمد الیاسؒ بانی تبلیغ، حضرت مولانا غلام رسول ہزارویؒ، حضرت مولانا محمد رسول خان ہزارویؒ، مولانا فضل ربی ہزاروی، حضرت مولانا محمد اکبر شاہ پشاوریؒ، حضرت مولانا عزیر گل سرحدیؒ، حضرت مولانا عبدالوہاب دربھنگویؒ، حضرت مولانا عبد الصمد رحمانیؒ، حضرت مولانا محمد صادق کراچیؒ، حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالعلی لکھنویؒ، حضرت مولانا احمد اللہ پانی پتیؒ وغیرہ۔

تالیفات وتصنیفات

اپنے وسیع علم اور کثرت درس کے باعث تالیف وتصنیف کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے۔ ابتدائی

پچیس تیس سال تو درس وتدریس میں مشغول رہے اوراس کے بعد تا زندگی مجاہدانہ سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ مگراس کے باوجود آپ نے نہایت قابل اور ماہرین علم وفن شاگردوں کی ایک جماعت کے ساتھ گراں قدر علمی ورثہ بھی چھوڑا جوحسب ذیل ہے: (۱) ترجمہ قرآن کریم: اردو کا مقبول ترین ترجمہ، سورہ نساء تک آپ کے حواشی بھی ہیں جنھیں بعد میں علامہ شبیر احمد عثمانی نے مکمل کیا۔ سعودی حکومت کی طرف سے بھی شائع ہو چکا ہے۔ (۲) 'الابواب والتراجم' صحیح بخاری کے تراجم ابواب کی مختصر شرح (۳) تقریر ترمذی عربی (۴) حواشی وتعلیقات علی سنن ابی داوٗد (۵) حاشیہ مختصر المعانی (۶) جہد المقل فی تنزیہ المعز والمذل: اردو میں مسئلہ امکان کذب کے موضوع پر (۷) الادلۃ الکاملۃ: محمد حسین بٹالوی کے دس سوالوں کے جواب میں (۸) ایضاح الادلۃ: بجواب مصباح الادلۃ از محمد احسن امروہوی (۹) احسن القری (۱۰) افادات: دو مضامین کا مجموعہ (۱۱) فتاوی (۱۲) مکتوبات شیخ الہندؒ (۱۳) کلیات شیخ الہند: منظوم کلام کا مجموعہ۔

ملکی وملی خدمات

ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد آزادئ وطن کی تحریک کا تذکرہ ہو یا آزادئ وطن میں مسلمانوں کے فخر ومباہات کا ذکر، مجاہدین کی جاں سپاریوں کا ذکر ہو یا انقلاب وبغاوت کی بے مثال منصوبہ بندی کا، ہر موقعہ پر تدبر وفراست، بصیرت وسیاست دانی اور بے مثال انقلابی قربانیوں کے لیے حضرت شیخ الہندؒ کا نام نہایت ادب واحترام اور پورے احساس عظمت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ ان علمائے دیوبند کے سچے وارث تھے جنھوں نے دار العلوم کا قیام ہی اس جذبہ سے کیا تھا کہ اس سے علماء وفضلاء کی ایسی جماعت تیار ہو جو ایک طرف مسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت اور اسلامی ورثہ وتہذیب کے فروغ میں نمایاں حصہ لے تو دوسری طرف مغربی استعمار سے ہندوستان کو آزاد کرا کر مسلمانوں کو سیاسی ومذہبی آزادی عطا کرے۔

سب سے پہلے آپ نے فضلائے دیوبند کو ذہنی وفکری اعتبار سے مستحکم ومنظّم کرنے کے لیے انجمن ثمرۃ التربیت قائم فرمائی۔ پھر جمعیۃ الانصار قائم فرمائی جس کا مقصد عامۃ المسلمین میں دار العلوم کی مرکزیت کا احساس پیدا کرنا اور دار العلوم کے اثرات کی ترویج واشاعت اوراس کو ہمہ گیر بنانا تھا۔ اسی جمعیۃ کے پلیٹ فارم سے آپ نے اپنے شاگردوں کو تیار کرنا شروع کیا۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ اس کے سکریٹری تھے۔ بعد میں مختلف وجوہات کی بنیاد پر نظارۃ المعارف القرآنیہ نام کی تنظیم قائم کی گئی۔ اسی درمیان عالم اسلام میں کافی سنگین حالات پیدا ہو رہے تھے۔ جنگ طرابلس وبلقان کی وجہ سے مسلمانوں میں ہیجان پھیلا ہوا تھا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے ہندوستان سے برطانوی حکومت کے اقتدار کو ختم کرنے کے لیے ایک اسکیم تیار کی، یہ

۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۳ء کا زمانہ تھا، انھوں نے مسلح انقلاب کے ذریعہ برطانوی گورنمنٹ کا تختہ الٹ دینے کا نقشہ تیار کیا۔ اس کے لیے انھوں نے نہایت منظّم طور پر اپنا پروگرام مرتب کیا تھا، ان کے شاگردوں اور رفقائے کار کی ایک بڑی جماعت جو ہندو بیرونِ ہند کے اکثر ممالک میں پھیلی ہوئی تھی، ان کے مجوزہ پلان کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نہایت سرگرمی اور جاں بازی کے ساتھ کوشاں تھی۔ شاگردوں میں مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا محمد میاں منصور انصاری اور ہندوستان اور باہر کے بہت سے نمایاں افراد اس میں شامل تھے، جنھوں نے حضرت شیخ الہند کے سیاسی اور انقلابی پروگرام کے لیے اپنی زندگیاں وقف کردیں۔

حضرت شیخ الہند کے اسی پروگرام کے تحت حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے افغانستان میں آزاد ہندوستان کی حکومت قائم کی جس کے سربراہ راجہ مہندر پرتاپ سنگھ، مولانا برکت اللہ بھوپالی وزیر اعظم اور مولانا عبیداللہ سندھی وزیر داخلہ تھے۔ اس وقت عام خیال یہ تھا کہ طاقت کے بغیر ہندوستان سے انگریزوں کا نکالنا ممکن نہیں ہے، اس کے لیے سپاہ اور اسلحہ کی ضرورت ہے، ان چیزوں کی فراہمی کے لیے افغانستان اور ترکی کا انتخاب کیا گیا۔ حضرت شیخ الہند نے اپنی مجوزہ اسکیم کو کامیاب بنانے کے لیے پیرانہ سالی کے باوجود ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء میں حجاز کا سفر فرمایا۔ وہاں کے ترکی گورنر غالب پاشا اور انور پاشا سے جو اس وقت ترکی کے وزیر جنگ تھے ملاقات فرما کر بعض اہم امور طے کیے۔ اس وقت جنود ربانیہ کے نام سے ایک مسلم فوج قائم کی گئی جس کا مرکز مدینہ تھا، کمانڈران چیف عثمانی خلیفہ تھے اور حضرت شیخ الہند اس آرمی کے کمانڈر جنرل تھے۔ اس فوج میں عالم اسلام کے متعدد اہم مسلم کمانڈر اور قائدین شریک تھے۔ حضرت شیخ الہند حجاز سے براہ بغداد بلوچستان ہوتے ہوئے سرحد کے آزاد قبائل میں پہنچنا چاہتے تھے کہ اچانک جنگ عظیم شروع ہوگئی۔ اسی دوران شریف حسین والیٔ مکہ نے انگریز حکام کے ایما پر آپ کو گرفتار کرکے ان کے حوالے کردیا۔ حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا عزیر گلؒ، حکیم نصرت حسینؒ اور مولانا وحید احمد فیض آبادیؒ کی گرفتاری بھی عمل میں آئی، آپ کو پہلے مصر اور پھر وہاں سے جزیرہ مالٹا لے جایا گیا، جو برطانوی قلمرو میں جنگی مجرموں کے لیے محفوظ ترین مقام سمجھا جاتا تھا۔

برطانوی حکومت کو حضرت شیخ الہند اور ان کے رفقائے کار کی تحریک اور پروگرام کی اطلاع مل گئی۔ برطانوی حکومت کے کاغذات میں اس تحریک کو Slik Letter Conspiracy Case (ریشمی رومال سازش کیس) کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور سیکڑوں صفحات پر مشتمل یہ فائل آج بھی انڈیا آفس لندن میں محفوظ ہے۔

جنگ عظیم ختم ہونے پر آپ کو ہندوستان آنے کی اجازت ملی اور ۲۰/رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ مطابق

۱۹۲۰ء کو آپ نے ساحلِ ممبئی پر قدم رنجہ فرمایا۔ اہل ہند نے نہایت تزک واحتشام سے آپ کا استقبال کیا۔ استقبال کرنے والوں میں تحریک خلافت کے روح رواں مولانا شوکت علی، موہن داس کرم چند گاندھی اور علمی وسیاسی دنیا کی ممتاز شخصیتیں شامل تھیں۔ تحریک خلافت کے جلسہ عام میں آپ کو سپاس نامہ پیش کیا گیا۔ اس اجلاس میں ہندوستان کے اکابر علماء ملت نے متفقہ طور پر آپ کو 'شیخ الہند' کا خطاب دیا۔ مالٹا سے واپسی کے بعد صحت بگڑ چکی تھی، پیرانہ سالی اور قید وبند کے باعث نہایت ضعیف ہوگئے تھے، مگر بایں ہمہ آپ نے شد ومد کے ساتھ سیاسی کاموں میں حصہ لیا اور ہندوستان کے طول وعرض میں تمام شہروں کا دورہ کرنے کی ٹھان لی۔ علی گڑھ گئے اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد ڈالی، خطبہ دیا اور ترک موالات کا فتوی جاری کیا۔

حضرت شیخ الہندؒ کے کارناموں کا باب ہندوستان کی سیاسی واسلامی تاریخ میں جلی حروف سے اسی لیے لکھا گیا کہ انھوں نے تنہا اتنا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا جو بڑی سے بڑی تنظیم اجتماعی طاقت کے بل بوتے پر انجام دیتی ہے۔ یہ حضرت شیخ الہند کی بے پناہ قوت ارادی اور عزم وحوصلہ کا کرشمہ تھا جس کے سامنے اسلامی ہند کا سر ہمیشہ خم رہے گا اور سرزمین ہند ہمیشہ ان کی خدمت میں نذرانۂ عقیدت پیش کرتی رہے گی۔

وفات

مسلسل جہد وریاضت، قید وبند اور پیرانہ سالی کے باعث بالآخر ۱۸ر ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۳۰ر نومبر ۱۹۲۰ء کی صبح کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا، جنازہ دیوبند لایا گیا اور اگلے روز حضرت نانوتوی قدس سرہ کی قبر مبارک کے قریب یہ گنجینۂ فضل وکمالات سپرد خاک کیا گیا۔

متعلقہ کتب:

حیات شیخ الہند، حضرت مولانا اصغر حسین دیوبندیؒ

نقش حیات، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ

سفرنامہ اسیر مالٹا، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ

اسیران مالٹا، حضرت مولانا محمد میاں دیوبندیؒ

تحریک شیخ الہند، حضرت مولانا محمد میاں دیوبندیؒ

تذکرہ شیخ الہند، مفتی عزیز الرحمٰن بجنوریؒ

حضرت شیخ الہند: حیات اور کارنامے، مولانا نظام الدین اسیر ادروی

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ

۱۲۷۲-۱۳۳۷ھ/ ۱۸۵۵-۱۹۱۹ء

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کا شمار اکابرین دیوبند میں ہے۔ ۱۳۳۳ھ میں جب حضرت شیخ الہندؒ حجاز تشریف لے گئے تو اس کے بعد حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کو دارالعلوم دیوبند کا سرپرست تسلیم کیا گیا۔ آپ ۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۸ء تک دارالعلوم کے سرپرست رہے۔

ابتدائی حالات

حضرت رائے پوری کا سن پیدائش ۱۸۵۵ء ہے۔ اصل وطن آپ کا تگری ضلع انبالہ ہے، مگر بعد میں رائے پور ضلع سہارنپور میں قیام کیا۔ آپ کی ذات جامع کمالات تھی۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد اعلیٰ حضرت حاجی صاحبؒ کی روپوشی کے زمانہ میں جب کہ امامِ ربانی (مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) قدس سرہ پنجلاسہ جاتے ہوئے تگری میں ٹھہرے تو آپ ہی کے والد صاحب راؤ اشرف علی خان صاحب کے مہمان بنے تھے۔ مولانا ممدوح اس وقت طفلِ سہ سالہ تھے۔ حضرت نے پیار کیا اور سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی تھی۔ اس وقت سے آپ کو امامِ ربانی کے ساتھ تعلق تھا، جوں جوں ہوش سنبھالا باپ کی زبان سے حضرت کے مناقب سُن سُن کر گویا حضرت ہی کی محبت میں نشو ونما پایا۔

بیعت واجازت

آپ نے طفولیت ہی میں گنگوہ کی آمد ورفت شروع کر دی اور حضرت کے مربّیانہ فیضان سے مستفید ہونے لگے تھے۔ سہارنپور میں بزمانۂ طالب علمی حضرت شاہ عبدالرحیم سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور صاحبِ نسبت اور مجاز طریقت بنے۔ اُس زمانہ میں بھی امام ربانی حضرت گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں حاضری اُسی محبت وشوق کے ساتھ رہی جو ماقبل ومابعد زمانہ میں تھی اور مولانا کے دوسری جگہ بامر اللہ مرید بن جانے کے باوجود حضرت کا تعلق بھی آپ سے وہی مربیانہ رہا جو اس سے قبل یا بعد میں تھا۔

شاہ عبدالرحیم صاحب سہارن پوریؒ کے وصال کے چار سال بعد آپ کو حضرت گنگوہیؒ نے بیعت کیا اور بیعت کے ساتھ ہی ساتھ مجازِ طریقت بنایا۔

اوصاف وکمالات

مولانا ممدوح اپنی متوکلانہ گذران میں اپنے شیخ کی شبیہ مجسم تھے۔ زہد واستغنا میں اپنی مثال آپ تھے۔تواضع اور تذلّل میں آپ بے نظیر تھے۔ مہمان نوازی کی حد نہیں تھی، دسترخوان کی وسعت دیکھ کر امراء حیران رہ جاتے۔ کتمانِ حال بے انتہا اور طبیعت بے انتہا خلوت پسند تھی؛ اس لیے رائے پور کے مغرب سمت لبِ نہر جمن ایک باغ میں آپ نے سکونت اختیار کی۔

حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری قدس سرہ کی ذاتِ گرامی فضائل ومناقب کا مرقع تھی، حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تالیف ''تذکرۃ الخلیل'' میں ضمناً آپ کا ذکرِ خیر بھی تعلق خاطر سے کیا ہے، فرماتے ہیں:

> ''حضرت ممدوح اس صدی کی وہ مقتدر ہستی تھی جو گذشتہ صدیوں کے بزرگانِ مشاہیر کا نمونہ بن کر دنیا میں آئی تھی، شانِ تفویض کی مجسم تصویر، بحرِ توحید کی غواص، تسلیم ورضا میں غرق اور توکل واعتماد میں فنا، شریعت میں آپ عالمِ متبحر تھے، مگر طریقت کا آپ پر غلبہ تھا کہ دیکھنے والا آپ کو مولوی وعالم نہ سمجھتا تھا، یکسوئی اور وحدت نشینی آپ کی طبیعت ثانیہ تھی۔ محبوبیت آپ پر سایہ افگن تھی، آپ سنتِ نبویہ کے عاشق تھے جگہ جگہ مکاتبِ قرآنیہ جاری کرنے کے آپ حریص تھے اور بچوں کو صحیح وصاف سادہ لہجہ میں قرآن مجید پڑھتا ہوا دیکھ کر آپ بہت خوش ہوا کرتے تھے، خود آپ کے باغ میں بھی ایک مدرسہ تھا جو توکل کا مجسمہ تھا، مکتب کیا تھا، نائب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جامع شریعت وطریقت کی خانقاہ تھی، صبر وشکر، قناعت واخلاص، علم ویقین، تفویض وتوکل اور رضا وتسلیم کی آپ مجسم تصویر تھے۔ آپ دائم الفکر اور دائم السکوت تھے کہ بلاضرورت بولنا ہی نہیں جانتے تھے، مگر جب امر بالمعروف کا وقت آتا تو آپ کی عالمانہ تقریر ایسی نرالے طرز پر ہوتی تھی کہ دلوں میں بیٹھتی اور آہن کو موم بناتی چلی جاتی تھی''۔ (ص ۲۴۹)

جس طرح آپ کو تعلیم قرآن مجید سے شغف تھا اسی طرح خود تلاوتِ کلام اللہ سے عشق تھا۔ آپ حافظ قرآن تھے اور شب کا قریب قریب سارا وقت تلاوت میں صرف ہوتا تھا، رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں شاید آپ گھنٹہ بھر سے زیادہ نہ سوتے ہوں اور اسی لیے آپ کو لوگوں سے وحشت ہوتی تھی کہ معمولِ تلاوت میں حرج ہوتا تھا۔ عصر ومغرب کے درمیان کا وقت عام مجلس اور ملاقات کے لیے مخصوص تھا اور اس کے علاوہ

بغیر کسی خاص ضرورت کے آپ کسی سے نہ ملتے اور مکان کا دروازہ بند فرما کر خلوت میں اپنے مولیٰ کریم سے راز و نیاز میں مشغول رہا کرتے تھے۔ خوراک آپ کی بہت ہی کم تھی اور ماہِ رمضان میں تو مجاہدہ اس قدر بڑھ جاتا تھا کہ دیکھنے والوں کو ترس آتا تھا، اِفطار وسحر دونوں وقت کا کھانا بمشکل دو پیالی چائے اور آدھی یا ایک چپاتی ہوتا تھا، شروع میں آپ قرآن مجید تراویح میں خود سناتے اور دو بجے ڈھائی بجے فارغ ہوتے تھے، مگر آخر میں دماغ کا ضعف زیادہ بڑھ گیا تو سامع بنتے اور اپنی تلاوت کے علاوہ تین چار ختم سن لیا کرتے تھے، ماہِ مبارک میں چونکہ تمام رات اور تمام دن آپ کا مشغلہ تلاوتِ کلام اللہ رہتا تھا، اس لیے مہمانوں کی آمد آپ روک دیا کرتے اور مراسلت بھی پورے مہینے بند رہتی تھی کہ کوئی خط کسی کا بھی عید سے قبل دیکھا یا سنا نہ جاتا تھا۔ (تذکرۃ الخلیل: ۲۵۲؛ سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری از مولانا ابوالحسن علی ندوی، ص: ۴۷)

دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی

حضرت مولانا رائے پوریؒ جماعت دیوبند کے متفق علیہ بزرگ تھے۔ ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کا رکن بنایا گیا۔ ۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے حجاز تشریف لے جانے کے بعد آپ کو دارالعلوم دیوبند کا سرپرست تسلیم کیا گیا۔ آپ ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء سرپرست رہے۔

دارالعلوم کے ساتھ ساتھ آپ مظاہر علوم سہارنپور کے بھی سرپرست تھے۔ آپ اور حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ میں وہ محبت و یگانگت تھی، جس کی نظیر نہیں تھی۔ حضرت سہارنپوریؒ سفر حجاز کو تشریف لے جاتے تو اپنے تمام متوسلین کو یہ وصیت فرما کر جاتے تھے کہ رائپور کی حاضری دیتے رہیں اور جس امر میں مشورہ یا استفسار کی حاجت پیش آئے وہ مولانا رائپوریؒ سے پوچھیں۔

سفرِ آخرت

آخر زمانہ میں اعلیٰ حضرت رائپوری پر اشتیاقِ زیارتِ حرمین شریفین نے بے حد غلبہ کیا، اگرچہ اس سے پیشتر بھی چند مرتبہ سعادتِ حج بیت اللہ سے مشرف ہو چکے تھے، لیکن اس مرتبہ ذوق وشوق کا ایک اور ہی عالم تھا۔ آپ نے قبل از وفات اپنا تمامی سامان حتی کہ بدن کے کپڑے تک وصیت و ہبہ کے ذریعے دوسروں کی ملک بنا دیے تھے، مگر تیرہ سو روپیہ نقد زادِ راہ بنا کر مولانا عبدالقادر صاحب کے حوالے کر دیا تھا کہ اس کو

محفوظ رکھو کہ یہ میرے اور تمھارے سفر حج کا خرچ ہے، آخر جوں جوں حج کا موسم قریب آتا گیا، آپ کا مرض ضعف بڑھتا رہا اور وصال کا وقت قریب آتا گیا، حتی کہ آپ نے سمجھ لیا کہ اَب گنجائش نہیں رہی اور تیرہ سو روپیہ ترکہ بنا چاہتا ہے، تب آپ نے مولانا کو بلا کر وہ روپیہ بھی تقسیم کرادیا، کیونکہ آپ مولیٰ کریم سے ایسی حالت میں ملنے کے متمنی تھے کہ دنیا کا کوئی حبہ اور پارچہ بھی آپ کی ملک میں نہ ہو۔ بیت کے دھیان سے ہٹ کر اَب آپ رب البیت کے خالص تصور میں غرق ہوگئے اور آخر چند ہی روز بعد وہ مبارک وقت آیا جس کے شوق میں آپ کا رُواں رُواں پکارتا تھا۔

خرم آں روز کزیں منزلِ ویراں بروم　　راحتِ جاں طلبم وزپئے جاناں بروم

نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے　　تا در میکدہ شاداں وغزل خواں بروم

رائے پور میں ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۷ جنوری ۱۹۱۹ء یوم دوشنبہ کو شب میں آپ کا انتقال ہوا۔ چناں چہ اسی باغ میں جہاں آپ کی حیاتِ شریفہ کا اخیر حصہ گزرا تھا، مسجد کی جنوبی سمت آپ کا جسدِ اطہر سپردِ زمین کیا گیا۔

متعلقہ کتب:
تذکرۃ الرشید، حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ
تذکرۃ الخلیل، حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ
سوانح مولانا عبدالقادر رائے پوری، حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ
مشاہیر علمائے دیوبند، قاری فیوض الرحمٰن پاکستانی، مطبوعہ مکتبہ عزیزیہ، لاہور

دورِ ثانی کے علماء واکابر دارالعلوم کے حالات

دورِ ثانی کے علماء واکابر دارالعلوم

	علماء واکابر	عہدہ
۱	حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ	مہتمم دارالعلوم
۲	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی	مہتمم دارالعلوم
۳	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	سرپرست دارالعلوم
۴	حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ	صدرالمدرسین وشیخ الحدیث
۵	حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ	صدرالمدرسین وشیخ الحدیث
۶	حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی	صدر مہتمم
۷	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ	صدر مفتی
۸	حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ	صدر مفتی
۹	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ	صدر مفتی

حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ

۱۲۷۹ - ۱۳۴۷ھ/۱۸۶۲-۱۹۲۸ء

حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ، حضرت نانوتویؒ کے فرزند رشید اور حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کے والد ماجد تھے۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے پانچویں مہتمم تھے اور ۳۴؍سال تک اس عظیم منصب پر فائز رہے۔ حضرت حافظ محمد احمدؒ کا زمانۂ اہتمام دارالعلوم کی ظاہری و باطنی ترقی اور استحکام کا دور ثابت ہوا اور اسی زمانہ میں یہ ادارہ مدرسہ سے دارالعلوم بنا۔ یہ دارالعلوم کا زریں دور تھا جس میں حضرت گنگوہیؒ دارالعلوم کے سرپرست اور حضرت شیخ الہندؒ دارالعلوم کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین تھے۔

ابتدائی حالات

حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۲ء میں نانوتہ میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے لیے گلاؤٹھی (ضلع بلندشہر یوپی) میں حضرت نانوتویؒ کے قائم کردہ مدرسہ تشریف لے گئے۔ حضرت نانوتویؒ کے بڑے داماد حضرت مولانا عبد اللہ انبیٹھوی اس مدرسہ میں مدرس تھے۔ بعدازاں مزید تعلیم کے لیے مرادآباد کے مدرسہ شاہی گئے جہاں حضرت نانوتویؒ کے شاگرد رشید و خلیفہ خاص حضرت مولانا احمد حسن امروہیؒ صدر مدرس تھے۔ یہاں مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھنے کے بعد دیوبند تشریف لائے اور حضرت مولانا محمد یعقوبؒ صاحب اور حضرت شیخ الہندؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ آخر میں دورۂ حدیث گنگوہ پہنچ کر حضرت گنگوہیؒ کے حلقۂ درس میں پورا کیا اور وہیں سے سند حدیث حاصل کی۔

۱۲۹۷ھ میں حضرت نانوتویؒ کے انتقال کے بعد حضرت حافظ محمد احمد صاحب تھانہ بھون کے عربی مدرسہ میں جو حضرت نانوتوی کا ہی قائم فرمودہ تھا تشریف لے گئے اور کئی سال تک وہاں پڑھاتے رہے۔ ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۵ء میں بحیثیت مدرس دارالعلوم میں تقرر ہوا۔ عموماً تمام علوم وفنون کی کتابیں پڑھانے کی نوبت آئی، خصوصیت سے مشکوۃ شریف، مختصر المعانی، جلالین شریف، میر زاہد وغیرہ کتابوں کا درس زیادہ

مشہور تھا جس کی طرف طلبہ جوق درجوق درس میں شرکت کرتے تھے۔

دارالعلوم کے مسند اہتمام پر

۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء میں جب حضرت حاجی عابد حسینؒ اہتمام سے علیحدہ ہوئے تو یکے بعد دیگرے دو مہتمم (حاجی فضل حق دیوبندیؒ اور مولانا منیر نانوتویؒ) مقرر ہوئے، مگر ایک ڈیڑھ سال سے زیادہ اہتمام نہ کرسکے۔ ہر سال کے تغیرات کی وجہ سے دارالعلوم کے نظام میں اختلال پیدا ہونے لگا تو ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں حضرت گنگوہیؒ نے اہتمام کے لیے حضرت حافظ احمد صاحبؒ کا انتخاب فرمایا۔ حافظ صاحبؒ نہایت منتظم اور صاحب اثر تھے، چنانچہ وہ بہت جلد دارالعلوم کے انتظام پر قابو یافتہ ہوگئے اور تقرر کے وقت ان سے جو توقعات قائم کی گئی تھیں بدرجۂ اتم ان کے اہل ثابت ہوئے۔ حضرت حافظ محمد احمدؒ کے زمانۂ اہتمام سے دارالعلوم کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے جسے دور ترقی واستحکام کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔

حافظ صاحبؒ کے زمانۂ اہتمام میں دارالعلوم نے غیر معمولی ترقی کی، جب انہوں نے عنان اہتمام اپنے ہاتھ میں لی تھی تو دارالعلوم کی آمدنی کا اوسط ۵-۶ ہزار روپیہ سالانہ تھا، آپ کے عہد میں یہ اوسط ۹۰ ہزار تک ترقی کر گیا۔ اس وقت تک کتب خانے میں ۵ ہزار کتابیں تھی، آپ کے زمانے میں کتابوں کی تعداد ۴۰ ہزار تک پہنچ گئی۔ ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۵ء تک عمارات دارالعلوم کی مالیت ۳۶ ہزار روپے تھی، آپ کے عہد میں یہ مالیت ۴؍لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ دارالعلوم کی ترقی کے سلسلے میں حافظ صاحبؒ نے ملک کے مختلف شہروں کے سفر کرکے دارالعلوم کے لیے بہت سے دوامی چندے مقرر کرائے، خصوصاً سابق ریاست بھوپال، بہاول پور اور حیدرآباد کے سفر، دارالعلوم کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے۔ حیدرآباد سے دارالعلوم کی امداد سو روپیہ ماہانہ مقرر تھی، حافظ صاحبؒ حیدرآباد تشریف لے گئے اور اپنے اثرات سے ڈھائی سو روپے مقرر کرائے، دوسرے سفر میں پانچ سو اور تیسرے میں ایک ہزار ماہانہ تک نوبت پہنچ گئی جو سقوط ریاست حیدرآباد تک جاری رہی۔

غرض کہ آپ کے دور اہتمام میں دارالعلوم نے معنوی اور صوری دونوں حیثیتوں سے نہایت عظیم الشان ترقی کی جو اس سے پہلے اس کو حاصل نہ ہوسکی تھی، آپ کے زمانۂ اہتمام سے پہلے شعبہ جات اور دفاتر کا کوئی صاف ستھرا اور باقاعدہ نظام نہ تھا اور گو دارالعلوم معنوی حیثیت سے ''دارالعلوم'' بن چکا تھا مگر اپنی عمارتوں اور ظاہری شکل وصورت کے لحاظ سے آپ ہی کے زمانۂ اہتمام میں مدرسہ سے دارالعلوم بنا۔ شعبہ جات اور دفاتر کی تشکیل عمل میں آئی، حلقۂ اثر میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوا۔ غرض کہ ہر حیثیت سے دارالعلوم کا قدم روز افزوں ترقی کی جانب گامزن رہا، چناں چہ آپ کا دور اہتمام دارالعلوم کی تاریخ میں اس

کی ترقیوں کا نہایت تابناک اور زریں دور سمجھا جاتا ہے۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ آپ کے دانش مند مشیر اور نائب تھے جو ایک مانے ہوئے مدبر، عالم ربانی اور صاحب فراست بزرگ تھے۔

حضرت حافظ صاحبؒ کے ہی کے دورِ اہتمام میں دارالحدیث جیسی عظیم الشان عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور حضرت ممدوح کی طرف سے جب اس عمارت کی تجویز کا اعلان شائع ہوا تو چندہ گویا بارش کی طرح برسنا شروع ہو گیا۔ پھر طلبہ کی اتنی کثرت ہوئی کہ تنگیٔ مکان کی وجہ سے ایک عظیم الشان دارالاقامہ دارِ جدید کی بنیاد ڈالی گئی۔ لیکن ان دونوں عمارتوں کی تکمیل آپ کے دور میں نہ ہو سکی۔ آپ ہی کے دورِ اہتمام میں ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء میں وہ عظیم الشان جلسۂ دستار بندی ہوا، جس میں ایک ہزار سے زائد فضلا کی دستار بندی ہوئی تھی اور ایک لاکھ سے زائد افراد نے شرکت کی تھی۔

برطانوی گورنمنٹ کی جانب سے آپ کو ''شمس العلماء'' کا خطاب دیا گیا تھا، مگر آپ نے دارالعلوم کے حریت پسندانہ مسلک کی بنا پر حکومت کا خطاب یافتہ ہونا پسند نہیں کیا، چنانچہ خطاب واپس کر دیا۔ یہ بھی آپ ہی کے زمانے کی خصوصیت ہے کہ دو مرتبہ صوبہ متحدہ کے گورنر دارالعلوم میں آئے، دارالحدیث کی مجوزہ جگہ پر شہر کے پانی کا نالہ بہتا تھا، اس کے سبب سے دارالحدیث کی تعمیر میں رکاوٹ پڑی ہوئی تھی، نیز نالے کے قرب کے باعث دارالعلوم کی آب و ہوا بھی خراب رہتی تھی۔ اکابر دارالعلوم کی پیہم کوششوں کے باوجود مقامی حکام نالے کے ہٹائے جانے پر آمادہ نہ تھے۔ حضرت حافظ صاحبؒ نے گورنر کو دعوت دے کر اس مشکل کا حل نکال لیا، چنانچہ صوبائی گورنمنٹ کے حکم سے سرکاری مصارف پر نالہ ہٹا دیا گیا۔ حافظ صاحبؒ کی سب سے بڑی خوبی یہی تھی کہ دارالعلوم کی مشکل سے مشکل مہم کو آسانی سے سلجھا دیتے تھے۔

اوصاف وکمالات

طلبہ کی چھوٹی چھوٹی جزئیات پر جہاں ہر وقت نظر رہتی تھی، اور ان پر روک ٹوک اور ڈانٹ ڈپٹ رکھتے، وہیں ان پر بے حد شفیق اور مہربان تھے۔ طلبہ کی معمولی معمولی ضرورتوں پر مربیانہ نظر رہتی تھی، بیمار طلبہ کے علاج پر خاص توجہ فرماتے تھے، طلبہ اور مدرسین پر حافظ صاحبؒ کا رعب وداب ضرب المثل تھا۔ دسترخوان نہایت وسیع تھا، دارالعلوم کے مہمانوں کا صرفہ بذات خود نہایت فراخ حوصلگی کے ساتھ برداشت کرتے تھے۔

شروع سے درس و تدریس کا جو مشغلہ قائم ہو گیا تھا وہ زمانۂ اہتمام میں بھی کبھی بند نہیں ہوا، مشکوٰۃ المصابیح، جلالین شریف، صحیح مسلم، ابن ماجہ، مختصر المعانی، رسالہ میر زاہد وغیرہ کتابیں نہایت شوق سے پڑھاتے تھے، تقریر نہایت صاف ومربوط اور سلجھی ہوئی ہوتی تھی، اپنے والد ماجد حضرت نانوتویؒ کے خاص

علوم اور مضامین پر کافی عبور تھا۔

حضرت حافظ محمد احمدؒ نہایت بارعب اور وجیہہ شخصیت کے مالک تھے۔ احاطۂ دارالعلوم میں قدم رکھتے تو اساتذہ اور طلبہ میں ایک قسم کا سناٹا محسوس ہوتا۔ حضرت شیخ الہندؒ استاذ اور شیخ ہونے کے باوجود حضرت نانوتویؒ کی نسبت کا حد درجہ احترام فرماتے اور انتہائی نیازمندی کے ساتھ پیش آتے۔ حضرت حافظ صاحبؒ چلتے تو عموماً نگاہ نیچی کر کے چلتے تھے۔ چال میں وقار اور متانت ہوتی تھی۔ ان کے سامنے پہنچ کر ایک ہیبت محسوس ہوتی تھی۔ صاف گوئی اور ظاہر و باطن میں یکسانی معروف و ممتاز تھی۔ ہر ایک سے نہایت صاف، بے لاگ اور بے جھجک گفتگو فرماتے۔ بہت سے مسائل اور مشکل مہمات آپ کی جرأت مندی اور خداداد وجاہت و وقار کی وجہ سے بہت آسانی سے حل ہو جاتے تھے۔

زندگی کے آخری دن

نظام دکن نے حضرت حافظ صاحبؒ کو ریاست حیدرآباد میں مفتیٔ اعظم کے عہدے پر مقرر فرمایا تھا۔ حکومت آصفیہ کے اس سب سے بڑے دینی منصب پر آپ ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۲ء سے ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۵ء تک فائز رہے۔ نظام حیدرآباد کو دارالعلوم میں آنے کی دعوت دی تھی جو منظور کر لی گئی تھی۔ پروگرام یہ تھا کہ نظام جب دہلی جائیں گے تو دارالعلوم کو بھی دیکھیں گے، ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۸ء میں نظام کے دہلی آنے کی توقع تھی، وعدے کی یاد دہانی کے لیے آپ حیدرآباد تشریف لے گئے۔ جس وقت آپ حیدرآباد کا قصد فرما رہے تھے تو طبیعت ناساز تھی، ضعف پیری اور مسلسل علالت نے بہت کمزور کر دیا تھا مگر دارالعلوم کے مفاد کے لیے اپنی صحت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے حیدرآباد روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔ پہلے تو انتظار رہا کہ طبیعت سنبھلے تو نظام سے ملاقات کی جائے مگر جب مرض دن بدن بڑھتا ہوا معلوم ہوا تو متوسلین اور رفقائے سفر کی رائے قرار پائی کہ دیوبند واپس لے جایا جائے، چنانچہ واپسی کے قصد سے آپ حیدرآباد سے روانہ ہو گئے، مگر ابھی ٹرین حیدرآباد کی حدود میں ہی تھی کہ نظام آباد اسٹیشن پر حافظ صاحب نے جان، جاں آفریں کے سپرد کی۔ یہ واقعہ ۳؍جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۸؍اکتوبر ۱۹۲۸ء کا ہے۔ وفات کے وقت زبان پر ذکر اللہ جاری تھا۔

نظام آباد اسٹیشن پر نعش اتار کر جنازہ تیار کیا گیا، متعلقین اور نظام دکن کو تار کے ذریعے اطلاع دی گئی، نظام کا جواب آیا کہ حافظ صاحب کا جنازہ حیدرآباد ہی لایا جائے، نظام آباد اور حیدرآباد میں متعدد مرتبہ نماز جنازہ پڑھی گئی۔ اگلے دن ۴؍جمادی الاولیٰ کو سرکاری مصارف پر آپ کو مخصوص قبرستان میں جو ''خطۂ

صالحین‘‘ کے نام سے موسوم ہے سپردِخاک کیا گیا، نظام دکن نے تعزیت کرتے ہوئے نہایت تأسف کے ساتھ یہ پراثر جملہ فرمایا: ’’افسوس وہ مجھے لینے آئے تھے مگر خود یہیں رہ گئے‘‘۔

حضرت حافظ صاحبؒ نے ۴۵؍سال دارالعلوم کی خدمات انجام دیں، ابتدائی ۱۰؍سال تعلیم وتدریس میں گزرے اور ۳۵؍سال اہتمام کے فرائض انجام دیئے۔

مآخذ:

تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد دوم، ص ۲۲۸ تا ۲۳۲

دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات، حضرت قاری محمد طیب قاسمیؒ، ص۸۲تا۱۱۶

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ

وفات: ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۹ء

آپ حضرت مولانا فضل الرحمٰنؒ کے خلف رشید تھے۔ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ آپ کے حقیقی بھائی ہیں۔ حق تعالی نے آپ کو دین کا خاص فہم عطا فرمایا تھا۔ آپ کی دانش وتدبیر مشہور زمانہ تھی۔ ادبیات کے ماہر تھے، عربی نظم ونثر دونوں پر کمال قدرت رکھتے تھے۔ آپ کا تدبر وانتظام دارالعلوم کی تاریخ میں ضرب المثل سمجھا جاتا ہے۔ دارالعلوم کی ترقی میں ان کی خدمات اور خداداد صلاحیتوں کو بڑا دخل حاصل تھا۔

آپ کی تاریخ پیدائش محفوظ نہیں۔ شروع سے آخر تک دارالعلوم میں علوم کی تکمیل کی۔ آپ کی فراغت ۱۳۰۰ھ میں ہوئی۔ اسی سال دارالعلوم میں بطور مدرس رکھے گئے۔ آپ حضرت گنگوہیؒ کے متوسل اور طریقت کے معمولات کے پابند تھے۔ ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء میں حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کی مصروفیتوں کے باعث نیز دارالعلوم کو ترقی دینے کے سلسلے میں ایک ایسے لائق اور منتظم شخص کی ضرورت پیش آئی جو انتظامی امور اور ترقی کی تجاویز میں حافظ صاحب کا ہاتھ بٹا سکے۔ اس کے لیے آپ سے زیادہ موزوں کوئی اور دوسرا شخص موجود نہ تھا، چنانچہ انکار کے باوجود آپ کو مجبور کر کے نیابت اہتمام کا منصب سپرد کر دیا گیا۔ یہ دارالعلوم کی خوش قسمتی تھی کہ اس کو مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ جیسا کام کرنے والا بیدار مغز منتظم اور مخلص ہاتھ آ گیا۔ اہتمام کے کاموں میں ان کو اس قدر شغف تھا کہ شب وروز کا بیشتر حصہ اسی میں صرف ہوتا تھا۔

انہوں نے دارالعلوم کے شعبۂ انتظام وانصرام کو اتنا منظّم اور مستحکم کر دیا تھا کہ جب حکومت آصفیہ کی جانب سے نواب صدر یار جنگ بہادر دارالعلوم کے حسابات کی تنقیح کے لیے دیو بند آئے، تو ان کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ایک ایک اور دو دو آنے تک کے حسابات کے کاغذات اور رسیدیں باضابطہ طور پر فائل میں موجود تھیں، نواب صدر یار جنگ بہادر کا بیان ہے کہ کوئی کاغذ ایسا نہ تھا کہ جو مانگا گیا ہو اور فوراً پیش نہ کر دیا گیا ہو، حافظ صاحب کے عہد اہتمام کی ترقی درحقیت آپ ہی کی رفاقت کا نتیجہ سمجھی جاتی ہے، آپ ہمیشہ ان کے دست راست، معتمد علیہ اور نائب رہے۔

۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۵ء میں جب حافظ صاحبؒ اپنی پیرانہ سالی کے باعث حیدر آباد کے مفتیٔ اعظم

کے منصب سے سبکدوش ہوئے تو ان کی جگہ پر آپ کا تقرر عمل میں آیا لیکن دارالعلوم میں داخلی اختلافات رونما ہو جانے کے سبب آپ کو بہت جلد اس منصب سے دست کش ہو جانا پڑا۔ اسی طرح جب حضرت علامہ انور شاہ، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ اور دوسرے چند اساتذہ، طلبہ کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ دارالعلوم سے علاحدہ ہو گئے تھے، یہ بڑا نازک موقع تھا مگر آپ کے عزم و استقلال، ہمت و جرأت اور دانش و تدبر نے دارالعلوم کی کشتی کو ڈگمگانے سے بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زبردست انتظامی صلاحیت اور سیاسی سوجھ بوجھ عطا فرمائی تھی۔ دارالعلوم پر سخت سے سخت وقت آئے، بڑی بڑی یورشیں ہوئیں لیکن آپ کو کبھی ہراساں و پریشان نہیں دیکھا گیا۔ سنگین سے سنگین حالات میں بھی ان کے اطمینان اور خود اعتمادی میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔

مولانا حبیب الرحمٰن جن کی شخصیت ہر حیثیت سے یگانۂ روزگار تسلیم کی جاتی تھی عام خیال ہے کہ اگر آپ کو ملک کی سیاست میں بھی اتنا ہی شغف ہوتا جیسا کہ دارالعلوم کے ساتھ تھا، تو آپ ہندوستان کے نمایاں سیاسی لیڈر ثابت ہوتے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی وصیت تھی کہ ارکان جمعیۃ علماء کے دو آدمیوں کو کبھی نہیں چھوڑنا چاہیے، ان میں پہلا نام آپ ہی کا تھا، چنانچہ آپ جمعیۃ علما کے بہترین مشیر ثابت ہوئے۔ ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں جمعیۃ علماء کا اجلاس گیا (صوبہ بہار) میں ہوا تھا اس میں آپ کو صدر منتخب کیا گیا، آپ کا خطبۂ صدارت نہ صرف عام طور پر پسند کیا گیا بلکہ اس کی سیاسی اہمیت کے پیشِ نظر ملک کے سیاسی حلقوں میں بھی سراہا گیا۔

مطالعے کی کثرت نے آپ کو نہایت وسیع المعلومات بنا دیا تھا، حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے: ''اگر مجھ پر کسی کے علم کا اثر پڑتا ہے تو وہ مولانا حبیب الرحمٰن ہیں''۔

تصنیفات وتالیفات

عربی ادب اور تاریخ سے خاص ذوق تھا اور ان علوم میں ان کی وسیع النظری مشہور زمانہ تھی۔ مندرجہ ذیل تصانیف علمی یادگار ہیں:

(۱) قصیدۃ لامیۃ المعجزات: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عربی نعت میں تقریباً تین سو اشعار پر مشتمل ہے، جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سو معجزے نہایت فصیح و بلیغ انداز میں پیش کئے گئے ہیں۔ مولانا محمد اعزاز علی صاحب امروہویؒ (وفات ۱۳۷۴ھ) نے عربی اشعار کی سلیس اردو میں شرح فرما دی ہے۔

(۲) اشاعت اسلام: دنیا میں اسلام کیوں کر پھیلا؟ اس سوال کے جواب میں تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل ان تاریخی واقعات کو پیش کیا گیا ہے جو اپنی نفسیاتی کشش کے اعتبار سے اشاعت اسلام کا باعث

ہوئے۔ یہ کتاب پہلے قسط وار مضامین کی شکل میں ماہنامہ القاسم میں شائع ہوئی۔ اشاعت اسلام آپ کی معرکۃ الآراء تصنیف ہے جو خواص وعوام میں بہت مقبول ہوئی۔

(۳) تعلیمات اسلام: اس کتاب میں اسلام کے طرز حکومت کو بیان کیا گیا ہے، اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ مشورہ امیر جماعت کے لیے کس قدر ضروری ہے۔ اس ضمن میں آپ نے بتلایا ہے کہ امیر کی ذات پر اگر کلی اعتماد ہو تو اکثریت واقلیت کی رائے شماری کی ضرورت نہیں ہے، لیکن اگر امیر کو یہ اعتماد حاصل نہ ہو تو پھر کام چلانے کے لیے اس کے سوا چارہ نہیں کہ اکثریت کا اعتبار کیا جائے۔

(۴) حاشیہ مقامات حریری: حل لغات کے ساتھ پہلی مرتبہ مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوا۔

(۵) حاشیہ تفسیر جلالین

(۶) رحمۃ للعالمین: یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر ایک نہایت گراں قدر تصنیف ہے، افسوس ہے کہ یہ ناتمام ہے، مگر جس قدر حصہ لکھا جا چکا ہے وہ سیرت نبوی کی تصانیف کی فہرست میں ایک عظیم الشان تصنیف کا اضافہ کرتا ہے۔

(۷) رسالہ القاسم: آپ کی کوششوں سے دارالعلوم میں صحافت کا آغاز ہوا۔ علمائے دیو بند کے علوم و معارف عام مسلمانوں تک پہنچانے اور عوام الناس کو دین کے صحیح عقائد ومسائل سے باخبر کرنے کے لیے ۱۳۲۸ھ میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ نے القاسم کے نام سے ماہانہ رسالہ جاری کیا۔ بعد میں اس رسالہ کا تعلق دارالعلوم سے کر دیا گیا۔

وفات

مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ نہایت نحیف الجثہ تھے، خوراک حیرت انگیز طور پر کم تھی، مگر ضعف اور کمزوری کے باوجود بے پناہ ہمت کے مالک تھے، حضرت حافظ صاحبؒ کے انتقال کے ٹھیک چودہ ماہ کے بعد ۳؍رجب ۱۳۴۸ھ مطابق ۵ دسمبر ۱۹۲۹ء کی شب میں اس جہان فانی سے رحلت فرمائی اور ہمیشہ کے لیے دارالعلوم کو اپنا مداح چھوڑ گئے۔ نور اللہ مرقدہ!

آپ کے انتقال پر علامہ سید سلیمان ندویؒ نے رسالہ معارف کے تعزیتی نوٹ میں لکھا:

''اس مہینہ کا سب سے سب سے بڑا علمی اور تعلیمی حادثہ دارالعلوم دیو بند کے مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی کی وفات ہے۔ دیو بند کا مدرسہ عالیہ اگر ہمارے پرانے مدارس کی روح ہے تو اس میں شک نہیں کہ اس مدرسہ عالیہ کی روح حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی تھے۔ مرحوم شاید اس مدرسہ کے مقدس بانیوں کی آخری یادگار تھے۔ وہ ایک عالم متبحر اور عربی کے ادیب

تھے۔دیگر علوم کے علاوہ عربی نظم ونثر پران کو یکساں قدرت حاصل تھی۔اسلامی تاریخ سے بھی ان کو ذوق کامل تھا۔اردو انشاء میں بھی ان کا سلیقہ خاصہ تھا۔'' (معارف، اعظم گڈھ، جمادی الثانیۃ ۱۳۴۸ھ،دسمبر ۱۹۲۹ء،ذکررفتگاں)

ماخذ:

تاریخ دارالعلوم دیوبند،جلد دوم،ص ۲۳۳ تا ۲۳۵

مشاہیر علمائے دیوبند،قاری فیوض الرحمٰن صاحب،اول،ص ۱۲۷ تا ۱۲۹

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ/۱۸۶۳-۱۹۴۳ء

آپ حکیم الامت کے لقب سے مشہور عالم ربانی، عظیم ترین مصنف، مصلحِ وقت اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ دین کے ہر شعبہ اور ہر موضوع پر آپ نے نہایت قیمتی سرمایہ چھوڑا ہے۔ آپ کا شمار شریعت اسلامیہ کے متبحر علماء اور تاریخ اسلامی کے کثیر التصانیف بزرگوں میں ہوتا ہے اور علماء دیوبند میں تصانیف کی تعداد کے لحاظ سے آپ سب سے اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ آپ طریقت وسلوک میں بھی مقام رفیع کے مالک تھے۔ آپ کی ذات علوم ظاہری وباطنی کا مخزن تھی۔ آپ کی تحریریں علم وفضل کا معدن ہوتی تھیں اور تقریریں بھی بلا کی اثر انگیزی تھی۔ خود ایک درویش گوشہ نشین تھے لیکن ان کا آستانہ بڑے بڑے ارباب ثروت ودولت اور اصحاب علم وفضل کی عقیدت گاہ تھا۔ آپ کی خانقاہ علم معرفت وروحانیت کا ایک چشمۂ صافی تھا کہ ہزاروں تشنہ کام آتے اور سیراب ہوکر جاتے تھے۔ ان کی زندگی اتباع سنت کا زندہ نمونہ اور گفتگو اسرار ورموز طریقت کا دفتر گراں مایہ تھی۔ مواعظ حسنہ اور کثیر تصانیف کے ذریعہ حضرت نے اصلاح عقائد واعمال اور ابطال رسوم وبدعات کی جو عظیم الشان خدمت انجام دی ہے وہ تمام ہم عصروں میں ان کا طغرائے امتیاز ہے۔ تقویٰ وطہارت، تفقہ فی الدین، شرعی علوم میں مہارت وبصیرت، راست گفتاری ومخلصانہ عمل کوشی، بے لوث خدمت دین اور بے غرضانہ تلقین رشد وہدایت آپ کے وہ اوصاف عالیہ اور فضائل حمیدہ ہیں جو ہر موافق ومخالف کے نزدیک برابر مسلم رہے ہیں۔

ولادت اور تعلیم

۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ء/ ۹ ستمبر ۱۸۶۳ء کو پیدا ہوئے۔ تاریخی نام کرم عظیم ہے، دادھیال والوں نے عبد الغنی نام تجویز کیا، لیکن حضرت حافظ غلام مرتضی مجذوب پانی پتیؒ کے دیے ہوئے نام اشرف علی سے آپ مشہور خلائق ہوئے۔ تھانہ بھون کے شیوخ فاروقی میں سے تھے۔ پانچ سال کے تھے کہ والدہ محترمہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اس کے بعد مستقل والد محترم شیخ عبد الحق صاحب کی تربیت میں رہے۔ ذکاوت وذہانت

کے آثار بچپن سے ہی نمایاں تھے۔

قرآن شریف حافظ حسین علی سے حفظ کیا۔ فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں وطن میں مولانا فتح محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں جو دار العلوم کے اولین فارغین میں سے تھے۔ فارسی کی اعلی کتابیں اپنے ماموں واجد علی صاحب سے پڑھیں۔ ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء کے اواخر میں تکمیل علوم کی غرض سے دار العلوم میں داخلہ لیا اور ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء میں دار العلوم سے فراغت حاصل کی۔ آپ نے حضرت مولانا محمد یعقوبؒ اولین صدر المدرسین دار العلوم دیوبند سے زیادہ استفادہ کیا۔ حضرت نانوتویؒ سے براہ راست بعض تفسیری درسوں میں مستفید ہوئے۔ آپ دار العلوم دیوبند میں اُس سال بغرض حصول تعلیم تشریف لائے تھے جس سال حضرت نانوتویؒ کا وصال ہوا؛ اس لیے حضرت نانوتویؒ سے مزید استفادہ نہیں فرما سکے، بلکہ حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مولانا عبد العلیؒ، مولانا سید احمد صاحب اور ملا محمود وغیرہ سے مختلف کتابیں پڑھیں۔ تجوید و قرأت کی مشق مکہ مکرمہ میں قاری محمد عبد اللہ مہاجر مکی (استاذ مدرسہ صولتیہ، مکہ مکرمہ) سے کی۔

ابتدائی حالات اور نسبت باطنی کا حصول

۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء میں اولاً مدرسہ فیض عام کان پور میں صدر مدرس مقرر ہوئے اور پھر مدرسہ جامع العلوم کان پور کی مسند صدارت کو زینت بخشی۔ کان پور میں آپ کے درس حدیث کی شہرت سن کر دور دور سے طلبہ کھنچے چلے آتے تھے۔ تدریسی خدمات کے علاوہ وعظ وارشاد بھی فرمایا کرتے تھے جس کی وجہ سے لوگ آپ سے کافی قریب ہوگئے تھے۔ باوجودیکہ کانپور میں اہل بدعت کی خاصی تعداد اور زور تھا مگر حضرت تھانوی کی محبت اور آپ سے تعلق لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہوگیا تھا، جب کہ عمر بھی کچھ زیادہ نہ تھی۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ذریعہ سے بواسطہ خط غائبانہ بیعت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء میں ہو چکی تھی، لیکن ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء کے حج میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اخذِ فیض کیا۔

۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء میں دوبارہ حج کیا اور حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر دوبارہ ایک زمانہ خاص تک رہ کر استفادۂ باطنی فرمایا اور خلعتِ خلافت سے بہرہ ور ہوئے۔

تھانہ بھون میں مستقل قیام اور علمی و دینی خدمات

حضرت حاجی صاحب کے مشورہ کے مطابق ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء میں کان پور چھوڑ کر خانقاہ امدادیہ تھانہ

بھون میں متوکلانہ قیام فرمایا اور وہیں تادم واپسیں ۴۷ سال تک تبلیغ دین، تزکیۂ نفس اور تصنیف وتالیف کی ایسی عظیم الشان اور گراں قدر خدمات انجام دیں کہ جس کی مثال اس دور کی کسی دوسری شخصیت میں نہیں ملتی۔ اللہ نے آپ کے وعظ میں بڑا اثر رکھا تھا، بڑے بڑے مجمع میں مخالفین کی اکثریت کے باوجود وعظ فرماتے تھے اور لوگ متاثر ہوتے تھے۔کان پور میں تدریس چھوڑنے کے بعد وعظ کا شغل تاحیات باقی رہا۔آپ کا شمار عظیم اصحاب طریقت اور اکابر تصوف میں ہوتا ہے۔تھانہ بھون میں خانقاہ امدادیہ میں جویان فیض اور طالبان حق کا تانتا بندھا رہتا۔اس زمانہ کے بڑے بڑے علماء وافاضل آپ کی خدمت میں استفادہ کے لیے حاضر ہوتے تھے۔اس راہ سے آپ نے اسلام اور اہل اسلام کی جو خدمت کی، وہ کم ہی لوگوں کے نصیب میں آتی ہے۔

آپ کے مواعظ، تصانیف اور ملفوظات نے لاکھوں کو انسان، ہزاروں کو مسلمان اور سیکڑوں کو متقی کامل بنا دیا۔آپ کی بدولت بے شمار بدعات اور غیر اسلامی رسوم کے دروازے بند ہوئے۔آپ کی تصانیف و مواعظ سے لاکھوں افراد کو علمی و عملی فیض پہنچا۔عوام اور خواص کا جتنا بڑا طبقہ بیعت وارشاد کی راہ سے اس دور میں ان سے مستفیض ہوا اس کی مثال کم ہی ملے گی۔ان کی رفعت و بلندی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ غیر منقسم ہندوستان کے بڑے بڑے صاحب علم وفضل اور اہل کمال ان کے حلقۂ بیعت میں شامل تھے۔ آپ کے مشہور خلفاء و منتسبین میں برصغیر کے جلیل القدر علماء وفضلاء اور بزرگان دین کے نام آتے ہیں، مثلاً: حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ مہتمم دارالعلوم دیو بند، حضرت مفتی محمد شفیع دیو بندیؒ مفتی اعظم پاکستان و بانی دارالعلوم کراچی، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ مرتب اعلاء السنن، حضرت مولانا عبد الباری ندوی، حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ، حضرت مولانا عبد الماجد دریابادیؒ، حضرت مولانا محمد عیسی الہ آبادیؒ، حضرت مولانا وصی اللہ الہ آبادیؒ، حضرت مولانا مسیح اللہ جلال آبادیؒ، حضرت مولانا عبد الغنی پھول پوریؒ، حضرت مولانا ابرار الحق ہر دوئیؒ وغیرہم۔

ان کی ذات والا صفات علم وحکمت اور معرفت وطریقت کا ایک ایسا سرچشمہ تھی جس سے نصف صدی تک برصغیر کے مسلمان سیراب ہوتے رہے۔دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں ان کی عظیم خدمات تقریری و تصنیفی صورت میں نمایاں نہ ہوں۔

تصنیفی خدمات

آپ کا علم نہایت وسیع اور گہرا تھا، جس کا ثبوت آپ کی تصانیف کا ہر ہر صفحہ دے سکتا ہے۔دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں تصانیف موجود نہ ہوں۔ وہ اپنی تصانیف کی کثرت اور افادیت کے لحاظ سے

ہندوستانی مصنفین میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ آپ کی چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد ساڑھے تین سو کے قریب ہے۔ ان کے علاوہ تین سو سے زائد وہ مواعظ ہیں جو چھپ چکے ہیں۔ مجموعی طور پر حضرت تھانویؒ کی تصانیف و رسائل کی تعداد تقریباً آٹھ سو ہے۔ برصغیر کے پڑھے لکھے مسلمانوں کے کم گھر ایسے ہوں گے جہاں حضرت تھانوی کی کوئی تصنیف موجود نہ ہو۔ ان میں بہشتی زیور کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ ہر سال مختلف مقامات سے ہزاروں کی تعداد میں چھپتی ہے اور ہاتھوں ہاتھ نکل جاتی ہے۔

کل کی کل تصنیفات تحقیقات علمیہ اور نکات احسانیہ سے لبریز ہیں۔ ان میں تفسیر بیان القرآن، شرح مثنوی مولانا روم، امداد الفتاوی، التعرف الی التصوف وغیرہ کئی کئی جلدوں میں ہیں۔ ملفوظات، مواعظ اور خطبات کی تعداد سیکڑوں کی حد تک ہے۔ ان تصانیف میں مشکل آیات کریمہ کی تفسیر، احادیث شریف کی شرح اور فقہ کے مشکل مسائل کے جواب، سلوک وطریقت کے نکتے، اخلاقی فضائل ورذائل کی حکیمانہ تحقیق اور ان کے حصول وازالہ کی تدابیر اور زمانۂ حال کے شکوک وشبہات کے جوابات سب کچھ ہیں۔ تصانیف میں متفرق علوم ومسائل اس کثرت سے ہیں کہ اگر ان میں سے ہر موضوع کے مباحث کو علیحدہ علیحدہ کیا جائے تو ہر موضوع پر ایک ایک مستقل کتاب بن جائے۔ چناں چہ اس قسم کے درجنوں مجموعے آچکے ہیں اور اب تک اس کا سلسلہ جاری ہے۔ خطوط کے جوابات کا جن کے متعلق وفات کے دن تک یہ اہتمام رہا کہ آج کے خط کا جواب کل کے لیے نہ اٹھا رکھا جائے، عظیم الشان دفتر الگ ہے۔

تصنیفات میں بلکہ ہر تحریر میں اہل نظر کو معلوم ہوگا کہ گویا مصنف کے سامنے سارے مسائل ومواد یکجا ہیں اور وہ سب کو اپنی اپنی جگہ احتیاط سے رکھتا جاتا ہے۔ عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ مصنف جس موضوع پر قلم اٹھاتا ہے اس میں اس کو ایسا غلو ہو جاتا ہے کہ دوسرے گوشوں سے اس کو ذہول ہو جاتا ہے۔ لیکن حضرت کی تصانیف کی خاص بات یہ ہے کہ آپ کا قلم مکمل احتیاط اور رعایت کے ساتھ غلو سے بچ کر اس طرح نکلتا ہے کہ جاننے والوں پر حیرت چھا جاتی ہے۔ آپ کا ترجمہ قرآن، تاثیر، سہولت بیان اور بیان مطالب میں اپنی نظیر آپ ہے۔ بیان القرآن آپ کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔ اسی طرح حدیث میں اعلاء السنن کے نام سے فقہ حنفی کی مستدل احادیث کا جو زبردست ذخیرہ مرتب کیا گیا آپ ہی کی کوششوں سے وجود میں آیا۔

آپ کی زندگی بڑی منظّم تھی۔ کاموں کے اوقات مقرر تھے اور ہر کام اپنے وقت پر انجام پاتا تھا۔ متوسلین کے بہت خطوط آتے تھے، مگر بقید وقت ہر ایک کا جواب خود اپنے قلم سے تحریر فرماتے تھے۔ سچ یہ ہے کہ آپ کی زندگی میں برکت، تصانیف ومشاغل علمیہ کی کثرت وافادیت کا راز بھی بظاہر اسی نظم وضبط اور وقت کے صحیح استعمال میں پوشیدہ ہے۔ ورنہ ۴۷ سال کی مدت میں تصوف وسلوک اور مسترشدین کی اصلاح

وخانقاہ کے انتظام کے ساتھ دین کے تقریباً ہر شعبہ اور فن میں تقریباً آٹھ سو نہایت قیمتی، تحقیقی اور بلند پایہ علمی تصنیفات کا ذخیرہ جو ہزار ہا ہزار صفحات پر پھیلا ہو، کوئی معمولی کارنامہ نہیں، بلکہ ایک زندہ کرامت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو استغناء کے ساتھ فیاضی کے جوہر سے بھی نوازا تھا۔ حضرت تھانوی کی یہ ایک امتیازی خصوصیت ہے کہ اپنی تصانیف سے کبھی ایک پیسہ کا فائدہ حاصل نہیں کیا۔ تمام کتابوں کے حقوق طبع عام تھے اور جس کا جی چاہے انھیں چھاپ سکتا تھا۔ حضرت تھانوی کی سیر چشمی اور فیاضی، خلوص وللّٰہیت کی دلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ اپنی تصنیفات کی غیر معمولی مقبولیت کے باوجود آپ نے کبھی کسی کتاب کا حق اشاعت وطبع اپنے لیے محفوظ نہیں رکھا حالاں کہ اس سے ان کو بلاشبہ لاکھوں کی آمدنی ہو سکتی تھی۔

دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی

۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۲ء میں حکیم الامتؒ کو دارالعلوم کا رکن شوری بنایا گیا۔ **۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء** میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ دارالعلوم دیوبند کے سرپرست ہوئے۔ آپ نے اپنی باطنی توجہات اور صرف ہمت کے ذریعہ دارالعلوم کے جہاز کو فتن وحوادث کے تھپیڑوں سے محفوظ رکھا۔ **۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء** میں اپنی گوناگوں مشغولیات کی وجہ سے آپ نے سرپرستی کے منصب سے استعفاء دے دیا۔ اس کے بعد دارالعلوم کے سرپرست کے نام سے کسی شخصیت کا انتخاب عمل میں نہیں آیا۔

وفات

۱۵-۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ (مطابق **۱۹-۲۰ رجولائی ۱۹۴۳ء**) کی درمیانی شب کو تھانہ بھون میں آپ نے اس جہان فانی کو خیرباد کہا۔ تھانہ بھون ہی میں حافظ ضامن شہیدؒ کے مزار کے قریب اپنے ذاتی باغ میں جسے آپ نے خانقاہ امدادیہ کے نام وقف کر دیا تھا، مدفون ہوئے۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے آپ کے انتقال کے موقع پر لکھا:

> ''اب اس دور کا بالکلیہ خاتمہ ہو گیا جو حضرت شاہ امداد اللہ مہاجر مکی، مولانا یعقوب نانوتوی، مولانا قاسم نانوتوی، مولانا شیخ محمد تھانوی رحمہم اللہ کی یادگار تھا اور جس کی ذات میں حضرات چشت اور حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت سید احمد شہید کی نسبتیں یکجا تھیں، جس کا سینہ چشتی ذوق وعشق اور مجددی سکون ومحبت کا مجمع البحرین تھا، جس کی زبان شریعت وطریقت کی وحدت کی ترجمان تھی جس کے قلم نے فقہ وتصوف کو ایک مدت کی ہنگامہ آرائی کے بعد باہم ہم آغوش کیا تھا اور جس کے فیض نے تقریباً نصف صدی تک اللہ تعالیٰ کے فضل وتوفیق سے اپنی تعلیم وتربیت اور تزکیہ وہدایت

سے ایک عالم کو مستفید بنا رکھا تھا، اور جس نے اپنی تحریر وتقریر سے حقائق ایمانی، دقائق فقہی، اسرار احسانی اور رموز حکمت ربانی کو برملا فاش کیا تھا۔ اسی لیے دنیا نے اس کو 'حکیم الامۃ' کہہ کر پکارا اور حقیقت یہ ہے کہ اس اشرف زمانہ کے لیے یہ خطاب عین حقیقت تھا۔'' (یادِ رفتگاں، مولانا سید سلیمان ندویؒ، کراچی جنوری ۱۹۵۵ء)

متعلقہ کتب:
اشرف السوانح، خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ
حکیم الامت نقوش وتاثرات، مولانا عبدالماجد دریابادیؒ
یادِ رفتگاں، مولانا سید سلیمان ندویؒ، کراچی جنوری ۱۹۵۵ء

حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ

۱۲۹۲-۱۳۵۲ھ/ ۱۸۷۵-۱۹۳۳ء

حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کی مبارک ہستی نہ کسی تعارف کی محتاج ہے اور نہ کسی تعریف کی دست نگر۔ ان کی حقیقی تاریخ ان کے تلامذہ اور مآثر علمی کی صورت میں ہمہ وقت نمایاں اور چشم دید ہے۔ اس امت مرحومہ میں لاکھوں علماء وفضلاء پیدا ہوئے اور اپنے نوارانی آثار دنیا کے لیے چھوڑ گئے، لیکن ایسی ہستیاں معدودے چند ہیں جن کا فیض عالم گیر اور محبوبیت عام قلوب کی امانت ہو اور جن کے علم کے ساتھ ساتھ عمل سے بھی امت نے استفادہ کیا ہو۔ حضرت امام العصر علامہ انور شاہ صاحبؒ کی ہستی انھیں مبارک اور معدودے چند ہستیوں میں سے ایک ممتاز ہستی ہے جو صدیوں میں پیدا ہوتی ہے اور صدیوں کو علم وفضل سے رنگین کر جاتی ہے۔ حضرت کا علم اگر متقدمین کی یاد تازہ کرتا تھا تو ان کا عمل سلف صالحین کو زندہ کیے ہوا تھا۔ علم، حافظہ، تقوی وطہارت اور زہد و قناعت مثالی تھی۔ علمی حیثیت سے ان کے تلامذہ ان کو چلتا پھرتا کتب خانہ کہا کرتے تھے۔

ابتدائی حالات

حضرت شاہ صاحب کشمیر کے رہنے والے تھے۔ ۲۷ شوال ۱۲۹۲ھ مطابق نومبر ۱۸۷۵ء کو سادات کے ایک معزز علمی خاندان میں آپ کی ولادت ہوئی۔ یہ خاندان اپنے علم وفضل کے لحاظ سے کشمیر بھر میں ممتاز خاندان سمجھا جاتا ہے۔ ساڑھے چار سال کی عمر میں اپنے والد بزرگوار مولانا سید معظم شاہ سے قرآن مجید شروع کیا۔ غیر معمولی ذہانت وذکاوت اور بے پناہ قوت حافظہ ابتدائے عمر سے موجود تھی، چناں چہ ڈیڑھ سال کی قلیل مدت میں کتاب اللہ کے ساتھ فارسی کی چند ابتدائی کتابیں ختم کر کے علوم متداولہ کی تحصیل میں مشغول ہو گئے۔

ابھی بمشکل ۱۴ سال کی عمر تھی کہ حصول علم کے جذبۂ بے پایاں نے ترک وطن پر آمادہ کر دیا، تقریباً تین سال ہزارہ کے مدارس میں رہ کر مختلف علوم وفنون میں دسترس حاصل کی مگر دیوبند کی شہرت نے مزید تکمیل کے لیے بے چین بنا دیا۔ چناں چہ ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۴ء میں دیوبند تشریف لائے، حضرت شیخ الہندؒ مسند صدارت پر متمکن تھے۔ استاذ نے شاگرد کو شاگرد نے استاذ کو پہلی ہی ملاقات میں پہچان لیا، کتب موقوف علیہ کے بعد

حدیث وتفسیر کی کتابیں شروع کیں اور چند ہی سال میں دارالعلوم دیوبند میں شہرت ومقبولیت کے ساتھ ایک امتیازی شان حاصل کی، پھر ۱۳۱۴ھ تک حدیث وتفسیر اور فنون کی اعلیٰ کتابوں سے فارغ ہوکر حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سندِ حدیث کے علاوہ باطنی فیوض سے بھی مستفیض ہوئے۔ حضرت گنگوہیؒ سے آپ کو شرف خلافت بھی حاصل ہوا۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد آپ نے مدرسہ امینیہ دہلی میں کچھ دنوں فرائض تدریس انجام دیئے، ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۳ء میں کشمیر چلے گئے۔ وہاں اپنے علاقہ میں فیض عام کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء میں حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے، کچھ مدت تک حجاز میں قیام رہا اور وہاں کے کتب خانوں سے استفادہ کا موقع ملا۔ ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۹ء میں آپ دیوبند تشریف لائے، حضرت شیخ الہندؒ نے آپ کو یہاں روک لیا۔ ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء کے اواخر میں جب شیخ الہند نے سفرحجاز کا قصد کیا تو اپنی جانشینی کا فخر شاہ صاحب کو بخشا۔ دارالعلوم کی مسندِ صدارت پر تقریباً بارہ سال تک جلوہ افروز رہے۔ ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۷ء کے اوائل میں اہتمام دارالعلوم کے بعض اختلافات کے باعث آپ فرائض صدارت سے دست کش ہوکر گجرات کے مدرسہ ڈابھیل میں تشریف لے گئے اور ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء تک وہاں درس حدیث کا مشغلہ جاری رہا۔

ایک باکمال شخصیت

اگر حضرت شیخ الہندؒ نے دارالعلوم کا غلغلہ چاردانگ عالم میں بلند کیا تو حضرت شاہ صاحب نے مسند تدریس پر رونق افروز ہوکر عالم اسلام کو علم دین کی روشنی سے منور کردیا۔ وہ علم حدیث میں عدیم النظیر محدث تھے، علومِ فقہ میں فقیہ اعظم، اتباع شریعت میں صلحائے سلف کا نمونہ تھے، تو معرفتِ الٰہی میں جنید وقت اور شبلیِ عصر؛ ان کا وجود شریعت کے لیے بھی موجب تقویت تھا۔ اسلامی دنیا نے اس قدر وسیع العلم اور باعمل علما بہت کم پیدا کیے ہیں، شاہ صاحبؒ اگر ایک طرف اپنے معاصرین میں تبحر علمی کے لحاظ سے عدیم النظیر تھے تو دوسری جانب زہد وتقویٰ میں بھی ان کی ذات بے مثل تھی۔ وہ ایک باکمال مفسر، محدث اور فلسفی تھے۔ آدمی کا ایک کمال کا ہونا بھی کم نہیں ہوتا مگر ان کی دستارکمال میں متعدد لعل آویزاں تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے وجود سے علمی دنیا میں ایک انقلاب پیدا ہوگیا تھا، تشنگانِ علوم کی جس کثیر تعداد نے اس بحرالعلوم سے سیرابی حاصل کی وہ آپ اپنی مثال ہے۔ مشرقِ وسطیٰ سے لے کر چین تک ان کے فیضانِ علم کا سیلاب موجیں مارتا رہا اور ہندو بیرون ہند کے ہزاروں تشنگانِ علوم نے اس سے اپنی پیاس بجھائی۔ غیر منقسم ہندوستان، عرب،

ایران، عراق، افغانستان، چین، مصر، جنوبی افریقہ، انڈونیشیا اور ملیشیا میں بکثرت آپ کے تلامذہ پھیلے ہوئے ہیں۔ دارالعلوم میں آپ کے زمانۂ قیام میں ۸۰۹ طلبہ نے دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔

حضرت شاہ صاحب کو قدرت کی جانب سے حافظہ ایسا عدیم النظیر بخشا گیا تھا کہ ایک مرتبہ کی دیکھی ہوئی کتاب کے مضامین ومطالب تو درکنار عبارتیں تک مع صفحات وسطور کے یاد رہتی تھیں، جو بات ایک مرتبہ کان یا نگاہ کے راستے سے دماغ میں پہنچ گئی وہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جاتی تھی، اور دورانِ تقریر بے تکلف حوالے پر حوالے دیتے چلے جاتے تھے۔ اسی کے ساتھ مطالعے کا اس قدر شوق تھا کہ جملہ علوم کے خزانے ان کے دامنِ جستجو کی وسعتوں کو مطمئن اور تشنگیٔ علم کو سیراب نہ کر سکتے تھے۔ کثرتِ مطالعہ اور قوتِ حافظہ کے باعث گویا ایک متحرک کتب خانہ تھے۔ صحاح ستہ کے ساتھ ساتھ اکثر کتابیں تقریباً نوکِ زباں تھیں۔ تحقیق طلب مسائل جن کی جستجو اور تحقیق میں عمریں گذر جاتی ہیں سائل کے استفسار پر چند لمحوں میں اس قدر جامعیت کے ساتھ جواب دیتے تھے کہ اس موضوع پر سائل کو نہ تو شبہ باقی رہتا تھا اور نہ کتاب دیکھنے کی ضرورت، پھر مزید لطف یہ کہ کتابوں کے ناموں کے ساتھ صفحات وسطور تک کا حوالہ بھی بتلا دیا جاتا تھا۔ وہ ہر ایک علم وفن پر اس طرح برجستگی کے ساتھ تقریر فرماتے تھے گویا ان کو تمام علوم مستحضر ہیں، دورانِ تقریر بے شمار کتابوں کے حوالے بلا تکلف دیتے چلے جاتے تھے، حتیٰ کہ اگر کسی کتاب کے پانچ پانچ اور دس دس حواشی ہوتے تو ہر ایک کی عبارت بقید صفحہ وسطر یاد ہوتی تھی۔ احادیث کا تمام ذخیرہ اور ان کی صحت وعدمِ صحت کے متعلق طویل وعریض بحثیں، رواۃ کے مدارج ومراتب نوک زباں تھے، مشہور ومعروف کتب خانوں کے اکثر مخطوطات نظر سے گذر چکے تھے، اور ہر طرح حافظہ میں موجود تھے کہ گویا آج ہی ان کا مطالعہ کیا ہے۔

آپ کا مطالعہ محض علوم شرعیہ تک ہی محدود نہ تھا بلکہ جس فن کی بھی کتاب ہاتھ میں آتی اس کا شروع سے آخر تک ایک مرتبہ مطالعہ ضرور فرما لیتے تھے اور جب کبھی اس کے متعلق بحث چھڑ جاتی تو اس کتاب کے مندرجات کو اس طرح حوالوں کے ساتھ بیان فرما دیتے کہ سننے والے حیران وششدر رہ جاتے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے علم جفر کے مشکل ترین مسائل حل کرنے کے لیے پیش کیے، شاہ صاحب نے حسب معمول برجستہ جوابات کے ساتھ متعدد کتب کے حوالے دے کر بتلا دیا کہ فلاں فلاں کتابوں کی جانب رجوع کیا جائے۔

شاہ صاحبؒ کا حافظہ غضب کا تھا، شیخ ابن ہمام کی مشہور کتاب فتح القدیر جو آٹھ ضخیم جلدوں میں ہے اس کا مطالعہ ۲۰ ؍دن میں اس طرح کیا تھا کہ فتح القدیر کی کتاب الحج کی تلخیص بھی ساتھ ساتھ کرتے گئے تھے، اور ابن ہمام نے صاحبِ ہدایہ پر جو اعتراضات کیے ہیں ان کے جوابات بھی لکھتے گئے۔ ایک مرتبہ دورانِ درس فرمایا کہ اب سے ۲۶ سال پہلے میں نے فتح القدیر کا مطالعہ کیا تھا، اب تک دوبارہ دیکھنے کی ضرورت پیش نہیں

آئی اور آج بھی اس کا جو مضمون اور بحث پیش کروں گا اگر تم مراجعت کروگے تو تفاوت بہت کم پاؤ گے۔ یہ ایک واقعہ ہے، اس طرح کے واقعات ان کی زندگی میں بے شمار ہیں۔

شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم کو شاہ صاحب سے بڑا تعلق تھا اور اکثر علمی مباحث میں ان سے رجوع کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اسلامی مسائل کی تدوین جدید کے لیے شاہ صاحب سے بہتر کوئی دوسرا شخص نہیں ہے۔ علامہ اقبال مرحوم کو اپنی زندگی کے آخری ایام میں اسلام سے جو شغف پیدا ہو گیا تھا، اس میں شاہ صاحبؒ کے فیضان صحبت کو بھی بڑا دخل حاصل ہے، علامہ موصوف نے اسلامیات میں شاہ صاحبؒ سے بہت کچھ استفادہ کیا تھا، چنانچہ علامہ اقبال مرحوم آپ کا بے حد احترام کرتے تھے اور عقیدت ومحبت کے جذبات کے ساتھ شاہ صاحبؒ کی رائے کے آگے سر تسلیم خم کر دیتے تھے۔

علوم نقلیہ وعقلیہ کے علاوہ علم تصوف پر بھی ان کی نظر مبصرانہ تھی، مولانا سید سلیمان ندویؒ نے شاہ صاحب کی وفات پر ''معارف'' میں لکھا تھا:

> ''ان کی مثال اس سمندر کی سی تھی جس کی اوپر کی سطح ساکن لیکن اندر کی سطح موتیوں کے گراں قیمت خزانوں سے معمور ہوتی ہے وہ وسعتِ نظر، قوتِ حافظہ اور کثرتِ حفظ میں اس عہد میں بے مثال تھے، علوم حدیث کے حافظ ونکتہ شناس، علوم ادب میں بلند پایہ، معقولات میں ماہر، شعر وسخن سے بہرہ منداور زہد وتقویٰ میں کامل تھے، مرتے دم تک علم ومعرفت کے اس شہید نے قال اللہ وقال الرسول کا نعرہ بلند رکھا۔''

مصر کے مشہور زمانہ عالم سید رشید رضا جب دیوبند تشریف لائے اور شاہ صاحبؒ سے ان کی ملاقات ہوئی تو بے ساختہ بار بار کہتے تھے: "ما رأيت مثل هذا الأستاذ الجليل" میں نے اس جلیل القدر استاذ جیسا کوئی عالم نہیں دیکھا۔ بہر حال دارالعلوم کی یہ خوش قسمتی تھی کہ حضرت شیخ الہندؒ کے بعد صدارت تدریس کا کام آپ کے سپرد ہوا، بقول مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ آپ کے زمانے میں طلبہ کی استعداد میں بڑا انقلاب ہوا اور اچھے اچھے مستعد طلبہ آپ کے حلقۂ درس سے مستفید ہو کر اٹھے۔

ملکی سیاست میں شاہ صاحبؒ اپنے استاذ حضرت شیخ الہند کے مسلک کے پیرو تھے، مسلمانان ہند میں صحیح اسلامی زندگی پیدا کرنا علماء کا اولین فریضہ سمجھتے تھے، جمعیۃ علمائے ہند کے آٹھویں سالانہ اجلاس منعقدہ پشاور کا بصیرت افروز خطبۂ صدارت اس کا روشن ثبوت ہے۔

حضرت تھانویؒ نے نفحۃ العنبر کی تقریظ میں لکھا ہے: ''میرے نزدیک اسلام کی حقانیت کی بہت سی دلیلوں میں سے ایک دلیل حضرت مولانا انور شاہ کا وجود بھی ہے۔ اگر اسلام میں کوئی کجی ہوتی تو مولانا انور شاہؒ یقیناً اسلام کو ترک کر دیتے''۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات پر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے تعزیتی تقریر میں فرمایا تھا کہ: ''مجھ سے اگر مصر وشام کا کوئی آدمی پوچھتا کہ کیا تم نے حافظ ابن حجر عسقلانی، شیخ تقی الدین بن دقیق العید اور سلطان العلما شیخ عزالدین بن عبدالسلام کو دیکھا ہے؟ تو میں استعارہ کرکے کہہ سکتا تھا کہ ہاں! دیکھا ہے کیوں کہ صرف زمانے کا تقدم وتاخر ہے، اگر شاہ صاحبؒ بھی چھٹی یا ساتویں صدی میں ہوتے تو ان خصوصیات کے حامل ہونے کی وجہ سے ان کے ہی مرتبہ میں ہوتے''۔

معروف تلامذہ

حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک ہزار سے زائد طلبہ کو درس حدیث دیا اور جن میں ممتاز تلامذہ میں برصغیر کے درج ذیل مشاہیر علماء کے نام شامل ہیں: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا سید بدر عالم میرٹھی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، علامہ محمد یوسف بنوری، مولانا عبدالقادر رائے پوری، مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، مولانا حامد الانصاری غازی، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، مولانا حمید الدین فیض آبادی، مولانا محمد میاں صاحب دیوبندی، مفتی محمد نعیم لدھیانوی، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا منظور احمد نعمانی رحمہم اللہ وغیرہ

تصنیفات وتالیفات

متعدد معرکۃ الآرا مسائل پر کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ درس حدیث کی تقریر کی جامعیت کا اندازہ 'فیض الباری' سے کیا جاسکتا ہے جو صحیح بخاری کی تقریر ہے اور چار ضخیم جلدوں میں شائع ہوچکی ہے اور بخاری کی مشہور شروح میں سے ایک ہے۔ ترمذی کی شرح عرف الشذی بھی آپ کی درسی تقریر کا مجموعہ ہے۔ مشکلات القرآن اپنے موضوع پر ایک نادر اور بے مثال کتاب سمجھی جاتی ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی فتنہ انگیز تحریک کے خلاف حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور ان کے لائق شاگردوں کی علمی وعملی مساعی قابل صد تحسین ہیں۔ ان حضرات نے ختم نبوت، تکفیر اور دیگر اسلامی فکری موضوعات پر قابل قدر مواد اکٹھا کردیا اور علمی طور پر قادیانی کو لاجواب کردیا۔ مختلف اسلامی مباحث پر عربی اور فارسی میں ایک درجن سے زائد تصانیف جو نہایت معرکۃ الآرا مسائل پر مشتمل ہیں زیورِ طبع سے آراستہ ہوچکی ہیں۔

ذیل میں آپ کی کچھ کتابوں کا نام ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) فیض الباری شرح بخاری (۲) عرف الشذی علی جامع الترمذی (۳) مشکلات القرآن (۴) نیل الفرقدین فی مسئلۃ رفع الیدین (۵) بسط الیدین لنیل الفرقدین (۶) فصل الخطاب فی مسئلۃ أم الکتاب (۷) ضرب الخاتم علی حدوث العالم (۸) خزائن الاسرار (۹) اکفار الملحدین (۱۰) التصریح بما تواتر فی نزول المسیح (۱۱) تحیۃ الاسلام فی حیاۃ عیسی علیہ السلام (۱۲) عقیدۃ السلام فی حیاۃ عیسی علیہ السلام (۱۳) خاتم النبیین (۱۴) کشف الستر عن صلاۃ الوتر وغیرہ

وفات

ڈابھیل میں چند سال قیام فرمانے کے بعد آخر میں امراض کی شدت سے مجبور ہو کر دیوبند جس کو آپ نے اپنا وطن اقامت بنالیا تھا چلے آئے تھے۔ دیوبند ہی میں ۳ رصفر المظفر ۱۳۵۲ھ/ ۲۸ رمئی ۱۹۳۳ء کو ۶۰ سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ قبر مبارک عیدگاہ کے قریب ہے۔

مولانا محمد یوسف بنوری نے نفحۃ العنبر میں حضرت شاہ صاحبؒ کے تفصیلی حالات لکھے ہیں، یہ کتاب عربی میں ہے، دوسری کتاب حیات انور اردو میں ہے۔ حیات انور مختلف حضرات کے مضامین کا گراں قدر مجموعہ ہے۔ الانور اور نقش دوام بھی آپ کے حالات و واقعات پر مشتمل ہیں۔

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

۱۲۹۶-۱۳۷۷ھ/ ۱۸۷۹-۱۹۵۷ء

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ دارالعلوم دیوبند کے صدرالمدرسین، جمعیۃ علمائے ہند کے صدر اور سیاست وطریقت کے امام تھے۔ آپ اپنی جامعیت کے اعتبار سے ان ابراھیم کان امة کی تفسیر تھے؛ کیوں کہ وہ بیک وقت علوم ومعارف کے امام، مجلس ارشادوسلوک کے صدرنشین، عزیمت واستقامت کے پہاڑ، فقرو تواضع کے نشان، بصائر وحکم کے سرچشمہ، زہدوقناعت کے مجسمہ، اخلاص وایثار کے پیکر، سخاوت وشجاعت کے مخزن، میدان صبرورضا کے شہ سوار، قافلۂ جہدوعمل کے تاجداراور سلف صالحین کی مکمل ومتحرک یادگار تھے۔

ابتدائی حالات

حضرت مدنیؒ کا وطن موضع الہ داد پور ٹانڈہ ضلع فیض آباد ہے۔ ۱۹؍شوال ۱۲۹۶ھ مطابق ۶؍اکتوبر ۱۸۷۹ء کو ضلع اناؤ کے قصبہ بانگرمئو میں پیدا ہوئے جہاں آپ کے والد ماجد سید حبیب اللہ صاحب ہیڈ ماسٹر تھے۔ اپنے علم وتقویٰ کے لحاظ سے سادات کا یہ خاندان ہمیشہ ایک خاص عظمت اور شاہی زمانہ میں ایک بڑی جاگیر کا مالک رہا ہے۔

ابتدائی تعلیم پرائمری اسکول میں حاصل کرنے کے بعد ۱۴؍سال کی عمر میں آپ دیوبند تشریف لائے۔ میزان الصرف میں داخلہ لیا، یہاں حضرت شیخ الہندؒ نے خاص شفقت وعنایت سے آپ کی تعلیم وتربیت فرمائی۔ دارالعلوم کے نصاب کی تکمیل اور سات سال یہاں کے علمی ماحول میں گذارنے کے بعد جب وطن مالوف تشریف لے گئے تو والد ماجد شوق ہجرت میں مدینۃ الرسول کے لیے رخت سفر باندھ چکے تھے۔ آپ بھی والدین کے ہمراہ روانہ ہوگئے۔ روانگئ حجاز سے قبل آپ حضرت گنگوہیؒ سے بیعت ہو چکے تھے اور انھیں کے حکم سے مکہ مکرمہ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے کسبِ فیض کیا۔ پھر مدینہ منورہ میں والد ماجد کے ساتھ مقیم ہوگئے۔ ہر چند آپ نے ہندوستان سے ہجرت کا قصد نہیں فرمایا تھا تاہم والد صاحب کی حیات تک آغوشِ پدری کو چھوڑ کر ہندوستان واپس آنا پسند نہیں کیا۔

مسجد نبوی میں تدریس

قیام مدینہ کے زمانے میں تقریباً بارہ تیرہ سال تک مسجد نبوی میں درس حدیث کی خدمت تنگی وعسرت کے باوجود توکلاً علی اللہ انجام دی۔ عموماً روزانہ بارہ بارہ گھنٹے تک مسلسل درس وتدریس کا مشغلہ جاری رہتا تھا، مختلف جماعتیں یکے بعد دیگرے حاضر ہوکر آپ کے فیضان علمی سے سیراب ہوتی تھیں۔ مسجد نبوی میں آپ کا درس حدیث وہاں کے تمام شیوخِ حدیث سے زیادہ پسندیدہ اور مقبول تھا، اور اس کی شہرت نے مختلف اسلامی ممالک کے طالبان علم کی ایک بڑی تعداد آپ کے گرد جمع کر دیا تھا۔ حجاز کی مقدس سرزمین اور خاص مسجد نبوی میں ایک ہندوستانی عالم کی جانب اس قدر کشش اور قبول عام کا باعث آپ کے طریقۂ درس کی اس خصوصیت کو سمجھنا چاہیے، جو آپ کو دارالعلوم کے اساتذہ سے ورثہ میں ملی تھی۔

مدینہ منورہ کے قیام کے زمانہ میں آپ کئی مرتبہ ہندوستان تشریف لائے۔ اسی درمیان آپ کو حضرت گنگوہیؒ سے خلعتِ خلافت حاصل ہوئی۔ ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۱ء میں تقریباً ایک سال دیوبند میں قیام فرما کر تدریسی خدمات بھی انجام دیں۔ ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۵۱ء میں جب حضرت شیخ الہندؒ حجاز تشریف لے گئے تو آپ کے یہاں قیام فرمایا، اور آپ ہی کے ذریعے سے ترکی کے وزیر جنگ انور پاشا اور کمال پاشا سے ملاقات فرما کر اپنی انقلابی اسکیم ان کے سامنے پیش کی تھی۔ جب عربوں نے ترکوں کے خلاف بغاوت کی اور شریف حسین نے حضرت شیخ الہند کو گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کیا تو آپ بھی حضرت شیخ الہندؒ کے رفقا میں شامل تھے، چناں چہ سوا تین سال تک آپ کو بھی مالٹا میں جنگی قیدی کی حیثیت سے رہنا پڑا۔

۱۳۳۸ھ مطابق ۱۹۲۰ء میں جب مالٹا سے رہائی ہوئی تو آپ حضرت شیخ الہندؒ کی معیت میں ہندوستان تشریف لائے، مالٹا سے واپسی کا زمانہ تحریک خلافت کے آغاز کا زمانہ تھا، آپ یہاں پہنچ کر حضرت شیخ الہندؒ کی قیادت میں سیاست میں شریک ہوگئے۔ اس زمانہ میں آپ کی مجاہدانہ اور سرفروشانہ قربانیوں نے مسلمانوں کے دلوں کو آپ کی عظمت ومحبت سے لبریز کر دیا تھا۔ حضرت شیخ الہندؒ کی وفات پر متفقہ طور سے آپ کو ان کا جانشین تسلیم کر لیا گیا تھا۔ آپ حضرت شیخ الہند کی سیاسی وعلمی وراثت کے سب سے بڑے امین تھے۔ آپ کو حضرت شیخ الہند سے طویل صحبت وملازمت کا شرف حاصل رہا جس میں آپ کے رفقاء ومعاصرین میں کوئی بھی آپ کا سہیم وشریک نہیں۔ اسی اتصال ویک نفسی نے حضرت مدنیؒ کی ذات کو ایک ایسا آئینہ بنا دیا تھا جس میں شیخ الہند کے سراپا کو بخوبی دیکھا جا سکتا تھا۔

جنگ آزادی میں شرکت وانہماک کے باعث آپ کو متعدد مرتبہ کئی کئی سال تک جیل میں بھی رہنا پڑا۔

آپ کی زندگی کے تقریباً آٹھ سال قید فرنگ میں گزرے۔ آپ جہاد حریت کے صف اول کے قائدین میں سے تھے اور آپ نے ملک کی آزادی کے لیے قید و بند کی بے انتہا صعوبتیں برداشت کیں۔ جمعیۃ علمائے ہند کے پلیٹ فارم سے آپ نے قوم وملت کی بیش بہا خدمات انجام دیں اور ملت اسلامیہ ہند کی اس عظیم الشان جماعت کی تاعمر قیادت فرمائی۔

دارالعلوم میں مسند صدارت پر

۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۷ء میں حضرت شاہ صاحبؒ دارالعلوم سے مستعفی ہوئے تو آپ کے سوا جماعت دارالعلوم میں کوئی ایسی شخصیت موجود نہ تھی جو دارالعلوم کی اس مہتم بالشان جگہ کو اس کے شایانِ شان پُر کر سکے؛ اس لیے اکابر کی نظر انتخاب آپ ہی پر پڑی۔ آپ کے زمانۂ صدارت میں طلبہ کی تعداد میں دوگنے سے بھی زیادہ اضافہ ہوا اور خاص طور پر دورۂ حدیث کی جماعت میں یہ اضافہ تین گنے سے بھی متجاوز ہوگیا۔ ۱۳۴۶ھ سے ۱۳۷۷ھ تک ۳۲ / سال کی مدت میں آپ کے زمانۂ صدارت میں ۴۴۸۳ طلبہ نے دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔

آپ کا درسِ حدیث مضامین کے تنوع اور جامعیت کے لحاظ سے دنیائے اسلام میں اپنی نوعیت کا واحد درس سمجھا جاتا تھا، چنانچہ اس کی عظمت، شہرت اور کشش سال بسال طلبہ کی تعداد میں اضافے کا موجب ہوتی رہی، حدیث نبوئ میں آپ کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع ہے اور برصغیر کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جہاں آپ کے شاگرد موجود نہ ہوں۔ برصغیر کے مدارس میں مسند حدیث پر فائز سربرآوردہ علمائے کرام میں اکثر کو آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ جس طرح آج دنیائے اسلام میں دارالعلوم کو علوم نبویہ کی تعلیم میں طغرائے امتیاز حاصل ہے اس طرح آپ کا علمی فیض بھی امتیاز خاص رکھتا ہے۔

جہادِ حریت کی قیادت

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ہندوستان کی جہادِ آزادی کے صف اول کے قائدین میں سے تھے۔ آپ کو بجا طور پر جانشین شیخ الہند کہا جاتا ہے۔ آپ نے حضرت نانوتویؒ اور حضرت شیخ الہندؒ وغیرہ اکابرین کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے ہندوستان کے آزادی کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا اور جمعیۃ علمائے ہند کے پلیٹ فارم سے ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی قیادت کا فریضہ انجام دیا۔

آپ نے ملک کو آزاد کرانے، اس سلسلہ میں قید و بند کی مصیبتیں اٹھانے، قربانیاں دینے اور خلوص و

استقامت سے کام کرنے کی ایسی مثال پیش کی جس کی وجہ سے ملت اسلامیہ اس سرزمین پر اعزاز وافتخار کے ساتھ سر اونچا کر کے، نام نہاد دعویداروں کے ساتھ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے، اپنے دین و شریعت اور زبان وتہذیب نیز نظام تعلیم میں اپنے تشخص اور اپنی ضرورت کا احساس کرانے کی اہل بن سکی۔ حضرت حاجی امداد اللہ کی دعائے صبح گاہی، حضرت نانوتوی کی قلبی کیفیات اور حضرت شیخ الہند کی ملکی وملی خدمات نے جو نقش قائم کیا ان کو عملی صورت میں آگے بڑھانے کے لیے آپ نے جمعیۃ علمائے ہند کے توسط سے گھر گھر آزادی کا صور پھونکا اور ایک پاک باز اور وفادار مجاہد کی حیثیت سے دینی وملکی خدمات کا ایک لازوال نقش قائم کیا۔ آپ کی انقلابی فکر وعزیمت اور سیاسی بصیرت کا لوہا مخالفین نے بھی مانا۔ ملک کی تقسیم کے جن مضر اثرات کو آپ نے اپنی تقریروں میں واضح کیا، آج وہ کھل کر سامنے آچکے ہیں۔

ایک جامع شخصیت

حضرت مدنیؒ کی ذات گرامی ایک ایسا جوہرِ قابل تھی جس میں عالمِ دین کی عظمت ورفعت، مجاہد کی جرأت و عزیمت اور شیخِ وقت کی کشش ومقبولیت جیسی ساری صفات محمودہ جمع تھیں۔ حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کی تعلیمی، تربیتی، تصنیفی اور سیاسی خدمات اور کارنامے نصف صدی سے زیادہ عرصہ کو محیط ہیں۔ مدینہ منورہ، مدرسہ عالیہ کلکتہ اور سلہٹ وآسام کے علاوہ صرف دارالعلوم دیوبند میں چار ہزار سے زائد تلامذہ ہیں جنھوں نے آپ کی شمع علم سے اکتساب نور کیا۔ لاکھوں سے زیادہ طالبین حق ہیں جنھوں نے تربیت گاہ مدنی سے تصحیح عقائد، تحسین اخلاق اور تزکیۂ باطن کا درس لیا جن میں ڈیڑھ سو سے زیادہ وہ خوش بخت اور جواں ہمت بھی ہیں جو احسان وسلوک کی منزلیں طے کر کے سند اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے۔ اصلاح معاشرہ اور تبلیغ دین کے لیے اس وسیع وعریض ملک کے چپے چپے کا دورہ، اسلامی عنوانات پر ہزاروں سے زائد خطبات وتقریریں، علوم اسلامی کی اشاعت کی غرض سے ہزاروں مکاتب دینیہ اور مدارس اسلامیہ کی سرپرستی ونگرانی آپ کی خدمات کا روشن عنوان ہیں۔

استخلاص وطن، حریت قومی اور ملت کی سربلندی کے لیے آپ نے وقت کی سب سے بڑی استعماری طاقت سے محاذ آرائی کی۔ آپ نے سیاست کے بحر مواج میں اپنے سفینہ کی تختہ بندی کی، مگر اس بصیرت کے ساتھ کہ اس کی چھینٹیں آپ کے دامن حیات کو نمناک نہ کر سکیں۔ آپ نے مذہب وسیاست کے جام و سندان کو باہم آمیز کر دیا، مگر اس کمال فراست کے ساتھ کہ دونوں کی نزاکتوں سے ایک لمحہ کے لیے بھی صرف نظر نہیں کیا۔ بسا اوقات پورا دن ٹرین، تانگہ اور بیل گاڑیوں کے تکلیف دہ سفر میں گذر جاتا اور رات کا بیشتر حصہ جلسہ، وعظ یا درس میں، لیکن کیا مجال کہ آہ نیم شبی اور آقائے بے نیاز سے عرض و نیاز کے محبوب

مشغلہ میں ذرا بھی فرق آ جائے۔

پھر ان ہمہ جہت اور مختلف النوع مشاغل کے ساتھ مختلف دینی، علمی، سیاسی اور تاریخی موضوعات پر کتب ورسائل کی تالیف وتصنیف، نیز ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے ان مکاتیب کی تحریر جن میں تفسیر آیات، تشریح احادیث، تفصیل عقائد، توضیح مسائل فقہیہ، رموز احسان اور تاریخ وسیاست سے متعلق بیش بہا نادر معلومات کا عظیم ذخیرہ جمع کر دیا ہے جس کے بارے میں پورے اعتماد کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ مکتوبات وملفوظات کی طویل فہرست میں مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری (م ۷۸۲ھ)، مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (م ۱۰۳۴ھ) اور شیخ حسام الدین مانک پوری کے مجموعۂ مکاتیب کے بعد شیخ الاسلام کے مکتوبات اپنی افادیت، اپنی اثر آفرینی، کثرتِ معلومات اور جامعیت میں سب پر فوقیت رکھتے ہیں، اور جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ مکتوبات قلم برداشتہ اور بالعموم اسفار یا قید وبند کی حالت میں لکھے گئے ہیں جس سے حضرت شیخ الاسلامؒ کے علمی استحضار وعبقریت کا کسی قدر اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ آپ کی خود نوشت سوانح حیات 'نقشِ حیات' تاریخ آزادیٔ ہند کی مستند دستاویز ہے۔

حضرت مولانا مدنیؒ کی ذات بڑی اخلاقی خوبیوں اور مکارم عادات کا مجموعہ تھی۔ آپ کا حلم وتواضع اور عاجزی وانکساری مثالی تھا۔ آپ کا دستر خوان نہایت وسیع تھا، عموماً کم از کم دس، پندرہ مہمان آپ کے دستر خوان پر ضرور موجود رہتے تھے۔

تصنیفات وتالیفات

حضرت مدنیؒ کی تصنیفات کی تعداد کم ہے؛ کیوں کہ مختلف تدریسی، سیاسی اور تبلیغی واصلاحی مشغولیات کی وجہ سے آپ اس جانب توجہ نہ دے سکے۔ ذیل میں آپ کی کتابوں کی فہرست دی جارہی ہے: (۱) مکتوبات شیخ الاسلام (۲) نقش حیات (۳) الشہاب الثاقب (۴) سلاسل طیبہ (۵) اسیرِ مالٹا (۶) متحدہ قومیت اور اسلام (۷) مودودی دستور کی حقیقت (۸) ایمان وعمل (۹) خطبات صدارت (۱۰) الخلیفۃ المہدی فی الاحادیث الصحیحۃ (۱۱) الحالۃ التعلیمیۃ فی الہند (۱۲) بحوث فی الدعوۃ والفکر الاسلامی (۱۳) درس بخاری (مرتب مولانا نعمت اللہ اعظمی)

وفات

محرم ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء میں حضرت مولانا مدنیؒ پر مدراس کے سفر میں دل کا دورہ پڑا، دیوبند

تشریف لانے پر ڈاکٹروں نے تشخیص کیا کہ قلب کا پھیلاؤ بڑھ گیا ہے۔ مقامی اور بیرونی ڈاکٹروں کا علاج ہوتا رہا، مگر افاقہ نہ ہوا، پھر یونانی علاج شروع کیا گیا، اس سے مرض میں قدرے تخفیف محسوس ہوئی۔ ۱۰/۱۱ جمادی الاول ۱۳۷۷ھ (۳/۴ دسمبر ۱۹۵۷ء) کو طبیعت کافی پرسکون رہی، ۱۲/ جمادی الاولی (۵/دسمبر) کی صبح کو طبیعت کافی بشاش ہوگئی، کئی دن کے بعد دوپہر کو غذا تناول فرمائی اور پھر لیٹ گئے۔ ۳/بجے کے قریب نماز ظہر کے لیے جب بیدار کرنا چاہا تو پتہ چلا کہ حضرت مدنیؒ واصل بحق ہو چکے ہیں۔ ۹/بجے شب میں جنازہ دارالحدیث میں لاکر رکھا گیا، حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارن پور نے نماز جنازہ پڑھائی اور ۱۲/۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ (۵/۶ دسمبر ۱۹۵۷ء) کی درمیانی شب میں اس خزینۂ علم ومعرفت کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنیؒ کے تفصیلی حالات خود ان کی خودنوشت سوانح نقش حیات، الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر وغیرہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

۱۳۰۵-۱۳۶۹ھ/ ۱۸۸۷-۱۹۴۹ء

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ دارالعلوم دیوبند کے مایۂ ناز فضلاء اور حضرت شیخ الہندؒ کے معتمد علیہ تلامذہ میں سے تھے۔ ایک عرصہ تک آپ نے دارالعلوم میں تدریسی خدمات انجام دیں اور کچھ برسوں تک صدر مہتمم بھی رہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان کی سب سے زیادہ نمایاں شخصیات میں شمار ہوتا تھا اور شیخ الاسلام کے لقب سے جانے جاتے تھے۔ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے رُکن اور شرعی دستور ساز کمیٹی کے صدر تھے۔ آپ غیر معمولی ذہانت و ذکاوت کے حامل تھے۔ علم بڑا مستحضر اور منقح تھا۔ علومِ عقلیہ سے خاص ذوق تھا، منطق و فلسفہ اور علمِ کلام میں غیر معمولی دسترس تھی۔ آپ حکمتِ قاسمیہ کے بہترین شارح تھے۔ علوم قرآنی اور حدیث میں بھی ید طولی حاصل تھا۔ حضرت شیخ الہند کے ترجمۂ قرآن پر آپ کے تفسیری حواشی اور صحیح مسلم کی مشہور عربی شرح فتح الملہم آپ کے علمی کمالات کی آئینہ دار ہے۔

ابتدائی حالات

حضرت مولانا عثمانی ۱۰ر محرم ۱۳۰۵ھ/ ۲۸ر ستمبر ۱۸۸۷ء کو بمقام بجنور پیدا ہوئے۔ آپ حضرت مولانا فضل الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ کے فرزندِ رشید تھے۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ مہتمم دارالعلوم اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ مفتی اعظم دارالعلوم کے بھائی تھے۔ سات سال کی عمر میں حافظ محمد عظیم دیوبندی کے سامنے بسم اللہ ہوئی۔ فارسی کی کتابیں مولانا محمد یٰسین صاحب دیوبندی سے پڑھیں۔ ۱۰ر ربیع الثانی ۱۳۱۹ھ/ ۲۷ر جولائی ۱۹۰۱ء کو دارالعلوم دیوبند میں عربی تعلیم کے لیے داخل ہوئے۔ آپ کے عربی کے اساتذہ میں حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مولانا غلام رسول ہزارویؒ، حضرت مولانا حکیم محمد حسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب شیرکوٹیؒ وغیرہ علماء شامل تھے۔ ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء میں سند فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد مدرسہ فتح پوری دہلی میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔ آپ نے دارالعلوم میں ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء سے ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۴ء تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۸ء میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (سورت،

گجرات) تشریف لے گئے جہاں حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے انتقال کے بعد ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔

دارالعلوم میں تدریس اور صدارت اہتمام

۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں دارالعلوم میں تدریس کے لیے آپ کا تقرر ہوا۔ یہاں آپ نے ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء تک درجۂ علیا کی مختلف کتابیں پڑھائیں۔ آپ کے درسِ صحیح مسلم کو بڑی مقبولیت وشہرت حاصل تھی۔ دارالعلوم میں ایک عرصہ تک تعلیمی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۸ء میں دارالعلوم انتظامیہ سے بعض اختلافات کے سبب حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ وغیرہ کے ساتھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (سورت، گجرات) تشریف لے گئے۔

۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء میں حضرت تھانویؒ اور بعض دوسرے اکابر کے ارشاد پر دارالعلوم تشریف لائے اور ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۴ء تک بہ حیثیت صدر مہتمم خدمات انجام دیتے رہے۔ اس دوران جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے بھی تعلق قائم رہا۔

اوصاف وکمالات

علم وفضل، فہم وفراست اور تدبر واصابت رائے کے لحاظ سے علامہ عثمانیؒ کا شمار ہندوستان کے چند مخصوص علماء میں ہوتا تھا۔ عجز وانکساری اور بزرگوں کا ادب واحترام آپ کی نمایاں خصوصیت تھی۔ اہل علم کے قدر دان اور خلوص کا مجسمہ تھے اور نہایت صاف شفاف قلب کے مالک تھے۔ غرباء ومساکین سے نہایت شفقت ومحبت اور اخلاقِ کریمانہ کا برتاؤ فرماتے تھے۔ آپ کے ظاہر وباطن میں یکسانیت تھی، اپنے قلبی جذبات کے چھپانے یا ان کے برخلاف اظہار پر قدرت نہ رکھتے تھے۔ اگر کسی سے خوش ہوتے تو ظاہر وباطن سے خوش ہوتے اور اگر کسی سے ناراض ہوتے تو علانیہ اس کا اظہار ان کے چہرہ سے ہوجاتا تھا۔

آپ حالات حاضرہ پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ اسی لیے ان کی تحریر وتقریر عوام وخواص دونوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔ عظیم الشان جلسوں میں ان کی فصیح وبلیغ عالمانہ تقریریں اہل ذوق کے لیے باعث کشش ہوا کرتی تھیں۔

مزاج میں زہد وقناعت کا غلبہ تھا۔ آپ کو حیدرآباد دکن کی ریاست نے اپنی عربی درس گاہ مدرسہ نظامیہ کی صدر مدرسی کے لیے پانچ سو ماہوار پر بلایا، لیکن آپ نے وہاں جانا قبول نہیں کیا۔ کراچی میں بھی کوئی

سرکاری مراعات حاصل نہیں کی۔ انھوں نے پاکستان میں مستقل ہجرت کے باوجود نہ تو اپنا کوئی خاص گھر بنایا اور نہ ہی کسی ذاتی کوٹھی پر قبضہ کیا، بلکہ بعض عقیدت منداہل ثروت کے مکان میں رہے اور اسی مسافرت میں اپنی زندگی بسر کردی۔

سیاسی خدمات

حضرت عثمانیؒ تحریک شیخ الہند میں بھی شریک رہے۔ سیاسیات میں اولاً جمعیۃ علمائے ہند کے ساتھ شریک تھے۔ علامہ عثمانیؒ سالہا سال تک جمعیۃ علمائے ہند کی مجلس عاملہ کے رکن رہے، جمعیۃ کے صفِ اول کے رہ نماؤں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ اس سے قبل وہ خلافت کمیٹی کے اہم رکن رہ چکے تھے۔ ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء میں جنگ بلقان کے زمانے میں انھوں نے ترکوں کے لیے چندہ جمع کرنے میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا تھا۔

۱۹۴۵ء میں متحدہ قومیت کے مسئلہ پر جمعیۃ علمائے ہند سے اختلاف پیش آیا اور وہ مسلم لیگ میں شامل ہوگئے۔ ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۶ء میں جمعیۃ علمائے اسلام کی بنیاد ڈالی اور اس کے پہلے صدر منتخب کیے گئے۔ جمعیۃ علمائے اسلام کے ارکان نے تحریک پاکستان میں عملی حصہ لیا اور سرحد وسلہٹ ریفرنڈم میں اہم کردار ادا کیا۔ ۱۹۴۶ء میں جب ہندوستان کی مجلس دستور ساز کا انتخاب ہوا تو آپ بنگال سے مسلم لیگ کی جانب سے اس کے رکن منتخب ہوئے۔ ہندوستان کی تقسیم کے بعد آپ کو مشرقی بنگال کے نمائندے کی حیثیت سے دستوریہ پاکستان کا رکن منتخب کیا گیا۔

۶/اگست ۱۹۴۷ء کو تقسیم ملک سے قبل دیوبند سے 'افتتاحِ پاکستان' کی تقریب میں حصہ لینے کے لیے کراچی روانہ ہوئے۔ ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کو کراچی میں جشنِ آزادی میں شرکت فرمائی اور وہیں مقیم ہوگئے۔

پاکستان میں دستور ساز اسمبلی کی رکنیت کے ساتھ آپ شرعی دستور ساز کمیٹی کے صدر مقرر ہوئے۔ آپ پاکستان میں اس جماعت کے روحِ رواں تھے جو آئین کو اسلامی قالب میں ڈھالنا چاہتی تھی۔ اس راہ میں آپ کی ابتدائی کوششوں کی کامیابی کا وہ نتیجہ تھا جس کو پاکستان کی آئینی اصطلاح میں 'قرارداد مقاصد' کہا جاتا ہے۔

پاکستان کے اقتدارِ اعلی پر آپ کی علمی وسیاسی خدمات کا خاص اثر تھا، خصوصاً عالمانہ اور مفکرانہ حیثیت سے خاص عظمت حاصل تھی۔ آپ کی دینی رہ نمائی کے ساتھ سیاسی رہ نمائی بھی مسلّم سمجھی جاتی تھی۔ حکومت کے نزدیک مذہبی معاملات میں آپ کی حیثیت مشیر خاص کی تھی؛ اس لیے زبانِ خلق نے آپ کو شیخ الاسلام کہہ کر پکارا جو اسلامی سلطنتوں میں عموماً قاضی القضاۃ کا لقب رہا ہے۔

علمی خدمات

علامہ عثمانیؒ زبان وقلم کے یکساں شہ سوار تھے۔ اردو زبان کے بلند پایہ ادیب اور بڑی سحر انگیز خطابت کے مالک تھے۔ فصاحت و بلاغت، عام فہم دلائل، پُر اثر تشبیہات و اندازِ بیان اور نکتہ آفرینی کے لحاظ سے ان کی تحریر وتقریر کا انداز یگانہ ومنفرد تھا۔ اپنی تقریر وتحریر میں قاسمی علوم کو بکثرت بیان فرماتے تھے۔ حضرت شیخ الہند نے اپنی حیات کے آخری دنوں میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کی تاسیس کے وقت جو خطبہ دیا تھا اس کے لکھنے اور جلسہ میں پیش کرنے کا شرف مولانا عثمانیؒ کو ہی حاصل ہوا تھا۔

حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمۂ قرآن پر آپ کے تفسیری حواشی کو بڑی شہرت حاصل ہے۔ یہ حواشی علامہ کی قرآن فہمی، تفسیروں پر عبور اور دل نشیں انداز بیان پر قدرت کے غماز ہیں۔ ان حواشی کی افادیت ہی ہے کہ ۱۹۰۴ء میں حکومت افغانستان نے اپنے سرکاری مطبع سے قرآنی متن اور ترجمۂ شیخ الہند کے ساتھ ان تفسیری حواشی کا فارسی ترجمہ افغانی مسلمانوں کے لیے شائع کیا۔ خود سعودی حکومت نے مجمع الملک فہد مدینہ سے ہزار ہا ہزار کی تعداد میں شائع کرا کے تقسیم کیا۔ ترجمۂ شیخ الہند اور تفسیر عثمانی کا پشتو، بنگلہ، ہندی اور دیگر زبانوں میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

علم حدیث میں آپ کی گراں قدر تصنیف فتح الملہم حنفی نقطۂ نظر سے صحیح مسلم کی پہلی شرح ہے۔ صحیح مسلم کی شرح لکھنے کا خیال آپ کو جوانی ہی سے تھا۔ حافظ بدرالدین العینی نے صحیح بخاری کی شرح لکھ کر احناف کی طرف سے حق ادا کر دیا تھا، مگر صحیح مسلم کی کوئی شرح حنفی نقطۂ نظر سے اب تک نہیں لکھی گئی تھی۔ آخر آپ نے اس سلسلہ میں اپنے دست و بازو کو آزمایا اور فتح الملہم لکھنا شروع کیا جس کا سلسلہ تمام عمر جاری رہا۔ فتح الملہم آپ کا ایسا زندہ جاوید کارنامہ ہے کہ جس نے آپ کے علم وفضل کو تمام عالمِ اسلام میں روشناس کرایا ہے۔

علم الکلام، العقل والنقل، اعجاز القرآن، حجابِ شرعی، الاسلام اور الشہاب لرجم الخاطب المرتاب وغیرہ آپ کی معرکۃ الآراء تصانیف ہیں۔ آپ کے متعدد رسائل کا مجموعہ 'مقالات عثمانی' کے نام سے بھی شائع ہو چکا ہے۔

حضرت علامہ عثمانیؒ کی کوئی صلبی اولاد نہیں تھی، لیکن انھوں نے لائق و فائق تلامذہ کی ایک کھیپ چھوڑی جن میں زیادہ تر دیوبند اور بعض ڈابھیل میں آپ کے شرف تلمذ سے مشرف ہوئے؛ ان میں یہ نام بہت نمایاں ہیں: مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، ابوالمآثر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا محمد یوسف بنوریؒ۔

وفات

۲۱؍صفر ۱۳۶۹ھ/ ۱۳؍دسمبر ۱۹۴۹ء کو بہاول پور (بغدادالجدید) میں چند گھنٹوں کی مختصر علالت کے بعد انتقال فرمایا جہاں آپ وزارت تعلیم کی درخواست پر ریاست بہاول پور کے جامعہ عباسیہ کی اصلاح و ترقی کے سلسلہ میں صلاح ومشورہ کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ جنازہ بہاول پور سے کراچی لایا گیا اور قیام گاہ واقع محمد علی روڈ کے قریب آپ کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔

حوالہ جات:

تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد دوم، ص ۲۳۹ تا ۲۴۴

دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات، ص ۱۴۵ تا ۱۵۱

دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی، ص ۱۱۱

مشاہیر علمائے دیوبند، ۲۰۹ تا ۲۱۴

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ

۱۲۷۵-۱۳۴۷ھ / ۱۸۵۸-۱۹۲۸ء

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی دیوبندیؒ، دارالعلوم دیوبند کے مفتی اول و مفتی اعظم، نائب مہتمم، ذی استعداد عالم دین اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ آپ نے تدریس کے علاوہ، فتوی نویسی کے خدمات انجام دیں اور دارالافتاء دارالعلوم کو علمی و دینی حلقوں میں وقار و اعتبار بخشا۔ مطبوعہ مکمل و مدلل فتاوی دارالعلوم دیوبند آپ ہی کے فتاوی کا مجموعہ ہے جو مکررات کو حذف کرنے کے بعد اٹھارہ جلدوں میں چھپ چکا ہے۔ آپ علم وعمل، اخلاق و ملکات، معرفت وبصیرت اور فقاہت و درایت کی بے مثال شخصیتوں میں سے ایک بلند پایہ شخصیت تھے جنھوں نے دارالعلوم دیوبند کے دارالافتا کو زینت بخشی۔

ابتدائی حالات

حضرت مفتی صاحب کا سال ولادت ۱۲۷۵ھ/ ۱۸۵۸ء ہے، تاریخی نام 'ظفر الدین' رکھا گیا۔ آپ کے والد ماجد مولانا فضل الرحمٰن عثمانی ہیں جو دارالعلوم کی بنا و قیام میں شریک رہے۔ ۱۲۸۴ھ/ ۱۸۶۸ء کے اواخر میں جب دارالعلوم میں درجہ قرآن شریف جاری کیا گیا تو حضرت مفتی صاحب کو درجہ قرآن میں داخل کر دیا گیا۔ شعبان ۱۲۸۵ھ میں انہوں نے نصف قرآن مجید کے حفظ کا امتحان دیا اور ۱۲۸۷ھ میں پورا قرآن شریف حفظ کرلیا۔ اس وقت درجہ قرآن شریف کے استاد حافظ نامدار خاں صاحب تھے۔ ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں انہوں نے بخاری شریف ومسلم شریف اور شرح عقاید کا امتحان دے کر دارالعلوم سے فراغت حاصل کی۔ اس وقت حضرت مولانا یعقوب نانوتوی، حضرت مولانا سید احمد دہلوی، حضرت شیخ الہند اور مولانا عبدالعلی رحمہم اللہ تعالیٰ دارالعلوم کے نمایاں اساتذہ تھے۔ ۱۲۹۸ھ/ ۱۸۸۱ء کے جلسہ دستار بندی میں آپ کو سند و دستار حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے دست مبارک سے عطا ہوئی۔

فراغتِ تعلیم کے بعد کچھ عرصے دارالعلوم میں معین المدرس رہے اور اسی کے ساتھ فتویٰ نویسی کی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔ پھر آپ کو میرٹھ بھیج دیا گیا۔ وہاں مدرسہ اسلامیہ اندرکوٹ میں کئی سال تک درس و

تدریس میں مصروف رہے۔ ۱۳۰۹ھ میں اکابر دارالعلوم نے نائب مہتمم کے عہدے کے لیے ان کا انتخاب کیا۔ پھر ایک سال کے بعد ان کو مفتی ومدرس دارالعلوم مقرر کیا گیا۔ روداد دارالعلوم (۱۳۴۳ھ) میں لکھا ہے:

''مولوی عزیز الرحمٰن صاحب نے فراغت کے بعد بطور معین المدرسین دارالعلوم میں درس دیا اور حضرت مولانا یعقوبؒ کی نگرانی میں افتاء کا کام بھی کیا۔ اسی زمانہ میں ان کو داعیۂ طریقت پیدا ہوا، خاندان نقشبندیہ میں حضرت مولانا رفیع الدینؒ کے ہاتھوں پر بیعت کی، چندسال ریاضت و مجاہدات کے بعد اجازت حاصل ہوئی۔ چندسال تک میرٹھ کے مدرسہ اسلامیہ واقع اندرکوٹ میں مدرس رہے، اس زمانے میں آپ کو دوبارہ حج کا شوق پیدا ہوا، اس سفر میں آپ کا حج کے ساتھ یہ بھی مقصد تھا کہ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداداللہ قدس سرہ کی خدمت میں قیام فرمائیں۔ چنانچہ ڈیڑھ سال آپ کا اس سفر میں صرف ہوا اور حضرت حاجی امداداللہ صاحبؒ نے بھی آپ کو مجاز فرمایا ۔شوال ۱۳۰۵ھ میں تشریف لے گئے تھے اور صفر ۱۳۰۷ھ میں واپس تشریف لائے۔ ۱۳۰۹ھ /۱۸۹۱ء میں آپ کو میرٹھ سے دیوبند بلالیا گیا، اس وقت سے برابر دارالعلوم کی خدمت میں مصروف رہے۔''

مسند افتاء پر

دارالعلوم نے استفتاءات کی کثرت کی وجہ سے ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ھ میں دارالافتاء قائم کیا اور فتوی نویسی کی خدمات مستقل طور پر حضرت مفتی عزیز الرحمٰنؒ کو سونپی گئیں۔ مفتی صاحب نے اس فریضہ کو بحسن وخوبی انجام دیا۔ حضرت مفتی صاحب بڑے اہم اور معرکۃ الآرا استفتاءات کا جواب قلم برداشتہ اور مراجعت و کتب کے بغیر بلا تکلف تحریر فرمادیا کرتے تھے۔ چالیس سال کے قریب آپ نے دارالعلوم کے دارالافتاء کی خدمات جلیلہ انجام دیں۔ اس دور میں بے شمار ایسے مشکل فتاویٰ بھی لکھے جو نہ صرف فتویٰ بلکہ معرکۃ الآرامہمات میں محاکمہ کی حیثیت رکھتے ہیں، مگر صرف چند لفظوں میں ان کا جواب تحریر فرمادیتے تھے۔ سفر میں دارالافتاء کی ڈاک ساتھ رہتی تھی، مراجعت کتب کے بغیر محض حذاقت ومہارت اور کمال استعداد سے بے تکلف فتاویٰ تحریر فرماتے رہتے تھے۔ نصوص فقہ اکثر و بیشتر حفظ یاد رہتی تھیں۔ آپ کے فتاویٰ کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ عام فہم بھی ہوتے تھے۔ فتاویٰ کی زبان سہل اور سلیس ہوتی تھی، یہ ایسی خصوصیت ہے جو اس دور کے فتاویٰ میں اور کہیں نہیں پائی جاتی۔ فتاویٰ نویسی میں حضرت مفتی صاحبؒ کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ زمانے کے تقاضوں سے کبھی صرف نظر نہیں

کرتے تھے۔ اس پر ان کی نظر بہت گہری پڑتی تھی اور کسی مسئلہ کے دو مختلف مفتی بہ پہلو ہوتے تو ایسے موقع پر وہ آسان پہلو کو اختیار کرتے اور اسی پر فتویٰ دیتے تھے، ایسی صورت ہرگز اختیار نہیں کرتے جو عوام کے لیے مشکلات پیدا کرنے والی ہو، ان کے فتاویٰ میں جا بجا اس کی مثالیں موجود ہیں۔ آپ کے فتاوی کی یہ خصوصیت بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ آپ کے فتاویٰ ہند و بیرون ہند میں مسلمانوں کے معاملات و عبادات و اعتقادات میں فیصلہ کن سمجھے جاتے ہیں۔

فتویٰ نویسی علومِ شرعیہ میں بڑا مشکل کام ہے، اس کام میں حالات کے بدلنے سے جس قدر نزاکتیں پیدا ہو جاتی ہیں ان کو صرف اہل علم ہی سمجھ سکتے ہیں۔ یوں تو فتاوی ہر زمانے میں لکھے گئے ہیں۔ مگر فتاوی نویسی کا جو کمال حضرت مفتی صاحب کو حاصل تھا، وہ کم ہی دوسروں میں نظر آتا ہے۔ ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ھ سے ۱۳۱۹ھ/ ۱۰۹۱ء تک حضرت مفتی صاحبؒ نے جو فتاویٰ تحریر فرمائے ہیں افسوس ہے کہ ان کا ریکارڈ موجود نہیں ہے۔ ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء سے ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۷ء تک کے فتاویٰ کی تعداد بیالیس ہزار سے زائد ہے۔ مذکورہ بالا تعداد صرف وہ ہے جس کا ریکارڈ محفوظ ہے۔ حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیو بند کے ایک سرسری اندازے کے مطابق حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ کی تعداد ایک لاکھ اٹھارہ ہزار کے لگ بھگ ہے۔ ان کا یہ زبردست کارنامہ عظیم الشان دینی خدمت ہے۔ ۱۳۳۳ھ سے ۱۳۴۶ھ تک کے فتاویٰ کو 'فتاوی دار العلوم دیو بند' کے عنوان سے اٹھارہ جلدوں میں فقہی ترتیب کے لحاظ سے مرتب کرا کر دار العلوم کی جانب سے شائع کیا جا چکا ہے۔

اخلاق و اوصاف

حضرت مفتی صاحب صرف عالم اور مفتی ہی نہیں تھے بلکہ عارف باللہ اور صاحب باطن بزرگ تھے۔ بیعت و ارشاد کا سلسلہ بھی مستقلاً قائم تھا اور ہزارہا بندگان خدا اطراف ہندوستان میں آپ کی باطنی تلقین و تربیت سے فیضیاب ہو کر مراد کو پہنچے۔ علم و فضل کے ساتھ تواضع و کسر نفسی آپ کا خاص رنگ تھا، جو چھوٹی چھوٹی جزئیات تک میں نمایاں ہوتا تھا۔ روزانہ کا معمول تھا کہ بعد نماز عصر محلّہ کے آس پاس کے گھروں کے دروازوں پر جا کر پوچھتے کہ بازار سے کسی کو کچھ سودا منگانا ہو تو بتلا دے۔ حضرت مفتی صاحبؒ سب کے پیسے لے لیتے اور بازار جا کر ایک ایک کا فرمائشی سودا خریدتے، کسی کا نمک، کسی کی مرچ، کسی کا دھنیا؛ اور یہ سب سامان رومال کے الگ الگ کونوں میں باندھ کر خود ہی لاتے۔ یہ کبھی گوارا نہ کرتے کہ اس بوجھ کو کوئی دوسرا اٹھائے، خود ہی یہ سامان اپنے کندھوں پر لادتے، بعض اوقات بوجھ سے دہرے ہو جاتے تھے، مگر کسی حالت میں گوارا نہ تھا کہ اسے دوسرے کے حوالے فرما کر کچھ ہلکے ہو جائیں۔ پھر خود ہی گھر گھر جا کر یہ اشیاء فرمائش کنندوں کے سپرد فرماتے۔ بے نفسی

اور خدمت خلق کے اس عمل میں ان کو کبھی تصور بھی نہ ہوتا تھا کہ میں کوئی خدمت کرر ہا ہوں یا کوئی بڑا عمل ہے جو میرے ہاتھوں انجام پا رہا ہے، یا میں کسر نفسی کا کوئی عظیم کارنامہ انجام دے رہا ہوں۔

ان عملی مجاہدات کے ساتھ درس کی علمی باریک بینیاں مستزاد تھیں۔ افتاء کے ساتھ درس کا شغل مستقل رہتا تھا۔ فقہ، حدیث اور تفسیر کے اونچے اسباق آپ کے یہاں ہوتے تھے۔ بڑی بڑی اہم تحقیقات جو آپ کے ذہن رسا کی پیداوار ہوتی تھیں کبھی بھی اپنی طرف منسوب کر کے دعوے کا انداز اختیار نہیں کرتے بلکہ بطور احتمال ارشاد فرماتے اور تقریر کے ضمن میں کہتے کہ اس مسئلہ میں ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے، حالاں کہ وہ ان کی تحقیق ہوتی تھی مگر کبھی بھی یوں نہیں فرماتے کہ اس مسئلے میں میری رائے اور تحقیق یہ ہے۔ غور کیا جائے تو یہ مقام اس علمی خدمت اور عملی بے نفسی کے مقام سے بھی زیادہ بلند اور نازک تر ہے جہاں تک پہنچنا ہر کسی کا حوصلہ نہیں۔ علمی دقائق خود اپنا ذہن پیش کرے اور اس ذہن کو کبھی بھی آگے نہ لایا جائے، بے نفسی اور فنا کا یہ نہایت ہی اونچا مقام ہے اور اسی کو میسر آ سکتا ہے جس کے رگ وپے میں تواضع اور کسر نفسی سما گئی ہو۔

۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۷ء میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیری صاحبؒ کے ساتھ حضرت مفتی صاحب بھی دارالعلوم سے مستعفی ہو گئے تھے۔ ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ء میں حضرت شاہ صاحبؒ علالت کے باعث جب دیوبند تشریف لائے تو بخاری شریف کے چودہ پارے باقی تھے۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے ذمہ داروں کے اصرار پر حضرت مفتی صاحب ہی ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ میں ڈابھیل تشریف لے گئے اور بخاری شریف کا درس شروع کرا دیا اور صرف ڈیڑھ ماہ کی قلیل مدت میں بخاری شریف کے باقی ماندہ چودہ پارے ختم کرا دیے۔

وفات

جمادی الثانیہ ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ء کے اوائل میں آپ دیوبند تشریف لائے۔ راستہ میں طبیعت علیل ہو گئی، دیوبند پہنچنے پر علاج شروع ہوا مگر افاقہ نہ ہو سکا، وقت موعود آ چکا تھا، بالآخر ۱۷/ جمادی الثانیہ ۱۳۴۷ھ مطابق ۳۰/ نومبر ۱۹۲۸ء کی شب میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اگلے دن حضرت مفتی صاحبؒ کی جنازے کی نماز ہوئی اور آپ دارالعلوم کے قبرستان میں سپرد خاک کیے گئے۔

حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہویؒ

۱۳۰۰-۱۳۷۴ھ/۱۸۸۲-۱۹۵۵ء

حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہویؒ، دارالعلوم دیوبند کے نہایت ممتاز فضلا میں سے تھے۔ شیخ الادب والفقہ کے لقب سے شہرت پائی۔ عربی زبان وادب کا خاص ذوق رکھتے تھے اور متعدد عربی کتب وحواشی تحریر فرمائے۔ دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی، استاذ حدیث اور نائب ناظم تعلیمات رہے۔ آپ نے اپنی علمی وانتظامی صلاحیتوں سے دارالعلوم کی بے انتہا خدمت فرمائی۔

ابتدائی حالات

یکم محرم ۱۳۰۰ھ/۱۰ر نومبر ۱۸۸۲ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد جناب محمد مزاج علی صاحب امروہہ کے رہنے والے تھے اور ان دنوں ملازمت کے سلسلہ میں بدایوں مقیم تھے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم شاہجہاں پور میں ہوئی جہاں آپ کے والد ٹرانسفر ہو گئے تھے۔ وہیں حفظ قرآن کی تکمیل کی۔ پھر تلہر ضلع سیتاپور کے مدرسہ گلشن فیض کے صدر مدرس مولانا مقصو علی خان صاحب شاہجہاں پوری سے شرح جامی تک کی کتابیں پڑھیں اور پھر شاہجہاں پور کے مدرسہ عین العلم میں مولانا بشیر احمد صاحب اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب سے تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد میرٹھ کے مدرسہ قومی میں داخلہ لے کر مولانا عبدالمومن دیوبندی اور مولانا عاشق الٰہی میرٹھی سے کچھ کتابیں پڑھیں۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ یہاں ہدایہ، ابوداؤد، ترمذی اور بخاری حضرت شیخ الہند سے، فنون کی کتابیں حضرت مولانا غلام رسول ہزاروی اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب سے اور ادب کی تمام کتابیں مولانا سید معزالدین صاحب سے پڑھیں۔

۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے مدرسہ نعمانیہ پورینی ضلع بھاگلپور (بہار) تشریف لے گئے اور تقریباً سات سال اس علاقہ میں درس دیتے رہے۔ پھر آپ شاہ جہاں پور تشریف لائے اور ایک مسجد میں افضل المدارس کے نام سے مدرسہ قائم کیا جس میں تقریباً تین سال آپ نے نہایت کامیابی کے ساتھ درس دیا۔

دارالعلوم میں

۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء میں آپ کا تقرر دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس ہوا اور پہلے سال آپ کو عربی کی ابتدائی کتابیں علم الصیغہ اور نورالایضاح وغیرہ پڑھانے کے لیے دی گئیں۔ دارالعلوم کی روداد میں آپ کی نسبت لکھا ہے:

''مولوی اعزاز صاحب طبقۂ وسطیٰ واخریٰ کے درمیانی فارغ التحصیل حضرات میں سے ہیں۔ چند جگہ مدرس رہے۔ آپ ایک نوجوان با استعداد اور صاحب صلاح وتقویٰ عالم ہیں، صورۃً وسیرۃً اپنے سلف کی یادگار ہیں۔ علوم میں استعداد تام رکھتے ہیں، خصوصاً علم ادب میں خاص مہارت ہے، ابھی آپ نے حماسہ کا تحشیہ کیا ہے اور کنز الدقائق کا تحشیہ کر رہے ہیں، اس سے پہلے دیوان متنبّی کا تحشیہ کر چکے ہیں۔ آپ دارالعلوم کے درجۂ وسطیٰ میں درس دیتے ہیں، علم ادب کے اکثر اسباق آپ کے پاس رہتے ہیں، طلبہ کو عربی تحریر کی مشق بھی کراتے ہیں، خوش تقریر ہیں، طلبا آپ سے نہایت مانوس ہیں۔''

۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء میں جب حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کا ریاست حیدرآباد کے مفتی اعظم کے عہدہ پر انتخاب عمل میں آیا تو اپنی ضعیف العمری کی وجہ سے حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کو اپنی معیت میں لے گئے، وہاں ایک سال قیام رہا۔ حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کے ساتھ ہی آپ دیوبند تشریف لائے۔

۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ء میں مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے بعد صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کا عہدہ سونپا گیا جس پر آپ ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۲۹ء تک فائز رہے۔ دوسری مرتبہ ۱۳۶۴ھ/ ۱۹۴۵ء میں آپ کو افتاء کا منصب تفویض کیا گیا جس پر ۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۷ء تک فائز رہے۔ آپ کے دور صدارت میں کل ۲۴۸۵۵ر فتاویٰ لکھے گئے۔

فقہ وادب آپ کا خاص فن تھا، جس کی مہارت مشہور زمانہ ہے۔ آپ جب شروع میں دارالعلوم دیوبند تشریف لائے تو عربی کی ابتدائی کتابیں علم الصیغہ اور نورالایضاح وغیرہ آپ کو دی گئیں، مگر آپ کے درس نے بالآخر وہ مقبولیت حاصل کی کہ ''شیخ الادب والفقہ'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ عمر کے آخری دور میں کئی سال ترمذی جلد ثانی اور تفسیر کی بلند پایہ کتابیں پڑھائیں۔ حضرت مولانا مدنیؒ کی عدم موجودگی میں متعدد مرتبہ بخاری شریف کے پڑھانے کا بھی ان کو اتفاق پیش آیا۔ تعلیم کے ساتھ طلبہ کی تربیت اور نگرانی کا ان میں خاص ذوق تھا، جس سے طلبہ کو بے انتہا فائدہ پہنچا۔ آج تک آپ کے شاگرد آپ کو یاد کرتے ہیں۔ آپ کی پابندیٔ اوقات ضرب المثل تھی اور اوقات درس کی پابندی میں اپنی نظیر آپ تھے، یہاں تک کہ بعض

اساتذۂ دارالعلوم نے درس میں وقت کی پابندی کا سبق حضرت شیخ الادب ہی سے سیکھا۔تدریس کے ابتدائی دور سے آخرعمر تک منٹوں اور سکنڈوں تک کی پابندی فرماتے رہے۔

بے نفسی اور تواضع میں اپنی مثال آپ تھے۔ بڑی سے بڑی کتابوں کے درس کے ساتھ چھوٹی سے چھوٹی کتاب پڑھانے میں کبھی آپ کو عار نہ ہوا تھا، ترمذی و بخاری کے درس کے ساتھ بچوں کو میزان الصرف، علم الصیغہ ،نورالایضاح وغیرہ بھی پڑھاتے تھے۔آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب طالب علم وہ ہوتا تھا جو یکسوئی کے ساتھ پڑھنے لکھنے میں لگا رہے اور سب سے زیادہ مبغوض وہ ہوتا تھا جو غیر تعلیمی مشاغل میں لگ کر پڑھنے میں تساہل کرے، خواہ وہ خودان کی اولادکیوں نہ ہو۔

انتظامی امور میں بھی آپ کی قابلیت مسلّم تھی اور وقتاً فوقتاً ادارۂ اہتمام کے ذریعہ آپ کی انتظامی صلاحیتوں سے استفادہ کیا جاتا تھا۔غرض آپ ایک بے نظیر استاذ اور متبحر عالم دین اور جامع شخصیت تھے۔ دارالعلوم میں آپ کی علمی خدمات کا دور چوالیس برس تک ممتد رہا۔

تصنیفات وتالیفات

حضرت شیخ الادبؒ کو جس طرح عربی نظم ونثر پر قدرت حاصل تھی،اسی طرح وہ اردو نظم ونثر میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے۔اردو نثر میں ان کا ایک خاص انداز تھا۔آپ بہت اچھا شعری ذوق رکھتے تھے۔آپ کے عربی زبان کے متعدد قصائد دارالعلوم کے ترجمان ماہنامہ القاسم میں شائع ہوتے رہے۔آپ نے عربی و فارسی میں متعدد کتب و حواشی تحریر فرمائے، نیز اردو میں بعض کتابوں کا ترجمہ بھی فرمایا، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) عربی ادب میں نفحۃ الیمن کے معیار کے مطابق 'نفحۃ العرب' کے نام سے ایک کتاب مرتب فرمائی تھی، جس میں حکایات وقصص اور اخلاقی مضامین بیان کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب عربی مدارس کے نصاب میں داخل کی گئی۔ (۲) شرح دیوان حماسہ (۳) حاشیہ دیوان متنبیّ (۴) حاشیہ کنز الدقائق (۵) حاشیہ فارسی نور الایضاح (۶) حاشیہ عربی نورالایضاح (۷) حاشیہ عربی قدوری (۸) محمود الروایہ حاشیہ شرح النقایہ لملاعلی قاریؒ (۹) حاشیہ شمائل ترمذی (۱۰) حاشیہ تلخیص المفتاح (۱۱) حاشیہ عروض المفتاح (۱۲) قصیدہ لامیہ مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کا ترجمہ (۱۳) علامہ ابن حجر مکیؒ کی کتاب الزواجر کا اردو ترجمہ (۱۴) مفید الطالبین وغیرہ

وفات

۱۴ر رجب ۱۳۷۴ھ/ ۸ر مارچ ۱۹۵۵ء کو اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی اور قبرستان قاسمی دیوبند میں مدفون ہوئے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ

۱۳۱۴-۱۳۹۶ھ/ ۱۸۹۶-۱۹۷۶ء

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، دارالعلوم دیوبند کے ممتاز عالم ومفتی تھے۔قوی الاستعداد اور استحضار علم کے ساتھ فقہ وادب میں خاص امتیاز رکھتے تھے۔آپ دیوبند کے زمانۂ قیام میں دارالافتاء کی مسند افتاء پر کئی سال فائز رہے۔ قیامِ پاکستان کے قیام کے بعد دستور ساز اسمبلی کے بورڈ آف تعلیمات اسلام کے رکن کی حیثیت سے اسلامی دستور کی ترتیب میں بھی حصہ لیا اور بعد میں مفتیٔ اعظم پاکستان کے لقب سے مشہور ہوئے۔ پاکستان کی سب سے بڑی اسلامی درس گاہ دارالعلوم کراچی کا قیام آپ ہی کی کوششوں کا مرہون منت ہے۔

۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۶ھ میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد مولانا محمد یاسین صاحب دیوبندی، دارالعلوم دیوبند میں فارسی کے مسلّم استاذ اور حضرت گنگوہیؒ کے متوسلین میں تھے۔اصلاً دیوبند کے رہنے والے تھے۔حضرت گنگوہیؒ نے ہی آپ کا محمد شفیع نام تجویز فرمایا۔ دارالعلوم میں تعلیم کی تکمیل کی اور ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۸ء میں ۲۲/سال کی عمر میں فراغت پائی۔

دارالعلوم دیوبند میں

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء میں ہی دارالعلوم کے اساتذہ اور ذمہ داروں نے آپ کے علم واستعداد پر اعتماد کرتے ہوئے آپ کو دارالعلوم کے ابتدائی درجے کا مدرس مقرر کیا۔ پھر آپ اپنی علمی قابلیت ولیاقت کی وجہ سے بہت جلد تدریسی ترقی کی منزلیں طے کر کے طبقہ علیا کے اساتذہ میں شامل ہوگئے۔فقہ وادب سے شروع ہی سے مناسبت رہی۔

۱۳۵۰ھ/۱۹۳۲ء کو منصب افتا پر فائز ہوئے اور آپ کے کمال استعداد کی بنا پر آپ کو دارالعلوم کا صدر مفتی بنا دیا گیا۔ یہ سب آپ کی لیاقت اور قوت علمی کے آثار تھے۔آپ دوبار اس عہدہ سے سرفراز ہوئے؛ پہلی مرتبہ ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۱ء سے ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء تک اور دوسری مرتبہ ۱۳۵۹ھ/ ۱۹۴۰ء سے ۱۳۶۱ھ /۱۹۴۲ء تک ۔حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے زمانے میں ۲۶/ہزار کے قریب فتاویٰ لکھے گئے ۔فتوی

نویسی کے علاوہ دارالعلوم میں درجۂ علیاء کی کتابوں کی تدریس بھی آپ سے متعلق رہی۔

ابتدا میں حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت ہوئے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی وفات کے بعد حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ سے رجوع کیا۔ حضرت تھانویؒ کو مفتی صاحب کے علم وفضل پر بڑا اعتماد تھا۔ حضرت تھانویؒ نے آپ کو اجازت وخلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔ آپ تعلیم ظاہر کے ساتھ تعلیم باطن میں بھی کمال کو پہنچے؛ اسی لیے آپ کے متوسلین اور عقیدت مند بکثرت موجود ہیں اور مخلوق خدا کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ ساری عمر دینی علوم کی تدریس وتصنیف کے ساتھ افاضہ باطنی میں بھی مصروف رہے۔

پاکستان میں

تقسیم ملک کے بعد آپ نے پاکستان کی قومیت اختیار کی اور ۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۹ء میں دیوبند سے ہجرت فرما کر پاکستان تشریف لے گئے۔ مملکت پاکستان کی اسلامی شناخت کے قیام وترقی میں تاعمر کوشاں رہے۔ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے بورڈ آف تعلیمات اسلام کے رکن کی حیثیت سے اسلامی دستور کی ترتیب میں آپ کا تعاون لیا گیا۔ ۱۹۵۱ء میں کراچی میں دارالعلوم کے نام سے ایک دینی مدرسہ قائم کیا، جو اس وقت کراچی میں علوم اسلامیہ کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ آپ نے افتاء وفقہ پر جتنا کام تن تنہا انجام دیا ہے وہ در حقیقت ایک جماعت کا کام تھا۔ آپ کی انھیں خدمات کے باعث پاکستان میں آپ کو مفتی اعظم پاکستان کا لقب دیا گیا جو یقیناً ان کے شایان تھا۔ حضرت مفتی صاحب پاکستان میں مسلک دیوبند کے عظیم داعی اور ترجمان تھے، دارالعلوم کے ایک قیمتی جوہر اور عظیم فرزند تھے۔ مفتی صاحب اپنی ذاتی خوبیوں اور لیاقتوں کی بنا پر سارے ہی طبقہ اہل علم کے معتمد تھے۔

حضرت مفتی صاحب کا علمی فیض

آپ کے سیکڑوں تلامذہ برصغیر کے علاوہ مختلف ممالک میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مفتی صاحب کا علم وسیع اور گہرا تھا۔ تقریباً تمام متداول دینی علوم میں عمدہ صلاحیت کے مالک تھے اور بہت سی دینی کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ کو تصنیف کا ذوق ابتدا سے تھا۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور مناظرے میں نہایت مفید تصانیف کا ذخیرہ آپ کے قلم سے نکلا اور خواص وعوام کے لیے نہایت مفید ثابت ہوا۔ شعر وشاعری کا ذوق بھی زمانہ طالب علمی سے تھا۔ عربی، فارسی اور اردو میں نہایت عمدہ قصائد، مراثی اور واقعاتی نظمیں لکھی ہیں جن کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ آخری دور میں تفسیر معارف القرآن لکھی جو علم تفسیر میں آپ کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔

اگر آپ صرف ایک یہی خدمت انجام دیتے توان کی عظمت ورفعت اورعنداللہ مقبولیت کے لیے کافی تھی۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد ڈیڑھ سو سے زائد ہے جن میں اہم کتابوں کے نام یہ ہیں: (۱) تفسیر معارف القرآن آٹھ جلدوں میں (۲) امداد المفتیین آٹھ جلدوں میں (۳) جواہر الفقہ دس جلدوں میں (۴) احکام القرآن مولفہ حضرت مولانا ظفر عثمانی میں بھی تعاون کیا۔ (۵) آلات جدیدہ کے شرعی احکام (۶) اسلام کا نظام اراضی (۷) قرآن میں نظام زکوٰۃ (۸) احکام حج (۹) مسئلۂ سود (۱۰) تنقیح المقال فی تصحیح الاستقبال (۱۱) الارشاد الی بعض احکام الالحاد (۱۲) مقادیر شرعیہ دراوزان ہندیہ (۱۳) عائلی قوانین پر مختصر تبصرہ (۱۴) ختم النبوۃ فی القرآن (۱۴) ختم النبوۃ فی الحدیث (۱۵) ہدیۃ المہدیین فی آیت خاتم النبیین (۱۶) سیرت خاتم الانبیاء (۱۷) آداب المساجد (۱۸) آداب النبی (۱۹) نجات المسلمین (۲۰) مقام صحابہ (۲۱) دستور قرآنی (۲۲) چند عظیم شخصیات (۲۳) فتوح الہند، وغیرہ

آپ کی ایک بڑی علمی یادگار دارالعلوم کورنگی کراچی ہے۔ اس ادارہ نے بہت ہی قلیل عرصہ میں عالمِ اسلام میں دین کے مضبوط قلعہ کی شکل اختیار کر لی اور دیکھتے ہی دیکھتے طالبان علوم نبوت اور داعیان حق کا مرکز بن گیا۔ دارالعلوم کراچی اپنے وسیع رقبہ، شعبہ جات اور کارکردگیوں کے پیش نظر صحیح معنوں میں ایک بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی بن چکا ہے۔ اس ادارہ نے اب تک ہزاروں علماء وفضلاء، محدثین ومفسرین، فقہاء وادباء اور مبلغین اسلام پیدا کیے ہیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی ایک بڑی خوش نصیبی آپ کے لائق وفائق اور عالم وفاضل فرزندان گرامی ہیں جنھوں نے آپ کی علمی وراثت کو نہ صرف یہ کہ جاری رکھا بلکہ اس میں مزید چار چاند لگادیے ہیں۔ حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی، دارالعلوم کراچی کے مہتمم اور مختلف کتابوں کے مصنف ہیں۔ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب عالم اسلام کے ممتاز عالم دین، قدیم وجدید علوم کے ماہر، اسلامی اقتصادیات پر سند اور درجنوں کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر صاحبزادے بھی بہترین عالم وفاضل ہوئے ہیں۔

وفات

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ۱۱ر شوال ۱۳۹۶ھ/ ۶ر اکتوبر ۱۹۷۶ء کی شب میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

دور ثالث کے علماء واکابر دارالعلوم کے حالات

دور ثالث کے علماء واکابر دارالعلوم

	علماء واکابر	عہدہ
۱	حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ	مہتمم دارالعلوم
۲	حضرت مولانا علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ	صدرالمدرسین
۳	حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ	شیخ الحدیث
۴	حضرت مفتی سید مہدی حسن شاہجہانپوریؒ	صدر مفتی
۵	حضرت مولانا فخر الحسن مرادآبادیؒ	صدرالمدرسین
۶	حضرت مولانا شریف الحسن دیوبندیؒ	شیخ الحدیث

حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ

۱۳۱۵-۱۴۰۳ھ/ ۱۸۹۷-۱۹۸۳ء

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ ممتاز عالمِ ربانی، بے مثل خطیب اور دارالعلوم کے مایۂ ناز مہتمم تھے۔ آپ حضرت نانوتویؒ کے پوتے اور حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم کے فرزند ہیں۔ وہ اپنے جدامجد حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم ومعارف کے شارح وامین تھے۔ آپ ایک باکمال مصنف اور عظیم اخلاقی وانسانی صفات کے مالک تھے۔ آپ کی بے پناہ مساعی اور خدمات کی بدولت دارالعلوم کی عظمت وشہرت کو چار چاند لگے۔ آپ کے دور اہتمام میں دارالعلوم دیوبند پورے عالم اسلام میں ازہرالہند کے نام سے مشہور ہوا۔ آپ نے ایشیا، یورپ، امریکہ، افریقہ اور مشرق وسطی وغیرہ میں دارالعلوم اور اس کی خدمات کو روشناس کرایا۔ آپ منصب اہتمام پر ۵۵ سال متمکن رہے جو اَب تک کی سب سے لمبی مدت ہے۔

ابتدائی احوال

محرم ۱۳۱۵ھ مطابق جون ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئے، تاریخی نام مظفرالدین ہے۔ ۷/سال کی عمر میں دارالعلوم میں داخل ہوئے، ممتاز بزرگوں کے عظیم الشان اجتماع میں مکتب نشینی کی تقریب عمل میں آئی۔ دو سال کی قلیل ترین مدت میں قرآن مجید قرأت وتجوید کے ساتھ حفظ کیا۔ پانچ سال فارسی اور ریاضی کے درجات میں تعلیم حاصل کر کے عربی کا نصاب شروع کیا جس سے ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۸ء میں فراغت اور سند فضیلت حاصل کی۔ دوران تعلیم آپ کی آبائی نسبت کے سبب سے اساتذہ نے اعلیٰ پیمانے اور مخصوص طریق پر تعلیم وتربیت میں حصہ لیا، حدیث کی خصوصی سند آپ کو وقت کے مشاہیر علما واساتذہ سے حاصل ہوئی۔ آپ نے ۱۳۳۹ھ میں شیخ الہندؒ سے بیعت کی تھی، تزکیہ واِحسان کی منزلیں طے ہی کر رہے تھے کہ شیخ الہندؒ کی وفات ہوگئی۔ ۱۳۴۳ھ میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی طرف رجوع کیا اور اُنھی کے زیر تربیت سلوک ومعرفت کی منزلیں طے کیں۔ ۱۳۵۰ھ میں حضرت تھانویؒ نے آپ کو خلافت واجازت سے نوازا۔

دارالعلوم سے وابستگی

علوم کی تکمیل کے بعد آپ نے دارالعلوم میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ذاتی علم وفضل، ذہانت وذکاوت اور آبائی نسبت کے باعث بہت جلد طلبہ کے حلقے میں آپ کے ساتھ گرویدگی پیدا ہوگئی۔ اوائل ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۶ء میں نائب مہتمم کے منصب پر آپ کا تقرر کیا گیا، جس پر ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۸ء تک آپ اپنے والد ماجد اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کی نگرانی میں ادارۂ اہتمام کے انتظامی معاملات میں حصہ لیتے رہے۔ ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۸ء میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کے انتقال کے بعد آپ کو مہتمم بنایا گیا۔ سابقہ تجربہ، اہلیت کار اور آبائی نسبت کے پیش نظر یہ ثابت ہو چکا تھا کہ آپ کی ذات میں اہتمام دارالعلوم کی صلاحیت بدرجۂ اتم موجود ہے، چنانچہ مہتمم ہونے کے بعد آپ کو اپنے علم وفضل اور خاندانی وجاہت واثر کی بنا پر ملک میں بہت جلد مقبولیت اور عظمت حاصل ہوگئی، جس سے دارالعلوم کی عظمت وشہرت کو کافی فوائد حاصل ہوئے۔

دارالعلوم نے آپ کے زمانۂ اہتمام میں نمایاں ترقی حاصل کی۔ ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۸ء میں جب آپ نے انتظام دارالعلوم کی باگ ڈور ہاتھ میں لی تو اس کے انتظامی شعبے آٹھ تھے جن کی تعداد آپ نے ۲۳/ تک پہنچادی، اس وقت دارالعلوم کی سالانہ آمدنی کا بجٹ ۵۰۲۶۲ روپیہ سالانہ تھا، آپ کے زمانے میں ۲۶ لاکھ تک پہنچ گیا۔ ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۹ء میں ملازمین دارالعلوم کے عملے میں ۴۵/ افراد تھے، آپ نے ان کی تعداد دوسو تک پہنچادی، اس وقت اساتذہ کی تعداد ۱۸/ تھی جو بڑھ کر ۵۹ ہوگئی، طلبہ کی تعداد ۴۸۰ تھی جو آپ کے زمانۂ اہتمام میں دوہزار تک پہنچ گئی۔ اسی طرح عمارتوں میں بھی نمایاں اضافہ ہوا، دارالتفسیر، دارالافتا، دارالقرآن، مطبخ جدید، فوقانی دارالحدیث، بالائی مسجد، باب الظاہر، جامعۂ طبیہ جدید، دومنزلہ دارالاقامہ، مہمان خانہ کی قدیم عمارت، کتب خانے کا وسیع وعریض ہال، دارالاقامہ جدید، افریقی منزل مطبخ کے قریب، تین درسگاہوں کا اضافہ؛ حضرت ممدوح ہی کے دوراہتمام کی تعمیرات ہیں۔

غرض کہ دارالعلوم کے ہر شعبے نے آپ کے دوراہتمام میں نمایاں ترقی کی۔ دارالعلوم کی مجالس انتظامیہ وشوریٰ نے مختلف اوقات میں آپ کی غیر معمولی خدمات کے اعتراف اور اظہار قدردانی کے سلسلے میں متعدد مرتبہ تجاویز پاس کیں۔ دارالعلوم کی شمع کو روشن رکھنے کے لیے پیرانہ سالی میں بھی جوانوں کی طرح سرگرم عمل رہے۔ عالمی پیمانے پر اسلام اور مسلمانوں کے تئیں دارالعلوم کی خدمات کو متعارف کرانے میں بھی آپ پیش پیش رہے۔ آپ کے دوراہتمام میں دنیا کے گوشہ گوشہ سے حصول علم کے لیے آنے والے طلبہ کا سلسلہ روزافزوں رہا۔

خدمات وکارنامے

درس وتدریس کے علاوہ فن خطابت میں آپ کو خداداد ملکہ اور قوت گویائی حاصل تھی اور زمانۂ طالب علمی ہی سے آپ کی تقریریں پبلک جلسوں میں شوق کے ساتھ سنی جاتی تھیں، اہم سے اہم مسائل پر دو دو تین تین گھنٹے مسلسل تقریر کرنے میں آپ کو کوئی رکاوٹ اور تکلف نہیں ہوتا تھا۔ حقائق اور اسرار شریعت کے بیان اور ایجادِ مضامین میں آپ کو خاص قدرت حاصل تھی، جدید تعلیم یافتہ طبقہ آپ کے علمی اور حکیمانہ اسلوب بیان سے خاص طور پر محظوظ ہوتا۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور دوسری یونیورسٹیوں میں آپ کی تقریریں خاص طور پر مقبول تھیں، بعض معرکۃ الآرا تقریریں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے شایع ہوچکی ہیں۔ ملک کا کوئی خطہ ایسا نہیں ہے جس میں آپ کی تقریروں کی گونج نہ پہنچی ہو، آپ کی رواں دواں اور دل کش تقریر جب علم کے گہرے سمندر سے گزرتی تھی تو لہروں کا سکوت قابل دید ہوتا تھا۔ آپ کے منتخب علمی خطبات دس جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔

آپ کی علمی تقریروں سے ایک خاص حلقۂ اثر پیدا ہوا اور بیرون ہند کے علمی حلقوں میں بھی آپ کی خطابت کے اثرات پہنچے۔ ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹۳۴ء میں بسلسلۂ سفرِ حجاز آپ نے ہندوستان کے ایک مؤقر وفد کے صدر کی حیثیت سے سلطان ابن سعود کے دربار میں جو تقریر فرمائی اس نے سلطان کو بہت متأثر کیا، سلطان ابن سعود نے شاہی خلعت اور بیش قیمت کتب کے عطیہ سے اعزاز بخشا۔

۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۹ء میں آپ کا سفر افغانستان علمی خدمات کی ایک مستقل تاریخ ہے، آپ نے دارالعلوم کے نمائندے کی حیثیت سے دارالعلوم اور حکومت افغانستان کے درمیان علمی وعرفانی روابط قائم کرنے کے لیے یہ سفر اختیار فرمایا تھا۔ افغانستان کے علمی، ادبی، سرکاری اور غیر سرکاری انجمنوں اور سوسائٹیوں نے مدعو کیا تھا۔ آپ کی عالمانہ تقریروں سے وہاں کے علمی اور ادبی حلقے بہت متأثر ہوئے۔ اسی طرح آپ نے پاکستان، بنگلہ دیش، انڈونیشیا، ملیشیا، برما، عالم عرب، حبش (ایتھوپیا)، کینیا، مڈغاسکر، جنوبی افریقہ، زنجبار، روڈیشیا، ری یونین، انگلینڈ، فرانس، جرمنی، کناڈا، امریکہ وغیرہ ممالک کا دورہ کیا۔

حضرت قاری صاحبؒ ہندوستان کے موقر ادارہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے مؤسس اور بانی بھی ہیں۔ حکومت ہند کے ذریعہ مسلمانوں کے شرعی قوانین کے تبدیل کرنے یا اس سے چھیڑ چھاڑ کرنے کے خلاف ممبئی میں ۱۹۷۲ء میں ایک عمومی کنونشن بلایا گیا جس میں ہندوستان میں امت مسلمہ کے تمام گروہ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئے اور اس کے بعد آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی تشکیل عمل میں آئی۔ حضرت قاری صاحب اس بورڈ کے بانی اور صدر اول مقرر ہوئے اور تاعمر بالاتفاق اس بورڈ کے صدر رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ کی دل کش شخصیت کے بے شمار پہلو ہیں، شرافت وانسانیت، سراپا انکسار، پاک باطنی، علم وفضل، خطابت وتقریر اور وعظ وتلقین، سادگی اور عجز وانکساری، حکیمانہ گفتگو، فصاحت وبلاغت؛ غرض کہ ان کی شخصیت کردار واعمال اور جلال وجمال کا ایک حسین امتزاج تھی۔

علمی یادگاریں

دارالعلوم کے انتظامی امور کے علاوہ تصنیف وتالیف سے آپ کو طبعی دلچسپی تھی۔ آپ کا یہ مشغلہ دارالعلوم کے انتظامی معاملات اور اوقات درس وتدریس کے علاوہ ہمیشہ جاری رہا، بالخصوص دوران سفر کے فارغ اوقات اسی میں صرف ہوتے تھے۔ اردو شاعری سے اچھی مناسبت تھی، آپ کا مجموعۂ کلام ''عرفان عارف'' کے نام سے چھپ چکا ہے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد کافی ہے، چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں: (۱) التشبہ فی الاسلام (۲) مشاہیر امت (۳) کلمات طیبات (۴) مقامات مقدسہ (۵) اطیب الثمر فی مسئلۃ القضاء والقدر (۶) سائنس اور اسلام (۷) اسلام اور مسیحی اقوام (۸) مسئلہ زبان اردو ہندوستان میں (۹) دین وسیاست (۱۰) اسباب عروج وزوال اقوام (۱۱) اسلامی آزادی کا مکمل پروگرام (۱۲) الاجتہاد والتقلید (۱۳) اصول دعوت اسلام (۱۴) اسلامی مساوات (۱۵) تفسیر سورۂ فیل (۱۶) فطری حکومت (۱۷) فلسفۂ نماز (۱۸) نظریۂ دوقرآن کا تحقیقی جائزہ (۱۹) اسلام میں اخلاق کا نظام (۲۰) خاتم النّبیین (۲۱) حدیث کا قرآنی معیار (۲۲) علمائے دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج، وغیرہ۔

جلسۂ صد سالہ

۱۹۸۰ء میں آپ کے زمانۂ اہتمام میں دارالعلوم کے صد سالہ اجلاس کی چہل پہل آج تک لوگوں کے قلوب میں تازہ ہے، اس تاریخ ساز اجلاس سے دنیا نے دیکھ لیا کہ نہ صرف برصغیر بلکہ عالم انسانیت پر دارالعلوم دیوبند کے علمی وروحانی فیض کا دائرہ کس قدر وسیع ہے۔ آپ نے کبر سنی اور انتہائی ضعف کے باوجود اپنی وسعت فکری اور انتظامی پختگی کو بروئے کار لاتے ہوئے اس عالم گیر اجلاس کے ذریعہ فکر دیوبندیت کو عام کیا اور قومی وبین الاقوامی شہرت یافتہ دنیا بھر کی شخصیتوں سمیت عوام وخواص کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر کی لہروں کے ذریعہ یہ ثابت کر دیا کہ دارالعلوم دیوبند ایک تعلیمی ادارہ ہی نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کی تمناؤں کا مرکز بھی ہے۔

۱۹۸۰ء کے بعد جب کبر سنی کی وجہ سے اہتمام کی ذمہ داریاں آپ پر گراں ثابت ہونے لگیں تو آپ

نے مجلس شوری میں ایک معاون کی ضرورت کا اظہار فرمایا، چناں چہ حسب درخواست مجلس شوری نے معاون کے طور پر حضرت مولانا مرغوب الرحمان بجنوریؒ کو منتخب فرمایا، لیکن اس کے بعد ہی دارالعلوم میں اہتمام اور مجلس شوری کے درمیان ٹکراؤ کی صورت پیدا ہوگئی۔ آخر کار حضرت قاری صاحبؒ نے منصب اہتمام سے از خود کنارہ کشی مناسب سمجھی اور اگست ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم سے قلبی لگاؤ کے اظہار کے باوجود اہتمام کی ذمہ داریوں سے سبک دوش کر دیئے جانے کی درخواست کی۔ آپ کی پیرانہ سالی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ارباب مجلس شوری نے آپ کا استعفا قبول فرمالیا۔

وفات

۱۹۸۲ء کے اوائل ہی سے آپ کی صحت دن بہ دن گرتی چلی گئی۔ ۶ر شوال ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۷ر جولائی ۱۹۸۳ء میں بالآخر دارالعلوم دیو بند اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے پلیٹ فارم سے قوم وملت کی عظیم خدمت انجام دے کر آپ اس دار فانی سے رخصت ہوئے۔ نماز جنازہ احاطہ مولسری میں ادا کی گئی اور قبرستانِ قاسمی میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

۷ر صفر ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۳ر نومبر ۱۹۸۳ء کی مجلس شوری میں تعزیت کی تجویز پاس کی گئی جس میں کارناموں کو سراہتے ہوئے آپ کی روح کو خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ تجویز کا ایک اقتباس یہ ہے:

> ''مرحوم ومغفور کو اللہ نے لا تعداد محاسن ومناقب اور فضائل ومکارم سے نوازا تھا، علوم ظاہری میں وہ امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے مایہ ناز تلمیذ رشید تھے اور علوم باطنی میں ان کو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ جیسے عظیم المرتبت شیخ کی خلافت حاصل تھی، انہوں نے اپنے سرچشمۂ فیض سے درس وتدریس، موعظت ودعوت اور رشد وصحبت کے مختلف ذرائع سے اپنی طویل عمر میں نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم اسلام کو سیراب کیا۔'' (تجویز تعزیت، اجلاس مجلس شوری، ۷ر صفر ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۳ر نومبر ۱۹۸۳ء)

حضرت مولانا علامہ محمد ابرہیم بلیاویؒ

۱۳۰۴-۱۳۸۷ھ/ ۱۸۸۷-۱۹۶۷ء

آپ دار العلوم دیوبند کے صدر المدرسین اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے۔ معقولات میں خصوصاً اور دیگر علوم میں عموماً ایک تسلیم شدہ ماہر استاذ مانے جاتے تھے۔ بہت سے اساتذۂ دار العلوم اور دیگر مدارسِ دینیہ کے اکثر بڑے اساتذہ آپ کے شاگرد رہے ہیں۔ معقولات کے علاوہ درس حدیث میں بھی خاص امتیاز رکھتے تھے۔

ابتدائی حالات

حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ ۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۷ء میں مشرقی یوپی کے شہر بلیا کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان پنجاب کے ضلع جھنگ سے جون پور آیا اور پھر کچھ مدت کے بعد بلیا میں آباد ہوگیا۔ آپ کے والد مولانا حافظ عبد الرحیم صاحب مدرسہ دار العلوم جون پور کے تعلیم یافتہ تھے جو اس دور کا مشہور علمی مرکز تھا جس میں ملا محمود جون پوری صاحب شمس بازغہ جیسے فاضل اور یگانۂ روزگار مدرس رہ چکے تھے۔

آپ نے جون پور میں فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم مشہور طبیب مولانا حکیم جمیل الدین نگینویؒ (سابق رکن شوریٰ دار العلوم دیوبند) سے حاصل کی اور معقولات کی کتابیں مولانا فاروق احمد چریا کوٹی (استاذ مولانا شبلی اعظمی) اور مولانا ہدایت اللہ خاں (تلمیذ مولانا فضل حق خیر آبادی) سے پڑھیں۔ دینیات کی تعلیم کے لیے مولانا عبد الغفار کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔

۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوکر اولاً ہدایہ اور جلالین وغیرہ کتابیں پڑھیں اور پھر ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے۔ طحاوی، ابوداؤد، نسائی، موطائین حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحبؒ سے پڑھیں، صحیح مسلم اور ابن ماجہ حضرت مولانا حکیم احمد حسن صاحبؒ (برادر حضرت شیخ الہند) سے اور صحیح بخاری و ترمذی حضرت شیخ الہندؒ سے پڑھیں۔ حضرت شیخ الہندؒ سے تلمذ کے علاوہ بیعت کا شرف بھی حاصل تھا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد اسی سال مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی کے مدرس دوم بنائے گئے۔ پھر عمری ضلع

مراد آباد کے مدرسہ میں کچھ عرصے تک درس وتدریس میں مشغول رہے۔

دارالعلوم دیوبند میں

۱۳۳۱ھ میں آپ کو دارالعلوم میں تدریس کے لیے مقرر کیا گیا۔ ۱۳۳۳ھ کی روداد میں آپ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

''مولوی محمد ابراہیم صاحب تمام علوم میں کامل الاستعداد ہیں، معقول وفلسفہ کی تمام کتابیں نہایت خوبی سے پڑھاتے ہیں، فلسفہ ومنطق اور کلام کے انتہائی اسباق صدرا، شمس بازغہ، قاضی مبارک، حمد اللہ، امور عامہ کے علاوہ شرح مطالع، شرح اشارات وغیرہ پڑھاتے ہیں، طلبہ کا بہت زیادہ میلان ان کی طرف رہتا ہے، نہایت خوش تقریر ہیں، غرض یہ ایک نہایت قابل قدر اور شہرت و وقعت حاصل کرنے والے مدرس ہیں''۔

۱۳۴۰ھ سے ۱۳۴۴ھ مدرسہ دارالعلوم مئو اور مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں صدارت تدریس کی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۴۴ھ میں آپ کو پھر دارالعلوم دیوبند میں بلالیا گیا۔ ۱۳۶۲ھ میں پھر دارالعلوم سے علیحدگی اختیار کی، اولاً جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں مسند صدارت کو رونق بخشی، وہاں کے بعد کچھ عرصے تک مدرسہ عالیہ فتحپوری میں بھی صدر مدرس کی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد بنگال میں ہاٹ ہزاری ضلع چاٹگام کے مدرسہ میں صدر مدرس رہے اور بالآخر ۱۳۶۶ھ میں پھر دارالعلوم دیوبند میں واپس آگئے۔ ۱۳۷۷ھ میں حضرت مدنیؒ کی وفات کے بعد آپ دارالعلوم کی مسند صدارت پر فائز ہوئے اور تادمِ واپسیں اس پر متمکن رہے۔

عظیم علمی شخصیت

آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے جو برصغیر کے علاوہ افریقہ کے بہت سے ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ ہر علم وفن خصوصاً علم کلام وعقائد میں یگانۂ روزگار تھے۔ انھوں نے تفسیر وحدیث، عقائد وکلام اور دوسرے علوم کی نمایاں خدمات انجام دیں۔ ان کے درس وتدریس کی مدت ۱۳۲۷ھ سے ۱۳۸۷ھ تک ۶۰ رسال ہوتی ہے۔ طلبہ ان کے درس میں بڑے شوق اور انہماک سے شریک ہوتے اور ان کے افادات عالیہ سے مستفید ہونے کے متمنی رہتے تھے۔ درس میں اختصار کے ساتھ بڑی جامعیت کی شان تھی۔ درس کا انداز نہایت باوقار ہوتا تھا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ لطائف وظرائف کے پیرائے میں دقیقہ سنجی اور بالغ نظری سے اہم مسائل کو حل کرنے کا خاص ملکہ اور کمال حاصل تھا۔ قصص و

حکایات کو مسائل پر اس طرح منطبق کر دیتے تھے کہ مسئلے کے تمام پہلو واضح اور منقح ہو جاتے تھے۔آپ کے درس کی ایک اور خصوصیت یہ بھی تھی کہ تلامذہ میں فن سے گہری مناسبت پیدا ہو جاتی تھی اور ان پر علم و دانش کی راہیں کھل جاتی تھیں۔ وہ اپنے عہد میں عقائد و کلام و منطق و فلسفہ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔حدیث میں روایت سے زیادہ درایت سے کام لیتے تھے۔حضرت نانوتوی کے علوم پر ان کی گہری نظر تھی۔

علامہ بلیاویؒ نے غیر مقلدین کے رد میں ایک رسالہ مصافحہ اور رسالہ تراویح اردو میں لکھا۔اسی طرح فارسی میں رسالہ انوار الحکمۃ لکھا جس کے ابواب بطرز شفاء ابن سینا لفظ نور سے معنون ہیں۔یہ رسالہ فلسفہ و منطق کے مسائل پر مشتمل ہے۔سلم العلوم پر آپ کا حاشیہ ضیاء النجوم ہے جو عربی میں ایک بہترین شاہ کار ہے۔یہ چاروں کتابیں طبع ہو چکی ہیں۔ان کے علاوہ میبذی اور خیالی پر بھی انھوں نے حواشی لکھے تھے لیکن مسودات کا یہ علمی ذخیرہ ضائع ہو گیا۔آخری عمر میں جامع ترمذی پر حاشیہ لکھ رہے تھے جس کے پورے ہونے کی نوبت نہ آسکی۔

اخیر عمر میں اپنے تلمیذ خاص عالم ربانی حضرت مولانا وصی اللہ فتح پوریؒ ثم الہ آبادی سے بیعت ہو گئے تھے اور اوراد و اشغال میں انہماک بڑھ گیا تھا۔حضرت کو مولانا وصی اللہ صاحبؒ سے اجازت بیعت بھی حاصل تھی۔

وفات

حضرت علامہ بلیاویؒ ۲۴؍رمضان ۱۳۸۷ھ/ ۲۶؍دسمبر ۱۹۶۷ء کو ۸۴؍سال کی عمر میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔قبرستان قاسمی دیوبند میں آسودۂ خواب ہیں۔

حوالہ جات:

تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد دوم، ص ۲۱۵ تا ۲۱۷

دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات، ص ۱۷۰

حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ

۱۳۰۷-۱۳۹۲ھ/ ۱۸۸۹-۱۹۷۲ء

حضرت مولانا سید فخر الدین احمد مرادآبادیؒ دارالعلوم کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس تھے۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے بعد شیخ الحدیث کے مسند کو آپ نے زینت بخشی۔ آپ ایک جلیل القدر محدث، محقق عالم اور باخدا بزرگ تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے تلامذہ کی آخری کڑی تھے جن سے دارالعلوم میں مسند حدیث کا وقار و تمکنت قائم تھا۔

ابتدائی حالات

آپ کا وطن مالوف ہاپوڑ (ضلع میرٹھ) ہے، آپ کے آبا واجداد میں سید قطب اور سید عالم اپنے دوسرے دو بھائیوں کے ساتھ عہد شاہجہاں میں ہرات سے دہلی آئے۔ یہ حضرات اپنے زمانے کے ممتاز علما میں سے تھے، شاہ جہاں نے ان کے درس وتدریس کے لیے ہاپوڑ میں ایک مدرسہ تعمیر کرادیا، سید عالم کا سلسلہ ۲۶ واسطوں سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے۔

۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۸۹ء میں آپ کی ولادت اجمیر میں ہوئی جہاں آپ کے دادا سید عبدالکریم محکمۂ پولیس میں تھانہ دار تھے۔ چار سال کی عمر میں تعلیم کا آغاز ہوا۔ قرآن شریف والدہ ماجدہ سے پڑھا، فارسی کی تعلیم اپنے خاندان کے بزرگوں سے حاصل کی۔ عمر کے بارہویں سال اپنے خاندانی بزرگ اور عالم مولانا خالد سے عربی صرف ونحو شروع کی۔ اسی دوران میں آپ کی والدہ ماجدہ کو اپنے آبائی مدرسہ کے احیاء کا خیال پیدا ہوا، جو ۱۸۵۷ء کی داروگیر کی نذر ہوگیا تھا۔ چند سال اس میں تعلیم پانے کے بعد آپ کو گلاؤٹھی کے مدرسہ منبع العلوم میں بھیج دیا گیا، وہاں مولانا ماجد علی سے مختلف کتابیں پڑھیں۔ بعد ازاں اپنے استاذ مولانا ماجد علی کے ساتھ دہلی چلے گئے، دہلی کے مدارس میں معقولات کی کتابیں پڑھیں۔

اعلی تعلیم کے لیے ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء میں دارالعلوم دیوبند آئے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے امتحان داخلہ لیا، امتحان میں امتیازی نمبروں سے سرفراز ہوئے۔ مشکوۃ شریف سے آخر تک دارالعلوم میں تعلیم پائی۔

۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔ حضرت شیخ الہندؒ کی ہدایت کے مطابق دوسرے سال بھی دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ آپ کے دوسرے اساتذہ میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیری، مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری، مولانا غلام رسول ہزاروی رحمہم اللہ وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

دارالعلوم کے زمانۂ طالب علمی ہی میں طلبہ کو معقولات کی کتابیں پڑھانے لگے تھے۔ کچھ عرصے کے بعد مدرسہ شاہی مرادآباد کے مہتمم صاحب کی درخواست پر حضرت شیخ الہندؒ اور مولانا حافظ محمد احمدؒ نے شوال ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۱ء میں آپ کو مدرسہ شاہی مرادآباد میں بھیج دیا جہاں تقریباً ۴۸ رسال قیام رہا۔ تقریباً نصف صدی کی اس طویل مدت میں بہت سے طلبۂ حدیث نے آپ سے اکتساب فیض کیا ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں

۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنیؒ کی وفات کے بعد دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے اراکین نے دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث کے منصب کے لیے آپ کا انتخاب کیا جب کہ صدرالمدرسین کے عہدہ پر حضرت مولانا ابراہیم صاحب بلیاویؒ فائز کیے گئے۔ حضرت مدنیؒ نے مرض وفات میں باصرار آپ کو مرادآباد سے بلا کر اپنی جگہ صحیح بخاری کے درس کے لیے مامور کیا تھا۔ اس سے پہلے بھی دو مرتبہ حضرت مولانا مدنیؒ کی گرفتاری اور رخصت کے زمانے میں آپ دارالعلوم میں صحیح بخاری کا درس دے چکے تھے۔ ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء میں حضرت مولانا ابراہیم صاحب بلیاویؒ کے انتقال کے بعد صدارت تدریس کا منصب بھی آپ سے متعلق کر دیا گیا۔ اس طرح آپ پندرہ سال تک دارالعلوم کے شیخ الحدیث اور پانچ سال تک صدرالمدرسین رہے۔ آپ کے زمانے میں دورۂ حدیث کے طلبہ کی تعداد تقریباً ڈھائی سو سے تین سو تک ہوا کرتی تھی۔ دارالعلوم دیوبند میں صحیح بخاری کے درس کا یہ عظیم تعلیمی منصب تقریباً ۶۰ رسال سے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں مسلسل چلا آ رہا تھا۔

مولانا ممدوح چونکہ حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ کے خاص تلامذہ میں سے تھے، اس لیے آپ کے درس حدیث میں دونوں جلیل القدر اساتذہ کے رنگ کی آمیزش پائی جاتی تھی، چنانچہ آپ کا درس بخاری نہایت مبسوط اور مفصل ہوتا تھا، جس میں حدیث کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل بحث ہوتی تھی۔ فقہاء کے مذاہب کو بیان کرنے کے بعد احناف کے فقہی مسلک کی تائید و ترجیح کی وضاحت میں ایسے پرزور دلائل پیش فرماتے تھے جس کے بعد سامع کے ذہن میں کوئی ادنیٰ خلجان باقی نہیں رہتا تھا۔

اثنائے درس میں صحیح بخاری کی مختلف شروح کے ساتھ ساتھ اپنے اساتذہ کے علوم و معارف بھی جا بجا پیش فرماتے رہتے۔ درس حدیث میں آپ کی تقریر مبسوط و مفصل ہونے کے علاوہ سہل اور دل نشین ہوتی تھی، اس لیے کم استعداد کے طلبہ کو بھی استفادے کا پورا پورا موقع مل جاتا تھا۔ انداز بیان نہایت پاکیزہ اور شستہ ہوتا تھا، جس میں آپ کے جمال ظاہری کی تمام خصوصیات بدرجۂ اتم پائی جاتی تھیں۔ آپ کے درس بخاری شریف کو شہرت تام اور قبول عام حاصل تھی۔ اپنے دور میں وہ یگانۂ روزگار عالم اور درس حدیث کے بے مثل استاذ تھے اور طلبہ ان سے تلمذ پر فخر محسوس کرتے تھے۔

علمی وقومی خدمات

کثرت مشاغل کے علاوہ ملکی سیاست سے بھی آپ کو تحریک خلافت کے زمانے سے تعلق رہا۔ اس کے نتیجے میں قید و بند کی صعوبتیں بھی جھیلنی پڑیں۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی جمعیۃ علمائے ہند کی صدارت کے زمانے میں آپ دو مرتبہ نائب صدر بھی رہے اور بعد ازاں مسند صدارت پر فائز ہوئے اور تادم واپسیں جمعیۃ علمائے ہند کے صدارت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

آپ کی تصنیفات میں القول الفصیح فیما یتعلق بنقد ابواب الصحیح (عربی) مطبوعہ ہے، اس میں بخاری شریف کے ابواب کا آپس میں ربط بیان کیا گیا ہے۔ علامہ محمد یوسف بنوریؒ اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ توقد اور ذکاء کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ آپ کے دوسری تالیف 'کتاب التراجم' اور 'اربعین' ہے۔ ایضاح البخاری آپ کی بخاری کی تقاریر کا مجموعہ ہے جو حضرت مولانا ریاست علی بجنوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند مرتب فرمارہے ہیں اور اب تک اس کی دس جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں۔

وفات

آخری عمر میں خرابیٔ صحت کی بنیاد پر بغرض علاج مرادآباد لے جائے گئے جہاں کچھ عرصہ علیل رہ کر ۲۰؍صفر ۱۳۹۲ھ (۵؍اپریل ۱۹۷۲ء) کو نصف شب کے بعد انتقال فرمایا۔ حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپ سرزمین مرادآباد میں ہی مدفون ہوئے۔

علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ آپ کے انتقال پر لکھتے ہیں:

> ''افسوس کہ مسلمانان ہند اور علمائے اسلام کا ایک درخشندہ تارا ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے جلیل القدر محدث، محقق عالم اور باخدا بزرگ تھے۔ اکابر مشائخ اور مسندِ

صدارت حدیث کے ممتاز افراد جس کا سلسلہ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ سے شروع ہوا تھا وہ سلسلہ حضرت مولانا فخر الدین احمد پر بظاہر ختم ہوگیا۔ کامل ایک صدی میں علوم نبوت کے آفتاب و ماہتاب جن سے دارالعلوم کی چار دیواری میں بلکہ تمام عالم اسلام میں علم کی شعائیں پہنچتی رہیں، آپ اس سلسلہ کی آخری کڑی تھے اور اب تک اکابر دیوبند اور خصوصاً مسند مشیخت حدیث پر جو حضرات متمکن تھے وہ علم ومعرفت کے دونوں چشموں سے سیراب تھے اور ظاہر و باطن دونوں نسبتوں کے حامل تھے، موصوف اس حلقہ کے آخری فرد تھے۔ اب ایسی شخصیت جو اس مسند کو زینت دے ہماری نظروں میں نہیں۔ موصوف نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور امام العصر مولانا انور شاہ کشمیریؒ دونوں سے فیض حاصل کیا، اور دونوں کے چشموں سے سیرابی نصیب ہوئی۔... اکابر محدثین اور ممتاز اکابر مدرسین کا نمونہ تھے جن کی زندگی کے پورے باسٹھ سال درس وتدریس میں گزرے۔ درس حدیث میں حافظ بدرالدین عینیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے علوم کا نچوڑ اپنی تقریر میں پیش کرتے تھے اور حضرت دیوبندی اور حضرت کشمیری کے خصائص کی جھلکیاں نظر آتی تھیں۔ غفر اللہ لہ ورحمہ رحمۃ الابرار الصالحین وحشرہ فی زمرۃ العلماء الربانیین!''
(بینات، کراچی، ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ/ جون ۱۹۷۲ء)

حضرت مفتی مہدی حسن شاہجہاپوریؒ

۱۳۰۱-۱۳۹۶ھ/۱۸۸۴-۱۹۷۶ء

حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن شاہجہاں پوریؒ، دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی تھے۔ آپ ایک بلند پایہ عالم دین اور ژرف نگاہ فقیہ و مفتی تھے۔ مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے جلیل القدر تلامذہ میں سے تھے۔ عربی و اردو میں متعدد تحقیقی و علمی کتابوں کے مصنف اور شارح بھی ہیں۔ دارالعلوم دیوبند میں تقریباً پندرہ سال تک مسند افتاء پر رونق افروز رہے۔

ابتدائی حالات

حضرت مفتی صاحب کا وطن شاہ جہاں پور ہے۔ حضرت مفتی صاحب کے جد امجد شیخ ابواسحاق ابراہیم شاہجہاں کے عہد میں بغداد سے ہندوستان آئے۔ حضرت مفتی صاحب ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء میں شاہجہان پور میں پیدا ہوئے۔ قرآن کریم والد ماجد جناب سید کاظم حسن صاحب سے پڑھا۔ گیارہ بارہ سال کی عمر میں حفظ کی تکمیل کی۔ فارسی کی ابتدائی کتابیں والد اور بڑے بھائی سے پڑھیں۔ پھر شہر کے مدرسہ عین العلم میں داخل ہوئے اور صرف و نحو کی کتابیں پڑھیں، آپ کے اساتذہ میں بانی مدرسہ مولانا شیخ عبدالحقؒ خلیفہ و مجاز حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تھے۔ نحو اور فقہ کی کچھ کتابیں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ شاہجہاں پوری سے پڑھیں۔ جب حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب مدرسہ امینیہ دہلی منتقل ہو گئے تو آپ کے والد نے آپ کو بھی وہیں بھیج دیا۔ چناں چہ ادب فارسی، ادب عربی، علوم عقلیہ منطق و فلسفہ، علم فقہ، اصول فقہ اور علم حدیث وغیرہ تمام علوم و فنون کی کتابیں حضرت مفتی کفایت اللہ اور دیگر اساتذہ سے پڑھیں اور ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء میں سند فراغ حاصل کی۔ صحیح بخاری و سنن ترمذی کے اطراف سنا کر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے حدیث کی اجازت حاصل کی اور ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں دارالعلوم دیوبند کے جلسۂ دستار بندی میں آپ کی بھی دستار بندی ہوئی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے انہیں مدرسہ اشرفیہ راندیر ضلع سورت بھیج دیا، وہاں سات سال صحاح ستہ کی تدریس اور افتاء کی خدمات انجام دیتے رہے۔ پھر چار سال تک

مدرسہ محمدیہ راندیر میں صدر مدرس کی حیثیت سے صحاح ستہ کی تدریس کے فرائض انجام دیے۔ اہل گجرات پر ان کے علم و فضل کا بڑا اثر تھا۔ فقہ حنفی میں بے نظیر مہارت کے ساتھ حدیث اور اسماء الرجال پر بھی ان کی نظر بڑی گہری تھی۔ ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۰ء سے ۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۷ء تک صوبہ بمبئی میں افتاء میں مشغول رہے۔

دارالعلوم دیوبند میں

۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء میں دارالعلوم دیوبند کی نظر انتخاب آپ پر پڑی اور دارالافتاء میں صدر مفتی کے منصب پر مامور کیا گیا۔ ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء میں اپنی طویل علالت اور ضعف و کمزوری کی وجہ سے دارالعلوم سے سبکدوش ہو کر وطن مالوف شاہ جہاں پور چلے گئے۔ آپ کے زمانۂ صدارت میں دارالافتا دارالعلوم سے ۵۳۲۴۷ افتاویٰ جاری ہوئے۔ دارالعلوم میں کئی سال تک طحاوی شریف کا درس بھی دیا۔ آپ کا درس محققانہ اور عالمانہ ہوا کرتا تھا۔

حضرت مفتی صاحب جید الاستعداد عالم دین اور دور بین مفتی تھے۔ ساتھ ہی علوم دینیہ میں بڑی عمیق نظر رکھتے تھے۔ فقہ و فتاوی سے طبعی مناسبت تھی۔ کتب فتاوی میں وسعت معلومات میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔ بڑی خوبی یہ تھی کہ حتمی رائے رکھتے تھے اور تذبذب اور اگر مگر کے چکر میں کبھی نہیں الجھتے تھے۔ جو رائے ہوتی اسے بڑی مضبوطی سے کہتے اور لکھتے تھے۔ ایک مفتی کے جو اوصاف ہونے چاہئیں وہ آپ میں بدرجۂ اتم موجود تھے۔ الجھے ہوئے مسائل میں مشورہ کرتے تھے اور دلائل سے جس پہلو کو راجح سمجھتے تھے اس پر عمل کرتے تھے۔ سخت ہونے کے باوجود مسائل واحکام میں ضد نہیں تھی۔ افتاء میں کسی کا دباؤ ہرگز قبول نہیں کرتے تھے اور نہ مصلحت کے نام پر مداہنت کو پسند کرتے تھے۔

فقہ و فتاوی کے علاوہ علم حدیث سے بڑا عمدہ لگاؤ تھا۔ صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث کے متخصص اور ممتاز عالم تھے۔ علم حدیث کا مطالعہ کافی وسیع تھا اور اختلافی مسائل پر گہری نظر تھی۔ علمائے حنفیہ سے خصوصی شغف اور کتب الرجال اور طبقات و تراجم کے اوراق سے علمائے احناف کے التقاط کا خصوصی اہتمام فرماتے۔ ابتدائی زندگی میں غیر مقلدین کے بحث مباحثے ہوتے رہتے تھے اس لیے تمام مسائل از بر تھے۔ غیر مقلدین کے رد میں متعدد رسائل بھی تحریر فرمائے۔

اوصاف و کمالات

حضرت مفتی مہدی حسن صاحب زاہد و متقی، متواضع اور فیاض طبع تھے، اس کے ساتھ ساتھ صاف گو اور

اظہارِ حق میں بیباک تھے۔ شاعری سے ذوق رکھتے تھے اور ' آزاد' تخلص تھا۔ اردو میں بہت ادیبانہ شعر کہتے تھے۔ تحریر میں بڑے طویل النفس تھے، تکان اور اکتاہٹ آپ کے قریب بھی نہیں پھٹکتی تھی۔ آپ کا عربی اسلوب تحریر بہت آسان اور صاف ستھرا تھا۔ کثیر المطالعہ، شب بیدار، انتہائی مہمان نواز، کریم النفس، فراخ دست اور کشادہ دل تھے۔ اللہ کے دین کے معاملہ میں حمیت و غیرت ان پر غالب آجاتی تھی اور پھر کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

حضرت گنگوہیؒ سے بیعت تھے، مگر اجازت و خلافت حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ حضرت مولانا شفیع الدین مکیؒ سے حاصل تھی۔

تصنیفات و تالیفات

حضرت مفتی مہدی حسن صاحب کئی اہم کتابوں کے مصنف و مرتب ہیں جن میں حدیث کی (۱) شرح معانی الآثار للطحاوی کی عربی شرح قلائد الازہار کے نام سے ۶ رجلدوں میں ہے، اس کی دو جلدیں طبع ہو چکی ہیں۔ (۲) آپ نے سب سے زیادہ محنت فقہ میں امام محمد شیبانیؒ کی کتاب الحجۃ لاہل المدینۃ پر کی ہے جو ۴ رجلدوں میں ہے، اس کی تصحیح اور تعلیق کی ہے۔ دائرۃ المعارف حیدرآباد سے اس کی ابتدائی دو جلدیں چھپی ہیں۔ یہ کتاب بڑی نایاب تھی، اس کا ایک نسخہ استنبول میں موجود تھا۔ یہ فقہ حنفی کی بنیادی کتابوں میں سے ہے۔ مفتی صاحب نے اس کے مسودے کی تصحیح و تعلیق میں ۲۰ رسال صرف کیے۔ (۳) امام محمدؒ کی کتاب الآثار پر آپ کی کی تعلیقات گراں قدر علمی سرمایہ ہیں جو تین جلدوں میں مطبوعہ ہیں۔

علاوہ ازیں، دیگر کتب جیسے (۴) الدر الثمین (۵) رجال کتاب الآثار (۶) شرح بلاغات محمد فی کتاب الآثار (۷) الاہتداء فی رد البدعۃ عربی زبان میں ہیں۔ (۸) نخبۃ الفکر کی شرح بھی آپ نے لکھی جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔

ان کے علاوہ اردو میں دو درجن سے زائد رسائل بھی تصنیف فرمائے جن میں سے کچھ کے نام درج ذیل ہیں: (۹) القاء اللمعہ علی حدیث لا جمعہ (۱۰) اقامۃ البرہان (۱۱) قطع الوتین (۱۲) بئس القرین (۱۳) الاختلاف المبین (۱۴) مفید القاری والسامع (۱۵) التوضیحات (۱۶) کشف الغمۃ عن سراج الائمۃ (۱۷) فراسۃ العریف (۱۸) التحقیق التام فی اذا اخرج الامام فلا صلاۃ ولا کلام (۱۹) رفع الارتیاب (۲۰) شمیم حیدری (۲۱) ضربۃ الصمصام (۲۲) اظہار دجل المرید (۲۳) اظہار الصواب (۲۴) اظہار اسرار المتحدثین (۲۵) الاسعاف (۲۶) التنویر فی حکم الجہر بالتکبیر (۲۷) القول الصواب (۲۸) طلوع بدر الرشاد، وغیرہ۔

وفات

مفتی صاحب ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء میں علالت اور ضعف وکمزوری کی وجہ سے دیوبند سے اپنے وطن شاہ جہاں پور منتقل ہوگئے تھے اور طویل علالت کے بعد وہیں ۹۴ سال کی عمر میں ۲۷/ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ/ ۲۸/ اپریل ۱۹۷۶ء کو وفات پائی۔

حضرت مولانا فخر الحسن مرادآبادیؒ

۱۳۲۳-۱۴۰۱ھ/ ۱۹۰۵-۱۹۸۱ء

حضرت مولانا سید فخر الدین احمد مرادآبادیؒ کے (م۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء) کے انتقال کے بعد حضرت مولانا فخر الحسن مرادآبادیؒ دارالعلوم کے صدر مدرس ہوئے۔ آپ ایک عظیم عالم دین، تفسیر وحدیث کے ماہر استاذ اور بہترین مقرر تھے۔

۱۰ رجب ۱۳۲۳ھ/ ۸ ستمبر ۱۹۰۵ء کو اپنے آبائی وطن قصبہ عمری ضلع مرادآباد میں پیدا ہوئے۔ قرآن شریف، اردو، دینیات اور ابتدائی فارسی کی تعلیم حافظ نسیم الدین اور حافظ عبدالقادر امروہی سے حاصل کی۔ آپ کے والد ماجد مدرسہ شاہی مرادآباد میں کتب خانہ کے ناظم تھے، اس لیے تقریباً ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۷ء میں مدرسہ شاہی مرادآباد میں داخل ہوگئے۔ یہاں فارسی کی تکمیل کی، درس نظامی کی ابتدائی کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ پھر مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا اور متوسطات کی تحصیل کی۔ ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۵ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۹ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل کر کے فارغ التحصیل ہوئے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی میں مدرس مقرر ہوئے، پھر وہاں سے آپ بہار چلے گئے اور مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں صحاح ستہ کی بعض کتابیں پڑھانے پر مامور کیے گئے، مگر ڈیڑھ سال کے بعد پھر مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی میں واپس آگئے اور صحیح مسلم وامور عامہ وغیرہ کتابیں دی گئیں۔

۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء میں دارالعلوم میں آپ کا تقرر ہوا۔ دارالعلوم دیوبند میں آپ کے درس صحیح مسلم اور تفسیر بیضاوی کو خاص شہرت حاصل ہوئی، چنانچہ تفسیر بیضاوی کی آپ کی درسی تقریر 'التقریر الحاوی' کے نام سے شائع ہوکر مقبول عام ہوئی۔ وعظ وتقریر میں بھی آپ کو کامل دستگاہ حاصل تھی۔

آپ حضرت مولانا سید فخر الدین احمدؒ کے زمانے میں دارالعلوم کے نائب صدر المدرسین رہے اور ان کے انتقال کے بعد ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء میں صدر المدرسین بنا دیے گئے جس پر آپ اخیر عمر تک فائز رہے۔ آپ کا انتقال ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء میں ہوا۔

تصوف وسلوک میں آپ کو حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے اجازت وخلافت حاصل تھی۔

حضرت مولانا شریف حسن دیوبندیؒ

۱۳۳۸-۱۳۹۷ھ/ ۱۹۲۰-۱۹۷۷ء

حضرت مولانا شریف حسن دیوبندیؒ دارالعلوم کے شیخ الحدیث تھے۔ آپ علم وعمل، تقویٰ وطہارت اور فضائل اخلاق میں علمائے سلف کی یادگار تھے۔ نیز اپنے علمی تبحر اور علم حدیث سے خصوصی تعلق وشغف اور اپنی پاکیزہ نفسی کے باعث اپنے معاصر علماء میں ممتاز سمجھے جاتے تھے۔

آپ دیوبند کے رہنے والے تھے۔ ۴ ذوالحجہ ۱۳۳۸ھ/ ۱۹/ اگست ۱۹۲۰ء کو دیوبند میں پیدا ہوئے۔ یہیں حافظ عبدالخالق مرحوم سے قرآن شریف حفظ کیا، پھر تین سال تک فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں بہٹ (ضلع سہارنپور) کے مدرسہ میں رہ کر پڑھیں۔ بعدازاں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوکر درس نظامی کے نصاب کی تکمیل کی۔ ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء میں دورۂ حدیث سے فارغ التحصیل ہوئے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد شوال ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۱ء میں مدرسہ امدادالعلوم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔ آپ کو جملہ علوم وفنون میں کامل دست گاہ حاصل تھی۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے فیض صحبت سے حدیث اور افتاء سے خاص مناسبت پیدا ہوئی۔ ۱۳۶۴ھ میں مدرسہ اشاعت العلوم بریلی کے صدرالمدرسین بنائے گئے، وہاں درس حدیث کے ساتھ افتاء کے فرائض بھی انجام دیئے۔ ۹ رسال کے بعد ڈابھیل (ضلع سورت) میں شیخ الحدیث مقرر ہوئے، وہاں صحیح بخاری اور جامع ترمذی زیر درس رہیں۔

۱۳۸۳ھ/ ۱۹۶۳ء میں آپ کو دارالعلوم بلالیا گیا۔ آپ کو علم حدیث سے خاص شغف تھا۔ حضرت مولانا سید فخرالدین احمدؒ کے بعد بخاری شریف کے درس کو سنبھالنا آپ کا بڑا علمی کارنامہ ہے۔ تادم واپسیں شیخ الحدیث کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ کی پوری زندگی درس وتدریس اور علوم دینیہ کے طلبہ کی خدمت میں گزری۔ درس علمی مواد سے بھرپور ہوتا تھا اور طلبہ آپ کے درس سے مطمئن ہوکر اٹھتے تھے۔ وفات سے چند گھنٹے قبل تک ان کا علمی فیضان جاری رہا۔ مولانا شریف حسن صاحب علم وعمل، تقویٰ وطہارت اور فضائل اخلاق میں علمائے سلف کی یادگار تھے۔ وہ اپنے علمی تبحر اور علم حدیث سے خصوصی تعلق وشغف اور اپنی پاکیزہ نفسی کے باعث اپنے

معاصر علماء میں ممتاز سمجھے جاتے تھے۔ ہر چھوٹے بڑے سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔

۱۴/۱۵/جمادی الثانی ۱۳۹۷ھ/ یکم جون ۱۹۷۷ء کو تقریباً ۵۸/سال کی عمر میں بعارضۂ قلب چند گھنٹوں کی مختصر علالت کے بعد واصل بحق ہوئے۔ قبرسان قاسمی دیوبند آپ کی ابدی آرام گاہ ہے۔

موجودہ دور کے علماء واکابر دارالعلوم کے حالات

موجودہ دور کے علماء واکابر دارالعلوم

	علماء واکابر	عہدہ
۱	حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن بجنوریؒ	مہتمم دارالعلوم
۲	حضرت مولانا معراج الحق دیوبندیؒ	صدرالمدرسین
۳	حضرت مولانا نصیراحمد خان بلندشہریؒ	شیخ الحدیث وصدر مدرس
۴	حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ	مفتی
۵	حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ	مفتی
۶	حضرت مولانا غلام رسول خاموش گجراتیؒ	کارگزار مہتمم
۷	حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری	شیخ الحدیث وصدر مدرس
۸	حضرت مولانا غلام محمد وستانوی	مہتمم دارالعلوم
۹	حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی	مہتمم دارالعلوم

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن بجنوریؒ

۱۳۳۳-۱۴۳۲ھ/۱۹۱۴-۲۰۱۰ء

حضرت قاری محمد طیب قاسمیؒ کے بعد دارالعلوم کی زمامِ اہتمام حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن بجنوریؒ کے سپرد ہوئی۔ آپ امیر الہند ثالث اور دارالعلوم دیوبند کے آٹھویں مہتمم تھے۔ آپ نے تقریباً نصف صدی تک دارالعلوم کی خدمت کی؛ جس میں ابتدائی بیس سال مجلس شوری کے مؤقر اور متحرک رکن کی حیثیت سے دارالعلوم کی آبیاری میں وافر حصہ لیا اور پھر دارالعلوم کے مسندِ اہتمام سے تقریباً تیس سال دارالعلوم کی بے بہا خدمات انجام دیں۔ آپ نے بڑے حوصلہ شکن، صبر آزما اور اضطراب انگیز حالات میں دارالعلوم کا انتظام وانصرام سنبھالا، مگر نہ صرف دارالعلوم کے سفینہ کو موج بلاخیز سے نکال کر بحفاظت تمام ساحل پر لگا دیا بلکہ بتوفیق ایزدی اپنی دل سوزی، اولوالعزمی، حکمت وتدبیر اور شبانہ روز کی انتھک اور بے لوث جد وجہد کی وجہ سے اسے حیات تازہ اور نئی جولانیوں سے ہم کنار کیا۔

ابتدائی حالات

آپ شہر بجنور کے محلّہ قاضی پاڑہ کے ایک دینی وعلمی، ذی وجاہت زمیندار گھرانے کے چشم و چراغ تھے اور بڑی فارغ البالی بلکہ تنعم اور امارت وریاست کے ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں اور زندگی کا بیشتر حصہ اسی حال میں گزرا تھا۔ آپ کے رشتہ کے نانا حضرت مولانا حکیم رحیم اللہ بجنوریؒ متوفی ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۹ء دارالعلوم کے عہد آغاز کے فارغین اور حضرت حجۃ الاسلام مولانا نانوتویؒ کے آخری دور کے ارشد تلامذہ میں سے تھے جنھوں نے بموقع حج بیت اللہ، سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت کا شرف بھی حاصل کیا تھا، فن طبابت کے ساتھ علم کلام اور مناظرہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے اور بہت سی کتابوں کے مصنف تھے، بڑے باوضع اور اوراد ووظائف کے نہایت پابند تھے۔

آپ کے والد ماجد حضرت مولانا حکیم مشیت اللہ بجنوریؒ متوفی ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء فاضل دارالعلوم دیوبند، حضرت شیخ الہندؒ کے تلمیذ رشید اور حضرت محدث عصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے رفیق درس اور یار غار

تھے۔اسی تعلق سے حضرت شاہ صاحبؒ سال میں ایک دو بار حضرت حکیم صاحب کے یہاں ضرور تشریف لے جاتے تھے۔حکیم صاحب مرحوم ۱۳۴۴ھ میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے اور تاحیات اس اعزاز سے متصف رہے۔ نیز آپ کے بڑے بھائی مولانا حکیم مطلوب الرحمٰن بجنوری متوفی ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء بھی دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل تھے، یہ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کے ابتدائی زمانۂ صدارت کے تلامذہ میں تھے اور حضرت مدنی سے والہانہ تعلق رکھتے تھے۔

دارالعلوم دیوبند کے عہد آغاز ہی سے دارالعلوم اور اس کے اکابر سے وابستہ اس خاندان میں ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔سن شعور کو پہنچے تو مدرسہ رحیمیہ مدینۃ العلوم جامع مسجد بجنور میں داخل کردیئے گئے یہ مدرسہ حضرت مولانا حکیم رحیم اللہ صاحب کی وصیت کے مطابق انھیں کے پس ماندہ سرمایہ سے جاری کیا گیا تھا اور آپ کے والد مولانا مشیت اللہ کی زیر سرپرستی چل رہا تھا۔۱۳۴۸ھ/۱۹۳۰ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور تین سال میں نصاب کی تکمیل کرکے ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ سے صحیح بخاری، اور جامع ترمذی اور دیگر اساتذہ سے بقیہ کتب حدیث پڑھ کر فارغ التحصیل ہوگئے۔۱۳۵۳ھ میں شعبہ افتاء میں داخل ہوکر صدر شعبہ حضرت مولانا محمد سہول بھاگلپوری اور مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ وغیرہ سے فتویٰ نویسی کی مشق کی اور متعلقہ کتابیں پڑھیں اور فتویٰ نویسی کے ایک سالہ نصاب کی تکمیل کرکے گھر آگئے۔ دارالعلوم میں حضرت مدنیؒ کے علاوہ آپ نے حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہوی، حضرت مولانا عبدالسمیع دیوبندیؒ، حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا اصغر حسین دیوبندیؒ، حضرت مولانا نبیہ حسن دیوبندیؒ، مولانا رسول خاں ہزارویؒ، حضرت مولانا مفتی محمد سہول بھاگلپوریؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ وغیرہ سے استفادہ کیا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد والد محترم کے ایماء پر اپنی ابتدائی تعلیم گاہ مدرسہ رحیمیہ مدینۃ العلوم میں تدریسی سلسلہ شروع کردیا، لیکن یہ سلسلہ تادیر قائم نہ رہ سکا، جائیداد کے انتظام وانصرام، اور قومی وملی خدمات نے آپ کو اس قدر مصروف ومشغول بنادیا کہ تدریس کے لئے وقت نہ نکال سکے؛ اس لئے درس وافادہ کے مشغلہ کو مجبوراً ترک کرنا پڑا۔

دارالعلوم دیوبند سے وابستگی

۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے رکن منتخب ہوئے، اسی سال مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، مولانا حامد الانصاری

غازی اور سید حمید الدین فیض آبادی شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ کلکتہ رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے مشاہیر علماء بھی مجلس شوری کے رکن منتخب ہوئے۔ آپ مجلس شوری کے موقر رکن تھے۔ مجلس شوریٰ میں آپ کی رائے اور مشورے اہمیت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، مجلس شوریٰ جب بوقت ضرورت دارالعلوم کے کسی معاملہ میں تحقیق وتفتیش کی غرض سے ذیلی مجلس تشکیل کرتی تو اس میں بطور خاص آپ کو شامل کرتی تھی جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے فکر وعمل کے اعتدال واصابت پر مجلس کو پورا اعتماد تھا۔

دارالعلوم کے سابق مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے مجلس شوری منعقدہ ۲۵ر رجب ۱۴۰۱ھ میں ایک تحریر پیش کی جس میں انھوں نے پیرانہ سالی اور امراض کے باعث جواب دہی کے بار کو ہلکا کرنے کی درخواست کی۔ آپ کی اس تحریر کے پیش نظر مجلس شوری نے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کو مددگار مہتمم بنا دیا حالاں کہ اس وقت کی مجلس شوری میں بھی اہل علم وکمال کی کوئی کمی نہ تھی۔ بعد میں جب دارالعلوم کے حالات خراب ہوئے اور حضرت حکیم الاسلامؒ نے کار اہتمام سے استعفاء پیش کر دیا تو مجلس شوری منعقدہ ۲۴ر شوال ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۵ر اگست ۱۹۸۲ء نے آپ کو مستقل مہتمم مقرر کر دیا۔ اس انتخاب پر اگرچہ بعض حلقوں میں حیرت واستعجاب کا اظہار کیا گیا لیکن جنھیں دارالعلوم سے ان کے پشتینی رشتہ اور تعلق کے پس منظر سے واقفیت تھی، انھوں نے مجلس شوری کے اس فیصلہ کو بنظرِ استحسان دیکھا اور بعد کے حالات و واقعات نے بھی دنیا پر آشکارا کر دیا کہ یہ فیصلہ بالکل برمحل اور زباں زد مقولہ 'حق بحق دار رسید' کی سچی تعبیر تھا۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ نے دارالعلوم کی زمام اہتمام ایسے وقت میں سنبھالی جب وہ شدید خلفشار کے طویل دور سے پوری طرح نکل نہیں سکا تھا؛ کیوں کہ اس کے منفی اثرات کا تسلسل ہنوز باقی تھا۔ ایسے حالات میں سارے انتظامی شعبوں کو از سر نو استوار کر کے انھیں سرگرم سفر کرنا، ملازمین و مدرسین کا اعتماد بحال کرنا اور طلبہ کو اپنے مقصد کی راہ پر سرگرم عمل ہونے کے لیے قدرتی فضا بنانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا۔ آپ نے اپنی خدا ترسی وشب بیداری، دل سوزی و عالی حوصلگی، غیر معمولی تدبر وفکر مندی کی وجہ سے نہ صرف حالات کی نزاکتوں پر قابو پا لیا بلکہ سکون واطمینان کی ایسی فضا بنانے میں کامیاب رہے کہ آپ کے تیس سالہ دور اہتمام میں کبھی کوئی بڑا انتشار رونما نہ ہوا، جس کی وجہ سے دارالعلوم نے تعلیمی وتعمیری سطحوں پر لائق ذکر ترقی کی۔

آپ کے دور اہتمام میں تعلیمی معیار کی بلندی اور بہتری پر خصوصی توجہ دی گئی۔ اسی پس منظر میں عربی چہارم تک تعلیم کے لیے مدرسہ ثانویہ کا مضبوط نظم قائم کیا گیا اور ٹھوس بنیادی تعلیم کی طرف توجہ دی گئی جس کا ثمرہ ہے کہ دارالعلوم کے عربی اول سے عربی چہارم تک کا نظام بھی مثالی بن گیا۔ اسی طرح حفظ وناظرہ اور درجات پرائمری کی تعلیم پر بھی خصوصی توجہ مرکوز کی گئی۔ دارالقرآن کے نام سے علیحدہ تعلیم گاہ کی تعمیر ہوئی

اوراساتذہ کی تعداد میں اضافے کیے گئے۔اسی دور میں دارالعلوم میں احادیث مبارکہ پر ریسرچ وتحقیق اور اعلیٰ ٹریننگ کے لیے شعبۂ تخصص فی الحدیث کا شعبہ بھی قائم ہوا۔آپ کے تیس سالہ دوراہتمام میں بیس ہزار سے زائد فضلاء تیار ہوئے۔طلبہ کی تعداد دو ہزار سے بڑھ کر تقریباً چار ہزار تک پہنچ گئی اور دارالعلوم کا بجٹ تینتیس لاکھ سے سترہ کروڑ تک پہنچ گیا۔

اس عرصہ میں کئی اہم شعبہ جات بھی وجود میں آئے خصوصاً فکراسلامی کے تحفظ واشاعت پر خاص توجہ کی گئی۔اسی پس منظر میں کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت، شعبۂ ردعیسائیت اور شعبۂ تحفظ سنت اور شعبۂ محاضرات علمیہ کا سلسلہ شروع ہوا۔ان شعبہ جات کے ذریعہ طلبہ کو متعلقہ موضوع پر تیاری وتربیت کے علاوہ پورے ملک میں دینی ودعوتی اور دفاع اسلام کی اہم سرگرمیاں انجام دی گئیں۔اسی طرح دارالعلوم کی دینی ودعوتی خدمات کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے شیخ الہند اکیڈمی، شعبۂ کمپیوٹر، شعبۂ کمپیوٹر برائے کتابت، شعبۂ انگریزی زبان وادب اور شعبۂ انٹرنیٹ وآن لائن فتوی کا قیام عمل میں آیا۔چناں چہ صحافت، کمپیوٹر اور انگریزی میں ڈپلومہ کورس شروع کیے گئے اور طلبہ کو عصر حاضر کے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے بھرپور اقدامات کیے گئے۔

پورے ہندوستان کے مدارس اسلامیہ عربیہ کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لیے کل ہند رابطۂ مدارس اسلامیہ عربیہ کا قیام اسی زمانہ میں ہوا۔آپ اس رابطہ مدراس اسلامیہ عربیہ کے تاحیات صدر رہے۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے دوراہتمام کا ایک اہم کام شعبۂ تنظیم وترقی کا استحکام اور فعالیت ہے۔آپ نے اس شعبہ میں کارکنان کے اضافہ کے ساتھ طریقۂ کار میں تبدیلی پیدا کی اور اس کی وجہ سے یہ شعبہ بہت فعال ہوگیا۔اندرونی آمد وصرف کے نظام کے درستگی کے سلسلہ میں آپ ہی کے دور میں شعبۂ خریداری اور اسٹاک روم بھی قائم ہوا۔

آپ کے دوراہتمام میں کئی اہم اور شاندار عمارتیں بھی تعمیر ہوئیں اور دارالعلوم کا زمینی رقبہ دوگنے سے زیادہ ہوگیا۔مسجد رشید، دارالتربیت، مدرسہ ثانویہ، دارالمدرسین، رواق خالد، شیخ الہند منزل (اعظمی منزل) شیخ الاسلام منزل (آسامی منزل)، حکیم الامت منزل (تحفیظ القرآن منزل) وغیرہ عمارتیں اسی دور میں تعمیر ہوئیں۔سنگ مرمر کی عظیم الشان پرشکوہ مسجد رشید اسی دور میں تعمیر ہوئی۔دارالاقامہ دارجدید کے از سر نوانہدام کے بعد اس کی سہ منزلہ دوبارہ تعمیر شروع کی گئی۔

اس دور میں دارالعلوم کو بین الاقوامی شہرت ومقبولیت ملی اور الحمدللہ دارالعلوم اپنے شاندار ماضی کی تابندہ روایات کے ساتھ پوری دنیا میں مسلک حقہ کی بھرپور نمائندگی کی۔اس عرصہ میں پوری دنیا سے بڑے بڑے

وفود اور غیر ملکی مہمان، حکومتوں کے سفراء و ذمہ داران، غیر ملکی صحافی بکثرت ہندوستان آئے اور دارالعلوم کے سلسلہ میں اچھے تاثرات کا اظہار کیا۔ آپ نے دارالعلوم و جمعیۃ علمائے ہند کی متعدد اہم کانفرنسوں اور سیمیناروں کی صدارت وقیادت بھی فرمائی۔ امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ صدر جمعیۃ علمائے ہند کے بعد آپ متفقہ طور پر امیر الہند ثالث منتخب ہوئے اور ہندوستان کی ملت اسلامیہ کی قیادت وامارت کا فریضہ انجام دیا۔ مختلف کانفرنسوں اور اجلاسات میں آپ کے پیش کردہ خطبات صدارت کا مجموعہ طبع ہو چکا ہے جو ہندوستانی مسلمانوں کی ملی، تعلیمی اور سیاسی مسائل میں آپ کی اعلی بصیرت اور بلند نگاہی کا آئینہ دار ہے۔

آپ فہم وفراست، حکمت ودانائی اور زندگی کے وسیع تجربوں کے ساتھ، مکارم اخلاق اور انسانی شرافت کے نمونہ تھے۔ ان کی بے نفسی، صلہ رحمی، ایثار اور توازن واعتدال نے انھیں ہر دلعزیز بنادیا تھا اور ہر شخص انھیں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ مہمان نوازی اور واردین وصادرین کی خاطر ومدارات ایسی کرتے تھے کہ جس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ اپنے خوردوں سے نہایت شفقت اور نوازش کا معاملہ فرماتے تھے۔

وفات

سن ہجری کے اعتبار سے آپ نے تقریباً سو سال کی عمر پائی۔ یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق ۸ر دسمبر ۲۰۱۰ء کو بجنور میں آپ کا انتقال ہوا۔ مزار قاسمی دیوبند میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

حضرت مولانا معراج الحق دیوبندیؒ

۱۳۲۸-۱۴۱۲ھ/۱۹۱۰-۱۹۹۱ء

حضرت مولانا معراج الحق دیوبندیؒ، دارالعلوم کے نائب مہتمم، صدرالمدرسین اور مقبول ترین استاذ تھے۔ علمی وانتظامی صلاحیتوں میں بہت ممتاز تھے۔ آپ نے تقریباً چالیس سال تک دارالعلوم میں تدریسی و انتظامی خدمات انجام دیں۔

ابتدائی حالات

مولانا معراج الحق صاحب ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں مرکز علم وفن دیوبند میں پیدا ہوئے اور یہاں کی علمی وروحانی فضا میں پرورش وپرداخت ہوئی۔ آپ کے والد منشی نورالحق صاحبؒ نہایت دیندار اور خداترس انسان تھے، انہوں نے ابتدا ہی سے آپ کی اچھی تربیت کی طرف مکمل توجہ دی، جس کے نتیجہ میں آپ نے ایک ممتاز طالب علم کی حیثیت سے دارالعلوم دیوبند میں رہ کر علوم ومعارف کے سمندر میں خوب غواصی کی اور اپنی علمی تشنگی بجھائی۔ ۱۳۵۱ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اور اساتذۂ کرام کے مشورہ سے حیدرآباد دکن کے گلبرگہ شہر میں واقع ایک مدرسہ میں تدریسی خدمت انجام دینا شروع کیا۔ آپ نے وہاں اپنی فطری ذہانت کو بروئے کار لاتے ہوئے درس وتدریس میں خوب کمال حاصل کیا اور ایک کامیاب مدرس کی شکل میں ابھر کر سامنے آئے۔

دارالعلوم دیوبند میں

دارالعلوم کے ارباب حل وعقد نے آپ کے اندر چھپے گوہر کو پہچان کر تدریسی خدمات کے لیے آپ کو دارالعلوم بلالیا۔ یکم محرم ۱۳۶۳ھ سے آپ نے دارالعلوم دیوبند کو علم وفن کی جولان گاہ بنایا اور بہت ہی کم عرصہ میں اپنی بے پناہ صلاحیتوں کی بنیاد پر طلبہ اور اساتذہ میں مقبولیت حاصل کرلی۔ فقہ میں خاص طور سے آپ کو مکمل درک حاصل تھا۔ ہدایہ آخرین کا سبق آپ کا بے حد مقبول ہوا کرتا تھا۔ زندگی کے آخری لمحات

تک ہدایہ آپ سے متعلق رہی، پیچیدہ اور مشکل مسائل کو آسان طریقہ سے حل کرکے طلبہ کو مطمئن کردینا آپ کے درس کا خصوصی امتیاز ہوا کرتا تھا۔ تفسیر بیضاوی جیسی مشکل ترین کتاب کو بھی بہت آسان طریقہ سے حل کرکے طلبہ کے سامنے پیش فرمادیتے تھے۔

آپ کے اندرانتظامی صلاحیت بھی بدرجہ اتم موجود تھی۔ ایک طویل عرصہ تک آپ ناظم دارالاقامہ رہے اور طلبہ کے ضروری مسائل کا حل بحسن وخوبی نکالتے رہے، گرچہ آپ کے چہرہ پر ہمہ وقت بشاشت ورعنائی رہا کرتی تھی لیکن پھر بھی طلبہ پر رعب واثر اس قدر تھا آپ کی آواز سنتے ہی طلبہ پر سناٹا چھا جاتا تھا۔ علمی وفنی صلاحیتوں کی بنیاد پر طلبہ واساتذہ میں یکساں طور پر آپ کے تئیں جذبۂ احترام پایا جاتا تھا۔

آپ کی ہمہ جہت صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے دارالعلوم کی مجلس شوریٰ نے ۱۱رشوال ۱۳۸۶ھ کو حضرت مولانا بشیر احمد صاحبؒ کے انتقال کے بعد نیابت اہتمام کے باوقار عہدہ پر آپ کو مقرر کیا۔ آپ نے حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کی نیابت کا بھرپور حق ادا کیا اور ہر موڑ پر حضرت قاری صاحبؒ کے بہترین معاون ثابت ہوئے۔ آپ کی حسن کارکردگی سے دارالعلوم کے ارباب شوریٰ بہت متاثر ہوئے اور ۱۴۰۱ھ میں (حضرت مولانا فخر الحسن مرادآبادیؒ کے انتقال کے بعد) باضابطہ طور پر آپ کو صدر مدرس کے عہدہ پر فائز کردیا۔ آپ زندگی کے آخری لمحہ تک اس موقر عہدہ پر برقرار رہے اور اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔

یہ آپ کے خلوص وللّٰہیت کی علامت تھی کہ آپ دارالعلوم میں درس وتدریس کے ساتھ مفوضہ انتظامی امور بھی ہمیشہ انجام دیتے رہے اور کبھی کسی عنوان سے آپ کی مقبولیت میں کوئی کمی نہیں آئی، بلکہ آئے دن طلبہ، اساتذہ اور منتظمین میں آپ کی قدر ومنزلت بڑھتی ہی گئی۔ آپ ہمیشہ دوسروں کے کام آتے، خاص طور سے طلبہ کے مسائل کو حل کرنے میں آپ کو خاص دلچسپی تھی۔

وفات

زندگی کی ۸۳ربہاریں دیکھنے کے بعد یہ آفتاب علم وفن ۷رصفر ۱۴۱۲ھ/ ۱۸راگست ۱۹۹۱ء کو ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔ قبرستان قاسمی دیوبند تدفین عمل میں آئی۔

حضرت مولانا نصیر احمد خاں بلند شہریؒ

۱۳۳۷-۱۴۳۱ھ/ ۱۹۱۹-۲۰۱۰ء

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب بلند شہریؒ، دارالعلوم کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین تھے۔آپ نے دارالعلوم میں چھ دہائیوں سے زائد تدریسی خدمات انجام دیں اور تقریباً ۳۲ سال تک بخاری شریف کا درس دیا۔اس دوران صرف دورۂ حدیث کے تقریباً بیس ہزار طلبہ آپ سے بخاری شریف کا درس لے کر فارغ التحصیل ہوئے۔آپ کا درس حدیث کافی مقبول تھا۔آپ کی درسی تقریریں عام فہم ،مربوط اور مدلل ہوتی تھیں۔فن ہیئت میں آپ کو بڑا درک حاصل تھا۔طبیعت میں سادگی،تواضع وانکساری اور ظاہر وباطن میں یکسانیت پائی جاتی تھی۔خوش مزاج اور خوش خلق تھے۔

ابتدائی حالات

۲۱ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ/۲۲ جنوری ۱۹۱۹ء کو ضلع بلند شہر کے موضع بسئی میں پیدا ہوئے۔حفظ قرآن مجید کے بعد فارسی اور عربی کی جملہ درسیات شروع سے آخر تک مدرسہ منبع العلوم گلاوٹھی ضلع بلند شہر میں پڑھیں۔دارالعلوم دیوبند میں ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء میں دورۂ حدیث میں داخل ہوئے اور ۱۳۶۲ھ میں فراغت حاصل کی۔آپ کی تعلیم وتربیت میں آپ کے برادر اکبر حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا زیادہ حصہ ہے جو اولاً مدرسہ منبع العلوم گلاوٹھی میں اور دارالعلوم دیوبند میں استاذ ہوئے۔ان دنوں جنگ آزادی کی جدوجہد میں مصروف ہونے کی پاداش میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نینی جیل میں قید تھے، اس لئے مولانا نصیر احمد خان صاحب نے اس سال بخاری شریف اور ترمذی شریف شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ سے پڑھی تھی،مگر حضرت مدنی سے استفادہ کی لگن اور خواہش برقرار تھی،اس لئے اگلے سال ۱۳۶۳ھ میں حضرت مدنی سے بخاری،ترمذی شریف کی سماعت کی۔نیز،اپنے علم وفن میں مزید جلا پیدا کرنے کی خاطر کچھ دیگر فنون کی کتابیں بھی پڑھیں۔اس کے بعد مزید دو سال علوم میں پختگی پیدا کرنے کی غرض سے مختلف کتابیں پڑھتے رہے۔اسی دوران تجوید میں حفص وسبعہ عشرہ کی تکمیل بھی کی۔

دارالعلوم دیوبند میں آپ کے اساتذہ میں خاص طور پر شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحبؒ، حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب بلند شہریؒ، حضرت مولانا عبید الرحمٰن صاحب امروہویؒ، حضرت مولانا عبدالحق صاحب ملتانیؒ، حضرت مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹکؒ، حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب گجرانوالاؒ، حضرت مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحب پرتاپگڑھیؒ صدر شعبۂ قرات دارالعلوم دیوبند، حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند قابل ذکر ہیں۔ حضرت مولانا حکیم محمد عمر صاحبؒ سے آپ نے طب کی کتابیں پڑھی تھیں۔

دارالعلوم میں مسند تدریس پر

ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ/ نومبر ۱۹۴۶ء میں اعزازی ابتدائی مدرس کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوا۔ آپ نے تدریس کا آغاز بالکل ابتدائی کتابوں سے کیا اور میزان سے لے کر آخر تک کی درس نظامی کی تقریباً تمام کتب آپ سے متعلق رہیں۔ آپ نہایت محنت اور دلچسپی سے پڑھاتے اور آپ کے بعض کتابوں کے درس کو کافی مقبولیت ملی۔ مقامات حریری، میبذی، مسامرہ شرح جامی، جلالین شریف، الفوز الکبیر، اور مشکوۃ شریف وغیرہ مختلف کتابوں کا درس تو آپ سے کافی طویل عرصہ تک متعلق رہا۔ مختلف فنون کے ساتھ علم ہیئت کا درس بھی آپ سے متعلق رہتا، اس فن کی اہم کتاب التصریح ہمیشہ آپ کے زیر درس رہی۔ اللہ تعالیٰ نے اس فن میں آپ کو مخصوص ملکہ اور مہارت عطا فرمائی تھی۔ ہیئت کے رسالہ فتحیہ پر حاشیہ بھی لکھا تھا۔

نہایت محنت اور پابندی کی وجہ سے آپ ابتدائی درجہ سے ترقی کرتے ہوئے درجۂ علیا تک پہنچ گئے اور ۱۳۹۱ھ میں دورۂ حدیث شریف کی کتابوں کی تدریس بھی آپ سے متعلق ہوگئی۔ ۱۳۹۱ھ سے ۱۳۹۷ھ تک آپ طحاوی شریف، مسلم شریف، جلد ثانی، موطا امام مالک کا درس دیتے رہے، اور طالبان علوم نبوت کو فیضیاب کرتے رہے۔

۱۳۹۷ھ میں جب دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت مولانا شریف الحسن صاحب دیوبندیؒ وفات پاگئے تو بخاری شریف کا درس آپ سے متعلق ہوگیا۔ اس کے بعد سے آپ مسلسل بخاری شریف کا درس دینے لگے۔ ایک سال مکمل بخاری شریف کا درس آپ سے متعلق رہا، اس کے بعد ہمیشہ آپ جلد اول پڑھاتے رہے۔ آپ بڑی شان وشوکت سے بخاری شریف کا درس دیتے تھے۔ اخیر عمر تک اسی فریضہ کو انجام دیتے رہے اور ہزاروں فرزندان توحید کو سیراب کرتے رہے۔ ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء میں مختلف عوارض کی وجہ سے درس اور مدرسہ کی حاضری سے معذوری ظاہر فرمادی۔ اس طرح ۱۳۹۱ھ سے ۱۴۲۹ھ تک تقریباً ۴۰

سال تک آپ مسند حدیث پر رونق افروز ہوکر تشنگان علوم کو سیراب کرتے رہے، اس دوران آپ سے ہزاروں طلبہ نے شرف تلمذ حاصل کیا۔

آپ کی شخصیت میں علمی اور انتظامی دونوں صلاحیتوں کا امتزاج پایا جاتا تھا۔ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ انتظامی ذمہ داریاں بھی آپ نے بحسن وخوبی طور پر انجام دیں۔ ایک طویل عرصہ تک آپ ناظم دارالاقامہ رہے۔ ۶/صفر ۱۳۹۱ھ کو مجلس شوری نے آپ کو دارالعلوم دیوبند کا نائب مہتمم تجویز فرمایا اور ایک عرصہ تک آپ اس منصب پر کام کرتے رہے۔ حضرت مولانا معراج الحق صاحب دیوبندیؒ صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کی وفات کے بعد ۱۴۱۲ھ میں آپ کو باتفاق اراکین شوری صدرالمدرسین منتخب کرلیا گیا۔ ایک طویل عرصہ تک آپ نے اس منصب کو بھی زینت بخشی اور اخیر عمر میں تدریس سے معذرت کیساتھ اس منصب جلیل سے بھی سبک دوش ہوگئے۔

اوصاف حمیدہ

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ فطرتاً انتہائی نیک وصالح انسان تھے، بزرگوں کے علم واخلاق کا نمونہ اور ان کی علمی یادگار تھے۔ آپ بہترین مدرس اور بے مثال عالم تھے۔ آپ کے اوصاف میں ایک خصوصی وصف یہ تھا کہ آپ انتہائی متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ شفقت ورحم دلی، خیرخواہی اور محبت واخلاص جیسے جذبات کوٹ کوٹ کر اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات میں بھر دیئے تھے۔ آپ کے یہاں کوئی چھوٹا بھی چھوٹا نہیں تھا، سب کا احترام بڑوں کی طرح فرماتے تھے، آپ کی ذات سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچتی تھی۔ نماز باجماعت کے انتہائی پابند تھے۔ جمعہ کو کافی پہلے مسجد پہنچنے اور صلوۃ التسبیح وغیرہ کا معمول تھا۔ نماز اس طرح خشوع خضوع اور رکوع اور سجود کامل طمانینت کے ساتھ پڑھتے کہ دیکھنے والا یہ سمجھتا کہ اس سے بہتر کوئی نماز نہیں ہوسکتی۔ باطنی کمالات کے ساتھ حسن ظاہری، حسن صوت، حسن صورت اور حسن سیرت سے بھی اللہ تعالیٰ نے بڑی فیاضی کے ساتھ نوازا تھا۔ آواز آپ کی بلند وبالا مگر انتہائی دل کش تھی، گفتگو کا لب ولہجہ نہایت عمدہ تھا۔ وقار وسنجیدگی اور متانت آپ کے درس کا خصوصی امتیاز تھا۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے آپ کو والہانہ تعلق تھا۔ احسان وسلوک میں آپ کو حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت وخلافت حاصل تھی۔

وفات

آپ نے ۹۶/ برس کی طویل عمر پائی اور تقریباً پینسٹھ سال دارالعلوم دیوبند میں تدریسی و انتظامی خدمات انجام دیں۔ ۱۴۲۹ھ میں مختلف عوارض و امراض کی وجہ سے درس اور مدرسہ کی حاضری سے معذوری ظاہر فرمادی۔ ۱۹/صفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۴/فروری ۲۰۱۰ء جمعرات کی شب میں آپ کا انتقال ہوا۔ اگلے دن آپ کو قبرستان قاسمی دیوبند میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے: ماہنامہ دارالعلوم مارچ واپریل ۲۰۱۰ء)

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ

۱۳۲۵-۱۴۱۷ھ/ ۱۹۰۷-۱۹۹۶ء

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ ایک عظیم صاحب نسبت بزرگ، عالم ربانی، مفتیٔ بے مثل اور جامع علمی شخصیت کے مالک تھے۔ اللہ تعالی نے آپ کو بہت سے کمالات وخصوصیات سے نوازا تھا۔ آپ دار العلوم دیوبند کے صدر مفتی رہے اور مظاہر علوم سہارن پور میں بھی افتاء کے فرائض انجام دیے۔ مسند افتاء پر فائز ہونے کے علاوہ، دار العلوم میں صحیح بخاری، سنن نسائی و دیگر کتب حدیث وفقہ کی تدریس بھی آپ سے متعلق رہی۔

ابتدائی حالات

۸-۹/ جمادی الثانی ۱۳۲۵ھ/ ۱۹/ جولائی ۱۹۰۷ء کو شب جمعہ میں گنگوہ میں پیدا ہوئے۔ والد محترم مولانا حامد حسن حضرت شیخ الہند کے شاگرد تھے۔ مفتی صاحب نے ابتدائی تعلیم گنگوہ میں حاصل کی۔ ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۳ء میں مظاہر علوم سہارن پور تشریف لے گئے۔ پھر ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۲۹ء میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۲ء میں دار العلوم میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ و دیگر اساتذہ سے تکمیل حدیث کی۔ پھر ۱۳۵۱ھ/ ۱۹۳۳ء میں مظاہر علوم سہارن پور جا کر شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلویؒ اور حضرت مولانا عبد الرحمٰن کامل پوریؒ اور حضرت مولانا منظور احمد خانؒ سے استفادہ کیا۔ آپ نے دار العلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارن پور کے ماہر فن اساتذہ ومشائخ سے علمی وروحانی فیض حاصل کیا۔

۱۳۵۱ھ/ ۱۹۳۳ء ہی سے مظاہر علوم ہی میں تقرر ہو گیا جہاں آپ تقریباً ۲۰/ سال تک افتاء اور درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے رہے۔ پھر مدرسہ جامع العلوم کانپور میں ۱۳۷۱ھ/ ۱۹۵۲ء سے ۱۳۸۴ھ/ ۱۹۶۴ء تک تقریباً ۱۴/ سال مسند صدارت وافتا پر فائز رہے۔ کان پور کے لوگوں پر آپ کے علم وفضل، زہد و تقوی اور بزرگی کا بڑا اثر رہا اور آپ نے وہاں کے مسلمانوں کو بڑا علمی وروحانی فیض پہنچایا۔ وہاں کا قدیم مدرسہ جامع العلوم عرصہ سے تنزلی اور گمنامی میں پڑا ہوا تھا، حضرت مفتی صاحب کی برکت سے دوبارہ ترقی اور شہرت کی بلندی پر پہنچ گیا۔

دارالعلوم دیوبند میں

۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء میں آپ کو دارالافتاء دارالعلوم دیوبند میں مفتی کے منصب کے لیے منتخب کیا گیا۔ دارالعلوم دیوبند میں آپ فتاویٰ نویسی کے علاوہ صحیح بخاری جلد دوم، سنن نسائی اور حدیث وفقہ کی دیگر کتابوں کا درس بھی مختلف اوقات میں آپ سے متعلق رہا، خصوصاً شعبۂ افتاء کے طلبہ کی تربیت بھی فرماتے تھے۔

۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء میں دارالعلوم میں اختلافات کے وقت مستعفی ہوکر مظاہر علوم چلے گئے تھے۔ بعد میں ارباب دارالعلوم کی درخواست پر دیوبند میں قیام پر راضی ہوگئے تھے، البتہ مختلف عوارض کی وجہ سے دارالافتاء سے باضابطہ متعلق نہیں رہے۔ اس زمانے میں بھی اہم استفتاءات کی جواب نویسی اور درس حدیث (خصوصاً نسائی شریف کی تدریس) کا سلسلہ برابر قائم رہا۔

۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء میں آپ مظاہر علوم کے سرپرست بنائے گئے۔ علاوہ ازیں، ملک وبیرون ملک کے مختلف مدارس اور اداروں کی سرپرستی بھی فرماتے تھے۔ پاکستان، بنگلہ دیش، ساؤتھ افریقہ، زامبیا و دیگر ممالک میں آپ کے مسترشدین کافی تعداد میں موجود ہیں۔ نہایت منکسر المزاج، متواضع، کثیر المطالعہ، ذاکر وشاغل، فراخ حوصلہ اور سیر چشم بزرگ تھے۔

یادگارِ اسلاف شخصیت

مفتی صاحب کو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے خلافت واجازت حاصل تھی۔ آپ کی قیام گاہ ذاکرین سے معمور رہتی تھی۔ دارالعلوم میں مسجد چھتہ میں قیام رہتا جو بڑے بڑے علماء ومشائخ کی قیام گاہ رہ چکی ہے۔ آپ کے پاس ہمہ وقت علماء وطلبہ اور عام مسلمانوں کا اجتماع رہتا تھا۔ کوئی علمی پیاس بجھانے آتا، کوئی زیارت وملاقات کے لیے حاضر ہوتا اور کوئی بیعت واصلاح کے مقصد سے۔ مسجد چھتہ میں ہر وقت چہل پہل رہتی اور علم وذکر کی نورانی مجلس قائم رہتی تھی۔ مسجد چھتہ کی رونق گم گشتہ حضرت مفتی صاحبؒ کی برکت سے ایک بار پھر لوٹ آئی تھی اور بازار معرفت ایک بار پھر گرم ہوگیا تھا۔ آپ کو دیکھ کر علمائے سلف کی یاد تازہ ہوجاتی تھی۔ آپ کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی تھی کہ دارالعلوم سے انہیں جو مشاہرہ ملتا تھا اس کو وہ ہر ماہ نہ صرف یہ کہ دارالعلوم میں داخل کردیتے تھے، بلکہ اس میں مزید کچھ اور روپے بھی شامل فرمادیتے تھے، ان کا یہ عمل بلا ناغہ جاری رہا۔

حضرت مفتی صاحب کو علم تفسیر وحدیث، فقہ وکلام اور دیگر تمام علوم دینیہ میں کامل مہارت تھی۔ فقہی

کلیات و جزئیات کا کافی استحضار تھا۔ آپ کا حافظہ بہت قوی اور مطالعہ بہت وسیع تھا۔ آپ کی ذات روشن ذہن اور مجتہدانہ بصیرت کی حامل تھی۔ اللہ تعالی نے آپ کو بڑی جامعیت عطا فرمائی تھی۔ علم و عمل، خلوص و للّٰہیت، تقوی وطہارت، خدمت خلق، تزکیۂ نفس، تعبیر خواب، فتوی نویسی اور اتباع سنت وغیرہ تمام اوصاف وکمالات میں اللہ تعالی نے آپ کو بلند مقام عطا فرمایا تھا۔

فرق باطلہ کی تردید میں حضرت مفتی صاحب ید طولی رکھتے تھے۔ قادیانیت، رضاخانیت اور مودودیت کا مطالعہ کافی گہرا تھا۔ فرق باطلہ کے خلاف مناظروں میں بھی شرکت فرماتے تھے اور مخالفین کو لاجواب کرنے میں بے مثال تھے۔ علمائے زمانہ آپ کی فقیہانہ بصیرت اور علمی گہرائی کی معترف و مداح رہے ہیں۔ آپ کی حکمت وبصیرت سے لاینحل مسائل لمحوں میں حل ہوجاتے تھے اور انداز تکلم ایسا تھا کہ مشکل سے مشکل بات مخاطب کے دل نشیں ہوجائے۔ اللہ تعالی نے آپ کو خوش طبعی اور بذلہ سنجی سے بھی وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔

حضرت مفتی صاحب کی علمی یادگاروں میں سب سے ممتاز فتاوی محمودیہ ہے جو بیس جلدوں میں شائع ہوچکی ہے۔ ان فتاوی میں بعض جوابات ایسے ہیں جو مستقل رسائل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کے لکھے ہوئے بعض اہم فتاویٰ مختلف رسالوں میں شایع ہوتے رہے ہیں، کان پور کا ماہانہ رسالہ 'نظام' برسہا برس سے آپ کی سرپرستی میں شائع ہوا۔ آپ کا طرز تحریر اختصار پسندانہ ہے۔ علاوہ ازیں، ارمغانِ اہل دل، حقوق مصطفیٰ، وصف شیخ وغیرہ دیگر کتابیں بھی شائع ہوچکی ہیں۔ آپ کے مکتوبات، مجلس کے ملفوظات اور خطبات بھی شائع ہوچکے ہیں۔

آپ کا روحانی فیض آپ کے خلفاء کے ذریعہ جاری ہے۔ ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، ساؤتھ افریقہ، انگلینڈ، فرانس وغیرہ کے تقریباً ڈیڑھ سو علماء وسالکین کو آپ نے خلافت نے نوازا۔ دار العلوم کے مہتمم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی بھی آپ کے خلیفہ ہیں۔

وفات

اپریل ۱۹۹۶ء/ ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ کو آپ کا افریقہ کا سفر ہوا۔ وہاں طبیعت خراب ہوئی تو جوہانسبرگ کے پارک لین ہسپتال میں ایڈمٹ ہوئے اور بالآخر ۲ رستمبر ۱۹۹۶ء/ ۱۸ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ کو انتقال ہوا۔ ساؤتھ افریقہ کے شہر ہیزل ڈین (Hazel Dene) سے چار کلومیٹر کی دوری پر ایلسبرگ (Elsburg) کے قبرستان میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

حضرت مفتی نظام الدین اعظمیؒ

۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء-۱۴۲۰ھ/۲۰۰۰ء

حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ، دارالعلوم دیوبند کے ایک مایہ ناز مفتی اور عالم دین تھے۔ جدید مسائل کی تحقیق واستخراج میں آپ کو خصوصی ملکہ حاصل تھا۔ مسند افتاء پر فائز ہونے کے ساتھ آپ نے شعبۂ دارالافتاء کے طلبہ کی تدریس وتربیت بھی فرمائی۔ آپ متعدد اہم علمی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔

ابتدائی حالات

۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں موضع اوندرا ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وطن کے مکاتب میں ہوئی۔ پھر مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور (ضلع اعظم گڑھ) میں پڑھا۔ بعدازاں مدرسہ عزیزیہ بہار شریف اور مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری دہلی میں ثانوی درجات تک تحصیل علم کی۔ آخر میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔ دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد علوم وفنون کی کتابیں بھی پڑھیں۔

فراغت اور علوم وفنون کی تکمیل کے بعد اولاً مدرسہ جامع العلوم جین پور ضلع اعظم گڑھ اور جامع العلوم دھمال ضلع گورکھپور میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر حضرت شاہ وصی اللہ الہ آبادیؒ کے حکم پر دارالعلوم مئو ناتھ بھنجن میں مدرس اور مفتی کی حیثیت سے تشریف لے گئے جہاں تقریباً پچیس سال تک ان مناصب پر فائز رہے۔ یہاں فتوی نویسی کے ساتھ درس وتدریس کا سلسلہ بھی رہا۔ اس مدرسہ میں حدیث، تفسیر، فقہ وغیرہ کی اہم کتابیں زیر درس رہیں۔

دارالعلوم دیوبند میں

۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء میں دارالافتاء دارالعلوم دیوبند میں کا مفتی کا منصب تفویض ہوا جس پر اخیر عمر تک فائز رہے۔ فتوی نویسی کے ساتھ آپ نے شعبۂ دارالافتاء کے طلبہ کی تدریس وتربیت بھی فرمائی۔ اس طرح تقریباً

۳۵ سال تک افتاء اور درس وتدریس کی مشغولیت رہی۔ اس دوران تقریباً پچھتر ہزار (۷۵۰۰۰) سوالات کے جوابات تحریر فرمائے۔ آپ کے فتاوی کی نقل تقریباً سوا سو کلاں سائز رجسٹروں میں دارالافتاء کے اندر محفوظ ہے۔

فتویٰ نویسی کا اچھا ملکہ حاصل تھا۔ فتاویٰ میں آپ کے جوابات مفصل ہوتے تھے۔ فقہی قواعد پر آپ کی گہری نگاہ تھی۔ استفتا کے لیے آئے سوالات کا باریک بینی سے مطالعہ کرتے پھر ان مسائل کے بارے میں ان کے ماہرین سے پوری جانکاری حاصل کرتے اور تب جا کر ان کے بارے میں کوئی حتمی رائے دیتے۔ جدید مسائل سے متعلق آپ کے فتاوی اجتہادی حیثیت کے حامل ہوتے تھے۔

آپ اپنی فقہی بصیرت اور فطری صلاحیتوں کی بنیاد پر ایک طویل مدت تک رابطہ فقہ اسلامی کے رکن رہے ہیں۔ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ قدس سرہ سے بیعت وخلافت کا شرف حاصل تھا۔ طبیعت میں سادگی اور وقار نمایاں تھا۔ بہت خوش اخلاق اور نرم دل تھے۔ طبیعت میں یکسوئی اور اختلاف وانتشار سے بے حد دوری تھی۔ زندگی کے آخری لمحہ تک پوری یکسوئی کے ساتھ آپ فقہ وفتاویٰ کی خدمت انجام دیتے رہے۔

تصانیف

آپ کے فتاویٰ کی اہمیت اور ضرورت کو دیکھتے ہوئے آپ کے عقیدت مندوں نے بارہا ان سے اصرار کیا کہ وہ انھیں کتابی شکل میں شایع کر دیں تا کہ عام لوگ بھی ان سے مستفیض ہوسکیں۔ فتاویٰ نظامیہ اودروایہ کے نام سے دو جلدیں شائع بھی ہوئیں، لیکن یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ اس کے بعد مفتی صاحب کے قابلِ فخر شاگرد مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے آپ کے منتخب فتاوی کو دو جلدوں میں 'منتخبات نظام الفتاوی' کے نام سے تحقیق وتحشیہ کے ساتھ شائع کیا۔ آپ کے فتاوی کے اس مجموعہ میں بے شمار جدید مسائل پر فقہی تحقیقات اور موجودہ حالات کے پس منظر میں مسائل کا حل پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ نظام الفتاوی کے نام سے آپ کے فتاوی کی طباعت کا سلسلہ شروع ہوا تھا جو جاری نہ رہ سکا۔

فتاوی کے علاوہ آپ کے علمی کمالات کی ایک یادگار حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کی کتاب فتح المنان فی اثبات مذهب النعمان کی تحقیق وطباعت ہے۔ آپ نے نہایت عرق ریزی کے ساتھ کتاب کی دریافت، ترتیب وتدوین اور تصحیح فرمائی اور اس کے بعض مقامات پر نوٹس بھی تحریر فرمائے۔ اس کتاب میں فقہ حنفی کی تائیدی احادیث مشکاۃ کے طرز پر جمع کی گئی ہیں۔ اس کتاب کا ایک نسخہ نہایت خستہ حالت میں حضرت مفتی صاحب کو ملا، چناں آپ نے اس کا دوسرا صاف نسخہ تلاش بسیار کے بعد جامعہ ملیہ کی لائبریری کے شعبۂ مخطوطات سے حاصل کیا۔ ڈھائی سال کی محنت شاقہ کے بعد اس کتاب کی ترتیب اور

تحقیق مکمل ہوئی اور یہ کتاب نہایت اعلی معیار کی کتابت وطباعت کے ساتھ کلاں سائز کی تین جلدوں میں شائع ہوئی۔ احادیث کا یہ معتبر ذخیرہ اور نادر مجموعہ حضرت مفتی صاحب کی کوششوں سے منظر عام پر آسکا۔

وفات

۲۰/ذوالقعدہ ۱۴۲۰ھ/ ۲۶/فروری ۲۰۰۰ء کی شب میں ۸۶/سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور مزار قاسمی دیوبند میں مدفون ہوئے۔

حضرت مولانا غلام رسول خاموشؒ

۱۳۵۹/۱۹۴۰ء-۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء

حضرت مولانا غلام رسول خاموش گجراتیؒ معروف عالمِ دین، داعی الی اللہ اور صاحبِ عزیمت وتقویٰ شخصیت کے مالک تھے۔آپ دارالعلوم دیوبند کے کارگزار مہتمم تھے۔

ابتدائی حالات

مولانا غلام رسول خاموش ابن الحاج حبیب اللہ صوبہ گجرات کے بناس کانٹھا ضلع میں واقع مشہور قصبہ چھاپی کے قریب ایک گاؤں بیتا کے باشندے تھے، جہاں ۹/جمادی الثانیہ ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۶/جون ۱۹۴۰ء بروز شنبہ پیدا ہوئے۔فارسی وعربی کی تعلیم مدرسہ اسلامیہ دارالعلوم چھاپی میں حاصل کی، آپ اس مدرسہ کے اوّلین طلبہ میں تھے۔مشکوٰۃ شریف کی تکمیل کے بعد آپ اپنی والدہ کے ساتھ کراچی (پاکستان) تشریف لے گئے، وہاں الجامعۃ الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن میں ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ بخاری وترمذی حضرت علامہ انورشاہ صاحب کشمیریؒ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا یوسف صاحب بنوریؒ سے پڑھیں، مسلم شریف حضرت مولانا لطف اللہ صاحب پشاوریؒ سے، ابوداؤد حضرت مولانا فضل حق صاحبؒ سے اور طحاوی شریف حضرت مولانا عبدالرشید صاحبؒ نعمانی صاحب لغات القرآن سے پڑھیں۔دورۂ حدیث کی تکمیل کر کے ہندوستان واپس ہوئے۔

فراغت کے بعد بمبئی گئے جہاں حصولِ معاش کے ساتھ مدرسہ دارالعلوم امدادیہ ممبئی میں بلا معاوضہ تدریسی خدمت انجام دیں۔تدریس کا سلسلہ نو سال تک قائم رہا جس میں آپ نے اونچے عربی درجات کی اہم کتابیں بھی پڑھائیں۔بمبئی میں آپ نے چائے کی تجارت شروع کی جس میں اللہ نے خوب برکت دی اور رفتہ رفتہ ایک بڑے تاجر بن گئے۔

تجارت کے ساتھ ساتھ اکابر علماء اور جماعت تبلیغ کے اکابرین سے بھی وابستہ رہے۔۱۹۶۸ء میں پہلی مرتبہ جماعت میں وقت لگایا۔دعوت وتبلیغ کی نسبت سے آپ نے مصر، تونس، الجزائر، سعودی عربیہ،

امریکہ، کنیڈا، فیجی، جنوبی افریقہ، جاپان، انگلینڈ، برما، تھائی لینڈ، فلپائن، کویت، آسٹریلیا وغیرہ ممالک کے طویل اسفار کیے۔

مولانا کو مسلمانوں کی اصلاح اور دینی ترقی کی فکر ہمیشہ انھیں دامن گیر رہتی۔ جماعت تبلیغ سے وابستگی کے ساتھ علاقہ میں مقامی سطح پر دینی کام کے لیے اصلاحی کمیٹیاں قائم کر رکھی تھیں۔ دینی مراکز و معابد کی تعمیر و ترقی میں حصہ لیتے۔ تازندگی آپ نے دارالعلوم چھاپی کی خدمت کی۔ آپ کو دارالعلوم چھاپی کے ذمہ داران کا اتنا اعتبار واعتماد حاصل تھا کسی عہدہ پر نہ ہوتے ہوئے بھی مہتمم کی موجودگی میں اہتمام وانصرام کے تمام امور خود ہی انجام دیتے تھے۔ مولانا خاموش کے خلوص وللّٰہیت کا یہ عالم تھا سارا کا سارا کام آپ انجام دیتے اور نام مہتمم صاحب کا رہتا۔ دارالعلوم چھاپی کے مہتمم مولانا حبیب اللہ صاحب کے بعد آپ کو دارالعلوم چھاپی کا مہتمم بنایا گیا۔

مدرسہ دارالعلوم چھاپی کے مہتمم اور دارالعلوم دیوبند کے کارگزار مہتمم ہونے کے علاوہ گجرات کے کئی مدارس کے یا تو رکن رکین تھے یا سرپرست۔ علاوہ ازیں راجوسی، اجمیر، جے پور، ٹونک، جودھپور، جیسلمیر، باڑمیر، میوات کے اطراف میں چار سو سے زائد مکاتب کی سرپرستی کرتے تھے اور اپنے بھائیوں نیز دیگر رفقاء کے مالی تعاون سے ان کی کفالت اور نگرانی کرتے تھے۔

دارالعلوم دیوبند سے تعلق

بمبئی کے حضرت حاجی علاء الدین صاحبؒ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین تھے، ۱۰؍جون ۱۹۸۸ء کو ان کا انتقال ہوا۔ حاجی صاحب کی جگہ پر مجلس شوریٰ صفر ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۹ء میں دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کی رکنیت کے لئے آپ کا انتخاب عمل میں آیا۔ دارالعلوم کے مفاد کے پیش نظر مسلسل پابندی کے ساتھ مجلس شوریٰ کی تمام مجالس میں شرکت فرماتے تھے اور حسب موقع مخلصانہ مشورہ دیتے تھے۔

مولانا خاموش کی دارالعلوم کے امور سے گہری دل چسپی اور تعلقِ خاطر سے متاثر ہو کر مجلس شوری نے ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء میں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے ضعف و پیرانہ سالی کی پیش نظر آپ کو دارالعلوم کے با اختیار کارگزار مہتمم کے عہدۂ جلیلہ پر سرفراز فرمایا۔ گو مولانا دارالعلوم دیوبند سے رسمی طور پر فیض یافتہ نہیں تھے، مگر آپ کے اندر موجزن دارالعلوم کی بے پناہ محبت اور بے لوث جذبۂ خدمت کی برکت تھی کہ درجنوں لائق وفائق ابنائے دارالعلوم دیوبند کی موجودگی میں بھی اللہ تعالی نے اس منصب کے لیے آپ کا انتخاب فرمایا۔

دارالعلوم دیوبند کی ظاہری ومعنوی ترقی کے لیے ہمیشہ فکرمند رہتے۔انتظامی اصلاحات اور طلبہ کی تعلیم وسہولیات کو لے کر ہمیشہ کوشاں رہتے۔ دارالعلوم کے لیے مالیات کی فراہمی پر خاص توجہ دیتے اور خود بھی اس سلسلہ میں کوششیں کرتے۔ دارالعلوم سے تنخواہ نہ لیتے تھے اور قیام وطعام حتی کہ بجلی کا صرفہ بھی اپنے جیب خاص سے دیتے تھے۔

خصوصیات وکمالات

مولانا کی خصوصیت تھی کہ بڑی سے بڑی ذمہ داریوں کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ خاموشی سے انجام دیا کرتے تھے۔مولانا بڑوں چھوٹوں سب کا خیال رکھتے، ہر ایک کی ضروریات، مسائل اور شکایتیں سنتے اور نہایت سنجیدگی سے ان کا حل ڈھونڈنے کی کوشش کرتے۔تمام معاملات میں صبر وتحمل، وسعت نظری اور حکمت ومصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے قدم اٹھاتے اور کبھی کسی معاملہ میں جذباتی نہ ہوتے۔ستائش کی تمنا اور صلہ کے پرواہ کیے بغیر اپنے کاموں میں لگے رہتے۔ بڑے صاف گو تھے اور سیدھی سادی بات پسند بھی کرتے۔ چاپلوسی، تملق اور لاگ لپیٹ کو پسند نہ فرماتے۔

مولانا کی دوسری بڑی خصوصیت ان کی پرہیزگاری اور تقوی شعار زندگی تھی۔ رجوع الی اللہ اور تقوی و انابت کا خاص ذوق تھا۔پنج وقتہ نمازوں میں اذان کے فوراً بعد مسجد میں حاضر ہوجاتے اور نماز کے بعد دیر تک نوافل، تلاوت اور ذکر میں مشغول رہتے۔ ہمیشہ صف اول میں جگہ لیتے اور ساری نمازیں تکبیر اولی کے ساتھ ادا فرماتے۔سفر وحضر میں ہمیشہ نماز باجماعت کا اہتمام کرتے۔قرآن کریم کی تلاوت کا خاص شغف تھا۔روزمرہ کے معمولات انتہائی پابندی کے ساتھ اپنے اپنے وقت پر ادا کرتے۔

وفات

۲۸رشوال ۱۴۳۱ھ/ ۸راکتوبر ۲۰۱۰ء بروز جمعہ بعد نماز عصر دارالعلوم دیوبند کے مہمان خانہ میں محض چند گھنٹے کی علالت کے بعد انتقال ہوا۔اگلے دن قبرستان قاسمی میں دفن کیے گئے۔

حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری

ولادت: ۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۰ء

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری، دارالعلوم کے موجودہ شیخ الحدیث اورصدر المدرسین ہیں۔آپ ایک مستند محدث، کامیاب استاذ، متعدد اہم کتابوں کے مصنف اور جید الاستعداد اور بابصیرت مفتی وفقیہ ہیں۔

ابتدائی حالات

۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۰ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔آپ کا وطن موضع کالیڑہ، بناس کانٹھا (شمالی گجرات) ہے۔آپ پالن پوری کی نسبت سے معروف ہوئے جو آزادی سے پہلے ایک مسلم نواب اسٹیٹ تھا اور اس ضلع کا مرکزی شہر ہے۔آپ کی بسم اللہ آپ کے والد محترم نے کرائی۔ وطن ہی میں مکتب میں ناظرہ و دینیات کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم چھاپی میں داخل ہوئے جہاں آپ کے ماموں مولانا عبد الرحمٰن صاحب تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے۔ پھر مولانا نذیر احمد پالن پوری کے مدرسہ میں داخل ہوئے اور شرح جامی تک کی کتابیں وہیں پڑھیں۔آپ کے اساتذہ میں محمد اکبر میاں پالن پوری اور مولانا ہاشم بخاری قابل ذکر ہیں۔

۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۸ء میں مظاہر علوم سہارن پور آ گئے۔ وہاں نحو، منطق اور فلسفہ کی اکثر کتابیں پڑھیں۔ اعلی تعلیم کے لیے آپ نے ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۱ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔علم حدیث وفقہ وتفسیر کے علاوہ دیگر علوم وفنون کتابیں بھی آپ نے یہیں پڑھیں۔۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں آپ نے دورۂ حدیث کی تکمیل کی اور سالانہ امتحان میں امتیازی نمبرات حاصل کیے۔فراغت کے بعد ایک سال تک شعبہ افتاء میں زیر تعلیم رہے اور حضرت مفتی محمود احمد نانوتوی (رکن مجلس شوری واعزازی مفتی دارالعلوم دیوبند) کے یہاں معین مفتی کے طور پر بھی فتوی نویسی کی خدمات انجام دیں۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۳۸۴ھ/ ۱۹۶۵ء میں دارالعلوم اشرفیہ راندیر (سورت) میں درجہ علیا کے

مدرس مقرر ہوئے اور وہاں ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء تک وہاں بہ حسن وخوبی تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔
اسی زمانے میں العون الکبیر عربی شرح الفوز الکبیر، علامہ طاہر پٹنیؒ کی کتاب 'المغنی' کی عربی شرح 'تہذیب المغنی' (غیر مطبوعہ)، حرمت مصاہرت وغیرہ کتابیں بھی تصنیف فرمائیں۔

دارالعلوم دیوبند میں

حضرت مولانا منظور احمد نعمانی کی تحریک پر ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء میں دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے لیے آپ کا انتخاب عمل میں آیا۔ دارالعلوم میں اس وقت سے اب تک متعدد اہم کتابیں آپ سے متعلق رہیں۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، منطق و فلسفہ وغیرہ کی کتابیں آپ نے حسن وخوبی کے ساتھ پڑھائیں۔ دورۂ حدیث میں آپ نے ایک طویل عرصہ تک ترمذی شریف کا درس دیا جو طلبہ کے درمیان کافی مقبول تھا۔ کچھ مواقع پر آپ نے دارالعلوم کے مؤقر شعبہ دارالافتاء میں بہ طور مفتی فتوی نویسی کے خدمات بھی انجام دی ہیں۔ آپ کی علمی سرپرستی میں فتاوی دارالعلوم کی ترتیبِ جدید جاری ہے۔

آپ فتنۂ قادیانیت کے تعاقب کے سلسلہ میں دارالعلوم میں قائم کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کے ناظم اعلی بھی ہیں۔ دارالعلوم کے اجلاسات اور عمومی جلسوں میں آپ کی پرمغز اور علمی تقریریں بہت دل چسپی سے سنی جاتی ہیں۔

۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء میں حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب بلند شہریؒ کے علالت کی وجہ سے مستعفی ہونے کے بعد آپ کو دارالعلوم کے صدرالمدرسین اور شیخ الحدیث کے باوقار عہدہ کے لیے منتخب کیا گیا۔

تصنیفات وتالیفات

آپ کامیاب مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے منصف بھی ہیں۔ اب تک آپ کی چھوٹی بڑی تقریباً تین درجن کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ آپ کی کتابوں میں تحفۃ الالمعی شرح سنن ترمذی، تحفۃ القاری شرح بخاری، العون الکبیر عربی شرح الفوز الکبیر، حاشیہ امداد الفتاوی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی شہرۂ آفاق کتاب حجۃ اللہ البالغۃ کی اردو شرح رحمۃ اللہ الواسعۃ آپ کی علمی تحقیقات کا شاہکار اور آپ کے بلند پایہ علمی مقام کا آئینہ دار ہے۔ قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم و معارف سے آپ کو گہرا لگاؤ اور مناسبت ہے۔ حضرت نانوتویؒ کی متعدد کتابیں آپ کی تسہیل وتشریح کے ساتھ شائع ہوئیں۔ 'افادات نانوتویؒ' کے نام سے ایک قیمتی مضمون بھی لکھا جو ملک کے مؤقر اردو رسالہ

الفرقان لکھنؤ میں قسط وار شائع بھی ہوا۔ آپ کی علمی خدمات کے اعتراف میں حکومت ہند نے آپ کو ۲۰۱۱ء میں صدر جمہوریہ ایوارڈ سے نوازا۔

تدریس اور دارالعلوم کے تعلیمی امور کی سرپرستی کے ساتھ، ملک و بیرون ملک میں دارالعلوم کی نمائندگی کا فریضہ بھی حسن وخوبی کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔

(اکثر مشمولات الخیر الکثیر شرح الفوز الکبیر از حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری مطبوعہ الامین کتابستان دیوبند، ۱۹۹۹ء) سے ماخوذ ہیں۔)

حضرت مولانا غلام محمد وستانوی

ولادت: ۱۳۷۰ھ/ ۱۹۵۰ء

حضرت مولانا غلام محمد وستانوی صاحب، جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا (مہاراشٹر) کے مہتمم اور ملک کے متعدد اداروں کے سرپرست ونگراں ہیں۔ آپ کا وطن 'وستان' ضلع سورت ہے۔ آپ کی ولادت ۱۳۷۰ھ/ ۱۹۵۰ء میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام حاجی محمد اسماعیل ہے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم کوساری کے مدرسہ قوۃ الاسلام میں ہوئی بعدازاں ۱۹۶۴ء میں اعلی تعلیم کے لیے دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر میں داخلہ لیا اور مفتی احمد بیمات، مولانا ذوالفقار قاسمی اور مولانا عبداللہ کاپودروی وغیرہ حضرات علمائے کرام سے استفادہ کیا۔ پھر ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء میں مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور تشریف لائے اور شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلوی اور حضرت مولانا محمد یونس جون پوری وغیرہ اساتذۂ فن سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔

حضرت مولانا وستانوی نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز ضلع سورت کے قصبہ ادھانا سے کیا۔ بعد میں کچھ دنوں تک دارالعلوم کنتھاریہ سے بھی منسلک رہے۔ آخر میں مہاراشٹر کے ایک پس ماندہ علاقہ اکل کوا ضلع نندوربار میں مدرسہ اشاعت العلوم کی داغ بیل ڈالی جو ترقی کرتے ہوئے ایک آج ایک شجر سایہ دار بن چکا ہے اور اس کی سیکڑوں شاخیں قائم ہوچکی ہیں۔ مدرسہ سے ہزاروں حفاظ اور علماء پیدا ہوئے۔ حضرت مولانا نے دینی علوم کے مدارس ومراکز کے علاوہ مسلم نوجوانوں کے لیے عصری تعلیم گاہوں کا سلسلہ بھی شروع کیا جس میں پرائمری اسکول، ہائر سیکنڈری اسکول، بی ایڈ کالج، انجینئرنگ کالج، میڈیکل کالج وغیرہ شامل ہیں۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے انتقال کے بعد مجلس شوری کے اجلاس منعقدہ ۵/ صفر ۱۴۳۲ھ مطابق ۱۱-۱۰ جنوری ۲۰۱۱ء میں آپ کو عہدۂ اہتمام کے لیے منتخب کیا گیا۔ آپ ۲۱/ شعبان ۱۴۳۲ھ / ۲۳/ جولائی ۲۰۱۱ء تک اس منصب پر فائز رہے۔ اس طرح از صفر تا شعبان ۱۴۳۲ھ/ جنوری تا جولائی ۲۰۱۱ء (یعنی کل سات) ماہ آپ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم رہے۔

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی

ولادت: ۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۷ء

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دارالعلوم دیوبند کے موجودہ مہتمم اور ملک کے مشہور عالم دین ہیں۔ دارالعلوم کے منصب اہتمام سے قبل آپ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری کے رکن رکین، جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس کے شیخ الحدیث اور مفتی، جمعیۃ علمائے ہند کے نائب صدر اور رکن مجلس عاملہ رہے ہیں۔

ابتدائی حالات

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی بن الحاج محمد حنیف بن قاری محمد نظام الدین صاحب مشہور شہر بنارس (وارانسی) کے محلّہ مدن پورہ میں ۲۲؍صفر ۱۳۶۶ھ/۱۴؍جنوری ۱۹۴۷ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی والدہ اور دادا کے زیر نگرانی ہوئی اور پھر شوال ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۶ء میں جامعہ اسلامیہ مدن پورہ وارانسی میں پرائمری درجہ دوم میں داخل ہوئے۔ شوال ۱۳۷۹ھ/ ۱۹۶۰ء میں عربی تعلیم کے لیے اس علاقہ کے مشہور ادارہ دارالعلوم مئو ناتھ بھنجن میں عربی درجہ اول میں داخلہ لیا۔ پھر ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ء میں مفتاح العلوم مئو میں ایک سال پڑھ کر اعلی تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند آ گئے اور یہاں شوال ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۳ء درجۂ عربی چہارم (کنز الدقائق کی جماعت) میں داخل ہوئے، یہ دارالعلوم کے قیام کا سواں سال تھا۔ دارالعلوم دیوبند میں چھ سال تک تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی اور سالانہ امتحان میں اول پوزیشن سے کامیاب ہوئے۔

فراغت کے بعد ایک سال شعبۂ افتاء میں داخل رہ کر فتوی نویسی کی مشق کی۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا سید فخر الدین صاحبؒ، حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ، فقیہ الامۃ حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ اور حضرت مولانا وحید الزمان کیرانویؒ جیسے عباقرہ وائمۂ فن شامل ہیں۔ حضرت مولانا کیرانویؒ کو آپ کی صلاحیت و لیاقت پر اتنا اعتماد تھا کہ طالب علمی کے زمانے میں ہی صف عربی کی تدریس آپ سے متعلق کردی تھی۔

آپ نے پہلے شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ سے بیعت کی، لیکن فقیہ الامۃ حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ سے روحانی طور پر مستفید ہونے کا موقع زیادہ ملا کیوں کہ حضرت مفتی صاحب آپ کے استاذ بھی تھے۔ آپ پر فقیہ الامۃ حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کی خصوصی توجہ تھی، اس طرح آپ کو خلعت خلافت واجازت سے بھی نوازا اور حضرت مفتی صاحب کے خاص معتمد اور قریبی حلقہ میں آپ کا شمار ہونے لگا۔ ۱۹۹۶ء میں جب ساؤتھ افریقہ میں فقیہ الامۃ حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ صاحب کا انتقال ہوا، اس وقت حضرت مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب بھی ساؤتھ افریقہ میں حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر تھے، چناں چہ آپ نے ہی حضرت کی نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب نے دارالعلوم سے فراغت کے بعد اپنے آبائی شہر بنارس کے قدیم مدرسہ جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب میں تدریس شروع کردی جس میں آپ دارالعلوم کے منصب اہتمام پر فائز ہونے تک شیخ الحدیث اور دارالافتاء کے صدر مفتی رہے۔ اس کے علاوہ معاشرہ میں پھیلی ہوئی رسومات وبدعات اور اخلاقی برائیوں کی اصلاح کے لیے آپ نے اپنے محلّہ کی تنظیم انجمن اصلاح المسلمین کو ازسرنو زندہ کیا جو کہ کام نہ ہونے کی وجہ سے کالعدم ہوگئی تھی۔ حضرت مفتی صاحب تقریباً بیس سالوں سے مسجد بلال (مالتی باغ بنارس) میں رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کے ساتھ حدیث کا درس دے رہے ہیں۔ ان دروس کا مجموعہ 'اسباقِ حدیث' اور 'مواعظِ نعمانی' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں

۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء میں آپ مجلس شوری دارالعلوم کے رکن منتخب کیے گئے۔ دارالعلوم کی مجلس عاملہ اور مجلس شوری کی طرف سے بنائی جانے والی دیگر ذیلی کمیٹیوں کے رکن بھی نامزد ہوتے رہے۔ مجلس شوری کی کارروائیوں میں بڑی سرگرمی کے شرکت فرماتے اور آپ کو اکابر اراکین کا بھرپور اعتماد حاصل رہا۔ دوسری طرف جمعیۃ علمائے ہند کی قومی مجلس عاملہ کے رکن بھی رہے اور ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء میں نائب صدر کے عہدہ پر بھی فائز کیے گئے۔

یکم محرم الحرم ۱۴۳۲ھ مطابق ۸/دسمبر ۲۰۱۰ء کو حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوریؒ کے انتقال کے بعد مجلس شوری کا اجلاس ہونے تک آپ کو کارگزار مہتمم بنایا گیا۔ پھر مجلس شوری کے ہنگامی اجلاس میں ۱۹/ربیع الاول ۱۴۳۲ھ/۲۳/فروری ۲۰۱۱ء کو آپ کو دوبارہ کارگزار مہتمم بنایا گیا اور پھر مجلس شوری کے اجلاس ۲۱/شعبان ۱۴۳۲ھ/۲۳/جولائی ۲۰۱۱ء میں آپ کو مستقل مہتمم بنا دیا گیا۔

آپ کی ذات سے دارالعلوم کے عظیم منصبِ اہتمام پر فائز ہونے سے لوگوں کو بڑی توقعات وابستہ ہیں۔ اللہ تعالی کے فضل وکرم سے آپ اس عظیم الشان مسند سے دارالعلوم کی نمائندگی اور امت مسلمہ کی قیادت کا فریضہ بہ حسن وخوبی نبھا رہے ہیں۔ اللہ تعالی نے آپ میں بلندیٔ نگاہ، دل نوازیٔ سخن، پرسوزیٔ جان کی اعلی قائدانہ صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہیں۔ دارالعلوم کے نظم وانتظام کی دیکھ ریکھ کے ساتھ ملک و بیرون ملک میں ہر دینی وعلمی پلیٹ فارم سے دارالعلوم کے مسلک حقہ کی نمائندگی فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالی نے زبان وبیان کی عمدہ صلاحیت، نفیس واعلی ذوق اور اعلی علمی وسیاسی بصیرت سے حظ وافر عطا فرمایا ہے۔ بے پناہ مشغولیات کے باوجود دارالعلوم میں دورۂ حدیث کے طلبہ کو ترمذی شریف کا درس بھی دیتے ہیں جس میں طلبہ بڑے ذوق وشوق سے شرکت کرتے ہیں۔

مشاہیر علماء و مشائخ دارالعلوم کے حالات

حضرت مولانا مہتاب علی دیوبندیؒ

حضرت مولانا مہتاب علیؒ صاحب دارالعلوم دیوبند کے بانیوں میں سے ایک تھے۔ آپ تاحیات دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔ آپ حضرت شیخ الہندؒ کے بڑے ابا (تایا) یعنی حضرت مولانا ذوالفقار علیؒ کے بڑے بھائی ہیں۔ علم و فضل کے اعتبار سے اس زمانہ میں دیوبند کے ممتاز ترین علماء میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت نانوتویؒ نے دیوبند میں عربی کی ابتدائی کتابیں آپ سے ہی پڑھیں۔ دارالعلوم کے قیام اور اس کی تعمیر و ترقی میں حضرت حاجی سید عابد حسین صاحبؒ کے ہمنوا اور مشیر کار رہتے تھے۔ مدرسہ کو ترقی و استحکام دینے میں آپ کا بھی بڑا کردار رہا ہے۔

شیخ فتح علی دیوبندیؒ کے تین صاحبزادوں میں حضرت مولانا مہتاب علیؒ سب سے بڑے تھے۔ آپ کے بھائی حضرت مولانا ذوالفقار علیؒ بھی دارالعلوم کے بانیوں میں سے ہیں۔ حضرت مولانا مہتاب علیؒ نے تعلیم دہلی عربک کالج میں حضرت مولانا مملوک العلی نانوتویؒ اور حضرت مفتی صدرالدین آزردہؒ سے حاصل کی۔ جب سند فراغت لے کر دیوبند واپس آئے تو چوں کہ گھرانہ بہت خوشحال تھا؛ اس لیے انھوں نے کہیں ملازمت نہیں کی، بلکہ دیوبند میں مسند تدریس بچھائی۔ شیخ کرامت حسین کی بیٹھک میں ان کا مدرسہ تھا، یہیں وہ شوقین طلبہ کو پڑھایا کرتے تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے مولانا موصوف سے عربی کی ابتدائی کتابیں یہیں پڑھیں۔ حضرت شیخ الہندؒ کے والد حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ بھی اسی درسگاہ میں زیر تعلیم تھے اور عربی کی متوسطات پڑھتے تھے۔ یہ حضرت نانوتویؒ سے تقریباً گیارہ سال عمر میں بڑے تھے۔

دارالعلوم کے قیام کی جب تحریک چلی اور مالیات کی فراہمی کے لیے حضرت حاجی عابد حسینؒ نے آغاز کیا، تو سب سے پہلے وہ مشورہ اور مالی تعاون کے لیے حضرت مولانا مہتاب علیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سب سے پہلی رقم انھوں نے ہی عنایت کی۔ مولانا موصوف نے صرف مالی تعاون ہی نہیں کیا، بلکہ دارالعلوم کے قیام میں سرگرمی سے شریک ہوئے اور اس کے ابتدائی سرپرستوں میں شامل رہے۔ دارالعلوم

کے افتتاح کے بعد ۱۹؍محرم الحرام ۱۲۸۳ھ کو مدرسہ کے لیے تعاون کی عوام کے نام جو سب سے پہلی اپیل کی گئی اور اشتہار چھپا، اس میں حضرت حاجی عابد حسینؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بعد تیسرا نام مولانا مہتاب علیؒ کا ہی ہے۔ دارالعلوم کے سالانہ امتحانات میں طلبہ کا امتحان عموماً آپ ہی لیتے تھے۔

حضرت مولانا مہتاب علیؒ کی تاریخ وفات تاریخ دارالعلوم دیوبند کے مصنف جناب محبوب رضوی صاحب کے مطابق ۱۲۹۳ھ مطابق ۱۸۷۶ء ہے (تاریخ دیوبند، طبع دوم، ص ۳۲-۳۳۱) جب کہ حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ نے مدرسہ کی رکنیت کی مدت از قیام تا ۱۳۰۴ھ لکھی ہے جو شاید آپ کا تاریخ وفات ہو۔ (دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی، ص ۱۰۲)

حضرت مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ

حضرت مولانا ذوالفقار علیؒ صاحب دارالعلوم دیوبند کے بانیوں میں سے تھے اور دارالعلوم کی پہلی مجلس شوری کے رکن رکین۔ آپ ایک نہایت پختہ صلاحیت کے عالم دین، عربی کے ادیب اور مصنف تھے۔ آپ کی فضیلت کے لیے یہ بات بھی کافی ہے کہ آپ دارالعلوم دیوبند کے پہلے طالب علم اور حضرت شیخ الہندؒ کے والد ماجد تھے۔

آپ کی ولادت دیوبند میں ۱۲۳۷ھ/۱۸۲۲ء میں ہوئی۔ آپ کے والد شیخ فتح علیؒ تھے جو دیوبند کے مشہور عثمانی شیوخ میں تھے۔ مولانا مہتاب علی دیوبندیؒ آپ کے بڑے بھائی تھے۔ دونوں برادران علم و فضل کے اعتبار سے اس زمانہ میں دیوبند کے ممتاز ترین علماء میں شمار ہوتے تھے۔ دونوں حضرات دارالعلوم کی بنیاد اور اس کے کاموں میں حضرت حاجی سید عابد حسین دیوبندیؒ کے ہمنوا اور مشیر کار تھے اور حتی المقدور مدرسہ کو ترقی دینے میں دونوں حضرات شریک رہتے تھے۔

مولانا ذوالفقار صاحبؒ نے دہلی کالج میں حضرت مولانا مملوک العلی نانوتویؒ (متوفی ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۱ء) اور مفتی صدرالدین دہلویؒ سے پڑھا۔ آپ مولانا مملوک العلیؒ کے ممتاز تلامذہ میں سے ہیں۔ آپ نے اپنی علمی صلاحیتوں کی وجہ سے بہت جلد ترقی کر لی تھی۔ فراغت کے بعد بریلی کالج میں پروفیسر مقرر ہوئے، چند سال کے بعد ڈپٹی انسپکٹر اور پھر انسپکٹر ابتدائی مدارس بنا دیے گئے۔ مولانا ذوالفقار علیؒ پنشن پانے کے بعد دیوبند میں آنریری مجسٹریٹ بھی رہے۔

حضرت مولانا ذوالفقار علیؒ فنون ادبیہ کے مشہور علماء میں سے ہیں۔ آپ کو عربی زبان و ادب پر بڑی

دسترس تھی۔آپ عربی، فارسی اور اردو کے بے مثل ادیب اور شاعر تھے۔تینوں زبانوں میں آپ کو یکساں مہارت تھی۔ سلطان عبدالحمید خلیفۂ ترکی کی شان میں آپ کا عربی قصیدہ اور دار العلوم دیوبند کے تعارف میں مقفی عربی رسالہ آپ کی قادر الکلامی کی شہادت دیتا ہے۔

عربی زبان و ادب، معانی و بلاغت اور علم الحساب وغیرہ میں متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کتابوں سے آپ کے علمی مقام و مرتبہ اور ادبیت کا پتہ چلتا ہے۔آپ نے مشہور درسی کتب دیوان حماسہ، دیوان متنبّی، قصیدہ السبع المعلقات اور قصیدۃ بانت سعاد کی اردو میں شرحیں لکھیں جن کے نام حسب ذیل ہیں: (۱) تسہیل الدراسۃ شرح دیوان حماسہ (۲) تسہیل البیان شرح دیوان متنبّی (۳) التعلیقات علی السبع المعلقات (۴) ارشاد شرح قصیدہ بانت سعاد۔ مولانا نے ان شروح میں عربی کے غریب اور مشکل الفاظ اور محاورات کا ایسا سلیس و بامحاورہ ترجمہ اور ایسی دل نشیں تشریح کی ہے، جس کی بدولت عربی ادبیات کی یہ مشکل ترین کتابیں طلبہ کے لیے نہایت سہل اور آسان ہوگئی ہیں۔ (۵) عطر الوردہ: یہ کتاب مشہور عربی نعتیہ قصیدہ بردہ کی اردو شرح ہے۔ زبان سلیس بامحاورہ اور مقفی ہے۔ (۶) معیار البلاغۃ (یا تذکرۃ البلاغۃ): یہ اردو زبان میں علم معانی و بیان کی لاجواب کتاب ہے۔اس کو اگر اردو کی مختصر المعانی کہا جائے تو زیادہ اچھا ہے۔اس میں آپ نے اردو شعراء کے اشعار کی مثالیں اس طرح چسپاں کردی ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ (۷) الہدیۃ السنیۃ في ذکر المدرسۃ الإسلامیۃ الدیوبندیۃ: ۱۳۰۷ھ میں عربی زبان میں ایک مختصر رسالہ لکھا جس میں مدرسہ دیوبند، بزرگان دار العلوم کے اوصاف و کمالات اور سرزمین دیوبند کی خصوصیات پر بڑے لطیف اور ادیبانہ انداز میں تبصرہ کیا گیا ہے۔کتاب کی عبارت مقفی ہے۔ (۸) تسہیل الحساب (ریاضی)

مولانا حکیم عبدالحئی الحسنی نزہۃ الخواطر میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''فنون ادبیہ کے مشہور علماء میں سے تھے۔ درسی کتب مولانا مملوک العلی نانوتوی اور مفتی صدر الدین دہلوی سے پڑھیں۔ان کی خدمت میں کافی عرصہ سے رہے، یہاں تک کہ معانی، بیان، نحو اور ذوق شعری میں اپنے ساتھیوں سے سبقت لے گئے۔ میں انھیں دیوبند میں ملا اور انھیں فنون ادبیہ کا عالم و ماہر پایا۔'' (طبقۂ رابعہ عشرہ، حرف ذ)

مولانا ذوالفقار علیؒ کے متعلق فرانس کا مشہور مصنف گارسان دتاسی لکھتا ہے:

> ''وہ دہلی کالج کے طالب علم تھے، چند سال کے لیے بریلی کالج میں پروفیسر ہوگئے، ۱۸۵۷ء میں میرٹھ میں ڈپٹی انسپکٹر تھے، مسٹر ٹیلر اُن سے واقف تھے، ان کا بیان ہے کہ ذوالفقار علی ذہین اور طباع ہونے کے علاوہ فارسی اور مغربی علوم سے بھی واقف تھے۔ انھوں نے اردو میں تسہیل الحساب کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، جو بریلی میں ۱۸۵۲ء میں چھپی ہے۔'' (تاریخ دار العلوم دیوبند، جلد اول، ص ۱۲۴)

مولانا ذوالفقار علیؒ کا انتقال دیوبند میں ۱۳۲۲ھ (مطابق ۱۹۰۴ء) میں بہ عمر ۸۵ سال ہوا۔ قاسمی قبرستان میں حضرت نانوتویؒ کے پہلو میں جانب مشرق ان کی قبر ہے۔

نوٹ: واضح رہے کہ آپ کے ایک ہم نام سید ذوالفقار علی دیوبندی بھی دارالعلوم دیوبند کے لیے عطیہ دینے والوں کی پہلی فہرست میں شامل ہیں۔ ان کی شخصیت بھی علم وفضل سے آراستہ تھی۔۔ پنجاب میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھے۔ دیوبند میں ان کی حویلی مشہور تھی۔ ان کے لڑکے مولوی ممتاز علی نامور عالم تھے جنھوں نے لاہور میں اپنا ایک مطبع کھولا تھا۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ایک رسالہ لاہور سے 'تہذیب نسواں' کے نام سے نکالتے تھے۔ اردو کے مشہور ادیب اور انارکلی ڈرامہ کے مصنف امتیاز علی تاج سید ذوالفقار علی دیوبندی کے پوتے تھے۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد اول، ص۱۲۳ تا ۱۲۴

مشاہیر علمائے دیوبند، قاری فیوض الرحمٰن صاحب، اول، ص۱۸۰ تا ۱۸۱

حضرت مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ

حضرت مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ دارالعلوم کے بانیوں اور اولین معاونین میں تھے۔ آپ نے اپنے فرزندوں میں حضرت مفتی عزیز الرحمٰنؒ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ صدر مدرس دارالعلوم دیوبند جیسے مشاہیر اور یگانہ روزگار علماء چھوڑے۔ ندوۃ المصنفین دہلی کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ انہی کے پوتے ہیں۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ کے اخلاف نے عظیم علمی اور دینی خدمات انجام دی ہیں۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن عثمانی ۱۲۴۸ھ ۱۸۳۲ء میں پیدا ہوئے۔ دہلی کالج میں حضرت مولانا مملوک العلیؒ سے تعلیم پائی تھی۔ دارالعلوم کے بانیوں میں سے تھے، مجلس شوریٰ کے آخر تک رکن رہے۔ فارسی واردو کے بلند پایہ شاعر تھے۔ عربی ادب میں بھی ملکہ راسخہ حاصل تھا۔ متعدد نظمیں، قصیدے اور مرثیے وغیرہ ان کے ذوق شعری کے آئینہ دار ہیں۔ دیوبند میں ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء میں ایک زبردست پلیگ (طاعون) پھیلا تھا، اس پلیگ کی تباہ کاریوں کو انھوں نے فارسی زبان میں نظم کیا ہے۔ دیوبند کے حالات میں یہ ایک تاریخی دستاویز ہے۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰنؒ کو مادۂ تاریخ کے نکالنے میں بھی بڑا کمال حاصل تھا، دارالعلوم کی رودادوں میں ان کی بہت سی نظمیں اور تاریخی قطعات درج ہیں۔

محکمہ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدے پر فائز تھے۔ بریلی، بجنوراور سہارنپور وغیرہ اضلاع میں تعینات رہے۔ ۱۸۵۷ء میں بریلی میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰنؒ نے ۳ جمادی الاولی ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۵؍جون ۱۹۰۷ء میں رحلت پائی۔

حضرت شیخ نہال احمد دیوبندیؒ

حضرت شیخ نہال احمد دیوبندیؒ بھی دارالعلوم کے اولین معاونین ومشیرین میں تھے۔ حضرت حاجی عابدؒ نے دارالعلوم دیوبند کے لیے جو پہلا چندہ کیا تھا، اس میں تعاون کرنے والوں میں آپ کا نام بھی ہے۔ قیام دارالعلوم کے بعد جو پہلی اپیل شائع کی گئی ان میں بھی آپ کا نام شامل تھا۔

شیخ نہال احمد صاحب، شیخ کرامت حسین رئیس دیوبند کے صاحب زادے تھے۔ آپ کی تعلیم حضرت مولانا مہتاب علیؒ کی درس گاہ میں ہوئی جو آپ کے دیوان خانے میں قائم تھا۔ اسی درس گاہ میں حضرت نانوتویؒ نے بھی ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی۔ شیخ کرامت حسین کی صاحبزادی سے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا نکاح ہوا، اس طرح یہ حضرت نانوتویؒ کے برادر نسبتی بھی ہوئے۔ جتنے بڑے رئیس تھے ویسے ہی مخیرّ وفیاض بھی تھے۔ ان کی فیاضی کے کئی قصے مشہور ہیں۔ حضرت نانوتویؒ کے نام جب وارنٹ تھا تو انھوں نے خطرات کی پرواہ کیے بغیر آپ کی حفاظت اور بچاؤ کی ہر ممکن کوشش کی۔ (مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: حیات اور کارنامے، مولانا اسیرادروی، شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند، ص ۴۷)

ریکارڈ کے مطابق دارالعلوم کے قیام سے لے کر ۱۳۰۴ھ (مطابق ۱۸۸۷ء) تک مجلس شوری کے رکن رہے۔ شاید یہی آپ کا سن وفات بھی ہو۔

حضرت مولانا ملا محمد محمود دیوبندیؒ

حضرت مولانا ملا محمد محمود دیوبندی دارالعلوم کے پہلے مدرس تھے۔ آپ کا انتخاب حضرت نانوتویؒ کے ذریعہ عمل میں آیا تھا۔ قیام دارالعلوم سے آخر عمر تک دارالعلوم ہی سے وابستہ رہے۔ علوم فقہ وحدیث کے ماہر تھے۔ انھوں نے حدیث حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلویؒ سے پڑھی تھی۔ سنن ابن ماجہ پر شاہ صاحب جو حاشیہ 'انجاح الحاجۃ' کے نام سے لکھتے تھے، اس میں آپ ان کے معاون رہے تھے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مندرجہ ذیل اشعار سے ان کے علم وفضل اندازہ ہوتا ہے:

درحدیث وفقہ وتفسیر واصول — شہرتے کامل بدارد در فحول

زیلعی ولوذعی، دریائے علم — منبعِ خُلق وتواضع، کانِ علم

برزبانش ہست مضمونِ کتاب — ہست تقریرش چو بارندہ سحاب

وفات: ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء میں دیوبند میں انتقال فرمایا اور قبرستان قاسمی کے شمال مغرب میں کہنی مسجد کے احاطہ میں مدفون ہوئے۔

حوالہ: تاریخ دیوبند، ص ۷۷؛ دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی ص ۱۰۸؛ کاروانِ رفتہ: مولانا اسیر ادروی، ص ۲۲۹

حضرت مولانا میر باز خان تھانویؒ

ولادت: ۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء میں بھوجپور ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔

دارالعلوم کے اولین فضلاء میں تھے۔ قیام دارالعلوم کے سال ہی دارالعلوم میں داخل ہوئے اور ۱۲۸۴ھ میں فارغ ہوئے۔ زمانۂ طالب علمی ہی میں پڑھانے کی خدمات انجام دیتے تھے۔ فراغت کے بعد دارالعلوم ہی میں ۱۲۸۷ھ/ تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ تعلیم وتدریس کا اچھا ملکہ تھا۔

پھر مظاہر علوم میں مدرس مقرر کیے گئے۔ حضرت مولانا محمد مظہر صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم کی علالت کے زمانے میں انھوں نے دومرتبہ قائم مقام صدر مدرس کے فرائض انجام دیے۔ شیخ عبدالرحیم سہارن پوریؒ سے بیعت کا تعلق تھا۔

مولانا میر باز خاں صاحب کا خودنوشت مجموعہ ٔمکاشفات 'استدراک الامیر من اسرار اللطیف الخبیر' بلالی اسٹیم پریس سادھوڑہ میں طبع ہوا۔

۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء میں انتقال ہوا۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۲۳؛ دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی، ص ۱۰۸

حضرت مولانا فتح محمد تھانویؒ

مولانا فتح محمد تھانوی بھی قیام دارالعلوم کے پہلے سال ہی دارالعلوم میں داخل ہوئے اور دارالعلوم میں

پڑھنے کے ساتھ پڑھانے کی خدمت بھی انجام دیتے تھے۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد اپنے وطن تھانہ بھون کی حوض والی مسجد میں حافظ عبدالرزاق صاحب کے قائم کردہ مدرسہ میں مدرس مقرر ہوئے۔ بعد میں مدرسہ جامع العلوم کان پور میں بھی تدریسی خدمات انجام دیں۔

مولانا فتح محمد تھانوی، تھانہ بھون کی چند ممتاز ہستیوں میں سے ایک تھے جن کی نسبت اس قصبہ کو شہرت حاصل ہوئی۔ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت میں سلوک کی تکمیل کی۔ نہایت متواضع، حلیم، زاہدو عابداور بہترین مجود تھے۔ علوم ظاہری وباطنی دونوں سے بہرہ وراور صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے۔ انھوں نے حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی کی مرتب کردہ شرح حزب البحر کا اردو ترجمہ کیا تھا۔

نزہۃ الخواطر کے مطابق ستر (۷۰) سال کی عمر میں ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں تھانہ بھون میں انتقال ہوا۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد دوم، ص ۲۵ تا ۲۷

نزہۃ الخواطر، مولانا حکیم سید عبدالحی، دارابن حزم بیروت، ج ۸ (مولانا فتح محمد تھانوی)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ

حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھویؒ ہندوستان کے مایۂ ناز محدث، فقیہ اور شیخ وقت تھے۔ بذل المجہود عربی شرح سنن ابوداؤد آپ کا علمی شاہ کار ہے۔ دارالعلوم کے اولین فضلاء میں تھے۔

آپ کا وطن انبیٹھہ ضلع سہارن پور تھا، ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء میں پیدا ہوئے۔ سلسلۂ نسب حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے۔ استاذ الاساتذہ حضرت مولانا مملوک العلی نانوتویؒ کے نواسے اور حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ کے بھانجے تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد انگریزی تعلیم کے لیے سرکاری اسکول میں داخل کیے گئے۔ اسی زمانہ میں دارالعلوم قائم ہوا تھا، یہاں ان کے ماموں صدر مدرس تھے؛ چناں چہ آپ کو ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء میں دارالعلوم میں داخل کیے گئے۔ شرح تہذیب وغیرہ کی تعلیم کے بعد مظاہر علوم سہارن پور میں داخل ہوئے اور ۱۲۸۸ھ/ ۱۸۷۱ء میں فراغت حاصل کی۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد مظاہر علوم میں مدرس ہوگئے۔ ریاست بھوپال کے مدارالمہام کے اصرار پر ۱۲۹۳ھ/ ۱۸۷۶ء بلائے گئے، مگر وہاں دل نہیں لگا اور چند ماہ کے بعد حج کے لیے چلے گئے۔ واپسی کے بعد حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے انھیں بہاول پور بھیج دیا۔ ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء میں دوسرا حج کیا

اور اسی سفر میں حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ نے انھیں خلافت عطا فرمائی۔ حج سے واپسی کے بعد حضرت گنگوہیؒ نے ان کو مدرسہ مصباح العلوم بریلی کا صدر مدرس مقرر کیا۔

۱۳۰۸ھ/ ۱۸۹۰ء سے ۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۶ء تک دارالعلوم میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۶ء میں یہاں سے بہ حیثیت صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور تشریف لے گئے اور ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء میں مظاہر علوم کے ناظم منتخب کیے گئے۔ ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۸ء میں مظاہر علوم سہارن پور کے سرپرست بنائے گئے۔ ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء میں ہجرت کی نیت سے مدینہ منورہ میں مقیم ہوگئے۔

بیعت اور تکمیل سلوک حضرت گنگوہیؒ سے کی اور حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی خلافت حاصل تھی۔ سلوک واحسان کی اس نسبت کے ذریعہ ایک عالم آپ سے مستفید ہوا۔ حضرت مولانا یحییٰ کاندھلویؒ، حضرت مولانا الیاس کاندھلویؒ (بانی تبلیغ)، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلویؒ، حضرت مولانا عبداللہ گنگوہیؒ اور حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ جیسے شیوخ وقت کو آپ سے خلافت واجازت حاصل تھی۔

اسی طرح مظاہر علوم اور دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے والے فضلاء جو بعد میں یگانۂ روزگار علماء وفضلاء ہوئے ان کو آپ کی شاگردی کا شرف حاصل رہا، جن میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا ظفر احمد تھانویؒ، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ، مفتی جمیل احمد تھانویؒ، مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ، مولانا عبدالحق مدنیؒ، مولانا اسعداللہ رامپوریؒ وغیرہ کا نام شامل ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ کو تمام علوم متداولہ میں مہارت تامہ حاصل تھی، لیکن حدیث سے بہت زیادہ شغف تھا۔ اسی شغف کے سبب آپ نے ابوداؤد کی شرح لکھی جو بذل المجہود کے نام سے بڑی تقطیع کی پانچ جلدوں میں طبع ہوئی۔ بعد میں بیروت سے بیس جلدوں میں شائع ہوئی۔ بذل المجہود آپ کا وہ عظیم الشان کارنامہ ہے جس سے علمی دنیا میں آپ کا نام روشن ہوا۔ آپ کے فتاوی کا مجموعہ بھی فتاوی خلیلیہ کے نام سے شائع ہوچکا ہے۔

اس کے علاوہ تشیع اور بدعت کے رد میں مختلف کتابیں تحریر فرمائیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) ہدایات الرشید الی افحام العنید (۲) مطرقۃ الکرامۃ علی مرآۃ الامامۃ (۳) تنشیط الآذان فی تحقیق محل الاذان (۴) المہند علی المفند معروف بنام التصدیقات لدفع التلبیسات (عقائد علمائے دیوبند) (۵) براہین قاطعہ علی ظلام الانوار الساطعۃ

۱۵/ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ/ ۱۲/اکتوبر ۱۹۲۷ء کو مدینہ منورہ میں انتقال ہوا اور جنت البقیع میں حضرت

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے جوار میں مدفون ہوئے۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد دوم، ص ۳۱ تا ۳۳؛ مشاہیر علمائے دیوبند، ص ۱۶۷ تا ۱۷۰

حضرت مولانا قاضی محی الدین مرادآبادیؒ

حضرت نانوتویؒ کے مخصوص تلامذہ اور جلیل القدر علماء میں تھے۔ آپ عرصۂ دراز تک ریاست بھوپال میں قضاء کے عہدہ پر فائز رہے اور نہایت وقار و حشمت کی زندگی گزاری۔

۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء میں مجلس شوری دارالعلوم دیوبند کے رکن بنائے گئے اور تاعمر اس مجلس شوری کو اپنے مفید مشوروں سے مستفید فرماتے رہے۔ مدرسہ شاہی مرادآباد کے عہدۂ اہتمام پر بھی فائز ہوئے۔

آپ کے والد ماجد نواب شبیر علی خان صاحب مغل حکمراں بہادر شاہ ظفر کے مصاحبین خاص میں تھے۔ حضرت نانوتویؒ سے ان کو ارادت حاصل تھی۔ حضرت نانوتویؒ نے شاملی کے معرکے میں انہی کے ذریعہ بہادر شاہ ظفر کو اپنی تجاویز پہنچائی تھیں۔

ذوالحجہ ۱۳۴۷ھ/ جون ۱۹۲۹ء میں انتقال ہوا۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد دوم، ص ۲۷

قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی، ص ۳۰۲ تا ۳۰۳

حضرت مولانا عبدالحق پورقاضویؒ

دارالعلوم کے اولین فضلاء میں تھے اور مجلس شوری کی اہم رکن تھے۔ علمائے سلف کا نمونہ تھے۔ حضرت مولانا عبداللطیف ناظم مظاہر علوم سہارن پور آپ کے داماد تھے، آپ نے اپنی لڑکی کی رخصتی کے وقت کچھ نصیحتیں قلم بند کر کے جہیز میں دی تھیں۔ حضرت تھانویؒ نے بعد میں اس تحریر کو طلب کر کے 'بہترین جہیز' کے نام سے اپنی مشہور کتاب بہشتی زیور میں شائع کر دیا۔

قصبہ پورقاضی ضلع مظفرنگر وطن تھا، تقریباً ۱۲۵۸ھ/ ۱۸۴۲ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم میں داخل ہوئے اور ۱۲۸۶ھ میں فراغت حاصل کی۔ ۱۲۹۰ء میں دستار بندی کے سب سے پہلے جلسہ میں ان کو حضرت شیخ الہند اور دیگر علمائے اکابر کے ساتھ دستارِ فضیلت باندھی گئی۔

محرم ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۷ء سے رجب ۱۳۰۶ھ/ ۱۸۸۹ء تک جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں صدر المدرسین رہے۔ پھر ریاست رتلام میں اکاؤنٹینٹ جنرل مقرر ہوئے اور اسی عہدہ پر پنشن یاب ہوئے۔ والئ ریاست کی نظر میں ہمیشہ معتمد رہے۔ مولانا عبدالحق صاحب ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء سے تاعمر دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی رہے۔

آپ کی وفات ۸صفر ۱۳۴۲ھ/ ۲۰ستمبر ۱۹۲۳ء کو رتلام میں ہوئی۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد دوم، ص ۲۷، ۲۸؛ کاروانِ رفتہ، مولانا اسیر ادروی، ص ۱۵۵

حضرت مولانا عبداللہ انصاری انبیٹھویؒ

دارالعلوم کے اولین فضلاء میں تھے۔ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے پہلے ناظم دینیات اور حضرت نانوتویؒ کے داماد تھے۔

انبیٹھہ ضلع سہارن پور وطن تھا۔ ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء میں دارالعلوم میں داخل ہوئے اور ۱۲۸۷ھ /۱۸۷۰ء میں یہاں سے فراغت حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ سے حاصل کی۔ مکہ مکرمہ میں شیخ المشائخ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت میں ایک عرصہ تک مقیم رہے اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت نانوتویؒ کی بڑی صاحبزادی محترمہ اکرام النساء آپ سے منسوب تھیں۔

۱۲۸۷ھ/ ۱۸۷۰ء میں گلاؤٹھی میں منشی مہربان علی صاحب کے قائم کردہ مدرسہ منبع العلوم کے پہلے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۲۹۱ھ/ ۱۸۷۴ء سے ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء تک دارالعلوم میں تدریسی خدمات بھی انجام دیں۔ بعد ازاں ۱۳۱۱ھ/ ۱۸۹۳ء میں سرسید مرحوم نے ان کو علی گڈھ بلاکر ایم اے او کالج (موجودہ مسلم یونیورسٹی) میں شعبۂ دینیات کا ناظم مقرر کیا۔

نزہۃ الخواطر جلد ہشتم میں لکھا ہے کہ بمبئی میں ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء میں وفات ہوئی، تاریخ دارالعلوم کے مطابق انبیٹھہ میں انتقال ہوا اور آبائی قبرستان میں مدفون ہیں۔ انتقال کا صحیح سن معلوم نہیں، البتہ اتنی بات یقینی ہے کہ ۱۳۴۴ھ سے بہت پہلے ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد دوم، ص ۲۹؛ دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی، ص ۱۰۸

حضرت مولانا محمد مراد فاروقی مظفرنگریؒ

دارالعلوم کے اولین فضلاء میں تھے۔ مدرسہ مرادیہ مظفرنگر کے تاعمر صدر مدرس تھے۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی اٹھارہویں پشت میں تھے۔

۱۲۶۲ھ/ ۱۸۴۵ء میں پاک پٹن کے قریب ایک گاؤں امب میں پیدا ہوئے۔ لاہور میں اردو اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ دہلی میں حافظ غلام رسول ویراںؔ سے عربی ابتدائی کتابیں پڑھیں اور پھر علی گڑھ جا کر حضرت مولانا لطف اللہؒ کے حلقۂ درس میں شامل ہوگئے۔ رام پور میں مولانا ارشاد حسین سے بھی کچھ کتابیں پڑھیں۔ آخر میں دارالعلوم دیوبند میں پانچ سال رہ کر علوم کی تکمیل کی اور ۱۲۸۸ھ/ ۱۸۷۱ء میں فراغت حاصل کی۔

انھوں نے زمانۂ طالب علمی ہی میں اپنی خداداد ذہانت، حصول علم میں غیر معمولی محنت اور علمی استعداد کے لحاظ سے ممتاز حیثیت حاصل کرلی تھی۔ ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں ایک سال تک دارالعلوم میں تدریسی خدمات بھی انجام دیں۔ حضرت نانوتویؒ کے ذریعہ مظفرنگر کی جامع مسجد حوض والی میں قائم ہونے والے مدرسہ میں صدر مدرس مقرر کیے گئے۔ آپ نے پوری زندگی درس وتدریس میں گزاری، مظفرنگر میں آپ کی مسند تدریس چالیس سال تک بچھی رہی۔ یہ مدرسہ بعد میں آپ ہی کی طرف منسوب ہوکر مدرسہ مرادیہ کے نام سے معروف ہوا۔

۳/رجب ۱۳۳۲ھ/مئی ۱۹۱۴ء کو عین جمعہ کی اذان کے وقت وفات پائی اور مسجد شاہ اسلام مظفرنگر کے احاطہ میں مدفون ہوئے۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص۳۰؛ دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی، ص ۱۰۸

حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ

حضرت مولانا فخر الحسن بن عبدالرحمٰن گنگوہیؒ دارالعلوم کے اولین فضلاء اور حضرت نانوتویؒ وحضرت گنگوہیؒ کے خاص تلامذہ میں تھے۔ مناظرے سے بہت دلچسپی تھے اور بہت شیریں اور دلکش تقریر کرتے تھے۔

وطن گنگوہ تھا۔ ۱۲۸۴ھ/ ۱۸۶۷ء میں دارالعلوم میں داخل ہوئے اور ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں فراغت حاصل کی۔ دہلی میں حکیم محمود بن صادق شریفی خان دہلوی سے طب کی تعلیم حاصل کی۔

۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء میں خورجہ کے مدرسہ میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔ پھر دہلی کے مدرسہ عبدالرب چلے گئے۔ بعد میں کچھ خانگی مجبوریوں کے باعث گنگوہ کی سکونت ترک کرکے کان پور چلے گئے تھے اور وہیں مطب اور مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔

حضرت نانوتویؒ نے خاص مناسبت تھی۔ سفر اور حضر میں ان کے ساتھ رہتے تھے۔ حضرت نانوتویؒ کے ساتھ مباحثۂ شاہ جہانپور عرف میلہ خداشناسی میں شریک ہوئے تھے اور بعد میں اس کی مکمل روداد مرتب کی جو مباحثۂ شاہجہان پور کے نام سے شائع ہوئی۔ حضرت نانوتویؒ کی ایک مفصل سوانح حیات بھی لکھی تھی جو کم وبیش ایک ہزار صفحات پر مشتمل تھی۔ کان پور میں ان کے مکان میں آگ لگ گئی تھی جس میں کتابوں کے ساتھ سوانح حیات کا مسودہ بھی جل گیا تھا۔

حدیث ابوداؤد کا ایک مبسوط حاشیہ 'التعلیق المحمود' کے نام سے لکھا ہے، یہ حاشیہ مطبع مجیدی کان پور میں چھپا تھا اور اب عام طور پر متداول ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے ابن ماجہ کا بھی حاشیہ لکھا تھا جو مطبع نامی کان پور سے شائع ہوا تھا۔ آپ کا ایک حاشیہ تلخیص المفتاح پر بھی ہے۔

۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء کان پور میں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد دوم، ص ۳۷؛ نزہۃ الخواطر، الجزء الثامن، فخر الحسن الکنکوہی

حضرت مولانا صدیق احمد انبیٹھویؒ

حضرت گنگوہیؒ کے مجازین بیعت میں تھے۔ حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھویؒ کے چچیرے بھائی تھے۔ صاحب بیعت وارشاد اور صاحب کشف بزرگوں میں سے تھے۔ معاصرین میں صاحبِ اسرار ومعارف سمجھے جاتے تھے۔ علوم عقلیہ ونقلیہ میں مہارت تامہ حاصل تھی، بالخصوص صرف ونحو میں ید طولی رکھتے تھے۔ مسیح الملک حکیم اجمل خان مرحوم بھی آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔

۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم میں داخل ہوئے اور ۱۲۹۲ھ میں یہاں سے فراغت حاصل کی۔ کچھ مدت تک دارالعلوم میں معین المدرسین رہے۔ ان کا طرز تعلیم بہت سہل اور آسان تھا؛ چناں چہ ایک ہفتہ میں نحو میر اپنے شاگردوں کو حفظ یاد کرادیا کرتے تھے۔

مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی بلند شہر اور مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی میں مدرس رہے۔ آخر میں مالیر کوٹلہ میں ریاست کی جانب سے افتاء کا عہدہ تفویض ہوا۔ مالیر کوٹلہ میں زندگی بھر افتاء کے منصب پر فائز رہے۔ ان کا

شمار مشاہیر اہل افتاء میں ہوتا تھا۔

۲۸/صفر ۱۳۴۴ھ/ ۱۷ستمبر ۱۹۲۵ءکو شب جمعہ میں مالیر کوٹلہ میں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۳۸؛ دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات، ص ۷۶

حضرت مولانا عبدالقدیر دیوبندیؒ

حضرت مولانا عبدالقدیر دیوبندیؒ، دیوبند کے مشہور بزرگ شاہ رمزالدین (متوفی ۱۱۲۲ھ/ ۱۷۱۰ء) کی اولاد میں سے تھے۔ ۱۲۸۷ھ/ ۱۸۷۰ء میں دارالعلوم میں داخل ہوئے اور ۱۲۹۳ھ/ ۱۸۷۶ء میں فراغت پائی۔ سہارن پور میں حضرت مولانا احمد علی سہارن پوریؒ سے بھی حدیث پڑھی۔

مولانا عبدالقدیر صاحب کی پوری زندگی دین اور علومِ دین کی خدمات میں گذری۔ ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء سے ۱۳۰۹ھ/ ۱۸۹۱ء تک دارالعلوم دیوبند کے نائب مہتمم بھی رہے۔ آپ دارالعلوم کے پہلے نائب مہتمم تھے۔

آخر میں لکھنؤ کے مشہور مطبع نول کشور سے متعلق ہوگئے تھے جہاں کتابوں کو ایڈٹ کرنے کے ساتھ عربی و فارسی کی اہم کتابوں کے ترجمہ کا کام بھی کرتے تھے۔ چناں چہ علم الحیوانات میں علامہ کمال الدین دمیری کی مشہور کتاب 'حیاۃ الحیوان' کا دو جلدوں میں ترجمہ اسی زمانہ میں کیا جو مطبع نول کشور لکھنؤ سے چھپا۔

۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ء میں لکھنؤ میں ہی انتقال ہوا اور وہیں سپرد خاک کیے گئے۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد دوم، ص ۳۹؛ دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی، ص ۱۰۱

حضرت مولانا احمد حسن امروہویؒ

حضرت مولانا سید احمد حسن امروہویؒ، دارالعلوم کے ممتاز فاضل اور عظیم محدث تھے۔ حضرت نانوتویؒ کے معروف شاگردوں میں تھے اور انھیں حضرت نانوتویؒ کے علوم کا امین کہا جاتا تھا۔ ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء سے تا عمر دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔

امروہہ کے مشہور خاندان سادات رضویہ سے تعلق تھا۔ ۱۲۶۷ھ/ ۱۸۵۱ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم امروہہ کے بلند پایہ علماء مولانا سید رافت علی، مولانا کریم بخش اور مولانا محمد حسین جعفری صاحبان سے حاصل کی۔ طب کی کتابیں امروہہ کے مشہور طبیب حکیم امجد علی خان سے پڑھیں۔ بعد ازاں، حضرت

نانوتویؒ کی خدمت میں رہ کر علم حدیث اور دوسرے علوم وفنون کی تکمیل کر کے ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء میں فراغت حاصل کی۔ حضرت مولانا احمد علی محدث سہارن پوری اور مولانا عبدالقیوم بھوپالی سے بھی اجازتِ حدیث حاصل کی۔ آخر میں مدینہ منورہ حاضر ہوکر حضرت شاہ عبدالغنی مددی دہلویؒ کی سند حدیث بھی حاصل کرنے کا شرف پایا۔ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت واجازت بھی حاصل تھی۔

فراغت کے بعد اولاً خورجہ ضلع بلندشہر کے مدرسہ میں درس دیا۔ پھر سنبھل اور دہلی کے مختلف مدارس میں صدر مدرس رہے۔ مرادآباد میں مدرسہ شاہی کے قائم ہوا تو اس کے صدر مدرس بنائے گئے۔

۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۵ء میں مدرسہ شاہی سے مستعفی ہوکر اپنے وطن امروہہ کی جامع مسجد میں ایک پرانے مدرسہ کی تشکیل جدید کی۔ یہ مدرسہ پہلے معمولی حالت میں تھا، آپ نے اس کو باقاعدہ طور پر قائم کر کے اس میں جملہ علوم وفنون کی تعلیم جاری کی۔ آپ کی شخصیت کی بنا پر بہت جلد دور ونزدیک کے طلبہ سے مدرسہ معمور ہوگیا۔ غرض مدرسہ کو ہر طرح کی ظاہری و باطنی ترقیات سے ہمکنار کرتے ہوئے امروہہ کی قدیم دور کی علمی روایات کو از سر نو زندہ کیا۔

حضرت مولانا امروہویؒ کی تقریر نہایت نہایت جامع، شستہ اور پر مغز ہوتی تھی جس سے طلبہ کا دامن گلہائے مقصود سے بھر جاتا تھا۔ تقریر میں وہ اپنے استاذ کا مکمل نمونہ تھے اور اپنی مخصوص صلاحیتوں کے لحاظ سے علوم قاسمی کے امین اور مجسم تصویر تھے۔ علوم قاسمی کی ترویج میں عمر بھر مشغول رہے۔ ان کا علمی فیضان دور دور تک پہنچا اور سیکڑوں طالبانِ علم ان کے درس سے فاضل ہوکر نکلے۔

پوری عمر درس وتدریس، وعظ و پند، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں گزاری۔ علم کا وقار اور دین کی عظمت کو قائم رکھنے کے لیے نہایت خودداری کے ساتھ رہتے تھے۔

ان کے مضامین کا مجموعہ ’افاداتِ احمدیہ‘ کے نام سے شائع ہوا ہے۔ ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء میں مؤتمر الانصار کا پہلا جلسہ مرادآباد میں آپ ہی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے حضرت مولانا امروہویؒ کی جامعیت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ’’ہر شخص جس کو کچھ بھی تجربہ ہو یہ جانتا ہے کہ دنیا میں بہت کم علماء ایسے ہوئے ہیں جن کو علمی شعبوں کی ہر شاخ میں پوری دست گاہ حاصل ہو۔ مثلاً جن حضرات کو وعظ کہنے میں ملکہ ہوتا ہے وہ تدریس میں پورے قادر نہیں ہوتے، جو تدریس کے کام میں مشغول ہوتے ہیں ان کو کسی مجمع میں وعظ یا تقریر کرنا مشکل ہوتا ہے۔ دینیات میں انہماک رکھنے والے اکثر معقول وفلسفہ سے ناآشنا ہوتے ہیں اور معقولات کے ماہرین کو علوم دینیہ سے بے خبری ہوتی ہے۔ لیکن قدرت نے اپنی فیاضی سے ہمارے مولانا میں یہ سب اوصاف اعلیٰ طور پر جمع کر دیے ہیں۔ مولانا کی تقریر، تحریر، تبحر، اخلاق اور

علوم عقلیہ ونقلیہ میں کامل دستگاہ ضرب المثل تھی۔ اور سب سے زیادہ قابل قدر اور ممتاز کمال مولانا کا یہ تھا کہ حضرت قاسم العلوم والخیرات کے دقیق اور غامض علوم کو ان ہی کے لب ولہجہ اور طرز ادا میں صفائی اور سلاست کے ساتھ بیان فرماتے تھے۔" (مجلّہ القاسم، ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ)

۲۸-۲۹ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ/ ۱۷ مارچ 1912ء کو درمیانی شب میں بمرض طاعون انتقال ہوا اور جامع مسجد کے صحن کے جنوبی گوشے میں دفن کیے گئے۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد دوم، ص ۳۹ تا ۴۲؛ دارالعلوم کی صد سالہ زندگی، ص ۱۰۲

حضرت مولانا عبدالعلی میرٹھیؒ

حضرت نانوتویؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ آپ کے تلامذہ میں حضرت تھانویؒ اور حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ جیسے اکابر شامل ہیں۔

حضرت مولانا عبدالعلی میرٹھی بن شیخ نصیب علی کا آبائی وطن میرٹھ سے کوئی چھ میل دور واقع 'شیخ پور' تھا۔ آپ کے والد کا حضرت نانوتویؒ سے گہرا تعلق تھا۔

۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی۔ اسی سال دارالعلوم میں مدرس مقرر ہوئے اور ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر مدرسہ شاہی مرادآباد کے مدرس اول مقرر ہوئے اور ۱۳۰۶ھ/ ۱۸۸۸ھ تک وہاں قیام رہا۔ بعد ازاں ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۴ء میں مدرسہ عبدالرب دہلی کے صدر مدرس مقرر ہوئے اور تاعمر اسی مدرسہ میں حدیث کا درس دیتے رہے۔

زہد وتقوی اور پرہیزگاری میں اپنی مثال آپ تھے۔ نہایت سادہ، متواضع، ملنسار، مہمان نواز اور خوشحال بزرگ تھے۔ آخری سانس تک جماعت کی نماز اور صف اولی ترک نہیں ہوئی۔ آخری عمر میں فالج کی وجہ سے نقل وحرکت سے معذور ہوگئے تھے، لیکن اسی حالت میں خدام آپ کو اٹھا کر صف اول میں رکھ دیتے تھے اور آپ بیٹھ کر امام کی اقتدا کرتے تھے۔

آپ کا انتقال دہلی میں ۱۳ جمادی الاولی ۱۳۴۷ھ/ ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو ہوا اور مہندیان میں خانوادۂ ولی اللہی کے پائیں میں سپرد خاک کیے گئے۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد دوم، ص ۴۲، ۴۹۳؛ مشاہیر علمائے دیوبند، ص ۳۰۶

حضرت مولانا حکیم رحیم اللہ بجنوریؒ

حضرت مولانا حکیم رحیم اللہ بجنوری ایک جید عالم دین، مصنف اور مناظر تھے۔ حضرت نانوتویؒ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ آپ کے والد مولانا علیم اللہ بجنوری نے دہلی میں حضرت مولانا مملوک العلی نانوتویؒ سے پڑھا تھا اور حضرت نانوتویؒ کے ساتھیوں میں تھے۔

بجنور کے رہنے والے تھے۔ نصاب کی تکمیل دارالعلوم سے ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں کی۔ اس سے پہلے منطق، فلسفہ، کلام اور ریاضی کی تعلیم مولانا عبدالعلی رام پوری سے حاصل کی تھی۔ طب کی کتابیں حکیم ابراہیم لکھنوی سے پڑھیں اور طویل عرصہ تک لکھنؤ میں استاذ کی خدمت میں حاضر رہے۔

باوضع اور اوراد و وظائف کے بڑے پابند تھے۔ گھر پر مطب کرتے تھے اور خدمتِ خلق کے طور پر اس مشغلہ کو اختیار کیا تھا۔ عقائد و کلام اور مناظرے میں خاص دستگاہ حاصل تھی۔

ان علوم میں انھوں نے اردو، عربی اور فارسی زبانوں میں ایک درجن سے زائد کتابیں لکھی ہیں۔ حضرت نانوتویؒ سے والہانہ تعلق تھا، ان کی شان میں انھوں نے عربی میں کئی قصیدے لکھے ہیں۔

آپ کی تصانیف کے نام یہ ہیں: (۱) الاقتصاد فی الضاد (۲) جوابات الاعتراضات الواہیہ (فارسی) (۳) تہدید المنکرین لقدرۃ رب العالمین (فارسی) (۴) احسن الکلام فی اصول عقائد الاسلام (عربی) (۵) اظہار الحقیقۃ (۶) زجر المناع لکشف القناع عن وجہ الوجوب والامتناع (عربی) (۷) الکافی للاعتقاد الصافی (عربی) (۸) اثبات القدرۃ الالہیہ باقامۃ الحجۃ الالہامیہ (فارسی) (۹) الخط المقسوم من قاسم العلوم کشف القناع عن الوجوب الامتناع (۱۰) ابطال اصول الشیعۃ بدلائل العقلیۃ والنقلیۃ

دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن بجنوری آپ کے نواسے تھے۔

۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۹ء میں انتقال ہوا۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد دوم، ص۴۳، ۴۴؛ فہرست کتب اکابر، کتب خانہ دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا منصور علی خاں مرادآبادیؒ

ہندوستان کے مشہور علماء میں تھے۔ حضرت نانوتویؒ کے شاگرد تھے اور ایک عرصہ تک ان کے ساتھ رہے۔ مرادآباد کے رہنے والے تھے۔ ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی۔ حدیث کی

تعلیم حضرت مولانا احمد علی سہارن پوریؒ سے بھی حاصل کی۔

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں صدر المدرسین مقرر ہوئے۔ پھر دکن چلے گئے اور جامعہ طبیہ حیدرآباد میں تدریس پر مامور ہوئے۔ ایک مدت تک وہاں رہے۔ عیسائیوں سے مناظرے کیے اور رد عیسائیت کے موضوع پر کتابیں لکھیں۔ آخر میں مکہ مکرمہ چلے گئے اور وہیں مقیم ہوگئے۔

دارالعلوم کے کتب خانہ میں آپ کی تین کتابیں محفوظ ہیں: (۱) مذہب منصور ۲ جلدوں میں (۲) الفتح المبین (۳) معیار الادویہ

مکہ مکرمہ میں ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۸ء میں انتقال ہوا۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد دوم، ص ۴۴؛ کاروانِ رفتہ، اسیر ادروی، ص ۲۴۷

حضرت مولانا حکیم محمد حسن دیوبندیؒ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے چھوٹے بھائی تھے اور حضرت گنگوہیؒ کے خاص اصحاب و خدام میں تھے۔

شروع سے آخر تک دارالعلوم میں پڑھا اور ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ دہلی میں حکیم عبدالمجید خان صاحب سے طب کی تعلیم حاصل کی۔

۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۵ء میں مدرس عربی اور طبیب کی حیثیت سے تقرر ہوا اور تعلیم ومطب کا کام تفویض ہوا۔ طلبۂ دارالعلوم کو طب کی تعلیم کے ساتھ طلبہ کے علاج ومعالجہ کا کام بھی سپرد تھا۔ اسی کے ساتھ تفسیر و حدیث اور فقہ کی اعلیٰ کتابوں کا بھی درس دیتے تھے۔

دارالعلوم میں ۴۳ سال تک علمی وطبی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۵/ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ/ ستمبر ۱۹۲۶ء میں انتقال ہوا اور قبرستانِ قاسمی میں مدفون ہوئے۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد دوم، ص ۴۸، ۴۹

حضرت مولانا ناظر حسن دیوبندیؒ

حضرت مولانا ناظر حسن دیوبندی بن امیر بخش ابن ظہور عالم دیوبند کے عثمانی خاندان سے تھے اور ملک کے مشہور علماء واساتذہ میں ان کا شمار تھا۔

۱۲۸۷ھ/ ۱۸۷۰ء سے ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۸ء تک دارالعلوم میں تعلیم حاصل کی۔ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ سے حدیث پڑھی۔ حضرت مولانا احمد علی سہارن پوریؒ سے بھی کتب حدیث کی تحصیل کی۔ ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء میں دستار بندی ہوئی۔

جید عالم تھے۔ صورتاً وجیہ اور سیرۃً فقیہ تھے۔ سلسلۂ نقشبندیہ سے منسلک تھے۔ اولاً مدرسہ عربیہ چھتاری ضلع بلند شہر کے مدرسہ میں کچھ عرصہ پڑھایا، پھر مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی کے صدر مدرس رہے۔ بعدازاں ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء میں مدرسہ عالیہ ڈھاکہ میں صدرالمدرسین کے منصب پر فائز ہوئے۔

اردو میں چند کتابیں بھی لکھیں۔ قرأت خلف الامام کے موضوع پر ایک ضخیم کتاب 'الفرقان فی قرأۃ ام القرآن' تصنیف فرمائی۔ آپ کی دوسری کتاب کشف الغطاء عن مسئلۃ الربا کے نام سے ہے۔

یکم ذوالحجہ ۱۳۴۱ھ/ ۱۶؍جولائی ۱۹۲۳ء میں ڈھاکہ میں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔

آپ کے صاحبزادے مولانا محمد تقی صاحب مشہور عالم ہوئے، انھوں نے ڈابھیل اور بیت العلوم مالیگاؤں میں تدریسی خدمات انجام دیں اور آخر میں مدرسہ شاہی میں ناظم مقرر ہوئے۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد دوم، ص ۴۹، ۵۰؛ مشاہیر علمائے دیوبند، ص ۶۴۳
نزہۃ الخواطر، جلد ہشتم، مولانا ناظر حسن الدیوبندی

حضرت مولانا عبدالرحمٰن امروہویؒ

حدیث وفقہ کے ممتاز علماء میں سے تھے۔ حضرت نانوتویؒ کے آخری شاگردوں میں سے تھے۔ تفسیر اور علم کلام وعقائد میں ان کو خاص کمال حاصل تھا۔ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے اجازت بیعت حاصل تھی۔

آپ کا سن ولادت تقریباً ۱۲۷۷ھ/ ۱۸۶۰ء ہے، بمبئی میں پیدا ہوئے۔ مکہ مکرمہ میں قرآن شریف حفظ کیا۔ ابتدائی تعلیم بھی مکہ مکرمہ میں پائی۔ پھر حضرت مولانا احمد حسن امروہویؒ سے تحصیل علوم کیا۔ آخر دیوبند میں آکر تفسیر وحدیث کے کچھ اسباق حضرت نانوتویؒ سے پڑھے۔ ان دونوں بزرگوں کے علمی فیوض سے ان کے تفسیر وحدیث کے اسباق میں متکلمانہ رنگ غالب تھا۔ ان کی ذات ہر علم وفن خصوصاً علم کلام وعقائد میں یگانۂ روزگار تھی۔ اکثر وبیشتر حضرت نانوتویؒ کے علوم ومعارف کے حوالے دیتے تھے۔

مدرسہ شاہی مرادآباد، بمبئی، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، مدرسہ جامعہ اسلامیہ امروہہ میں ۶۰؍سال تک

علوم دینیہ کی خدمت میں گزارے۔ اس لیے ان کے فیض یافتگان کی کثیر تعداد پائی جاتی ہے۔
۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء میں کچھ عرصہ کے لیے دار العلوم دیوبند میں بھی تفسیر وحدیث کے اسباق پڑھائے۔
آخر میں جامعہ اسلامیہ امروہہ کے شیخ الحدیث والتفسیر ہوگئے تھے۔
تفسیر بیضاوی پر آپ کا ایک حاشیہ ہے۔ مطول اور مختصر المعانی پر بھی حواشی لکھے ہیں۔
امروہہ میں ۹۰ ر سال کی عمر میں ۲۲ ر جمادی الثانیہ ۱۳۶۷ھ/مئی ۱۹۴۷ء کو واصل بحق ہوئے اور اپنے استاذ مولانا احمد حسن امروہویؒ کے پہلو میں آسودۂ خواب ہوئے۔

حوالہ: تاریخ دار العلوم دیوبند، جلد دوم، ص ۵۰

حضرت مولانا عبد المومن دیوبندیؒ

دیوبند کے ممتاز علمی خاندان شیوخ عثمانی کے رکن تھے اور حضرت شیخ الہند کے برادر نسبتی۔ بڑے ذہین وذکی اور وسیع النظر عالم تھے۔ صاحبِ نسبت تھے اور زندگی کا انداز متوکلانہ تھا۔
۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء میں دار العلوم میں داخل ہوئے اور ۱۲۹۹/۱۸۸۲ء میں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ سے دورۂ حدیث پڑھا۔ ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء کے جلسۂ دستار بندی میں حضرت گنگوہیؒ کے دست مبارک سے دستارِ فضیلت حاصل کی۔
اہل میرٹھ کی خواہش پر آپ وہاں تشریف لے گئے اور تمام عمر وہیں درس وافتاء کی خدمات میں گزاری۔ پہلے مدرسہ قومیہ کے صدر مدرس ہوئے، پھر مدرسہ امداد العلوم صدر میرٹھ میں صدر مدرس ہوئے۔
آخر عمر میں تفسیر وحدیث اور فقہ کی اعلیٰ کتابیں نوکِ زبان ہوگئی تھیں۔ اپنے استاذ حضرت مولانا محمد یعقوبؒ کے انداز پر مختصر، جامع اور دل نشیں تقریر فرماتے تھے۔
میرٹھ میں ان سے بڑا علمی فیض جاری ہوا۔ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی مترجم قرآن کریم نے از اول تا آخر ان سے پڑھا۔ حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ اور حضرت مولانا سراج احمد میرٹھیؒ بھی ان کے شاگرد تھے۔ مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھیؒ نے بھی ان سے پڑھا ہے۔ دار العلوم کے درجات حدیث کے ممتحن ہوتے تھے۔
۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ء میں دہلی میں جہاں بغرض علاج مقیم تھے وفات پائی اور درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ میں دفن کیے گئے۔

حوالہ: تاریخ دار العلوم دیوبند، جلد دوم، ص ۵۴

حضرت مولانا حکیم جمیل الدین نگینویؒ

دہلی کے مشہور اطباء میں سے تھے۔ایک عرصہ تک دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی رہے۔مطب کے مشغلہ کے ساتھ اوراد و وظائف کے بڑے پابند اور ذاکر و شاغل بزرگ تھے۔علم نہایت راسخ اور پختہ تھا۔

نگینہ ضلع بجنور وطن تھا۔دارالعلوم دیوبند میں ۱۲۹۸ھ/ ۱۸۸۱ء سے ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء تک تعلیم حاصل کی۔

ابتدا میں غازی پور میں قیام رہا۔حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ کے استاذ تھے۔حکیم صاحب کچھ عرصہ جون پور کے مدرسہ میں مدرس رہے۔آخر میں دہلی کو وطن بنالیا تھا۔

علومِ دینیہ کے ساتھ طب میں بھی بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔حکیم عبدالمجید خان دہلوی سے طب پڑھی تھی۔ حکیم محمد اجمل خاں بھی ان کے سلسلۂ تلمذ میں شامل تھے۔دینیات اور طب کی تعلیم کا سلسلہ مدت العمر جاری رہا۔

۱۸ر صفر ۱۳۵۵ھ/ ۱۰ مئی ۱۹۳۶ء کی شب میں نمازِ تہجد سے فراغت کے بعد داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

دہلی میں صدیقی دواخانہ ان کی یادگار ہے جو اُن کے فرزند رشید مولانا حکیم عبدالجلیل صاحب کی نگرانی میں جاری رہا۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد دوم، ص ۵۵، ۵۶

حضرت مولانا حکیم عبدالوہاب غازی پوریؒ

منقول اور معقول کے ممتاز علماء اور ماہر اطباء میں سے تھے۔ہندوستان کے مشہور سیاسی رہنما ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے بڑے بھائی تھے۔فراست، سرعتِ ادراک اور قوت حفظ میں یگانۂ روزگار تھے۔امراض کی تشخیص اور نبض کی پہچان میں ایک یادگار اور نشانی تھے۔بڑے وجیہہ، نورانی صورت اور باوقار شخصیت کے حامل تھے۔

حضرت مولانا حکیم عبدالوہاب بن عبدالرحمٰن انصاری، مشرقی یوپی کے ضلع غازی پور میں قصبہ یوسف پور کے رہنے والے تھے۔دس سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کرلیا۔ابتدائی صرف ونحو کی تعلیم وطن میں پائی۔۱۵ر سال کی عمر میں ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی۔تکمیل سے پہلے چیچک کا شکار ہوئے اور بینائی سے محروم ہوگئے۔حضرت مولانا فیض الحسن سہارن پوریؒ اور مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ سے ادبِ عربی پڑھا۔طب کی تعلیم دہلی میں حکیم محمود خاں بن صادق شریفی سے حاصل کی۔

تعلیم سے فارغ ہوکر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت کی اور مرشد کی

صحبت میں رہ کر باطنی کمال حاصل کیا۔ ان کا بیان ہے کہ: ''ایک مرتبہ میں نے حضرت گنگوہیؒ سے عرض کیا کہ اگرچہ میں نے ذریعۂ معاش کے لیے طب پڑھ لی ہے لیکن اطباء نبض کے علاوہ مریض کا چہرہ، قارورہ اور دوسرے مشاہدات کی مدد سے مرض کی تشخیص کرتے ہیں اور میں بوجہ عدم بصارت اس سے محروم ہوں؛ میرے لیے دعا فرما دیجیے کہ اللہ تعالی میری اس مشکل کو آسان فرما دے۔ اس پر حضرت نے فرمایا: اللہ تعالی تمھیں نباضی کی مہارت عطا فرمائے گا، جس سے تم اس مریض کے امراض پر مطلع ہو جاؤ گے، جن کو دوسرے اطباء مشاہدات سے معلوم کرتے ہیں۔'' حکیم صاحب کا بیان ہے کہ میں شیخ کی اس کرامت کا روز آنہ مشاہدہ کرتا ہوں۔ نبض پر ہاتھ رکھتے ہی مجھ کو مریض اور مرض کی تمام کیفیتیں منکشف ہو جاتی ہیں۔

بمبئی اور شولا پور میں مطب کیا۔ ایک مدت تک نظام دکن کے معالج خصوصی رہے۔ آخر میں دہلی میں مقیم ہو گئے تھے، جامع مسجد کے قریب ان کا مطب تھا۔ بعد میں کناٹ پلیس میں منتقل ہو گئے تھے۔

ان کی نبض شناسی کی عجیب وغریب واقعات سننے میں آئے ہیں۔ تشخیص مرض اور تجویز دونوں میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ علم نبض پر ان کی ایک معرکۃ الآراء تصنیف 'اسرار شریانیہ' کے نام سے ہے جس میں نبض کے موضوع پر بڑی حکیمانہ بحث کی گئی ہے۔ ہندوستان بھر میں ان کے مطب کی شہرت تھی۔ دور دور سے لوگ ان کے مطب میں آتے تھے اور شفایاب ہوتے تھے۔ ان کے سامنے دواؤں کا ایک بڑا صندوقچہ رکھا رہتا تھا جس میں بہت سے خانے تھے، بے تامل اس میں سے دوا نکال لیتے تھے، ان کا ہاتھ اسی دوا کے خانے میں پڑتا جس کی ضرورت ہوتی تھی۔

مطب میں مریضوں کے بے پناہ ہجوم کے باوجود دینی علوم سے برابر شغف رہا۔ نہایت عبادت گزار اور پرہیز گار تھے۔ دیوبند، گنگوہ اور یوسف پور کے کسی مریض سے خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان، قیمتی سے قیمتی دوا کے پیسے نہیں لیتے تھے۔ یوسف پور وطن تھا، دیوبند میں تعلیم پائی تھی اور گنگوہ میں تربیت باطنی حاصل کی تھی۔ اسی طرح علماء وصوفیاء سے بھی قیمت نہیں لیتے تھے۔

۷/ربیع الثانی ۱۳۶۰ھ (مئی ۱۹۴۱ء) کو دہلی میں وفات پائی۔ وصیت کے مطابق ان کا جنازہ دہلی سے گنگوہ لایا گیا اور حضرت گنگوہیؒ کے مزار کے قریب ان کو دفن کیا گیا۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۶۱، ۶۲،
نزہۃ الخواطر، جلد ہشتم، الحکیم عبدالوہاب الغازیبوری المعروف بحکیم نابینا

حضرت مولانا غلام رسول ہزارویؒ

علوم نقلیہ وعقلیہ کے حافظ اور جامع العلوم تھے۔ طبقۂ علماء میں ان کی بڑی منزلت تھی۔ آپ کے تلامذہ میں حضرت کشمیری، حضرت مدنی، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی جیسے بڑے بڑے نامور علماء شامل ہیں۔

مولانا غلام رسول بن جناب عبدالرزاق صاحب ۱۸۵۴ء میں پیدا ہوئے۔ بفہ ضلع ہزارہ (موجودہ پاکستان) کے کے رہنے والے تھے۔

ابتدائی تعلیم وطن میں پائی۔ ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۵ء میں دارالعلوم سے دورۂ حدیث پڑھ کر سندِ فراغت حاصل کی۔

۱۳۰۷ء/ ۱۸۸۹ء میں دارالعلوم میں مدرس مقرر ہوئے اور ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۸ء تک اعلی تدریسی خدمات انجام دیں۔ طلبہ بڑے شوق سے ان کے درس میں شامل ہوتے تھے۔ ان کی غیر معمولی مقبولیت اور شہرت کے باعث مختلف مقامات سے ان کو گراں قدر مشاہروں پر طلب کیا گیا، مگر ان کو دارالعلوم سے اتنا تعلق تھا کہ اس کو کسی قیمت پر چھوڑنے کے لیے آمادہ نہ ہوئے۔

زندگی نہایت سادہ تھی۔ تیس سال تک دارالعلوم میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

۱۸ر محرم الحرام ۱۳۳۷ھ/ ۲۴ر اکتوبر ۱۹۱۸ء کو دارالعلوم میں وفات پائی۔ حضرت شیخ الہندؒ اس وقت مالٹا میں اسیر تھے، انھوں نے ان کی رحلت پر ایک طویل اور پر درد مرثیہ لکھا ہے جو کلیات شیخ الہند میں شائع ہو چکا ہے۔ اس نظم کے چند اشعار میں ان کی علمی وروحانی زندگی کا خلاصہ آ گیا ہے، شعر یہ ہے:

غلامِ رسول اوستاذِ افاضل   کہ چشمِ جہاں مثل او دید کم تر
گزاری یوں ہی مرحبا عمر ساری   کہ دن مدرسہ میں، تو مسجد میں شب بھر

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۶۱، ۶۲؛ مشاہیر علماء دیوبند، ص ۳۸۰-۳۷۶

حضرت مولانا مرتضی حسن چاندپوریؒ

ملک کے مشہور عالم دین اور مناظر تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں ایک عرصہ تک ناظم تعلیمات اور ناظم تبلیغ رہے۔

چاندپور ضلع بجنور کے رہنے والے تھے، لگ بھگ ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء سن پیدائش ہے۔ ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء میں دارالعلوم میں داخل ہوئے اور ۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۷ء میں دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہوئے۔ حضرت مولانا

محمد یعقوب نانوتویؒ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔حضرت گنگوہیؒ سے بھی گنگوہ جاکر حدیث پڑھی۔فن معقولات سے خاص دلچسپی کے پیش نظر کان پور میں مولانا احمد حسن صاحب سے معقولات کی اعلیٰ کتابیں پڑھیں۔

حضرت مولانا چاند پوریؒ فراغت کے بعد سب سے پہلے مدرسہ امدادیہ دربھنگہ تشریف لے گئے اور وہاں ایک عرصہ تک صدر مدرس رہے۔اس دوران آپ نے آریہ سماج کے رد میں کئی رسائل لکھے اور بابو رام چندر سے تاریخی مناظرہ کیا۔

دارالعلوم میں اولاً ۱۳۱۹-۱۳۲۲ھ (۱۹۰۱-۱۹۰۴ء) اور ثانیاً ۱۳۲۷-۱۳۳۱ھ (۱۹۰۹-۱۹۱۳ء) کے دوران تدریسی خدمات انجام دیں۔پھر بالآخر ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء میں اکابر کی نظر انتخاب نے اس گوہر نایاب کو دارالعلوم کے لیے منتخب کر کے اولاً نظامتِ تعلیم کا شعبہ ان کے سپرد کیا۔لیکن تبلیغی اسفار کی کثرت کے پیش نظر میں ان کو شعبۂ تبلیغ کی نظامت تفویض کی گئی۔تبلیغ کے ساتھ ساتھ دارالعلوم میں درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

نہایت ذکی اور طباع تھے۔مزاج میں ظرافت تھی۔ان کے وعظ وتقریر کی بڑی شہرت تھی اور مناظرے میں تو ان کا پایہ بہت ہی بلند تھا۔بدعات اور قادیانیت کے رد میں انھیں بڑا شغف تھا۔ایک زمانے میں ان کی خطابت اور وعظ وتقریر سے ملک کا گوشہ گوشہ گونجتا رہا ہے۔

حضرت مولانا رفیع الدین دیوبندیؒ سے شرفِ بیعت حاصل تھا۔آخر عمر میں حضرت تھانویؒ سے رجوع کیا اور مجاز بیعت ہوئے۔

مطالعۂ کتب کے ساتھ جو کتابیں خصوصاً نوادر ومخطوطات جمع کرنے کا بڑا شوق تھا، چناں چہ ایک بڑا کتب خانہ جو تقریباً آٹھ ہزار قیمتی مخطوطات ومطبوعات پر مشتمل تھا، یادگار چھوڑا اور اس کو ان کے صاحبزادہ نے دارالعلوم منتقل کردیا ہے۔

مناظرے کے فن میں ان کی بہت سی کتابیں چھپ چکی ہیں جو اپنے موضوعات پر قابلِ قدر مباحث سے معمور ہیں۔رد بدعت، رد قادیانیت اور رد آریہ میں انھوں نے درجنوں رسائل وکتب لکھیں جن میں کچھ کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) اشد العذاب علی مسیلمۃ الپنجاب (۲) صاعقہ آسمانی بر مذہب قادیانی (۳) فتح قادیانی کا مکمل نقشہ (۴) سبیل السداد فی مسئلۃ الاستمداد (۵) کفر وایمان کی کسوٹی (۶) الطین الازب علی الاسود الکاذب (۷) توضیح البیان فی حفظ الایمان (۸) رد التکفیر علی الفحاش الشنظیر (۹) الطامۃ الکبری علی من کذّب وتولّی (۱۰) کوکب الیمانین علی الجعلان والخراطین (۱۱) تزکیۃ الخواطر عما اُلقی فی اُمنیۃ الاکابر (۱۲) السحاب المدرار فی توضیح اقوال الاخیار (۱۳) تحقیق الکفر والایمان بآیات القرآن (۱۴) لعنت کا طوق

(۱۵) النعل المعکوس (۱۶) الختم علی لسان الخصم (۱۷) توضیح المراد لمن تخبط فی الاستمداد (۱۸) نار الغضا فی جوانح الرضا (۱۹) بئس المہاد لمن یخلف المیعاد (۲۰) التسہیل علی الجعیل (۲۱) قطع الوطین ممن تقول علی الصالحین (۲۲) تحذیر الابرار عن مناکحۃ الفجار (۲۳) اول السبعین عل الواحد من الثلاثین (۲۴) الابطال لاستدلال الدجّال (۲۵) القسورہ علی الحمر المستنفرہ (۲۶) السحاب المدرار فی توضیح اقوال الاخیار (۲۷) ردّ تناسخ وغیرہ۔

رمضان ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۱ء میں دارالعلوم سے سبک دوش ہوکر وطن مالوف چاند پور میں قیام فرمایا اور وہیں ۲۱ ربیع الآخر ۱۳۷۱ھ/ ۲۱ دسمبر ۱۹۵۱ء میں وفات پائی۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۶۳، ۶۴؛ دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی، ص ۱۱۰، ۱۱۹
فہرست کتب اکابر، کتب خانہ دارالعلوم دیوبند؛ اکابر علمائے دیوبند، حافظ اکبر شاہ بخاری، ص ۱۲۴

حضرت مولانا ماجد علی جون پوریؒ

مشرقی ہندوستان کے مشاہیر علم وفضل میں تھے اور اپنے دور کے زبردست معقولی ومنقولی عالم سمجھے جاتے تھے۔ حضرت گنگوہیؒ کے مایۂ ناز تلامذہ میں شمار ہوتے تھے۔

مانی کلاں ضلع جون پور کے رہنے والے تھے۔ ۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۶ء میں دارالعلوم آئے۔ حضرت گنگوہیؒ کے درس حدیث میں دوسال تک شریک رہے۔ قیامِ گنگوہ کے زمانے میں رات رات بھر حضرت گنگوہیؒ کی تقریر قلم بند کرتے، بعض دفعہ اس میں اتنا استغراق ہوتا کہ فجر کی اذان ہوجاتی۔ مولانا عبدالحق خیرآبادی، مفتی لطف اللہ علی گڈھی، قاضی عبدالحق کابلی اور مولانا احمد حسن کان پوری سے بھی علوم وفنون کی تحصیل کی تھی۔

شروع میں مینڈھو (علی گڈھ) اور گلاؤٹھی (بلند شہر) میں مدرس رہے، کچھ مدت تک دہلی کے مدارس میں بھی درس دیا۔ آخر میں مدرسہ عالیہ کلکتہ میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔ آخر عمر میں مدرسہ بیت العلوم سرائے میر میں وہاں کے اساتذہ کو بخاری کا درس دیتے تھے جس میں مدرسۃ الاصلاح کے بعض اساتذہ بھی شریک ہوتے تھے۔ حضرت مولانا عبدالغنی پھول پوری خلیفۂ اجلّ حضرت تھانویؒ اور حضرت مولانا سید فخر الدین احمد شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبندؒ آپ کے تلامذہ میں شامل ہیں۔

تدریس کے ساتھ آپ نے متعدد کتابیں اور مختلف مسائل پر رسالے تصنیف کیے، مگر اب تک کوئی تصنیف طبع نہ ہوسکی۔ ان کی تحریر کی ہوئی حضرت گنگوہیؒ کی تقریر بخاری اب تک ان کے خاندان میں محفوظ

ہے۔ سنن ابوداؤد، سنن ترمذی اور شامی پر آ نے مفید حواشی لکھے تھے، مگر طبع نہ ہو سکے۔

یکم شوال ۱۳۵۳ھ/ ۷ جنوری ۱۹۳۵ء کو انتقال ہوا۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۸۱-۸۲؛ نزہۃ الخواطر، جلد ہشتم، مولانا ماجد علی الجونپوری
تذکرۂ علمائے اعظم گڈھ، مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی اعظمی، ص ۱۶۰

حضرت مولانا محمد یٰسین سرہندی ثم بریلویؒ

سرہند کے قریب موضع بسی کے رہنے والے تھے۔ دارالعلوم سے فراغت حاصل کی، حضرت شیخ الہندؒ کے تلامذہ میں تھے۔ پہلے مدرسہ فیض عام کان پور میں تدریسی خدمات انجام دیں، پھر ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۴ء میں بریلی تشریف لے گئے اور وہاں مدرسہ اشاعت العلوم کی بنیاد ڈالی۔ ساری عمر درس و تدریس میں مصروف رہے۔ روہیل کھنڈ میں ان کا علمی فیض مدتوں جاری رہا۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی نے بھی ابتدائی کتب ان سے پڑھی تھیں۔ مولانا خیر محمد جالندھری بھی آپ کے حلقۂ تلامذہ میں شامل تھے۔

نہایت نیک نفس اور مرنجان مرنج مگر بے حد صاف گو عالم تھے۔

بریلی ہی کو وطن بنالیا تھا۔ وہیں ۷/ صفر ۱۳۶۳ھ/ ۳ مارچ ۱۹۴۴ء کو انتقال کیا اور مدرسہ میں مدفون ہوئے۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۶۴

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ

مشہور قائدِ جہادِ حریت اور انقلابی عالم دین تھے۔ بہترین متکلم اور مفسر تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک ریشمی رومال کے اساسی ارا کین میں تھے اور پوری عمر جہادِ آزادی میں کھپادی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے علوم کے شارح اور ان کی انقلابی فکر کے ترجمان سمجھے جاتے تھے۔

مغربی پنجاب کے ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں چیلانوالی میں مارچ ۱۸۷۲ء/ محرم ۱۲۸۹ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ہندو سے سکھ ہو گئے تھے۔ ابتدائی تعلیم جام پور مڈل اسکول میں پائی اور دورانِ تعلیم ہی اپنے مطالعہ سے صداقتِ اسلام سے متاثر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے تھے۔ قبول اسلام کے بعد جام پور سے سندھ چلے گئے اور وہاں حافظ محمد صدیق کی خدمت میں کچھ مدت قیام کیا۔ حافظ صاحب ایک صاحب

نسبت بزرگ اور درویش کامل تھے، انھوں نے مولانا سندھی کی شخصیت کی تشکیل میں بڑا اثر ڈالا۔

۱۳۰۶ھ/ ۱۸۸۸ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور اگلے سال دورۂ حدیث میں شریک ہوئے۔ لیکن تکمیل کی نوبت نہیں آئی، کچھ عرصہ بعد سندھ چلے گئے۔ ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء میں پھر دیوبند آئے اور حضرت شیخ الہندؒ سے کتبِ حدیث کی اجازت حاصل کی۔

تعلیمی امور کے ساتھ سیاسی مشاغل میں بھی حضرت شیخ الہندؒ سے وابستہ ہوگئے۔ ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء میں جمعیۃ الانصار کا قیام آپ کی ہی کوششوں کا نتیجہ تھا، آپ اس کے ناظم بنائے گئے۔ جمعیۃ الانصار کے دو بڑے جلسے جو مرادآباد اور میرٹھ میں منعقد ہوئے، ان میں مولانا سندھی ہی کی کوششیں کارفرما تھیں۔ آپ دارالعلوم کو سیاسی انداز میں ملی تنظیم کا مرکز بنانا چاہتے تھے جس کا پہلا نقش جمعیۃ الانصار کا قیام تھا۔ اسی دوران مولانا سندھی اور دارالعلوم کے بعض اساتذہ کے درمیان بعض علمی مسائل میں شدید اختلاف پیدا ہوگیا جس کے سبب انھوں نے دیوبند چھوڑ دیا اور حضرت شیخ الہندؒ نے انھیں دہلی بھیج دیا۔ وہاں انھوں نے نظارۃ المعارف القرآنیہ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس میں مدراس کے فضلاء اور کالج کے گریجویٹ طلبہ کو تعلیم و تربیت دی جاتی تھی۔ اس ادارہ کا مقصد جدید تعلیم یافتہ اصحاب اور علمائے کرام کے درمیان روابط کو بڑھانا اور جدید و قدیم کی درمیان خلیج کو پُر کرنا تھا۔

۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء میں حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا سندھیؒ کو ایک مشن پر افغانستان بھیجا۔ اس وقت یہ خیال عام تھا کہ طاقت کے بغیر انگریزوں کو ہندوستان سے نکال دینا ممکن نہیں ہے، اس کے لیے سپاہ اور اسلحہ کی ضرورت ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے اس مشن کا مرکز یاغستان کے آزاد علاقے تھے۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے کابل پہنچ کر متعدد اہم سیاسی کام انجام دیے۔ کابل میں کانگریس کمیٹی قائم کر کے انڈین نیشنل کانگریس سے اس کا الحاق کیا۔ برطانوی مقبوضات سے باہر یہ پہلی کانگریس کمیٹی تھی۔ افغانستان میں انھوں نے کچھ انقلابیوں کے ساتھ مل کر ہندوستان کی آزاد حکومت قائم کی جس کے سربراہ راجہ مہندر پرتاپ سنگھ، وزیر اعظم مولانا برکت اللہ بھوپالی اور وزیر داخلہ وہ خود تھے۔ اسی کے ساتھ انھوں نے حزب اللہ کے نام سے ایک فوج مرتب کی جس میں عالم اسلام کے اہم افراد شریک تھے۔

حجاز میں حضرت شیخ الہندؒ کے گرفتاری کے بعد روس چلے گئے اور وہاں رہ کر سوشلزم کا قریب سے مشاہدہ کیا۔ ۱۳۴۲ھ/ ۱۹۲۳ء میں ترکی کا سفر کیا اور وہاں سے ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء میں حجاز چلے گئے جہاں چودہ سال تک مقیم رہے۔ ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۷ء میں جب صوبوں میں کانگریس کی حکومت قائم ہوئی تو یوپی کی حکومت نے مولانا سندھیؒ سے برطانوی دور کی پابندی کو اٹھا لیا اور بالآخر ۲۴ برس کی جلا وطنی کے بعد

۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء میں ہندوستان واپس آ گئے۔

ہندوستان واپسی کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں انھوں نے بیت الحکمۃ نامی ایک ادارہ قائم کیا۔ اس ادارہ کا مقصد حکمت ولی اللہی کی روشنی میں کتاب وسنت کی تشریح اور عہد حاضر کے مسائل کا حل نکالنا تھا۔

مولانا سندھیؒ اپنے عہد میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فلسفہ کے سب سے بڑے داعی اور علمبردار تھے۔ قرآن وحدیث اور فقہ وتصوف کے متعلق علوم میں شاہ صاحبؒ نے جو تجدید فرمائی ہے، مولانا سندھیؒ اس کے ایک عظیم شارح تھے۔ قرآن کریم کی تفسیر اور عصری تطبیق سے ان کو خاص مناسبت تھی۔ ہر چند ان کے بعض افکار سے اہل علم کو اختلاف بھی رہا، مگر اختلافِ رائے کے باوجود ان کی علمی فضیلت اور سیاسی سمجھ بوجھ کے سب ہی قائل تھے۔

غیر معمولی ذکاوت وذہانت اور حافظہ کے مالک تھے۔ دماغ منطقی طور پر سیاسی تھا۔ ابتداء طبعی اور علمی انداز میں اور بعد میں مشاہداتی انداز میں یورپ اور ایشیا کے بہت سے انقلابات آپ کی آنکھوں کے سامنے گزرے؛ اس لیے سیاسی اسکیموں کی ساخت وپرداخت میں آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا۔

آپ نے متعدد اہم کتابیں بھی تصنیف کیں جن میں چند حسب ذیل ہیں:

(۱) ولی اللہی حکمت کا اجمالی تعارف (۲) شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک (۳) شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ (۴) اردو شرح حجۃ اللہ البالغہ (۵) التمہید لتعریف ائمۃ التجدید (۶) قرآنی دستور انقلاب (۷) محمودیہ (۸) ذاتی ڈائری (۹) مجموعۂ تفاسیر امام سندھی وغیرہ۔

آخری عمر میں وہ ریاست بہاول پور کے قصبہ دین پور میں مقیم ہو گئے تھے۔ وہیں ۲۲؍ اگست ۱۹۴۴ء/ یکم رمضان ۱۳۶۳ھ کو انتقال فرمایا۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۶۵-۶۷؛ فہرست کتب اکابر، کتب خانہ دارالعلوم دیوبند
دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات، ص ۱۳۸

حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ

مشہور عالم، مصنف اور مناظر تھے۔ قادیانیت کے خلاف قابل قدر خدمات انجام دیں۔

۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۵ء میں پیدا ہوئے۔ امرتسر (پنجاب) میں پروان چڑھے، مگر اصلاً کشمیری تھے اور ان کے آباء واجداد قدیم زمانے میں مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے۔ کچھ دنوں مولانا احمد اللہ امرتسری سے تعلیم حاصل کی۔

حدیث کی کتابیں شیخ عبدالحنان وزیر آبادی سے پڑھیں۔ پھر ۱۳۰۸ھ/ ۱۸۹۰ء میں دارالعلوم دیو بند آ کر منطق، حکمت، اصول اور فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ کان پور میں مولانا احمد حسن کان پوری سے کچھ کتابیں پڑھیں، مگر اکابر دیو بند سے وابستگی میں کوئی فرق نہ آیا۔ فراغت کے بعد امرتسر میں تصنیف وتالیف میں مشغول ہو گئے۔

مسلکاً اہل حدیث تھے، ایک مطبع 'اہل حدیث پریس' کے نام سے قائم کیا اور ۱۳۲۱ھ/ ۱۹۰۳ء میں ایک ہفت روزہ اخبار 'اہل حدیث' کے نام سے جاری کیا جو ۴۴ سال تک شائع ہوتا رہا۔

آپ قوی الحفظ اور سریع الجواب تھے۔ قادیانیت کے خلاف شمشیر برہنہ تھے۔ مناظرہ میں ہمیشہ کامیاب رہے۔ فریقِ مخالف کو شکست دینے میں انھیں خاص ملکہ حاصل تھا۔ شیرِ پنجاب کے لقب سے ملقب تھے۔ تصنیف وتالیف سے بڑا لگاؤ تھا۔ اوقات کے پابند، بلند اخلاق اور وسیع المعلومات تھے۔ صحت کے تحفظ اور کپڑوں کی ستھرائی کا خاص اہتمام کرتے تھے۔

ہندوستان کی تحریک آزادی کی جدوجہد میں ہمیشہ شریک رہے۔ جنودِ ربانیہ کی فہرست میں انھیں میجر جنرل کا عہدہ دیا گیا تھا۔ جمعیۃ علمائے ہند کی تاسیس میں بھی آپ کا حصہ ہے۔ ملک کی آزادی میں کی تحریک میں جمعیۃ علمائے ہند کے رفیقِ کار رہے۔ اختلافِ مسلک کے باجود اکابرِ دیو بند کے ہمیشہ گرویدہ رہے۔

انھوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کو ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء میں چیلنج دیا تھا کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہوگا وہ پہلے مرجائے گا جسے مرزا نے منظور کرلیا تھا؛ چناں چہ مرزا غلام احمد ہیضہ میں مبتلا ہو کر ۱۹۰۸ء میں ہی انتقال کر گیا اور مولانا اس کے بعد ۴۰ سال مزید زندہ رہے۔

تقسیمِ ہند کے بعد آپ امرتسر سے گوجرانوالہ (پاکستان) منتقل ہو گئے تھے۔ ۴ جمادی الاولی ۱۳۶۷ھ/ ۱۵/ مارچ ۱۹۴۸ء کو سرگودھا میں انتقال ہوا۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیو بند، دوم، ص ۶۷-۶۹

حضرت مولانا سیف الرحمٰن کابلیؒ

بڑے عالی ہمت، ذہین وذکی اور مجاہد عالم تھے۔ تحریک ریشمی رومال کے اہم اراکین میں تھے اور یاغستان کے آزاد علاقہ میں جہاد کے ایک بڑے داعی۔

۱۸۶۰ء سن پیدائش ہے۔ آپ متھرا علاقہ ہشتنگر تحصیل چارسدہ ضلع پشاور کے رہنے والے تھے جہاں ان کے آباء واجداد قندھار سے آ کر آباد ہو گئے تھے۔ آپ کے والد کا نام غلام خان تھا۔

ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی۔ مولانا لطف اللہ علی گڑھی سے علوم ریاضی کی تکمیل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت پہنچے اور صحاح ستہ کی تکمیل کر کے سندِ حدیث حاصل کی۔

مدت تک مدرسہ ناصریہ ٹونک میں تعلیم وتدریس کی خدمت انجام دی، پھر مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی میں صدر مدرس ہو گئے۔ ہندوستان میں ان کے بہت سے شاگرد تھے۔

حضرت شیخ الہندؒ سے وابستہ اور ان کی تحریک کے سرگرم رکن تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کی ہدایت پر ہجرت کر کے یاغستان کے آزاد علاقہ میں چلے گئے، وہاں کے لوگوں کو وعظ وتبلیغ کے ذریعہ سے ہندوستان کی آزادی کے لیے تیار کرتے رہے۔ بہت اچھے مقرر تھے، ان کے وعظ وتقریر سے یاغستان کے لوگوں میں غیر معمولی جوش وخروش پیدا ہو گیا تھا۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں ان کا عہدہ میجر جنرل کا تھا۔ پہلی جنگ عظیم کے آغاز میں جب ۱۹۱۴ء میں حاجی ترنگ زئی نے انگریزوں کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا تو مولانا سیف الرحمٰن نے اس میں شریک ہو کر نمایاں خدمات انجام دیں۔ جنگ کی اس کوشش میں ناکام ہونے کے بعد افغانستان چلے گئے۔ امیر امان اللہ خان کے عہد حکومت میں افغانستان میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے۔ پاکستان بننے کے بعد پشاور آ گئے۔

۷؍جمادی الاولی ۱۳۶۹ھ/ ۲۶؍فروری ۱۹۵۰ء میں اپنے آبائی وطن میں وفات پائی۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۶۷-۶۹؛ مشاہیر علمائے دیوبند، ص ۲۰۳

حضرت مولانا حکیم محمد اسحاق کٹھوریؒ

کٹھور ضلع میرٹھ کے خاندان سادات سے تھے۔ ۱۲۸۱ھ/ ۱۸۶۴ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم میرٹھ میں اپنے چچا مولانا کفایت علی سے حاصل کی، پھر مدرسہ عالیہ فتح پوری میں پڑھا۔ بعد ازاں امروہہ میں حضرت مولانا احمد حسن امروہویؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ آخر میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو کر ۱۳۰۸ھ/ ۱۸۹۱ء میں علوم سے فراغت حاصل کی۔ حضرت شیخ الہندؒ کے دورِ صدارت کے اولین تلامذہ میں سے تھے۔

طب کی تعلیم حکیم عبد المجید خاں دہلوی اور حکیم عبد العزیز خاں لکھنوی سے حاصل کی۔ شروع میں کچھ مدت تک کٹھور میں ان کا مطب رہا، پھر میرٹھ شہر منتقل ہو گیا۔ مطب کے ساتھ طب کی تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ بہت سے لوگوں نے ان سے طب پڑھی۔ نبض کے موضوع پر انھوں نے فارسی میں ایک ضخیم کتاب بھی لکھی جو طبع نہ ہو سکی۔

اپنے وطن کٹھور میں عید گاہ اور جامع مسجد کی تعمیر کرائی۔ میرٹھ شہر میں بھی ایک نہایت خوشنما سنگیں مسجد بنوائی۔ میرٹھ کے اطراف میں عقد بیوگاں کو رواج دینے میں حکیم صاحب کی جدوجہد کا بڑا حصہ ہے۔ ملی اور سیاسی کاموں میں بھی شریک رہتے تھے۔ جمعیۃ علمائے ہند سے گہرا تعلق تھا۔

۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء میں جب دارالعلوم کے لیے غلہ فراہمی کی تجویز طے ہوئی تو سب سے پہلے حکیم صاحب نے اس پر لبیک کہا اور کٹھور و اطراف سے غلہ فراہم کرنے پر توجہ دی۔ دارالعلوم کے معاملات میں فکر و تدبر اور بہی خواہی کا ایک خاص مقام رکھتے تھے۔

۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء میں دارالعلوم کی مجلسِ شوری کے رکن بنائے گئے اور تاعمر دارالعلوم کو اپنے مفید مشوروں اور تعاون سے نوازتے رہے۔

صاحبِ نسبت اور پابندِ اوقات بزرگ تھے۔ بڑے خوش اخلاق، خندہ جبیں اور متواضع شخصیت کے مالک تھے۔ حضرت گنگوہیؒ سے خلافت حاصل تھی۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بڑی تکلفی تھی۔

۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء میں وفات پائی اور اپنے وطن مالوف میں مدفون ہوئے۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ۷۱-۷۲

حضرت مولانا شاہ وارث حسن کوڑہ جہان آبادیؒ

کوڑہ جہان آباد ضلع فتح پور وطن تھا۔ ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۲ء میں دارالعلوم میں داخل ہوئے اور ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۴ء میں تعلیم سے فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں رہے اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔ پھر حجاز چلے گئے اور وہاں کچھ دن حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت میں رہے۔

کچھ مدت تک بنارس اور مظفر پور میں صدر مدرس رہے، پھر ترکِ ملازمت کر کے لکھنؤ میں اقامت اختیار کر لی اور مخلوق کی رشد و ہدایت میں مشغول ہو گئے۔ انگریزی داں طبقہ ان سے زیادہ مستفید ہوا۔ استفادہ کرنے والوں میں جج، وکیل، بڑے بڑے افسر اور رؤساء شامل تھے۔

۱۶/ جمادی الاولی ۱۳۵۵ھ/ ۵/ اگست ۱۹۳۶ء کو وفات پائی اور جامع مسجد ٹیلہ شاہ پیر محمد (لکھنؤ) کے قریب مدفون ہیں۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۷۶

حضرت مولانا امین الدین دہلویؒ

دہلی کے مشہور وممتاز مدرسہ امینیہ کے بانی اور ممتاز عالم دین تھے۔ ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء میں اورنگ آباد (دکن) میں پیدا ہوئے۔

۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۶ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء میں شاہجہان پور چلے گئے، وہاں مولانا نادرالدین سے معقولات کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ مولانا موصوف منطق وفلسفہ میں مولانا عبدالحق خیرآبادی کے شاگرد خاص تھے۔ ۱۳۰۹ھ/ ۱۸۹۱ء میں پھر دیوبند واپس آکر درس نظامی کی تکمیل کی اور ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

ایولہ ضلع ناسک میں سکونت اختیار کر لی تھی اور آخر میں مستقل طور پر دہلی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء میں آپ نے سنہری مسجد چاندنی چوک دہلی میں مدرسہ امینیہ جاری کیا۔ اس مدرسہ کے پہلے صدر مدرس حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ مقرر ہوئے۔ بعد میں حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ نے اس کی مسندِ صدارت کو زینت بخشی۔ بعد میں یہ مدرسہ کشمیری دروازہ کی طرف منتقل ہوگیا۔ دہلی کے تمام دینی مدارس میں اپنی جلالت علمی اور مرکزیت کے لحاظ سے یہ مدرسہ ہمیشہ ممتاز رہا۔

دہلی اوراس کے اطراف میں اپنے زہد وتقوی کے باعث ان کی بڑی شہرت تھی۔ عملیات کے فن میں بھی دست گاہ رکھتے تھے۔ اس سبب سے ان کے عقیدت مندوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ ان کے دل میں فیض رسانی کا جذبہ موج زن رہتا تھا۔ دینی معاملات اور مدرسہ کے انتظامات کے سلسلہ میں کسی کی رُو رعایت نہیں کرتے تھے۔ سیاسی ہنگاموں سے ہمیشہ دامن کش رہے۔ طلبہ کو اولاد کی طرح عزیز رکھتے تھے اور ان سے بڑی شفقت ومحبت سے پیش آتے تھے۔

۱۹/رمضان ۱۳۳۸ھ/ ۶/ جون ۱۹۲۰ء کو وفات پائی اور مہندیان میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مزار کے قریب دفن کیے گئے۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص۷۶-۷۷

حضرت مولانا محمد صادق کراچویؒ

جلیل القدر اور ممتاز علماء میں شمار تھا۔ تحریک ریشمی رومال کے سرگرم رکن تھے۔ جمعیۃ علمائے ہند کے

بانیوں میں آپ کا نام بھی شامل ہے۔ نہایت جوشیلی، رازداراور مستقل مزاج شخصیت کے مالک تھے۔

مولانا محمد صادق بن مولانا عبداللہ بن عبدالکریم کراچی کے باشندے تھے۔ ۲۵؍محرم ۱۲۹۱ھ/ ۱۵؍مارچ ۱۸۷۴ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد کے قائم کردہ مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ میں حاصل کی۔ اعلی تعلیم کے لیے دارالعلوم میں داخل ہوئے اور ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۴ء میں حضرت شیخ الہندؒ سے حدیث کی تکمیل کی۔

حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک آزادی کے اہم اور سرگرم رکن تھے۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے ان کے بہت گہرے اور مخلصانہ تعلقات تھے۔ پہلی جنگِ عظیم کے دوران جب انگریزوں نے عراق پر حملہ کیا جو ترکی کے قلمرو میں شامل تھا تو انھوں نے سندھ میں لس بیلا کے بلوچی قبائل میں بغاوت کرادی جس کی وجہ سے انگریز عراق میں بروقت کمک نہ پہنچا سکے اور وہاں انگریزی فوجوں کو محصور ہو کر ترکوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہونا پڑا۔ مولانا محمد صادقؒ کو بغاوت برپا کرنے کے جرم میں گرفتار کر کے کاڑواڑ مہاراشٹر میں نظر بند کر دیا گیا۔ جنگ ختم ہو جانے پر رہا کیے گئے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں ان کا عہدہ کرنل کا تھا۔

تحریک خلافت کے زمانے میں اہم سیاسی خدمات انجام دیں۔ خلافت کمیٹی اور جمعیۃ علمائے سندھ کے مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ جمعیۃ علمائے ہند کی ورکنگ کمیٹی کے آخر تک رکن رہے۔ تقسیم پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء میں جمعیۃ علمائے اسلام کے قیام کا قیام عمل میں آیا تو آپ اس کے صدر مقرر ہوئے۔

۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۱ء سے ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۷ء تک دارالعلوم کی مجلس شوری کے رکن رہے۔

انھوں نے کراچی کے کھڈہ محلّہ میں اپنے والد کے قائم کردہ مدرسہ کو جامعہ مظہر العلوم میں تبدیل کر دیا اور دورۂ حدیث کی تعلیم شروع کی۔ آپ اس مدرسہ کے مہتمم اور شیخ الحدیث تھے۔

تدریسی مشغلہ کے ساتھ دعوت وتبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ ۱۹۲۲ء میں شدھی تحریک کے مقابلہ کے لیے آپ نے 'انجمن نومسلمانانِ سندھ' قائم کی اور اس کے تحت ہزاروں ہندوؤں اور غیر مسلموں کو دائرۂ اسلام میں داخل کیا۔

کراچی میں ۱۸؍جون ۱۹۵۳ء/ ۵؍شوال ۱۳۷۲ھ میں انتقال ہوا۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۷۸؛ مشاہیر علمائے دیوبند، ص ۵۱۷-۵۲۲

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ

مفتیٔ اعظم ہند، فقیہ دوراں اور مدبر سیاست داں تھے۔ جمعیۃ علمائے ہند کی تاسیس میں پیش پیش رہے

اور مسندِ صدارت پر بھی فائز ہوئے۔ علم وفضل، تقوی وطہارت اور اخلاق وکمالات کے لحاظ سے طبقۂ علماء کی ایک بے نظیر شخصیت تھے۔ وہ وقت کے ان چیدہ اور منتخبِ روزگار علماء میں تھے جو بیک وقت عالم وفاضل، فقیہ ومحدث، ادیب وشاعر اور غیور مجاہد تھے۔ ان کی شخصیت نہ صرف معاصرین بلکہ اساتذہ واکابرین میں قابل اعتماد تھی اور سب ہی ان کے علم وفضل، اعتدالِ مزاج اور رعایتِ حدود کے قائل تھے۔

۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء میں شاہجہاں پور میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام شیخ عنایت اللہ تھا۔ ابتدائی تعلیم وطن میں مختلف اساتذہ سے حاصل کی۔ پھر کچھ کتابیں مدرسہ اعزازیہ شاہجہاں پور میں پڑھیں۔ بعدازاں مدرسہ شاہی مرادآباد میں داخل ہوگئے۔ وہاں مولانا عبدالعلی میرٹھیؒ اور دوسرے اساتذہ سے پڑھا۔ آخر میں دارالعلوم میں داخل ہوئے اور ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۶ء میں حضرت شیخ الہندؒ سے حدیث کی تکمیل کرکے فارغ التحصیل ہوگئے۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد آپ مدرسہ عین العلم شاہجہاں پور میں مدرس مقرر ہوئے۔ اسی زمانے میں آپ نے فتوی نویسی کا آغاز کیا اور قادیانیت کی تردید کے لیے ۱۳۲۱ھ/ ۱۹۰۳ء میں ایک ماہانہ رسالہ 'البرہان' جاری کیا۔

۱۳۲۱ھ/ ۱۹۰۴ء کے اواخر میں مولانا امین الدین دہلویؒ کے اصرار پر مدرسہ امینیہ دہلی تشریف لے گئے اور وہاں تادمِ واپسیں صدرالمدرسین اور شیخ الحدیث کے عہدہ پر قائم رہے۔ حضرت مفتی صاحب کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے مدرسہ امینیہ دہلی کو اپنی جدوجہد سے غیر معمولی ترقی دی اور اس کا ہندوستان کے مشہور دینی مدارس میں شمار ہونے لگا۔

۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶ء سے دارالعلوم کی مجلس شوری کے رکن منتخب ہوئے اور آخر عمر تک اپنے فہم وتدبر سے دارالعلوم کے اربابِ انتظام کو مستفید کرتے رہے۔

حضرت مفتی صاحب کو اپنے استاذ حضرت شیخ الہندؒ سے بڑی ارادت تھی، اس لیے شروع ہی سے آپ سیاسیات میں دل چسپی لینے لگے۔ آپ کی ملی وقومی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ۱۹۱۹ء میں آپ نے دیگر علماء کے ساتھ مل کر جمعیۃ علمائے ہند قائم کی۔ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۰ء تک جمعیۃ علمائے ہند کے صدر مقرر ہوتے رہے۔ جمعیۃ علمائے ہند اور کانگریس کی تحریکوں میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ تحریک ترک موالات کا فتوی آپ نے ہی مرتب کیا تھا۔ سیاسی سرگرمیوں کے سلسلہ میں آپ کو قید وبند سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ شدھی اور سنگٹھن کے خطرناک فتنہ سے لے کر ہندوستان کی آزادی تک آپ کے زندگی بے انتہا سرفروشیوں، جاں سپاریوں اور قربانیوں سے بھری پڑی ہے۔

آل سعود نے حجاز پر قبضہ کے بعد دنیائے اسلام کے علماء کو حجاز میں نظامِ حکومت پر غور کرنے کے لیے

جو کانفرنس بلائی تھی، اس کانفرنس میں چند علماء کے ساتھ ہندوستان کی طرف سے بہ طور رئیس الوفد شریک ہوئے تھے اور متعدد اہم امور میں علمائے حجاز اور ملک عبدالعزیز سے تبادلۂ خیال کیا تھا۔ اسی طرح قاہرہ مصر میں جب فلسطین کانفرنس بین الاقوامی پیمانے کی منعقد ہوئی تو ہندوستانی مسلمانوں کی طرف آپ نے ہی نمائندگی کا فریضہ انجام دیا۔

آپ ایک عظیم مفتی اور فقیہ تھے۔ آپ کے فتاوی کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ بہت مختصر فتاوی لکھتے تھے اور ان کی زبان بہت صاف اور واضح ہوتی تھی۔ آپ کے فتاوی کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ آپ کے فرزند مولانا حفیظ الرحمٰن واصف نے آپ کے فتاوی کو مرتب کر کے 'کفایت المفتی' کے نام سے نو جلدوں میں شائع کیا۔ آپ کی ایک دوسری مشہور تصنیف 'تعلیم الاسلام' ہے جو سوال و جواب کے طرز پر بچوں کے لیے نہایت سلیس چار حصوں میں لکھی گئی۔ یہ کتاب اتنی مقبول ہوئی کہ انگریزی، ہندی اور دنیا کے بہت سی زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں اور مدارس وغیرہ کے نصابِ تعلیم میں داخل ہے۔ عربی کے قادر الکلام شاعر تھے، ان کی عربی شاعری کا ایک مختصر رسالہ 'روض الریاحین' شائع بھی ہوا۔

۱۳ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ/ ۳۱ دسمبر ۱۹۵۲ء کو انتقال ہوا اور مہرولی (دہلی) میں ظفر محل کے درمیان دفن کیے گئے۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۷۹-۸۱

کاروانِ رفتہ، مولانا اسیر ادروی، ص ۲۱۷؛ مفتیِ اعظمِ ہند، ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری

حضرت مولانا سید احمد فیض آبادی مدنیؒ

مدینہ منورہ میں مدرسۃ العلوم الشرعیہ کے بانی اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے برادرِ بزرگ تھے۔ ۲۱ ربیع الثانی ۱۲۹۳ھ/ ۱۶ مئی ۱۸۷۶ء بانگرمئو (اناؤ) میں پیدا ہوئے جہاں ان کے والد بسلسلۂ ملازمت مقیم تھے۔ وطن الہداد پور ٹانڈہ ضلع فیض آباد تھا۔ ابتدائی تعلیم والد صاحب سے حاصل کی۔ الہ آباد بورڈ سے اردو میں مڈل اسکول پاس کیا۔ بعد ازاں دارالعلوم میں داخل ہو کر درسِ نظامی کی تکمیل کر کے ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء میں حضرت شیخ الہندؒ سے حدیث پڑھ کر فارغ ہوئے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے غیر معمولی عقیدت تھی، گنگوہ میں طویل قیام فرماتے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ سے خلافت حاصل تھی۔

۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۸ء میں والد ماجد کے ہمراہ مدینہ منورہ چلے گئے۔ وہاں ساری عمر علومِ دینیہ کی تعلیم و

تدریس میں مشغول رہے۔ ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء میں انھوں نے مسجد نبوی سے متصل بہ جانب مشرق مدرسۃ العلوم الشرعیۃ قائم کیا۔ اس وقت مدینہ منورہ میں دینی تعلیم کا کوئی مدرسہ نہیں تھا۔ مدرسہ کے اخراجات ایک عرصہ تک برصغیر کے اہل خیر مسلمانوں کی امداد و تعاون سے پورے ہوتے رہے۔ ایک زمانے تک حجاز کے بڑے دینی مدارس میں اس کا شمار ہوتا تھا اور اس سے پڑھ کر نکلنے والے حکومت میں اہم مناصب پر فائز ہوتے رہے۔

۱۱رشوال ۱۳۵۸ھ/ ۲۴رنومبر ۱۹۳۹ء کو وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۸۴-۸۵

مدرسۃ العلوم الشرعیۃ کی ویب سائٹ/http://www.oloumsharia.edu.sa

حضرت مولانا کریم بخش سنبھلیؒ

جید الاستعداد عالم تھے۔ متوسطات تک کتابیں اپنے وطن میں سنبھل میں پڑھ کر امروہہ گئے اور وہاں حضرت مولانا احمد حسن امروہویؒ سے بعض اسباق پڑھے۔ بعد ازاں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو کر ۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء میں حضرت شیخ الہندؒ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔

مختلف مدارس میں مدرس رہے۔ ہاپوڑ کے زمانۂ تدریس میں حضرت مولانا سید فخر الدین احمدؒ نے بھی ان سے پڑھا تھا۔ مدرسہ جامع العلوم کان پور میں بھی صدر مدرس رہے، پھر مدرسہ دارالعلوم مئو کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ اس زمانے میں مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ، مولانا مفتی عبد اللطیف اعظمیؒ وغیرہ نے حدیث کی کچھ کتابیں ان سے پڑھیں۔ مولانا منظور احمد نعمانیؒ بھی آپ کے خصوصی شاگردوں میں ہیں۔

مولانا مرحوم کی تحصیل علم کے بعد پوری زندگی درس و تدریس ہی میں گزری، اس لیے تلامذہ کا دائرہ خاصا وسیع ہے۔ علم و تدریس میں مقام بہت بلند تھا، پھر کم ایسا دیکھا گیا ہے کہ جن کو دینی علوم (حدیث، تفسیر وغیرہ) میں مہارت کا مقام حاصل ہو وہ معقولات (منطق و فلسفہ وغیرہ) میں بھی کوئی اچھی دست گاہ رکھتے ہوں، لیکن مولانا انھیں متثنیات میں سے تھے؛ تفسیر و حدیث اور فقہ کا طالب علم اُن کو اِن علوم میں ماہر سمجھتا تھا اور منطق و فلسفہ اور علم کلام کے طلبہ ان کو ان فنون کا خصوصی استاذ جانتے اور مانتے تھے۔

۱۷رشوال ۱۳۶۱ھ/ ۲۸راکتوبر ۱۹۴۲ء میں وفات پائی۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۸۵-۸۶

ماہنامہ الفرقان، مولانا محمد منظور نعمانی رمضان و شوال ۱۳۶۱ھ

حضرت مولانا عبدالمجید سنبھلیؒ

ابتدائی تعلیم اپنے وطن سنبھل میں مولانا مفتی عبدالسلام اسرائیلی سے حاصل کی۔ حدیث کی تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔
دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ابتدائی ادوار میں وہاں مدرس رہے۔ اس زمانے میں مولانا سید سلیمان ندویؒ نے بھی ان سے کچھ کتابیں پڑھیں۔ پھر سنبھل کے مدرسۃ الشرع میں صدر مدرس ہو گئے اور آخر عمر تک اسی سے وابستہ رہے۔ آپ سے ہیئت اور معقولات کی کتابیں پڑھنے کے لیے طلبہ بخارا جیسے دور دراز مقامات سے آتے تھے۔ مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے معقولات کی تکمیل انھیں سے حاصل کی تھی۔

سن وفات معلوم نہ ہوسکا۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۸۶

حضرت مولانا عبدالسمیع دیوبندیؒ

دارالعلوم دیوبند کے مایۂ ناز استاذ اور یگانۂ روزگار عالم تھے۔

۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں دیوبند میں پیدا ہوئے۔ چراغ محمد تاریخی نام ہے۔ شروع سے آخر تک دارالعلوم میں ہی دارالعلوم پائی اور ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء میں تکمیل علوم سے فراغت حاصل کی۔
فتح گڈھ ضلع فرخ آباد میں کئی سال تک مدرس رہے۔ پھر مدرسہ اسلامیہ رڑکی ضلع سہارن پور اور مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری میں مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء کے اواخر میں دارالعلوم کے ابتدائی درجات کی تعلیم کے لیے مامور کیے گئے۔ انھوں نے ابتدائی درجات سے لے کر دورۂ حدیث کی کتابوں تک دارالعلوم میں درس وتدریس کی خدمات ۳۸ سال تک بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیں۔ ان کے مشکاۃ المصابیح اور مختصر المعانی کے اسباق بڑی شہرت رکھتے تھے۔ طلبہ ان کے درس اور اندازِ بیان کو بہت پسند کرتے تھے۔ طلبہ پر بے حق شفیق تھے۔
ان کا وعظ بھی بہت مؤثر اور پسندیدہ ہوتا تھا۔ مناظرہ کے فن میں بھی ان کو خوب درک تھا۔ فتنۂ قادیانیت کے خلاف کام کرنے والوں میں ان کا نام بھی اہمیت سے لیا جاتا ہے۔ قادیانیوں سے مناظرہ بھی کیا اور ایک درجن کے قریب رسائل بھی تحریر کیے۔ تحریر پر اُن کو اچھی قدرت

حاصل تھی۔ بستان المحدثین مصنفہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا روض الریاحین کے نام سے اردو میں سلیس اور شستہ ترجمہ کیا ہے جو ۱۳۳۴ھ/ 1915ء میں مطبع قاسمی دیوبند سے طبع ہوئی۔ بعد میں ان کے فرزند حضرت مولانا عبدالاحد دیوبندیؒ بھی دارالعلوم کے طبقۂ علیاء کے مدرس رہے۔

۱۱رصفر ۱۳۶۶ھ/ ۴رجنوری ۱۹۴۷ء کو دیوبند میں وفات پائی۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۸۶-۸۷

حضرت مولانا عبدالعزیز سہالوی گجرانوالویؒ

پنجاب کے مشہور عالم اور محدث تھے۔

مولانا عبدالعزیز بن قاضی نور محمد ۱۸۸۴ء میں پنڈ سہال ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ اسی لیے وطن کی طرف نسبت کرتے ہوئے انھیں محدث سہالوی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ دارالعلوم دیوبند سے ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔

جامع مسجد گجرانوالہ میں امام وخطیب تھے۔ وہیں مدرسہ انوارالعلوم کی بنیاد رکھی اور تدریس حدیث میں مشغول رہے۔ پنجاب کے علمی اور دینی حلقوں اپنے علم وفضل کے لحاظ سے بڑی قدر ومنزلت رکھتے تھے۔ علوم حدیث میں بڑا گہرا مطالعہ اور بڑا استحضار تھا۔ اپنے علاقہ میں علمائے حق کے ترجمان تھے۔ اختلافی مسائل میں اہل بدعت اور غیر مقلدین سے ان کا مقابلہ رہا کرتا تھا۔

علم حدیث میں نبراس الساری علی اطراف البخاری دو جلدوں میں ان کی مشہور تالیف ہے۔ اس میں مقیاس الواری کے نام سے حاشیہ بھی ہے۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ ان کے علم وفضل کے مداح تھے اور ان کی تصنیف نبراس الساری کو بہت پسند فرماتے تھے۔

'بغیۃ الالمعی' کے نام سے نصب الرایہ للزیلعی (تا کتاب الحج) پر حاشیہ بھی لکھا۔ مسند احمد کے اطراف اور طحاوی کے رجال وغیرہ پر بھی تحقیقی کام کیا، لیکن شائع نہ ہوسکا۔ ان کے علاوہ مسئلۂ تقلید، قرأت خلف الامام وغیرہ پر کچھ رسائل بھی تحریر کیے۔

۳رمضان ۱۳۵۹ھ/ ۵راکتوبر ۱۹۴۰ء کو اپنے آبائی وطن سہال میں انتقال کیا اور وہیں دفن کیے گئے۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۸۷؛ مشاہیر علمائے دیوبند، ص ۳۰۱-۳۰۲

حضرت مولانا محمد یحییٰ سہسرامیؒ

مشہور عالم اور ذی استعداد فاضل تھے۔

۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔

ابتدا میں سہسرام اور مظاہر علوم سہارن پور میں کچھ مدت تک مدرس رہے۔ پھر ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء میں مدرسہ عالیہ کلکتہ میں عربی زبان کے استاذ مقرر ہوئے۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں قیام سے ان کا علمی فیضان بنگال میں بہت زیادہ پھیلا۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۸۸

حضرت مولانا عبدالرزاق پشاوریؒ

حضرت شیخ الہندؒ کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔

افغانستان میں قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز رہے۔ افغانستان میں ان کا خاص وقار تھا، وہاں کی پریوی کونسل کے صدر بھی تھے۔ شرعی احکام میں ان کا فیصلہ آخری درجہ رکھتا تھا اور پورے افغانستان پر ان کے علمی اثرات چھائے ہوئے تھے۔

تحریک ریشمی رومال کے سرگرم رکن تھے۔ رولٹ کمیٹی کی رپورٹ میں ان کے متعلق لکھا ہے: ”کابل یونیورسٹی کا سربراہ ہے جس میں وہ فلکیات پر لیکچر دیتا ہے۔ وہ کچھ عرصہ تک سردار عنایت اللہ کا اتالیق رہا ہے۔ سردار نصر اللہ خان کا ناظر اور معتمد خاص ہے۔ سردار اسی کے ذریعہ سرحد کے دوسرے ممتاز ملاؤں سے خط وکتابت کرتا ہے۔ تمام بڑے ملاؤں کا خاص دوست ہے۔ کابل میں ہندوستانی انقلابی پارٹی کا پشت پناہ ہے۔ سرحد پار برطانوی حکومت کے خلاف جتنی بھی کارروائیاں ہوتی ہیں ان سب کی ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے۔“

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۸۸

تحریک شیخ الہند، مولانا محمد میاں دیوبندی، مکتبہ جاوید دیوبند، ص ۳۷۴

حضرت مولانا سید اصغر حسین دیو بندیؒ

بلند مرتبہ عالم دین، ممتاز مدرس اور اپنے وقت کے بڑے با فیض بزرگ تھے۔

۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء میں دیو بند میں پیدا ہوئے۔ دیو بند میں ان کا خاندان تقدس و بزرگی میں مسلّم اور ممتاز رہا ہے۔ والد بزرگوار شاہ محمد حسن (وفات ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء) سے قرآن شریف اور فارسی میں گلستان تک پڑھ کر دارالعلوم میں داخل ہوئے اور ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء میں فارسی کی تکمیل کے بعد عربی شروع کی اور ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء تک دارالعلوم میں ان کا تعلیمی مشغلہ جاری رہا۔ حضرت شیخ الہندؒ سے حدیث کی تکمیل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۴ء کے اواخر میں حضرت شیخ الہندؒ نے جون پور کی اٹالہ مسجد کے مدرسہ کی صدر مدرسی کے لیے ان کا انتخاب کیا جہاں سات سال تک تشنگانِ علومِ دینیہ اور مسلمانانِ جون پور کو اپنے علوم ظاہری و باطنی سے سرفراز فرماتے رہے۔

۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء میں جب ارباب دارالعلوم نے ماہنامہ 'القاسم' کو دارالعلوم سے جاری کرنے کا فیصلہ کیا تو آپ کو جون پور سے بلا کر القاسم کے کام پر مامور کیا گیا۔ اسی کے ساتھ مختلف کتابوں کے اسباق بھی ان کے سپرد کیے گئے۔ ان کے درس میں عموماً تفسیر، حدیث اور فقہ کی کتابیں رہتی تھیں۔

آپ کو علوم دینیہ حدیث، تفسیر، فقہ اور فرائض وغیرہ میں اعلیٰ درجہ کی لیاقت و استعداد حاصل تھی۔ علومِ قرآن وحدیث کے بہت بڑے ماہر اور جملہ علوم وفنون کے کامل محقق تھے۔ آپ کا ابوداؤد شریف کا درس بہت مشہور تھا۔ درس نہایت مختصر مگر جامع ہوتا تھا۔ درسی تقریر ایسی ہوتی تھی کہ حدیث کا مفہوم دل میں اتر جائے اور تمام شبہات خود بہ خود کافور ہو جائیں۔

علم وفضل، زہد وتقوی، نیکی اور پرہیزگاری میں ان کی ذات مرجعِ خلائق تھی۔ نہایت متواضع، منکسر المزاج اور خوش اخلاق تھے۔ اتباعِ سنت کے مجسم پیکر اور حق وصداقت کے علم بردار تھے۔ کم گوئی اور سادگی و انکساری آپ کی بڑی صفت تھی اور پابندئ اوقات میں آپ کی ذات ضرب المثل کا درجہ رکھتی تھی۔

علم وعمل میں جامعیت کے ساتھ حضرت میاں صاحبؒ کو تعویذات کے فن میں مہارتِ تامہ حاصل تھی، مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی ان کے تعویذات سے فیض حاصل کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں ان کی خدمت کا دائرہ بہت وسیع تھا۔

حضرت میاں صاحبؒ کو اپنے بزرگ ماموں حضرت شاہ عبد اللہ میاں جی منے شاہؒ اور شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے اجازت وخلافت حاصل تھی۔

حضرت میاں صاحبؒ نے دیوبند میں دارالمسافرین کے نام سے ایک مسافر خانہ کی تعمیر کرائی اور اپنے خاندانی مکتب کو جو اُن کے والد کی وفات کے بعد بند ہو گیا تھا، دوبارہ جاری کیا۔ اب یہ مدرسہ اصغریہ کے نام سے ایک بڑی تعلیم گاہ میں تبدیل ہو گیا ہے اور حفظ وقرأت کی ممتاز درس گاہ ہے۔

آپ صاحب تصانیف بھی ہیں۔ اردو زبان میں فقہ وفرائض اور تاریخ وغیرہ کے موضوعات پر ان کی چھوٹی بڑی تقریباً ۳۶ رکتابیں شائع ہوئیں جن میں فن فرائض میں 'مفید الوارثین' نہایت جامع اور اہم کتاب ہے۔ اسی طرح احادیث میں موجود حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فتاوی کو جمع کر کے اس کی شرح لکھی جو 'فتاویٰ محمدی مع شرح دیوبندی' کے نام سے شائع ہوئی۔ حضرت شیخ الہندؒ کی سوانح 'حیات شیخ الہند' بھی لکھی۔

۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء کے اواخر میں اپنے متوسلین کی دعوت پر گجرات تشریف لے گئے۔ راندیر میں قیام تھا کہ اچانک حرکتِ قلب بند ہوگئی اور ۲۲ رمحرم ۱۳۶۴ھ/ ۸رجنوری ۱۹۴۵ء کو بروز دوشنبہ داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور وہیں دفن ہوئے۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۹۰-۹۱؛ دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی، ص ۱۱۱
دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات، ص ۱۴۰-۱۴۱

حضرت مولانا محمد میاں منصور انصاریؒ

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے نواسے اور مولانا عبداللہ انصاری کے فرزندِ اکبر تھے۔ نہایت صائب الرائے اور ذی استعداد عالم تھے۔ تحریک ریشمی رومال کے اہم ارکین میں سے ہیں۔

انبیٹھہ وطن تھا۔ ابتدائی تعلیم گلاؤٹھی کے مدرسہ منبع العلوم میں پائی جہاں ان کے والد صدر مدرس تھے۔ ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء میں دارالعلوم سے سند فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد مختلف مقامات میں درس وتدریس کی خدمات انجام دیں۔ دارالعلوم معینیہ اجمیر میں کچھ مدت تک صدر مدرس رہے۔ پھر حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے ترجمۂ قرآن کے کام میں اعانت کے لیے ان کو دیوبند بلا لیا تھا۔

۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء میں جب دارالعلوم میں جمعیۃ الانصار قائم ہوئی تھی تو مولانا سندھی کے ساتھ اس کے نائب ناظم مقرر ہوئے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے خاص اور معتمد تلمیذ تھے۔ ان کے ساتھ سیاسی منصوبوں میں

شریک ہوئے اور آخر کار حضرت کے امین اور راز دار رفقاء میں شمار ہوئے۔

مدینہ منورہ کے گورنر غالب پاشا سے حضرت شیخ الہندؒ نے ہندوستان کی تحریک آزادی میں حصہ لینے کے واسطے جو ترغیبی خط ہندوستان اور آزاد قبائل کے عوام کے لیے لکھوایا تھا اور جو ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں 'غالب نامہ' کے نام سے مشہور ہے، اس کو حجاز سے ہندوستان اور آزاد قبائل تک پہنچانے کا نہایت اہم کام انہی کے سپرد ہوا تھا، جسے انھوں نے کمالِ ہوشیاری کے ساتھ انجام دیا اور ہندوستان کی خفیہ پولیس کی نظروں سے بچ کر یاغستان کے آزاد علاقہ میں پہنچ گئے۔ حضرت شیخ الہند کی حجاز میں گرفتاری کے وقت چوں کہ مولانا منصور انصاری وہاں سے یاغستان روانہ ہو چکے تھے، اس لیے وہ گرفتاری سے بچ گئے۔ ان کا اصل نام محمد میاں تھا، لیکن جب غالب نامہ لے کر ہندوستان آئے تو برطانوی پولیس سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے منصور انصاری نام رکھ لیا۔ پھر آئندہ اسی نام سے مشہور ہوئے۔ ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں 'ریشمی خطوط' کے نام سے جو خطوط مشہور ہیں ان میں مولانا منصور انصاری کا خط بھی شامل تھا، جو زرد ریشمی کپڑوں پر لکھا گیا تھا۔ جنود ربانیہ میں ان کا عہدہ لفٹننٹ جنرل کا تھا۔

حجاز میں حضرت شیخ الہندؒ کی گرفتاری کے بعد افغانستان چلے گئے اور وہیں مستقل طور پر مقیم ہو گئے تھے۔ حکومتِ افغانستان پر ان کے علم وفضل اور سیاست وتدبر کا بڑا اثر تھا۔ چناں چہ حکومتِ افغانستان نے جو سفارتی مشن ترکی بھیجا تھا، اس میں مولانا منصور انصاری کو وزیر مختار کا عہدہ تفویض کیا تھا۔ اسی طرح ماسکو کے سیاسی مشن میں ان کو سیاسی مشیر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ بچہ سقہ نے برسرِ اقتدار آنے کے بعد ان کو جلاوطن کر دیا تھا۔ اس کے دورِ حکومت میں چند ماہ کے لیے روس چلے گئے اور جب نادر خان سقہ بچہ کو شکست دے کر افغانستان کے حکمراں بنے تو مولانا منصور انصاری کو واپس بلا لیا گیا۔ افغانستان میں مختلف اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔

قیامِ افغانستان کے زمانے میں آپ نے متعدد سیاسی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ حکومتِ الٰہی، اساسِ انقلاب، دستورِ امامت، انواع الدول ان کی اعلیٰ ذہنی اور فکری صلاحیتوں کی آئینہ دار ہیں۔

آخرِ عمر میں افغانستان کے مشہور مقام جلال آباد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہیں ۶ر صفر ۱۳۶۵ھ/ ۱۱ر جنوری ۱۹۴۶ء کو وفات پائی۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی بڑی خواہش تھی کہ ہندوستان کے آزاد ہوتے ہی وہ مولانا منصور انصاری کو ہندوستان واپس بلا لیں گے، لیکن افسوس کہ ہندوستان کی آزادی سے قبل ہی وہ سفرِ آخرت پر روانہ ہو گئے اور جس ملک کی آزادی کے لیے انھوں نے ۳۱ر سال جلاوطنی کی زندگی گزاری اس کی آزادی کو نہ دیکھ سکے۔

مولانا حامد الانصاری غازی سابق ایڈیٹر اخبار 'مدینہ' بجنور جو ہندوستان کی صحافت میں اپنا مقام رکھتے

تھے، انہی کے بڑے صاحب زادے ہیں۔ ان کے دوسرے فرزند حمید انصاری جلال آباد میں مقیم ہیں۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۹۱-۹۳

دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات، ص ۱۴۴

حضرت مولانا احمد بزرگ سورتیؒ

گجرات کے مشہور عالم دین اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے مہتمم تھے۔

مقام سملک میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۹۸ھ/ ۱۸۸۰ء کے آس پاس پیدا ہوئے۔ احمد نام تھا، بچپن ہی میں بزرگ لقب پڑ گیا تھا۔ وطن میں قرآن شریف ختم کر کے اولاً اردو پڑھی، پھر فارسی اور عربی کی تعلیم لاج پور کے مدرسہ میں چار سال رہ کر حاصل کی۔ مشکوۃ المصابیح اور ہدایہ اولین وغیرہ کتابیں پڑھنے کے بعد ۱۳۱۸ھ /۱۹۰۰ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء میں سند فراغت حاصل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت کا شرف حاصل کیا اور تقریباً ایک سال تک مرشد کی خدمت میں رہ کر ذکر وشغل اور ریاضت ومجاہدہ میں مشغول رہے۔ مرشد کی وفات (۱۹۰۵ء) کے بعد وطن مراجعت کی۔ پھر کچھ مدت کے بعد ساؤتھ افریقہ چلے گئے۔

۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۶ء میں جامع مسجد سورتی رنگون میں مفتی مقرر ہوئے اور تین سال تک وہاں افتاء کے ساتھ وعظ اور درسِ قرآن کا فیض پہنچایا۔ رنگون سے واپسی کے بعد ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے مہتمم بنائے گئے۔ ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۷ء میں حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور دوسرے حضرات کو ڈابھیل لے جانے کا کارنامہ انھوں نے ہی انجام دیا تھا۔

مولانا احمد بزرگ اگرچہ سیدھے سادے بزرگ تھے، مگر ان میں انتظامی صلاحیتیں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ ڈابھیل کے معمولی مدرسہ تعلیم الدین کو جامعہ اسلامیہ تبدیل کر دینا ان کا عظیم کارنامہ ہے۔ اُن کے دورِ اہتمام میں برصغیر کے مختلف مقامات کے علاوہ افغانستان، بخارا اور یمن وحجاز تک کے طلبہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں جمع ہوگئے تھے۔

آپ کے صاحب زادے مولانا محمد سعید بزرگ بعد میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے مہتمم ہوئے اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی رہے۔

۵/ربیع الاول ۱۳۷۱ھ/۴/دسمبر ۱۹۵۱ء کو ۷۲/سال کی عمر میں وفات ہوئی۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۹۶-۹۷

حضرت مولانا رسول خان ہزارویؒ

دارالعلوم دیوبند کے ممتاز اساتذہ میں تھے۔ معقولات کے ساتھ منقولات میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ عمر عزیز کے تقریباً ۷۰ رسال درس وتدریس میں گزارے۔ سیکڑوں مشاہیر علماء نے آپ سے استفادہ کیا۔

۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء میں اچھڑیاں ضلع ہزارہ (موجودہ پاکستان) میں صواتی پٹھان خاندان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن ضلع ہزارہ کے مدارس میں حاصل کی۔ ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء میں دارالعلوم میں داخلہ لیا۔ منطق وفلسفہ میں حضرت مولانا غلام رسول خان ہزاروی سے خاص طور سے استفادہ کیا۔ ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کی۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد مدرسہ امدادالاسلام میرٹھ میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔

۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء میں انھیں دارالعلوم میں مدرس بنایا گیا۔ یہاں ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء تک منطق وفلسفہ کے علاوہ دوسرے علوم اور حدیث کا درس دیتے رہے۔ پھر لاہور چلے گئے اور وہاں اورینٹل کالج میں شعبۂ عربی کے استاذ مقرر ہوئے۔ ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء تک اورینٹل کالج لاہور میں تعلیم دیتے رہے۔ کالج سے ریٹائر ہونے کے بعد جامعہ اشرفیہ لاہور کے صدر مدرس مقرر ہوئے اور تادمِ آخر جامعہ اشرفیہ سے وابستہ رہے۔

حضرت مولانا رسول خاں صاحب معقولات کے ساتھ منقولات میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ علومِ نقلیہ وعقلیہ کو طالب علم کی استعداد کے مطابق اس طرح سمجھاتے تھے کہ مسئلہ شاگرد کے ذہن نشین ہوجاتا تھا۔ ان کا درس تفہیم کے لحاظ سے ممتاز سمجھا جاتا تھا۔ درسی تقریر جامع اور پرمغز ہوتی تھی۔ وجیہ اور پروقار تھے۔ تقریر کے وقت چہرے پر وقار برستا تھا۔ طرزِ بیان صاف اور مؤثر ہوتا تھا۔ ہر علم وفن کی کتابیں انھیں گویا ازبر تھیں۔ طلبہ ذوق وشوق سے ان کے درس میں شریک ہوتے تھے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت تھے اور خلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔

۳ر رمضان ۱۳۹۱ھ/ ۲۳ر اکتوبر ۱۹۷۱ء کو ۱۰۳ر سال کی عمر میں اپنے وطن اچھڑیاں میں وفات پائی اور وہیں آسودۂ خواب ہیں۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۹۷-۹۸؛ پچاس مثالی شخصیات، ص ۱۷۵

حضرت مولانا مظہر الدین شیرکوٹیؒ

ملک کے مشہور مقرر اور صحافی تھے۔ تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ کئی اخبارات کے ایڈیٹر اور

بانی تھے۔

شیرکوٹ ضلع بجنور وطن تھا۔ والد کا نام شیخ علی بخش تھا۔ مدرسہ الٰہیات کانپور میں تعلیم پائی۔ ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی۔ ۳۲-۱۳۳۱ھ/ ۱۴-۱۹۱۳ء کے دوران کچھ دنوں تک دارالعلوم میں مدرس بھی رہے۔

ملک کے مشہور اخبار 'مدینہ' بجنور کے ایڈیٹر رہے۔ بعدازاں دہلی سے پہلے سہ روزہ 'الاماں' جاری کیا۔ 'الاماں' اپنے دور میں ایک مقبول اخبار سمجھا جاتا تھا۔ ایک دوسرا اخبار روزنامہ 'وحدت' بھی جاری کیا۔ انھوں نے کئی تاریخی ناول بھی لکھے ہیں جو اس زمانے میں بڑے مقبول تھے۔

مدرسہ الٰہیات میں بھی خدمات انجام دیں۔ تحریک خلافت کے زمانے میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ جمعیۃ الانصار سے بھی متعلق رہے۔ جنگ بلقان کے زمانے میں کلکتہ میں قاسم المعارف سے وابستہ رہے اور ہلال احمر کے لیے چندہ جمع کیا۔ مسلم لیگ کے زبردست حامیوں میں سے تھے۔

رولٹ کمیٹی کی رپورٹ میں ان کی نسبت لکھا ہے: ''اس نے کلکتہ میں مولانا ابوالکلام آزاد کے تحت دارالارشاد میں بہ حیثیت استاد اور 'البلاغ' میں بہ حیثیت ایڈیٹر ملازمت قبول کرلی۔ وہ مولانا محمود حسن کا مرید ہے اور دیوبند کے خفیہ اجلاسوں میں شامل ہوا کرتا تھا۔''

۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء میں ان کے اخبار الاماں کے دفتر میں ان پر قاتلانہ حملہ ہوا اور اسی میں جاں بہ حق ہوئے۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص۱۰۲؛ تحریک شیخ الہند، ص۴۰۵-۴۰۶

حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ

تبلیغی جماعت کے بانی، حضرت شیخ الہند کے شاگرد اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔

۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۵ء میں کاندھلہ میں پیدا ہوائے۔ آپ کی تعلیم مظاہر علوم سہارن پور میں ہوئی، حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھویؒ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ سلوک کی تکمیل بھی حضرت مولانا خلیل احمدؒ سے کی۔ ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء میں حضرت شیخ الہندؒ کے درس میں شرکت کے لیے دارالعلوم دیوبند آئے اور ترمذی و بخاری کی سماعت کی۔

فراغت کے بعد اپنے والد مولانا محمد اسماعیل کاندھلویؒ کی جگہ بستی نظام الدین دہلی کی بنگلہ والی مسجد میں سکونت پذیر ہوگئے اور وہیں سے وہ انقلاب آفرین کارنامہ انجام دیا کہ جس کے دائرۂ کار میں آج دنیا

کے سارے اہم ممالک شامل ہیں اور اسلام کی دعوت وتبلیغ کا پیغام لے کر دنیا کے گوشے گوشے میں قافلے رواں دواں ہیں۔

آپ نے تبلیغ کا آغاز میواتیوں کی آبادی سے کیا جو دہلی کے نواح میں واقع ہیں۔ وہاں کی تیس لاکھ کی آبادی جو میوقوم پر مشتمل تھی جو خود کو مسلمان کہتی تھی لیکن کسی رخ سے مسلمان نظر نہیں آتی تھی۔ آپ کی انتھک جدوجہد نے ان میں انقلابِ عظیم پیدا کیا اور انھیں صراطِ مستقیم پر لگا دیا۔ آپ کی کوششوں سے نہ صرف ان کی اصلاح ہوئی بلکہ وہ اسلام کے داعی بن گئے۔ ان میں اتنی صلاحیتیں پیدا ہوگئیں کہ اب وہ ملکوں ملکوں گھوم پھر کر اسلام کا پیغام پہنچانے والے بن گئے۔

دہلی میں بستی حضرت نظام الدین کی بنگلہ والی مسجد آپ کا مستقر بنی رہی جو آج عالمی تبلیغی جماعت کا مرکز ہے جس کی سربراہی میں پوری دنیا میں تبلیغی جماعت کے کارواں شب و روز رواں دواں ہیں؛ حتی کہ یورپ و امریکہ کی سرزمین تک ان کی سرگرمیاں جاری ہیں۔ آپ کے بے پایاں خلوص وللّٰہیت کی وجہ سے اللہ نے اس تحریک کو ایسی کامیابی دی کہ قرونِ اولی کے علاوہ پوری اسلامی تاریخ میں اس کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔

آپ ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء سے ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء کی درمیان مدت میں دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن رہے۔

۱۲/جولائی ۱۹۴۴ء/ ۲۱/رجب ۱۳۶۳ھ کی شب کو دہلی میں انتقال ہوا۔

حوالہ: پچاس مثالی شخصیات، ص۱۴۲؛ کاروانِ رفتہ، ص۴۱-۴۲؛
اکابر علمائے دیوبند، ص۱۴۱-۱۴۵؛ دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی، ص۱۰۵

حضرت مولانا فضل ربی پشاوریؒ

تحریک شیخ الہند کے اہم ارکین میں تھے۔ افغانستان میں اہم عہدوں پر فائز رہے۔

ضلع پشاور کے رہنے والے تھے۔ ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کر کے اپنے وطن میں درس وتدریس میں مشغول ہوگئے۔

پہلی جنگِ عظیم کے شروع میں حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے یاغستان چلے گئے اور وہاں کے لوگوں کو برطانوی حکومت کے خلاف جنگِ آزادی کے لیے تیار کرتے رہے۔ جب حاجی ترنگ زئی نے انگریزوں کے خلاف عَلمِ جہاد بلند کیا تو یہ بھی ان کے ساتھ جنگ میں شریک رہے۔

تحریک ختم ہونے کے بعد افغانستان چلے گئے۔ وہاں اپنی علمی استعداد کی بنیاد پر حکومتِ افغانستان کے محکمۂ تعلیمات میں ملازم ہو گئے اور مختلف اعلی سرکاری عہدوں پر فائز رہے۔ مولانا موصوف جمعیۃ علمائے افغانستان کے ایک ممتاز رکن تھے۔ ان کی عمر کا بیشتر حصہ علمی اور سیاسی خدمات میں گزرا۔

تحریک شیخ الہند میں لکھا ہے: ''مولانا محمود حسن نے اسے مولوی سیف الرحمٰن کے ہمراہ جہاد کی تبلیغ کے لیے آزاد علاقہ میں بھیجا تھا۔ ۱۹۱۵ء کی بہت سی لڑائیوں کے لیے ذمہ دار ہے۔ جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔'' (تحریک شیخ الہند، مولانا محمد میاں دیو بندی، ص ۳۸۴)

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیو بند، دوم، ص ۱۰۲

حضرت مولانا مفتی ریاض الدین بجنوریؒ

حضرت مولانا مفتی ریاض الدین صاحب بجنوریؒ حضرت شیخ الہندؒ کے تلامذہ میں سے تھے۔ چند سالوں تک دارالافتاء میں بحیثیت مفتی وصدر مفتی خدمات انجام دیں۔ دارالعلوم میں مدرس اعلی بھی رہے۔

آپ افضل گڑھ ضلع بجنور کے رہنے والے تھے۔ ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی۔ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کے بعد ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۹ء کے اواخر میں آپ کو دارالافتا کی خدمات تفویض کی گئیں۔ دارالافتاء میں آپ نے اواخر ۱۳۴۹ھ تک اس منصب پر فائز رہے۔ کم وبیش دو سال کی اس مدت میں تقریباً ۷؍ہزار استفتاءات کے جوابات دارالافتاء سے دیئے گئے۔ دارالافتاء کی خدمات کے علاوہ عرصہ تک معقولات ومنقولات کی کتابیں بھی آپ سے متعلق رہیں۔

صفر ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۱ء میں آپ کو دارالافتاء سے شعبۂ تدریس میں منتقل کر دیا گیا۔

حضرت مولانا مفتی ریاض الدین صاحب بڑے خوش خلق انسان تھے۔ بہت نیک طبع، سادہ دل اور مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک تھے۔ اسی کے ساتھ بڑے ذی استعداد اور صاحب صلاحیت عالم تھے۔

۲۲؍ذی الحجہ ۱۳۶۲ھ/ ۱۸؍دسمبر ۱۹۴۳ء کو وفات پائی اور قبرستان قاسمی میں آسودۂ خواب ہیں۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیو بند، دوم، ص ۲۵۴

حضرت مولانا مفتی محمد سہول بھاگلپوریؒ

حضرت مولانا مفتی محمد سہول صاحب بھاگل پوریؒ، دارالعلوم دیو بند کے قدیم فضلاء میں سے ہیں۔

دارالعلوم میں صدر مفتی کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ مجلسِ شوری دارالعلوم کے رکن بھی رہے اور متعدد مدارس میں بڑے عہدوں پر فائز ہوئے۔

پورینی ضلع بھاگلپور (بہار) آپ کا وطن تھا۔ ۱۲۸۷ھ/ ۱۸۷۰ء میں پیدائش ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ پھر شہر بھاگلپور میں مولانا شاہباز کی خانقاہ واقع ملا چک میں مولانا اشرف عالمؒ کے حلقہ درس میں شامل ہوگئے۔ وہاں سے کان پور پہنچے اور مدرسہ جامع العلوم میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا محمد اسحٰق صاحب بردوانی سے تعلیم حاصل کی۔ پھر مدرسہ فیض عام میں رہ کر مولانا محمد فاروق چریا کوٹی، مولانا احمد حسن کانپوری اور مولانا نور محمد پنجابی سے تحصیل علم کی۔ کان پور سے طلب علم کا شوق ان کو حیدرآباد لے گیا۔ حیدرآباد کا سفر پیدل دو ماہ میں پورا کیا، حیدرآباد کے دوران قیام میں حضرت مفتی لطف اللہ علی گڑھی اور مولانا عبدالوھاب بہاری سے منطق، فلسفہ ہیئت، ادب اور اصول فقہ کی تحصیل کی۔ حیدرآباد سے دہلی پہنچ کر مولانا سید نذیر مونگیری صاحب کے درس میں شریک ہوئے۔

آخر میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور حضرت شیخ الہندؒ سے ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء میں حدیث کی تکمیل کی۔ دراز قد اور وجیہ تھے۔ جب دیوبند آتے اور اپنے استاذ حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں حاضری دیتے تو حضرت اٹھ کر معانقہ فرماتے، چوں کہ حضرت پستہ قد تھے اس لیے مزاحاً فرماتے: ''بھائی مولوی سہول آگئے، معانقہ کے لیے سیڑھی لگانی پڑے گی''۔ بے حد رقیق القلب تھے، صحابۂ عظام اور اسلاف کرام کا ذکر آتا تو ان کی آنکھیں اشک بار ہوجاتیں اور بات کرنا مشکل ہوجاتا۔ حضرت شیخ الہندؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور انھیں سے خلافت حاصل کی۔

فراغت کے بعد ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء میں دارالعلوم میں ہی تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء تک یہیں مدرس رہے، پھر مدرسہ عزیزیہ بہار شریف، مدرسہ عالیہ کلکتہ، مدرسہ عالیہ سلہٹ میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث رہے۔ ۱۹۲۰ء میں پٹنہ کے مدرسہ عالیہ شمس الہدیٰ میں پرنسپل مقرر ہوئے۔ ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۱ء سے ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء تک دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔ غرض کہ ۴۶ ربرس تک یوپی، بہار بنگال اور آسام کے بڑے بڑے مدارس میں تدریسی وانتظامی خدمات انجام دیتے رہے۔

حضرت مولانا محمد سہول صاحبؒ نے ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶ء سے ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء تک تقریباً تین سال دارالافتاء میں صدر مفتی کے فرائض انجام دیئے۔ آپ کے زمانے میں ۱۵۱۸۵ رفتاویٰ دارالافتاء سے روانہ کیے گئے۔

۱۳ رجب ۱۳۶۷ھ/ ۲۳ رمئی ۱۹۴۸ء کو اپنے وطن پورینی وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد دوم، ص ۲۵۶

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ گنگوہیؒ

حضرت مفتی کفایت اللہ گنگوہیؒ، دارالعلوم کے مفتی تھے۔حضرت شیخ الہندؒ کے خاص شاگردوں میں تھے۔عرصہ تک رمضان المبارک میں آپ نے تراویح میں حضرت شیخ الہند کو قرآن سنایا۔آپ نہایت خوش خلق اور متواضع تھے، آپ کی زندگی بہت سادہ تھی۔مسائل فقہیہ میں نظر بہت عمیق اور فقہی مذاہب میں آپ کی واقفیت بہت وسیع تھی۔آپ کی فقہی بصیرت کو پیش نظر رکھتے ہوئے دارالعلوم دیوبند میں مفتی کی حیثیت سے آپ کا انتخاب ہوا تھا۔

آپ کے ہی کے ہم نام مفتی کفایت اللہ شاہجہاں پوری ثم دہلوی مشہور مفتی و عالم ہوئے ہیں، وہ بھی دارالعلوم کے فاضل اور حضرت شیخ الہندؒ کے خصوصی شاگرد تھے۔

آپ نے ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی۔مختلف مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں۔۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء میں دارالعلوم کے دارالافتاء کے لیے آپ کو منتخب کیا گیا جہاں ایک سال تک فتوی نویسی کی خدمات انجام دیتے رہے۔آپ کے زمانہ میں دارالافتاء سے ۵۸۴۰ر فتاویٰ روانہ کیے گئے۔

۱۳۵۹ھ/ ۱۹۴۰ء کے اوائل میں آپ کو دارالافتاء سے شعبۂ تدریس میں منتقل کر دیا گیا۔۱۳۶۳ھ /۱۹۴۴ء میں مولانا کفایت اللہ صاحبؒ دارالعلوم سے مستعفی ہوکر میرٹھ چلے گئے۔وہاں درس و تدریس کا مشغلہ رہا۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد دوم، ص ۲۵۷

حضرت مولانا مفتی محمد فاروق انبیٹھویؒ

حضرت مولانا حکیم مفتی محمد فاروق صاحب انبیٹھوی ثم بھاولپوری، دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی کے منصب پر فائز ہوئے اور بعد میں جامعہ عباسیہ بھاولپور کے شیخ الحدیث بھی ہوئے۔آپ جماعت دیوبند کے مشہور عالم و بزرگ حضرت مولانا صدیق احمد انبیٹھویؒ کے فرزند ہیں۔

حضرت مفتی فاروق احمد صاحب کی پیدائش انبیٹھہ ضلع سہارن پور میں ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء میں ہوئی۔ آپ کا نسب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔آپ نے شروع سے لے کر آخر تک تمام درسی کتب اپنے والد حضرت مولانا صدیق احمد انبیٹھوی صاحبؒ سے پڑھیں۔علم حدیث کی تکمیل حضرت

مولانا احمد حسن امروہویؒ سے کی۔

۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود حسن صاحبؒ سے دوبارہ حدیث پڑھ کر سند فراغ حاصل کی۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ آپ کے ہم جماعت تھے۔ علم طب کی تعلیم بھی حاصل کی جس میں آپ کے استاذ حکیم اجمل خان کے چھوٹے بھائی حکیم عبدالمجید خان صاحب تھے۔ کچھ عرصہ تک کامیاب مطب کیا مگر جب یہ تدریس میں حائل ہوا تو اسے چھوڑ کر آپ تدریس میں مشغول ہوگئے۔

۱۵ر فروری ۱۹۱۵ء/ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ کو بھاولپور تشریف لے گئے اور تدریس کا آغاز کیا۔ تدریس کے ساتھ انسپکٹر مدارس دینیات کے منصب پر بھی کام کرتے رہے۔ ۱۹۲۵ء میں جب جامعہ عباسیہ بھاولپور کی بنیاد رکھی گئی تو مولانا غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ اور آپ شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے اور ۱۹۴۳ء تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ جامعہ عباسیہ بھاول پور میں درس وتدریس کے ساتھ افتاء کی خدمات بھی انجام دیں۔

۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء میں دارالافتاء دارالعلوم کے صدر مقرر ہوئے جہاں آپ نے ایک سال سے زائد مدت تک دارالافتاء کے فرائض انجام دیے۔ دارالعلوم میں آپ کے زمانے میں دارالافتاء سے ۸۴۲۷ر فتاویٰ لکھے گئے۔

۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء میں ریاست بھاول پور کی وزارت تعلیم کی جانب سے مولانا فاروق احمد صاحبؒ پر زور ڈالا گیا کہ وہ اپنی سابقہ جگہ پر بھاول پور تشریف لے آئیں، چنانچہ مولانا بھاول پور چلے گئے اور وہاں جامعہ عباسیہ بھاول پور کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔ کچھ دنوں تک مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بھاول پور میں بھی صدر مدرس رہے۔ ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۰ء میں اپنے ضعف ونقاہت کی وجہ سے سبکدوش ہوکر خانہ نشیں ہوگئے تھے۔

تدریس میں اس قدر مشغولیت رہتی تھی کہ جامعہ کے بعد گھر پر بھی بیسیوں طلبہ کو مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھایا کرتے تھے۔ آپ نے بخاری شریف کی اسناد کو ایک نقشہ کی صورت میں مرتب کیا تھا جسے اہل علم نے نہایت قدر کی نگاہوں سے دیکھا۔ نیز آپ کی دوسری کاوش قوت المغتذی علی جامع الترمذی (العسقلانی والعینی) ہے جو بخاری شریف پر تحقیقی کام ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور کتابیں بھی لکھیں جو مسودہ کی شکل میں ورثہ کے پاس محفوظ ہیں اور طبع نہ ہوسکیں۔

اخیر عمر میں مستقل طور پر بھاولپور میں رہنے لگے تھے۔ ۲۷ رمضان ۱۳۹۵ھ/ یکم اکتوبر ۱۹۷۵ء کو آپ کا انتقال ہوا۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد دوم، ص ۲۵۷

حضرت مولانا شائق احمد عثمانیؒ

دارالعلوم دیوبند کے ایک ممتاز فاضل، ادیب اور صحافی تھے۔

۲۵/ربیع الاول ۱۳۱۱ھ/ ۶/اکتوبر ۱۸۹۳ء تاریخ پیدائش ہے۔ بہار میں پورینی ضلع بھاگل پور وطن تھا۔ ابتدائی تعلیم پورینی اور مونگیر میں ہوئی۔ پورینی میں جب مدرسہ نعمانیہ قائم ہوا تو اس میں داخل ہوگئے۔ اردو، فارسی اور انگریزی تعلیم کے بعد ۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء میں دارالعلوم میں داخل ہوئے اور ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں دورۂ حدیث میں شریک ہوکر امتیازی نمبرات سے کامیابی حاصل کی۔

۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء میں ایک سال کے لیے دارالعلوم میں تدریسی خدمات بھی انجام دیں۔ لیکن جب اسی سال حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے دہلی میں مجلس نظارۃ المعارف قائم کی تو مولانا عثمانی نے وہاں رہ کر قرآن مجید کے علوم ومعارف کے استفادے کے ساتھ مولانا سندھیؒ سے سیاسی تربیت بھی حاصل کی۔

مولانا عثمانی کچھ مدت تک خانقاہ مونگیر سے بھی وابستہ رہے۔ اس زمانے میں بہار کے بعض اضلاع میں قادیانیت کا فتنہ سرابھار رہا تھا، حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ نے اس فتنے کی سرکوبی کے لیے بڑا کام کیا۔ قادیانیت کے رد میں خود بھی کئی کتابیں لکھیں اور دوسروں سے بھی لکھوائیں، اسی غرض سے خانقاہ رحمانی میں ایک پریس بھی لگایا گیا اور ایک ماہنامہ کا اجراء بھی عمل میں آیا جس کی ادارت مولانا عثمانی کے سپرد ہوئی۔

تحریک خلافت کے زمانے میں وہ کلکتہ چلے گئے اور وہاں بنگال خلافت کمیٹی کے شعبۂ نشر واشاعت کے انچارج مقرر ہوئے۔ اس زمانے میں انھوں نے تحریک خلافت میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ ۱۹۲۲ء میں ایک سال قید بامشقت بھی کاٹی۔

۱۹۲۱ء میں انھوں نے کلکتہ سے ایک روزنامہ 'عصر جدید' کے نام سے جاری کیا۔ ابھی اس اخبار کو جاری کیے ہوئے ایک مہینہ ہی گزرا تھا کہ مولانا عثمانی کو دفعہ ۵۰۵ تعزیرات ہند کے تحت ایک سال قید بامشقت کی سزا ہوگئی۔ یہ وہی دفعہ تھی جس کے تحت کراچی کا مشہور تاریخی مقدمہ چلایا گیا تھا جس میں حضرت مولانا مدنیؒ اور علی برادران وغیرہ شامل تھے۔

قید سے رہائی کے بعد بھی اخبار جاری رہا۔ فروری ۱۹۴۸ء میں آپ کلکتہ سے کراچی چلے گئے اور وہاں 'عصر جدید' جاری کیا، مگر وہاں یہ اخبار تین سال جاری رہ کر بند ہوگیا۔ 'عصر جدید' نے تحریک خلافت اور ملتِ اسلامیہ کی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ یہ روزنامہ کم وبیش تیس سال تک پورے شمال مشرقی ہندوستان میں قرآنی سیاست کی تبلیغ کرتا رہا۔ حضرت شیخ الہندؒ کے علمی فیوض کی اشاعت بھی 'عصر جدید' کا

اہم کارنامہ تھا۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس اخبار کے بارے میں فرمایا تھا کہ میں 'عصر جدید' کو ایک اخبار نہیں ایک تبلیغی ادارہ سمجھتا ہوں۔ عصر جدید کی تیس سالہ فائل پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی کراچی کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔

مولانا شائق احمد عثمانی کو قرآن مجید سے بہت شغف تھا، انھوں نے آخری دو پاروں کے علاوہ اور بھی کئی سورتوں کی تفسیریں لکھیں جو عام طور پر بہت مقبول ہوئیں۔ نوجوانوں کو بامقصد زندگی سے آشنا کرنے کے لیے انھوں نے کئی ناول بھی لکھے، ایک بڑا ناول 'دلیلی' شائع بھی ہو چکا ہے۔

۱۹۶۳ء میں بینائی سے محروم ہو گئے تھے، لیکن علمی مشغلہ جاری رہا۔ کراچی میں ۲۶/اگست ۱۹۷۸ء کو وفات ہوئی۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۰۸-۱۰۹؛ مشاہیر علمائے دیوبند، ص ۲۰۷-۲۰۸؛ وفیات ناموران پاکستان، ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ، اردو سائنس بورڈ لاہور ۲۰۰۶ء، ص ۳۸۷

حضرت مولانا خواجہ عبدالحئی فاروقیؒ

مشہور عالم دین، مصنف اور ماہر سیاسیات تھے۔

والد کا نام خواجہ عبدالرحیم تھا۔ پنجاب میں ضلع گرداسپور کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے تعلیم حاصل کی اور وہاں کے قابل گریجویٹ تھے۔

۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء میں دارالعلوم میں حضرت شیخ الہندؒ سے حدیث کی تکمیل کی۔

فراغت کے بعد میرٹھ کالج میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ اسی درمیان نظارۃ المعارف القرآنیہ میں حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے وابستہ رہے۔ یہاں تین سال پڑھانے کے بعد کلکتہ چلے گئے اور مولانا ابوالکلام آزادؒ سے دارالارشاد میں استفادہ کیا۔

اس کے بعد لاہور میں قیام کیا اور درسِ قرآن دینے کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کے درس میں جدید تعلیم یافتہ طبقے کے افراد شریک ہوتے تھے۔ ان کے درس قرآن کا انداز یہ تھا کہ نوجوان طبقے کو قرآن حکیم کی تعلیم اس طرح دی جائے کہ وہ صحیح اسلامی روح سے روشناس ہو جائیں اور اسلامی شعائر کے ایسے پابند ہو جائیں کہ وہ خود فیصلہ کریں کہ انھیں کس طرح اپنی زندگی گزارنی چاہیے، اور اسی کے ساتھ وطن کی آزادی کی جدو جہد کو وہ اپنے اوپر لازم کرلیں۔

تحریک عدم تعاون کے زمانے میں آپ جامعہ ملیہ اسلامیہ علیگڈھ اور دہلی سے بھی وابستہ ہوئے اور وہاں میں تفسیر کے استاذ اور شعبۂ دینیات کے ناظم رہے۔ تدریس کا یہ مشغلہ تقسیم ہند تک جاری رہا۔

حضرت شیخ الہندؒ کی تحریکِ آزادئ ہند سے آپ کو گہرا تعلق تھا۔ ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۷ء میں تحریک آزادی سے وابستگی کی وجہ سے لاہور میں نظر بند کر دیا گیا جس سے ۱۳۳۸ھ میں رہائی ملی۔ جنود ربانیہ میں ان کا نام کرنل کی فہرست میں شامل ہے۔

تقسیم کے بعد پھر لاہور آ گئے اور اسلامیہ کالج لاہور میں اسلامیات کے پروفیسر مقرر ہوئے اور آخر دم تک یہ فرائض انجام دیتے رہے۔ یہاں علماء کا ایک بورڈ بنا کر درسِ قرآن کے نام سے پورے قرآن مجید کی متعدد جلدوں میں تفسیر لکھی ہے۔ یہ تفسیر بہت سہل اور آسان ہے۔ اس میں کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ معانی سمونے کی کوشش کی گئی ہے۔

انھیں قرآن مجید کی تفسیر سے خاص شغف تھا۔ انھوں نے قرآن کی مختلف سورتوں کی علیٰحدہ علیٰحدہ حصوں میں تفسیر لکھی ہے۔ یہ تفسیر زبان وبیان کے لحاظ سے بہت سہل، آسان اور طرزِ نگارش سلیس اور شگفتہ ہے۔ مختلف سورتوں کی تفسیرات کی تفصیل یوں ہے: (۱) بصائر بنی اسرائیل کے واقعات وحوادث اور فرعون کے طرز عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے قرآن مجید کا فلسفۂ تاریخ بیان کیا ہے، ان حالات کو اپنی غلامی اور برطانوی حکومت کے طرزِ عمل پر منطبق کیا ہے۔ (۲) الخلافۃ الکبریٰ: یہ سورۂ بقرہ کی تفسیر ہے، اس میں انھوں نے بتایا ہے کہ مسلمانوں کے موجودہ تنزل کا سبب یہ ہے کہ انھوں نے مجاہدانہ زندگی ترک کر دی ہے، حالاں کہ دنیا میں ان کا وجود خداوند تعالیٰ کے کلام کی نشر واشاعت اور مجاہدانہ قوت کے لیے ہے۔ (۳) بیان: سورۂ آل عمران کی تفسیر ہے، اس میں الوہیت مسیح، معجزات ابن مریم اور وفات وحیات مسیح پر حکیمانہ بحث ہے۔ (۴) سبیل الرشاد، تفسیر سورۂ حجرات (۵) برہان: تفسیر سورۃ النور (۶) عبرت: تفسیر سورۂ یوسف (۷) صراط مستقیم: تفسیر سورۂ انفال وتوبہ (۸) سبل السلام: تفسیر سورۂ مجادلہ تا سورۃ التحریم (۹) ذکریٰ: تفسیر پارۂ عم (۱۰) اسباب النزول۔

مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی کے لیے بچوں کے لیے بھی حسب ذیل کتابیں لکھیں: (۱) حالات قرآن مجید (۲) نبیوں کے قصے (۳) ارکان اسلام (۴) ہمارے نبی (۵) پیارے رسول (۶) خلفائے اربعہ

۵؍رمضان ۱۳۸۴ھ/ ۸؍جنوری ۱۹۶۵ء کو لاہور میں انتقال ہوا۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۱۰-۱۱۱؛ مشاہیر علمائے دیوبند، ص ۲۶۲-۲۶۴

حضرت مولانا عبدالشکور دیوبندیؒ

آپ ایک بلند پایہ عالم دین، مقبول مدرس اور بافیض استاذ تھے۔

دیوبند کے شیوخ خاندان سے تھے، آپ کے والد کا مولانا نورالحسن نقشبندی تھے، آپ کے دادا مولانا شمس الدین حضرت سید احمد شہیدؒ کے حلقۂ بیعت میں شامل تھے۔ دارالعلوم میں تعلیم پائی اور ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

مدرسہ صدیقیہ دہلی اور مدرسہ حسین بخش دہلی میں مدتوں تدریس کی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۶۳ھ/ ۱۹۴۴ء میں دارالعلوم میں تدریس کے لیے ان کا تقرر ہوا۔ شوال ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء میں حجاز چلے گئے اور مدرسۃ العلوم الشرعیۃ مدینہ منورہ میں مدرس مقرر ہوگئے۔ حجاز میں اللہ تعالیٰ نے ان کے درس کو بڑی مقبولیت بخشی اور ہزارہا عرب وعجم کے طلبہ ان کے درس سے فیض یاب ہوئے۔

مولانا موصوف کی شخصیت اپنے علم وفضل، زہد وتقویٰ، ایثار وانکسار اور اخلاص وسادگی کا ایک پرکشش مجموعہ تھی۔ ان کی ساری عمر قرآن کریم، تفسیر اور حدیث کے درس اور خدمت میں گزری۔ قرآن کریم کے جید حافظ تھے، ایسے دل گداز اور تاثیر میں ڈوبے ہوئے لہجے میں قرأت کرتے کہ سننے والوں پر وجد کی کیفیت طاری ہوجاتی۔

جمادی الاولیٰ ۱۳۸۳ھ/ ستمبر ۱۹۶۳ء میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۱۲-۱۱۳؛ مشاہیر علمائے دیوبند، ص ۲۹۸

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالعلی لکھنویؒ

ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم، حکیم وڈاکٹر اور مشہور عالم دین تھے۔ حضرت مولانا حکیم عبدالحی صاحبؒ ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ ومصنف نزہۃ الخواطر کے فرزند اکبر اور حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے برادر اکبر اور مربی تھے۔

وطن رائے بریلی میں تکیہ شاہ علم اللہ تھا، مگر لکھنؤ میں قیام تھا۔ ۲۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۱ھ/ یکم دسمبر ۱۸۹۳ء کو پیدا ہوئے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم پائی۔ طب اپنے والد بزرگوار سے پڑھی۔ ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء میں دارالعلوم دیوبند آکر حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت علامہ انورشاہ کشمیریؒ وغیرہ سے صحاح ستہ کی تکمیل کی۔ بعد ازاں انگریزی کی جانب متوجہ ہوئے اور کیننگ کالج لکھنؤ سے ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء میں بی ایس سی کے

امتحان میں فرسٹ آئے۔ دہلی میں حکیم اجمل خاں صاحب سے بھی استفادہ کیا، آخر میں لکھنؤ میڈیکل کالج میں داخلہ لیا اور ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء میں ڈاکٹری کا امتحان پاس کر کے لکھنؤ میں مطب شروع کیا۔

انگریزی تعلیم اور ڈاکٹر ہونے کے باوجود ان کی زندگی سادہ اور اپنے اسلاف کا نمونہ تھی۔ مغربی تہذیب کو قریب سے دیکھنے اور اس نظامِ تعلیم میں برسوں تک رہنے کے باوصف اس کے سخت ناقد تھے۔ ان میں قدیم وجدید تہذیب وثقافت اور مشرقی ومغربی علوم کا نہایت حسین اور دل آویز امتزاج تھا۔ انگریزی اور ڈاکٹری کی تعلیم کے دوران بھی ان کی وضع قطع اور معاشرت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

جون ۱۹۳۱ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم منتخب کیے گئے اور نظامت کے فرائض تادم واپسیں انجام دیتے رہے۔ مسلسل تیس سال تک ناظم کے منصب پر فائز رہے، ان کے عہد میں ندوہ نے نمایاں ترقی کی۔

۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۸ء سے ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۱ء تک دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بیعت کا تعلق تھا اور ملکی وسیاسی امور میں جمعیۃ علمائے ہند سے وابستہ رہے۔

۲۲/ ذوالقعدہ ۱۳۸۰ھ/ ۷/ مئی ۱۹۶۱ء کو لکھنؤ میں وفات پائی اور تکیہ شاہ رائے بریلی میں اپنے آبائی قبرستان میں سپرد خاک کیے گئے۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۱۳-۱۱۴

تذکرہ مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلیؒ، مولانا ابوالحسن علی ندوی، مطبوعہ سید احمد شہید اکیڈمی

حضرت مولانا مبارک حسین سنبھلیؒ

۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۸ء میں سنبھل ضلع مرادآباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں پائی۔ ان کے والد صاحب نے ایک پشاوری عالم کو مکان پر رکھ کر تعلیم کا انتظام کیا۔ استاذ کو چوں کہ معقولات پر زیادہ عبور تھا، اس لیے وہی رنگ شاگرد میں سرایت کر گیا۔ منطق وفلسفہ سبھی چھوٹی بڑی کتابیں پڑھیں۔ ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء میں فراغت حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ عرصہ تک حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ اسفار میں رہے۔ مناظرہ اور مجاہدانہ سرگرمیوں کا ذوق زمانۂ طالب علمی سے ہی تھا، علمی ترقی کے ساتھ اس میں بھی ترقی ہوتی گئی۔ ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۲ء میں بریلی کے ایک مناظرہ میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کے ساتھ شریک ہو کر زبردست کامیابی حاصل کی اور 'شیر اسلام' کے لقب سے نوازے گئے۔

۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۵ء میں انھوں نے میرٹھ میں قاسم العلوم کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ ۱۳۳۸ھ

مطابق ١٩١٩ء میں جب مولانا قاضی بشیرالدین اور حاجی تہور علی صاحبان نے دیوبندی مسلک کی اشاعت کے لیے 'دارالعلوم' کے نام سے مدرسہ قائم کیا تو حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھویؒ کے مشورہ سے صدر مدرس کی حیثیت سے ان کا انتخاب کیا گیا۔ یہ تحریک خلافت کا زمانہ تھا، مولانا مبارک حسین میرٹھ میں درس و تدریس کے ساتھ ضلع میرٹھ کی خلافت کمیٹی کی نظامت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ ملک کی آزادی کی جدوجہد میں وہ ہمیشہ جمعیۃ علمائے ہند کے سرگرم کارکن رہے۔ مدرسہ دارالعلوم میں ان کی وجہ سے دن بدن جب طلبہ کی تعداد بڑھنے لگی تو ١٩٢٥ء میں انھوں نے وسط شہر میں مدرسہ کے دارالاقامہ کی عمارت بنوائی اور اس کا سنگِ بنیاد حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے ہاتھوں نے رکھوایا۔ یہ عمارت 'یادگار شیخ الہند' کے نام سے موسوم ہے اور یہ مدرسہ میرٹھ کی شاہی جامع مسجد میں ہے۔

جمادی الاولی ١٣٦١ھ/ جون ١٩٤٢ء میں وفات پائی اور مدرسہ دارالعلوم میرٹھ کے صحن میں دفن کیے گئے۔ 'زینت آستان دارالعلوم' سے ان کی وفات کا سن نکلتا ہے۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص١١٤-١١٥

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ

مشہور خانقاہ رائے پور کے شیخ طریقت اور بہت سے علمائے دیوبند کے مقتداو شیخ تھے۔

موضع ڈھڈیاں ضلع سرگودھا میں ١٢٩٥ھ/ ١٨٧٨ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کی تکمیل حضرت نانوتویؒ کے شاگرد رشید حضرت مولانا عبدالعلی میرٹھیؒ سے مدرسہ عبدالرب دہلی میں کیا۔ اسی دوران حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے درسِ حدیث میں شرکت کی۔

تصوف وسلوک کی تکمیل حضرت مولانا عبدالرحیم رائے پوریؒ سے کی اور پھر پوری زندگی اپنے شیخ کے قدموں میں گزار دی۔ شیخ نے آپ کو اپنا خلیفہ وجانشین بنایا۔

آپ زندگی بھر یادِ حق اور خدمتِ خلق میں لگے رہے۔ ہمیشہ صبر واستقامت کے ساتھ ذکر وفکر اور ریاضت ومجاہدہ میں مشغول رہے۔ چناں چہ ١٣٣٧ھ/ ١٩١٩ء میں اپنے شیخ کے انتقال کے بعد مسندِ ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے اور پورے ٤٥ر سال تک تلقین وارشاد کی مسند سجائے رکھی۔ اپنے عمل واخلاص سے شریعت وطریقت کو دنیا میں عام کیا اور سینکڑوں علماء ومشاہیر کو روحانی منازل طے کرائے اور لاکھوں مسلمانوں کو فسق وفجور اور رسوم وبدعات سے توبہ کرائی۔ آپ نہایت متواضع، خوش اخلاق اور سادہ طبیعت

کے مالک تھے۔فنائیت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے اور اپنے متوسلین کو بھی سادگی وفنائیت کی ہدایت فرماتے تھے۔حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ وغیرہ جیسے بہت سے مشاہیر آپ کے خلفاء ومجازین میں شامل ہیں۔

آپ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ پہلے ۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۱ء میں ایک سال تک اور پھر ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۷ء سے ۱۳۸۲ھ/ ۱۳۶۲ھ تک۔

۱۴/ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ/ ۱۵/ اگست ۱۹۶۲ء کو انتقال ہوا اور ڈھڈیاں سرگودھا کی مسجد کے قریب تدفین عمل میں آئی۔

دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات، ص۱۶۴؛ دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی، ص۱۰۵
مشاہیر علمائے دیوبند، ص۳۱۴-۳۲۷

حضرت مولانا شبیر علی تھانویؒ

حضرت تھانویؒ کے حقیقی بھتیجے تھے۔مظاہر علوم سہارن پور کے سرپرست اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری کے رکن بھی رہے۔

آپ کے والد جناب اکبر علی صاحب تھے۔اپنے وطن تھانہ بھون میں ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء میں پیدا ہوئے۔مولانا عبداللہ گنگوہی مصنف تیسیر المبتدی سے ابتدائی تعلیم اپنے وطن کے مدرسہ امداد العلوم میں پائی۔کچھ دن تک اپنے والد کے پاس رہ کر انگریزی پڑھی۔پھر مظاہر علوم سہارن پور پڑھا اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے علمی وروحانی فیض حاصل کیا۔آخر میں ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۲ء میں دارالعلوم دیوبند سے علوم کی تکمیل کی۔مثنوی مولانا روم اپنے عم بزرگوار حضرت تھانویؒ سے سبقاً سبقاً پڑھی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد تھانہ بھون میں حضرت تھانویؒ کی تصانیف کی اشاعت کے لیے اشرف المطابع کے نام سے ایک پریس قائم کیا۔'التبلیغ' اور 'النور' کے نام سے ماہانہ رسائل جاری کیے۔حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے ساتھ مل کر تفسیر بیان القرآن کا خلاصہ 'تلخیص البیان' کے نام سے شائع کیا۔اسی طرح حضرت تھانویؒ کی کلید مثنوی کے کچھ بقایا حصے مکمل کر کے 'شرح شبیری' کے نام سے شائع کیے۔حضرت تھانویؒ کی تصانیف، مواعظ وملفوظات، اعلاء السنن اٹھارہ جلدوں کی ضخیم کتاب اور احکام القرآن وغیرہ کتب کی طباعت کا مکمل انتظام آپ ہی کا کام تھا۔

خانقاہ امدادیہ میں ابتدائی عربی کتب کی تدریس کے ساتھ ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۸ء سے ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۴۹ء تک خانقاہِ امدادیہ کے منتظم بھی رہے۔ حضرت تھانویؒ کے انتقال کے بعد مظاہر علوم کی مجلس شوریٰ نے آپ کو ۲۳ر ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ/ ۱۷ر اپریل ۱۹۴۴ء کو مظاہر علوم کا سرپرست منتخب کیا اور پاکستان ہجرت تک اس منصب پر فائز رہے۔ ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء سے ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۷ء تک دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی رہے۔

آپ علم وعمل میں بے نظیر تھے۔ نہایت متواضع، منکسر المزاج، صبر تحمل کے پیکر، مہمان نواز اور سادہ طبیعت کے مالک تھے۔

قیام پاکستان کے بعد مکہ مکرمہ چلے گئے، وہاں ایک دو سال قیام کے بعد پاکستان منتقل ہو گئے۔ ۲۸ر رجب ۱۳۸۸ھ/ ۲۰ر اکتوبر ۱۹۶۸ء کو کراچی میں وفات پائی اور ناظم آباد قبرستان میں حضرت ظفر احمد عثمانی اور حضرت مولانا عبدالغنی پھول پوریؒ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۱۵-۱۱۶؛ مشاہیر علمائے دیوبند، ص ۲۱۵-۲۱۹

مولانا احسان اللہ خان تاجورؒ

اردو کے مایۂ ناز ادیب، استاد شاعر اور مشہور صحافی تھے۔

۱۳۱۱ھ/ ۱۸۹۲ء میں نجیب آباد میں پیدا ہوئے۔ روہیلہ افغان خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن نجیب آباد میں پائی۔ بعد ازاں مزید تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۳ء میں فراغت حاصل کی۔

زمانۂ طالب علمی ہی سے عربی اور اردو زبان وادب سے شغف تھا۔ اسی وقت سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ اردو شاعری میں انھیں اگرچہ رسؔا رام پوری سے تلمذ تھا، مگر دارالعلوم کے زمانۂ طالب علمی میں حبیب وحشی دیوبندی سے بھی اصلاح لیتے تھے۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد لاہور چلے گئے۔ وہاں اس زمانے کے مشہور رسالہ 'مخزن' کی ادارت میں شریک ہو گئے جس کے مالک سر عبدالقادر تھے۔ لاہور سے جب 'ہمایوں' جاری ہوا تو مولانا تاجورؔ اس رسالہ سے وابستہ ہو گئے۔ اسی زمانے میں لاہور کے دیال سنگھ کالج میں اردو اور فارسی کے لیکچرار مقرر ہو گئے۔ لاہور میں جلد ہی نوجوان شعراء اُن کے گرد جمع ہو گئے۔ ان میں سے بہت سوں نے آگے چل کر شہرت اور ناموری حاصل کی۔ مولانا تاجورؔ نے لاہور میں 'انجمن اربابِ ادب' قائم کی جس کے اہتمام میں

جگہ جگہ مشاعرے ہونے لگے۔ انھوں نے اردو شاعری میں بعض اجتہادات بھی کیے ہیں۔ انجمن اربابِ ادب کے علاوہ انھوں نے 'اردو مرکز' کے نام سے تصنیف وتالیف کا ایک ادارہ قائم کیا جس میں ان کی نگرانی میں اصغؔر گونڈوی، گویاؔ جہان آبادی، مجنوںؔ گورکھپوری، جگرؔ مرادآبادی، اختؔر شیرانی اور طالبؔ میرٹھی جیسے باکمال شعراء نے اردو کے تمام مشہور نثر نگاروں اور شعراء کے کلام کے انتخاب کئی جلدوں میں ترتیب دیا۔ ۱۹۳۱ء کے اواخر میں انھوں نے 'ادبی دنیا' کے نام سے ایک معیاری رسالہ جاری کیا اور کچھ عرصہ کے بعد ایک اور رسالہ 'شاہکار' کے نام سے نکالا۔

مولانا تاجورؔ کو نظم ونثر دونوں پر قدرت حاصل تھی۔ ان کے ادبی کمالات کا شہرہ پنجاب سے گزر کر پورے ملک میں پھیلا ہوا تھا۔ آخر میں انھیں برطانوی حکومت کی جانب سے 'شمس العلماء' کا خطاب دیا گیا اور ہندوستان کے ادبی حلقوں نے انھیں 'ادیب الملک' کے خطاب سے سرفراز کیا۔

۳۰ر جنوری ۱۹۵۱ء (۱۳۷۱ھ) میں لاہور میں انتقال ہوا۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۱۶-۱۱۷

حضرت مولانا عزیر گل پشاوریؒ

مشہور مجاہد آزادی، اسیر مالٹا اور اہل دل عالم دین تھے۔

۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوئے۔ قصبہ زیارت کاکا صاحب ضلع پشاور کے باشندے ہیں۔ ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کر کے حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک آزادی کے ممبر بن گئے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے جاں نثار خادم تھے۔

حضرت شیخ الہندؒ کی جماعت کے بہت پُرجوش اور سرگرم کارکن تھے۔ تحریک کے بہت اہم اور عظیم الشان کام انھوں نے بڑی قابلیت سے انجام دیے۔ حاجی ترنگ زئی اور تحریک کے دوسرے اراکین تک خطوط اور پیغامات کا پہنچانا انہی کے ذمہ تھا۔ حضرت شیخ الہندؒ کے معتمدِ خاص ہونے کے ساتھ خزانچی بھی تھے۔ ۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء میں حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ حجاز گئے اور جب حضرت کو گرفتار کر کے مالٹا میں نظر بند کیا گیا تو یہ بھی ان کے ساتھ مالٹا میں نظر بند رہے اور ساتھ ہی میں ہندوستان واپس آئے۔ جنودِ ربانیہ کی فہرست میں ان کا عہدہ کرنل بتایا گیا ہے۔

تحریکِ خلافت کے زمانے میں دیوبند کی خلافت کمیٹی کے صدر بنائے گئے۔ دوسری جنگِ عظیم سے

قبل رڑکی کے مدرسہ رحمانیہ میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔ قیام رڑکی کے دوران سابقہ اہلیہ کے انتقال کے بعد ایک نومسلم انگریز خاتون سے نکاح کرلیا تھا۔ یہ انگریزی خاتون مدت سے رڑکی میں رہائش پذیر تھیں، انگلستان کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور اسلام کا مطالعہ کررہی تھیں۔ اس سلسلہ میں اپنے ذہنی اشکالات رفع کرنے کے لیے ان کی آمد ورفت مولانا کے پاس رہتی تھی۔ مشرف باسلام ہوکر تصوف کی جانب اُن کا میلان بڑھ گیا تھا اور انھیں محسوس ہوا کہ نکاح کے بغیر انھیں تصوف کی راہ میں مشکلات درپیش ہیں۔ انھوں نے اپنی اس پریشانی کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا سے نکاح کی خواہش کا اظہار کیا، جسے اُن کے اصرار پر مولانا نے منظور کرلیا۔

تقسیم ملک کے زمانے میں مولانا اپنی نومسلم اہلیہ اور بچوں کو لے کر اپنے وطن پشاور چلے گئے۔ وہاں ایک مدت تک ملاکنڈ ایجنسی کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں گوشہ نشینی کی طویل زندگی گزاری اور ۱۶/نومبر ۱۹۸۹ء/ ۱۶/ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ کو انتقال کیا۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۱۷-۱۱۸

(مضمون کی کچھ معلومات انٹرنیٹ کے ذریعہ مفتی احمد الرحمٰن مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن کے مضمون مطبوعہ ہفت روزہ القلم اور شخصیات سرحد مرتبہ محمد شفیع صابر سے لی گئی ہیں)

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

مشہور عالم دین، صاحب طرز ادیب، مؤرخ، محقق، مصنف اور جامع علمی شخصیت کے مالک تھے۔ وہ بہار کی مردم خیز سرزمین کے دُرِّ شاہوار تھے۔

۹/ربیع الاول ۱۳۱۰ھ/ یکم اکتوبر ۱۸۹۲ء کو اپنے ننہال استھانواں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن گیلانی میں اپنے چچا حکیم سید ابوالنصر سے پائی۔ ان کے خاندانی بزرگوں پر معقولات کا رنگ غالب تھا، اس لیے مزید تعلیم کے لیے ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء میں مولانا برکات احمد مرحوم سے پڑھنے کے لیے ٹونک راجستھان بھیج دیا گیا۔ مولانا برکات احمد معقولات کے ایک نامور عالم تھے۔ سات سال تک ان سے معقولات کی چھوٹی بڑی کتابیں پڑھیں۔

ٹونک میں معقولات کی تعلیم کے بعد انھوں نے والدین سے اصرار کیا کہ دیوبند جانا چاہتے ہیں جس کی بالآخر انھیں اجازت مل گئی۔ انھوں نے جب دارالعلوم دیوبند میں قدم رکھا تو ان کے ذہن وفکر اپنے

خاندان اور اپنے استاذ مولانا برکات احمد ٹونکی کی معقولیت کی گہری چھاپ لگی ہوئی تھی۔۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء میں انھوں نے داخلہ لیا اور ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء میں دورۂ حدیث میں شریک رہ کر دارالعلوم سے کتبِ حدیث کی سند حاصل کی۔ دارالعلوم میں حضرت شیخ الہند، حضرت علامہ کشمیری اور حضرت علامہ عثمانی رحمہم اللہ اور دیگر اساتذہ کے علمی و روحانی فیضانِ تربیت سے ان کی زندگی کا رُخ معقولات کے بجائے تفسیر و حدیث اور سلوک ومعرفت کی طرف مڑ گیا اور فکر ونظر کی وہ تمام بنیادیں متزلزل ہوگئیں جو خاندان، تعلیم اور گرد وپیش نے ان کے گرد چنی تھیں۔

مولانا گیلانیؒ تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ مدت تک رسالہ 'القاسم' اور 'الرشید' میں معاون مدیر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔اس زمانے میں انھوں نے اپنے علمی اور تحقیقی مضامین اور والہانہ طرزِ نگارش سے علمی حلقوں میں نمایاں مقام حاصل کرلیا تھا۔

حضرت مولانا حافظ محمد احمدؒ کی سفارش سے مولانا گیلانی کا حیدرآباد میں جامعہ عثمانیہ میں تقرر ہوگیا جہاں بالآخر وہ شعبۂ دینیات میں صدر مقرر ہوئے۔انھوں نے تقریباً ۲۵ سال تک حیدرآباد میں علمی خدمات انجام دیں۔ان کے درس وتربیت سے جامعہ عثمانیہ میں دین داری کا ماحول پیدا ہوگیا اور ان کے تلامذہ میں بعض نامور اہل قلم ہوئے۔

آپ صاحب طرز مصنف، نیز ذہن وذکاء اور طباعی میں منفرد تھے۔آپ اپنے علم وفضل، کثرت معلومات، دقت نظر، نکتہ رسی اور دقیقہ سنجی میں نادرۂ روزگار تھے۔اپنے علمی اور تحقیقی مضامین اور والہانہ طرز نگارش سے علمی حلقوں میں نمایاں مقام حاصل کرلیا تھا۔حضرت مولانا گیلانی کے سلسلہ میں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

> ''مولانا عالموں میں عالم، ادیبوں میں ادیب، مورخوں میں مورخ، فقیہوں میں فقیہ، محدثوں میں محدث اور مفسروں میں مفسر تھے۔ فارسی اور اردو کا یکساں مذاق تھا۔شعر وشاعری کا ذوق اور سخن شناشی وسخن سنجی دونوں سے حصہ وافر ملا تھا۔اس لئے مولانا سے ایسی مناسبت معلوم ہوئی جو ان کے بہت سے معاصروں سے محسوس نہیں ہوئی۔ ...... بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ وسعت نظر، وسعت مطالعہ، رسوخ فی العلم اور ذکاوت میں ان کی نظیر اس وقت ممالک اسلامیہ میں ملنی مشکل ہے و الغیب عنداللہ۔تصنیف وتالیف کے لحاظ سے وہ عصر حاضر کے عظیم مصنفین میں شمار کئے جانے کے مستحق ہیں انہوں نے اپنی کتابوں میں جو مواد جمع کردیا ہے وہ بیسیوں آدمیوں کو محقق اور مصنف بنا سکتا ہے اس ایک آدمی نے تن تنہا وہ کام کیا ہے جو یورپ میں پورے پورے ادارے اور منظّم جماعتیں کرتی ہیں، ان جیسا آدمی برسوں میں پیدا ہوتا ہے۔اور اب ان جیسا آدمی شاید برسوں میں بھی پیدا نہ ہو۔(پرانے چراغ، جلد اول، ص ۶۲، ۹۳)

مولانا گیلانی کی اہم تصنیفات وتالیفات حسبِ ذیل ہیں:
(۱) سوانح قاسمی، تین جلد (۲) ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم، دو جلد (۳) مقالات احسانی (۴) اسلامی معاشیات (۵) تدوین حدیث (۶) تدوین قرآن (۷) تدوین فقہ (۸) سوانح عمری ابوذر غفاریؓ (۹) کائنات روحانی (۱۰) ہزار سال پہلے (۱۱) تذکیر بسورۃ الکہف (۱۲) الدین القیم (۱۳) امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی (۱۴) النبی الخاتم صلی اللہ علیہ وسلم (۱۵) تذکرہ شاہ ولی اللہؒ (۱۶) مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ (۱۷) مکاتیب گیلانی (۱۸) احاطۂ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن

ان کے علاوہ آپ نے سیکڑوں علمی وتحقیقی مقالات لکھے جو اس وقت کے مشہور رسائل (جیسے معارف، الفرقان وغیرہ) میں شائع ہوئے۔

آخر میں جامعہ عثمانیہ سے وظیفہ یاب ہوکر اپنے وطن گیلانی میں مقیم ہوگئے تھے۔ وہیں طویل علالت کے بعد ۲۵/شوال ۱۳۷۵ھ/ ۵/جون ۱۹۵۶ء کو وفات پائی۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۱۸-۱۲۱؛ پچاس مثالی شخصیات، ص ۱۵۶-۱۵۷

حضرت مولانا عبدالرحمٰن کیمل پوریؒ

مظاہر علوم سہارن پور کے صدر المدرسین اور شیخ الحدیث تھے۔ ساری زندگی قرآن وحدیث کی خدمت اور تبلیغ وارشاد میں گزری۔

پنجاب میں کیمل پور کے رہنے والے تھے جہاں ۲۷/اگست ۱۸۷۲ء کو پیدا ہوئے۔ وہیں ابتدائی تعلیم پائی، پھر مظاہر علوم سہارن پور میں پڑھنے کے بعد ۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔ حضرت شیخ الہندؒ کے آخری تلامذہ میں سے تھے۔

فراغت کے بعد مظاہر علوم سہارن پور میں مدرس مقرر ہوئے اور بڑی کام یابی اور نام وری کے ساتھ درس وتدریس کے فرائض انجام دیے۔ ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء میں جب حضرت مولانا خلیل احمدؒ نے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کا قصد فرمایا تو اُن ہی کا مظاہر علوم میں اپنی جگہ صدارت تدریس کے لیے انتخاب کیا۔

۱۹۴۷ء میں ملک کی تقسیم کے بعد وطن واپس چلے گئے تھے، وہاں ٹنڈو الہ یار، جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک وغیرہ کی بڑی درس گاہوں میں شیخ الحدیث رہے۔

علومِ عقلیہ ونقلیہ پر کامل دست گاہ رکھتے تھے، علم حدیث میں ان کی نظر بڑی گہری تھی۔ مولانا کیمل

پوریؒ کے تلامذہ کی تعداد ہندو بیرون ہند میں ہزاروں تک پہنچی ہوئی ہے۔تقریباً پچاس برس علومِ دینیہ اور حدیث کی درس وتدریس میں گزارے۔

زہد وتقوی میں منفرد اور نہایت زاہدانہ زندگی کے خوگر تھے۔حضرت تھانویؒ سے بیعت اور خلافت حاصل تھی۔درس وتدریس کے ساتھ ارشاد وسلوک میں بھی خاص مقام رکھتے تھے۔بہت سے لوگوں نے ان سے سلوک وطریقت کی منزلیں طے کیں۔

اسبال الازار کے موضوع پر ایک جامع کتاب بھی لکھی، جو چھپ نہ سکی، لیکن اس کا کچھ حصہ ماہنامہ 'نظام' کان پور میں بالاقساط طبع ہوا ہے۔

۲۷؍شعبان ۱۳۸۵ھ/ ۲۱ دسمبر ۱۹۶۵ء کو اپنے وطن میں وفات پائی۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۲۱-۱۲۲؛ پچاس مثالی شخصیات، ص ۱۶۸
اکابر علمائے دیوبند، حافظ اکبر شاہ بخاری، ص ۲۳۶-۲۴۰

حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ

جلیل القدر اور ممتاز علماء میں شمار ہوتے تھے۔دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن تھے۔

پنجاب میں جالندھر کے رہنے والے تھے۔۱۳۱۳ء/ ۱۸۹۵ء سال پیدائش ہے۔اپنے وطن اور پھر مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں تعلیم پائی۔پھر ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۷ء حضرت مولانا محمد یاسین صاحب سرہندی سے مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں حدیث کی تکمیل کی۔

۱۳۶۳ھ/ ۱۹۴۴ء سے ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۷ء تک دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔حضرت تھانویؒ کے خلیفہ ومجاز تھے، علم وفضل، زہد وتقوی اور دین ودیانت کی اعلی صلاحیتیں ان کی ذات میں بدرجۂ اتم جمع تھیں۔ہزاروں لوگ ان کے درس اور رشد وہدایت سے فیض یاب ہوئے۔فتنۂ قادیانیت کی تردید وتعاقب میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔

جالندھر میں اپنی جدوجہد سے ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۲ء میں خیر المدارس جاری کیا۔تقسیم ملک کے زمانے میں جالندھر سے ملتان چلے گئے اور وہاں خیر المدارس کو از سرنو جاری کیا جو اَب بھی پاکستان کا بڑا دینی اور مرکزی مدرسہ ہے اور کتاب وسنت اور فقہ کی اشاعت میں نمایاں مقام رکھتا ہے۔

مولانا جالندھری کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے پاکستان کے مدارسِ دینیہ کا بورڈ بنام 'وفاق

المدارس' قائم فرمایا اور تمام مدارس کو ایک کڑی میں منسلک کر دیا۔ مولانا ہی اس کے صدر تسلیم کیے گئے جس کو انھوں نے کمالِ دیانت و راست بازی اور صدق و اخلاص سے انجام دیا۔ اس سے جہاں ان کا علم و فضل ملک پر واضح ہوا، وہیں کمالِ ذہن وذکاء بھی نمایاں ہوا۔

۲۰ر شعبان ۱۳۹۰ھ/ ۲۱ر اکتوبر کو ملتان میں انتقال ہوا۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص۱۲۲-۱۲۳؛ کاروان رفتہ، مولانا اسیر ادروی، ص۹۱

حضرت مولانا شمس الحق پشاوریؒ

آپ وقت کے بڑے عالم، مشہور مدرس، مبلغ اور کثیر التصانیف اہل قلم ہیں۔

ضلع پشاور کے قصبہ ترنگ زئی کے ایک علمی خاندان میں ۷ر رمضان ۱۳۱۸ھ/ ۲۹ر دسمبر ۱۹۰۰ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا غلام حیدر صاحب سے حاصل کی۔ پھر صوبہ سرحد اور افغانستان کے مختلف علماء کی خدمت میں رہ کر علوم معقول و منقول کی تکمیل کر کے کامل دست گاہ حاصل کی۔ بعد ازاں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور حضرت علامہ کشمیریؒ وغیرہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

مولانا افغانی زمانۂ طالب علمی ہی میں اپنے شغف اور ذہانت و ذکاوت میں اپنے معاصرین میں ممتاز تھے۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد پنجاب، سرحد اور سندھ کے مختلف مدارس (مظہر العلوم کھڈہ، مدرسہ دارالرشاد لاڑکانہ سندھ، مدرسہ دارالفیوض سندھ اور قاسم العلوم لاہور وغیرہ) میں برسوں درس و تدریس میں مشغول رہے۔

۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء میں انھیں دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے لیے بلایا گیا اور ترجمۂ قرآن، تفسیر و حدیث کے اسباق دیے گئے۔ ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء تک یہاں مدرس رہے۔

۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء میں ریاست قلات کا وزیر تعلیم مقرر کیا گیا۔ کچھ مدت کے بعد وہ وزارت سے مستعفی ہو کر ۱۹۴۴ء میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل چلے گئے اور وہاں صدر مدرس بنائے گئے۔ ۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے بعد پاکستان چلے گئے۔ ۱۹۶۳ء میں جامعہ اسلامیہ بہاول پور میں شیخ التفسیر مقرر کیے گئے۔

تفسیر و حدیث کے علاوہ معقولات میں بھی دسگاہ کامل حاصل تھی۔ وہ جید عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے مصنف بھی تھے۔ آپ کی اردو تقریر و تحریر نہایت صاف اور شگفتہ ہوتی تھی۔ آپ کی تصانیف کچھ اس طرح ہیں: (۱) معین القضاۃ والمفتی، عربی (۲) شرعی ضابطۂ دیوانی، اس کتاب میں فقہ کے تمام دیوانی قوانین کو قانونی دفعات کی صورت میں مرتب کیا ہے۔ (۳) علوم القرآن (۴) احکام القرآن (۵)

مفردات القرآن (۶) ترقی اور اسلام (۷) سوشلزم اور اسلام (۸) سرمایہ دارانہ اور اشترا کی نظام کا موازنہ اسلام سے (۹) کمیونزم اور اسلام (۱۰) اسلام دین فطرت ہے (۱۱) اسلام عالم گیر مذہب ہے (۱۲) عالمی مشکلات اور ان کا قرآنی حل (۱۳) آئینۂ آریہ (۱۴) تصوف اور تعمیر کردار (۱۵) اسلامی جہاد (۱۶) حقیقت زمان ومکان (۱۷) تنقیح الشذی علی جامع الترمذی وغیرہ

۱۶/ اگست ۱۹۸۳ء میں انتقال ہوا اور دارالعلوم کراچی کے قبرستان میں مدفون ہیں۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص۱۲۳-۱۲۴؛ مشاہیر علمائے دیوبند، ص۲۲۷-۲۲۹
دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات، ص۳۱۴-۳۱۶

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ

عصر جدید کے عظیم محدث، اسماء الرجال کے ماہر کامل، مستند فقیہ، عربی ادیب وشاعر اور قدیم مخطوطات حدیث کے عظیم ناقد، محقق اور نکتہ شناس تھے۔

مئو میں ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے وطن مئو ضلع اعظم گڈھ کے مشہور مدرسہ دارالعلوم مئو میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر حضرت گنگوہیؒ کے مشہور شاگرد حضرت مولانا عبدالغفار صاحب سے گورکھپور اور بنارس میں رہ کر متوسطات کی تعلیم حاصل کی۔ اسی کے ساتھ علومِ شرقیہ کے مختلف عربی کے امتحانوں میں شریک ہوکر کام یابی حاصل کی۔ فاضل ادب کا امتحان الہ آباد سے پاس کیا۔ ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، لیکن دیوبند میں فصلی بیماری کے سبب تعلیم چھوڑ کر گھر چلے گئے۔ پھر ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء میں دوبارہ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوکر دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھیں۔ حدیث کا ذوق حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے درس سے پیدا ہوا۔ ان کے علاوہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا کریم بخش سنبھلیؒ وغیرہ علماء سے بھی حدیث پڑھی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ مظہر العلوم بنارس میں مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء کے اوائل تک مظہر العلوم بنارس میں درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء میں دارالعلوم مئو آپ کا تقرر بہ حیثیت صدر مدرس ہوگیا جہاں آپ دوسال تک دورۂ حدیث اور فنون کی دوسری اونچی کتابیں پڑھاتے رہے۔ دارالعلوم مئو سے علیحدہ ہوکر پھر بہ حیثیت صدر مدرس مظہر العلوم بنارس آ گئے۔ یہاں کئی سال انھوں نے درس وتدریس کی خدمت انجام دی۔ وہاں سے دوبارہ ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ء میں اپنے وطن مئو آ گئے۔

یہاں ان کو مفتاح العلوم مئو کا شیخ الحدیث اور صدر مدرس بنادیا گیا جسے آپ نے ایک مکتب سے مرکزی مدرسہ بنادیا۔ ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۴۹ء تک وہ مفتاح العلوم مئو کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس رہے۔ آخر میں تصنیفی شغف کی وجہ سے مفتاح العلوم سے علیحدگی اختیار کرلی، البتہ بہ حیثیت سرپرست نگرانی فرماتے رہے۔

۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۳ء میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری کے رکن منتخب ہوئے اور تاحیات اس پر فائز رہے۔ متعدد بار حکومت کویت اور جامعہ ازہر وغیرہ کی طرف سے کوشش کی گئی کہ آپ وہاں چلے جائیں لیکن آپ نے ہندوستان میں قیام کو ترجیح دی۔

مولانا اعظمیؒ نے دینی علوم کی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ آپ ان محققین میں سے تھے جن کے علم و فضل کا سکہ پوری علمی دنیا پر چھایا رہا۔ اپنے وقت میں فن حدیث، رجالِ حدیث اور متعلقات حدیث میں آپ امتیازی مقام کے حامل تھے۔ آپ کی شہرت وعظمت کی بنیاد وہ اہم اور نادر کتابیں ہیں جن کے مخطوطات کو آپ نے تحقیق وترتیب کے رائج علمی اصول کے مطابق ایڈٹ کرکے پہلی بار شائع کیا۔

(۱) تحقیق وتعلیق مصنف عبدالرزاق، گیارہ ضخیم جلدوں میں (۲) تحقیق وتعلیق مسند الحمیدی، ۲ جلد (۳) تحقیق وتعلیق المطالب العالیہ بزوائد المطالب الثمانیہ، ۴ جلد (۴) تحقیق وتعلیق کتاب الزہد والرقاق لعبداللہ بن مبارکؒ (۵) تحقیق وتعلیق سنن سعید بن منصورؒ، ۲ جلد (۶) تحقیق وتعلیق مصنف ابن ابی شیبہ ۱۵/ جلد (۷) تحقیق و تعلیق فتح المغیث للسخاویؒ (۸) تحقیق کشف الاستار عن زوائد مسند البزار، ۴ جلد (۹) تحقیق مجمع بحار الانور (۱۰) استدراک وتعلیق شرح مسند امام احمد بن حنبل (۱۱) تحقیق وتعلیق مختصر کتاب الترغیب والترہیب لابن حجر العسقلانیؒ (۱۲) تحقیق وتعلیق التذئیل العجیب علی نہایۃ الغریب للسیوطی (۱۳) تحقیق وتعلیق مسند اسحاق بن راہویہ (۱۴) تحقیق وتعلیق مسند الامام محمد حارث بن ابی اسامہ (۱۵) تحقیق وتعلیق نزہۃ الالباب فی الالقاب وغیرہ۔

ان کے علاوہ اردو کتابیں یہ ہیں: (۱) نصرۃ الحدیث (۲) تحقیق اہل حدیث (۳) الاعلام المرفوعۃ فی الطلقات المجموعۃ (۴) الازہار المربوعۃ (۵) رکعات تراویح (۶) التنقید السدید علی التفسیر الجدید (۷) دفع المجادلہ (۸) تنبیہ الکاذبین (۹) ارشاد الثقلین (۱۰) ابطالِ عزاداری (۱۱) رد رجال بخاری (۱۲) شارع حقیقی (۱۳) احکام النذر للاولیاء اللہ (۱۴) اعیان الحجاج (۱۵) رہبرِ حجاج (۱۶) اہل دل کی دل آویز باتیں، وغیرہ۔

۱۰/ رمضان ۱۴۱۲ھ/ ۱۶/ مارچ ۱۹۹۲ء مئو میں انتقال ہوا۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۲۴-۱۲۶؛ کاروانِ رفتہ، مولانا اسیر ادروی، ص ۴۳
اودھ میں افتاء کے مراکز، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، ص ۳۷۹-۳۸۳

حضرت مولانا ڈاکٹر مصطفیٰ حسن علویؒ

۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء میں کاکوری نواح لکھنؤ کی مردم خیز سرزمین میں ولادت ہوئی۔ بچپن میں اپنے نانا حضرت محسن کاکوروی کے پاس مین پوری میں رہ کر ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل کیے گئے۔ ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۱ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ دارالعلوم کے زمانۂ طالب علمی میں مولانا تاجور نجیب آبادی کی صحبت میں شعر گوئی کا ذوق پیدا ہوا، خود ان کے نانا محسن کاکوروی نعت کے مشہور شاعر تھے۔ اسی زمانے میں حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی صحبت میں نثر نگاری کی طرف متوجہ ہوئے۔ ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر دارالعلوم میں معین المدرس ہو گئے۔

پھر مدرسہ امدادیہ میں کچھ دنوں پڑھا کر لکھنؤ چلے گئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کیا۔ پہلے اٹاوہ مسلم ہائی اسکول میں دینیات کے معلم اور بعدازاں بنارس کالج میں فارسی کے استاذ مقرر ہوئے۔ پھر اگست ۱۹۲۳ء میں لکھنؤ کالج میں تقرر ہو گیا۔ دورانِ ملازمت ۱۹۳۴ء میں فارسی میں ایم اے کیا اور بالآخر ۱۹۴۴ء میں مَلِک شاہ سلجوقی اور اس کے عہد پر مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

۱۳۷۰ھ/ ۱۹۵۱ء میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے۔

۱۹۶۰ء میں انھیں صدر جمہوریہ ہند کی جانب سے ہندوستان میں عربی کی ممتاز شخصیت کے عنوان سے سند اعزاز (Certificate of Honour) سے نوازا گیا۔ ۱۹۶۳ء میں لکھنؤ یونیورسٹی سے ریٹائر ہونے پر آپ کو ریسرچ پروفیسر مقرر کیا گیا۔

ڈاکٹر صاحب نے تین درجن سے زیادہ عربی، فارسی اور اردو کتابیں لکھیں جن میں سے متعدد کتابیں اسکولوں اور کالجوں کے نصاب اور السنۂ شرقیہ کے امتحانات میں شامل ہیں۔ آپ کی غیر مطبوعہ کتابیں بھی ایک درجن سے زائد ہیں۔ عالم وفاضل ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ ذوق کے شاعر بھی تھے۔

دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں ان کی درج ذیل کتابیں محفوظ ہیں: (۱) گلبن ادب تین حصے (۲) قصص ہند (۳) خزانہ ادب (۴) سبل السلام (۵) نغمات نظیری (۶) قصائد ذوق (۷) فقیہ مصر (۸) محتسب اسلام (۹) خطبہ استقبالیہ جمعیۃ مرکزیہ جمعیۃ العلماء ہند منعقدہ لکھنؤ مئی ۱۹۴۷ء۔

۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۰ء میں انتقال ہوا۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۲۶ - ۱۲۷؛ فہرست کتب اکابر، کتب خانہ دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوریؒ ثم الہ آبادی

اپنے وقت کے جلیل القدر شیخ ومرشد تھے، آپ کو مصلح الامۃ کہا جاتا تھا۔

۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء میں اپنے وطن موضوتال نرجا فتح پور ضلع اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے۔ قرآن شریف وطن ہی میں حافظ ولی محمد سے حفظ کیا۔ پھر مدرسہ جامع العلوم کان پور میں فارسی اور ابتدائی عربی کی کتابیں پڑھیں۔ بعد ازاں دارالعلوم میں داخل ہوکر ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۷ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ یہ حضرت علامہ انورشاہ کشمیریؒ کی صدارت تدریس کا ابتدائی زمانہ تھا۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد حکیم الامۃ حضرت تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر حلقۂ ارادت میں شامل ہوگئے اور بالکلیہ وہیں کے ہورہے۔ زمانۂ طالب علمی سے ہی اصلاح اعمال اور ذوقِ عبادت سے سرشار تھے۔ زمانۂ طالب علمی میں خلوت نشینی کے عادی تھے۔ خانقاہِ امدادیہ میں وہ اپنے قیام کے زمانے میں منقطع عن الخلق رہے اور متوکل علی اللہ ہوکر سیر سلوک اور تحصیل نسبت میں اپنے آپ کو غرق کردیا، اور بہت جلد تربیتِ باطنی اور تصوف کے مراحل طے کرکے خلعتِ خلافت واجازت سے آراستہ پیراستہ ہوگئے۔

۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء میں وطن پہنچ کر تعلیم وتربیت اور اصلاحِ خلق میں مشغول ہوگئے۔ ان کا شمار حضرت تھانویؒ کے اجلّہ خلفاء میں تھا۔ ان کا طرزِ اصلاح وتربیت ہو بہو اپنے مرشد کے طرز پر تھا۔ ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء میں گورکھپور چلے گئے۔ اور آخر میں الہ آباد قیام فرمایا اور وہاں خانقاہ تعمیر کرائی۔

بڑے بڑے علماء اور اصحاب جاہ وثروت ان کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے۔ ہزاروں بندگانِ خدا نے ان سے روحانی فیض حاصل کیا۔ الہ آباد کے زمانۂ قیام میں انھوں نے اپنے طریقِ مشائخ پر احیائے سنت کی زبردست خدمات انجام دیں۔ اس دورِ آخر میں ان کی ذاتِ گرامی مغتنمات میں سے تھی۔ آخر کے چندسال بمبئی آمدورفت رہی، وہاں مریدین کا ایک حلقہ قائم ہوگیا اور کتنے ہی لوگ مسلکِ صالح پر مستقیم ہوگئے۔

آپ کا حافظ بہت قوی تھا اور تمام علوم مستحضر رہتے تھے۔ مگر تعلیمی اور روحانی مشاغل کی وجہ سے باضابطہ کوئی تصنیفی کام نہیں کیا، البتہ جومضامین قلب پر وارد ہوتے تھے ان کا املا کرادیا کرتے تھے۔ چناں چہ تین درجن سے زائد یہی املائی تصانیف بطور یادگار باقی رہ گئی ہیں جو آپ کے وسعت علمی کی دلیل ہیں۔

دالعلوم کے کتب خانے میں آپ کی درج ذیل کتابیں محفوظ ہیں:

(۱) وصیۃ السالکین (۲) شرعی معیار (۳) مفتاح الرحمۃ (۴) النصیحۃ للمسترشدین (۵) الافادات الوصیۃ (۶) وصیۃ الاحسان (۷) دیباچہ معرفت (۸) تصوف ونسبت صوفیہ (۹) وصیۃ الاخلاق (۱۰) گلستان

معرفت (۱۱) اعتقاد وانکار (۱۲) مفتاح الرحمۃ (۱۳) ملفوظ طریق کار (۱۴) تلاوت قرآن (۱۵) خمخانۂ باطن (۱۶) مضمون نمیمہ (۱۷) اخوّت (۱۸) نعم الامیر علی باب الفقیر (۱۹) النعم علی خیر الامم (۲۰) اصلاح مضمون (۲۱) الامر الفارق بین المخلص والمنافق (۲۲) وصیۃ الاخلاص (۲۳) توقیر العلماء (۲۴) جنت (۲۵) طریقۂ اصلاح (۲۶) راہِ صفا (۲۷) الاصول النادرہ (۲۸) تعلیم وتربیت اولاد (۲۹) التذکیر بالقرآن (۳۰) تحذیر العلماء (۳۱) عاقبۃ الانکار مع تلاش مرشد (۳۲) الافادات الوصیۃ (۳۳) مضمون ذکر

آپ کی کتابوں اور مکتوبات وغیرہ کا مجموعہ 'تالیفات مصلح الامۃ' کے نام سے اور آپ کی سوانح 'حیات مصلح الامۃ' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

۲۲؍شعبان ۱۳۸۷ھ/ ۲۵؍نومبر ۱۹۶۷ء کو سفرِ حجاز کے دوران جہاز میں وفات پائی اور بحر احمر کی آغوش میں اُن کو سپردِ آب کیا گیا۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۲۷-۱۳۰

حضرت مولانا مفتی اسمٰعیل بسم اللہ سورتیؒ

۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۸ء میں ڈابھیل ضلع سورت میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن اور قریبی قصبہ کٹھور میں پائی۔ پھر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ دورانِ تعلیم میں شادی کی وجہ سے وطن چلے گئے۔ بعد ازاں مدرسہ امینیہ دہلی میں رہ کر حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ سے فتوی نویسی کی مشق کی۔ ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۸ء میں دوبارہ دارالعلوم میں داخل ہو کر دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ عرصہ تک وطن میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر جوہانسبرگ (جنوبی افریقہ) چلے گئے۔ مگر جلد ہی وہاں سے واپس آ کر مدرسہ تعلیم الدین (موجودہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل) میں مدرس مقرر ہو گئے۔ ۱۳۵۳ھ/ ۱۹۳۴ء میں برما میں مفتی بنائے گئے۔ وہاں فتوی نویسی کے علاوہ انھوں نے مولانا احمد اشرف راندیری کی معیت میں جمعیۃ علمائے برما قائم کی اور کئی دینی مدرسے مختلف مقامات میں قائم کیے۔ اس طرح انھیں برما کے مسلمانوں میں دینی وسیاسی خدمات انجام دینے کا موقع ملا۔

۱۳۵۹ھ/ ۱۹۴۰ء میں صحت کی خرابی کے باعث وطن واپس آ گئے۔ وہاں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تعلیمی امور کے نگراں بنائے گئے اور پھر جلد ہی مہتمم مقرر ہو گئے۔

آپ مرنجاں مرنج، سادگی پسند اور اوراد و وظائف اور معمولات کے پابند تھے۔ روزآنہ قرآن کریم کی

ایک منزل تلاوت کا معمول تھا۔ گجرات میں ان کی ذات مرجعِ خلائق تھی۔ گجرات کے نہ صرف عوام بلکہ علماء میں آپ کے فتاوی کو قدر و منزلت حاصل تھی۔ ان کی فتاوی ۲۳ رسال کے قریب گجرات کے ہفتہ وار اخبار 'مسلم گجرات' میں شائع ہوتے رہے۔ ان فتاوی کی تین جلدیں گجراتی زبان میں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کے فتاوی کی تعداد ۳۵ رہزار بتائی جاتی ہے۔ ان میں کچھ فتاوی اردو زبان میں بھی ہیں۔

۱۳۷۹ھ/ ۱۹۵۹ء میں وفات پائی۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۳۱-۱۳۲

حضرت مولانا میرک شاہ کشمیریؒ

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے۔ منقولات و معقولات میں ذی استعداد عالم تھے۔ وطن کشمیر تھا۔ ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۸ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد دربھنگہ اور مرادآباد کے مختلف مدارس میں درس و تدریس کی خدمات انجام دی۔

۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء میں ان کو دارالعلوم دیوبند میں مدرس مقرر کیا گیا۔ تدریس کے علاوہ شدھی و سنگٹھن کی تحریک کے موقع پر ان کو دارالعلوم کی جانب سے ملکانہ راجپوتوں میں تبلیغ کے لیے مامور کیا گیا۔ اس زمانہ میں دارالعلوم کی جانب سے آگرہ کے قرب و جوار میں جو مبلغ بھیجے گئے وہ انہی کی نگرانی میں کام کرتے تھے۔ انھوں نے بڑی محنت اور تن دہی کے ساتھ کام کیا۔ ۱۳۴۴ھ کے اواخر (۱۹۲۶ء) میں لاہور چلے گئے اور وہاں اورئینٹل کالج میں شعبۂ تدریس سے وابستہ ہو گئے۔ آخر میں جامعہ مدنیہ لاہور کے صدر مدرس ہوئے۔

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے لیے صدرالدین شیرازی کی کتاب اسفار اربعہ کی چوتھی جلد کا ترجمہ کیا۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۳۲-۱۳۳

حضرت مولانا محمد چراغ گجرانوالویؒ

۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔ زمانۂ طالب علمی میں اپنے جلیل القدر استاذ حضرت شاہ کشمیریؒ کی ترمذی شریف کی تقریر العرف الشذی مرتب کی۔ حدیث کے علاوہ دیگر علوم پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ پہلے مولانا عبدالعزیز گجرانوالہ کے مدرسہ میں صدر مدرس بنائے گئے، بعد ازاں

اپنے وطن گجرانوالہ میں ہی اپنا مدرسہ قائم کیا۔
آزادیٔ ہند کی تحریک میں سرگرمی سے شریک رہے اور بار بار قید وبند کے مرحلوں سے گزرے۔
حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۳۶-۱۳۷

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

ممتاز علمائے دین اور بلند پایہ اربابِ تدریس میں ان کا شمار تھا۔ ایک عظیم محدث، مؤرخ اور کثیر التصانیف مصنف تھے۔

۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون میں ہوئی۔ پھر مظاہر علوم میں پڑھا اور دورۂ حدیث تک تعلیم حاصل کی۔ مزید تعلیم کا شوق دارالعلوم دیوبند میں لے آیا اور دوبارہ دورۂ حدیث میں داخلہ لیا۔ ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی۔ صلاح وتقوی کے آثار شروع ہی سے نمایاں تھے۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے ممتاز تلامذہ میں تھے۔

مدرسہ امینیہ دہلی سے انھوں نے تدریسی زندگی کا آغاز کیا۔ مگر چند ماہ کے بعد دارالعلوم دیوبند میں آگئے اور یہاں ان کو مختلف کتابیں پڑھانے کا موقع ملا۔ ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء سے ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۷ء تک دارالعلوم میں مدرس رہے۔ پھر حیدرآباد چلے گئے اور دس بارہ سال تک وہاں مقیم رہ کر درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء پھر انھیں دارالعلوم بلالیا گیا اور تفسیر وحدیث کے اسباق ان کے سپرد کیے گئے۔ ان کا درس تفسیر وحدیث اہل علم میں مشہور ومقبول تھا۔ اس طرح اٹھارہ سال تک انھوں نے دارالعلوم میں مسندِ تدریس کو رونق بخشی۔

۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۸ء میں لاہور چلے گئے، وہاں جامعہ عباسیہ بہاول پور میں شیخ الجامعۃ مقرر ہوئے۔ پھر ۱۹۵۲ء سے آخر تک جامعہ اشرفیہ لاہور میں بہ حیثیت شیخ الحدیث ۲۲ سال تک فرائض تدریس انجام دیتے رہے۔ لاہور میں ہر جمعہ کو ان کا وعظ ہوتا تھا جس میں بڑے ذوق وشوق سے لوگ شریک ہوا کرتے تھے۔ وہ پاکستان کے ممتاز اور بلند پایہ علم سمجھے جاتے تھے۔

تفسیر وحدیث، کلام اور عربی ادب سے انھیں خاص شغف تھا۔ عربی اور فارسی میں برجستہ اشعار لکھنے کا انھیں اچھا ملکہ حاصل تھا۔ علم وفضل، زہد وتقوی اور اتباع سلف میں ان کا بڑا مقام تھا۔ تقوی اور خشیت الٰہی کے آثار نمایاں طور پر ان کے چہرے محسوس ہوتے تھے۔ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے، حق گوئی میں نہایت جری اور بے باک تھے، سچی بات بلا خوف لومۃ لائم برملا کہنے میں انھیں کبھی تأمل نہیں ہوتا تھا اور اس

میں کسی کی رورعایت نہیں کرتے تھے۔علم وعمل میں سلفِ صالح کا نمونہ تھے۔علم سے ان کے اشتغال کا یہ عالم تھا کہ تمام علوم وفنون میں استحضار تام رکھتے تھے۔ ہر وقت درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مشغول رہتے تھے۔ یہ ذوق یہاں تک بڑھا ہوا تھا کہ دنیوی ساز وسامان سے ہمیشہ بے نیاز رہے۔

درس وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف سے بھی کافی دل چسپی تھی۔ایک روایت کے مطابق تفسیر، حدیث اور عقائد وغیرہ میں ان کی جملہ تصانیف کی تعداد سو کے قریب ہے۔دارالعلوم کے کتب خانہ میں ان کی تین درجن سے زائد تصنیفات موجود ہیں: (۱) مشکوۃ المصابیح کی شرح التعلیق الصبیح کے نام سے انھوں نے آٹھ جلدوں میں لکھی ہے جو بہت مشہور ہوئی۔(۲) علم حدیث میں ان کی دوسری کتاب تحفۃ القاری فی حل مشکلات البخاری (تین جلد) ہے۔(۳) معارف القرآن کے نام سے انھوں نے قرآن کریم کی تفسیر بھی لکھی جو آٹھ جلدوں میں شائع ہوئی۔(۴) سیرت نبوی کے موضوع پر تین جلدوں سیرۃ المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اہم اور مقبول عام تصنیف ہے۔(۵) مقامات حریری پر عربی میں حاشیہ لکھا تھا جو صاحب درس وتدریس علماء وطلبہ میں بہت مقبول اور مشہور ہے۔ (٦) عقائد الاسلام (۷) علم الکلام (۸) بشائر النبیین (۹) اثبات صانع عالم وابطال دہریت ومادیت (۱۰) اسلام اور اشتراکیت یعنی فنا فی اللہ اور فنا فی الحکومۃ (۱۱) تائیۃ القضا والقدر مع شرحہا (۱۲) حدوث مادہ وروح (۱۳) عقل اور مذہب اسلام (۱۴) نظام اسلام مع دستور اسلام (۱۵) اعجاز القرآن (۱٦) دعوت اسلام (۱۷) اسلام اور جدید شبہات (۱۸) عقل اور مذہب اسلام (۱۹) دعوت الفلاح (۲۰) محاسن اسلام (۲۱) اسلام اور نصرانیت (۲۲) کلمۃ اللہ فی حیات روح اللہ (۲۳) احسن الحدیث فی ابطال التثلیث (۲۴) حجیت حدیث (۲۵) مسلک الختام فی ختم النبوۃ (۲٦) شرائط نبوت (۲۷) حیات عیسیٰ علیہ السلام (۲۸) القول المحکم فی نزول عیسیٰ بن مریم مع اسلام ومرزائیت کا اصولی اختلاف (۲۹) حضرت نانوتوی پر مرزائیوں کا بہتان (۳۰) دعاوی مرزا (۳۱) دلائل نبوت (۳۲) النبوۃ والرسالۃ (۳۳) اجتہاد اور تقلید کی بیمثال تحقیق (۳۴) حیات نبوی (۳۵) مقالات سیرت (۳٦) عصمت انبیاء علیہم السلام

۷/رجب ۱۳۹۴ھ/ ۲۸/جولائی ۱۹۷۴ء کو لاہور میں وفات پائی اور وہیں شادمان کالونی کے قبرستان میں آسودۂ خواب ہیں۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۳۷-۱۳۸

مشاہیر علمائے دیوبند، ص ٤٣٦-٤٤٣

حضرت مولانا مفتی محمود احمد نانوتویؒ

نانوتہ کے صدیقی شیوخ میں سے تھے۔۱۴؍ذوالحجہ ۱۳۱۰ھ/ ۲۹؍جون ۱۸۹۳ء کو نانوتہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔

عمر کا بڑا حصہ مہو چھاؤنی (ریاست مالوہ) میں گزرا، وہیں دارالافتاء قائم کر کے مسلمانوں کی علمی اور دینی رہ نمائی کی خدمت انجام دیتے رہے۔ مالوہ اور راجپوتانہ میں ان کے فتاوی بڑی اہمیت رکھتے تھے۔ تفسیر، فقہ اور افتاء پر گہری دسترس تھی۔ اسی کے ساتھ سیاست اور قومی مسائل سے بھی پوری دل چسپی تھی۔ اپنی سادہ مزاجی کے لحاظ سے بڑی عظمتوں کے حامل تھے۔ ان اطراف میں ان کا بڑا علمی فیض پہنچا۔ مفتی مالوہ کے لقب سے ملقب تھے۔ مدھیہ پردیش میں ان کا وجود علم وہدایت کا نشانِ راہ تھا۔

۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۳ء سے تا دمِ آخر دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری کے رکن رہے۔ اسی درمیان کچھ برسوں تک دارالافتاء میں اعزازی مفتی کے طور پر فتاوی بھی لکھتے رہے۔

ان کی ایک کتاب سیرت نبوی کے موضوع پر ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے سیرتِ نبوی کو ایسے عام فہم انداز سے لکھا ہے کہ کم استعداد کے لوگ بھی اس سے کما حقہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس کتاب میں کم سے کم الفاظ میں سیرت نبوی کے زیادہ سے زیادہ گوشوں کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۴؍شوال ۱۳۸۸ھ/ ۴؍جنوری ۱۹۶۹ء کو وفات پائی اور مہو میں آسودۂ خواب ہیں۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۳۹
الخیر الکثیر شرح الفوز الکبیر ضمن حالات حضرت مولانا مفتی محمد سعید پالنپوری

حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ

دارالعلوم دیوبند کے ذی استعداد اور ممتاز فضلاء میں تھے۔ قادر الکلام خطیب، مبلغ، سیاست دان اور مجاہد آزادی رہے ہیں۔

جون ۱۸۹۶ء میں بفہ پکھل ضلع ہزارہ (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔ ۱۹۲۰ء میں دارالعلوم دیوبند میں معین مدرس مقرر کیے گئے اور دو سال تک خدمات انجام دیں۔ ۱۹۲۲ء میں حیدر آباد دکن گئے اور وہاں چار سال تک بدعات کے خلاف بڑا کام کیا۔

مجلس احرار اسلام کے پلیٹ فارم سے قادیانیت کے خلاف سرگرمی میں قائدانہ کردار ادا کیا۔ ملک کی تحریکِ آزادی میں شریک رہے اور قید و بند کی صعوبتوں سے گزرے۔ ملک کی تقسیم کے بعد جمعیۃ علمائے اسلام کے پہلے ناظم اور اور پھر صدر مقرر ہوئے۔ جمعیۃ کے ترجمان رسالہ 'ترجمان اسلام' کے مدیر بھی رہے۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیے جانے کی تحریک میں بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

پاکستان کے ممتاز علماء میں ان کا شمار تھا۔ ایثار و استقلال، جرأت و شجاعت، خودداری وقناعت اور ایمانی غیرت وحمیت میں بے مثال تھے۔ بڑے جانباز، سرفروش اور پختہ کردار کے انسان تھے۔ اپنی علمی شہرت کی بنا پر مؤتمر عالم اسلامی میں علمائے پاکستان کے نمائندے کی حیثیت سے شرکت کی۔ صوبہ سرحد اسمبلی کے ممبر بھی منتخب ہوئے اور صوبہ سرحد میں حضرت مفتی محمود صاحب کی حکومت میں وزیر بھی رہے۔

۴ر فروری ۱۹۸۱ء کو وفات پائی۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۳۹-۱۴۰

ماہنامہ بینات، جمادی الاخری ۱۴۳۶ھ، ص ۲۷-۳۱

حضرت مولانا اطہر علی سلہٹیؒ

بنگال اور بنگلہ دیش کے اکابر علماء میں ان کا شمار تھا۔

۱۳۰۹ھ/ ۱۸۹۱ء میں سلہٹ میں پیدا ہوئے۔ مشرقی بنگال کے ایک معزز اور دین دار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۰ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت پائی۔ فراغت کے بعد پہلے مدرسہ عالیہ جھگا باڑی میں اور پھر مدرسہ قاسم العلوم ضلع کملا میں صدر مدرس مقرر ہوئے اور ایک عرصہ تک اعلی تدریسی خدمات انجام دیں۔

حضرت تھانویؒ کے خلیفۂ مجاز تھے۔ ایک جامع علمی شخصیت ہونے کے ساتھ ملکی وسیاسی کاموں میں بھی عملی حصہ لیتے تھے۔ تقسیم سے پہلے مشرقی پاکستان میں وسیع پیمانے پر علمی وتدریسی اور قومی خدمات انجام دیں۔ تقسیم کے بعد مشرقی پاکستان میں جمعیۃ علمائے اسلام کے صدر اور پاکستان اسمبلی کے ممبر رہے۔ آخر میں نظام اسلام پارٹی کی تشکیل کی۔ وزارتوں کے انقلاب اور بالخصوص تقسیم بنگلہ دیش میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔

بنگلہ دیش میں آپ کو خاص شہرت وامتیاز حاصل تھا۔ استقامت میں حق پرست علماء کا نمونہ تھے۔ زندگی بڑی سادہ تھی، تکلف وتصنع اور مادی آرائش وزیبائش سے دور تھے۔ ان خوبیوں کے علاوہ مجاہد فی سبیل اللہ تھے

اوراعلاء کلمۃ الحق میں کبھی کوتاہی سے کام نہیں لیا۔اس کی وجہ سے قید بھی کیے گئے اوراذیتیں بھی دی گئیں۔
کشور گنج میں انھوں نے جامعہ امدادیہ کے نام سے بڑے پیمانے پر ایک مدرسہ قائم کیا۔ یہ مدرسہ بنگال کا دارالعلوم سمجھا جاتا تھا۔ مدرسہ میں خود بھی درس دیتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کی طرح کشور گنج کے اس مدرسہ میں بھی ذریعۂ تعلیم اردو تھا۔

۱۰؍شوال ۱۳۹۶ھ/ ۵؍اکتوبر ۱۹۷۶ء کوانتقال ہوااور جامعہ امدادیہ کشور گنج میں مدفون ہوئے۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۴۰؛ دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات، ص ۱۹۰
اکابر علمائے دیوبند، حافظ محمد اکبر شاہ بخاری، ص ۲۴۱-۲۴۶؛ مشاہیر علمائے دیوبند، ص ۹۰

حضرت مولانا نجم الدین جہلمیؒ

پنجاب میں جہلم کے رہنے والے تھے۔ ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۰ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔
عرصہ تک اورئینٹل کالج لاہور میں عربی زبان کے استاذ رہے۔ پنجاب کے علمی حلقوں میں ان کے علم و فضل اور نیکی وتقوی کی بڑی شہرت تھی۔ عربی ادب کے ساتھ تفسیر وحدیث میں بھی دست گاہ رکھتے تھے۔

۱۹۵۲ء میں وفات پائی۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۴۱

حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ

عظیم محدث، قابل مدرس، فقیہ فی الدین، عابد وزاہد اور صاحبِ معرفت فاضل تھے۔

وطن میرٹھ تھا۔ ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۸ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے۔ وہاں ان کے والد حاجی تہور علی مرحوم محکمۂ پولیس میں انسپکٹر تھے۔ ابتدائی تعلیم الہ آباد کے انگریزی اسکول میں پائی۔ دورانِ تعلیم حضرت تھانویؒ کا ایک وعظ سننے کے بعد انھیں علوم دینیہ کی طرف توجہ ہوئی تو والد صاحب نے انھیں حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھویؒ کی خدمت میں سہارن پور بھیج دیا۔ آپ نے مظاہر علوم سے ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۸ء میں حدیث کی تکمیل کی اور اگلے سال وہیں معین مدرس مقرر ہوگئے، مگر جلد ہی مدرسی چھوڑ کر مزید طلبِ علم کے لیے دارالعلوم دیوبند آ گئے اور یہاں دورۂ حدیث میں شریک ہوکر ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء میں صحیح بخاری حضرت کشمیریؒ سے

پڑھی۔اوائل ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء سے دارالعلوم میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے اور ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۷ء میں حضرت کشمیریؒ کے ساتھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل چلے گئے۔ وہاں درس و تدریس کے ساتھ پانچ سال تک حضرت شاہ صاحبؒ کے درسِ بخاری میں پورے التزام کے ساتھ شریک ہوتے رہے۔ ۱۷/سال تک جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں علم حدیث کی خدمات انجام دیں۔ آخر میں جامعہ کے صدر مدرس بنائے گئے، مگر صحت کی خرابی کی وجہ سے ڈابھیل سے بہاول پور چلے گئے۔

راہِ سلوک واحسان کو طے کرنے کے لیے پہلے حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھویؒ سے بیعت ہوئے، پھر حضرت مفتی عزیز الرحمٰن دیو بندیؒ سے منسلک ہوئے اور آخر میں حضرت مفتی صاحب کے جانشین حضرت قاری محمد اسحاق میرٹھیؒ سے خلافت حاصل ہوئی۔ صدق وصفا کا مجسمہ، ورع وتقوی اور استغناء کے پیکر تھے۔ خلوص وللّٰہیت میں اسلاف کی یادگار تھے۔

مولانا میرٹھیؒ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے بعد پاکستان چلے گئے۔ وہاں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے ان کو ٹنڈو الہ یار میں علومِ اسلامیہ کا ایک دارالعلوم قائم کرنے کا کام سپرد فرمایا۔ چناں چہ انھوں نے بڑی محنت سے ان کا نظام عمل تیار کیا اور اس میں ماہرِ فن اساتذہ کو جمع کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ مگر چند ہی سال بعد عشقِ نبوی کی کشش نے انھیں مدینہ منورہ کھینچ لیا۔ ارض مقدس میں وہ پوری جمعیتِ خاطر کے ساتھ علمی وعملی مشاغل میں مصروف ہوگئے۔ قیام مدینہ کے دوران بکثرت افریقی حضرات ان کے سلسلۂ بیعت میں داخل ہوئے اور ساؤتھ افریقہ میں ان کا فیض کافی پھیلا۔

مدینہ منورہ میں بھی درس حدیث کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ مسجد نبوی میں روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تیرہ سال تک آپ نے علوم قرآن وحدیث کی شمع روشن رکھی۔

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں حضرت کشمیریؒ کی وفات کے بعد انھوں نے اپنے استاذ کے علوم ومعارف کو فیض الباری علی صحیح البخاری کے نام سے چار جلدوں میں مرتب کیا، جس میں اپنے استاذ علامہ کشمیریؒ کی نادر علمی تحقیقات اور تفردات کو پیش کر کے انھوں نے ایک عظیم الشان علمی کارنامہ انجام دیا۔

۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء میں ندوۃ المصنفین دہلی سے وابستہ ہوگئے جہاں آپ کو ترجمان السنۃ کے نام سے اردو زبان میں حدیث کی ایک جامع کتاب کی ترتیب کا کام سپرد ہوا۔ انھوں نے یہ کام بڑی شان سے شروع کیا۔ چار جلدیں لکھ چکے تھے حیاتِ مستعار کی مدت پوری ہوگئی۔

ان دو عظیم الشان کتابوں کے علاوہ ان کی کتابیں یہ ہیں: (۳) جواہر الحکم (۴) خلاصۃ المناسک خلاصہ زبدۃ المناسک از حضرت گنگوہیؒ (۵) نزول عیسیٰ علیہ السلام (۶) الجواب الفصیح لمنکر حیات المسیح

(۷) صدائے ایمان، نور ایمان (۹) آواز حق۔ عربی کے ادیب وشاعر بھی تھے۔

۵/رجب ۱۳۸۵ھ/ ۳۰/اکتوبر ۱۹۶۵ء کو طویل علالت کے بعد مدینہ منورہ میں انتقال ہوا اور جنت البقیع میں امہات المومنین کے عین قدموں میں آخری آرام گاہ میسر آئی۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۴۱-۱۴۳؛ پچاس مثالی شخصیات، ص ۱۶۶-۱۶۷
فہرست کتب اکابر، کتب خانہ دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا محمد یوسف شاہ کشمیریؒ میر واعظ

کشمیر کے معروف میر واعظ، کشمیری مسلمانوں کے عظیم دینی وسیاسی رہ نما اور باا ثر عالم دین تھے۔

۲۴/شعبان ۱۳۱۳ھ/ ۹/فروری ۱۸۹۶ء میں کشمیر میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان کشمیر میں 'میر واعظ خاندان' کہلاتا ہے اور بڑی عظمت وعقیدت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ میر واعظ کا لقب اس خاندان میں کئی پشتوں سے چلا آرہا ہے۔

مولانا یوسف نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد مولانا غلام رسول شہ ثانی اور مولانا حسین وفائی سے حاصل کی۔ پھر دارالعلوم دیوبند میں چند سال رہ کر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۲ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

مولانا یوسف شاہ نے تعلیم سے فراغت کے بعد سری نگر میں ایک دینی درس گاہ اورینٹل کالج کے نام سے قائم کی۔ اس کالج کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانانِ کشمیر جو اَب تک حکومت کی بے توجہی سے جہالت کے دلدل میں پھنسے ہوئے تھے ان کی تعلیم کا انتظام کیا جائے اور اس درس گاہ کے ذریعہ سے معلم، مدرس، مبلغ اور مساجد کی امامت وخطابت کے لیے لائق افراد تیار کیے جائیں۔ مولانا یوسف شاہ خود بھی اس کالج میں درس دیتے تھے۔ اس درس گاہ نے دینی علوم کی خاصی خدمت انجام دی۔ اورینٹل کالج میں پنجاب یونیورسٹی کے عربی کے امتحانات کی تعلیم بھی ہوتی تھی۔

مولانا موصوف دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ طالب علمی میں تحریکِ خلافت سے بہت متاثر تھے۔ انھوں نے کشمیر میں اورینٹل کالج کے علاوہ عام لوگوں میں سیاسی شعور کو بیدار کرنے کے لیے ۱۹۲۵ء میں خلافت کمیٹی قائم کی۔ ان کی یہی سیاسی جدوجہد آگے چل کر 'مسلم مجلس' میں تبدیل ہوگئی۔ انھوں نے کشمیر کے پس ماندہ مسلمانوں کی آواز کو مؤثر بنانے کے لیے 'اسلام' نام سے ایک سہ روزہ پرچہ نکالا اور پھر دوسرا اخبار 'رہ نما' کے نام سے جاری کیا اور اخباروں کو چھاپنے کے لیے پریس لگایا۔

۱۹۴۷ء میں برصغیر کی تقسیم سے قبل مولانا یوسف صاحب کسی ضرورت سے پاکستان گئے ہوئے تھے کہ اسی دوران کچھ ایسے حالات پیش آئے کہ وہ پھر وطن واپس نہ آسکے۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کو پاکستان کے زیر اثر کشمیر کے حصے میں قائم شدہ حکومت کا صدر بنا دیا گیا۔

قیام پاکستان کے زمانے میں انھوں نے قرآن کریم کا کشمیری زبان میں ترجمہ کیا اور مختصر تفسیر لکھی۔ کشمیری زبان میں پورے قرآن مجید کا یہ پہلا ترجمہ اور تفسیر ہے۔

میر واعظ جہاں علمی حیثیت سے اپنے ہم عصر علماء میں ممتاز تھے وہیں عملی زندگی میں عبادت وریاضت اور صدق مقال کے لحاظ سے ان کی زندگی اسلافِ کرام کا عمدہ نمونہ تھی۔ اہل کشمیر کی دینی اور سیاسی بیداری میں ان کی مخلصانہ جدوجہد کا بڑا حصہ ہے۔

۱۶؍رمضان ۱۳۸۹ھ/ ۲۶؍نومبر ۱۹۶۹ء کو روزے کی حالت میں عین افطار کے وقت راولپنڈی میں وفات پائی۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص۱۴۳-۱۴۴

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ

حضرت مولانا لدھیانوی کا خاندان اپنے علم وفضل کے لحاظ سے پنجاب میں مرجعِ خواص وعوام رہا ہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد سے اس خاندان کے علماء ہر دور میں انگریزوں کے خلاف صف آرا رہے ہیں۔ ملک کی آزادی کی جدوجہد میں وہ ہمیشہ پیش پیش رہے اور اس سلسلہ میں ہر قسم کے مصائب کو انگیز کرتے رہے۔

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی ۱۱؍صفر ۱۳۱۰ھ/ ۴؍ستمبر ۱۸۹۲ء لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید اور اردو کی تعلیم لدھیانہ کے مدرسہ میں پائی۔ پھر نکودر ضلع جالندھر اور امرتسر کے مدرسوں میں پڑھا۔ ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۶ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ یہاں حضرت کشمیریؒ کی خدمت میں انھیں فہم قرآن کا شغف پیدا ہوا جو سیاسی مصروفیات کے باوجود ساری عمر جاری رہا۔

مزاج شروع ہی سے سیاست آشنا واقع ہوا تھا۔ ۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت کے دور میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کے ساتھ تحریکِ خلافت کے جلسوں میں شرکت کرنے لگے۔ اسی زمانے میں امرتسر میں جلیاں والہ باغ کا مشہور خونیں واقعہ پیش آیا جس نے ان کے جذبۂ حریت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

۱۹۲۱ء میں پہلی مرتبہ سول نافرمانی کے جرم میں گرفتار ہوئے اور پھر ہندوستان کے آزاد ہونے تک قید و

بند کا سلسلہ چلتا رہا۔

۱۹۲۹ء میں جب پنجاب میں مجلس احرار قائم ہوئی تو وہ اس میں شامل ہوگئے اور کچھ ہی عرصہ بعد انھیں مجلس احرار کا صدر منتخب کرلیا گیا۔ مولانا لدھیانوی مختلف سیاسی تحریکوں میں سرگرمی سے حصہ لیتے رہے۔ وہ شروع ہی میں جمعیۃ علمائے ہند سے وابستہ ہوگئے تھے اور ۱۹۵۰ء تک برابر جمعیۃ علمائے ہند کے رکن رہے۔ ان کی پوری زندگی سیاسی مشاغل میں گزری۔

۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے بعد انھیں انتہائی مجبوری کے عالم میں لدھیانہ چھوڑنا پڑا اور پناہ گزینوں کے ساتھ لاہور چلے گئے۔ پھر وہاں سے دہلی آکر مستقل طور پر دہلی میں مقیم ہوگئے اور عمر کے آخری دس سال ان کے یہیں گزرے۔ اس مدت میں فرقہ وارانہ اتحاد کے لیے وہ مسلسل جدوجہد کرتے رہے۔ مشرقی پنجاب میں مساجد اور اوقاف کی واگزاری کی کوشش میں لگے رہے۔ مظلوموں اور ضرورت مندوں کی خدمت گزاری ان کا عزیز ترین مشغلہ تھا۔

۱۱ر صفر ۱۳۷۶ھ/ ۱۷ر ستمبر ۱۹۵۶ء کو انتقال ہوا اور جامع مسجد شاہ جہانی کے ملحقہ قبرستان میں سپردِ خاک کیے گئے۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۴۴-۱۴۶

حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ

دہلی کے رہنے والے معروف خطیب اور سحر البیان واعظ تھے۔ سحبان الہند سے مشہور تھے اور عرصہ تک جمعیۃ علمائے ہند کے ناظمِ اعلیٰ اور دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن رہے۔

دہلی میں ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم بھی دہلی میں ہی حاصل کی اور مدرسہ امینیہ دہلی سے ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۸ء میں فراغت حاصل کی۔

۱۹۲۰ء میں جمعیۃ علمائے ہند کے پہلے ناظمِ اعلیٰ منتخب ہوئے۔ اس دور میں نان کوآپریشن مومنٹ (تحریک عدم موالات) شباب پر تھی۔ آپ نے اس تحریک میں حصہ لیا اور پہلی بار گرفتار ہوکر جیل گئے۔ پھر تو جیل جانے کا سلسلہ چل پڑا، چالیس سال کی سیاسی زندگی میں آٹھ بار جیل گئے اور ۱۵ر سال پر محیط زندگی کا بیش قیمت زمانہ برطانوی جیلوں میں گزارا۔

۱۹۴۷ء میں تقسیم ہندو پاک کے بعد مسلمانوں پر جو قیامت ٹوٹی اور بالخصوص دہلی کے مسلمانوں پر جو تباہی

و بربادی اور قتل و غارت گری کا عذاب آیا، اس خطرناک دور میں آپ نے اپنے رفقاء کے ساتھ جان ہتھیلیوں پر رکھ کر مسلمانوں کی حفاظت میں مثالی اور ناقابلِ فراموش کارنامہ انجام دیا اور دہلی میں مسلمانوں کے اکھڑے قدم جمانے میں اہم کردار ادا کیا۔ حضرت مدنیؒ کے انتقال کے بعد جمعیۃ علمائے ہند کے صدر منتخب ہوئے۔

آپ بہترین واعظ اور خطیب تھے، مؤثر اور دل کش اندازِ بیان کے مالک تھے۔ کچھ کتابیں بھی یادگار چھوڑی ہیں جن میں 'جنت کی کنجی' اور 'دوزخ کا کھٹکا' بہت مشہور ہیں۔ قرآن پاک کی ایک تفسیر دو جلدوں میں 'کشف القرآن' کے نام سے لکھی۔

۱۳۶۴ھ/ ۱۹۴۵ء سے ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۷ء تک دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن رہے۔

۳؍ جمادی الثانیہ ۱۳۷۹ھ/ ۴؍ دسمبر ۱۹۵۹ء کو دہلی میں انتقال اور مہرولی میں حضرت مفتی کفایت اللہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

حوالہ: کاروانِ رفتہ، ص ۲۰-۲۱؛ ہفت روزہ الجمعیۃ اکتوبر ۱۹۹۵ء، جمعیۃ علماء نمبر ص ۴۶۳-۴۶۵

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ

دارالعلوم دیوبند کے مایۂ ناز فاضل، باشعور سیاست داں اور مفکر و مدبر تھے۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ کے خلف رشید اور ندوۃ المصنفین کے بانی تھے۔

ہیں۔ ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء میں دیوبند میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام ظفر الحق ہے۔ ۹ سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا۔ شروع ہی سے آخر تک دارالعلوم کے اساتذہ سے پڑھا۔ ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۳ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۶ء میں دارالعلوم میں معین المدرسین ہوئے اور اسی کے ساتھ افتاء کا کام بھی کرتے رہے۔ ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۸ء میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل چلے گئے۔ وہاں پانچ سال تک مفتی اور مدرس رہے۔

۱۹۳۰ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی تحریک نمک سازی کے زمانے میں سیاسی دل چسپی کے باعث اپنے رفیق حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کے ساتھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے مستعفی ہوگئے اور پانچ سال تک کلکتہ میں تفسیر، افتاء اور تبلیغ کی خدمات انجام دیں۔ وہاں مفتی صاحب کو بڑی مقبولیت حاصل ہوگئی تھی۔ اسی زمانے میں انھوں نے ندوۃ المصنفین کا خاکہ تیار کیا۔

۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۹ء سے ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء تک دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری کے رکن رہے۔

۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء میں ان کی جد و جہد سے قرول باغ دہلی میں دارالمصنفین قائم ہوا۔ اس ادارے

کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ اسلامی علوم کی نشر واشاعت کی خدمات انجام دی جائیں۔ چناں ندوۃ المصنفین سے سیکڑوں گراں قدر کتابیں شائع ہوئیں جو تفسیر وحدیث، تاریخ، لغت، اخلاق، سیاسیات کے موضوعات پر مشتمل ہیں۔ ندوۃ المصنفین سے ایک بلند پایہ اور معیاری ماہنامہ 'برہان' بھی نکلتا تھا۔

حضرت مفتی صاحب تاحیات ندوۃ المصنفین کے ناظم اور روحِ رواں رہے۔ ان کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء کی قیامت خیز تباہی کے باوجود نہ صرف اس ادارہ کو زندہ رکھا بلکہ اپنی ہمتِ مردانہ سے اس میں ازسرِ نو جان ڈالی اور اجڑے ہوئے گلستان کو دوبارہ چمنستان بنادیا۔

مفتی صاحب کا شمار ملک کے ممتاز اور بالغ نظر اربابِ علم وفضل میں ہوتا تھا۔ بہت سے علمی ودینی اداروں کے ممبر بھی رہے۔ ایک عرصہ تک مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے کورٹ ممبر رہے۔ جمعیۃ علمائے ہند کے کاموں میں حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کے ہمیشہ دستِ راست رہے۔ ان کے انتقال کے بعد جمعیۃ علمائے ہند کے ورکنگ صدر بنائے گئے۔ پھر مجلسِ مشاورت کے صدر ہوئے اور قومی وملی کارناموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

تحریر وتقریر دونوں پر انھیں یکساں قدرت حاصل تھی۔ ندوۃ المصنفین اور قومی وملی کاموں کی مصروفیت کے باعث اگرچہ خود ان کی خود کوئی تصنیف سامنے نہیں آسکی، مگر ندوۃ المصنفین سے شائع ہونے والی کتابیں درحقیقت انھیں کے ذوقِ تصنیف اور حسنِ تدبیر کی آئینہ دار ہیں۔ خود داری، آزادیٔ ضمیر، حریتِ نفس، معاملہ فہمی، نکتہ رسی اور فقہی دسیسہ سنجی ان کے مخصوص اوصاف ہیں۔

۱۰ر شعبان ۱۴۰۴ھ/ ۱۲ر مئی ۱۹۸۴ء کو دہلی میں انتقال ہوا اور منہدیان میں دفن کیے گئے۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۴۴-۱۴۶؛ پچاس مثالی شخصیات، ص ۱۹۹-۲۰۰

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

مجاہدِ ملت، جنگ آزادی کے ممتاز رہنما، سابق ممبر پارلیمنٹ، سابق ناظم عمومی جمعیۃ علمائے ہند، متعدد علمی وتحقیقی کتابوں کے مصنف، شعلہ بیان مقرر اور بے باک سیاست داں کے طور پر جانے جاتے تھے۔

۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء میں اپنے وطن سیوہارہ ضلع بجنور میں ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ 'حفظ الرحمان' ان کا تاریخی نام ہے۔ ان کے والد جناب شمس الدین صاحب بھوپال اور پھر بیکانیر کے ریاستوں میں اسسٹنٹ انجینئر کے عہدہ پر مامور تھے۔ مولانا کے دو بھائی اور تھے جن کو انگریزی تعلیم دلائی گئی۔ دینی

علوم کے حصول کی سعادت اپنے خاندان میں صرف انھیں کے حصہ میں آئی۔ان کی تعلیم زیادہ تر سیوہارہ کے مدرسہ فیضِ عام اور مدرسہ شاہی مرادآباد میں ہوئی۔

۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء میں دارالعلوم میں داخل ہوئے اور ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء میں دورۂ حدیث کی تحصیل سے فراغت حاصل کی۔ مدراس سے ایک مدرس کی طلب آنے پر دارالعلوم کی جانب سے ان کو مدراس بھیج دیا گیا۔وہاں پرنامبٹ میں ایک سال درس وتدریس اور تبلیغی کاموں میں گزارا۔اسی زمانے میں حج وزیارت کی سعادت سے بہرہ ہوئے۔

۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۶ء میں دارالعلوم دیوبند میں درس وتدریس کی خدمات انجام دیں۔ بعدازاں حضرت علامہ کشمیریؒ کے ساتھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے وابستہ ہوگئے۔ وہاں تقریباً پانچ سال تک درس وتدریس میں مشغول رہے۔

۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں آپ انجمن تبلیغ الاسلام کلکتہ کی دعوت پر، جس کے سرپرست مولانا ابوالکلام آزاد تھے، کلکتہ چلے گئے۔وہاں پانچ سال تک درسِ قرآن کی خدمت انجام دی۔انھوں نے وہاں جس دل نشیں انداز میں قرآن شریف کے مطالب ومعارف کو لوگوں تک پہنچایا اس سے کلکتہ میں بہت جلد ان کی عظمت قائم ہوگئی۔کلکتہ میں ان کی مقبولیت آخر تک باقی رہی۔

۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء میں جب ندوۃ المصنفین کا قیام عمل میں آیا، تو آپ اپنے دیرینہ رفیق حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی کے ساتھ دہلی چلے آئے۔

۱۹۴۲ء میں آپ کو جمعیۃ علمائے ہند کا ناظمِ اعلیٰ منتخب کیا گیا۔درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے علمی شغف کے ساتھ ساتھ انھیں سیاست کے خارزار سے بھی گہری دل چسپی تھی۔ چناں چہ ان کی عمر کا بیشتر حصہ ملک وملت کی خدمت اور تحریکِ آزادی کی جدوجہد میں بسر ہوا۔اس سلسلہ میں انھیں متعدد بار قید وبند کے مرحلوں سے بھی گزرنا پڑا۔

۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی آزادی کے بعد ملک میں ہر طرف فسادات پھوٹ پڑے اور کشت وخون کا بازار گرم ہوگیا۔ جب دہلی میں بھی اس آگ کے شعلے پوری شدت سے بھڑک اٹھے تو مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ایسے نازک حالات میں انھوں نے غیر معمولی جرأت وہمت اور پامردی سے اس وقت کے سنگین ترین حالات کا مقابلہ کیا۔لیڈروں کو جھنجھوڑا اور حکام پر زور دے کر امن وامان کو بحال کرانے کا زبردست کارنامہ انجام دیا اور خوف زدہ مسلمانوں کے دلوں سے خوف وہراس دور کیا۔غرض ان کی انتھک جدوجہد سے مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے قدم پھر جم گئے۔ درحقیقت ان کا یہ ایسا امتیازی اور زبردست کارنامہ ہے

جو آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہے۔انھوں نے ۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کی جو عظیم الشان خدمت انجام دی ہے اس کو تاریخ کبھی بھلا نہیں سکتی۔

اس زمانے میں جب دہلی میں ہر طرف کشت وخون اور لوٹ مار کی گرم بازاری تھی، مولانا کے ہندو دوستوں نے ان سے بڑے اصرار کے ساتھ کہا کہ شہر میں آپ کی حفاظت مشکل ہوگئی ہے، ہماری درخواست ہے کہ آپ پناہ گزینوں کے حفاظتی کیمپ میں منتقل ہو جائیں، مگر انھوں نے بڑی جرأت اور سختی کے ساتھ کیمپ میں چلے جانے کے مشورہ کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ ''ہمارے لیے اس ملک میں اس سے زیادہ شرم اور بزدلی کی کوئی بات نہیں ہوسکتی کہ خود اپنے وطن میں ہم پناہ گزیں بن کر رہیں، بے شک یہ آزمائش کا وقت ہے مگر ہمیں اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے۔''

مولانا حفظ الرحمٰن کی ان ہی خدمات سے متاثر ہو کر ملت کی بارگاہ سے ان کو 'مجاہدِ ملت' کے لقب سے نوازا گیا۔ انھوں نے پورے ملک میں دورے کر کے ملّی شعور کو بیدار کیا اور اس کو وقت کے تقاضوں سے روشناس کرایا۔ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے تحفظ کی زبردست کوشش کی۔ ان کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی تھی کہ ایک طرف تو انھیں ملت کا اعتماد حاصل تھا اور دوسری طرف حکومت بھی انھیں عظمت کی نظر سے دیکھتی تھی۔

آپ امروہہ سے تین بار ممبر پارلیمنٹ منتخب ہوئے۔ بہت سے دینی مدارس، اسکولوں اور کالجوں کے رکن رکین تھے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کی ایگزیکیٹو کونسل اور کورٹ کے عرصہ تک ممبر رہے۔ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء سے تا وفات رکن رہے۔

مولانا سیوہاروی کو تصنیف وتالیف سے بھی دل چسپی تھی۔ اپنی ابتدائی زندگی میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ہی سے تصنیفی زندگی کا آغاز کر دیا تھا اور انھوں نے دو کتابچے لکھے تھے: 'حفظ الرحمٰن لمذہب النعمان' اور 'مالابار میں اسلام'۔ بعد میں ندوۃ المصنفین میں انھوں نے بڑی گراں قدر تصنیفی خدمات انجام دیں۔ 'اسلام کا اقتصادی نظام'، 'اخلاق اور فلسفۂ اخلاق' اور 'قصص القرآن' جیسی بلند پایہ اور محققانہ کتابیں لکھیں۔ ندوۃ المصنفین کے قیام سے پہلے وہ سیرتِ نبوی میں 'رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم' اور ۱۹۳۲ء میں دہلی کی ڈسٹرکٹ جیل میں 'بلاغِ مبین' لکھ چکے تھے۔

۱۹۴۷ء کے بعد جن گراں بار ذمہ داریوں سے انھیں دوچار ہونا پڑا اس نے ان کی صحت کی خراب کر دیا۔ غیر معمولی مصروفیتوں کے ساتھ ساتھ مرض بڑھتا رہا۔ ڈاکٹروں کی تشخیص سے پتہ چلا کہ کینسر ہے۔ علاج کے لیے بمبئی لے جایا گیا، مگر مرض کا ازالہ نہ ہوسکا۔ بالآخر علاج کی آخری کوشش یہ کی گئی کہ ان کو امریکہ لے جایا گیا، وہاں ڈھائی مہینے کے علاج سے افاقہ محسوس ہونے پر واپس آ گئے۔ مگر وقت موعود آچکا

تھا، یکم ربیع الاول ۱۳۸۲ھ/ ۲/ اگست ۱۹۶۲ء کو ملتِ اسلامیہ کا یہ جاں باز مجاہد اپنے رب کے حضور میں حاضر ہوگیا۔ نئی دہلی میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے کے مشہور قبرستان 'مہندیان' میں ان کی آخری آرام گاہ ہے۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۴۷-۱۵۱

جمعیۃ علمائے ہند، ہفت روزہ الجمعیۃ، اکتوبر ۱۹۹۵ء، ص ۷۱-۴۵-۴۷

حضرت مولانا سید محمد میاں دیو بندیؒ

مشہور مصنف، نیشنلسٹ رہ نما، جمعیۃ علمائے ہند کے ناظمِ عمومی، اس کی مالیاتی کمیٹی کے چیرمین، مدرسہ شاہی مرآدآباد کے معزز استاذ اور مدرسہ امینیہ دہلی کے شیخ الحدیث ومفتی تھے۔

تاریخی نام مظفر میاں ہے، دیوبند کے مشہور خاندان ساداتِ رضویہ سے تھے۔ ۱۳۲۱ھ/ ۱۹۰۳ء میں ضلع بلند شہر میں پیدا ہوئے جہاں ان کے والد بہ سلسلۂ ملازمت محکمۂ نہر میں تعینات تھے۔ تعلیم کا آغاز گھر سے ہوا۔ قرآن شریف ضلع مظفر نگر کے ایک میاں جی سے پڑھا۔ ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۳ء میں دارالعلوم دیوبند میں درجۂ فارسی میں داخل ہوئے اور ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۵ء میں فراغت حاصل کی۔

اولاً صوبہ بہار کے مقام آرہ شاہ آباد میں مدرس رہے، پھر مدرسہ شاہی مرادآباد میں مدت تک مدرس اور مفتی کی حیثیت سے کام کیا۔ بعدازاں جمعیۃ علمائے ہند کے ناظم مقرر ہوئے اور ایک سال تک ناظمِ اعلیٰ کے عہدے پر فائز رہے۔ جمعیۃ کے مخلص اور کارگزار لیڈروں میں تھے۔ انھیں برطانوی دور میں کئی مرتبہ قید وبند سے گزرنا پڑا۔

۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۶ء میں چند ماہ دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۷۰ھ/ ۱۹۵۱ء سے تاوفات دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے رکن رہے۔

مولانا سید محمد میاں صاحب چالیس سے زائد چھوٹی بڑی کتابوں کے مصنف ہیں۔ فقہ اور تاریخ پر ان کی گہری نظر تھی۔ وہ نامور مصنف اور مؤرخ تھے۔ جمعیۃ علمائے ہند کی تاریخ میں ان کی سیاسی اور تصنیفی خدمات ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی، علمائے حق کے مجاہدانہ کارنامے، سیرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، تاریخ الاسلام، عہدِ زریں، پانی پت اور بزرگان پانی پت، تحریک شیخ الہند، اسیرانِ مالٹا، جمعیۃ العلماء کیا ہے؟، خدمات جمعیۃ علمائے ہند، شواہد تقدس، ہندوستان عہد مغلیہ میں، تعلیم اور طریقۂ تعلیم، حیات شیخ الاسلام، اسلامی تقریبات اور حدیث میں مشکوۃ الآثار، جو دارالعلوم دیوبند کے نصاب میں شامل ہے، ان کی اہم تصانیف ہیں۔ جمعیۃ علمائے ہند کا تعلیمی نصاب جو 'دینی تعلیم کا رسالہ' کے نام سے موسوم ہے

ان ہی کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہے۔ یہ رسالے اسلامی مدارس ومکاتب کے نصاب میں شامل ہیں۔ جمعیۃ علماء کی سیاسی تاریخ اوراس کے ریکارڈ پر ان کی نظر بڑی وسیع تھی۔ علمائے ہند کی سیاسی خدمات سے عوام کو روشناس کرانے کے لیے انھوں نے عظیم تصنیفی کارنامہ انجام دیا۔

ہندوستان کے آخری عہد اسلامی پر ان کی بڑی گہری نظر تھی۔ خاندانِ ولی اللّٰہی اور اکابرِ دیوبند کی علمی و سیاسی اور دینی و تبلیغی خدمات پر ان کی تحریریں بڑی مستند سمجھی جاتی ہیں۔ یورپ وامریکہ کے مصنفین بھی ان کے حوالے دیتے ہیں۔ ان کی تصانیف کو قبولِ عام حاصل ہے۔

سیاسی ہنگاموں میں شرکت کے باوجود اپنی سادگی، خلوت نشینی، اوراد ووظائف کی پابندی اور علم وفضل میں کامل دست گاہ کے ساتھ تواضع وانکسار، زہد وقناعت، ریاضت وعبادت اور صلاح وتقویٰ میں بزرگانِ سلف کا نمونہ تھے۔

زندگی کے آخری دور میں مدرسہ امینیہ دہلی کے شیخ الحدیث اور جمعیۃ علمائے ہند کے ادارۂ مباحثِ فقہیہ کے معتمد رہے۔

۱۶/شوال ۱۳۹۵ھ/۲۲/اکتوبر ۱۹۷۵ء کو اس عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کو رحلت فرمائی اور دہلی میں مدفون ہوئے۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۵۱-۱۵۲؛ فہرست کتبِ اکابر، کتب خانہ دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا محمد بن موسیٰ افریقیؒ

آبائی وطن ضلع سورت میں قصبہ سملک تھا۔ مگر چند پشتوں سے ان کے خاندان نے جنوبی افریقہ کے شہر جوہانسبرگ کو وطنِ اقامت بنالیا تھا۔ وہیں تقریباً ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے لیے ہندوستان آگئے۔ یہاں پالن پور میں مولانا نذیر احمد پالن پوری سے پڑھا۔ ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۶ء میں میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔

دارالعلوم میں آنے کے ساتھ ہی حضرت علامہ کشمیریؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوگئے اور حضرت شاہ صاحب کی زندگی کا رنگ ان پر ایسا غالب آیا کہ نشست وبرخواست، چال ڈھال، بات چیت اور تمام طور وطریق میں ہو بہو اپنے استاذ کا نمونہ بن گئے۔ دولت مند ہونے کے باوجود مزاج اور رہن سہن میں انتہائی سادگی اور تواضع تھی۔ عام طلبہ کی طرح نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ مگر امورِ خیر میں بڑھ

چڑھ کر حصہ لیتے اور نہایت فیاضی سے خرچ کرتے تھے۔ عربی، فارسی اور اردو کے علاوہ انگریزی اور فرانسیسی زبان بھی بہ خوبی جانتے تھے۔

تعلیم سے فارغ ہوکر جوہانسبرگ چلے گئے۔ وہاں اپنے وسیع ترین تجارتی کاروبار کے ساتھ بڑے پیمانے پر دینی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔ اسلامی اور عصری علوم کی تعلیم کے لیے جوہانسبرگ میں واٹروال اسلامی انسٹی ٹیوٹ قائم کیا۔ اس کے لیے عالیشان عمارت تعمیر کرائی۔ انسٹی ٹیوٹ کے تمام مصارف اپنے پاس سے پورا کرتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے طریقہ کے مطابق مفت تعلیم کے ساتھ طلبہ کے خورد ونوش کا انتظام بھی ان کی جانب سے تھا۔ جمعیۃ علمائے ٹرانسوال کے ہمیشہ صدر رہے۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی تعمیر وترقی میں ان کی زبردست مالی امداد کا بڑا حصہ رہا ہے۔ علمی کاموں سے بھی ہمیشہ شغف رہا۔ ڈابھیل کی مجلسِ علمی کے نام سے ایک تصنیفی ادارہ قائم کیا جس میں اہم علمی کتابوں کے شائع کرنے کا انتظام کی اور اس کے تمام مصارف اپنے ذمہ رکھے۔ علامہ ظہیر احسن شوق نیموی (م ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۵ء) کی کتاب آثار السنن پر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے دستِ خاص سے لکھے ہوئے حواشی کی مائیکرو فلم لیکر اہل علم کے لیے اس کے نسخے شائع کیے۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ نے مصنف ابن عبدالرزاق کو انہی کے صاحب زادوں کی مالی اعانت سے ایڈٹ کرکے شائع کیا۔

۱۶/اپریل ۱۹۶۳ء/ ۲۱/ذوالقعدہ ۱۳۸۲ھ کو جوہانسبرگ میں وفات پائی۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۵۲-۱۵۴

حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ

دارالعلوم دیوبند کے مشہور فاضل، ذہین وفطین عالم اور مشہور مصنف ہیں۔ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات کے ناظم مجلس شوری دارالعلوم دیوبند کے رکن، ندوۃ المصنفین کے بانیوں میں سے ہیں اور اس کے معیاری رسالہ 'برہان' کے ہمیشہ مدیر رہے۔

۷/نومبر ۱۹۰۸ء/ یکم شوال ۱۳۲۵ھ میں آگرہ میں پیدا ہوئے۔ آبائی وطن بچھرایوں ضلع مرادآباد ہے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ پھر مدرسہ شاہی مرادآباد میں پڑھا اور آخر میں دارالعلوم دیوبند سے ۱۳۴۴ھ /۱۹۲۶ء میں تکمیل کی۔ بعدازاں اورنٹل کالج لاہور سے مولوی فاضل پاس کیا۔ پھر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں دوسال تک مدرس رہے۔ وہاں سے دہلی جاکر مدرسہ عالیہ فتح پوری میں السنۂ شرقیہ کے استاذ مقرر

ہوئے۔اسی دوران سینٹ اسٹیفن کالج سے ایم اے کیا اور شمس العلماء مولانا عبدالرحمٰن کی جگہ اسٹیفن کالج میں لکچرار مقرر ہوئے۔ پھر ۱۹۴۹ء میں مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل بنائے گئے۔

۱۹۵۸ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں شعبۂ دینیات کے صدر کے منصب کے لیے ان کا انتخاب کیا گیا۔ یونیورسٹی میں ان س ے پہلے دینیات کا شعبہ بہت معمولی حالت میں تھا۔مولانا اکبرآبادی نے کمال جدوجہد سے اپنے زمانے میں علمی اور انتظامی دونوں حیثیتوں سے اس شعبے کو ترقی دے کر یونیورسٹی کے دوسرے اعلی معیار کے شعبوں کے برابر پہنچانے کا زبردست کارنامہ انجام دیا اور اب دینیات کا یہ شعبہ یونیورسٹی کے دوسرے شعبوں کی طرح معیاری شعبہ بن چکا ہے۔دینیات (فیکلٹی آف تھیولوجی) میں پی ایچ ڈی کے شعبہ کا اجراء بھی مولانا اکبرآبادی ہی کی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔

اسی دوران کناڈا کی مشہور آفاق میک گل یونیورسٹی میں وزیٹنگ پروفیسر بھی رہے۔ ایشیا، روس، افریقہ اور یورپ کے مختلف ملکوں کے دورے بھی کیے اور متعدد بین الاقوامی سیمیناروں میں شرکت بھی کی۔ مؤتمر عالمِ اسلامی قاہرہ میں بھی شرکت کی۔

علی گڈھ میں اپنے عہدے کی مدت پوری کرنے کے بعد مولانا اکبرآبادی نے تحقیقات علمیہ (ریسرچ انسٹی ٹیوٹ) تغلق آباد نئی دہلی میں علمی کاموں میں مصروف ہوگئے۔

مولانا موصوف نے ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء سے ندوۃ المصنفین کے بلند پایہ علمی ماہنامہ 'برہان' کے مدیر مقرر ہوئے۔ان کے رشحاتِ قلم بڑے مدلل، پرمغز اور فکر انگیز ہوتے تھے اور جدید وقدیم حلقوں میں بڑے شوق سے پڑھے جاتے تھے۔وہ کئی اہم اور محققانہ کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔صاحبِ قلم ہونے کے علاوہ وہ ایک کامیاب مقرر بھی تھے۔آپ کی تصنیفات کچھ اس طرح ہیں: (۱) اسلام میں غلامی کی حقیقت (۲) غلامان اسلام (۳) فہم القرآن (۴) وحی الٰہی (۵) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ (۶) عثمان ذوالنورین (۷) مسلمانوں کا عروج اور زوال (۸) ہندوستان کی شرعی حیثیت (۹) اسلامی عبادات اور اخلاقی تعلیمات (۱۰) کتاب دینیات (۱۱) مولانا عبیداللہ سندھی اور ان کے ناقد (۱۲) چار علمی مقالات۔

۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء سے دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری کے رکن منتخب ہوئے۔۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء میں آپ کو شیخ الہند اکیڈمی کا ڈائریکٹر بنایا گیا۔

کراچی میں ۲۴؍مئی ۱۹۸۵ء/ ۳؍رمضان ۱۴۰۵ھ کو انتقال ہوا۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۵۴-۱۵۵؛ کاروانِ رفتہ، مولانا اسیر ادروی، ص ۱۰۹

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ

مشہور عالم دین، کثیر التصانیف مصنف، مناظر، صحافی اور صاحبِ نسبت بزرگ ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری اور رابطۂ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے رکن ہیں۔

آپ کا وطن سنبھل ہے، وہیں ۱۸رشوال ۱۳۲۳ھ/ ۱۶ردسمبر ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم پہلے سنبھل میں اور کچھ دن مدرسہ عبدالرب دہلی میں پائی۔ پھر دارالعلوم مئو (ضلع اعظم گڈھ) میں پڑھا۔ آخر میں دارالعلوم دیوبند میں دو سال رہ کر ۱۳۴۵ھ/ ۱۹۲۷ء میں دورۂ حدیث کے امتحان میں سب سے زیادہ کامیابی کے نمبر حاصل کیے۔

فراغت کے بعد امروہہ کے مدرسہ چلہ میں تین سال درس وتدریس میں گزارے۔ پھر چار سال تک ندوۃ العلماء لکھنؤ میں بہ حیثیت شیخ الحدیث کے درس دیا۔

مولانا نعمانیؒ ابتدا ہی سے تبلیغی جماعت سے وابستہ رہے اور حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے ساتھ تبلیغی جماعت کی تشکیل میں نمایاں کردار ادا کیا۔ سلوک وتصوف میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے وابستہ تھے اور ان سے خلافت بھی ملی۔

۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء سے ہی دارالعلوم کی مجلسِ شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے اور تاحین حیات تقریباً ۵۵ر سال تک مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔ بہت باقاعدگی کے ساتھ مجلس شوری ومجلس عاملہ وغیرہ کے اجلاسات میں شریک ہوتے تھے۔ ۸۲-۱۹۸۱ء میں دارالعلوم کے شورائی نظام کی بحالی اور اس کے تحفظ میں انتھک جدو جہد آپ کی زندگی کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔

۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء میں بریلی سے 'الفرقان' کے نام سے ایک ماہنامہ جاری کیا۔ ابتدا میں الفرقان کا رخ مناظرے کی جانب رہا، پھر ۱۹۴۲ء/ ۱۳۶۱ھ سے الفرقان ایک علمی و دینی پرچے میں تبدیل ہوگیا۔ الفرقان کی دو خاص اشاعتیں 'مجدد الف ثانی نمبر' اور 'شاہ ولی اللہ نمبر' کے نام سے بہت مقبول ہوئیں۔ الفرقان اپنے وقت کے اہم اور معیاری رسائل میں تھا اور آج تک برابر شائع ہو رہا ہے۔

مولانا نعمانی اردو کے بڑے مضمون نگار اور مصنف ہیں۔ ان کی زبان عام فہم ہوتی ہے اور طرز نگارش سادہ سلیس اور شگفتہ ہے۔ عوام وخواص دونوں حلقوں میں ان کی کتابیں مقبول اور پسندیدہ ہیں۔ مولانا نعمانی کی تصنیفات کی فہرست حسب ذیل ہے: (۱) معارف الحدیث: چھ جلدوں میں احادیث نبوی کا ایک جامع انتخاب اور شاہ کار ہے جس میں احادیث کی تشریح میں اس دور کی نفسیات کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ (۲)

اسلام کیا ہے؟ (۳) دین وشریعت (۴) قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟ (۵) کلمۂ طیبہ کی حقیقت (۶) نماز کی حقیقت (۷) آپ حج کیسے کریں؟ (۸) برکاتِ رمضان (۹) تحقیق مسئلۂ ایصال ثواب (۱۰) تصوف کیا ہے؟ (۱۱) تذکرۂ امام ربانیؒ (۱۲) ملفوظات مولانا محمد الیاسؒ (۱۳) بوارق الغیب: دو جلدوں میں (۱۴) معرکۃ القلم (۱۵) حضرت شاہ اسماعیل شہید پر معاندین کے الزامات (۱۶) خاکسار تحریک (۱۷) قرآن علم کی روشنی میں (۱۸) اسلام اور کفر کے حدود (۱۹) قادیانیت (۲۰) سیفِ یمانی بر مکائد فرقۂ رضاخانی (۲۱) مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت اور اب میرا موقف (۲۲) شیخ محمد ابن عبدالوہاب کے خلاف پروپیگنڈہ اور ہندوستان کے علمائے حق پر اس کے اثرات (۲۳) ایرانی انقلاب، خمینی اور شیعیت (۲۴) آسان حج (۲۵) فتوحات نعمانیہ، وغیرہ

۵ر مئی ۱۹۹۷ء/ ۲۷ر ذوالحجہ ۱۴۱۷ھ کو لکھنؤ میں انتقال ہوا۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۵۵-۱۵۶؛ ذکرِ رفتگاں، مفتی سلمان منصور پوری، ص ۲۸۸

حضرت مولانا حامد الانصاری غازیؒ

آپ حضرت مولانا منصور انصاری نواسۂ حضرت نانوتویؒ کے خلف الرشید ہیں۔ مشہور صحافی، انشاء پرداز اور جید عالم تھے۔

۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء میں انبیٹھہ ضلع سہارن پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مالیر کوٹلہ میں اپنے وقت کے مشہور استاذ اور اپنے نانا حضرت مولانا صدیق احمد انبیٹھویؒ سے حاصل کی۔ ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۲ء سے ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۷ء تک دارالعلوم دیوبند میں پڑھا۔

اردو زبان کے شگفتہ نثر نگار، صاحبِ طرز ادیب اور ممتاز صحافی ومقرر تھے۔ 'الجمعیۃ' دہلی اور 'مدینہ' بجنور وغیرہ اخبارات کے مدیر مسئول رہے۔ ۱۹۵۳ء میں بمبئی چلے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ بمبئی سے 'جمہوریت' کے نام سے ایک اخبار بھی نکالا۔

مضمون نگاری کے ساتھ، شاعری پر بھی اچھی قدرت ہے۔ سیاسیات پر اُن کی نظر بڑی گہری تھی۔ مدت تک جمعیۃ علمائے ہند سے وابستہ رہے۔ جمعیۃ علمائے مہاراشٹر کے صدر بھی رہے۔

۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۲ء سے ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۴ء تک دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن رہے۔

'اسلام کا نظامِ حکومت' ان کی مشہور تصنیف ہے جو ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہوئی۔ سیرت نبوی پر

'خلقِ عظیم' کے نام سے بھی ایک قابلِ قدر کتاب ہے۔
بمبئی میں ۱۶/۱۰ اکتوبر ۱۹۹۲ء کو انتقال ہوا۔
حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۵۷؛ کاروانِ رفتہ، مولانا اسیر اروی، ص ۷۱

حضرت مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھیؒ

شہر میرٹھ کے خاندان قضاۃ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا خاندان محمد تغلق کے عہد (۷۲۵-۷۵۲ھ/۱۳۲۴-۱۳۵۱ء) سے میرٹھ میں قضا کے اہم منصب پر فائز اور علم وعمل میں ممتاز رہا ہے۔ قاضی صاحب اسی خاندان کے چشم وچراغ اور اپنی آبائی روایات کے حامل ہیں۔

تقریباً ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ دارالعلوم میرٹھ میں پائی۔ مولانا عبدالمومن دیوبندیؒ سے مشکوۃ اور بیضاوی تک پڑھا۔ عربی ادب کا ذوق مدرسہ امداد الاسلام کے استاذ مولانا اختر شاہ خاں صاحب کی صحبت میں پیدا ہوا۔ اسی زمانہ میں فاضلِ ادبِ عربی کا امتحان الہ آباد یونیورسٹی سے پاس کیا اور ہائی اسکول تک انگریزی پڑھی۔ حدیث کی تکمیل کے لیے ۱۳۴۵ھ/ ۱۹۲۶ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ حضرت علامہ کشمیریؒ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے حدیث کا فیض حاصل کیا اور ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۷ء میں امتیاز کے ساتھ دورۂ حدیث سے فراغت پائی۔

زمانۂ طالب علمی ہی میں انھیں عربی قصائد لکھنے اور عربی سے اردو ترجمہ کرنے کی مہارت حاصل ہوگئی تھی اور اردو کے معیاری جرائد میں ان کے ترجمے شائع ہونے لگے تھے۔ مولانا تاجور نجیب آبادی جو اس زمانے میں لاہور سے 'ادبی دنیا' کے نام سے ایک ماہنامہ نکالتے تھے، 'ادبی دنیا' کے جوائنٹ ایڈیٹر کے لیے ان کی نظرِ انتخاب قاضی صاحب پر پڑی اور وہ لاہور چلے گئے۔

۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء میں جب دہلی میں ندوۃ المصنفین قائم ہوا تو اس کے رفقائے تحریر میں قاضی صاحب بھی شامل تھے۔ اسی زمانے میں انھوں نے تاریخِ ملت کے تین حصے نبی عربی، خلافتِ راشدہ اور خلافتِ بنی امیہ لکھے۔ ان کے علاوہ قاضی صاحب اور بھی بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی اہم تصانیف یہ ہیں:
(۲) بیان اللسان (عربی اردو لغت) اس کتاب میں مادہ سے قطع نظر ہر لفظ کو اپنی اصل صورت میں لکھ کر مکمل صرفی ونحوی تشریح کی گئی ہے۔ (۳) قاموس القرآن (الفاظِ قرآنی کی لغت) اس میں الفاظِ قرآنی کی تحقیق لغوی کے علاوہ تمام اہم الفاظ پر جامع ومکمل نوٹ لکھے گئے ہیں۔ یہ بہت مقبول لغت ہے۔ (۴) قصص القرآن (۵)

انتخاب صحاحِ ستہ (۶) سیرتِ طیبہ (۷) شہیدِ کربلا (۸) کلامِ عربی (۹) خلافتِ راشدہ کا عہدِ زریں، وغیرہ۔

ایک زمانے میں میرٹھ سے 'الحرم' کے نام سے ایک مؤقر ماہنامہ بھی نکالتے رہے۔ قاضی صاحب کا طرزِ نگارش سادہ، شگفتہ، عام فہم اور دل کش ہوتا ہے۔ عربی سے اردو میں ترجمہ کرنے میں انھیں کامل دسترس حاصل تھی۔

۱۹۵۷ء میں پروفیسر محمد مجیب وائس چانسلر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے یونیورسٹی میں تاریخ اور تفسیر کی پروفیسری کے لیے آپ کو دعوت دی، جہاں ایک عرصہ تک آپ اس منصب پر فائز رہے اور شعبۂ دینیات کو ترقی دی۔

۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۲ء سے تا حیات دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری کے رکن رہے۔ اس کے علاوہ مجلس منتظمہ ندوۃ العلماء، فیکلٹی آف دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، مجلس عاملہ جمعیۃ علمائے ہند وغیرہ کے رکن اور آل انڈیا دینی تعلیمی بورڈ کے صدر رہے ہیں۔

۱۵/رمضان ۱۴۱۱ھ/ ۳۱/مارچ ۱۹۹۱ء کو میرٹھ وفات ہوئی۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۵۹-۱۶۰

کاروانِ رفتہ، مولانا اسیر ادروی، ص ۱۰۵؛ ذکرِ رفتگاں، ص ۱۰۲

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ

محدث جلیل، بانی جامعہ علومِ اسلامیہ کراچی، پاکستان کے جید علماء اور علامہ کشمیریؒ کے ارشد تلامذہ میں ان کا شمار ہے۔

صوبہ سرحد میں ضلع مردان کی ایک بستی مہابت آباد میں ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء میں پیدا ہوئے۔ ایک اہل علم اور خاندانِ سادات کے فرد ہیں۔ ان کے والد ماجد مولانا محمد زکریا صاحب بلند پایہ عالم اور معروف شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کے جد امجد حضرت سید آدمؒ، ریاست پٹیالہ میں سرہند کے قریب بنور نامی بستی کی طرف نسبت کی وجہ سے بنوری کہلاتے تھے۔ اُن کا خاندان حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وقت سے صوبہ سرحد کا واجب الاحترام خاندان رہا ہے۔ اگر چہ مولانا بنوری نے با قاعدہ دارالعلوم میں داخلہ نہیں لیا، مگر ان کا تعلیمی تعلق ہمیشہ دارالعلوم کے اساتذہ ہی سے رہا۔ انھوں نے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ سے حدیث کی تحصیل کی اور اس طرح ان کی علمی اور تعلیمی زندگی ہمیشہ دارالعلوم دیوبند سے مربوط رہی۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے جانشین اور ان کے علوم ومعارف کے امین تسلیم کیے گئے۔

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل اور پھر پاکستان میں مرکزی مدارس میں درسِ حدیث میں مشغول رہے۔ سندھ کے مشہور مدرسہ ٹنڈوالہ یار میں عرصہ تک شیخ الحدیث رہے۔ پھر کراچی میں نیوٹاؤن کی مسجد میں ایک مدرسہ قائم کیا اور محض متوکلانہ انداز سے مسجد میں تعلیم کا آغاز کردیا۔ حق تعالیٰ نے ان کا صدق واخلاص قبول فرمایا اور آج وہ پاکستان کا ایک مرکزی دارالعلوم شمار کیا جاتا ہے۔ مصارف مدرسہ کے بارے میں انتہائی محتاط اور زہد وتقوی کے پابند تھے۔ تصوف وسلوک میں حضرت تھانوی سے اجازت وخلافت حاصل تھی۔

ذہین، طباع، منکسر المزاج اور وسیع النظر عالمِ دین تھے۔ وجیہ وشکیل شخصیت کے مالک تھے۔ اپنی غیر معمولی علمی صلاحیتیوں کی بنا پر پاکستان کے علاوہ ممالک اسلامیہ کے علمی حلقوں میں بھی مقبول ومتعارف تھے۔ مؤتمر عالم اسلامی اور رابطۂ عالم اسلامی سے بھی مربوط رہے۔ پاکستان میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیے جانے میں آپ خدمات کا بڑا حصہ رہا ہے۔ پاکستان میں مجلس دعوت وتحقیق اسلامی، مجلس ختم تحفظ نبوت اور وفاق المدارس جیسے ادارے کے قیام میں شریک رہے۔

مولانا بنوریؒ صاحبِ قلم بھی تھے۔ اُن کی اردو شستہ اور ادیبانہ ہوتی تھی۔ آپ نے مدرسہ کے لیے 'بینات' کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا جس میں ممتاز اہل قلم کے محققانہ مضامین شائع ہوتے ہیں۔ ادبِ عربی میں نظم ونثر پر ان کو وہی قدرت حاصل تھی جو ایک اہل زبان کو ہوسکتی ہے۔ مصر اور عرب ممالک کے علماء ان کی قابلیت اور فضل وکمال کے معترف تھے۔ فارسی اور پشتو میں بھی مہارت حاصل تھی۔

آپ کا علمی شاہ کار سنن الترمذی کی شرح 'معارف السنن' ہے جس میں انھوں نے حضرت کشمیریؒ کے علوم کو پورے تثبت اور اتقان کے ساتھ محفوظ کردیا ہے۔ اس جامع وبلیغ شرح میں محدثانہ اور فقیہانہ انداز میں کلام کیا گیا ہے۔ اس کی عربیت اور طرزِ ادا معیاری ہے اور ذخیرۂ معلومات بہت کافی ہے، اس سے تبحر اور تفقہ دونوں نمایاں ہے۔ آپ کی دوسری تصنیفات یہ ہیں: (۲) بغیۃ الاریب فی مسائل القبلۃ والمحاریب (۳) یتیمۃ البیان فی شئ من علوم القرآن (۴) عوارف المنن مقدمۂ معارف السنن، ایک جلد میں علیحدہ مطبوعہ ہے۔ (۵) نفحۃ العنبر فی حیاۃ امام العصر الشیخ محمد انور (۶) الاستاذ المودودی وشئ من حیاتہ وأفکارہ (۷) عقیدۂ نزول مسیحؑ (۸) القصائد البنوریۃ (۹) المقدمات البنوریۃ (۱۰) بصائر وعبر (۱۱) تسخیر کائنات (۱۲) ختمِ نبوت۔

۱۷/اکتوبر ۱۹۷۷ء/ ۳/ذوالقعدہ ۱۳۹۷ھ کو اسلام آباد میں انتقال ہوا اور کراچی اپنے مدرسہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۶۴-۱۶۵؛ مشاہیر علمائے دیوبند، ص ۶۳۵-۶۳۸

حضرت مولانا سید حمید الدین فیض آبادیؒ

مشہور محدث، ندوۃ العلماء لکھنؤ اور مدرسہ عالیہ کلکتہ کے شیخ الحدیث اور دارالعلوم دیوبند میں شیخ التفسیر اور اس کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔

آپ اپنے وطن ہنسور ضلع فیض آباد (موجودہ ضلع امبیڈکر نگر) میں ۱۹۱۰ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ اشاعت العلوم ہنسور میں پائی۔ اعلی تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، لیکن یہاں تعلیم مکمل نہ ہوئی تھی کہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ دارالعلوم چھوڑ کر ڈابھیل تشریف لے گئے۔ استاذ محترم کے ساتھ ڈابھیل جانے والوں میں آپ بھی تھے۔ چناں چہ ڈابھیل ہی سے ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ء میں آپ کی فراغت ہوئی۔

فراغت کے بعد کچھ دنوں اپنے وطن ہنسور میں حسبۃً للہ تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد پیر جھنڈا کلاں سندھ کے ایک مدرسہ میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔ آب وہوا کی ناموافقت کی وجہ سے جلد ہی مدرسہ نور العلوم بہرائچ میں حدیث کی تدریس کے لیے تقرر ہوا۔ پھر شوال ۱۳۶۰ھ/ نومبر ۱۹۴۱ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں بہ حیثیت محدث بلائے گئے اور اس ۱۹۴۵ء تک اس منصب پر فائز رہے۔

۱۹۴۹ء میں مدرسہ عالیہ کلکتہ شیخ الحدیث کے منصب پر آپ کا تقرر ہوا۔ ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۵ء میں ایک سال کے لیے دارالعلوم دیوبند میں شیخ التفسیر کی حیثیت سے آپ کا تقرر عمل میں آیا۔ اسی درمیان آپ نے دارالعلوم دیوبند میں مسلم شریف کا درس بھی دیا۔ لیکن مدرسہ عالیہ کلکتہ کے اصرار پر پھر کلکتہ تشریف لے گئے اور وہیں قیام کیا۔

آپ ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۲ء سے ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۸ء تک دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری کے رکن بھی رہے۔

حضرت مولانا حمید الدینؒ نہایت قوی الاستعداد، کامل الفن، صاحب علم وفضل اور صاحب تقوی بزرگ تھے۔ نہایت سادہ مزاج اور پاکیزہ اخلاق تھے۔ حسن صورت اور حسن سیرت کا مرقع تھے۔ حدیث و تفسیر اور فقہ میں خصوصی درک حاصل تھا۔ آپ نے پوری زندگی کتاب وسنت کی تدریس میں گزاری۔ مختلف جامعات ومدارس میں ہزاروں علماء وطلبہ نے آپ سے فیض پایا۔

۲۴ رشعبان ۱۳۸۸ھ/ ۱۵ رنومبر ۱۹۶۸ء کی شب کو دہلی سے بذریعۂ کار دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کے لیے دیوبند آ رہے تھے کہ راستے میں مظفر نگر کے قریب حادثہ پیش آیا اور اسی میں آپ کا انتقال ہوا۔ اگلے دن دیوبند میں مزار قاسمی میں دفن کیے گئے۔

حوالہ: مشاہدات وتاثرات، مرتب مفتی محمد سلمان منصور پوری
دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی، ص ۱۰۷، ۱۱۵

حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ

علوم ظاہری و باطنی کے جامع اور معقولات ومنقولات کے ماہر عالم دین تھے۔ حضرت کشمیریؒ کے تلمیذ رشید، حضرت تھانویؒ کے خلیفۂ اجلّ اور جامعہ اشرفیہ لاہور کے بانی تھے۔

۱۸۷۸ء کے لگ بھگ حسن ابدال کے قریب موضع مل پور میں پیدا ہوئے۔ اعلیٰ تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔

فراغت کے بعد تقریباً چالیس سال تک امرتسر میں علمی وتدریسی خدمات انجام دیں۔ علماء وفضلاء آپ کے درس میں شرکت کرتے تھے۔

آپ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خاص خلفاء میں تھے۔ امرتسر اور لاہور کے دوران قیام درس قرآن کا معمول رہا۔ اسی کے ساتھ فتویٰ نویسی بھی آپ کا مستقل شغل تھا۔

تقسیم ہند کے بعد ستمبر ۱۹۴۷ء میں لاہور میں جامعہ اشرفیہ کے نام سے ایک عظیم دینی مدرسہ قائم فرمایا جو اس وقت پاکستان مرکزی مدارس میں شمار کیا جاتا ہے۔

یکم جون ۱۹۶۱ء/ ۱۵ ذوالحجہ ۱۳۸۰ھ کو کراچی میں آپ کا انتقال اور وہیں دفن کیے گئے۔

حوالہ: دارالعلوم دیوبند پچاس مثالی شخصیات، ص ۱۶۱؛ مشاہیر علمائے دیوبند، ص ۴۸۸-۴۹۱

حضرت مولانا محمد جلیل علوی کیرانویؒ

باصلاحیت عالم دین تھے اور دارالعلوم کے درجۂ علیا کے استاذ تھے۔

اپنے وطن کیرانہ ضلع مظفر نگر میں ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۳۱ھ میں دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہندؒ کی سرپرستی میں تعلیم شروع کی اور ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء میں فراغت حاصل کی۔

جب حضرت شیخ الہندؒ حجاز میں گرفتار کرکے مالٹا بھیجے گئے تو ہندوستان کی انگریزی حکومت نے جہاں دوسرے علماء کو گرفتار کیا ان میں مولانا کیرانوی بھی شریک تھے، ان پر سختیاں کیں کہ کچھ راز کا پتہ لگے، مگر مولانا مضبوط ثابت ہوئے۔

فراغت کے بعد مدرسہ مظہر العلوم کراچی میں مدرس ہوئے۔ ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۲ء میں دارالعلوم میں مدرس عربی مقرر ہوئے اور بہت جلد درجۂ علیا کے مدرسین میں شامل ہوگئے۔ حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ کے

انتقال کے بعد ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۵ء میں نائب ناظمِ تعلیمات کے عہدہ پر بھی فائز ہوئے۔آپ کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

۷/ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ/ ۲/ اگست ۱۹۶۸ء کوئی سال بیمار رہ کر وفات پائی اور قبرستان قاسمی میں دفن کیے گئے۔

حوالہ: مشاہیر علمائے دارالعلوم دیوبند،ص ۹۴؛ کاروانِ رفتہ،ص ۶۹؛ مشاہیر علماء دیوبند،ص ۱۱۶

حضرت مولانا میاں سید اختر حسین دیوبندیؒ

دارالعلوم دیوبند کے استاذ اور ناظم تعلیمات تھے۔آپ حضرت مولانا اصغر حسین دیوبندیؒ کے بڑے صاحب زادے تھے۔

دیوبند میں ۲۳/ رجب ۱۳۱۶ھ/ ۸/ دسمبر ۱۸۹۸ء کو پیدا ہوئے۔تعلیمی زندگی کا بڑا حصہ دارالعلوم میں گزرا اور ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۳ء میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے۔

محرم ۱۳۴۴ھ/ جولائی ۱۹۲۵ء میں دارالعلوم دیوبند میں معین المدرسین مقرر کئے گئے اور ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۳۰ء میں درجۂ عربی کے مدرس مقرر ہوئے۔رجب ۱۳۸۳ھ/ نومبر ۱۹۶۳ء میں ترقی کر کے درجۂ علیا میں پہنچے اور نائب ناظمِ تعلیمات بنائے گئے۔۱۳۸۷ھ میں ناظم تعلیمات بنائے گئے اور تاعمر اس عہدہ پر فائز رہے۔

پوری زندگی تعلیم وتدریس میں گزاری اور ہزار ہا ہزار طالب علموں نے آپ سے استفادہ کیا۔آپ نے 'سوانحِ حیات مولانا سید اصغر حسین' کے نام سے اپنے والد کے حالات لکھے ہیں۔

یکم ذوالحجہ ۱۳۹۷ھ/ ۱۳/ نومبر ۱۹۷۷ء بروز یکشنبہ وفات پائی اور دیوبند میں اپنے آبائی قبرستان میں سپردِ خاک ہوئے۔

حوالہ: مشاہیر علمائے دارالعلوم دیوبند،ص ۹۶؛ کاروانِ رفتہ،ص ۶۹؛ مشاہیر علماء دیوبند،ص ۱۱۶

حضرت مولانا نبیہ حسن دیوبندیؒ

دیوبند کے رہنے والے تھے۔۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔۱۳۲۷ھ/ ۱۹۰۹ء میں حضرت شیخ الہندؒ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی اور اسی سال دارالعلوم میں مدرس مقرر ہوئے۔پوری زندگی

دارالعلوم میں درس و تدریس میں گزاری۔ تفسیر و حدیث کے علاوہ علم ہیئت وفنون کی کتابیں آپ سے متعلق تھیں۔ ہزاروں فضلائے دیوبند نے آپ سے علمی استفادہ کیا۔

۱۳۵۱ھ/۱۹۳۳ء میں انتقال ہوا۔

حوالہ: دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی، ص۱۱۰؛ دارالعلوم اور دیوبند کی تاریخی شخصیات، ص۳۲

حضرت مولانا قاضی مسعود احمد دیوبندیؒ

ممتاز عالمِ دین اور مفتی تھے۔ دیوبند کے معروف قاضی خاندان سے تھے۔

۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء میں تقرر ہوا اور پھر ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء میں نائب مفتی اور مدرس عربی بنائے گئے اور تاعمر افتاء و تدریس کی خدمات انجام دیں۔ علم الفرائض سے غیر معمولی مناسبت تھی۔ چھیالیس سال تک دارالعلوم میں فتویٰ نویسی کی اہم خدمت انجام دی۔

حضرت شیخ الہندؒ کے داماد اور معتمد تھے۔ تحریک ریشمی رومال میں شریک رہے اور اس سلسلہ میں گرفتار بھی کیے گئے۔

۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء میں انتقال ہوا اور مزارِ قاسمی میں دفن کیے گئے۔

حوالہ: دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی، ص۱۱۱
دارالعلوم اور دیوبند کی تاریخی شخصیات، ص۶۵؛ تحریک ریشمی رومال، ص۳۳۲، ۴۰۲

حضرت مولانا عبدالحق نافع گل پشاوریؒ

بلند پایہ محقق و مدقق، جامع منقول و معقول اور کثیر المطالعہ عالم دین تھے۔

۹ر محرم الحرام ۱۳۱۳ھ/۲ر جولائی ۱۸۹۵ء کو زیارت کا کا صاحب تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور میں میاں شاہد گل کے گھر پیدا ہوئے۔ عبدالحق نام تھا، لیکن نافع گل سے مشہور ہوئے۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دیوبند آئے جہاں آپ کے بڑے بھائی مولانا عزیر گل صاحب زیر تعلیم تھے۔ تعلیم کی تکمیل حضرت کشمیریؒ سے کی۔

فراغت کے بعد ہندوستان کے بعض مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ صوبہ بنگال کے ضلع نواکھالی (اب بنگلہ دیش) میں بھی درس دیا۔

۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے لئے بلائے گئے اور ۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۷ء (تقریباً پندرہ سال) تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ اسی درمیان تقسیم ہند و پاک کا سانحہ پیش آ گیا۔ ۱۹۵۰ء میں مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی میں بطور صدر مدرس تشریف لے گئے اور وہاں دورۂ حدیث کی تعلیم شروع کی۔ ۵۴-۱۹۵۳ء میں مدرسہ اسلامیہ چارسدہ ضلع پشاور میں شیخ الحدیث رہے۔ ۱۹۵۶ء میں علامہ محمد یوسف بنوریؒ کے اصرار پر مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی کے شیخ الحدیث کا منصب قبول کیا۔

تصانیف میں دو کتابیں 'نفع المہتدی' اور 'ایضاح الفتاوی' ہیں؛ اول الذکر حضرت مولانا ظفر عثمانیؒ کے سیاسی مسلک کا علمی جائزہ ہے جب کہ ثانی الذکر مولانا مودودی کا علمی رد ہے۔

۱۳/ذوالحجہ ۱۳۹۳ھ/ ۸/جنوری ۱۹۷۴ء میں سخاکوٹ میں انتقال ہوا۔

حوالہ: مشاہیر علمائے دیوبند، ص ۲۵۴-۲۵۵

حضرت مولانا بشیر احمد بلندشہریؒ

دارالعلوم دیوبند کے درجۂ علیاء کے استاذ اور نائب مہتمم تھے۔

آبائی وطن ضلع بلندشہر تھا، حضرت مولانا نصیر احمد خان بلندشہریؒ کے برادر اکبر اور استاذ و مربی تھے۔

۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء میں دارالعلوم دیوبند میں استاذ مقرر ہوئے اور تا وفات مختلف تدریسی و انتظامی خدمات انجام دیں۔ دورہ میں حدیث کی متعدد کتابیں پڑھائیں۔ علم ہیئت، علم کلام اور علمِ منطق میں مہارت حاصل تھی۔ ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء میں نائب مہتمم بنائے گئے اور آخر تک اس اہم ذمہ داری کو بحسن وخوبی نبھایا۔

۸/جمادی الثانیہ ۱۳۸۶ھ/ ۲۴ دسمبر ۱۹۶۶ء کو انتقال ہوا اور مزارِ قاسمی میں مدفون ہیں۔

حوالہ: دارالعلوم اور دیوبند کی تاریخی شخصیات، ص ۲۷

حضرت مولانا ظہور احمد دیوبندیؒ

دارالعلوم میں درجۂ علیاء کے استاذ تھے۔ حضرت مولانا خورشید عالم دیوبندیؒ آپ کے صاحبزادے تھے۔

دیوبند میں ۱۹/ربیع الاول ۱۳۱۸ھ/ ۱۷/جولائی ۱۹۰۰ء کو پیدا ہوئے۔ پوری تعلیم دارالعلوم دیوبند میں

حاصل کی اور ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

فراغت کے بعد مدرسہ شاہ بہلول سہارن پور میں صدر مدرس بنائے گئے۔ اس کے بعد مدرسہ قاسمیہ نگینہ ضلع بجنور، مدرسہ سعیدیہ شاہ جہاں پور وغیرہ مختلف مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۱ء میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس بنائے گئے، پھر زندگی بھر یہیں درس و تدریس میں مشغول رہے۔ درمیان میں ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء سے ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۷ء تک چند سال بعض وجوہ کی بنیاد پر دارالعلوم سے باہر رہے، مگر پھر واپس آ گئے۔

۲۹ر ربیع الاول ۱۳۸۳ھ/ ۲۱ر اگست ۱۹۶۳ء کو انتقال ہوا اور مزارِ قاسمی میں تدفین ہوئی۔

حوالہ: مشاہیر علماء دارالعلوم دیوبند، ص ۹۱؛ دارالعلوم اور دیوبند کی تاریخی شخصیات، ص ۷۰

حضرت مولانا عبدالحفیظ بلیاویؒ

دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے۔ ساری زندگی درس و تدریس میں گذری۔

ابوالفضل مولانا عبدالحفیظ بلیاوی ابن مولانا عبدالرحمٰن، رسڑا ضلع بلیا کے رہنے والے تھے۔ ۱۳۴۲ھ/ ۱۹۲۴ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔ ادب عربی کی تعلیم خصوصی طور پر حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ سے حاصل کی۔

فراغت کے بعد مدرسہ مصباح العلوم بریلی اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ادب عربی اور حدیث کے استاذ تھے۔ ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء میں ایک سال دارالعلوم دیوبند میں بھی مدرس رہے اور ماہنامہ دارالعلوم کے ایڈیٹر کے طور پر بھی کام کرتے رہے۔

عربی کی مشہور لغت 'مصباح اللغات' کے مصنف ہیں۔ ایک دوسری لغت 'اردو عربی ڈکشنری' کے نام سے لکھی۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی کتاب 'مختارات من ادب العربی' پر عربی میں ان کا حاشیہ ہے۔

۳ر جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ/ ۲۷ر جولائی ۱۹۷۱ء کو اپنے وطن میں وفات پائی۔

حوالہ: کاروانِ رفتہ، ص ۱۵۸؛ حیات ابوالمآثر، ص ۶۷۶

حضرت مولانا اسلام الحق اعظمیؒ

اپنے وطن کوپا گنج ضلع اعظم گڈھ (اب مئو) میں ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی اور

متوسطات کی تعلیم اپنے وطن، جون پور اور کان پور میں حاصل کی۔ ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء میں مینڈھو میں مشکاۃ اور ہدایہ وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۵ء میں دارالعلوم دیوبند آگئے اور ۱۳۴۵ھ/ ۱۹۲۷ء میں حضرت کشمیریؒ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔

فراغت کے بعد دارالعلوم مئو میں مدرس ہوئے۔ پھر اپنے وطن کو پا گنج میں مدرسہ مصباح العلوم میں مدرس بنائے گئے۔ اس کے بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، مدرسہ تعلیم الاسلام آنند گجرات اور مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور میں بہ حیثیت استاذِ حدیث وصدر المدرسین تعلیمی فرائض انجام دیے۔

۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۱ء میں دارالعلوم دیوبند بلائے گئے اور اخیر عمر تک یہیں درس و تدریس میں منہمک رہے۔ ذی استعداد، یکسو مزاج اور خالص علمی رنگ کے عالم تھے۔ دیوبند ہی کے زمانۂ قیام میں التوضیح الاحسن شرح ملاحسن، شرح قطبی اور فیض الملہم شرح مقدمۂ مسلم لکھیں جو طبع ہوئیں۔ اس کے علاوہ نبراس شرح شرح عقائد نسفی کا سلیس ترجمہ بھی کیا جو طبع نہ ہوسکا۔

۲۴ رربیع الثانی ۱۳۹۲ھ/ ۷رجون ۱۹۷۲ء کو اپنے وطن میں وفات پائی۔

حوالہ: تذکرہ علمائے اعظم گڈھ، ص ۹۶-۱۰۱

حضرت مولانا شمس الحق فرید پوریؒ

مشرقی پاکستان کے مجاہد علماء میں سے تھے۔ اپنے اخلاص وللّٰہیت، مجاہدانہ عزم وعمل اور بے لوث خدمات کے لیے جانے جاتے تھے اور تمام علمی ودینی حلقوں میں ہر دل عزیز شخصیت کے مالک تھے۔

ضلع فرید پور (موجودہ بنگلہ دیش) کے رہنے والے تھے۔ تقریباً ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں پیدا ہوئے۔ مظاہر علوم سہارن پور میں تعلیم پائی۔ پھر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور یہاں سے ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۷ء میں فراغت حاصل کی۔

مولانا فرید پوری نے اپنی علمی اور تبلیغی خدمات کے لیے ڈھاکہ میں جامعہ قرآنیہ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ مدرسہ کے لیے عالی شان عمارتیں بنوائیں اور مسجد تعمیر کرائی۔ یہ مدرسہ ڈھاکہ کے دینی مدارس میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ نے آپ کو اخلاص اور دینی لگن کی وجہ سے عوام وخواص میں غیر معمولی مقبولیت اور وجاہت عطا فرمائی تھی۔ وہ چاہتے تو اپنے لیے بہتر کوٹھی بنگلے بنوا سکتے تھے، لیکن اپنے قیام کے لیے انھوں نے جامعہ قرآنیہ کا ایک تنگ وتاریک حجرہ منتخب کیا۔

اخلاص وسادگی کے ساتھ حق گوئی اور بے باکی ان کی خاص صفت تھی۔ مشرقی پاکستان کے حکام کے ساتھ ان کے گہرے تعلقات تھے، لیکن جب دین کا معاملہ آجاتا تو پوری بے باکی اور جرأت کے ساتھ اپنی بات کہنے سے نہیں چوکتے تھے۔ آخر عمر میں صحت خراب ہوگئی تھی، مگر دینی خدمات کے لیے ان کے عزم و حوصلہ میں کوئی کمی نہیں آئی۔

مولانا فرید پوری بنگلہ زبان کے بڑے اچھے مصنف تھے۔ انھوں نے بنگال کے مسلمانوں کو دینی تعلیم سے روشناس کرانے کے لیے بڑی خدمت انجام دی۔ بہشتی زیور کا بنگلہ زبان میں ترجمہ کیا، جو بنگال میں بہت مقبول ہوا۔ اس کے علاوہ انھوں نے حضرت تھانویؒ کی متعدد کتابوں کو بنگلہ زبان میں منتقل کیا۔

۲/ذوالقعدۃ ۱۳۸۸ھ/ ۲۱/جنوری ۱۹۶۹ء کو تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۶۰-۱۶۱؛ اکابر علمائے دیوبند، ص ۳۰۹-۳۱۳

حضرت مولانا قاضی سجاد حسین کرتپوریؒ

دارالعلوم دیوبند کے فاضل، مدرسہ عالیہ فتح پوری کے صدرالمدرسین اور فارسی کے جید عالم اور مترجم و شارح تھے۔

۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء میں پیدا ہوئے۔ کرت پور ضلع بجنور وطن تھا۔ ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔ الہ آباد بورڈ سے مولوی عالم اور فاضلِ ادب کے امتحانات اور پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات پاس کیے۔

پہلے مدرسہ عالیہ فتح پوری میں مدرس مقرر ہوئے، پھر ترقی کرتے ہوئے صدرالمدرسین بنائے گئے۔

علم وفضل کے ساتھ خلیق، متواضع اور بلند اخلاق عالم تھے۔ ایک عرصہ تک جمعیۃ علمائے ہند کے رکن رہے۔ دینی تعلیمی بورڈ دہلی کے جنرل سکریٹری کے فرائض بھی انجام دیے اور ہمدرد دواخانہ دہلی (وقف) کے نائب متولی بھی رہے۔

شیخ سعدی کی گلستاں، بوستاں، کریما اور دیوانِ حافظ شیرازی، مالابدمنہ، گلزار دبستاں، حمد باری اور پندنامہ وغیرہ فارسی کی درسی کتابوں پر آپ نے اردو میں مفید اور سہل حواشی لکھے اور ان کو نہایت صحت و اہتمام کے ساتھ طبع کرایا۔ مثنوی کے چھ دفاتر کا اردو ترجمہ بھی لکھا اور بمبئی آرٹ دہلی سے شائع کرایا۔ سبعہ معلقہ کی ایک شرح بھی انھوں نے اردو میں توشیحات کے نام سے لکھی ہے۔ فقہ حنفی کے انسائیکلو پیڈیا 'فتاوی

تا تارخانیہ، جو اَب تک مخطوطہ کی شکل میں تھا، کی ابتدائی پانچ جلدوں کو ایڈٹ کیا جو دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد سے شائع ہوا۔ الجمعیۃ وغیرہ میں ان کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔ اردو تحریر و تقریر دونوں پر انھیں اچھی قدرت حاصل تھی۔

حکومتِ ہند نے ان کی علمی خدمات کے اعتراف میں ان کو فارسی کا ایوارڈ دیا۔

دہلی میں ۲۵؍دسمبر ۱۹۹۰ء/ ۷ جمادی الاخری ۱۴۱۱ھ کو وفات پائی۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۶۲-۱۶۳؛ کاروانِ رفتہ، مولانا اسیر ادروی، ص ۱۰۷

حضرت مولانا مسیح اللہ خان جلال آبادیؒ

شیخِ وقت، جامعہ مفتاح العلوم جلال آباد کے بانی اور حضرت تھانویؒ کے ممتاز خلفاء میں تھے۔

آپ کا تعلق ضلع علی گڈھ کے مشہور شروانی خاندان سے ہے۔ ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء میں اپنے وطن سرائے برلہ ضلع علی گڈھ میں پیدا ہوئے۔ ابتداء سرکاری اسکول میں درجہ ششم تک پڑھا۔ بچپن سے ہی ذکر و نوافل، اوراد و وظائف اور دینی تعلیم حاصل کرنے کا شوق دامن گیر تھا؛ اس لیے سرکاری اسکول سے بددل ہو کر تعلیم چھوڑ دی۔ بالآخر مجبور ہو کر والد صاحب نے دینی تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دے دی۔ مشکوۃ المصابیح تک اپنے وطن میں پڑھا، ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۲۹ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۰ء میں شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے دورِ صدارت میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ اس کے بعد مزید دو سال تک دارالعلوم میں رہ کر معقولات کی کتابیں، امورِ عامہ، قاضی مبارک، تصریح، شرح چغمینی، سبع شداد وغیرہ پڑھیں۔

زمانۂ تعلیم ہی میں حضرت تھانویؒ سے بیعت کا شرف حاصل کر لیا تھا۔ پھر جلد ہی ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء میں خلافت سے سرفراز ہو گئے تھے۔ حضرت تھانویؒ کے بہت معتمد اور مخصوص خلفاء میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔

۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء میں حضرت تھانویؒ نے انھیں جلال آباد کے ایک مدرسہ میں مدرس بنا کر بھیجا۔ اس وقت یہ مدرسہ صرف ایک مکتب کی حیثیت میں قائم تھا، مگر چند ہی سالوں میں آپ کی مخلصانہ جدوجہد اور خونِ جگر کی آبیاری سے اس مدرسہ کا شمار جو اَب مفتاح العلوم کے نام سے موسوم ہے، ہندوستان کے بڑے مدارس عربیہ میں ہوتا ہے۔ ملک و بیرون ملک کے بہت سے طلبہ نے اس مدرسہ سے استفادہ کیا۔

آپ کے مریدین کا حلقہ بہت وسیع تھا، آپ کا فیضان عام ہوا اور ہند سے گزر کر بیرونِ ہند تک پہنچا۔ پیچیدہ مسائل و مباحث کو آسان اسلوب میں مثالوں اور واقعات و حکایات کے ذریعہ سے سمجھانے میں آپ

کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ فن تصوف پر ان کی ایک کتاب 'شریعت وتصوف' ہے جو حضرت تھانویؒ کی تصوف سے متعلق کتابوں سے ماخوذ ہے۔ کتاب وسنت کی روشنی میں تصوف کے مسائل ومضامین کو نہایت سہل اور آسان انداز میں اس طرح سمجھایا گیا ہے کہ ایک عام آدمی بھی ان مسائل کو بہ خوبی سمجھ سکتا ہے۔

جلال آباد ضلع مظفر نگر میں ۱۲/نومبر ۱۹۹۲ء/ ۱۶/جمادی الاولی ۱۴۱۳ھ کو انتقال ہوا۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم،ص ۱۶۳-۱۶۴؛ اکابر علمائے دیوبند،ص ۳۰۶-۳۰۸

حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ

امیر شریعت بہار واڑیسہ، وبانی واولین جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن، خانقاہ رحمانیہ مونگیر کے سجادہ نشین اور معروف عالم دین تھے۔

۹/جمادی الاخریٰ ۱۳۳۲ھ/ ۵/مئی ۱۹۱۴ء کو خانقاہِ رحمانی مونگیر میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ماجد حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ اپنے وقت کے یگانۂ روزگار عالم اور حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کے اجلۂ خلفاء میں سے تھے۔ قرآن شریف اور فارسی وعربی کی ابتدائی تعلیم وطن میں پائی۔ ۱۱/سال کی عمر میں حیدرآباد دکن چلے گئے اور وہاں ایک سال رہ کر مفتی عبداللطیف صاحب سے عربی صرف ونحو اور منطق کی کتابیں پڑھیں۔ پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہو کر چار سال تک زیرِ تعلیم رہے۔ اسی دوران میں اس وقت کے نامور عالم مولانا حفیظ اللہ سے حجۃ اللہ البالغہ کا درس لیا۔ ندوۃ العلماء کے ممتاز طلبہ میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۰ء میں تکمیل علوم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۳ء میں سندِ فراغ حاصل کی۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنیؒ کے مخصوص تلامذہ میں تھے۔

۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶ء میں بہار اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۱۳۶۱ھ/ ۱۹۴۲ء میں خانقاہِ رحمانی کے سجادہ نشین بنائے گئے۔ خانقاہِ رحمانی کو ان کے والد ماجد نے مشرقی ہندوستان میں ایک بڑا علمی، دینی اور تبلیغی مرکز بنادیا تھا۔ مسندِ سجادگی پر متمکن ہونے کے بعد خلقِ خدا کی اصلاح پر متوجہ ہوگئے۔ بہار، اڑیسہ اور بنگال میں ان کے مریدین ومسترشدین کا ایک وسیع حلقہ ہے۔

۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۴ء سے ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء تک دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن رہے۔ مجلس میں ان کی اصابتِ رائے کو اہم مقام حاصل تھا۔

۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۶ء میں ان کو امارتِ شرعیہ صوبہ بہار واڑیسہ کا امیرِ شریعت منتخب کیا گیا۔ افادۂ باطنی کے

ساتھ ساتھ درس وتدریس کا مشغلہ بھی جاری رہتا تھا۔ان کی ذات شریعت وتصوف کے ایک حسین سنگم کی حیثیت رکھتی تھی۔مولانا رحمانی کے زمانے میں امارتِ شرعیہ کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ بہار اور اڑیسہ میں جابہ جا اس کی شاخیں قائم ہوئیں۔ یہ ادارہ شرعی قوانین کو اپنے حلقۂ اثر میں قائم کیے ہوئے ہے۔

جامعہ رحمانی کا ازسرِ نو قیام اور اس کی غیر معمولی ترقی ان کا ایک اہم علمی اور انتظامی کارنامہ ہے۔جامعہ رحمانی کا شمار اس وقت بہار کے بڑی دینی مدارس میں ہوتا ہے۔ جامعۂ رحمانی کے کتب خانے میں ان کے زمانے میں بڑی ترقی کی، کتب خانے میں قدیم وجدید علوم کی منتخب کتابوں کا گراں قدر ذخیرہ جمع ہوگیا۔

مولانا رحمانی ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۴ء کی مؤتمر عالم اسلامی قاہرہ میں ہندوستان کے نمائندے کی حیثیت سے شرکت فرما چکے ہیں۔'سفر مصر وحجاز' اس علمی اور ثقافتی سفر کی تاریخی یادگار ہے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام اور اس کی پہلے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے مسلمانوں کے عائلی قوانین کے سلسلہ میں ان کی زبردست خدمات ہیں۔مسلم پرسل لا بورڈ کے تحت جو مختلف المسالک نمائندگان ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئے تھے، مولانا رحمانی کو ان سب جماعتوں کا اعتماد حاصل تھا۔مسلم پرسنل لا بورڈ کے پلیٹ فارم سے آپ کی خدمات آپ کی زندگی کا تابناک باب ہے۔

تقریر وتحریر دونوں میں بہرۂ وافر رکھتے تھے۔ انگریزی زبان سے بھی بہ قدرِ ضرورت واقفیت تھی۔متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ان کا طرزِ نگارش سادہ، عام فہم اور دل کش ہوتا ہے۔انھیں زبان و بیان پر پوری طرح قدرت حاصل ہے۔انھوں نے متعدد رسائل اور کتابیں لکھیں، جن میں کچھ اہم کتابیں یہ ہیں: (۱) کتابت حدیث (۲) مکاتیب گیلانی جلد اول (۳) نسبت اور ذکر وشغل (۴) مسلم پرسنل لاء (۵) قانون شریعت کے مصادر اور نئے مسائل کا حل (۶) سفر مصر وحجاز (۷) مذہب اخلاق اور قانون (۸) یونیفارم سول کوڈ (۹) متبنٰی بل ۱۹۷۲ء ایک جائزہ، وغیرہ۔

۱۹/ مارچ ۱۹۹۱ء/ ۳/ رمضان ۱۴۱۱ھ کو آپ کی وفات ہوئی۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۶۶-۱۶۷؛ ذکرِ رفتگاں، ص ۱۰۲
فہرست کتبِ اکابر، کتب خانہ دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا اشرف علی کمرلائیؒ

موجودہ بنگلہ دیش کے ضلع کمرلا کے رہنے والے تھے۔۱۳۶۴ھ/ ۱۹۴۵ء میں دارالعلوم دیوبند سے

فراغت حاصل کی۔

درس وتدریس کے علاوہ تقریر وخطابت، وعظ وتلقین، دینی وسماجی اصلاح اور تصنیف وتالیف کے ذریعے سے بنگال میں قابل قدر خدمات انجام دی۔ مدرسہ لاوڑی، دارالعلوم جسر لاکھ پور سینئر مدرسہ، اور ہیبت نگر کے مدرسہ عالیہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ درسِ نظامی کی قریب قریب ساری ہی کتابیں پڑھانے کا ان کو اتفاق ہوا۔ بنگال میں سیکڑوں طلبہ نے ان سے دینی وعلمی فیض حاصل کیا۔ اپنے علاقہ میں فتوی نویسی کا اہم کام بھی دیتے رہے اور میدانِ مناظرہ میں بھی اپنی صلاحیتوں کے غیر معمولی جوہر دکھا کر اہل علم سے داد وتحسین حاصل کیا۔

بنگلہ زبان کے فصیح اللسان اور پُر جوش مقرر ہونے کے ساتھ وہ ایک کام یاب مضمون نگار، مترجم اور مصنف بھی تھے۔ انھوں نے شمائل ترمذی اور صحیح البخاری کے ترجمے بنگلہ زبان میں شروع کیے۔

بنگلہ دیش میں نظامِ اسلام پارٹی کے ناظم تھے۔ اپنے ملک میں اسلامی نظامِ حکومت کے قیام کے سلسلہ میں کوشاں تھے۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ١٦٩-١٧٠

حضرت مولانا مفتی محمود سرحدیؒ

پاکستان کے جلیل القدر اور عظیم علماء اور مفتیوں میں شمار ہوتے تھے۔ پاکستان کی سیاسیات میں انھیں نمایاں مقام حاصل تھا۔ صوبہ سرحد کے وزیر اعلی بھی ہوئے۔

ڈیرہ اسماعیل خاں ضلع میں کلاچی کے رہنے والے ہیں۔ تقریباً ١٣٣٧ھ/ ١٩١٩ء میں پیدا ہوئے۔ ابتداءً وطن اور بلوچستان میں تعلیم پائی۔ مدرسہ شاہی مرادآباد، دہلی وغیرہ میں بھی تعلیم حاصل کی۔ شوال ١٣٦٤ھ/ ستمبر ١٩٤٥ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ١٣٦٥ھ/ ١٩٤٦ء میں فراغت حاصل کی۔

نجم المدارس کلاچی وغیرہ میں درس وتدریس وغیرہ کی خدمات پانچ چھ سال تک انجام دیں۔ کوٹ اعظم میں قرآن شریف اور اردو کا مدرسہ جاری کیا۔

انھیں حدیث اور فقہ میں اچھی بصیرت حاصل تھی۔ پاکستان میں ان کے فتاوی وقعت اور اعتماد کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ دینی علوم میں بصیرت کے ساتھ ساتھ عصری علوم پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ حق گوئی میں جری اور بے باک تھے۔

جمعیۃ علمائے اسلام پاکستان میں ناظم تھے۔ پاکستان اسمبلی کے ممبر بھی رہے۔۱۹۷۲ء میں صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ منتخب ہوئے۔ اپنے دورِ حکومت میں بہت سے شرعی منکرات کو آپ نے مٹا دیا تھا۔ مصر کی مؤتمر عالم اسلامی میں پاکستان کی نمائندگی کے فرائض انجام دیے۔ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے میں آپ کی مساعی اہمیت رکھتی ہیں۔ پاکستان کثیر الجماعت متحدہ محاذ کے صدر اور وفاق المدارس کے ناظم اعلیٰ بھی رہے ہیں۔

۱۴؍اکتوبر ۱۹۸۰ء/۴ ذوالحجہ کو وفات پائی۔

حوالہ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۱۷۰؛ اکابر علمائے دیوبند، ص ۴۳۸-۴۳۹

حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے قابلِ فخر عالم و فاضل، علامہ شبلی نعمانی مرحوم کے جانشین، بلند پایہ مصنف ومؤرخ، حضرت تھانویؒ کے خلیفہ ومجاز اور دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن تھے۔

۱۲؍دسمبر ۱۸۸۴ء کو دیسنہ بہار میں پیدا ہوئے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد کچھ دنوں مولانا ابوالکلام آزاد کے اخبار ’الہلال‘ سے متعلق ہو کر کلکتہ رہے۔ کچھ دن بھوپال میں گزرے۔ پھر اعظم گڈھ میں رہے۔ تقسیم ملک کے کئی سال بعد پاکستان چلے گئے۔

ہندوستان کے مشاہیر اور جلیل القدر علماء میں شمار تھا اور محقق مصنفین میں ان کا درجہ بہت بلند تھا۔ زندگی کا بیشتر حصہ تصنیف وتالیف میں گزارا۔ دارالمصنفین اعظم گڈھ کو ایک ستارے سے آفتاب و ماہتاب بنا دیا اور علمی دنیا پر اس کی دھاک بٹھا دی۔ ان کا علم وفضل اور زہد وتقوی مثالی تھا۔ ہندوپاک میں ان کی خدمات جلیلہ قابلِ قدر ہیں۔ پاکستان میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے بعد ان کی ذاتِ گرامی سرمایۂ افتخار ونازش تھی۔

ان کی کتابوں میں سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (پانچ آخری جلدیں)، ارض القرآن، عربوں کی جہاز رانی، خطبات مدراس، سیرتِ عائشہؓ، خیام، حیاتِ شبلی، بہادر خواتینِ اسلام، یادرفتگاں وغیرہ کتابیں ہیں۔ آپ کی ادارت میں نکلنے والا ماہنامہ ’معارف‘ ہندوپاک کے اہم ترین رسالوں میں تھا۔

۲۲؍نومبر ۱۹۵۳ء کو کراچی میں رحلت فرمائی اور وہیں علامہ عثمانی کے پہلو میں اسلامیہ کالج میں مدفون ہیں۔

حوالہ: دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات ص ۱۵۴

کاروانِ رفتہ: ص ۱۱۱؛ دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی: ص ۱۰۶

حضرت مولانا عبدالحق اکوڑویؒ

دارالعلوم دیوبند میں استاذ حدیث، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی بانی و شیخ الحدیث اور معروف عالم دین تھے۔

مولانا عبدالحق ابن حاجی معروف گل، اکوڑہ خٹک ضلع پشاور میں ۷؍محرم ۱۳۲۷ھ/ ۳۱؍جنوری ۱۹۰۹ءکو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم علاقہ میں حاصل کی۔ اعلی تعلیم کے لیے میرٹھ اور امروہہ میں زیر تعلیم رہے، پھر ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۹ء میں داخل ہوئے اور ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء سے ۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۷ءتک دارالعلوم دیوبند میں اعلی تدریسی خدمات انجام دیں۔ تقسیمِ ملک کے بعد اکوڑہ خٹک میں دارالعلوم حقانیہ کی بنیاد رکھی۔ اسی سال جو پاکستان کے جو طلبہ ہندوستان کے مختلف مدارس میں زیر تعلیم تھے، دورۂ حدیث کی تکمیل کے لیے آپ کے پاس پہنچ گے۔ آپ کی مخلصانہ مساعی سے اللہ تعالی نے اس مدرسہ کو بڑی مقبولیت عطا فرمائی اور وہ پاکستان کے ممتاز اداروں میں شمار ہونے لگا جہاں افغانستان وغیرہ کے طلبہ کی ایک بڑی تعداد زیرِ تعلیم رہتی ہے۔

۱۹۷۰ء کے بعد متعدد مرتبہ قومی اسمبلی کے الیکشن میں منتخب ہوئے۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ تبلیغ و دعوت اور معاشرتی اصلاح کے سلسلہ میں بھی آپ نے نمایاں خدمات انجام دیں۔

آپ کی تصانیف میں مقامِ صحابہ و مسئلۂ خلافت و شہادت، دعواتِ حق، علم کے تقاضے اور اہلِ علم کی ذمہ داریاں، صیامِ رمضان، ناموسِ رسالت وغیرہ ہیں۔ قومی اسمبلی میں کی گئی آپ کی تقاریر 'دلیلِ سحر' کے نام سے شائع ہوئی ہیں۔ آپ کی درسِ ترمذی کا ایک حصہ 'حقائق السنن' کے نام سے طبع ہوا ہے۔

۲۴؍محرم ۱۴۰۹ھ/ ۶؍ستمبر ۱۹۸۸ءکو انتقال ہوا۔

حوالہ: مشاہیر علمائے دیوبند، ص۲۵۲؛ اکابر علمائے دیوبند، ص ۴۱۷؛ نقوشِ رفتگاں، ص ۳۰۳

حضرت مولانا عبدالاحد دیوبندیؒ

دارالعلوم دیوبند کے حدیث و فقہ کے استاذ اور حضرت مولانا عبدالسمیع دیوبندیؒ کے صاحب زادے تھے۔

۱۱؍رمضان ۱۳۲۹ھ/ ۵؍ستمبر ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تعلیم از اول تا آخر دارالعلوم میں ہوئی، ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶ء میں فارغ التحصیل ہوئے اور اگلے سال فنون کی تکمیل کی۔

۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء میں دارالعلوم میں عربی کے ابتدائی مدرس مقرر ہوئے اور بتدریج ترقی کر کے بہت جلد درجۂ علیا کے استاذ حدیث ہوگئے۔ اخیر میں کئی سال تک مسلم شریف کا درس دیا۔ بیالیس سال تک مدرس رہے۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ جامع مسجد دیوبند کے خطیب بھی تھے، زہد وتقوی اور سنت نبوی کا عملی نمونہ تھے۔ آپ نے 'کنز الفرائد' کے نام سے 'شرح عقائد' کی شرح بھی لکھی۔

۱۰/ذوالقعدہ ۱۳۹۹ھ/۳/اکتوبر ۱۹۷۹ء میں انتقال فرمایا۔

حوالہ: مشاہیر علماء دارالعلوم دیوبند، ص ۱۰۵؛ دارالعلوم اور دیوبند کی تاریخی شخصیات، ص ۷۸

حضرت مولانا سید حسن دیوبندیؒ

دارالعلوم دیوبند کے استاذ اور حضرت تھانویؒ کے خلیفہ تھے۔

آپ حضرت مولانا نبیہ حسن دیوبندیؒ کے صاحب زادے تھے۔ دیوبند میں ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء میں پیدا ہوئے۔ پوری تعلیم دارالعلوم میں حاصل کی ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔

فراغت کے بعد نینی تال میں پڑھانا شروع کیا۔ ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء میں دارالعلوم میں شعبۂ فارسی کے استاذ بنائے گئے اور ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء میں درجات عربی کے مدرس بنائے گئے۔ حدیث کی کتابیں بھی زیر درس رہیں۔

تدریس کے علاوہ تصنیف سے بھی شغف رہا۔ تقریباً بیس سے زیادہ چھوٹی بڑی کتابیں لکھیں جن میں کچھ درسی کتابوں کی شروح ہیں جب کہ کچھ عقائد ومسائل کے موضوعات پر ہیں۔ المنجد کے اردو ترجمہ میں بھی شریک رہے۔

یکم نومبر ۱۹۶۱ء/ ۲۱/رجمادی ۱۳۸۱ھ کو دیوبند میں انتقال ہوا۔

حوالہ: مشاہیر علماء دارالعلوم دیوبند، ص ۱۰۴، دارالعلوم اور دیوبند کی تاریخی شخصیات، ص ۶۰-۶۳

حضرت مولانا محمد نعیم دیوبندیؒ

دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث تھے۔

۷/ذوالحجہ ۱۳۳۷ھ/ ۶/اگست ۱۹۱۹ء کو دیوبند میں پیدا ہوئے۔ پوری تعلیم دارالعلوم میں حاصل کی اور ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

فراغت کے بعد فیضان القرآن سہارن پور اور قاسم العلوم فقیر والی بہاول پور میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ذوالقعدہ ۱۳۶۶ھ/ستمبر ۱۹۴۷ء میں دارالعلوم میں مدرس مقرر ہوئے اور تقریباً ۳۵ر سال تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء میں دارالعلوم وقف دیوبند میں شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور تیرہ سال تک اس منصب پر فائز رہے۔

تدریس کے علاوہ، آپ نے مشہور تفسیر جلالین کی ایک مکمل شرح لکھی جو 'کمالین' کے نام سے چھ جلدوں میں شائع ہوئی ہے اور علمی حلقوں میں کافی مقبول ہے۔

۹ر شعبان ۱۴۲۸ھ/۲۳ر اگست ۲۰۰۷ء کو شکاگو (امریکہ) میں انتقال ہوا۔

حوالہ: ماہنامہ الداعی، ذوالحجہ ۱۴۲۸ھ

حضرت مولانا محمد حسین بہاریؒ

دارالعلوم دیوبند کے مشہور استاذ تھے۔

۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء میں ضلع سیتامڑھی بہار میں پیدا ہوئے۔ مکتبی تعلیم وطن میں ہوئی۔ فارسی عربی کی تعلیم مدرسہ اسلامیہ ڈھاکہ ضلع چمپارن میں حاصل کی۔ پھر دارالعلوم مئو وغیرہ مدارس میں تعلیم پانے کے بعد ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۸ء دارالعلوم دیوبند میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے دورۂ حدیث پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے۔

فراغت کے بعد مدرسہ شاہ بہلول سہارن پور، مدرسہ اشرفیہ راندیر اور مدرسہ صدیقیہ پھاٹک حبش خان دہلی میں پڑھاتے رہے۔ ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء میں دارالعلوم دیوبند میں استاذ مقرر ہوئے اور زندگی کے اخیر لمحہ تک یہیں رہے۔ آپ کی تدریسی زندگی آدھی صدی پر مشتمل ہے۔ منطق وفلسفہ سے خاص دل چسپی رکھتے تھے۔ آخر میں آپ صحاحِ ستہ کی بعض کتابوں کا درس بھی متعلق رہا۔

۶ر رجب ۱۴۱۲ھ/۱۲ر جنوری ۱۹۹۲ء کو انتقال ہوا اور قبرستان قاسمی میں تدفین ہوئی۔

ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، فروری ۱۹۹۲ء؛ کاروانِ رفتہ، ص ۲۲۷

حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

اسلامی دنیا کی مشہور علمی شخصیت، شیخ الحدیث سے ملقب، شیخِ طریقت اور عظیم مصنف تھے۔ ایک مدت

تک مظاہر علوم سہارن پور کے شیخ الحدیث کے منصبِ جلیل پر فائز رہے۔ دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن بھی تھے۔

۱۱؍رمضان ۱۳۱۵ھ/۲؍فروری ۱۸۹۸ء کو پیدا ہوئے۔ پوری تعلیم مظاہر علوم سہارن پور میں حاصل کی۔ بہت سے حضراتِ اکابر سے فیض حاصل کیا، خصوصاً حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھویؒ سے آپ کا علمی وروحانی رشتہ بہت مستحکم اور قریبی تھا۔

آپ شریعت وطریقت کے جامع، علم وعمل اور زہد وتقویٰ کے مینار تھے۔ زندگی بھر درس وتدریس، تبلیغ و ارشاد اور اصلاح وتربیت میں مصروف رہے۔ ہزاروں نے آپ سے کسبِ فیض کیا۔ آپ کے یہاں اتباعِ سنت اور عظمتِ سلف کا خاص اہتمام تھا۔ آخری دور میں آپ کی ذات مرجع خلائق تھی۔ تبلیغ ودعوت کے سلسلہ میں ہندوستان سے باہر بہت سے ایشیائی، افریقی اور یورپین ملکوں میں کا سفر کیا۔ ہر جگہ آپ کے شاگرد اور عقیدت مند موجود تھے۔

۱۳۷۰ھ/۱۹۵۰ء سے ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء تک دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن رہے۔ ۱۳۸۸ھ /۱۹۶۸ء سے مستقلاً مدینہ منورہ میں مقیم ہوگئے تھے۔ مدینہ کے زمانۂ قیام میں امراض واعذار کی وجہ سے درس وتدریس کا سلسلہ تو قائم نہ کرسکے لیکن آپ سے سندِ حدیث لینے والوں کا سلسلہ جاری رہا، سیکڑوں علمائے عرب نے آپ سے اجازتِ حدیث حاصل کی۔

علم حدیث سے ان کا خصوصی لگاؤ تھا۔ ان فن میں انھوں نے لازوال کارنامے انجام دیے ہیں۔ موطا امام مالک کی شرح اوجز المسالک، الابواب والتراجم لصحیح البخاری، جزء حجۃ الوداع اور خصائل نبوی وغیرہ کتب سے آپ کے علم کے بحرِ ناپیدا کنار کا اندازہ ہوتا ہے۔ بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد کی تیاری میں بھی اپنے شیخ حضرت مولانا خلیل احمدؒ کا مکمل تعاون کیا۔ اس کے علاوہ اردو میں مسائل حاضرہ اور دیگر موضوعات پر بہت سی کتابیں ہیں۔ آپ کی خودنوشت سوانح ’آپ بیتی‘ قابلِ ذکر کتابوں میں ہے۔ تبلیغی جماعت کے نصاب کے طور پر آپ کی مشہور زمانہ کتاب ’فضائلِ اعمال‘ کسی تعارف کی محتاج نہیں۔

یکم شعبان ۱۴۰۲ھ/۲۴؍مئی ۱۹۸۲ء کو مدینہ منورہ میں رحلت فرمائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

حوالہ: دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات: ۱۹۸

کاروانِ رفتہ: ص ۱۰۴

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

عالم اسلام کے مشہور عالم دین، مصنف ومفکر، عربی واردو کے ادیب، صاحب نسبت شیخ اور عظیم قائد تھے۔ دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن تھے۔

۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء میں تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حکیم سید عبدالحیٔ حسنی ایک نامور مصنف اور مؤرخ تھے۔ اپنے بڑے بھائی مولانا ڈاکٹر عبدالعلی کی تربیت میں رائے بریلی اور ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی۔ عربی کی تعلیم شیخ خلیل بن محمد الیمنی اور شیخ تقی الدین ہلالی مراکشی سے حاصل کی۔ حدیث کی تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند آئے اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے درس میں شرکت کی۔

۱۹۳۴ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مسندِ تدریس سنبھالا اور عربی رسالہ الضیاء کی مجلسِ ادارت میں شریک ہوئے۔ بعد میں خود کو تصنیفی وتبلیغی خدمات کے لیے وقف کردیا۔

۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء میں حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ سے ملاقات ہوئی اور تبلیغی جماعت سے وابستہ ہوئے۔ تبلیغی تحریک کی توسیع وترقی میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ اسی دوران حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ سے بیعت ہوئے اور منازلِ سلوک طے کرکے چاروں سلسلوں میں خلافت حاصل کی۔

۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء سے تاحیات دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن رکین رہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی عالم اسلام کی وہ عظیم علمی وادبی شخصیت ہیں جن کی علمی وادبی تحقیقی اور تصنیفی خدمات اور عظمت کا لوہا عرب وعجم میں مانا گیا۔ آپ نے سینکڑوں علمی وادبی اور تاریخی کتابیں تصنیف کیں۔ آپ کی علمی وادبی خدمات کے اعتراف میں آپ کو بڑے بڑے اعزازات اور ایوارڈوں سے نوازا گیا۔ بے شمار ممالک کے دورے کیے۔ آپ جس ملک میں بھی جاتے وہاں کی علمی وادبی شخصیات کے علاوہ سربراہان مملکت بھی آپ کے سے ملاقات کو اپنے لیے باعث فخر وسعادت سمجھتے۔ رابطۂ عالم اسلامی سمیت درجنوں عالمی تنظیموں اور مشہور اداروں کے ممبر وسرپرست تھے۔

۳۱ر دسمبر ۱۹۹۹ء/۲۳رمضان ۱۴۲۰ھ کو بروز جمعہ تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔

حوالہ: دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی، ص ۱۰۷

مشاہیر علمائے دیوبند، ص ۱۹-۳۱

حضرت مولانا عبدالحلیم جون پوریؒ

مشرقی یوپی کے نامور عالمِ دین، بافیض بزرگ اور صاحبِ نسبت شیخ تھے۔ دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن تھے۔

موضع دیوریا ضلع فیض آباد (موجودہ امبیڈکر نگر) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ عین العلوم ٹانڈہ میں تلمیذِ شیخ الہند مولانا محمد اسماعیل فیض آبادی سے حاصل کی۔ ۱۳۶۴ھ/ ۱۹۲۸ء میں مظاہر علوم سہارن پور میں داخل ہوئے اور یہیں سے فارغ التحصیل ہوئے۔

فراغت کے بعد مظاہر علوم میں معین مدرس کی حیثیت سے دو سال تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۳۵ء میں مانی کلاں جون پور میں تشریف لے گئے اور وہاں کے معمولی مکتب کو ایک مشہور مدرسہ میں تبدیل کر دیا۔ ۱۹۷۳ء میں چوکیہ گورینی ضلع جون پور میں ریاض العلوم کے نام سے ایک ادارہ کی بنیاد ڈالی۔ اس ادارہ نے حیرت انگیز طور پر آپ کی سرپرستی ونگرانی میں ترقی کے منازل طے کیے اور دیکھتے دیکھتے وہ علاقہ کا بڑا ادارہ بن گیا۔ آپ کی ذات سے لاتعداد لوگوں کو دینی وروحانی فیض پہنچا۔ مولانا محمد یونس جون پوری شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارن پور آپ ہی کے شاگرد اور تربیت یافتہ ہیں۔ مشرقی یوپی اور بمبئی وگجرات میں آپ کے شاگردوں اور مریدین کی بڑی تعداد پائی جاتی ہے۔

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوری ثم الہ آبادیؒ سے بیعت ہوئے اور سلوک واحسان کے منازل طے کرنے کے بعد اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔ شیخ کے انتقال کے بعد اپنے استاذ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلویؒ سے بیعت ہوئے اور خلافت کی سعادت حاصل کی۔

۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء میں دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء اور مظاہر علوم سہارن پور کی مجالس شوریٰ کے بھی رکن تھے۔

۱۰/محرم ۱۴۲۰ھ/ ۲۷/اپریل ۱۹۹۹ء کو گورینی میں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔

حوالہ: ماہنامہ ریاض الجنۃ گورینی، مرشدِ امت نمبر؛ اودھ میں افتاء کے مراکز، ص ۲۸۹

حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندویؒ

مشہور صاحبِ نسبت شیخ اور بزرگ عالمِ دین تھے۔ دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن تھے۔

آپ اپنے وطن ہتھورا ضلع باندہ یو پی میں ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء میں پیدا ہوئے۔ کان پور اور پانی پت میں تعلیم حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کے لیے مظاہر علوم سہارن پور میں ۱۳۵۹ھ/ ۱۹۴۰ء میں داخل ہوئے اور ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔

مظاہر علوم کے زمانۂ قیام میں ہی آپ کا روحانی تعلق حضرت مولانا اسعد اللہؒ ناظم مظاہر علوم سے قائم ہوا اور ۱۹۵۶ء میں ان ہی کی جانب سے اجازت وخلافت حاصل ہوئی۔

فراغت کے بعد درس وتدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔ اس کے بعد اپنے علاقہ میں فتنۂ ارتداد کا مقابلہ کیا اور مرتد ہونے والوں کو دوبارہ اسلام میں داخل کیا۔ آپ کی تبلیغی واصلاحی کوشش تا عمر جاری رہی اور خلق خدا کو ان کی ذات سے بہت فائدہ پہنچا۔ تبلیغ واصلاح کے ساتھ مکاتبِ قرآنیہ کا سلسلہ شروع کیا اور سیکڑوں مقامات پر مکاتب ومدارس قائم کیے۔

۱۳۷۱ھ/۱۹۵۲ء میں جامعہ عربیہ ہتھورا قائم کیا جس نے بہت جلد ترقی کرتے ہوئے مرکزی اہمیت حاصل کرلی۔ آپ اس مدرسہ کے ناظمِ اعلیٰ اور شیخ الحدیث بھی تھے۔ مدرسہ میں ابتدا سے لے کر بخاری تک کی تمام کتابیں زیر درس رہیں۔ تصنیف وتالیف کا بھی ذوق تھا۔ آپ نے چھوٹی بڑی تقریباً بیس کتابیں لکھیں جس میں متعدد درسی کتابوں کی اہم شروح ہیں۔

تواضع وانکساری اور سادگی وخلوص میں ممتاز اور اسلاف کی سچی یادگار تھے۔ اخیر زمانے میں آپ کا فیض خوب پھیلا اور مسلم وغیر مسلم عوام میں یکساں مقبولیت ومحبوبیت حاصل کی۔

۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء سے ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء تک دار العلوم دیو بند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن رہے۔

۲۳؍ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ/ ۲۸؍ اگست ۱۹۹۷ء بروز جمعرات لکھنؤ میں انتقال ہوا اور باندہ میں تدفین عمل میں آئی۔

حوالہ: علمائے مظاہر علوم سہارن پور اور ان کی علمی وتصنیفی خدمات، جلد سوم، ص ۲۴۴-۲۵۱

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین چکوالیؒ

پاکستان کے ممتاز فضلائے دیو بند اور معروف شخصیات میں تھے۔

۱۰؍ ذوالحجہ ۱۳۳۲ھ/ ۱۹؍ اکتوبر ۱۹۱۴ء کو پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم پنجاب کے مختلف مدارس میں حاصل کی اور ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء میں دار العلوم دیو بند سے

دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔

فراغت کے بعد وطن میں تعلیمی وتدریسی خدمات میں مصروف ہوگئے۔ پھر چکوال میں مدرسہ اظہار الاسلام قائم کیا۔

آپ نے دفاعِ صحابہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) کی خاطر ۱۹۶۹ء میں تحریک خدام اہل سنت کی داغ بیل ڈالی اور اس کے امیر کی حیثیت سے باطل نظریات کے خلاف جہاد میں مصروف رہے۔ آپ قومی وملی تحریکات میں بھی شریک رہے اور اس پاداش میں بارہا قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔

آپ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے اجل خلفاء میں تھے۔ ماہنامہ حق 'چار یار' کے علاوہ کئی کتابیں ردفرق کے موضوع پر لکھیں۔

وفات ۳/ذوالحجہ ۱۴۲۴ھ/ ۲۶/جنوری ۲۰۰۴ء کو انتقال ہوا۔

حوالہ: ذکر رفتگاں، ص ۵۴۱-۵۴۲؛ انار کے درخت تلے، ص ۱۹۶-۱۹۷

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ

فدائے ملت، امیر الہند ثانی، ہندوستانی مسلمانوں کے عظیم قائد، ممبر پالیمنٹ، حضرت مدنیؒ کے جانشین، جمیعۃ علمائے ہند کے صدر اور دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن رکین تھے۔

۶/ذوالقعدہ ۱۳۴۶ھ/ ۲۷/اپریل ۱۹۲۸ء بروز جمعہ دیوبند میں پیدا ہوئے۔ مولانا قاری اصغر علی سہسپوریؒ کی زیر نگرانی تعلیم حاصل کی اور ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۵ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد عرصہ تک مدینہ منورہ میں قیام کیا۔ شوال ۱۳۷۰ھ/ اگست ۱۹۵۱ء میں دارالعلوم میں تدریس کے لیے تقرر ہوا اور ۱۹۶۲ء تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس بارہ سال کے عرصہ میں درجات متوسطہ کی کتابیں زیر درس رہیں۔

ابتدا ہی سے جمعیۃ علماء سے وابستہ رہے۔ ۱۹۶۰ء میں آپ کو جمعیۃ علماء اتر پردیش کا صدر منتخب کیا گیا۔ ۹/اگست ۱۹۶۳ء کو حضرت مولانا فخر الدین مرادآبادیؒ کی زیر صدارت آپ کو جمعیۃ علمائے ہند کا ناظم عمومی بنایا گیا۔ ۱۱/اگست ۱۹۷۳ء کو آپ جمعیۃ علمائے ہند کے صدر منتخب گئے اور پھر تاحیات اس منصب پر فائز رہے۔

۱۹۶۸ء میں راجیہ سبھا سے ممبر پارلیمنٹ منتخب ہوئے اور ۱۹۹۴ء تک ممبر رہ کر پارلیمنٹ میں ملک وملت کے تمام مسائل کی پوری جرأت وبے باکی کے ساتھ ترجمانی کی۔

۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء میں دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے اور تاعمر دارالعلوم دیوبند کی تعمیر و ترقی میں بنیادی کردار ادا کیا۔ دارالعلوم دیوبند میں شورائی نظام کی بحالی و بالادستی میں انھوں نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ دارالعلوم دیوبند کی نشأۃ ثانیہ کے بعد اس کی تعلیمی و تبلیغی خدمات کی توسیع و ترقی میں ان کا بڑا ہاتھ تھا۔

جمعیۃ علمائے ہند کے پلیٹ فارم سے آپ نے ہندوستانی مسلمانوں کی مثالی قیادت کی اور بے لوث خدمات کی ایک روشن تاریخ رقم کی۔ ملک میں مسلمانوں کو پیش آنے والے تمام چیلنجوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ہر موڑ پر ملتِ اسلامیہ کی شاندار قیادت کی۔ آزاد ہند میں مسلم اقلیت کی خدمات کے حوالے سے ان کا نام تاریخ میں جلی حروف میں لکھا جائے گا۔

۷/محرم ۱۴۲۷ھ/ ٦/فروری ۲۰۰٦ء کو دہلی میں انتقال ہوا اور مزار قاسمی دیوبند میں دفن کیے گئے۔

حوالہ: ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، مارچ ۲۰۰٦ء

ہفت روزہ الجمعیۃ اکتوبر ۱۹۹۵ء، جمعیۃ علماء نمبر ص ۴۴۸ - ۴۵۵

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی

آپ برصغیر کے مشہور علمی و مذہبی قاسمی خاندان کے چشم و چراغ ہیں اور حضرت قاری محمد طیب قاسمی سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے صاحب زادے ہیں۔ عالمی شہرت کے حامل جید عالمِ دین اور خطیب و متکلم ہیں۔

۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۳۴۴ھ/ ۸/جنوری ۱۹۲٦ء میں دیوبند پیدا ہوئے۔ ۱۳۵۱ھ/ ۱۹۳۳ء میں دارالعلوم میں داخل ہوئے اور پوری تعلیم وہیں حاصل کی۔ ۱۳٦۷ھ/ ۱۹۴۸ء میں شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔

۱۳۷۰ھ/ ۱۹۵۱ء سے دارالعلوم میں تدریس کا آغاز کیا اور ترقی کرتے ہوئے درجۂ علیا تک پہنچے۔ دارالعلوم دیوبند میں تین دہائیوں تک تدریسی و انتظامی خدمات انجام دیں اور ابتدائی درجات سے دورۂ حدیث کی کتابیں کامیابی کے ساتھ پڑھائیں۔

۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء میں دارالعلوم وقف کے مہتمم بنائے گئے۔ اس کے علاوہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے نائب صدر، آل انڈیا مجلسِ مشاورت کے صدر اور فقہ کونسل ازہر مصر کے مستقل رکن ہیں۔

متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ قاسم المعارف نام کی ایک اکیڈمی قائم کی اور اس سے متعدد اہم اور

تحقیقی کتابیں شائع کیں۔

حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ

حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے فرزند ارجمند، دارالعلوم دیو بند کے استاذِ حدیث اور دارالعلوم وقف کے شیخ الحدیث تھے۔

۱۴ر شعبان ۱۳۴۷ھ/ ۲۶ر جنوری ۱۹۲۹ء کو میں دیو بند میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں (۲۸ر مئی ۱۹۳۴ء کو) والد محترم کا انتقال ہوگیا۔ حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ اور دیگر اساتذہ کی سرپرستی میں تعلیمی مراحل طے کیے اور ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۳ء میں شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے دورۂ حدیث پڑھا۔

تعلیم وتحصیل سے فراغت کے بعد ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۴ء میں دارالعلوم دیو بند میں کا سلسلہ شروع کردیا جو مسلسل چوبیس سالوں تک جاری رہا۔ اس مدت میں آپ نے نصاب میں شامل بعض کتابوں کے علاوہ سبھی کتابوں کا درس دیا۔ شاہ صاحب کی قوت حافظہ اور یادداشت نہایت قوی، ذہانت وذکاوت میں بھی اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے، اسی کے ساتھ زبان وبیان پر انھیں پوری قدرت حاصل تھی۔ اس لئے ان کا درس طلبہ میں ہمیشہ مقبول رہا۔

۱۹۸۰ء میں دارالعلوم دیو بند سے رسمی تعلق منقطع ہوجانے کے بعد دارالعلوم وقف میں تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ اس مدت میں دیگر کتابوں کے علاوہ صرف بخاری شریف کے طلبہ کی تعداد جنھوں نے دونوں جگہوں میں شاہ صاحب سے پڑھا سات ہزار سے اوپر ہے۔

حضرت شاہ صاحب مرحوم نہایت خوش اخلاق، نرم گفتار اور باغ وبہار طبیعت کے مالک تھے۔ وہ بیک وقت ایک کامیاب ومقبول مدرس، اعلی درجہ کے خطیب ومقرر اور بلند پایہ صاحب قلم ومصنف تھے۔ ان کی تحریں رواں دواں اور ادب کی چاشنی کا نمونہ ہوتی تھیں۔ اسلامیات میں تفسیر وحدیث ان کا محبوب موضوع تھا اور ان میں وہ اپنی نمایاں پہچان رکھتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے اس طویل علمی سفر میں تلامذہ کی کثیر جماعت کے ساتھ قرآن، حدیث، تذکرہ وسوانح وغیرہ مختلف موضوعات پر دو درجن سے زائد تصنیفی یادگار بھی چھوڑی ہیں۔ تعلیم وتدریس اور تالیف وتصنیف کے مشغلہ سے مضبوط ومستحکم وابستگی کے ساتھ ملکی سیاست سے بھی عملاً وابستہ تھے، اور سیاسی حلقوں میں ان کی مقبولیت اور پذیرائی علمی دینی دائروں سے کم نہیں تھی۔

۱۸ر ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ/ ۲۶ر اپریل ۲۰۰۸ء بروز شنبہ انتقال ہوا اور عیدگاہ کے قریب اپنے والد ماجد

کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

حوالہ: ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، مئی ۲۰۰۸ء

حضرت مولانا محمد عثمان دیوبندیؒ

خاندانِ شیخ الہند کے چشم و چراغ تھے اور متعدد علمی و عملی خصوصیات کے مالک تھے۔

مدرسہ عبدالرب دہلی میں تعلیم حاصل کی، پھر دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ وغیرہ اساتذہ سے استفادہ کیا۔

۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۶ھ میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس مقرر ہوئے اور ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۹۱ء تک اس منصب پر فائز رہے۔ ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء میں دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن اور نائب مہتمم منتخب کیے گئے۔

مولانا بہت حق گو، راست باز اور بے باک شخصیت کے مالک تھے۔ مدت تک قصبہ دیوبند کی میونسپلٹی کے چیرمین رہے اور بلالحاظ مذہب و برادری تمام اہل شہر آپ کی دیانت داری اور خدمتِ خلق کے گرویدہ وقائل تھے۔

۲۲/اپریل ۱۹۸۵ء کو انتقال ہوا۔

حوالہ: دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی، ص ۱۱۳
دارالعلوم اور دیوبند کی تاریخی شخصیات، ص ۸۳-۸۷

حضرت مولانا خورشید عالم دیوبندیؒ

دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث، دارالعلوم وقف کے شیخ الحدیث اور صدر مفتی تھے۔

۱۳۵۳ھ/ ۱۹۳۵ء میں دیوبند میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد دارالعلوم دیوبند میں درجۂ علیا کے کامیاب مدرس تھے۔ پوری تعلیم دیوبند میں حاصل کی اور ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۶ء میں دارالعلوم دیوبند میں حضرت مدنیؒ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔

درس وتدریس کا آغاز دارالعلوم کراچی پاکستان سے کیا، یہاں تقریباً پانچ چھ سال قیام رہا، اس مدت میں اکثر فنون کی متوسطات تک کتابیں پڑھائیں، پھر پاکستان سے واپس وطن لوٹ آئے اور ۱۳۸۳ھ /۱۹۶۴ء میں دارالعلوم میں مدرس مقرر ہوئے اور ترقی کرتے ہوئے درجۂ علیا تک پہنچے۔ ۱۹۸۲ء میں

دارالعلوم وقف سے وابستہ ہوئے اور تادمِ آخریں حدیث کی اعلی کتابیں پڑھاتے رہے۔ دارالعلوم وقف میں صدر مفتی ہونے کےعلاوہ آخر کے چند سال شیخ الحدیث بھی رہے۔

آپ پاک طینت، نیک طبیعت اور خاموش مزاج انسان تھے، شہرت طلبی اور نام ونمود سے گریزاں، یکسوئی کے ساتھ طلبۂ علوم کی تعلیم وتربیت میں منہمک رہتے تھے۔ اپنی سلامتی طبع، حسنِ اخلاق، اورممتاز علمی صلاحیت کی بناپر جہاں رہے مقبول ونیک نام اور ہردل عزیز رہے۔ تقریباً پچاس سالوں تک آپ نے علوم ومعارف کی روشنی بکھیری۔ وہ ایک بلند پایہ معلم ومدرس تھے اور درس وتدریس ہی اُن کا ذوق ومزاج تھا۔ اس وقت برصغیر ہندوپاک میں ان کے ہزاروں تلامذہ پھیلے ہوئے ہیں۔

۱۴/ربیع الاوّل ۱۴۳۳ھ/ ۷/فروری ۲۰۱۲ء یوم سہ شنبہ کو دیوبند میں انتقال ہوا۔

حوالہ: ماہنامہ دارالعلوم دیوبند مارچ اپریل ۲۰۱۲ء، ص ۱۰۶

حضرت مولانا وحید الزماں کیرانویؒ

عربی زبان کے مایۂ ناز ادیب ومصنف اور دارالعلوم دیوبند کے مشہور رجال ساز استاذ ومربی، معاون مہتمم اور ناظم تعلیمات تھے۔

کیرانہ ضلع مظفرنگر کے ایک علمی خاندان میں ۱۷/فروری ۱۹۳۰ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کیرانہ اور حیدرآباد میں ہوئی۔ ۱۹۴۸ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۹۵۲ء میں حضرت مدنیؒ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ زمانۂ طالب علمی ہی سے عربی زبان سے دل چسپی تھی۔

۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء میں دارالعلوم دیوبند میں استاذ عربی مقرر ہوئے اور ترقی کرتے ہوئے درجۂ علیا تک پہنچے۔ ادبِ عربی کی کتابوں کے علاوہ دورۂ حدیث کی دو مشہور کتابوں نسائی اور طحاوی کا درس بھی دیا۔ تدریس کے دوران 'النادی الادبی' کے نام سے طلبہ کی عربی انجمن قائم کی جس سے دارالعلوم میں عربی زبان وادب کے تئیں انقلاب پیدا ہوگیا اور اس پلیٹ فارم سے بے شمار لائق وفائق افراد تیار ہوئے۔

اجلاس صد سالہ کی تیاری میں پیش پیش رہے اور دارالعلوم کی تزئین وترمیم اور تعمیر جدید کا کام انجام دیا۔ دارالعلوم کیمپ کے زمانے میں تعلیمی تسلسل کو قائم رکھنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ ۱۹۸۲ء میں آپ مجلس تعلیمی (تعلیمات) کے ناظم مقرر ہوئے۔ ۱۹۸۵ء میں آپ کو معاون مہتمم بنایا گیا۔ ۱۹۹۰ء تک دارالعلوم میں مختلف تدریسی وانتظامی ذمہ داریاں انجام دیں۔

درس وتدریس اور تربیتِ طلبہ کے علاوہ انھوں نے قابلِ قدر علمی ورثہ چھوڑا۔ آپ کی عربی لغات 'القاموس الوحید'، 'القاموس الجدید'، 'القاموس الاصطلاحی' مشہور ومقبول عام ہیں۔ عربی زبان کی تعلیم کے لیے آپ کی مرتب کردہ 'القرأۃ الواضحۃ' سیریز کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کے علاوہ ایک درجن کے قریب دوسری کتابیں لکھیں اور ترجمہ کیں۔

آپ دار العلوم دیوبند کے عربی سہ ماہی رسالہ 'دعوۃ الحق'، پھر پندرہ روزہ 'الداعی' اور جمعیۃ علمائے ہند کے عربی ترجمان 'الکفاح' کے ایڈیٹر بھی رہے۔ اس کے علاوہ، دار الفکر اور دار المؤلفین کے نام سے تصنیفی اور علمی ادارے بھی قائم کیے جن سے قابل قدر علمی کتابیں شائع ہوئیں۔

۱۴/ ذوالقعدہ ۱۴۱۵ھ/ ۱۵/ اپریل ۱۹۹۵ء کو دیوبند میں انتقال ہوا۔

حوالہ: وہ کوہ کن کی بات، ص ۱۵۵-۱۶۱

حضرت مولانا نسیم احمد فریدی امروہویؒ

جید عالم دین اور مؤرخ ومصنف تھے۔

۶/ ستمبر ۱۹۱۱ء/ ۱۲/ رمضان ۱۳۲۹ھ کو امروہہ کے علمی ودینی خاندان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی ومتوسط تعلیم امروہہ میں حاصل کی اور ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶ء میں دار العلوم دیوبند میں حضرت مدنیؒ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔

فراغت کے بعد مدرسہ اشفاقیہ بریلی میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۴۲ء میں جامع مسجد امروہہ میں مدرس مقرر ہوئے۔ تدریس کے علاوہ افتاء کے اہم ذمہ داری بھی آپ کے سپرد کی گئی۔ آپ بڑے سادہ مزاج، بے نفس، تارک الدنیا اور قانع ومتوکل شخص تھے۔

آپ کی ساری زندگی درس وتدریس، افتاء اور مطالعہ وتصنیف میں گذری۔ تصوف اور بزرگوں کے مکتوبات کے مطالعہ اور جمع وترتیب میں ان کو خاص دل چسپی تھی۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ان کے نامور اخلاف، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے خاندان اور اکابر دیوبندان کا اختصاصی موضوع تھا۔

آپ کی علمی یادگاروں میں تجلیات ربانی تلخیص وترجمہ مکتوبات حضرت مجدد سرہندیؒ، مکتوبات خواجہ معصوم سرہندی، ترجمۂ مکتوبات شاہ ولی اللہ دہلویؒ (دو جلدیں)، فوائد قاسمیہ (مکتوبات حضرت نانوتوی)، مکتوبات حضرت مولانا احمد حسن امروہویؒ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

اکثر رسالوں میں ان کے مضامین شائع ہوتے تھے۔ خاص طور پر رسالہ 'الفرقان' لکھنؤ کے مضمون

نگاروں میں شامل تھے۔آپ کی وفات پر رسالہ الفرقان کا خصوصی نمبر بھی شائع ہوا۔

۵ر ربیع الاول ۱۴۰۹ھ/ ۱۸ر اکتوبر ۱۹۸۸ء بروز منگل امروہہ میں انتقال ہوا۔

حوالہ: ذکر رفتگاں، ص ۱۸-۵۶؛

حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پوریؒ

مشہور مؤرخِ اسلام، صحافی، متعدد اہم تحقیقی کتابوں کے مصنف اور شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند کے ڈائریکٹر تھے۔

مولانا عبدالحفیظ قاضی اطہر ابن حاجی محمد حسن اپنے وطن مبارک پور ضلع اعظم گڈھ میں ۴ر رجب ۱۳۳۴ھ/ ۷ر مئی ۱۹۱۶ء کو پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم اپنے وطن اور مدرسہ احیاء العلوم میں حاصل کی اور ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء میں مدرسہ قاسمیہ شاہی مراد آباد میں حضرت مولانا سید فخر الدین احمدؒ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔

تکمیلِ تعلیم کے بعد اولاً مدرسہ احیاء العلوم مبارک کچھ عرصہ تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر صحافت اور تصنیف و تالیف سے وابستہ ہوگئے۔ ۱۹۴۷ء میں روز نامہ 'زمزم' لاہور کے نائب ایڈیٹر ہوئے۔ تقسیمِ ہند کے بعد بہرائچ میں ہفتہ وار اخبار 'انصار' کے مدیر ہوئے۔ پھر ۱۹۵۰ء میں روز نامہ 'جمہوریت' بمبئی کے نائب مدیر مقرر ہوئے۔ فروری ۱۹۵۱ء میں روز نامہ 'انقلاب' بمبئی میں نائب مدیر ہوئے اور چالیس سال تک وابستہ رہے۔ مولانا کے مضامین اور قلمی نوادر کی وجہ سے انقلاب کو بہت فروغ ملا۔ انقلاب کے مختلف کالموں میں شائع شدہ آپ کے احوال و معارف کو اگر کتابی شکل دی جائے تو متعدد اہم کتابیں معرض وجود میں آسکتی ہیں۔اسی طرح ۱۹۵۴ء میں ماہنامہ البلاغ جاری کیا اور ۲۶ر سال تک اس کے اداریے لکھے۔

قاضی صاحب کا سب سے بڑا کارنامہ آپ کی وہ تاریخی و تحقیقی کتابیں ہیں جنھوں نے ان کو علمی و تحقیقی دنیا میں ان کا تعارف کرایا اور انھیں بلند و بالا مقام عطا کیا۔آپ نے مختلف موضوعات پر عربی و اردو زبانوں میں تقریباً پچاس کتابیں تصنیف کیں جن میں العقد الثمین فی فتوح الہند ومن ورد فیہا من الصحابۃ والتابعین، العرب والہند فی عہد الرسالۃ، رجال السند والہند الی القرن السابع، الحکومات العربیۃ فی الہند والسند، تاریخ اسماء الثقات، الہند فی عہد العباسیین، تدوین سیر و مغازی، خیر القرون کی درس گاہیں وغیرہ ہیں۔

۲۷ر صفر ۱۴۱۷ھ/ ۱۴ جولائی ۱۹۹۶ء کو مبارک پور میں انتقال ہوا۔

حوالہ: تذکرۂ علمائے مبارک پور، ص ۲۱-۳۰

حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینیؒ

پاکستان کے جید عالم دین اور صاحبِ فیض بزرگ تھے۔

یکم فروری ۱۹۱۳ء کو شمس آباد ضلع اٹک میں پیدا ہوئے۔ اعلیٰ تعلیم مظاہر علوم سہارن پور میں حاصل کی اور دورۂ حدیث کی تکمیل حضرت مدنیؒ سے دارالعلوم دیوبند میں کی۔

حضرت مدنیؒ سے خاص تعلق تھا۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے بھی خلیفہ تھے۔

سالہا سال آپ نے شہر اٹک کی جامع مسجد میں درسِ قرآن دیا جو ۲۸؍جلدوں میں درس قرآن مجید کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اسی طرح آپ کی کتاب انوار الحدیث ۲۸ جلدوں میں طبع ہوئی۔ آپ کی دیگر مشہور کتابوں میں حضرت مدنیؒ کی سوانح حیات 'چراغ محمد' اور تذکرۂ دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ ہیں۔

۶؍محرم ۱۴۱۸ھ/۱۴؍مئی ۱۹۹۷ء کو انتقال ہوا۔

حوالہ: انار کے درخت تلے، ص ۱۹۸-۱۹۹، ذکر رفتگاں ۲۹۶

حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ

برصغیر کے مشہور و متبحر عالم اور متعدد اہم کتابوں کے مصنف تھے۔

آپ مانسہرہ (صوبہ سرحد) کے ایک گاؤں ڈھکی چیڑاں داخلی کڑمنگ میں ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم متعدد مدارس میں حاصل کی۔ ۱۹۴۱ء میں اپنے چھوٹے بھائی مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا اور دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے۔

تکمیلِ تعلیم کے بعد آپ نے مدرسہ انوار العلوم جامع مسجد شیرانوالہ باغ (گجرانوالہ) میں تدریس کا آغاز کیا۔ ۱۹۵۵ء میں آپ نے اپنے بھائی کے قائم کردہ جامعہ نصرۃ العلوم گجرانوالہ میں مدرس ہوئے جہاں آپ نے شیخ الحدیث کے عہدہ تک ترقی کی اور ۲۰۰۱ء تک بخاری شریف پڑھاتے رہے۔

آپ کو امام اہل سنت کے لقب سے جانے جاتے تھے اور آپ کو ترجمان اہل حق کے طور پر جانا جاتا تھا۔ قرآن وحدیث، فقہ وتصوف اور جملہ علوم اسلامیہ میں آپ کو تبحر حاصل تھا۔ عقائد اہلِ سنت کی تشریح اور اہلِ حق کے مضبوط دفاع میں آپ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ اس سلسلہ میں آپ نے رضاخانیت، غیر مقلدیت اور قادیانیت وغیرہ کے متعلق مسائل پر درجنوں کتابیں لکھیں۔ آپ کی دیگر کتابوں میں تفسیر قرآن

(آٹھ جلدیں)، خزائن السنن (دو جلدیں) ہیں۔ آپ کے خطبات بھی تین جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ مجموعی طور پر آپ کی کتابوں کی تعداد تقریباً پچاس ہے۔

۵رمئی ۲۰۰۹ء مطابق ۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ کو انتقال ہوا۔

حوالہ: ماہنامہ دارالعلوم ستمبر اکتوبر ۲۰۰۹ء

حضرت مولانا احمد علی آسامیؒ

شمال مشرقی ہند کے مشہور عالم ربانی اور بافیض مرشد وشیخ اور ہمہ گیر خدمات کے حامل بزرگ تھے۔

۱۹۱۹ء میں پیدا ہوئے۔ بدر پور ضلع کچھار (کریم گنج) آسام وطن تھا۔ ابتدائی تعلیم وطن اور سلہٹ میں حاصل کی۔ ۱۳۷۰ھ/ ۱۹۵۰ء میں دارالعلوم دیو بند سے دورۂ حدیث پڑھ کر فارغ ہوئے۔ اس سے اگلے سال دورۂ تفسیر پڑھا۔

۱۹۵۵ء میں حضرت مدنیؒ کے حکم پر دارالعلوم بانس کنڈی ضلع کچھار آسام تشریف لے گئے اور وہاں شیخ الحدیث بنائے گئے۔ جمعیۃ علمائے ہند صوبہ آسام کے صدر اور مشرقی ہند کے سات صوبوں کے امیر شریعت بھی رہے۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے خصوصی تعلق اور لگاؤ تھا۔ حضرت کی رہ نمائی میں سلوک وطریقت کی منزلیں کیں اور اجازت وخلافت سے نوازے گئے۔

اللہ تعالی نے آپ کی ذات سے پورے شمال مشرقی خطہ سے عظیم الشان کام لیا۔ ہزار ہا ہزار افراد نے آپ سے علمِ شریعت حاصل کیا جب کہ لاکھوں افراد نے احسان وسلوک کا درس لیا۔ شمال مشرقی ہند میں آپ کی ذات روشنی کے ایک مینار اور رشد وہدایت کے چراغ عالم تاب کی تھی۔ اس علاقہ کے غیر مسلم امراء وعوام بھی آپ کے حد درجہ عقیدت مند تھے۔

۸ر ربیع الاول ۱۴۲۱ھ/ ۱۱رجون ۲۰۰۰ء بروز یکشنبہ بمبئی میں انتقال ہوا اور بانس کنڈی میں دفن کیے گئے۔

حوالہ: علماء ومشائخ آسام اول (شہبازِ قدس)، ص ۴۳-۹۰؛ ذکرِ رفتگاں، ص ۴۵۰-۴۵۱

حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ

پاکستان کے مشاہیر علماء ومحدثین میں سے تھے۔

مشہور ریاست ٹونک میں ۱۹۲۴ء میں پیدا ہوئے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور مظاہر علوم سہارن پور میں ابتدائی عربی اور متوسط تعلیم حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۶ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

فراغت کے بعد ٹونک کے مدرسہ میں مفتی اور مدرس مقرر ہوئے۔ تقسیم ہند کے بعد دارالعلوم کراچی میں دس سال تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر حضرت مولانا یوسف بنوریؒ کے اصرار پر جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن میں مفتی واستاذ مقرر ہوئے۔ علامہ بنوریؒ کے انتقال کے بعد جامعہ کے شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے اور آخر تک جامعہ کے صدر المدرسین اور صدر مفتی رہے۔ فقہی مہارت کی وجہ سے مفتیٔ اعظم پاکستان کہے جاتے تھے۔

تصوف وسلوک میں حضرت مولانا شیخ زکریا کاندھلویؒ سے تعلق تھا اور انھیں سے خلافت حاصل کی۔ درس وتدریس اور فتوی نویسی کے ساتھ ساتھ آپ نے کئی کئی علمی کتابیں بھی لکھیں جن میں تاریخ اصول فقہ، فتنۂ انکارِ حدیث، بیمۂ زندگی شرعی حیثیت اور تذکرۃ الاولیاء قابل ذکر ہیں۔

۳ر رمضان ۱۴۱۵ھ/۳رفروری ۱۹۹۵ء کو انتقال ہوا۔

حوالہ: انار کے درخت تلے، ص ۱۸۲؛ نقوشِ رفتگاں، ص ۳۷۳

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ

پاکستان کے مشہور عالمِ دین اور محقق مفتی تھے۔

اشرف کوٹ ضلع خانیوال میں ۳ر صفر ۱۳۴۱ھ/ ۲۶رستمبر ۱۹۲۲ء کو پیدا ہوئے۔ اپنے وطن اور پنجاب کے مختلف مدارس میں ابتدائی تعلیم حاصل کی، پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۱ء میں دارالعلوم میں داخل ہوئے اور ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

فراغت کے بعد مدرسہ مدینۃ العلوم بھینڈ و مدرس مقرر ہوئے، دو سال کے بعد صدر مدرس بنائے گئے اور بخاری وغیرہ کتبِ حدیث کی تدریس شروع کی۔ ساتھ میں افتاء کی اہم ذمہ داری بھی سپرد کی گئی۔ ۱۳۷۰ھ/ ۱۹۵۱ء میں مدرسہ دارالہدیٰ بھینڈ و میں شیخ الحدیث اور مفتی بنائے گئے۔ چھ سال بعد دارالعلوم کورنگی کراچی تشریف لے گئے اور سات سال تک شیخ الحدیث اور صدر مفتی کے عہدہ پر فائز رہے۔ رمضان ۱۳۸۳ھ میں ناظم آباد کراچی میں اشرف المدارس کی بنیاد رکھی جو بعد میں دارالافتاء والارشاد کے نام سے مشہور ہوا۔

آپ کی تصنیفی خدمات قابلِ قدر ہیں۔ ڈیڑھ سو سے زائد کتابیں اور رسائل لکھے جن میں ارشاد القاری الی صحیح البخاری، افکارِ حدیث، منکراتِ محرم، تسہیل المیراث، اصلاحِ معاشرہ، فضائلِ جہاد، تربیتِ اولاد، رد البدعۃ، قادیانی مذہب وغیرہ شامل ہیں۔ آپ کا عظیم الشان کارنامہ 'احسن الفتاویٰ' ہے جس کے علمی وتحقیقی فتاوی علماء ومفتیان کے لیے خضرِ راہ ہیں۔

۶/ذوالحجہ ۱۴۲۲ھ/ ۱۹/فروری ۲۰۰۲ء بروز منگل وفات ہوئی۔

حوالہ: انار کے درخت تلے، ص ۱۸۶-۱۸۷
نقوشِ رفتگاں، ص ۴۶۱-۴۶۷؛ اکابر علمائے دیوبند، ص ۴۹۱

حضرت مولانا عبدالشکور ترمذیؒ

پاکستان کے ممتاز عالم ومفتی اور مصنف تھے۔

۱۱/رجب ۱۳۴۱ھ/ ۲۷/فروری ۱۹۲۳ء کو پٹیالہ پنجاب میں پیدا ہوئے۔ آپ حضرت مولانا مفتی عبد الکریم گمتھلوی کے صاحب زادہ ہیں۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ العلوم الشرعیۃ مدینہ منورہ، پھر انبالہ پٹیالہ اور کرنال کے مدارس میں پڑھیں۔ عربی کی کچھ تعلیم مظاہر علوم سہارن میں بھی حاصل کی۔ ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۶ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔

فراغت کے بعد مدرسہ عربیہ پٹیالہ اور مدرسہ حقانیہ شاہ آباد میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ تقسیم ہند کے بعد ساہیوال ضلع سرگودھا میں ایک مدرسہ قاسمیہ قائم کیا جس کا نام بعد میں حقانیہ رکھ دیا گیا۔

آپ نے تعلیم وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کے ذریعہ بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ آپ کے قلم سے ساٹھ سے زائد کتب ورسائل منظرِ عام پر آئے جن میں ہدیۃ الحیر ان فی جواہر القرآن، عقائد علمائے دیوبند، السعی المشکور فی احکام العاشور، مودودی نظریات پر ایک نظر، اسلام میں ارتداد کی سزا، دعوت وتبلیغ کی شرعی حیثیت، تذکرۃ الظفر، فتاوی امداد السائل، تسہیل الارشاد، ارشاد العباد فی عید المیلاد، خلاصۃ الارشاد فی مسئلۃ الاستمداد، تحقیق الجمعۃ فی القریٰ وغیرہ ہیں۔ مستقل کتابوں کے علاوہ آپ کے علمی وتحقیقی مقالات پاکستان کے علمی ودینی مجلّات میں بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔

۵/شوال ۱۴۲۱ھ/ یکم جنوری ۲۰۰۱ء کو انتقال فرمایا۔

حوالہ: مقالات حبیب اول ۱۰۳-۱۰۴؛ اکابر علمائے دیوبند، ص ۵۰۲-۵۰۹؛ انار کے درخت تلے، ص ۸۷-۸۸

حضرت مولانا زین العابدین اعظمیؒ

مشاہیر اہل علم وقلم اور ممتاز محدثین میں ان کا شمار تھا۔

۲۹/جمادی الاخری ۱۳۵۱ھ/ ۳۰/اکتوبر ۱۹۳۲ء کو پورہ معروف ضلع اعظم گڈھ (اب مئو) میں پیدا ہوئے۔ اپنے وطن اور مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور میں ابتدائی اور متوسط تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۹ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔

فراغت کے بعد بنگال، آسام، گجرات وغیرہ کے مختلف مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں جن میں خصوصیت کے ساتھ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اور جامعہ مظہر العلوم بنارس میں شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز رہے۔ ان مدارس میں تدریس کے ساتھ افتاء کی خدمات بھی انجام دیں۔ بالآخر ۱۹۹۵ء میں جامعہ مظاہر علوم سہارن پور میں شعبۂ تخصص فی الحدیث کے نگرانِ اعلیٰ بنائے گئے۔ مظاہر علوم کے شعبۂ تخصص سے آپ نے علمِ حدیث میں ماہر نوجوان علماء کے ایک کھیپ تیار کی۔

مولانا علم حدیث کے مشہور اور وسیع المطالعہ عالم تھے۔ اس پر ان کی مختلف علوم وفنون کی کتابیں شاہد ہیں۔ علامہ طاہر پٹنیؒ کی کتاب 'المغنی فی ضبط الاسماء لرواۃ الانباء' کی تحقیق وتعلیق، امام ذہبیؒ کے اسمائے رجال پر مبنی کتابوں پر من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل، الاعلام المحدثین کے علاوہ دلائل امور السنۃ، نخب من اسماء الرجال الصحاح وغیرہ آپ کے اہم کارنامے ہیں۔ آپ کی نگرانی میں ہی جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد کی تحقیق کا کام ہوا جس کی آٹھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ امداد الباری (شیخ عبدالجبار اعظمیؒ) کا تکملہ بھی آپ نے لکھا جو تین جلدوں میں طبع ہوا۔ شرح عقائد کی عربی شرح التعلیقات السنیہ کے نام سے لکھی۔ مولوی رحمٰن علی کی فارسی کتاب تذکرہ علماء ہند کا اردو ترجمہ بھی کیا۔ اس کے علاوہ متعدد اہم کتب ورسائل یادگار چھوڑے۔

۱۶/جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ/ ۲۸/اپریل ۲۰۱۳ء بروز اتوار اپنے وطن میں وفات پائی۔

حوالہ: ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، نومبر ۲۰۱۳ء؛ اودھ میں افتاء کے مراکز، ص ۴۱۳ - ۴۱۵

حضرت مولانا محمد عمر پالن پوریؒ

معروف عالم دین، مبلغ اور تبلیغی جماعت کے مقبول ترین رہنما تھے۔

پالن پور گجرات کے گٹھامن کے رہنے والے تھے اور ۱۱/ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ/ ۱۵/ستمبر ۱۹۲۹ء کو پیدا

ہوئے۔ بمبئی میں اسکولی تعلیم مکمل کی، پھر اپنے وطن کے مدرسہ میں ابتدائی عربی تعلیم مکمل کی۔ ۱۹۴۴ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، لیکن امراض وعوارض کی وجہ سے ایک سال کے بعد تعلیمی سلسلہ موقوف ہوگیا۔ دوبارہ ۱۹۵۵ء میں دارالعلوم میں داخلہ لیا اور حضرت مدنیؒ ودیگر اساتذہ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔

طالب علمی کے زمانے سے ہی جماعت تبلیغ سے وابستہ ہوگئے تھے۔ فراغت کے بعد خود کو اس کام کے لیے وقف کردیا۔ پالن پور وگجرات میں تبلیغ ودعوت کے کام کو جمانے اور پھیلانے میں آپ نے اہم کردار ادا کیا۔ جماعت تبلیغ کے ذمہ داران خصوصاً حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ اور حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ کے قریبی اور معتمد تھے۔ حضرت مولانا یوسف کاندھلویؒ کے انتقال کے بعد ۱۹۶۵ء میں مرکز تبلیغ نظام الدین دہلی میں مستقل قیام کیا۔ مرکز میں بانیٔ تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ اور حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کی جگہ متواتر تیس سال بعد فجر مفصل بیان آپ کا ہوتا رہا۔ پوری دنیا اور ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں تبلیغ ودعوت کے سلسلہ میں گھومے پھرے۔ آپ کی پوری زندگی دعوت وتبلیغ کے لیے وقف تھی۔ آپ کے ذریعہ لاکھوں کروڑوں لوگوں کو دین کا پیغام پہنچا۔

۱۳ر محرم ۱۴۱۸ھ/ ۲۱ر مئی ۱۹۹۷ء کو دہلی میں انتقال ہوا اور قبرستان پنج پیران میں دفن کیے گئے۔

حوالہ: مومن قوم اپنی تاریخ کے آئینے میں، ص ۲۸۲-۳۳۴؛ ذکر رفتگاں، ص ۲۹۵

حضرت مولانا محمد طاہر کلکتویؒ

آپ ایک متبحر عالم، بنگلہ زبان کے صاحبِ طرز ادیب اور مقبول عام مصنف تھے۔

۱۵ر مئی ۱۹۲۲ء کو کریم گنج آسام میں پیدا ہوئے۔ اولاً مدرسہ عالیہ سلہٹ میں تعلیم حاصل کی اور پھر ۱۹۴۴ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ بعد میں ۱۹۴۶ء میں دورۂ حدیث دوبارہ پڑھا۔

پہلے آپ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں حدیث کے استاذ رہے۔ اس کے بعد کلکتہ میں جامعہ مدنیہ کے نام سے ایک عظیم دارالعلوم کی بنیاد ڈالی۔ آپ کو علمِ حدیث خاص مناسبت تھی۔ جامعہ مدنیہ میں صحیحین کا درس تا عمر دیتے رہے۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بیعت تھے اور ان کے ممتاز خلفاء میں تھے۔ ورع وتقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ بنگال کا چپہ چپہ آپ کی دینی وملی خدمات کا شاہد ہے۔ صاف گو اور حق پسند طبیعت کے مالک تھے۔

۱۹۹۰ء میں بنگال کی کمیونسٹ حکومت نے نکاح رجسٹریشن بل اسمبلی میں پیش کیا تو آپ نے پورے بنگال میں جگہ جگہ احتجاجی جلسے منعقد کر کے اتنی بیداری پیدا کر دی کہ حکومت اس بل کو واپس لینے پر مجبور ہوگئی۔

آپ بنگلہ زبان کے صاحبِ طرز ادیب تھے۔ آپ کے لازوال کارناموں میں سرفہرست بنگلہ زبان میں تفسیر قرآن ہے جو چھ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ اس کی زبان اتنی معیاری ہے کہ اسے ڈھاکہ یونیورسٹی میں داخلِ نصاب کر دیا گیا ہے اور بنگلہ کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں بہت مقبول ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے تیس کے قریب اصلاحی رسائل بھی لکھے جو شائع ہو چکے ہیں۔

۲۴ر نومبر ۱۹۹۴ء کو کلکتہ میں انتقال ہوا۔

حوالہ: ذکر رفتگاں ۲/ ۱۷۱؛ مشاہیر علماء ومشائخ آسام، چہارم ۱۰۷-۱۱۶

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

مشہور ومعروف عالم دین، قاضی وفقیہ اور جماعت علماء کے سرخیل تھے۔

۱۹۳۶ء میں اپنے وطن جالے ضلع دربھنگہ میں پیدا ہوائے۔ آپ کے والد حضرت شیخ الہندؒ کے اولین شاگردوں میں تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر اپنے والدین سے اور مدرسہ محمود العلوم دملہ ضلع مدھوبنی میں حاصل کی۔ پھر مدرسہ امدادیہ دربھنگہ اور دارالعلوم مئو میں بھی زیر تعلیم رہے۔ ۱۹۵۱ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۹۵۵ء میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے۔ قاضی صاحب اپنی ذہانت وفطانت کی وجہ اپنے اساتذہ کے محبوبِ نظر رہے۔

فراغت کے بعد جامعہ رحمانی مونگیر میں مدرس مقرر ہوئے۔ یہیں حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کے رفاقت ملی جس سے قاضی صاحب کی فکر کو نیا رُخ ملا اور ان کی دینی وملی میدانوں میں خدمت کا مزاج پیدا ہوا۔ مونگیر ہی کے زمانۂ قیام میں قضاء کے سلسلہ میں اہم خدمات انجام دیں۔ آپ پر فقہی رنگ غالب تھا اور آپ نے نمایاں خدمات اسی باب میں انجام دیں۔ فتوی نویسی کی خدمات کے ساتھ چالیس سال تک امارت شرعیہ کے چیف قاضی رہے۔ امارت شرعیہ کے پلیٹ فارم سے متعدد اہم علمی وفقہی خدمات انجام دیں۔

آپ کی زندگی کا اہم کارنامہ ۱۹۸۹ء میں اولاً مرکز البحث العلمی اور پھر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا قیام ہے جو آج ہندوستان کی مایۂ ناز علمی وفقہی اکیڈمی اور عظیم تحقیقی مرکز ہے۔ اسلامک فقہ اکیڈمی کے ذریعہ آپ نے ہندوستان کے اہل علم علماء ومفتیان کو دینی وفقہی مسائل پر بحث وتحقیق کے لیے ایک شاندار پلیٹ فارم

مہیا کردیا۔ ۱۹۹۸ء میں آپ نے پٹنہ میں المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء کے نام سے ایک ادارہ کی بنیاد ڈالی۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے بعد آپ کو ۲۰۰۰ء میں ہندوستان کے موقر ترین ادارہ 'مسلم پرسنل لا بورڈ' کا صدر منتخب کیا گیا جس پر وہ تاحیات فائز رہے۔

قاضی صاحب کی پوری زندگی جہد مسلسل سے عبارت تھی۔ قاضی صاحب نے سیکڑوں افراد کی تشکیل و تصنیف کے ساتھ متعدد اہم علمی و تصنیفی سرمایہ بھی چھوڑا جس میں آپ کی ادارت میں نکلنے والا سہ ماہی رسالہ 'بحث ونظر' قابل ذکر ہے جو خالص علمی وفقہی مسائل کی تحقیقات کے لیے شہرت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی دیگر اہم کتابوں میں اسلامی عدالت، مباحث فقہیہ، فقہ المشکلات اور مسلم پرسنل لا کا مسئلہ وغیرہ ہیں۔ آپ کے خطبات کے متعدد مجموعے بھی شائع ہوئے۔ اس کے علاوہ آپ نے قاضی عماد الدین اشفورقانی کی کتاب 'صنوان القضاء' کو تحقیق و تعلیق کے ساتھ چار جلدوں میں شائع کیا۔

۲۰ر محرم ۱۴۲۳ھ/ ۴ر اپریل ۲۰۰۲ء کو دہلی میں انتقال ہوا اور دربھنگہ میں مدفون ہوئے۔

حوالہ: فضلائے دیوبند کی فقہی خدمات ۳۱۴-۳۳۳

حضرت مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ

ممتاز اہل قلم، مصنف، مفتی اور عالم دین تھے۔

آپ کا وطن پورہ نوڈیہہ ضلع دربھنگہ بہار رہے۔ ۲۱ر شعبان ۱۳۴۴ھ/ ۷ مارچ ۱۹۲۶ء کو ولادت ہوئی۔ آپ کے والد کا نام منشی شمس الدین صاحب تھا۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ محمودیہ راجپور نیپال اور ثانوی تعلیم مدرسہ وارث العلوم چھپرہ بہار میں حاصل کی۔ اعلی تعلیم کے لیے جامعہ مفتاح العلوم مئو یوپی گئے اور حضرت مولانا عبداللطیف نعمانیؒ اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ وغیرہ جیسے اساتذۂ علم وفن سے حاصل کی اور وہیں سے ۱۳۶۳ھ/ ۱۹۴۴ء میں دورۂ حدیث مکمل کیا۔

فراغت کے بعد سب سے پہلے جامعہ مفتاح العلوم مئو میں تدریس و افتاء کے لیے تقرر ہوا۔ پھر ندوۃ العلماء میں تکمیل کی غرض سے داخلہ لیا، لیکن درمیان ہی میں اسے چھوڑ کر معدن العلوم نگرام لکھنؤ میں درس و تدریس کی ذمہ داری سنبھالی جہاں ۱۹۴۷ء تک مدرس رہے۔ اس کے بعد دارالعلوم معینیہ سانحہ بیگوسرائے میں صدر مدرس رہے۔ اس کے بعد کچھ دنوں مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل میں بھی تدریسی فرائض انجام دیے۔

۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۶ء میں آپ کی گوناگوں علمی صلاحیتوں کی وجہ دارالعلوم میں تقرر ہوا جہاں آپ نے نصف صدی تک متعدد شعبوں میں گوناگوں علمی وانتظامی خدمات انجام دیں۔ دارالعلوم میں پہلے آپ شعبۂ تبلیغ سے وابستہ رہے جہاں آپ نے 'جماعت اسلامی کے دینی رجحانات' نام کی کتاب لکھی۔ ۱۳۷۶ھ کے اواخر میں آپ کو دارالافتاء منتقل کردیا گیا جہاں ترتیب فتاوی کے ساتھ آپ نے فتوی نویسی کی خدمات بھی انجام دیں۔ دارالعلوم کے مفتی اول حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن کے فتاوی کی 'فتاوی دارالعلوم' کے نام سے بارہ جلدوں میں ترتیب وتدوین آپ ہی کی شبانہ روز کاوشوں کا ثمرہ ہے۔

۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں مجلس شوری نے دارالعلوم کے عظیم الشان کتب خانہ کی ترتیب اور فہرست سازی کے لیے آپ کو کتب خانہ میں منتقل کیا۔ آپ نے بڑی دیدہ ریزی اور جگرکاوی سے فہرست تیاری کی اور نئے طریقہ کے مطابق حروف تہجی کے اعتبار سے کتابوں کے کارڈ تیار کیے جس سے کتابوں کی تلاش میں بڑی آسانی پیدا ہوگئی۔ اسی دوران آپ نے دوجلدوں میں کتب خانہ کے مخطوطات کا تعارف لکھا جو شائع بھی ہو چکا ہے۔

آپ کو ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۲ء میں 'مطالعۂ علوم قرآنی' کے شعبہ کی نگرانی دی گئی۔ اسی دوران آپ نے بہت دنوں تک ماہنامہ دارالعلوم کے اداریے لکھے۔ صد سالہ اجلاس دارالعلوم کے موقع پر مختلف تعارفی کتابچوں کی ترتیب بھی آپ سے متعلق رہی۔ حضرت مولانا ابوالحسن ندویؒ کے تقاضہ پر ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پچاسی سالہ جشن کے موقع پر ندوہ کے مخطوطات کو مرتب کیا۔

دارالافتاء میں دوسری بار ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء میں مستقل طور پر کیے گئے اور ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء تک بہ طور مفتی خدمات انجام دیتے رہے۔

آپ نے چھوٹی بڑی تقریباً پچاس کتابیں اور تین سو سے زائد مضامین ومقالات تحریر فرمائے۔ نئے دور کے ذہن کے مطابق شریعت اسلامی کی تشریح وتفہیم میں متعدد کتابیں لکھیں۔ آپ کی پہلی تصنیف 'اسلام کا نظام مساجد' ہے جو پہلی بار ۱۹۵۰ء میں طبع ہوئی۔ اس کے علاوہ، اسلام کا نظام امن، اسلام کا نظام عصمت وعفت، اسلام کا نظام جرم وسزا وغیرہ کتابیں بھی لکھیں جن میں سے متعدد کتابوں کا ترجمہ مختلف زبانوں میں شائع ہو چکا ہے۔ قرآن کریم کی مکمل تفسیر لکھی جو کئی جلدوں میں شائع ہوئی۔ مفتی صاحب نے تحریر بہت سادہ وشستہ، شگفتہ اور ہر خاص وعام کے لیے قابل فہم ہوتی تھی۔ آپ نے درمختار کا اردو ترجمہ بھی کیا۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کے تحت مجموعہ قوانین اسلامی کی ترتیب میں بھی حصہ لیا۔

دارالعلوم دیوبند میں مفتی کے عہدہ پر فائز ہونے کے علاوہ، آپ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کی مجلس شوری کے رکن، آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ اور بورڈ آف اسٹڈیز شعبۂ سنی دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے

ممبر بھی رہے۔ اسلامک فقہ اکیڈمی نئی دہلی کے بانی ممبر ہونے کے ساتھ ساتھ ۲۰۰۲ء سے تاحیات (۲۰۱۱ء) اس کے صدر کے عہدہ پر بھی فائز رہے۔

اپنے وطن مالوف میں ۲۵؍ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ/ ۳۱ مارچ ۲۰۱۱ء کو وفات پائی اور مدرسہ شمس العلوم کے احاطہ میں مدفون ہوئے۔

حوالہ: ماہنامہ دارالعلوم مئی وجون ۲۰۱۱ء؛ حیاتِ ظفیر، پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی

حضرت مولانا سید خلیل حسین دیوبندیؒ

دیوبند کے خاندانِ سادات کے ممتاز عالم دین اور بزرگ تھے۔ آپ کے جد امجد حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ دیوبند کے مشہور عالم اور بزرگ تھے۔

جمادی الثانیہ ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۹ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی اور ۱۳۶۹ھ /۱۹۵۰ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

جماعت تبلیغ سے وابستہ رہے اور ملک و بیرون ملک دور دراز کے اسفار کیے۔ سلوک و احسان ان کے خاندان میں تھا، تاہم حضرت تھانویؒ، حضرت مدنیؒ وغیرہ سے بھی مکمل وابستگی رکھتے تھے اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ کی خلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔ مدرسہ اصغریہ دیوبند کی تعمیر و ترقی میں اہم کردار ادا کیا اور بہ طور مہتمم اس کی ذمہ داریاں انجام دیں۔ ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء سے دارالعلوم دیوبند مجلسِ شوریٰ کے رکن تھے۔

آپ نے بیعت وارشاد اور تبلیغ و دعوت کے علاوہ تصنیفی یادگار بھی چھوڑیں جن میں 'الانصاف فی حدود الاختلاف' اور حضرت مدنیؒ کی تقریر ترمذی 'المسک الذکی علی جامع الترمذی' شامل ہے۔ ثانی الذکر کتاب ابھی شائع نہیں ہوئی ہے۔

۱۵؍رمضان ۱۴۳۴ھ/ ۲۵؍جولائی ۲۰۱۳ء کو دیوبند میں انتقال ہوا۔

حضرت مولانا زبیر احمد دیوبندیؒ

۱۹۳۵ء میں دیوبند میں پیدا ہوئے۔ دارالعلوم میں تعلیم پائی اور ۱۹۶۱ء میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے۔

فراغت کے بعد دارالعلوم ناگ پور میں عرصہ تک صدر المدرسین رہے۔ ۱۹۶۷ء میں دارالعلوم میں مدرس مقرر ہوئے، ترقی کرتے ہوئے درجۂ علیا تک پہنچے اور تاعمر تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ مولانا موصوف انتہائی شریف، باوقار وسنجیدہ، کم گو اور نرم خو شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کا درس عام فہم اور مقبول تھا۔

۱۷/ذوالحجہ ۱۴۱۸ھ/ ۱۵/اپریل ۱۹۹۸ء کو دیوبند میں انتقال ہوا۔

حوالہ: دارالعلوم اور دیوبند کی تاریخی شخصیات، ص ۸۰-۸۱

حضرت مولانا نظام الدین پٹنویؒ

دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن، مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری اور امارت شرعیہ بہار جھارکھنڈ واڑیسہ کے امیر شریعت تھے۔

۳۱/مارچ ۱۹۲۷ء کو گیا میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا قاضی سید حسین صاحب حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد تھے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی اور پھر مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں داخل ہوئے۔ ۱۹۴۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۹۴۶ء میں سندِ فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد ریاض العلوم ساٹھی چمپارن میں تدریس سے وابستہ ہوگئے اور ۱۹۶۲ء تک بہ طور صدر مدرس خدمات انجام دیں۔ ۱۹۶۵ء میں آپ کو اِمارت شرعیہ بہار واڑیسہ کا ناظم بنایا گیا اور ۱۹۹۸ء میں آپ کو امیرِ شریعت منتخب کیا گیا۔ وہ ایک صاحب بصیرت عالم دین، سنجیدہ مقرر اور خوش تدبیر قائد اور تھے۔

۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب کیے گئے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے ساتھ آپ کو ہمیشہ گہری وابستگی رہی۔ حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کے بعد مئی ۱۹۹۱ء میں آپ کو جنرل سکریٹری بنایا گیا جس پر آپ تاحیات قائم رہے اور بورڈ کو ترقی وکامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے اپنی صلاحیتیں وقف کردیں۔ اس کے علاوہ ندوۃ العلماء، اسلامک فقہ اکیڈمی اور دیگر اہم اداروں سے بھی وابستہ رہے۔

۱۷/اکتوبر ۲۰۱۵ء کو پٹنہ میں انتقال ہوا۔

حضرت مولانا قمر الدین گورکھپوری

دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث اور مشہور عالم دین ہیں۔

مشرقی یوپی کے ضلع گورکھپور کے قصبہ بڑہل گنج میں ۲؍فروری ۱۹۳۸ء کو پیدا ہوئے۔ والد کا نام حاجی بشیر الدین ہے۔ عربی کی ابتدائی ومتوسط تعلیم مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور اور دارالعلوم مئو میں حاصل کی۔ ۱۹۵۴ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۹۵۷ء میں شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ وغیرہ اساتذہ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔

فراغت کے بعد مدرسہ عبدالرب دہلی میں تدریسی سلسلہ کا آغاز کیا۔ ۱۹۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے تقرر ہوا۔

اس وقت حدیث کی مشہور کتابیں مسلم شریف، نسائی شریف، اور تفسیر بیضاوی زیر درس ہیں۔

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق ہردوئیؒ سے اصلاحی تعلق تھا اور ان سے اجازت وخلافت بھی ملی۔

حضرت مولانا ریاست علی بجنوری

دارالعلوم کے ممتاز استاذ حدیث اور اردو زبان کے بہترین ادیب وشاعر ہیں۔

۹؍مارچ ۱۹۴۰ء کو علی گڈھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا آبائی وطن موضع حبیب والا ضلع بجنور ہے۔ ابتدائی تعلیم مکمل کر کے اپنے پھوپھا مولانا سلطان الحق بجنوری (ناظم کتب خانہ دارالعلوم دیوبند) کے ہم راہ ۱۹۵۱ء میں دارالعلوم دیوبند آئے اور داخلہ لیا۔ ۱۹۵۸ء میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد بھی حضرت مولانا فخر الدین مرادآبادیؒ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کے دامنِ علم سے وابستہ ہو کر برسوں استفادہ کرتے رہے اور اپنے استاذ محترم کے درس بخاری کی تقریروں کو مرتب کر کے ایضاح البخاری کے نام سے شائع کرنا شروع کیا۔

۱۳۹۱ھ/۱۹۷۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس مقرر ہوئے۔ کچھ برسوں تک تدریس کے ساتھ ساتھ ماہنامہ دارالعلوم کی ادارت کی ذمہ داری بھی انجام دی۔ ۱۴۰۵ء میں مجلس شوریٰ نے آپ کو مجلس تعلیمی کا ناظم مقرر کیا۔ ۱۴۰۸ھ میں آپ کو شیخ الہند اکیڈمی کا نگراں مقرر کیا گیا۔

آپ کی ایک دوسری اہم تصنیف 'شوریٰ کی شرعی حیثیت' ہے۔ علم وعمل میں بلند مقام پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ شعر وادب میں اعلیٰ ذوق کے حامل ہیں جس کا زندہ ثبوت دارالعلوم دیوبند کا شہرۂ آفاق 'ترانہ' ہے جو ایک لازوال ادبی شہہ پارہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ کا مجموعۂ کلام 'نغمۂ سحر' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

ابن ماجہ اور ترمذی وغیرہ کتابیں آپ کے زیر درس رہی ہیں۔

حضرت مولانا عبدالخالق مدراسی

دارالعلوم دیوبند کے مشہور استاذ حدیث نائب مہتمم اور دارالعلوم کی متعدد نئی اور اہم عمارات کے معمار اعظم ہیں۔

۱۹۵۰ء میں شمالی آرکاٹ (تمل ناڈو) کی جدوال نامی بستی میں پیدا ہوئے۔ عربی کی تعلیم الباقیات الصالحات ویلور، دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور اور مدرسہ داؤدیہ تمل ناڈو میں حاصل کی۔ ۱۹۶۹ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ فراغت کے بعد افتاء وادب کا نصاب بھی پورا کیا۔

۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء میں دارالعلوم میں مدرس مقرر ہوئے۔ تدریس کے ساتھ متعدد اہم انتظامی ذمہ داریاں بھی آپ سے متعلق کی گئیں۔ ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۷ء سے دارالعلوم کے شعبۂ تعمیرات کی نظامت آپ سے متعلق ہے۔ ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۸ء میں دارالعلوم کے نائب مہتمم بنائے گئے۔

آپ سے شمائل ترمذی، مشکاۃ المصابیح اور ادب عربی کی کتابیں متعلق رہی ہیں۔ تدریس اور نیابت اہتمام کے ساتھ دارالعلوم کو مادی اور تعمیری لحاظ سے ترقی دینے میں آپ کا اہم کردار رہا ہے۔ مسجد رشید آپ کے تعمیری ذوق اور فنی مہارت کا شاہ کار ہے۔ شیخ الہند لائبریری جیسی عظیم الشان اور تاریخی عمارت کی تعمیر بھی آپ کی نگرانی میں جاری ہے۔ اس کے علاوہ شیخ الہند منزل، شیخ الاسلام منزل، حکیم الامت منزل، مدرسہ ثانویہ اور متعدد چھوٹی بڑی عمارتیں آپ کی شبانہ روز محنتوں کا نتیجہ ہیں۔

حضرت مولانا عبدالحق اعظمی

دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث اور مشہور عالم دین ہیں۔

۱۹۲۸ء میں جگدیش پور ضلع اعظم گڈھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی اور پھر مدرسہ بیت العلوم سرائے میر میں فارسی وعربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر دارالعلوم مئو میں داخل ہوکر عربی ہفتم تک تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۵ء میں دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔

فراغت کے بعد متعدد مقامات پر تدریسی خدمات انجام دیں، خاص طور پر مطلع العلوم بنارس، جامعہ حسینیہ گریڈیہہ جھارکھنڈ اور دارالعلوم مئو میں درس دیا اور شیخ الحدیث وصدر المدرسین کے عہدوں پر فائز رہے۔

۱۹۸۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں بلائے گئے اور بخاری شریف جلد دوم اور مشکاۃ المصابیح کا درس آپ

سے متعلق ہے۔ حضرت مولانا شیخ محمد زکریا کاندھلویؒ سے اجازت وخلافت حاصل ہے۔
حوالہ: اودھ میں افتاء کے مراکز، ۴۰۹

حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی

دارالعلوم کے مشہور استاذ حدیث ہیں۔ وسعت مطالعہ، کثرت معلومات اور علمی وتحقیقی ذوق میں اپنی مثال نہیں رکھتے۔

پورہ معروف ضلع مئو میں ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۷ء میں پیدا ہوئے۔ دینیات اور عربی کی اکثر کتابیں وطن میں پڑھیں۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ فراغت کے بعد دو سال علوم وفنون کی تحصیل میں گزارے۔

۱۳۷۵ھ میں مدرسہ حسینیہ تاؤلی میں مدرس مقرر ہوئے۔ اس کے بعد ملک کے مختلف مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں جن میں مصباح العلوم کوپاگنج ضلع مئو، جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ اور مفتاح العلوم مئو قابل ذکر ہیں۔ آسام اور گجرات میں بھی کچھ دنوں تک پڑھایا۔ ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں درجۂ علیا کے مدرس مقرر ہوئے۔

اس وقت مسلم شریف، ابوداؤد شریف وغیرہ کے اسباق متعلق ہیں۔ تخصص فی الحدیث کا شعبہ آپ کی نگرانی میں قائم ہے۔

اردو وعربی زبانوں میں متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ کے اہم کتابوں میں تقریب شرح معانی الآثار، نعمۃ المنعم شرح مقدمۂ مسلم اور درس بخاری وغیرہ ہیں۔ تخصص فی الحدیث سے ترمذی کی حدیث حسن، حدیث غریب اور حدیث حسن غریب پر نہایت وقیع اور تحقیقی کام آپ کی نگرانی میں پورا ہوا ہے۔

حضرت مولانا سید ارشد مدنی

دارالعلوم دیوبند کے مشہور استاذ حدیث، سابق ناظم تعلیمات، جمعیۃ علمائے ہند کے صدر اور مسلمانان ہند کے مقبول قائد ہیں۔

آپ کا سن پیدائش ۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۱ء ہے۔ ابتدائی تعلیم دیوبند میں حاصل کی۔ آپ کے معلم خصوصی

مولانا قاری اصغر علی سہسپوریؒ ہیں۔ دارالعلوم دیوبند میں باضابطہ طور پر ۱۹۵۹ء میں داخلہ لیا اور ۱۹۶۳ء میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے۔

۱۹۶۵ء میں بہار کے مرکزی ادارہ جامعہ قاسمیہ گیا سے تدریسی زندگی کا آغاز کیا۔ ۱۹۶۹ء میں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں منصبِ تدریس پر فائز ہوئے۔

۱۹۸۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں درجۂ علیا کے مدرس کے طور پر مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۹۸۷ء سے ۱۹۹۰ء تک نائب ناظم تعلیمات رہے۔ ۱۹۹۶ء میں سے ۲۰۰۸ء تک دارالعلوم کے ناظم تعلیمات کے عہدہ پر فائز رہے۔ آپ کے زمانے میں نہایت اہم تعلیمی اصلاحات عمل میں آئیں اور تعلیمات میں نمایاں ترقی ہوئی۔ اس وقت ترمذی شریف، مشکاۃ المصابیح وغیرہ کتابوں کے اسباق متعلق ہیں۔

۲۰۰۶ء میں جمعیۃ علمائے ہند کے قومی صدر منتخب کیے گئے اور حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کے بعد ملک کی سیاست اور مسلمانانِ ہند کی قیادت کے حوالہ سے عظیم الشان خدمات انجام دے رہے ہیں۔

تدریسی اور سیاسی وسماجی مشغولیات کے ساتھ آپ کی متعدد اہم علمی خدمات بھی منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ تفصیل عقد الفرائد فی تکمیل قید الشرائد معروف بہ منظومہ ابن وہبان کے مخطوطہ کو اپنی تحقیق وتعلیق کے ساتھ دو جلدوں میں شائع کیا۔ علامہ بدرالدین عینی کی کتاب نخب الافکار فی تنقیح مبانی الاخبار فی شرح معانی الآثار کے مخطوطہ کو مصر سے حاصل کر کے اپنی تحقیق وتعلیق کے ساتھ ۲۳؍ جلدوں میں عالم عرب سے شائع کرایا۔

حضرت مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری

دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث، سابق نائب مہتمم اور جمعیۃ علمائے ہند کے صدر ہیں۔

میں اپنے وطن منصور پور ضلع مظفر نگر میں ۱۲؍ اگست ۱۹۴۴ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی اور فارسی عربی کی پوری تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی۔ ۱۹۶۵ء میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے اور ۱۹۶۶ء میں دیگر فنون کی تکمیل کے ساتھ تجوید وقرأت اور ادب عربی کی تربیت حاصل کی۔

اولاً جامعہ قاسمیہ گیا میں پانچ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں گیارہ سال تک مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں۔

۱۹۸۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس مقرر ہوئے۔ درس وتدریس کے ساتھ مختلف انتظامی ذمہ داریاں بھی آپ سے متعلق رہیں۔ ۱۹۸۶ء میں عالمی اجلاس تحفظِ ختمِ نبوت کے موقع پر آپ کو کل ہند مجلس

تحفظِ ختمِ نبوت کا ناظم مقرر کیا گیا۔ ۱۹۹۹ء میں تدریس کے ساتھ نائب مہتمم مقرر ہوئے اور ۲۰۰۸ء تک اس اہم عہدہ پر فائز رہے۔ اس وقت موطا امام مالک، مشکاۃ المصابیح وغیرہ کتابیں زیر درس ہیں۔

۲۰۰۶ء میں جمعیۃ علمائے ہند کے صدر منتخب کیے گئے۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی اعظمی

دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث، متعدد کتابوں کے مصنف اور ماہنامہ دارالعلوم کے مدیر ہیں۔

اپنے وطن جگدیش پور ضلع اعظم گڈھ میں ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۲ء میں پیدا ہوئے۔ عربی کی تعلیم مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، مطلع العلوم بنارس اور دارالعلوم مئو میں حاصل کی۔ ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوکر دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔

۱۹۶۵ء میں جامعہ اسلامیہ بنارس میں مدرس مقرر ہوئے۔ مئی ۱۹۸۰ء میں مؤتمر فضلائے دارالعلوم دیوبند کی طلب پر دیوبند آئے اور عالمی مؤتمر کی نظامت اور ماہنامہ القاسم کی ادارت کے فرائض انجام دینا شروع کیا۔

۱۹۸۲ء میں دارالعلوم میں مدرس مقرر ہوئے۔ ماہ صفر ۱۴۰۵ھ میں تدریس کے ساتھ ماہنامہ دارالعلوم کی ادارت کی ذمہ داری آپ کو سونپی گئی جسے تا حال حسن وخوبی کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔ ۱۴۲۰ھ میں ردعیسائیت کمیٹی کے نگراں اور پھر ناظم مقرر کیے گئے۔

ابوداؤد، مشکاۃ المصابیح وغیرہ کتابیں زیر درس ہیں۔

متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ کے مضامین کا مجموعہ 'مقالات حبیب' کے عنوان سے تین جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔ آپ کی دیگر کتابوں میں شرح نزہۃ الخواطر، شرح مقدمۂ شیخ عبدالحق، شیوخ الامام ابی داؤد السجستانی (عربی)، تذکرۂ علمائے اعظم گڑھ، اجودھیا کے اسلامی آثار کے علاوہ چھوٹی بڑی تقریباً تیس کتب ورسائل ہیں۔

حضرت مولانا مفتی منظور احمد جون پوری

قاضی شہر کان پور، دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ اور جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے رکن ہیں۔

۴؍ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ/ ۱۸؍اگست ۱۹۳۱ء میں پوٹریا ضلع جون پور میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام مولانا

حکیم عبدالسلام ہے۔ابتدائی تعلیم مدرسہ بیت العلوم سرائے میر میں حاصل کی۔١٣٧٠ھ/ ١٩٥١ء میں مظاہر علوم سہارن پور میں داخلہ لیا اور ١٣٧٣ھ/١٩٥٤ء میں صحاح ستہ پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے۔اگلے سال فنون کی کتابیں بھی پڑھیں۔

شوال ١٣٧٤ھ/ جون ١٩٥٥ء میں آپ جامع العلوم کان پور میں مدرس مقرر ہوئے اوراب تک کان پور ہی میں قیام ہے۔جامع العلوم کان پور سے وابستہ رہ کر درس وتدریس اور وعظ وافتاء کے ذریعہ اہم خدمات انجام دیں۔جامع العلوم میں حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے بعد افتاء اور نظامت کی ذمہ داری آپ کو سپرد کی گئی۔کان پور میں نصف صدی سے زائد عرصہ تک آپ نے ابتدائی عربی کتب سے لے کر بخاری ومسلم اور دیگر کتب حدیث بھی پڑھائی ہیں۔آپ کی علمی وفقہی خدمات نے کان پور کو بڑا استحکام اور وقار بخشا اور ہزاروں طلبہ فیض یاب ہوئے۔حضرت مولانا محمد احمد پرتاب گڈھی سے اجازت وخلافت حاصل ہے۔

١٤٠٥ھ/ ١٩٨٥ء میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے۔مظاہر علوم کی مجلس شوریٰ کے بھی رکن ہیں۔ایک عرصہ سے جمعیۃ علمائے ہند کی مجلس عاملہ کے رکن ہیں۔

حضرت مولانا محمد یعقوب مدراسی

تمل ناڈو کے نمایاں علماء میں ہیں اور دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن ہیں۔

مولانا محمد یعقوب صاحب بن جناب محمد اسماعیل صاحب میل وشارم تمل ناڈو کے رہنے والے ہیں۔

٢٧/رجب ١٣٥٣ھ/ ٢١/نومبر ١٩٣٤ء میں پیدا ہوئے۔پہلے اپنے وطن میں تعلیم پائی اور عربی کی ابتدائی تعلیم جامعہ الباقیات الصالحات ویلور میں حاصل کی۔اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور کئی سال زیر تعلیم رہ کر ١٣٧٩ھ/ ١٩٥٩ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

فراغت کے بعد سبیل الرشاد بنگلور، مظاہر علوم سیلم، جامعۃ الباقیات الصالحات، مدرسہ حسینیہ کایم کولام کیرالہ وغیرہ میں تدریسی وانتظامی خدمات انجام دیں۔١٤٠٥ھ/ ١٩٨٥ء سے اب تک مدرسہ کاشف الہدیٰ مدراس میں مدرس رہے جہاں اب صدر مدرس کے طور پر خدمات انجام دے رہے ہیں۔

١٤٠٦ھ/ ١٩٨٦ء میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے۔اس کے علاوہ تمل ناڈو کے امیر شریعت اور صوبائی مجلس تحفظ ختم نبوت و مجلس تحفظ شریعت کے صدر ہیں۔ریاست کے مختلف مدارس کے سرپرست ہیں اور فرق باطلہ کی تردید اور مسلک حق کی اشاعت میں سرگرم ہیں۔

آپ نے بانی الباقیات الصالحات حضرت مولانا عبدالوہاب ویلوری کے فتاویٰ کی ترتیب وتبویب بھی انجام دی۔ آپ کے خطبات کا مجموعہ 'خطبات وشارم' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

حضرت مولانا ازہر رانچوی

دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن، جامعہ حسینیہ رانچی کے مہتمم اور شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے خلیفہ ہیں۔

آپ کے والد مولانا شرف الدین صاحب بانی مدرسہ محمودالعلوم دملہ ضلع مدھوبنی (بہار) ہیں۔ اپنے وطن رتھوس، وایا کمتول، ضلع مدھوبنی (بہار) میں ۷؍جولائی ۱۹۲۴ء کو پیدا ہوئے۔ عربی تعلیم مدرسہ محمودالعلوم دملہ، مدھوبنی بہار اور مدرسہ مفتاح العلوم مئو میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے ۱۹۵۰ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۹۵۳ء میں فارغ ہوئے۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی خدمت میں سفر حضر میں ساتھ رہے اور خلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔ ۱۹۵۸ء میں مدرسہ حسینیہ رانچی کی بنیاد ڈالی اور اب تک مہتمم کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ قیام مدرسہ کے ساتھ علاقے میں سو سے زیادہ مکاتب قائم کیے جن میں سے بیشتر اَب مدرسہ میں تبدیل ہو گئے ہیں۔

۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے۔ جمعیۃ علمائے ہند سے وابستہ رہے اور اس کی مجلس عاملہ کے رکن اور نائب صدر منتخب کیے گئے۔

حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی

سرپرست مظاہر علوم سہارن پور اور دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن ہیں۔

آپ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے صاحب زادے ہیں۔ ۲؍جمادی الاولیٰ ۱۳۶۰ھ/ ۲۸؍مئی ۱۹۴۱ء کو نظام الدین دہلی میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ کاشف العلوم بستی حضرت نظام الدین دہلی اور مظاہر علوم میں تعلیم حاصل کی اور فراغت مدرسہ کاشف العلوم سے ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء میں ہوئی جہاں حضرت مولانا محمد یوسفؒ صاحب امیر تبلیغ، حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ وغیرہ حدیث کی اعلیٰ کتابیں پڑھاتے تھے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت ہوئے اور اجازت وخلافت حضرت شیخ الحدیثؒ نے عطا فرمائی۔

۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء میں مظاہر علوم سہارن پور کے رکن شوریٰ و سرپرست منتخب کیے گئے۔ ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء میں جامعہ مظاہر علوم کے امین عام کا عہدہ شروع ہونے کی بعد آپ پہلے امین عام (جنرل سکریٹری) مقرر ہوئے اور اس منصب پر ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء تک فائز رہے۔

۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب کیے گئے۔ اس کے علاوہ آپ بہت سے اہم مدارس ومعاہد کے سرپرست اور مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کے شیخ ومرشد ہیں۔

حضرت مولانا بدرالدین اجمل قاسمی آسامی

صدر جمعیۃ علمائے آسام، صدر مرکز المعارف، اے آئی یو ڈی ایف پارٹی کے چیرمین، لوک سبھا کے ایم پی اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن ہیں۔

مولانا بدرالدین اجمل قاسمی بن جناب حاجی اجمل علی صاحب، ہوجائی ضلع نوگاؤں آسام کے رہنے والے ہیں۔ ۱۲ر فروری ۱۹۵۵ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی اسکولی تعلیم آسام اور بمبئی میں حاصل کی۔ عربی کی تعلیم مدرسہ امدادیہ بمبئی میں حاصل کی اور اعلی تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۹۷۵ء میں فراغت حاصل کی۔

آپ ایک ممتاز عالم دین ہونے کے ساتھ کامیاب صنعتکار، تاجر، سیاست داں اور ایک ممتاز سماجی کارکن بھی ہیں۔ متعدد اہم مدارس، اسلامی تنظیموں اور اداروں کے سرپرست اور صدر ہیں۔

آپ نے ۱۹۸۲ء میں مشہور این جی او مرکز المعارف کی بنیاد ڈالی جس کے تحت اسکول، یتیم خانے اور ہسپتال کے علاوہ دیگر سیکڑوں سماجی، تعلیمی اور معاشی ترقیاتی سرگرمیاں انجام پا رہی ہیں۔ آپ مرکز المعارف ایجو کیشن اینڈ ریسرچ سینٹر، ممبئی کے بھی چیرمین ہیں جو اپنی نوعیت کا مشہور اور منفرد ادارہ ہے جو علماء کو انگریزی زبان وادب کے ساتھ جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کراتا ہے۔ اسی ادارہ کے سیکڑوں فضلاء آج ملک اور بیرون ملک مختلف میدانوں خاص کر انگریزی زبان میں دین اسلام اور ملک وملت کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

ایک عرصہ سے آپ جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے رکن ہیں اور متعدد ٹرم سے جمعیۃ علمائے آسام کے صدر منتخب ہوئے ہیں۔ اسی طرح آپ تنظیم مدارس قومیہ آسام کے صدر بھی ہیں جو کہ پورے آسام میں پھیلے

ہوئے ۴۰۰ سے زائد مدارس کا متحدہ پلیٹ فارم ہے۔

۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کا رکن منتخب کیا گیا۔ دارالعلوم کے شعبۂ انگریزی اور شعبۂ انٹرنیٹ و آن لائن فتوی کی نگرانی کے ساتھ مجلس شوریٰ نے آپ کو شیخ الہند اکیڈمی کا ڈائریکٹر بھی مقرر کیا ہے۔

آسام میں اقلیتوں، پسماندہ اور حقوق سے محروم طبقات کو ان کا حق دلانے کے لیے آپ نے ۲۰۰۶ء میں آل انڈیا یونائیڈ ڈیموکریٹک فرنٹ (AIUDF) کی بنیاد ڈالی۔ اس پارٹی نے پہلے اسمبلی انتخابات اور پھر لوک سبھا انتخابات میں شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ ۲۰۰۹ء اور ۲۰۱۵ء کے عام انتخابات میں آپ ڈھوبری سے لوک سبھا ایم پی منتخب ہوئے۔

حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقی

دارالمبلغین لکھنؤ کے صدر، جمعیۃ علمائے ہند کے جنرل سکریٹری اور دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن ہیں۔

آپ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ کے پوتے اور حضرت مولانا عبدالسلام فاروقی کے صاحب زادے ہیں۔ ابتدائی تعلیم لکھنؤ میں حاصل کی۔ عربی درجات کی تعلیم جامعہ حسینیہ محمدی لکھیم پور میں حاصل کی۔ پھر دارالعلوم دیوبند آگئے اور یہیں سے ۱۹۶۹ء میں فراغت حاصل کی۔

رافضیت وشیعیت کے موضوع پر اختصاص رکھتے ہیں۔ لکھنؤ جیسے شہر میں دارالمبلغین کے پلیٹ فارم سے دین اسلام اور مسلک حقہ کی حفاظت اور اشاعت کے سلسلہ میں بہترین خدمات انجام دے رہے ہیں۔

۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب کیے گئے۔

جمعیۃ علمائے ہند کے ممتاز قائدین میں ہیں۔ اپریل ۱۹۹۵ء میں کچھ برسوں تک جنرل سکریٹری رہے۔ ۲۰۰۸ء میں دوبارہ جنرل سکریٹری بنائے گئے۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس

شوریٰ کے رکن ہیں۔

تکیہ کلاں رائے بریلی میں یکم اکتوبر ۱۹۲۹ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی، اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے اور ۱۹۴۸ء میں سندِ فضیلت حاصل کی۔ اس دوران ۱۹۴۷ء میں ایک سال دارالعلوم دیوبند میں بھی قیام رہا۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد ندوۃ العلماء میں معاون مدرس مقرر ہوئے۔ پھر دعوت وتعلیم کے لیے ۱۹۵۰-۵۱ء میں سعودی عرب قیام رہا۔ ۱۹۵۵ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے کلیۃ اللغۃ العربیۃ کے وکیل اور ۱۹۷۰ء میں عمید منتخب کیے گئے۔ ۱۹۹۳ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم اور حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے انتقال کے بعد ۲۰۰۰ء میں ناظم ندوۃ العلماء بنائے گئے۔ ۲۰۰۲ء میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے سابق صدر قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کے انتقال کے بعد متفقہ طور پر صدر منتخب کیے گئے۔

۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب کیے گئے۔

آپ عربی واردو کے ایک کامیاب مصنف بھی ہیں۔ اب تک دو درجن سے زائد کتابیں معرضِ وجود میں آچکی ہیں جن میں پندرہ عربی زبان میں اور بارہ اردو زبان میں ہیں جن میں جزیرۃ العرب، الادب العربی بین عرض ونقد، رہبرِ انسانیت وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت مولانا عبدالخالق سنبھلی

دارالعلوم کے استاذ حدیث وادب اور نائب مہتمم ہیں۔

قصبہ سنبھل ضلع مرادآباد میں ۴؍جنوری ۱۹۵۰ء کو پیدائش ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی اور ۱۹۶۸ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ ۱۹۷۲ء میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ اگلے سال ادب عربی کی تکمیل کی۔

۱۹۷۳ء میں آپ نے تدریسی زندگی کا آغاز مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ سے کیا۔ ۱۹۷۹ء میں مدرسہ جامع الہدیٰ مرادآباد میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

۱۹۸۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے لیے آپ کا تقرر ہوا۔ تدریس کے ساتھ آپ اہم انتظامی ذمہ داریوں پر بھی فائز رہے۔ ۲۰۰۸ء میں نائب مہتمم بنائے گئے۔

آپ کی تصنیفات میں 'مودودیت' کے موضوع پر پانچ اجزا پر مشتمل محاضرات، عبدالمجید الزندانی الیمنی

کی کتاب 'التوحید' کا اردو ترجمہ، فتاوی عالم گیری کے جز ۱۵/ کتاب الأیمان کا اردو ترجمہ وغیرہ شامل ہیں۔

حضرت مفتی محمد امین پالن پوری

دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث ہیں۔

۱۹۵۲ء میں پیدا ہوئے۔ پالن پور گجرات کے رہنے والے اور حضرت مفتی سعید احمد پالن پوری کے برادرِ خورد ہیں۔ ابتدائی فارسی و عربی کی تعلیم راندیر میں حاصل کی۔ کچھ سال مظاہر علوم سہارن میں بھی پڑھا اور ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء میں دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے۔ ۱۳۹۴ھ میں تکمیل ادب اور ۱۳۹۵ھ میں تکمیل افتاء کیا۔

شوال ۱۳۹۵ھ میں مدرسہ کنز مرغوب پٹن (شمالی گجرات) سے تدریسی زندگی کا آغاز کیا۔ کچھ دنوں تک تاراپور ضلع کھیڑہ (گجرات) اور امداد العلوم وڈالی سابر کانٹھا گجرات میں بھی رہے۔

۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس مقرر ہوئے۔ اس وقت درجۂ علیا کے استاذ ہیں اور نسائی شریف کا درس آپ سے متعلق ہے۔

درس و تدریس کے علاوہ تصنیف و تالیف کے ذریعہ بھی دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اہم تصانیف میں الخیر الکثیر شرح الفوز الکبیر، اصلاح معاشرہ، اذان و اقامت، محاضرۂ رد رضاخانیت شامل ہیں۔ فتاوی دارالعلوم کی جدید ترتیب بھی آپ سے متعلق ہے اور اب تک چھ جلدیں شائع ہوکر منظر عام پر آ چکی ہیں۔ فتاوی دارالعلوم کی پرانی بارہ جلدوں پر نظر ثانی کا کام بھی انجام دے رہے ہیں۔

حضرت مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی

دارالعلوم دیوبند کے ممتاز مفتی اور مشہور عالم دین ہیں۔

مفتی حبیب الرحمٰن بن مولانا نذیر احمد اپنے وطن خیرآباد ضلع اعظم گڈھ (موجودہ ضلع مئو) میں ۱۸/ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ/ ۱۱/ اگست ۱۹۳۳ء میں پیدا ہوئے۔ عربی کی تعلیم مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور اور دارالعلوم مئو میں حاصل کی۔ ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء میں مظاہر علوم سہارن پور سے دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے اور ایک سال مزید رہ کر فنون کی تکمیل کی۔

معہد ملت مالیگاؤں سے تدریس کا آغاز کیا۔ پھر مدرسہ حیات العلوم مرادآباد میں ۲۳؍سال تک اعلی تدریسی اور فتوی نویسی کی خدمات انجام دیں۔

۱۹۸۴ء میں دارالعلوم میں مفتی مقرر ہوئے۔فتوی نویسی کے ساتھ افتاء کے طلبہ کی تدریس وتربیت آپ کے ذمہ ہے۔تیس سال سے زائد عرصہ میں آپ کے فتاوی کی تعداد لاکھ سے زائد ہوگی۔آپ کے فتاوی کا مجموعہ 'فتاوی حبیبیہ' کے نام سے مرتب ہوکر شائع ہو رہا ہے۔اس کے علاوہ دو درجن سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سب سے اہم جامع ترمذی کی عربی شرح 'المسک الشذی' ہے جو تقریباً چودہ جلدوں پر مشتمل ہوگی اور اب تک اس کی سات جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔آپ نے فتاوی رشیدیہ کو تحقیق وتخریج کے ساتھ شائع کرایا ہے۔

حوالہ: اودھ میں افتاء کے مراکز، ص۴۱٦
فضلائے دیوبند کی فقہی خدمات ۳۵۰

حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی

عربی زبان کے مشہور ادیب، مصنف اور دارالعلوم کے عربی مجلہ الداعی کے ایڈیٹر ہیں۔

۱۸؍دسمبر ۱۹۵۲ء/ ۳۰؍ربیع الاول ۱۳۷۲ھ مظفر پور بہار میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم وطن اصلی رائے پور ضلع سیتامڑھی اور ثانوی تعلیم مدرسہ امدادیہ دربھنگہ اور دارالعلوم مئو میں حاصل کی۔۱۹۶۵ء میں دارالعلوم میں داخل ہوئے لیکن تکمیل مدرسہ امینیہ دہلی سے ۱۹۷۰ء میں ہوئی۔

۱۹۷۲ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں مدرس ادبِ عربی مقرر ہوئے۔۱۹۸۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں استاذ ادبِ عربی مقرر ہوئے اور دارالعلوم کے عربی ترجمان 'الداعی' کے ایڈیٹر بنائے گئے۔

آپ مسلسل چار دہائیوں سے عربی ادب وصحافت سے وابستہ ہیں اور آج انھیں عربی زبان کے نمایاں ادیب اور بابصیرت صحافی کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔عربی کے ساتھ اردو سے بھی گہری وابستگی ہے۔آپ کے اردو مضامین بھی ملک کے اخبارات ورسائل میں اہتمام کے ساتھ شائع ہوتے ہیں۔اب تک آپ کی متعدد کتابیں عربی اور اردو میں شائع ہوکر قبول عام حاصل کرچکی ہیں جن میں 'وہ کوہ کن کی بات'، 'پسِ مرگ زندہ'، فلسطين في انتظار صلاح الدين، متى تكون الكتابات مؤثرة وغیرہ اہم اور قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت مولانا مجیب اللہ گونڈوی

دارالعلوم کے استاذ حدیث اور سابق ناظم تعلیمات ہیں۔

موضع جوڑھا ضلع گونڈہ میں ۱۹۵۲ء میں پیدا ہوائے۔عربی کی تعلیم مدرسہ نور العلوم بہرائچ میں حاصل کی۔ ۱۹۶۷ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۹۷۳ء میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ ۱۹۷۴ء میں افتاء کا کورس مکمل کیا۔

اولاً مدرسہ اسلامیہ جودھپور راجستھان میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۹۷۵ء میں مدرسہ فرقانیہ گونڈہ منتقل ہوگئے اور پھر ۱۹۷۹ء میں جامع العلوم پٹکا پور کان پور میں مدرس مقرر ہوئے۔

۱۹۸۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے لیے تقرر ہوا۔ ۲۰۰۸ء میں درجۂ علیا میں ترقی ہوئی اور مجلس تعلیمی کا ناظم (ناظم تعلیمات) مقرر کیا گیا جس پر آپ ۱۴۳۵ھ تک قائم رہے۔

شرح عقائد کی شرح 'بیان الفوائد' لکھی جو مقبول ومعروف ہے۔

حضرت مولانا محمد اشتیاق مظفرپوری

صوبہ بہار کے ممتاز علماء میں ہیں اور دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن ہیں۔

آپ کا وطن موضع مبارک پور، سمری بختیار پور ضلع سہرسہ (بہار) ہے۔آپ کے والد مولانا حصیر الدین دارالعلوم دیوبند کے قدیم فضلاء میں سے تھے۔۱۳/ ذوالقعدہ ۱۳۶۰ھ/ ۳ دسمبر ۱۹۴۱ء کو بھاگل پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد محترم سے حاصل کی اور عربی تعلیم کے لیے شوال ۱۳۷۲ھ/ جولائی ۱۹۵۳ء میں مفتاح العلوم مئو آ گئے۔

شوال ۱۳۷۶ھ/ مئی ۱۹۵۷ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور چار سال تک زیر تعلیم رہ کر ۱۳۸۰ھ/ فروری ۱۹۶۱ء میں فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد دہلی اور مدرسہ رحمانیہ سپول میں کچھ برسوں تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر ذوالحجہ ۱۳۸۵ھ/ مارچ ۱۹۶۶ء میں مدرسہ اسلامیہ جامع العلوم چندوارہ ضلع مظفرپور میں تقرر ہوا اور اس وقت سے اب تک وہیں مختلف اعلی تدریسی اور انتظامی امور کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔

۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب کیے گئے۔

حضرت مولانا محمد اسماعیل مالیگانوی

دارالعلوم محمدیہ مالیگاؤں کے شیخ الحدیث اور دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن ہیں۔

مولانا محمد اسماعیل بن مولانا عبدالخالق ۳/اگست ۱۹۶۲ء کو مالیگاؤں ضلع ناسک (مہاراشٹر) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں اور عربی تعلیم مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل ضلع سورت گجرات میں حاصل کی۔ پھر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء تکمیل افتاء میں داخل رہے۔

فراغت کے بعد دارالعلوم محمدیہ مالیگاؤں میں تدریسی خدمات کا آغاز کیا اور ترقی کرتے ہوئے شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔ شہر مالیگاؤں کی جامع مسجد اور عیدگاہ کی امامت وخطابت کا عہدہ بھی آپ سے متعلق ہے۔ مراٹھواڑہ میں مسلمانوں کی دینی وتعلیمی اور سیاسی وسماجی مسائل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ ۲۰۰۹ء کے مہاراشٹر اسمبلی الیکشن میں مالیگاؤں حلقۂ انتخاب سے ایم ایل اے بھی منتخب ہوئے۔

۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب کیے گئے۔ دارالعلوم کی مجلس عاملہ کے رکن بھی ہیں اور پوری دل چسپی اور انہماک سے شرکت کرتے ہیں۔

حضرت مولانا ملک محمد ابراہیم مدراسی

دارالعلوم دیوبند کے رکن شوریٰ ہیں۔

مولانا ملک محمد ابراہیم بن حاجی ملک محمد ہاشم میل وشارم ضلع شمالی آرکاٹ (تمل ناڈو) کے رہنے والے ہیں۔ ۲۴/ذوالقعدہ ۱۳۸۸ھ/ ۷/ستمبر ۱۹۶۹ء کو پیدا ہوئے۔ مدرسہ مفتاح العلوم میل وشارم میں حفظ کیا اور مدرسہ رفیق العلوم آمبور میں موقوف علیہ تک کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب کیے گئے۔ دارالعلوم کی مجلس عاملہ کے رکن بھی ہیں اور پوری دل چسپی اور انہماک سے شرکت کرتے ہیں۔

حضرت الحاج محمد جمیل الدین کلکتوی

کلکتہ کے مشہور تاجر، صاحبِ خیر اور دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن ہیں۔

آپ کے والد کا نام حاجی عبد الغفور ہے۔ کلکتہ میں ۸ / جون ۱۹۴۴ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۴۲۸ھ / ۲۰۰۷ء میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب کیے گئے۔

حضرت مولانا مفتی محمد یوسف تاؤلوی

دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث وفقہ ہیں۔

آپ کے والد کا نام حاجی عظیم الدین ہے، تاؤلی ضلع مظفر نگر کے رہنے والے ہیں۔ ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۶ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم دارالعلوم حسینیہ تاؤلی میں حاصل کی۔ ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ء میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ اگلے سال دارالعلوم میں حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ سے افتاء کی تکمیل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ مرادیہ مظفر نگر میں تین سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر دارالعلوم چلہ امروہہ میں سات سال تک درجۂ علیا کے مدرس رہے۔ ۱۴۰۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس مقرر ہوئے۔ تدریس کے ساتھ دارالاقامہ کی نظامت بھی برسوں آپ سے متعلق رہی۔ اس وقت درجۂ علیا کے استاذ ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ سے اصلاحی تعلق تھا اور خلافت واجازت سے بھی سرفراز ہوئے۔ آپ نے مختلف موضوعات پر چھوٹی بڑی درجنوں کتابیں بھی لکھیں، جن میں سے بعض مقبول شروح وحواشی میں شمار ہوتی ہیں۔

حضرت مولانا جمیل احمد سکروڈوی

دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث وفقہ ہیں۔

والد کا نام جناب جان محمد ہے، سکروڈہ ضلع ہردوار (اتراکھنڈ) کے رہنے والے ہیں۔ ۱۰/ اپریل

۱۹۵۰ء کو پیدا ہوئے۔ جامعہ کاشف العلوم چھٹمل پور اور مدرسہ خلیلیہ سہارن پور میں تعلیم حاصل کی اور ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۶ء میں دارالعلوم میں داخل ہوئے۔ ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء میں حضرت مولانا سید فخر الدینؒ سے دورۂ حدیث پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے۔

فراغت کے بعد جامعہ رحمانیہ ہاپوڑ میں مدرس مقرر ہوئے۔ پھر مدرسہ کاشف العلوم چھٹمل پور اور مدرسہ قاسم العلوم گاگل ہیڑی ضلع سہارن پور میں رہے جہاں صدر مدرس اور ناظم تعلیمات کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔

۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء میں دارالعلوم میں تدریس کے لیے تقرر ہوا۔ ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم وقف سے وابستہ ہوگئے۔ ۱۴۲۰ھ/ ۲۰۰۰ء میں دوبارہ دارالعلوم میں مدرس مقرر کیے گئے۔ اس وقت درجۂ علیا کے مدرس ہیں۔

آپ کی درسی کتابوں کی اردو شروحات مقبول ہیں جن میں ہدایہ کی شرح اشرف الہدایہ اور تفہیم الہدایہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے علاوہ نور الانوار، حسامی، اصول الشاشی، مختصر المعانی، تفسیر بیضاوی (سورۂ بقرہ) اور طحاوی کی شرحیں بھی لکھی ہیں۔

حضرت حکیم محمد کلیم اللہ علی گڈھی

دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن، مجلسِ دعوۃ الحق ہردوئی کے ناظمِ اعلیٰ اور مظاہر علوم سہارن پور کی مجلسِ شوریٰ کے رکن ہیں۔

حکیم محمد کلیم اللہ بن حضرت حکیم افہام اللہ علی گڈھی انہونہ ضلع رائے بریلی کے رہنے والے ہیں۔ کھجور گاؤں ضلع رائے بریلی میں ۳؍جولائی ۱۹۴۴ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کی تحصیل علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں کی۔

آپ اپنے خاندانی پیشہ طبابت سے وابستہ ہیں اور طب یونانی کے مشہور اور حاذق طبیبوں میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق ہردوئیؒ کے انتقال کے بعد آپ کو مجلس دعوۃ الحق اور مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی کا ناظم اعلیٰ بنایا گیا۔

۱۴۳۳ھ/ ۲۰۱۲ء میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب کیے گئے۔

حضرت مولانا مفتی احمد خان پوری

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل (گجرات) کے شیخ الحدیث اور صدر مفتی ہیں اور ہندوستان کے موقر علماء میں شمار ہوتے ہیں۔

مولانا مفتی احمد منشی بن جناب محمد صاحب ڈابھیل ۲۴/ستمبر ۱۹۴۶ء کو پیدا ہوئے۔ عربی کی اعلی تعلیم گجرات کی قدیم دینی درس گاہ دارالعلوم اشرفیہ راندیر ضلع سورت میں حاصل کی اور ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء میں وہاں سے فارغ ہوئے۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں دو سال مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں اور افتاء کا کورس مکمل کیا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کو دینی خدمات کا مستقر بنایا اور ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۸ء سے اب تک علومِ عربیہ، حدیث وتفسیر اور فقہ وفتاوی کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ متعدد کتب حدیث کی تدریس کے علاوہ، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء سے بخاری شریف کا درس آپ سے متعلق ہے۔

آپ ماہر وجید مفتی ہیں، آپ نے ہزاروں فتاوی لکھے، آپ کے اردو اور گجراتی فتاوی کا مجموعہ چھ جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب کیے گئے۔ اس کے علاوہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے رکن ہیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے اصلاحی تعلق تھا۔ بعد میں حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ سے اصلاح وتربیت حاصل کی اور انھیں سے اجازت وخلافت حاصل ہوئی۔

حضرت مولانا محمد رحمت اللہ کشمیری

دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ کشمیر کے بانی ومہتمم ہیں۔

محمد رحمت اللہ میر بن جناب محمد سیف اللہ میر اپنے وطن بانڈی پورہ (کشمیر) میں ۲۲/جولائی ۱۹۵۷ء/ ۲۴/ذوالحجہ ۱۳۷۶ھ کو پیدا ہوئے۔ ابتداء اسکول کی تعلیم حاصل کی اور پھر ۱۹۷۰ء میں مدرسہ شمس العلوم ٹنڈھیرہ ضلع مظفر نگر میں ابتدائی حفظ اور ابتدائی عربی کی تعلیم حاصل۔ ۱۹۷۵ء/۱۳۹۴ھ میں دارالعلوم دیوبند میں عربی پنجم میں داخل ہوئے اور ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ سے خصوصی تعلق تھا اور سلوک وتصوف کی تکمیل انھیں کے پاس کی اور خلافت سے نوازے گئے۔

۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء میں اپنے وطن بانڈی پورہ میں دارالعلوم رحیمیہ کے نام سے ادارہ قائم کیا جو اس وقت کشمیر کے نمایاں مدارس میں شمار ہوتا ہے اور دورۂ حدیث کی تعلیم دیتا ہے۔

۱۴۳۳ھ/ ۲۰۱۲ء میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب کیے گئے۔ جموں وکشمیر رابطۂ مدارس اسلامیہ کے صدر اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے رکن بھی ہیں۔ کشمیر میں عام مسلمانوں کے عقیدہ وعمل کی اصلاح اور مسلمان بچوں کی تعلیم کے تئیں اہم خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ نے ایک درجن سے زائد کتب ورسائل بھی تیار کیے ہیں جو اردو کے علاوہ مقامی زبانوں میں شائع ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں مدرسہ رحیمیہ بانڈی پورہ کی جانب سے تیس برسوں سے شائع ہونے والے ماہنامہ النور (اردو) کے مدیر ہیں۔ یہ رسالہ اب انگریزی میں بھی شائع ہورہا ہے۔

حضرت مولانا انوار الرحمٰن بجنوری

قاضی پاڑہ شہر بجنور کے رہنے والے ہیں۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن بجنوری سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے فرزند ہیں۔

۴/ اپریل ۱۹۵۷ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی۔ عربی تعلیم کے لیے مدرسہ شاہی مرادآباد گئے۔ ۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ء میں دارالعلوم دیوبند عربی ہفتم میں داخل ہوئے اور ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء میں فراغت پائی۔ دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد تکمیل ادب عربی اور تخصص فی الادب العربی کے کورسز کی بھی تکمیل کی۔

۱۴۳۳ھ/ ۲۰۱۲ء میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب کیے گئے۔ بعد میں اس کی مجلس عاملہ کے رکن بھی منتخب کیے گئے۔ مجلس شوریٰ و عاملہ کے اجلاس میں پابندی سے شرکت کرتے ہیں اور دارالعلوم کی خدمت اور فلاح و بہبود میں پیش پیش رہتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد احمد فیض آبادی

دارالعلوم کے استاذ حدیث اور ناظم تعلیمات ہیں۔

پریتم پور ضلع امبیڈکر نگر (سابق ضلع فیض آباد) کے رہنے والے ہیں۔ یکم رمضان ۱۳۵۱ھ/ ۳۰/ دسمبر ۱۹۳۲ء کو پیدا ہوئے۔ والد کا نام جناب حاجی عبدالرحمٰن ہے۔ ابتدائی تعلیم وطن میں اور عربی کی تعلیم مدرسہ فرقانیہ گونڈہ اور ضیاء العلوم مانی کلاں ضلع جون پور میں حاصل کی۔ ۱۳۷۴ھ میں دارالعلوم میں داخلہ لیا اور ۱۳۷۸ھ میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد فنون کی تکمیل کی اور جامعہ طبیہ سے 'طب یونانی' کا کورس بھی مکمل کیا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد جامعہ قاسمیہ گیا صوبہ بہار، مدرسہ انوار العلوم بھولے پور ضلع امبیڈکر نگر اور مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۹۵ھ میں مدرسہ شاہی مرادآباد میں مدرس ہوئے اور ترقی کرتے ہوئے ناظم تعلیمات اور شیخ الحدیث کے عہدوں پر فائز ہوئے۔

۱۴۱۱ھ میں دارالعلوم میں تدریسی خدمات کے لیے تقرر ہوا۔ برسوں حضرت مولانا سید ارشد مدنی کے ساتھ نائب ناظم تعلیمات کی حیثیت سے کام کیا اور مدرسہ ثانویہ میں تعلیمی اصلاحات کیں۔ ۱۴۳۵ھ میں ناظم تعلیمات مقرر کیے گئے۔

شخصیات دار العلوم ایک نظر میں

حضرات اراکین تاسیسی

شمار	اسمائے گرامی	پیدائش/وفات
(۱)	حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، سرپرست اول	۱۲۴۸-۱۲۹۷ھ/۱۸۳۳-۱۸۸۰ء
(۲)	حضرت حاجی سید عابد حسین دیوبندیؒ، مہتمم اول	۱۲۵۰-۱۳۳۱ھ/۱۸۳۴-۱۹۱۳ء
(۳)	حضرت مولانا مہتاب علی صاحب دیوبندیؒ	وفات: ۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۷ء
(۴)	حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندیؒ	۱۲۳۷-۱۳۲۲ھ/۱۸۲۲-۱۹۰۵ء
(۵)	حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ	۱۲۴۷-۱۳۲۵ھ/۱۸۳۲-۱۹۰۷ء
(۶)	حضرت منشی سید فضل حق صاحب دیوبندیؒ، مہتمم ثالث	وفات: ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۸ء
(۷)	حضرت شیخ نہال احمد صاحب دیوبندیؒ	وفات: ۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۷ء

تاریخ دار العلوم دیوبند، جلد اول، ص ۱۵۷

سرپرستان دار العلوم دیوبند

شمار	اسمائے گرامی	پیدائش و وفات
(۱)	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ	۱۲۴۸-۱۲۹۷ھ/۱۸۳۳-۱۸۸۰ء
(۲)	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	۱۲۴۲-۱۳۲۳ھ/ ۱۸۲۷-۱۹۰۵ء
(۳)	شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ	۱۲۶۸-۱۳۳۹ھ/۱۸۵۱-۱۹۲۰ء
(۴)	حضرت مولانا عبد الرحیم رائے پوریؒ	۱۲۷۲-۱۳۳۷ھ/۱۸۵۵-۱۹۱۹ء
(۵)	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ/۱۸۶۳-۱۹۴۳ء

دار العلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی، حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ مہتمم دار العلوم دیوبند، ص ۹۹-۹۸

دارالعلوم کے مہتمم حضرات

شمار	اسمائے گرامی مع ولادت ووفات	مدت اہتمام
(۱)	حضرت حاجی عابد حسین صاحبؒ ۱۲۵۰-۱۳۳۱ھ/۱۸۳۴-۱۹۱۳ء	محرم۱۲۸۳-رجب۱۲۸۴ھ/ ۱۸۶۶-۱۸۶۷ء ۱۲۸۶-۱۲۸۸ھ/ ۱۸۶۹-۱۸۷۱ء ربیع الاول۱۳۰۶-شعبان۱۳۱۰ھ/ ۱۸۸۸-۱۸۹۳ء (تین بار) مدت اہتمام: ۱۰/سال تقریباً
(۲)	حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ ۱۲۵۲-۱۳۰۸ھ/ ۱۸۳۶-۱۸۹۰ء	شعبان۱۲۸۴-۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۷-۱۸۶۸ء ذوالقعدہ۱۲۸۸-ربیع الاول۱۳۰۶ھ/۱۸۷۲-۱۸۸۸ء (دوبار) مدت اہتمام: ۱۷/سال
(۳)	حضرت حاجی منشی فضل حق صاحبؒ وفات: ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۸ء	شعبان۱۳۱۰-ذوالقعدہ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳-۱۸۹۴ء مدت اہتمام: ۱/سال
(۴)	حضرت مولانا محمد منیر نانوتویؒ ۱۲۴۷ھ-۱۳۲۱ھ/ ۱۸۳۱ء-۱۹۰۳ء	ذوالحجہ۱۳۱۱-جمادی الاولی۱۳۱۳ھ/۱۸۹۴-۱۸۹۵ء مدت اہتمام: ڈیڑھ سال
(۵)	حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ ۱۲۷۹-۱۳۴۷ھ/۱۸۶۲-۱۹۲۸ء	۱۳۱۳-۱۳۴۷ھ/ ۱۸۹۵-۱۹۲۸ء مدت اہتمام: ۳۴ سال
(۶)	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ وفات: ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۹ء	۱۳۴۷-۱۳۴۸ھ/ ۱۹۲۸-۱۹۲۹ء مدت اہتمام: سوا سال
(۷)	حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ۱۳۱۵-۱۴۰۳ھ/ ۱۸۹۷-۱۹۸۳ء	۱۳۴۸-۱۴۰۱ھ/ ۱۹۳۰-۱۹۸۱ھ مدت اہتمام: ۵۲/سال
(۸)	حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ (صدر مہتمم) ۱۳۰۵-۱۳۶۹ھ/ ۱۸۸۷-۱۹۴۹ء	۱۳۵۴ھ-۱۳۶۲ھ/ ۱۹۳۵ء-۱۹۴۴ء مدت: آٹھ سال

(۹)	حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن بجنوریؒ ۱۳۳۳-۱۴۳۲ھ/۱۹۱۴-۲۰۱۰ء	۱۴۰۲-۱۴۳۲ھ/۱۹۸۲-۲۰۱۰ء مدت اہتمام: ۳۰؍سال
(۱۰)	حضرت مولانا غلام رسول خاموشؒ (کارگزار مہتمم) ۱۳۵۹/۱۹۴۰ء-۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء	۱۴۲۴-۱۴۳۱ھ/۲۰۰۳-۲۰۱۰ء مدت: سات سال
(۱۱)	حضرت مولانا غلام محمد وستانوی ولادت: ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۰ء	صفر ۱۴۳۲-شعبان ۱۴۳۲ھ/ ۲۰۱۱-۲۰۱۱ء مدت اہتمام: سات ماہ
(۱۲)	حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی ولادت: ۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۷ء	شعبان ۱۴۳۲ھ/ ۲۰۱۱ء تا حال مدت اہتمام: جاری

دارالعلوم کے صدور المدرسین اور شیوخ الحدیث

شمار	اسمائے گرامی (پیدائش و وفات)	عہدہ، کب سے کب تک	مدت
(۱)	حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ (۱۲۴۹-۱۳۰۲ھ/۱۸۳۳-۱۸۸۴ء)	شیخ الحدیث وصدر مدرس ۱۲۸۳-۱۳۰۲ھ/ ۱۸۶۶-۱۸۸۴ء	۱۹سال
(۲)	حضرت مولانا سید احمد صاحب دہلویؒ (م ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۴ء)	شیخ الحدیث وصدر مدرس ۱۳۰۲-۱۳۰۷ھ/۱۸۸۴-۱۸۹۰ء	۵سال
(۳)	شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ (۱۲۶۸-۱۳۳۹ھ/۱۸۵۱-۱۹۲۰ء)	شیخ الحدیث وصدر مدرس ۱۳۰۸-۱۳۳۳ھ/۱۸۹۰-۱۹۱۵ء	۲۴ سال
(۴)	حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ (۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء-۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء)	شیخ الحدیث وصدر مدرس ۱۳۳۳-۱۳۴۶ھ/ ۱۹۱۵-۱۹۲۷ء	۱۱سال
(۵)	حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ (۱۲۹۶-۱۳۷۷ھ/ ۱۸۷۹-۱۹۵۷ء)	شیخ الحدیث وصدر مدرس ۱۳۴۶-۱۳۷۷ھ/ ۱۹۲۷-۱۹۵۷ء	۳۲ سال
(۶)	حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ (۱۳۰۴-۱۳۸۷ھ/ ۱۸۸۷-۱۹۶۷ء)	صدر مدرس ۱۳۷۷-۱۳۸۷ھ/ ۱۹۵۷-۱۹۶۷ء	۱۰سال

(۷)	حضرت مولانا سید فخر الدین احمد مراد آبادیؒ (۱۳۰۷-۱۳۹۲ھ/۱۸۸۹-۱۹۷۲ء)	شیخ الحدیث ۱۳۷۷-۱۳۸۷ھ/ ۱۹۵۷-۱۹۶۷ء شیخ الحدیث وصدر مدرس ۱۳۸۷-۱۳۹۲ھ/ ۱۹۶۷-۱۹۷۲ء	۱۰سال ۵سال
(۸)	حضرت مولانا سید فخر الحسن مراد آبادیؒ (۱۳۲۳-۱۴۰۱ھ/۱۹۰۵-۱۹۸۱ء)	صدر مدرس ۱۳۹۲-۱۴۰۱ھ/۱۹۷۲-۱۹۸۱ء	۹سال
(۹)	حضرت مولانا شریف الحسن دیوبندیؒ (۱۳۳۸-۱۳۹۷ھ/۱۹۲۰-۱۹۷۷ء)	شیخ الحدیث ۱۳۹۲-۱۳۹۷ھ/۱۹۷۲-۱۹۷۷ء	۵سال
(۱۰)	حضرت مولانا معراج الحق دیوبندیؒ (۱۳۲۸-۱۴۱۲ھ/۱۹۱۰-۱۹۹۱ء)	صدر مدرس ۱۴۰۱-۱۴۱۲ھ/۱۹۸۱-۱۹۹۱ء	۱۱سال
(۱۱)	حضرت مولانا نصیر احمد خان بلند شہریؒ (۱۳۳۷-۱۴۳۱ھ/۱۹۱۹-۲۰۱۰ء)	شیخ الحدیث ۱۳۹۷-۱۴۱۲ھ/ ۱۹۷۷-۱۹۹۱ء شیخ الحدیث وصدر مدرس ۱۴۱۲-۱۴۲۹ھ/ ۱۹۹۱-۲۰۰۸ء	۱۵ سال ۱۷ سال
(۱۲)	حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری (پیدائش: ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۰ء)	شیخ الحدیث وصدر مدرس ابتدا: ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء	جاری

نائب مہتمم حضرات

دارالعلوم میں ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۹۰ء سے نائب مہتمم کا عہدہ بھی رہا ہے جس میں کبھی کبھی انقطاع بھی رہا ہے۔اب تک درج ذیل حضرات نائب مہتمم کے عہدہ پر فائز ہوئے ہیں:

شمار	اسمائے گرامی	کب سے کب تک
(۱)	حضرت مولانا عبد القدیر دیوبندیؒ	۱۳۰۷-ربیع الاول ۱۳۰۹ء/۱۸۹۰-۱۸۹۲ء

(۲)	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ ۱۲۷۵-۱۳۴۷ھ/ ۱۸۵۸-۱۹۲۸ء	(پہلی بار) ۱۳۰۹-۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۲-۱۸۹۳ء
☆	کوئی نہیں رہا	۱۳۱۰-۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۳ء-۱۸۹۸ء
(۲)	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ	(دوبارہ) ۱۳۱۷-۱۳۲۳ھ/ ۱۸۹۹-۱۹۰۵ء
☆	کوئی نہیں رہا	۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء
(۳)	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی دیوبندی وفات: ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۹ء	۱۳۲۵-۱۳۴۳ھ/ ۱۹۰۷-۱۹۲۵ء
(۴)	حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ	۱۳۴۴-۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۶-۱۹۲۸ء
☆	کوئی نہیں رہا	۱۳۴۸ھ/ ۱۹۲۹ء
(۵)	حضرت مولانا سید مبارک علی نگینویؒ م جمادی الثانیہ ۱۳۸۸ھ/ ستمبر ۱۹۶۸ء	۱۳۵۰-۱۳۸۸ھ/ ۱۹۳۱-۱۹۶۸ء
(۶)	حضرت مولانا محمد طاہر قاسمی دیوبندیؒ	۱۳۵۱-۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۲-۱۹۳۳ء
(۷)	حضرت مولانا بشیر احمد بلند شہریؒ م ۸ جمادی الثانیہ ۱۳۸۶ھ/ ۲۴ دسمبر ۱۹۶۶ء	۱۳۸۴-۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۴-۱۹۶۵ء
(۸)	حضرت مولانا معراج الحق دیوبندیؒ ۱۳۲۸-۱۴۱۲ھ/ ۱۹۱۰-۱۹۹۱ء	۱۳۸۶-۱۳۹۶ھ/ ۱۹۶۶-۱۹۷۶ء
(۹)	حضرت مولانا نصیر احمد خان بلند شہریؒ ۱۳۳۷-۱۴۳۱ھ/ ۱۹۱۹-۲۰۱۰ء	۱۳۹۱-۱۴۱۴ھ/ ۱۹۷۱-۱۹۹۴ء
(۱۰)	حضرت مولانا محمد عثمان چیرمین دیوبندیؒ وفات: ۲۲/ اپریل ۱۹۸۵ء	۱۴۰۱-۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۱-۱۹۸۵ء
(۱۱)	حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی	۱۴۱۲-۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۲-۱۹۹۷ء
(۱۲)	حضرت مولانا عبدالخالق مدراسی	۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء-تاحال
(۱۳)	حضرت مولانا قاری محمد عثمان منصورپوری	۱۴۱۸-۱۴۲۹ھ/ ۱۹۱۷-۲۰۰۸ء
(۱۴)	حضرت مولانا عبدالخالق سنبھلی	۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء-تاحال

معاون مہتمم حضرات

شمار	اسمائے گرامی	مدت
(۱)	حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن بجنوریؒ	۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء-۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء
(۲)	حضرت مولانا وحیدالزماں کیرانویؒ (۱۷رفروری ۱۹۳۰ء-۱۵راپریل ۱۹۹۸ء)	۱۴۰۵ھ/۱۹۸۴ء-۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۶ء

نظمائے مجلس تعلیمی/نظمائے تعلیمات

شمار	ناظم مجلس تعلیمی/ ناظم تعلیمات	از-تا	دور صدارت تدریس
(۱)	حضرت مولانا سید مرتضی حسن چاند پوریؒ	۱۳۳۹ھ-۱۳۵۱ھ	حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
(۲)	کوئی نہیں رہا	۱۳۵۲ھ-۱۳۵۶ھ	حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
(۳)	حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ (نائب ناظم: حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ)	۱۳۵۷ھ-۱۳۷۷ھ	حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
(۴)	حضرت مولانا علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ	۱۳۷۷ھ-۱۳۸۷ھ	حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ
(۵)	حضرت مولانا میاں اختر حسین دیو بندیؒ	۱۳۸۷ھ-۱۳۹۷ھ	حضرت مولانا فخر الدین احمد مراد آبادیؒ حضرت مولانا فخر الحسن مراد آبادیؒ
(۶)	حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ	۱۳۹۸ھ-۱۴۰۱ھ	حضرت مولانا فخر الحسن مراد آبادی
(۷)	حضرت مولانا وحیدالزماں کیرانویؒ	۱۴۰۲ھ-۱۴۰۵ھ	حضرت مولانا معراج الحق دیو بندیؒ
(۸)	حضرت مولانا ریاست علی بجنوری	۱۴۰۵ھ-۱۴۱۰ھ	حضرت مولانا معراج الحق دیو بندیؒ
(۹)	حضرت مولانا قمر الدین گورکھپوری	۱۴۱۰ھ-۱۴۱۶ھ	حضرت مولانا نصیر احمد خاں بلند شہریؒ
(۱۰)	حضرت مولانا ارشد مدنی صاحب	۱۴۱۶ھ-۱۴۲۹ھ	حضرت مولانا نصیر احمد خاں بلند شہریؒ

(۱۱)	حضرت مولانا مجیب اللہ گونڈوی	۱۴۲۹ھ-۱۴۳۵ھ	حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری
(۱۲)	حضرت مولانا محمد احمد فیض آبادی	۱۴۳۵ھ تا حال	حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری

سابقہ مفتیان دار الافتاء

شمار	نام (پیدائش-وفات)	عہدہ	مدت
(۱)	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ ۱۲۷۵-۱۳۴۷ھ/ ۱۸۵۸-۱۹۲۸ء	صدر مفتی	چھبیس سال (قیام دار الافتاء کے بعد) پہلی بار: ۱۳۱۰-۱۳۴۶ھ/۱۸۹۲-۱۹۲۷ء
(۲)	مفتی قاضی مسعود احمد صاحبؒ وفات: ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء	نائب مفتی	چھیالیس سال ۱۳۳۸-۱۳۸۴ھ/ ۱۹۲۰-۱۹۶۴ء
(۳)	حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ ۱۳۰۰-۱۳۷۴ھ/۱۸۸۲-۱۹۵۵ء	صدر مفتی	چار سال پہلی بار: ۱۳۴۷-۱۳۴۸ھ/ ۱۹۲۸-۱۹۲۹ء دوسری بار: ۱۳۶۴-۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۵-۱۹۴۷ء
(۴)	حضرت مفتی ریاض الدین بجنوریؒ وفات: ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء	مفتی	دو سال ۱۳۴۷-۱۳۴۹ھ/ ۱۹۲۹-۱۹۳۱ھ
(۵)	مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی دیوبندیؒ ۱۳۱۴-۱۳۹۶ھ/ ۱۸۹۶-۱۹۷۶ء	صدر مفتی	چھ سال پہلی بار: ۱۳۵۰-۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۱-۱۹۳۵ء دوسری بار: ۱۳۵۹ھ-۱۳۶۱ھ/۱۹۴۰-۱۹۴۲ء
(۶)	حضرت مولانا محمد سہول بھاگل پوریؒ ۱۲۸۷-۱۳۶۷ھ/۱۸۷۰-۱۹۴۸ء	صدر مفتی	دو سال ۱۳۵۵-۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۶-۱۹۳۸ء
(۷)	حضرت مفتی کفایت اللہ گنگوہیؒ ثم میرٹھی	مفتی	ایک سال: ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء
(۸)	مفتی احمد علی سعید نگینویؒ	نائب مفتی	چونتیس سال ۱۳۵۹-۱۳۷۶ھ/ ۱۹۴۰-۱۹۵۶ء ۱۳۸۵-۱۴۰۲ھ/ ۱۹۶۵-۱۹۸۱ء (دوبارہ)

(۹)	حضرت مولانا مفتی محمد فاروق امبیٹھویؒ ۱۳۰۱-۱۳۹۵ھ/۱۸۸۴-۱۹۷۵ء	مفتی	ایک سال ۱۳۶۲-۱۳۶۳ھ/۱۹۴۳-۱۹۴۴ء
(۱۰)	حضرت مفتی سید مہدی حسن شاہجہانپوریؒ ۱۳۰۱-۱۳۹۶ھ/۱۸۸۴-۱۹۷۶ء	صدر مفتی	بیس سال ۱۳۶۷-۱۳۸۷ھ/۱۹۴۸-۱۹۶۷ء
(۱۱)	مفتی جمیل الرحمٰن سیوہارویؒ	نائب مفتی	بارہ سال ۱۳۷۴-۱۳۸۶ھ/۱۹۵۵-۱۹۶۶ء
(۱۲)	حضرت مفتی محمود احمد نانوتویؒ، رکن شوریٰ ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء-۱۳۸۸ھ/۱۹۶۹ء	اعزازی مفتی	چھ سال ۱۳۸۲-۱۳۸۸ھ/۱۹۶۲-۱۹۶۹ء
(۱۳)	حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ ۱۳۲۵-۱۴۱۷ھ/۱۹۰۷-۱۹۹۶ء	مفتی اعزازی مفتی	سولہ سال ۱۳۸۵-۱۴۰۱ھ/۱۹۶۵-۱۹۸۱ء ۱۴۰۲-۱۴۱۷ھ/۱۹۸۲-۱۹۹۶ء
(۱۴)	حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ ۱۳۲۸-۱۴۲۰ھ/۱۹۱۰-۲۰۰۰ء	مفتی	پینتیس سال ۱۳۸۵-۱۴۲۰ھ/۱۹۶۵-۲۰۰۰ء
(۱۵)	مفتی کفیل الرحمان نشاط دیوبندیؒ ۱۹۳۹ء-۲۰۰۶ء	نائب مفتی	تیس سال ۱۳۹۷-۱۴۲۷ھ/۱۹۷۷-۲۰۰۶ء
(۱۶)	حضرت مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ ۱۳۴۴-۱۴۳۲ھ/۱۹۲۶-۲۰۱۱ء	مفتی	چھبیس سال ۱۴۰۳-۱۴۲۹ھ/۱۹۸۳-۲۰۰۸ء
(۱۷)	حضرت مفتی عبدالرحمٰن دہلویؒ	مفتی	۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء
(۱۸)	مفتی محمد طاہر غازی آبادی	نائب مفتی	۱۴۱۴-۱۴۱۷ھ/۱۹۹۳-۱۹۹۶ء
(۱۹)	مفتی عبداللہ کشمیری	نائب مفتی	۱۴۱۸-۱۴۲۴ھ/۱۹۹۷-۲۰۰۳ء

فہرست اراکین مجلس شوری دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم کا نظم ونسق شروع ہی سے وامرھم شوری بینھم کے مطابق شورائی اصول پر قائم ہے۔اس کے لیے ایک با اختیار مجلس اعلی ہے جس کی تشکیل قیام دارالعلوم کے ساتھ ہی عمل میں آ گئی تھی ۔ یہ جماعت مجلس شوری کے نام سے موسوم ہے۔مجلسِ شوری کے ارکان کا انتخاب ملک کے ممتاز اور باا ثر علماء میں سے کیا جاتا ہے۔ دستور کی رو سے مجلس شوری میں کم از کم گیارہ ارکان کا عالم دین ہونا ضروری ہے، بقیہ ایسے غیر عالم حضرات ہوسکتے ہیں جو انتظامی اور تعلیمی امور میں بصیرت ومہارت رکھتے ہوں۔دارالعلوم کے مہتمم اور صدر مدرس اپنے منصب کے لحاظ سے مجلس شوری کے رکن رہتے ہیں۔

دارالعلوم کی ابتداء سے لے کر ۱۴۳۷ھ/۲۰۱۶ء تک مجلس شوری کے اراکین کی فہرست حسب ذیل ہے:

شمار	اسمائے گرامی	کب سے کب تک
۱	حضرت حاجی عابد حسین صاحبؒ	۱۲۸۳-۱۳۱۰ھ/ ۱۸۶۶-۱۸۹۲ء
۲	حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ	۱۲۸۳-۱۲۹۷ھ/ ۱۸۶۶-۱۸۸۰ء
۳	حضرت مولانا مہتاب علی صاحبؒ، دیوبند	۱۲۸۳-۱۳۰۴ھ/ ۱۸۶۶-۱۸۸۷ء
۴	حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ، دیوبند	۱۲۸۳-۱۳۲۱ھ/ ۱۸۶۶-۱۹۰۳ء
۵	حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ، دیوبند	۱۲۸۳ھ-۱۳۲۳ھ/ ۱۸۶۶-۱۹۰۵ء
۶	حضرت حاجی سید فضل حق صاحبؒ، دیوبند	۱۲۸۳ھ-۱۳۱۱ھ/ ۱۸۶۶-۱۸۹۳ء
۷	حضرت شیخ نہال احمد صاحبؒ، دیوبند	۱۲۸۳-۱۳۰۴ھ/ ۱۸۶۶-۱۸۸۷ء
۸	حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ	۱۲۹۸ھ-۱۳۲۳ھ/ ۱۸۸۱-۱۹۰۵ء
۹	حضرت حکیم مشتاق احمد صاحبؒ، دیوبند	۱۲۹۸ھ-۱۳۰۹ھ/ ۱۸۸۱-۱۸۹۱ء
۱۰	حضرت حکیم ضیاء الدین صاحبؒ، رام پور	۱۳۰۵-۱۳۱۲ھ/ ۱۸۸۸-۱۸۹۴ء
۱۱	حضرت شیخ ظہور الدین صاحبؒ، دیوبند	۱۳۱۲-۱۳۲۳ھ/ ۱۸۹۴-۱۹۰۵ء
۱۲	حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہویؒ، امروہہ	۱۳۱۳-۱۳۲۹ھ/ ۱۸۹۵-۱۹۱۱ء
۱۳	حضرت مولانا قاضی محمد محی الدین مرادآبادیؒ	۱۳۱۳-۱۳۴۷ھ/ ۱۸۹۵-۱۹۲۸ء

۱۴	حضرت مولانا محمد عبدالحق صاحبؒ، پور قاضی	۱۳۱۳-۱۳۴۱ھ/ ۱۸۹۵-۱۹۲۳ء
۱۵	حضرت شاہ مظہر حسین صاحبؒ، گنگوہ	۱۳۱۳-۱۳۳۸ھ/ ۱۸۹۵-۱۹۲۰ء
۱۶	حضرت حکیم محمد اسماعیل صاحبؒ، گنگوہ	۱۳۱۳-۱۳۴۱ھ/ ۱۸۹۵-۱۹۲۳ء
۱۷	حضرت شاہ سعید احمد صاحب، امبیٹھ، سہارن پور	۱۳۱۳-۱۳۳۹ھ/ ۱۸۹۵-۱۹۲۱ء
۱۸	حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری	۱۳۲۱-۱۳۳۷ھ/ ۱۹۰۳-۱۹۲۱ء
۱۹	حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ	۱۳۲۱-۱۳۵۴ھ/ ۱۹۰۳-۱۹۳۵ء
۲۰	حضرت مولانا حافظ حکیم احمد صاحبؒ، رام پور	۱۳۲۱-۱۳۴۱ھ/ ۱۹۰۳-۱۹۲۳ء
۲۱	حضرت خلیفہ احمد حسن صاحب دیوبندیؒ	۱۳۲۳-۱۳۲۸ھ/ ۱۹۰۵-۱۹۱۰ء
۲۲	حضرت حافظ داد الٰہی صاحب دیوبندیؒ	۱۳۲۳-۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۵-۱۹۰۶ء
۲۳	حضرت منشی مظہر حسن صاحب دیوبندیؒ	۱۳۲۳-۱۳۵۰ھ/ ۱۹۰۵-۱۹۳۱ء
۲۴	حضرت منشی فراغت علی صاحب دیوبندیؒ	۱۳۲۳-۱۳۲۸ھ/ ۱۹۰۵-۱۹۱۰ء
۲۵	حضرت شیخ محمد حسین صاحب دیوبندیؒ	۱۳۲۳-۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۵-۱۹۰۶ء
۲۶	حضرت مولانا حکیم مسعود احمد ابن حضرت گنگوہیؒ	۱۳۲۴-۱۳۵۰ھ/ ۱۹۰۶-۱۹۳۱ء
۲۷	حضرت مولانا سعید الدین صاحب رامپوریؒ، مدار المہام ریاست بھوپال	۱۳۲۴-۱۳۴۷ھ/ ۱۹۰۶-۱۹۲۸ء
۲۸	حضرت مولوی ظہور علی احمد صاحب پور قاضی، وکیل سرکار بھوپال	۱۳۲۴-۱۳۴۷ھ/ ۱۹۰۶-۱۹۲۸ء
۲۹	حضرت شیخ حبیب الرحمان صاحبؒ، دیوبند محلّہ کوٹلہ	۱۳۲۴-۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۶-۱۹۰۷ء
۳۰	حضرت مولانا قاضی محمد حسن صاحب مراد آبادی، قاضی القضاۃ بھوپال	۱۳۳۰-۱۳۶۵ھ/ ۱۹۱۲-۱۹۴۶ء
۳۱	حضرت حاجی حافظ فصیح الدین صاحب میرٹھیؒ	۱۳۴۴-۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵-۱۹۲۵ء
۳۲	حضرت مولانا حکیم جمیل الدین صاحبؒ، نگینہ، بجنور	۱۳۴۴-۱۳۵۴ھ/ ۱۹۲۵-۱۹۳۵ء
۳۳	حضرت مولانا حکیم محمد اسحاق صاحبؒ، کٹھور، میرٹھ	۱۳۴۴-۱۳۷۳ھ/ ۱۹۲۵-۱۹۵۴ء
۳۴	حضرت مولانا حکیم مشیت اللہ صاحب بجنوریؒ	۱۳۴۴-۱۳۷۲ھ/ ۱۹۲۵-۱۹۵۳ء

۳۵	حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ، سیوہارہ، بجنور	۱۳۴۴-۱۳۵۰ھ/ ۱۹۲۵-۱۹۳۱ء
۳۶	حضرت مولانا حکیم محمد اشفاق صاحب رائپوریؒ خواہرزادہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ	۱۳۴۴-۱۳۶۷ھ/ ۱۹۲۵-۱۹۴۸ء
۳۷	حضرت مولانا حکیم رضی الحسن صاحب کاندھلویؒ	۱۳۴۵-۱۳۴۹ھ/ ۱۹۲۶-۱۹۳۰ء
۳۸	حضرت حاجی شیخ رشید احمد صاحب میرٹھیؒ	۱۳۴۵-۱۳۷۱ھ/ ۱۹۲۶-۱۹۵۲ء
۳۹	حضرت مولانا محمد طیبؒ صاحب، مہتمم دارالعلوم دیوبند (بحیثیت عہدہ)	۱۳۴۸-۱۴۰۱ھ/ ۱۹۲۹-۱۹۸۱ء
۴۰	حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانیؒ، پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدرآباددکن	۱۳۵۰-۱۳۶۷ھ/ ۱۹۳۱-۱۹۴۸ء
۴۱	حضرت مولانا حکیم مقصود علی صاحب مقصود جنگ، ناظم الاطباء حیدرآباددکن	۱۳۵۰-۱۳۸۱ھ/ ۱۹۳۱-۱۹۶۱ء
۴۲	حضرت مولانا محمد صادق صاحبؒ کراچی، بانی مدرسہ مظہرالعلوم کھڈہ کراچی	۱۳۵۰-۱۳۶۷ھ/ ۱۹۳۱-۱۹۴۸ء
۴۳	حضرت مولانا حکیم سعید احمد گنگوہی (حکیم اجمیری)	۱۳۵۰-۱۳۵۹ھ/ ۱۹۳۱-۱۹۴۰ء
۴۴	حضرت مولانا محمد سہول صاحب بھاگلپوریؒ، پرنسپل مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ	۱۳۵۰-۱۳۶۲ھ/ ۱۹۳۱-۱۹۴۳ء
۴۵	حضرت خواجہ فیروزالدین صاحب، جنرل اکاؤنٹنٹ ریاست کپورتھلہ	۱۳۵۰-۱۳۶۲ھ/ ۱۹۳۱-۱۹۴۳ء
۴۶	حضرت مولانا محمد فضل اللہ صاحبؒ، وانمباڑی مدراس	۱۳۵۰-۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۱-۱۹۳۳ء
۴۷	حضرت مولانا عبدالرحمان خاں صاحبؒ، خورجہ، بلندشہر	۱۳۵۰-۱۳۶۱ھ/ ۱۹۳۱-۱۹۴۰ء
۴۸	حضرت مولانا سعید احمد صاحبؒ، صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ ہاٹ ہزاری ضلع چاٹگام	۱۳۵۰-۱۳۶۷ھ/ ۱۹۳۱-۱۹۴۸ء
۴۹	حضرت مولانا شاہ رحمت علی صاحبؒ، موضع بہڑ ضلع جالندھر	۱۳۵۰-۱۳۵۱ھ/ ۱۹۳۱-۱۹۳۲ء
۵۰	حضرت مولانا حافظ محمود صاحب رامپوریؒ، مدارالمہام ریاست اندرگڑھ راجپوتانہ	۱۳۵۱-۱۳۵۹ھ/ ۱۹۳۲-۱۹۴۰ء

۵۱	حضرت مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی، صدر مدرس مدرسہ عبد الرب دہلی	۱۳۵۱-۱۳۵۲ھ/۱۹۳۲-۱۹۳۳ء
۵۲	حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ، بانی جماعت تبلیغ	۱۳۵۱-۱۳۵۳ھ/۱۹۳۲-۱۹۳۴ء
۵۳	حضرت مولانا نواب حبیب الرحمان صاحب شروانی، صدر یار جنگ علی گڑھ	۱۳۵۲-۱۳۵۹ھ/۱۹۳۳-۱۹۴۰ء
۵۴	حضرت مولانا حافظ محمد یوسف صاحبؒ، گنگوہ	۱۳۵۲-۱۳۶۳ھ/۱۹۳۳-۱۹۴۴ء
۵۵	حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ بحیثیت عہدہ (صدر مدرس)	۱۳۵۳-۱۳۷۷ھ/۱۹۳۴-۱۹۵۷ء
۵۶	حضرت نواب عبدالباسط خان صاحبؒ، حیدرآباد	۱۳۵۳-۱۳۶۶ھ/۱۹۳۴-۱۹۴۷ء
۵۷	حضرت خان بہادر شیخ ضیاء الحق صاحبؒ، راجوپور ضلع سہارنپور	۱۳۵۴-۱۳۷۳ھ/۱۹۳۵-۱۹۵۴ء
۵۸	حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ بحیثیت عہدہ صدر مہتمم	۱۳۵۴-۱۳۶۲ھ/۱۹۳۵-۱۹۴۳ء
۵۹	حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ، صدر جمعیۃ علماء ہند دہلی	۱۳۵۵-۱۳۷۳ھ/۱۹۳۶-۱۹۵۴ء
۶۰	حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ، راندیر، سورت	۱۳۵۵-۱۳۶۷ھ/۱۹۳۶-۱۹۴۸ء
۶۱	حضرت مولانا حکیم محمد یٰسین صاحبؒ، نگینہ، بجنور	۱۳۶۰-۱۳۷۸ھ/۱۹۴۱-۱۹۵۸ء
۶۲	حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ دوبارہ	۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء (ایک سال) ۱۳۷۷-۱۳۸۱ھ/۱۹۵۷-۱۹۶۱ء
۶۳	حضرت مولانا ظہیر الحسن صاحب کاندھلویؒ	۱۳۶۰-۱۳۶۲ھ/۱۹۴۱-۱۹۴۳ء
۶۴	حضرت مولانا حکیم عبدالرشید محمودؒ صاحب نبیرۂ حضرت گنگوہیؒ	۱۳۶۲-۱۳۶۷ھ/۱۹۴۳-۱۹۴۸ء
۶۵	حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہارویؒ، ناظم اعلیٰ جمعیۃ علمائے ہند دہلی	۱۳۶۲-۱۳۸۲ھ/۱۹۴۳-۱۹۶۲ء
۶۶	حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ لکھنؤ	۱۳۶۳-۱۴۱۷ھ/۱۹۴۴-۱۹۹۷ء
۶۷	حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ	۱۳۶۳-۱۳۶۷ھ/۱۹۴۴-۱۹۴۸ء
۶۸	حضرت مولانا شبیر علی صاحبؒ، تھانہ بھون	۱۳۶۳-۱۳۶۷ھ/۱۹۴۴-۱۹۴۸ء

۶۹	حضرت مولانا بشیر احمد صاحبؒ، کٹھور، میرٹھ	۱۳۶۳-۷۳-۱۳۷۳ھ/ ۱۹۴۴-۱۹۵۴ء
۷۰	حضرت مولانا احمد سعید صاحب دہلویؒ، جمعیۃ علمائے ہند، دہلی	۱۳۶۴-۷۷-۱۳۷۷ھ/ ۱۹۴۵-۱۹۵۷ء
۷۱	حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ، رکن شوری بہ حیثیت صدر المدرسین دار العلوم دیوبند	۱۳۶۸-۷۷-۱۳۷۷ھ/ ۱۹۴۹-۱۹۵۷ء ۱۳۸۷-۹۲-۱۳۹۲ھ/ ۱۹۶۷-۱۹۷۲ء
۷۲	حضرت مولانا محمد نبیہ صاحبؒ، خان جہان پور، مظفرنگر	۱۳۶۸-۱۳۸۱ھ/ ۱۹۴۹-۱۹۶۱ء
۷۳	حضرت مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانیؒ، ندوۃ المصنفین، دہلی	۱۳۶۸-۱۴۰۴ھ/ ۱۹۴۹-۱۹۸۴ء
۷۴	حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندویؒ، دار المصنفین اعظم گڑھ	۱۳۶۹-۱۳۷۰ھ/ ۱۹۵۰-۱۹۵۱ء
۷۵	حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ، شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ، دہلی	۱۳۷۰-۱۳۹۵ھ/ ۱۹۵۱-۱۹۶۵ء
۷۶	حضرت مولانا ڈاکٹر مصطفی حسن صاحب علویؒ، لکھنؤ	۱۳۷۰ھ-۱۴۰۱ھ/ ۱۹۵۱-۱۹۸۱ء
۷۷	حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ، شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور	۱۳۷۰-۱۳۸۲ھ/ ۱۹۵۱-۱۹۶۲ء
۷۸	حضرت مولانا مفتی محمود احمد صاحب نانوتویؒ، مفتی مالوہ، اجین	۱۳۷۳-۱۳۸۸ھ/ ۱۹۵۴-۱۹۶۸ء
۷۹	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ، مئو ضلع اعظم گڑھ	۱۳۷۳-۱۴۱۲ھ/ ۱۹۵۴-۱۹۹۱ء
۸۰	حضرت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانیؒ، مانڈر ضلع مونگیر	۱۳۷۳-۱۳۹۳ھ/ ۱۹۵۴-۱۹۷۳ء
۸۱	حضرت مولانا محمد سعید بزرگ صاحب سملکیؒ، سورت	۱۳۷۳-۱۴۱۱ھ/ ۱۹۵۴-۱۹۹۰ء
۸۲	حضرت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانیؒ امیر شریعت بہار واڑیسہ (مونگیر)	۱۳۷۴-۱۴۱۲ھ/ ۱۹۵۵-۱۹۹۱ء
۸۳	حضرت مولانا حکیم محمد اسماعیل صاحب نگینویؒ، دہلی	۱۳۷۴-۱۳۸۲ھ/ ۱۹۵۵-۱۹۶۲ء
۸۴	حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ، بحیثیت عہدہ صدر مدرس	۱۳۷۷-۱۳۸۷ھ/ ۱۹۵۷-۱۹۶۷ء
۸۵	حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی صاحبؒ، ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ	۱۳۷۷-۱۳۸۰ھ/ ۱۹۵۷-۱۹۶۰ء
۸۶	حضرت مولانا ابو الحسن علی صاحب ندویؒ، ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ	۱۳۸۲-۱۴۲۰ھ/ ۱۹۶۲-۱۹۹۹ء
۸۷	حضرت مولانا عبد القادر صاحبؒ، مالیگاؤں	۱۳۸۲-۱۴۱۳ھ/ ۱۹۶۲-۱۹۹۲ء
۸۸	حضرت مولانا قاضی زین العابدین صاحب سجادؒ، میرٹھ	۱۳۸۲-۱۴۱۲ھ/ ۱۹۶۲-۱۹۹۱ء
۸۹	حضرت مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادیؒ، صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ و ڈائرکٹر شیخ الہند اکیڈمی دار العلوم دیوبند	۱۳۸۲-۱۴۰۵ھ/ ۱۹۶۲-۱۹۸۵ء

۹۰	حضرت مولانا حامد الانصاری غازی صاحبؒ، صدر جمعیۃ العلماء بمبئی	۱۳۸۲-۱۴۰۵ھ/۱۹۶۲-۱۹۸۵ء
۹۱	حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن بجنوریؒ (رکن) بہ حیثیت عہدۂ مہتمم	۱۳۸۲-۱۴۰۲ھ/۱۹۶۲-۱۹۸۲ء ۱۴۰۲-۱۴۳۲ھ/۱۹۸۲-۲۰۱۰ء
۹۲	حضرت مولانا سید فضل اللہ صاحبؒ، حیدرآباد	۱۳۸۲-۱۳۹۹ھ/۱۹۶۲ء-۱۹۷۹ء
۹۳	حضرت مولانا سید حمید الدین صاحبؒ فیض آبادی، شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ کلکتہ	۱۳۸۲-۱۳۸۷ھ/۱۹۶۲-۱۹۶۷ء
۹۴	حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحبؒ، بہ حیثیت صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند	۱۳۹۲-۱۴۰۱ھ/۱۹۷۲-۱۹۸۱ء
۹۵	حضرت مولانا عبد الحلیم صاحبؒ جون پوری، بانی مدرسہ ریاض العلوم گورینی جون پور	۱۳۹۲-۱۴۱۹ھ/۱۹۷۲-۱۹۹۸ء
۹۶	حضرت مولانا مفتی ابوالسعود صاحبؒ، عربک کالج سبیل الرشاد، بنگلور	۱۳۹۲-۱۴۰۶ھ/۱۹۷۲-۱۹۸۶ء
۹۷	حضرت مولانا حکیم محمد زماں حسینی صاحبؒ، کلکتہ	۱۳۹۲-۱۴۲۱ھ/۱۹۷۲-۲۰۰۰ء
۹۸	حضرت مولانا حکیم محمد افہام اللہ صاحبؒ، علی گڑھ	۱۳۹۲-۱۴۱۸ھ/۱۹۷۲-۱۹۹۷ء
۹۹	حضرت مولانا معراج الحق صاحب دیوبندیؒ، بہ حیثیت صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند	۱۴۰۱-۱۴۱۲ھ/ ۱۹۸۱-۱۹۹۱ء
۱۰۰	حضرت مولانا محمد عثمان صاحبؒ نواسہ شیخ الہند، نائب مہتمم دارالعلوم	۱۴۰۱-۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۱-۱۹۸۵ء
۱۰۱	حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ، بانی جامعہ عربیہ باندہ	۱۴۰۱-۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۱-۱۹۸۵ء
۱۰۲	حضرت حاجی علاء الدین صاحبؒ، ممبئی	۱۴۰۱-۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۱-۱۹۸۸ء
۱۰۳	حضرت نواب عبید الرحمٰن خان شیروانیؒ، علی گڑھ	۱۴۰۱-۱۴۱۲ھ/ ۱۹۸۱-۱۹۹۱ء
۱۰۴	حضرت مولانا اسعد مدنی صاحبؒ، صدر جمعیۃ علمائے ہند	۱۴۰۵-۱۴۲۷ھ/ ۱۹۸۵-۲۰۰۶ء

۱۰۵	حضرت مولانا حکیم عبدالجلیل صدیقیؒ، صدیقی دواخانہ، دہلی	۱۴۰۶-۱۴۱۱ھ/ ۱۹۸۶-۱۹۹۰ء
۱۰۶	حضرت حافظ محمد صدیق صاحب (سابق ایم پی)، مرادآباد	۱۴۰۶-۱۴۳۳ھ/ ۱۹۸۶-۲۰۱۲ء
۱۰۷	حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز صاحبؒ، رائے پور ضلع سہارن پور	۱۴۰۸-۱۴۱۲ھ/ ۱۹۸۸-۱۹۹۱ء
۱۰۸	حضرت مولانا عبدالعزیز صاحبؒ، صدر مجلس علمی، حیدرآباد	۱۴۰۸-۱۴۳۲ھ/ ۱۹۸۸-۲۰۱۱ء
۱۰۹	حضرت مولانا غلام رسول خاموش صاحبؒ، مہتمم مدرسہ چھاپی گجرات وکارگزار مہتمم دارالعلوم دیوبند	۱۴۰۹-۱۴۳۱ھ/ ۱۹۸۹-۲۰۱۰ء
۱۱۰	حضرت مولانا اسماعیل موٹا صاحبؒ، مہتمم جامعہ حسینیہ راندیر، سورت	۱۴۱۱-۱۴۲۷ھ/ ۱۹۹۰-۲۰۰۶ء
۱۱۱	حضرت مولانا ناظر حسین صاحبؒ، مہتمم مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ	۱۴۱۱-۱۴۳۰ھ/ ۱۹۹۰-۲۰۰۹ء
۱۱۲	حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ بلند شہری، بہ حیثیت صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند	۱۴۱۲-۱۴۲۹ھ/ ۱۹۹۱-۲۰۰۸ء
۱۱۳	حضرت مولانا اسماعیل صاحب کٹکیؒ، کٹک، اڑیسہ	۱۴۱۳-۱۴۲۵ھ/ ۱۹۹۲-۲۰۰۶ء
۱۱۴	حضرت مولانا سید خلیل حسین صاحب دیوبندیؒ، مہتمم مدرسہ اصغریہ دیوبند	۱۴۲۸-۱۴۳۴ھ/ ۲۰۰۷-۲۰۱۳ء

موجودہ اراکین مجلس شوریٰ

شمار	اسمائے گرامی	ابتدا
۱	حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب، بنارس (رکن) مہتمم دارالعلوم دیوبند (بہ حیثیت عہدہ)	۱۴۱۳-۱۴۳۲ھ/ ۱۹۹۲-۲۰۱۱ء ۱۴۳۲ھ/ ۲۰۱۱ء
۲	حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری صاحب، صدرالمدرسین، دارالعلوم دیوبند (بہ حیثیت عہدہ)	۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء
۳	حضرت مولانا مفتی منظور احمد صاحب، قاضی شہر کان پور	۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء
۴	حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب مدراسی مدراس (چنئی)	۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء

۵	حضرت مولانا ازہر نعمانی صاحب، مہتمم جامعہ حسینہ رانچی وخلیفہ حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ	۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء
۶	حضرت مولانا بدرالدین اجمل صاحب، صدر جمعیۃ علمائے آسام و مرکز المعارف، ایم پی لوک سبھا	۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء
۷	حضرت مولانا نظام الدین صاحب، ناظم امارت شرعیہ، پٹنہ	۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء
۸	حضرت مولانا غلام محمد وستانوی صاحب، مہتمم اشاعت العلوم اکل کُوا، مہاراشٹر	۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء
۹	حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقی صاحب، صدر دارالمبلغین لکھنؤ	۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء
۱۰	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب، ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ	۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء
۱۱	حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب، سرپرست مظاہر علوم سہارن پور	۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء
۱۲	حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب مالیگاؤں، سابق ایم ایل اے، مہاراشٹر اسمبلی	۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء
۱۳	حضرت مولانا محمد اشتیاق صاحب، مظفر پور، بہار	۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء
۱۴	حضرت الحاج جمیل الدین صاحب، کولکاتہ	۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء
۱۵	حضرت مولانا ملک محمد ابراہیم صاحب، میل وشارم، تمل ناڈو	۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء
۱۶	حضرت مولانا حکیم کلیم اللہ صاحب، علی گڑھ	۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء
۱۷	حضرت مولانا مفتی احمد خان پوری صاحب، جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل، گجرات	۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء
۱۸	حضرت مولانا محمد رحمت اللہ کشمیری صاحب، مہتمم دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ، کشمیر	۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء
۱۹	حضرت مولانا انوارالرحمٰن صاحب، قاضی پاڑہ، بجنور	۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء

سابقہ اساتذۂ عربی دارالعلوم دیوبند

شمار	اسمائے گرامی	ابتدا-انتہا
۱	مولانا ملا محمد محمود صاحب دیوبندیؒ	۱۲۸۳-۱۳۰۳ھ
۲	حضرت مولانا محمد یعقوبؒ صاحب نانوتوی	۱۲۸۳-۱۳۰۲ھ
۳	مولانا محمد فاضل صاحب پھلتیؒ	۱۲۸۳-۱۲۹۳ھ
۴	مولانا میر باز خان صاحبؒ	۱۲۸۳-۱۲۸۷ھ
۵	مولانا فتح محمد صاحبؒ	۱۲۸۳-۱۲۸۷ھ
۶	مولانا سید احمد صاحب دہلویؒ	۱۲۸۶-۱۳۰۷ھ
۷	حضرت مولانا صدیق احمد صاحب امبیٹھویؒ	۱۲۹۰-۱۲۹۲ھ
۸	مولانا عبداللہ صاحب گوالیاریؒ دوبارہ	۱۲۹۰-۱۲۹۲ھ ۱۳۰۵-۱۳۰۶ھ
۹	مولانا عبدالحق صاحب بریلویؒ	۱۲۹۰-۱۲۹۵ھ
۱۰	مولانا محمد مراد صاحب پاک پٹنؒ	۱۲۹۰-۱۲۹۱ھ
۱۱	مولانا عبداللہ صاحب امبیٹھویؒ	۱۲۹۱-۱۲۹۲ھ
۱۲	مولانا عبدالعزیز خاں صاحبؒ	۱۲۹۱-۱۲۹۲ھ
۱۳	مولانا منفعت علی صاحب	۱۲۹۱-۱۳۱۸ھ
۱۴	مولانا سراج الحق صاحب دیوبندیؒ	۱۲۹۲-۱۲۹۳ھ
۱۵	حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ (شیخ الہند)	۱۲۹۲-۱۳۳۳ھ
۱۶	مولانا عبدالعلی صاحبؒ	۱۲۹۴-۱۲۹۷ھ
۱۷	مولانا احمد صاحبؒ	۱۲۹۴-۱۲۹۹ھ

۱۸	مولانا حافظ محمد اسحاق صاحبؒ	۱۲۹۴-۱۲۹۹ھ
۱۹	مولانا حامد حسن صاحبؒ	۱۲۹۴-۱۲۹۵ھ
۲۰	مولانا عبدالحق صاحبؒ	۱۲۹۴-۱۲۹۵ھ
۲۱	مولانا بشیر احمد صاحبؒ	۱۲۹۴-۱۲۹۵ھ
۲۲	مولانا رحیم بخش صاحبؒ	۱۲۹۵-۱۲۹۷ھ
۲۳	مولانا عبدالحکیم صاحبؒ	۱۲۹۵-۱۲۹۶ھ
۲۴	مولانا حاجی احمد علی صاحبؒ	۱۲۹۵-۱۲۹۶ھ
۲۵	مولانا احمدالدین صاحبؒ	۱۲۹۶-۱۲۹۷ھ
۲۶	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ	۱۲۹۸-۱۳۰۹ھ
۲۷	مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ	۱۲۹۸-۱۳۴۶ھ
۲۸	مولانا حافظ اشرف علی صاحبؒ	۱۳۰۰-۱۳۰۱ھ
۲۹	مولانا حکیم محمد حسن صاحبؒ طبیب	۱۳۰۲-۱۳۴۵ھ
۳۰	مولانا عبدالمومن صاحبؒ	۱۳۰۲-۱۳۰۸ھ
۳۱	مولانا حافظ احمد صاحب نانوتویؒ مہتمم	۱۳۰۳-۱۳۴۷ھ
۳۲	مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ نائب مہتمم	۱۳۰۳-۱۳۴۸ھ
۳۳	مولانا عبدالعزیز خاں صاحب دیوبندیؒ	۱۳۰۵-۱۳۰۶ھ
۳۴	مولانا مظہر حسن خاں صاحبؒ رامپوری	۱۳۰۵-۱۳۰۶ھ
۳۵	مولانا عطاءالحق صاحب چاند پوریؒ	۱۳۰۵-۱۳۰۶ھ
۳۶	مولانا حافظ نور محمد صاحب فتحپوریؒ	۱۳۰۵-۱۳۰۶ھ
۳۷	مولانا غلام رسول صاحب ہزارویؒ	۱۳۰۷-۱۳۳۷ھ
۳۸	حضرت مولانا خلیل احمد صاحب امیٹھویؒ	۱۳۰۸-۱۳۱۴ھ
۳۹	مولانا محمد یٰسین صاحب شیرکوٹیؒ	۱۳۱۱-۱۳۱۲ھ
	دوبارہ	۱۳۱۹-۱۳۲۴ھ

۴۰	مولانا محمد اسحاق صاحب امرتسریؒ	۱۳۱۲-۱۳۱۴ھ
۴۱	مولانا عبدالعلی صاحبؒ	۱۳۱۴-۱۳۱۷ھ
۴۲	مولانا گل محمد خاں صاحبؒ	۱۳۱۶-۱۳۱۹ھ
	دوبارہ	۱۳۲۰-۱۳۳۹ھ
۴۳	مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوریؒ	۱۳۱۹-۱۳۲۲ھ
	دوبارہ	۱۳۲۷-۱۳۳۱ھ
	سہ بارہ	۱۳۳۹-۱۳۵۰ھ
۴۴	مولانا عبدالصمد صاحب نگینویؒ	۱۳۲۴-۱۳۲۸ھ
۴۵	مولانا محمد سہول صاحب بھاگلپوریؒ	۱۳۲۴-۱۳۲۸ھ
۴۶	حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ	۱۳۲۷-۱۳۴۵ھ
۴۷	حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ	۱۳۲۷-۱۳۲۹ھ
	دوبارہ بہ حیثیت صدر مدرس	۱۳۴۶-۱۳۷۷ھ
۴۸	مولانا نبیہ حسن صاحب دیوبندیؒ	۱۳۲۷-۱۳۵۱ھ
۴۹	مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ	۱۳۲۸-۱۳۴۳ھ
۵۰	حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ	۱۳۲۸-۱۳۲۹ھ
	دوبارہ	۱۳۶۳-۱۳۶۴ھ
	سہ بارہ	۱۳۷۷-۱۳۹۲ھ
۵۱	مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندیؒ	۱۳۲۹-۱۳۶۶ھ
۵۲	مولانا احمد امین صاحب امروہویؒ	۱۳۲۹-۱۳۳۹ھ
۵۳	مولانا اعزاز علی صاحب امروہویؒ	۱۳۳۰-۱۳۷۴ھ
۵۴	مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ	۱۳۳۰-۱۳۶۴ھ
۵۵	حضرت مولانا ابراہیم صاحب بلیاویؒ	۱۳۳۱-۱۳۳۹ھ
	دوبارہ	۱۳۴۲-۱۳۶۲ھ
	سہ بارہ	۱۳۶۶-۱۳۸۷ھ

۵۶	حضرت مولانا مظہر الدین صاحب شیر کوٹیؒ	۱۳۳۱-۱۳۳۲ھ
۵۷	مولانا سید حسن صاحب چاند پوریؒ	۱۳۳۱-۱۳۳۲ھ
۵۸	مولانا شائق صاحب عثمانیؒ	۱۳۳۱-۱۳۳۲ھ
۵۹	مولانا احمد شیر صاحب چلاسویؒ	۱۳۳۲-۱۳۴۲ھ
۶۰	مولانا قاضی مسعود احمد صاحب دیوبندیؒ نائب مفتی	۱۳۳۲-۱۳۸۴ھ
۶۱	مولانا محمد ادریس صاحب سکروڈویؒ	۱۳۳۲-۱۳۴۶ھ
۶۲	مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ	۱۳۳۲-۱۳۳۳ھ
۶۳	مولانا محمد صدیق صاحب نجیب آبادیؒ	۱۳۳۲-۱۳۳۴ھ
۶۴	مولانا محمد رسول خان صاحبؒ	۱۳۳۳-۱۳۵۳ھ
۶۵	مولانا سراج احمد صاحبؒ	۱۳۳۴-۱۳۴۶ھ
۶۶	مولانا خلیل الرحمٰن صاحبؒ	۱۳۳۴-۱۳۳۵ھ
۶۷	مولانا تفضّل حسین صاحب بارہ بنکوی	۱۳۳۵-۱۳۳۹ھ
۶۸	مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی	۱۳۳۷-۱۳۶۲ھ
۶۹	مولانا حکیم سید محفوظ علی صاحب گنگوہیؒ دوبارہ	۱۳۳۷-۱۳۳۹ھ ۱۳۸۰ھ چند ماہ
۷۰	مولانا محمد اسحاق صاحب کانپوریؒ	۱۳۳۷-۱۳۳۸ھ
۷۱	مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ دوبارہ	۱۳۳۸-۱۳۴۶ھ ۱۳۵۸-۱۳۶۸ھ
۷۲	مولانا علی محمد صاحب سورتی	۱۳۳۸-۱۳۳۹ھ
۷۳	مولانا سعید احمد صاحب گنگوہیؒ	۱۳۴۰-۱۴۰۶ھ
۷۴	مولانا افتخار علی صاحب شاہجہان پوریؒ	۱۳۴۰-۱۳۴۴ھ
۷۵	مولانا سید میرک شاہ صاحب کشمیریؒ	۱۳۴۱-۱۳۴۴ھ
۷۶	مولانا غلام محمد صاحب سیتاپوری	۱۳۴۲-۱۳۴۴ھ

۷۷	مولانا ابورحمت صاحب	۱۳۴۰ھ چند ماہ
۷۸	منشی امتیاز علی صاحب	۱۳۴۲ھ چند ماہ
۷۹	مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ	۱۳۴۴-۱۳۴۶ھ
۸۰	مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی	۱۳۴۴ھ، ۸ ماہ
۸۱	مولانا محمد نقی صاحب دیوبندی	۱۳۴۴ھ، ۹ ماہ
۸۲	مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی	۱۳۴۴-۱۳۴۶ھ
۸۳	مولانا محمد میاں صاحب دیوبندیؒ	۱۳۴۴ھ چند ماہ
۸۴	مولانا محمد یحییٰ صاحب کیرانوی	۱۳۴۴-۱۳۴۶ھ
۸۵	مولانا سید اختر حسین صاحب دیوبندی	۱۳۴۴-۱۳۹۷ھ
۸۶	مولانا محمد قاسم صاحب شاہجہاں پوریؒ	۱۳۴۶-۱۳۴۷ھ
۸۷	مولانا سید وحید احمد صاحب مدنیؒ	۱۳۴۶-۱۳۴۷ھ
۸۸	مولانا قاری محمد طاہر صاحب قاسمی دیوبندیؒ	۱۳۴۶-۱۳۴۷ھ
۸۹	مولانا قاری اصغر علی صاحب بجنوریؒ ۱۳۴۷-۱۳۵۷ھ تک مدرس تجوید	۱۳۴۷-۱۳۸۴ھ
۹۰	مولانا مفتی ریاض الدین صاحب	۱۳۴۷-۱۳۶۳ھ
۹۱	مولانا حکیم رمضان الحق صاحب لکھیم پوری	۱۳۴۸-۱۳۴۹ھ
۹۲	مولانا ظہور احمد صاحب دیوبندیؒ دوبارہ	۱۳۴۹-۱۳۶۲ھ ۱۳۶۷-۱۳۸۳ھ
۹۳	مولانا محمد انور صاحب چاند پوریؒ	۱۳۴۹-۱۳۵۰ھ
۹۴	مولانا محمد حمید حسن صاحب دیوبندیؒ	۱۳۴۹-۱۳۵۰ھ
۹۵	مولانا خلیل احمد صاحب مرادآبادیؒ	۱۳۴۹-۱۳۵۰ھ
۹۶	مولانا محمد جلیل صاحب کیرانویؒ	۱۳۵۰-۱۳۸۸ھ
۹۷	مولانا محمد مجتبیٰ صاحب رامپوریؒ	۱۳۵۰-۱۳۵۵ھ

۹۸	مولانا عبدالحق صاحب عرف نافع گل پشاور	۱۳۵۲-۱۳۶۶ھ
۹۹	مولانا شمس الحق صاحب پشاوری	۱۳۵۴-۱۳۵۷ھ
۱۰۰	مولانا محمد عثمان صاحب دیوبندیؒ	۱۳۵۴-۱۴۰۲ھ
۱۰۱	مولانا نوراللہ صاحب نواکھالی	۱۳۵۵ھ چند ماہ
۱۰۲	مولانا سید حسن صاحب دیوبندیؒ ۱۳۵۷-۱۳۷۰ھ تک مدرس فارسی	۱۳۵۷-۱۳۸۱ھ
۱۰۳	مولانا مشیت اللہ صاحب دیوبندیؒ	۱۳۵۸ھ چند ماہ
۱۰۴	مولانا عبدالاحد صاحب دیوبندیؒ	۱۳۵۸-۱۴۰۰ھ
۱۰۵	مولانا محمد یحییٰ صاحب تھانویؒ	۱۳۵۸-۱۳۶۲ھ
۱۰۶	مولانا سید فخرالحسن صاحب مرادآبادیؒ	۱۳۶۲-۱۴۰۲ھ
۱۰۷	مولانا قاضی شمس الدین صاحب پنجابیؒ	۱۳۶۲ھ چند ماہ
۱۰۸	مولانا بشیر احمد خاں صاحب بلند شہریؒ	۱۳۶۲-۱۳۸۶ھ
۱۰۹	مولانا عبدالحق صاحب اکوڑویؒ	۱۳۶۲-۱۳۶۶ھ
۱۱۰	مولانا سیاح الدین صاحب پشاوری	۱۳۶۲ھ چند ماہ
۱۱۱	مولانا حبیب اللہ صاحب میرٹھیؒ	۱۳۶۲-۱۳۶۷ھ
۱۱۲	مولانا جمال الدین صاحب	۱۳۶۲ھ چند ماہ
۱۱۳	مولانا معراج الحق صاحب دیوبندیؒ	۱۳۶۳-۱۴۱۲ھ
۱۱۴	مولانا عبدالخالق صاحب ملتانیؒ	۱۳۶۳-۱۳۶۷ھ
۱۱۵	مولانا عبدالشکور صاحب دیوبندیؒ	۱۳۶۳-۱۳۶۷ھ
۱۱۶	مولانا محمد شریف صاحب کشمیریؒ	۱۳۶۳-۱۳۶۶ھ
۱۱۷	مولانا محمد کفیل صاحب بجنوریؒ	۱۳۶۳-۱۳۶۴ھ
۱۱۸	مولانا حشمت علی صاحب گلاؤٹھیؒ	۱۳۶۴-۱۳۶۵ھ
۱۱۹	مولانا محمد نور صاحب میانوالیؒ	۱۳۶۶-۱۳۶۷ھ

۱۲۰	مولانا نصیر احمد خان صاحب بلند شہریؒ	۱۳۶۶-۱۴۲۹ھ
۱۲۱	مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندیؒ	۱۳۶۶-۱۴۰۲ھ
۱۲۲	مولانا عبدالحفیظ صاحب بلیاویؒ	۱۳۶۷-۱۳۶۸ھ
۱۲۳	مولانا محمد حسین صاحب بہاریؒ	۱۳۶۷-۱۴۱۲ھ
۱۲۴	مولانا محمد ہارون صاحب دیوبندیؒ	۱۳۶۷-۱۴۱۳ھ
۱۲۵	مولانا محمود علی صاحب شاہجہاں پوریؒ	۱۳۶۷-۱۳۶۸ھ
۱۲۶	مولانا ریاض احمد صاحب چمپارنیؒ	۱۳۶۹-۱۳۷۰ھ
۱۲۷	مولانا محمد سالم صاحب قاسمی	۱۳۷۰-۱۴۰۲ھ
۱۲۸	مولانا سید فیض علی شاہ صاحب	۱۳۷۰-۱۳۷۷ھ
۱۲۹	مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ	۱۳۷۰-۱۳۸۲ھ
۱۳۰	مولانا محمد اکرم صاحب بخاریؒ	۱۳۷۰-۱۳۷۱ھ
۱۳۱	مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیریؒ	۱۳۷۳-۱۴۰۲ھ
۱۳۲	مولانا حامد میاں صاحب امروہویؒ	۱۳۷۴ھ-۱۴۱۵ھ
۱۳۳	مولانا سید حمید الدین صاحب فیض آبادیؒ	۱۳۷۴-۱۳۷۵ھ
۱۳۴	مولانا بہاء الحسن صاحب مرادآبادیؒ دوبارہ	۱۳۷۸ھ چند ماہ ۱۳۸۳-۱۴۰۱ھ
۱۳۵	مولانا اسلام الحق صاحب اعظمیؒ	۱۳۸۰-۱۳۹۲ھ
۱۳۶	مولانا خورشید عالم صاحب دیوبندیؒ	۱۳۸۳-۱۴۰۲ھ
۱۳۷	مولانا محمد شریف حسن صاحب دیوبندیؒ	۱۳۸۳-۱۳۹۷ھ
۱۳۸	مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ	۱۳۸۳-۱۴۱۰ھ
۱۳۹	مولانا محمد حسن صاحب باندوی	۱۳۸۵-۱۴۰۱ھ
۱۴۱	مولانا زبیر احمد صاحب دیوبندیؒ	۱۳۸۹-۱۴۱۸ھ
۱۴۲	مولانا فیض الحسن صاحب کشمیری	۱۳۹۲-۱۴۰۲ھ

۱۴۳	مولانا محمد ہاشم صاحب ختنی مہاجر مدنی	۱۳۹۲-۱۴۰۲ھ
۱۴۴	مولانا مفتی شکیل احمد سیتاپوری	۱۳۹۵-۱۴۰۲ھ
۱۴۵	مولانا بدرالحسن صاحب دربھنگوی	۱۳۹۸-۱۴۰۲ھ
۱۴۶	مولانا خالد حسن بلیاوی، مہاجر مکی	۱۳۹۸-۱۴۰۲ھ
۱۴۷	مولانا عبدالرحیم صاحب بستوی	۱۴۰۲-۱۴۳۶ھ
۱۴۸	مولانا عبدالرحیم صاحب سنبھلیؒ	۱۴۰۳ھ چند ماہ
۱۴۹	مولانا عبدالرؤف صاحب افغانی	۱۴۰۳-۱۴۱۲ھ
۱۵۰	مولانا شاہد حسن صاحب دیوبندیؒ	۱۴۰۳-۱۴۱۸ھ
۱۵۱	مولانا لقمان الحق صاحب بجنوریؒ	۱۴۰۳-۱۴۰۸ھ
۱۵۲	مولانا احرار الحق صاحب فیض آبادیؒ	۱۴۰۵-۱۴۱۴ھ
۱۵۳	مولانا شمیم احمد صاحب دیوبندیؒ	۱۴۰۵-۱۴۲۱ھ
۱۵۴	مولانا مفتی محمود حسن بلندشہری	۱۴۰۹-۱۴۳۳ھ
۱۵۵	مولانا شبیر احمد صاحب مظفرنگریؒ	۱۴۱۰-۱۴۳۰ھ
۱۵۶	مولانا محمد عمر صاحب بلندشہریؒ	۱۴۱۲-۱۴۱۵ھ
۱۵۷	مولانا مزمل علی صاحب آسامی	۱۴۱۳-۱۴۲۱ھ
۱۵۸	مولانا عبدالرشید صاحب بستوی	۱۴۱۷-۱۴۲۱ھ

موجودہ انتظامیہ، اساتذہ، نظماء و عہدہ داران

دار العلوم انتظامیہ

نمبر	نام	عہدہ	ابتدا
۱	حضرت مولانا مفتی ابو القاسم صاحب نعمانی	مہتمم	۱۴۳۲ھ
۲	حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری	صدر المدرسین	۱۴۲۹ھ
۳	حضرت مولانا عبد الخالق صاحب مدراسی	نائب مہتمم	۱۴۱۸ھ
۴	حضرت مولانا عبد الخالق صاحب سنبھلی	نائب مہتمم	۱۴۲۹ھ
۵	حضرت مولانا محمد احمد فیض آبادی	ناظم تعلیمات	۱۴۳۵ھ

اساتذۂ عربی

شمار	نام	موجودہ درجہ	سن تقرر
۱	حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری	صدر المدرسین	۱۳۹۴ھ
۲	حضرت مولانا قمر الدین صاحب گورکھپوری	مدرس علیا	۱۳۸۲ھ
۳	حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری	مدرس علیا	۱۳۹۱ھ
۴	حضرت مولانا عبد الخالق صاحب مدراسی، نائب مہتمم	مدرس علیا	۱۳۹۳ھ
۵	حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی	مدرس علیا	۱۴۰۲ھ
۶	حضرت مولانا عبد الحق صاحب اعظمی	مدرس علیا	۱۴۰۲ھ
۷	حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی	مدرس علیا	۱۴۰۲ھ
۸	حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری	مدرس علیا	۱۴۰۲ھ

۹	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی اعظمی	مدرس علیا	۱۴۰۲ھ
۱۰	حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب	مدرس علیا	۱۴۰۲ھ
۱۱	حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب گونڈوی	مدرس علیا	۱۴۰۲ھ
۱۲	حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری	مدرس علیا	۱۴۰۲ھ
۱۳	حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی، نائب مہتمم	مدرس علیا	۱۴۰۳ھ
۱۴	حضرت مولانا مفتی یوسف صاحب مظفرنگری	مدرس علیا	۱۴۰۶ھ
۱۵	حضرت مولانا محمد احمد صاحب فیض آبادی	ناظم تعلیمات	۱۴۱۱ھ
۱۶	حضرت مولانا جمیل احمد صاحب سکروڈوی دوبارہ	مدرس علیا	۱۳۹۹-۱۴۰۲ھ ۱۴۲۰ھ
۱۷	جناب مولانا نسیم احمد صاحب بارہ بنکوی	وسطی الف	۱۴۰۳ھ
۱۸	جناب مولانا جمال احمد صاحب میرٹھی	وسطی الف	۱۴۰۶ھ
۱۹	جناب مولانا خورشید احمد صاحب گیاوی	وسطی الف	۱۴۰۹ھ
۲۰	جناب مولانا شوکت علی صاحب بستوی	وسطی الف	۱۴۱۲ھ
۲۱	جناب مولانا مفتی محمد راشد صاحب اعظمی	وسطی الف	۱۴۱۲ھ
۲۲	جناب مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری	وسطی الف	۱۴۱۴ھ
۲۳	جناب مولانا خضر محمد صاحب کشمیری	وسطی الف	۱۴۱۷ھ
۲۴	جناب مولانا حسین احمد صاحب ہردواری	وسطی الف	۱۴۱۷ھ
۲۵	جناب مولانا عارف جمیل صاحب اعظمی دوبارہ	وسطی الف	۱۴۱۷ھ-۱۴۱۸ھ ۱۴۳۱ھ
۲۶	جناب مولانا عبداللہ معروفی صاحب	وسطی الف	۱۴۲۱ھ
۲۷	جناب مولانا منیرالدین صاحب گڈاوی	وسطی الف	۱۴۲۱ھ
۲۸	جناب مولانا عثمان غنی صاحب ہوڑوی	وسطی الف	۱۴۲۲ھ
۲۹	جناب مولانا محمد ساجد صاحب ہردوئی	وسطی الف	۱۴۲۲ھ

۳۰	جناب مولانا محمد افضل صاحب کیموری	وسطی الف	۱۴۲۶ھ
۳۱	جناب مولانا بلال اصغر صاحب دیوبندی	وسطی ب	۱۴۰۲ھ
۳۲	جناب مولانا مزمل حسین صاحب مظفر نگری	وسطی ب	۱۴۱۸ھ
۳۳	جناب مولانا ریاست علی صاحب ہردواری	وسطی ب	۱۴۱۹ھ
۳۴	جناب مولانا محمد علی صاحب بجنوری	وسطی ب	۱۴۲۰ھ
۳۵	جناب مولانا محمد ایوب صاحب مظفر نگری	وسطی ب	۱۴۲۲ھ
۳۶	جناب مولانا مصلح الدین صاحب سدھارتھ نگری	وسطی ب	۱۴۳۲ھ
۳۷	جناب مولانا محمد معروف صاحب غازی آبادی	مدرس عربی	۱۴۲۸ھ
۳۸	جناب مولانا محمد افضل صاحب سدھارتھ نگری	مدرس عربی	۱۴۲۸ھ
۳۹	جناب مولانا کلیم الدین صاحب کٹکی	مدرس عربی	۱۴۲۸ھ
۴۰	جناب مولانا توحید احمد صاحب بجنوری	مدرس عربی	۱۴۲۸ھ
۴۱	جناب مولانا اشتیاق احمد صاحب دربھنگوی	مدرس عربی	۱۴۳۰ھ
۴۲	جناب مولانا محمد مزمل صاحب بدایونی	مدرس عربی	۱۴۳۰ھ
۴۳	جناب مولانا محمد ارشد معروفی صاحب مئوی	مدرس عربی	۱۴۳۰ھ
۴۴	جناب مولانا فہیم الدین صاحب بجنوری	مدرس عربی	۱۴۳۰ھ
۴۵	جناب مولانا کوکب عالم صاحب میرٹھی	مدرس عربی	۱۴۳۲ھ
۴۶	جناب مولانا محمد عادل صاحب دیوریاوی	مدرس عربی	۱۴۳۲ھ
۴۷	جناب مولانا اشرف عباس صاحب دربھنگوی	مدرس عربی	۱۴۳۲ھ
۴۸	جناب مولانا ذاکر حسین صاحب، پرولیا، بنگال	مدرس عربی	۱۴۳۲ھ
۴۹	جناب مولانا عمران اللہ صاحب غازی آبادی	مدرس عربی	۱۴۳۳ھ
۵۰	جناب مولانا جرار احمد صاحب سہارن پوری	مدرس عربی	۱۴۳۳ھ
۵۱	جناب مولانا محمد ناظم صاحب بجنوری	مدرس عربی	۱۴۳۳ھ

مفتیانِ دارالافتاء

نمبر	نام	موجودہ عہدہ	ابتدا	سن تقرر
۱	حضرت مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی	مفتی	۱۴۰۲ھ	۱۴۰۲ھ
۲	حضرت مفتی محمود حسن بلند شہری	مفتی	۱۴۳۳ھ	۱۴۱۳ھ
۳	حضرت مفتی زین الاسلام الہ آبادی	مفتی	۱۴۳۳ھ	۱۴۲۸ھ
۴	مفتی فخرالاسلام قاسمی کشی نگری	نائب مفتی	۱۴۳۳ھ	۱۴۲۶ھ
۵	مفتی وقارعلی قاسمی نالندوی	نائب مفتی	۱۴۳۳ھ	۱۴۲۶ھ
۶	مفتی محمد نعمان سیتاپوری	معین مفتی	۱۴۳۳ھ	۱۴۳۳ھ
۷	مفتی محمد مصعب علی گڈھی	معین مفتی	۱۴۳۵ھ	۱۴۳۵ھ
۸	مفتی اسداللہ آسامی	معین مفتی	۱۴۳۵ھ	۱۴۳۵ھ

دیگر مدرسین ومعلّمین

شمار	نام	موجودہ عہدہ	سن تقرر
۱	قاری جمشید علی صاحب سہارن پوری	مدرس حفص عربی	۱۴۰۴ھ
۲	قاری عبدالرؤف صاحب بلندشہری	مدرس حفص عربی	۱۴۰۵ھ
۳	قاری شفیق الرحمٰن صاحب بلندشہری	مدرس حفص عربی	۱۴۱۱ھ
۴	قاری محمد آفتاب صاحب امروہوی	مدرس حفص عربی	۱۴۲۳ھ
۵	قاری محمد ارشاد صاحب غازی آبادی	مدرس حفص عربی	۱۴۳۲ھ
۶	قاری محمد یوسف صاحب سہارن پوری	مدرس حفص اردو	۱۴۱۹ھ
۷	قاری اقرار احمد صاحب بجنوری	مدرس حفص اردو	۱۴۳۶ھ
۸	مولانا عبدالسلام صاحب قاسمی	شعبۂ کمپیوٹر	۱۴۱۶ھ
۹	مولانا توقیر احمد قاسمی مظفرنگری	شعبۂ انگریزی	۱۴۳۲ھ

۱۰	مولانا عبدالملک قاسمی بجنوری	شعبۂ انگریزی	۱۴۳۶ھ
۱۱	قاری اسجد الحسینی صاحب سہارن پوری	نگراں حفظ	۱۴۱۶ھ
۱۲	قاری عبدالحفیظ صاحب مانکوی	مدرس حفظ	۱۴۰۲ھ
۱۳	قاری حافظ عبداللہ کلیم صاحب سہارن پوری	مدرس حفظ	۱۴۱۲ھ
۱۴	قاری اسلام الدین صاحب مظفرنگری	مدرس حفظ	۱۴۱۳ھ
۱۵	قاری ریاست علی صاحب مظفرنگری	مدرس حفظ	۱۴۱۶ھ
۱۶	قاری محمد ارشد صاحب بجنوری	مدرس حفظ	۱۴۱۹ھ
۱۷	قاری محمد عرفان صاحب مظفرنگری	مدرس حفظ	۱۴۱۹ھ
۱۸	قاری محمد فوزان صاحب دیوبندی	مدرس حفظ	۱۴۲۱ھ
۱۹	قاری محمد اکرام صاحب رامپوری	مدرس حفظ	۱۴۲۳ھ
۲۰	قاری محمد ظہیر صاحب مظفرنگری	مدرس حفظ	۱۴۲۳ھ
۲۱	قاری صغیر احمد صاحب رامپوری	مدرس حفظ	۱۴۲۴ھ
۲۲	قاری منور اقبال صاحب سہارن پوری	مدرس حفظ	۱۴۲۶ھ
۲۳	قاری عظمت علی صاحب بستوی	مدرس حفظ	۱۴۲۶ھ
۲۴	قاری محمد طارق صاحب لکھیم پوری	مدرس حفظ	۱۴۲۸ھ
۲۵	قاری محمد عاصم صاحب دیوبندی	مدرس ناظرہ	۱۳۹۹ھ
۲۶	قاری محمد ارشاد صاحب مظفرنگری	مدرس ناظرہ	۱۴۲۱ھ
۲۷	قاری محبوب عالم صاحب دیوبندی	مدرس ناظرہ	۱۴۲۳ھ
۲۸	قاری محمد فاروق صاحب مظفرنگری	مدرس ناظرہ	۱۴۲۷ھ
۲۹	قاری محمد طیب صاحب دیوبندی	مدرس ناظرہ	۱۴۳۲
۳۰	مولانا سرور احمد صاحب دیوبندی	مدرس فارسی	۱۳۹۵ھ
۳۱	مولانا برہان الحق صاحب دیوبندی	مدرس فارسی	۱۴۰۵ھ
۳۲	مولانا محمد قاسم صاحب میرٹھی	مدرس فارسی	۱۴۳۶ھ
۳۳	مولانا سہیل عزیز صاحب دیوبندی	مدرس دینیات	۱۳۹۹ھ

۳۴	مولانا عبدالجبار صاحب گڈاوی	صدر خوشخطی	۱۴۲۹ھ
۳۵	مولانا نیاز الدین صاحب اصلاحی جون پوری	معلم خوشخطی	۱۴۰۶ھ
۳۶	منشی منصور احمد صاحب دیوبندی	معلم خوشخطی	۱۴۳۰ھ
۳۷	ماسٹر محمد اختر صاحب دیوبندی	معلم خیاطی	۱۳۶۵ھ
۳۸	قاری ممتاز احمد صاحب	معلم خیاطی	۱۴۱۹ھ

نظماء وعہدہ داران شعبہ جات علمی

شمار	نام	شعبہ وعہدہ	ابتدا	سن تقرر
۱	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی اعظمی	مدیر ماہنامہ دارالعلوم (اردو)	۱۴۰۵ھ	۱۴۰۲ھ
۲	حضرت مولانا نور عالم خلیل صاحب امینی	مدیر ماہنامہ الداعی (عربی)	۱۴۰۲ھ	۱۴۰۲ھ
۳	مولانا محمد عارف جمیل صاحب مبارک پوری	نائب مدیر الداعی (عربی)	۱۴۳۶ھ	۱۴۳۱ھ
۴	مولانا کفیل احمد صاحب علوی	ناظم، شیخ الہند اکیڈمی	۱۴۰۶ھ	۱۳۷۷ھ
۵	حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری	ناظم، کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت	۱۴۰۷ھ	۱۴۰۲ھ
۶	مولانا شاہ عالم صاحب گورکھپوری	نائب ناظم، مجلس تحفظ ختم نبوت	۱۴۱۷ھ	۱۴۱۷ھ
۷	مولانا اشتیاق احمد صاحب مہراج گنجی	مبلغ، مجلس تحفظ ختم نبوت	۱۴۲۷ھ	۱۴۲۷ھ
۸	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی اعظمی	ناظم، شعبہ ردعیسائیت	۱۴۲۱ھ	۱۴۰۲ھ
۹	مولانا مشیر احمد صاحب دیناج پوری	نائب ناظم، شعبہ ردعیسائیت	۱۴۳۶ھ	۱۴۲۲ھ
۱۰	مولانا محمد اللہ صاحب قاسمی فیض آبادی	کوآرڈینیٹر شعبۂ انٹرنیٹ	۱۴۲۶ھ	۱۴۲۵ھ
۱۱	مولانا عبدالہادی صاحب قاسمی بستوی	ٹیکنیشین، شعبۂ انٹرنیٹ	۱۴۳۲ھ	۱۴۲۳ھ
۱۲	مولانا حسین احمد صاحب قاسمی فیض آبادی	ٹرانسلیٹر، شعبۂ انٹرنیٹ	۱۴۳۲	۱۴۲۹ھ
۱۳	مولانا صلاح الدین صاحب قاسمی کٹیہاری	ٹرانسلیٹر، شعبۂ انٹرنیٹ	۱۴۳۲	۱۴۲۴ھ
۱۴	حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری	نگراں، شعبۂ ترتیب فتاوی	۱۴۲۶ھ	۱۴۰۲ھ
۱۵	مولانا مفتی محمد راشد صاحب اعظمی	ناظم، شعبۂ تحفظ سنت	۱۴۲۸ھ	۱۴۱۲ھ
۱۶	مولانا محمد یامین صاحب مظفر نگری	مبلغ، شعبۂ تبلیغ	۱۴۰۹ھ	۱۴۰۹ھ

۱۷	مولانا محمد عرفان صاحب بہرائچی	مبلغ، شعبۂ تبلیغ	۱۴۱۲ھ	۱۴۱۲ھ
۱۸	مولانا محمد راشد صاحب مظفرنگری	مبلغ، شعبۂ تبلیغ	۱۴۱۴ھ	۱۴۱۴ھ

نظماء وعہدہ داران شعبہ جات انتظامی

شمار	نام	موجودہ عہدہ، شعبہ	ابتدا	تقرر
۱	جناب محمد عدنان عثمانی صاحب	پیش کار، دفتر اہتمام	۱۴۲۳ھ	۱۴۰۲ھ
۲	مولانا طالب حسین صاحب	محافظ، محافظ خانہ	۱۴۱۱ھ	۱۳۹۸ھ
۳	جناب نیر عثمانی صاحب	محاسب، دفتر محاسبی	۱۴۱۹ھ	۱۳۹۹ھ
۴	منشی اعجاز احمد صاحب دیوبندی	تحویل دار، محاسبی	۱۴۰۶ھ	۱۴۰۳ھ
۵	قاری فخر الدین صاحب غازی آبادی	ناظم، دفتر تنظیم وترقی	۱۴۰۵ھ	۱۴۰۳ھ
۶	جناب اشرف عثمانی صاحب	نائب ناظم، دفتر تنظیم وترقی		۱۴۰۹ھ
۷	جناب مولانا منیر احمد صاحب گڈاوی	ناظم، دارالاقامہ	۱۴۳۵ھ	۱۴۲۱ھ
۸	منشی سید اسعد حسین صاحب	منصرم، دارالاقامہ	۱۴۳۵ھ	۱۳۹۵ھ
۹	جناب مولانا شوکت علی صاحب قاسمی بستوی	ناظم، رابطہ مدارس عربیہ	۱۴۱۵ھ	۱۴۱۲ھ
۱۰	ڈاکٹر عبید الرحمٰن صاحب لکھیم پوری	معالج، دارالشفاء	۱۴۳۵ھ	۱۴۱۰ھ
۱۱	جناب سرور حسین صاحب دیوبندی	ناظم، مطبخ	۱۴۱۹ھ	۱۴۰۲ھ
۱۲	جناب نظر الاسلام صاحب آسامی	انجینئر، تعمیرات	۱۴۲۵ھ	۱۴۲۵ھ
۱۳	مولانا محمد مرتضی صاحب	منصرم، اوقاف	۱۴۳۰ھ	۱۴۱۳ھ
۱۴	مولانا معین الدین صاحب بھاگل پوری	منتظم، مہمان خانہ	۱۴۱۸ھ	۱۴۰۵ھ
۱۵	مولانا محمد عثمان غنی صاحب دیوبندی	مکتبہ دارالعلوم		۱۴۱۶ھ
۱۶	جناب محمد اسلم صاحب دیوبندی	ہیڈ مستری، برقیات	۱۴۳۱ھ	۱۴۲۶ھ
۱۷	مولانا ظہیر الحسن صاحب اعظمی	ٹیکنیشین، کمپیوٹر برائے کتابت	۱۴۳۳ھ	۱۴۲۳ھ
۱۸	مولانا فضیل احمد صاحب بھاگل پوری	منصرم، خریداری	۱۴۳۳ھ	۱۴۲۱ھ

مآخذ ومراجع

- تاریخ دارالعلوم دیوبند، سید محبوب رضوی، ادارۂ اہتمام دارالعلوم دیوبند ۱۹۹۳ء
- دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی، حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب، دفتر اہتمام دارالعلوم دیوبند، جون ۱۹۶۵ء
- دارالعلوم دیوبند کے ۱۱۶ سال، دفتر اجلاس صد سالہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء
- دارالعلوم دیوبند کے ۱۱۷ سال، دفتر اجلاس صد سالہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹۸۰ء
- دارالعلوم دیوبند: بنیادی اصول ومسلک، حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب، دفتر اجلاس صد سالہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹۸۰ء
- علمائے دیوبند دینی رخ اور مسلکی مزاج، حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب، ادارۂ اسلامیات، لاہور، ۱۹۸۸ء
- دستور اساسی دارالعلوم دیوبند، دفتر اہتمام دارالعلوم دیوبند، جون ۱۹۷۳ء (مع ترمیمات مجلس شوری)
- دارالعلوم دیوبند کی تعلیمی خصوصیات، سید محبوب رضوی صاحب، ادارہ تاریخ دیوبند، ۱۳۷۳ھ
- سوانح قاسمی، مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب، شعبۂ نشر واشاعت، دارالعلوم دیوبند
- دارالعلوم دیوبند کی سیر اور اس کی مختصر تاریخ، حاجی محمد رفیع دہلوی، دہلی ۱۳۳۵ھ ماہنامہ القاسم، دارالعلوم نمبر دارالعلوم دیوبند، محرم ۱۳۴۷ھ
- ماہنامہ الرشید دارالعلوم نمبر، جامعہ رشیدیہ ساہیوال پاکستان، فروری مارچ ۱۹۷۶ء
- مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: حیات اور کارنامے، مولانا اسیر ادروی صاحب، شیخ الہند اکیڈمی، دارالعلوم دیوبند، ۱۹۹۷ء

- مولانا رشید احمد گنگوہیؒ: حیات اور کارنامے، مولانا اسیر ادروی صاحب، شیخ الہند اکیڈمی، دارالعلوم دیوبند، ۱۹۹۷ء
- حضرت شیخ الہندؒ: حیات اور کارنامے، مولانا اسیر ادروی صاحب، شیخ الہند اکیڈمی، دارالعلوم دیوبند، ۱۹۹۸ء
- دارالعلوم دیوبند: احیائے اسلام کی عظیم تحریک، مولانا نظام الدین اسیر ادروی صاحب، دارالمؤلفین دیوبند، ۲۰۰۸ء
- تاریخ دیوبند، سید محبوب رضوی صاحب، علمی مرکز دیوبند، ۱۹۷۲ء
- سلاسل طیبہ، حضرت مولانا حسین احمد مدنی، ادارہ اسلامیات، لاہور
- الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند، مولانا حکیم سید عبدالحی لکھنوی، مجمع اللغۃ العربیۃ دمشق، ۱۹۸۳ء
- مسلمانوں کا روشن مستقبل، سید طفیل احمد منگلوری علیگ، مکتبہ الحق ممبئی، ۲۰۰۱ء
- موجِ کوثر، شیخ محمد اکرام، فرید بک ڈپو دہلی، ۲۰۰۳ء
- تذکرۃ العابدین، نذیر احمد دیوبندی، مطبوعہ دہلی ۱۳۳۳ھ
- مثنوی فروغ، مولانا عبدالکریم فروغ دیوبندی، ادارۂ اہتمام دارالعلوم دیوبند، ۱۹۷۸ء
- مشاہیر علمائے دیوبند، قاری فیوض الرحمٰن صاحب، مکتبہ عزیزیہ لاہور، ۱۹۷۶ء
- دارالعلوم کی پچاس مثالی شخصیات، حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب، جمع وترتیب: حافظ محمد اکبر شاہ بخاری صاحب، دارالکتاب دیوبند، ۱۹۹۸ء
- اکابر علمائے دیوبند، حافظ محمد اکبر شاہ بخاری صاحب، ادارہ اسلامیات لاہور، ۱۹۹۹ء
- قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، احوال وآثار، و باقیات ومتعلقات، مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی، مکتبہ نور کاندھلہ، ۲۰۰۰ء
- مقالات حبیب، مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی اعظمی صاحب، شیخ الہند اکیڈمی، دارالعلوم دیوبند ۲۰۰۹ء

- نقوشِ رفتگاں، مولانا مفتی تقی عثمانی، فرید بک ڈپو، ۱۴۱۴ھ
- ذکر رفتگاں، مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری، مرادآباد، ۲۰۰۵ء
- انار کے درخت تلے، مولانا محمد منصور احمد، مکتبۃ الشہداء، کراچی، ۱۴۳۰ھ
- جمعیۃ علماء نمبر، بموقع پچیسویں اجلاس عام ۱۹۹۵ء ہفتہ روزہ الجمعیۃ نئی دہلی
- دارالعلوم دیوبند: ایک اجمالی تعارف، ماہنامہ دارالعلوم، نومبر و دسمبر ۱۹۹۴ء
- دارالعلوم دیوبند: شاندار ماضی، تابناک حال اور روشن مستقبل، شعبۂ نشر و اشاعت، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۱۵ھ
- دارالعلوم دیوبند: خدمات، حالات، منصوبے، مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری، دفتر رابطۂ مدارس عربیہ، ۱۴۱۹ھ
- دارالعلوم دیوبند: تعارف، خدمات، منصوبے، مولانا شوکت علی صاحب قاسمی بستوی، دفتر رابطۂ مدارس عربیہ، ۱۴۲۵ھ
- قواعد داخلہ، دفتر تعلیمات، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۳۶ھ
- سالانہ روداد دارالعلوم دیوبند (۱۲۸۳ھ تا ۱۳۹۸ھ)، کتب خانہ دارالعلوم دیوبند
- کارروائی اجلاسہائے مجلس شوریٰ و مجلس عاملہ، (۱۳۹۴ھ تا ۱۴۳۲ھ) محافظ خانہ دارالعلوم دیوبند
- ماہنامہ الداعی (عربی) کی فائلیں (۱۳۹۶ھ تا ۱۴۳۶ھ)
- ماہنامہ دارالعلوم (اردو) کی فائلیں (۱۳۹۴ھ تا ۱۴۳۶ھ)، دفتر ماہنامہ دارالعلوم
- پندرہ روزہ آئینۂ دارالعلوم کی فائلیں (۱۴۰۶ھ تا ۱۴۳۰ھ) شیخ الہند اکیڈمی، دارالعلوم دیوبند
- احکام رمضان المبارک اور احوال دارالعلوم دیوبند، دفتر تنظیم و ترقی، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۳۷ھ

نوٹ: شخصیات کے سوانحی خاکے کی تیاری کے سلسلہ میں مزید دیگر کتابوں سے مدد لی گئی ہے جن کا نام متعلقہ شخصیت کے حالات کے بعد ذکر کر دیا گیا ہے۔

نقشۂ تطبیق سن ہجری وعیسوی

(۱۲۸۳ تا ۱۴۳۷ھ)

نمبر شمار	پہلی تاریخ	سن ہجری	=	عیسوی تاریخ	سن عیسوی	دن
۱	یکم محرم	۱۲۸۳	=	۱۶/ مئی	۱۸۶۶	چہار شنبہ
۲	یکم محرم	۱۲۸۴	=	۵/ مئی	۱۸۶۷	یکشنبہ
۳	یکم محرم	۱۲۸۵	=	۲۴/ اپریل	۱۸۶۸	جمعہ
۴	یکم محرم	۱۲۸۶	=	۱۳/ اپریل	۱۸۶۹	سہ شنبہ
۵	یکم محرم	۱۲۸۷	=	۱۲/ اپریل	۱۸۷۰	یکشنبہ
۶	یکم محرم	۱۲۸۸	=	۲۳/ مارچ	۱۸۷۱	پنجشنبہ
۷	یکم محرم	۱۲۸۹	=	۱۱/ مارچ	۱۸۷۲	دوشنبہ
۸	یکم محرم	۱۲۹۰	=	۱/ مارچ	۱۸۷۳	شنبہ
۹	یکم محرم	۱۲۹۱	=	۱۸/ فروری	۱۸۷۴	چہار شنبہ
۱۰	یکم محرم	۱۲۹۲	=	۷/ فروری	۱۸۷۵	یکشنبہ
۱۱	یکم محرم	۱۲۹۳	=	۲۸/ جنوری	۱۸۷۶	جمعہ
۱۲	یکم محرم	۱۲۹۴	=	۱۶/ جنوری	۱۸۷۷	سہ شنبہ
۱۳	یکم محرم	۱۲۹۵	=	۵/ جنوری	۱۸۷۸	شنبہ
۱۴	یکم محرم	۱۲۹۶	=	۲۶/ دسمبر	۱۸۷۸	پنجشنبہ
۱۵	یکم محرم	۱۲۹۷	=	۱۵/ دسمبر	۱۸۷۹	دوشنبہ
۱۶	یکم محرم	۱۲۹۸	=	۴/ دسمبر	۱۸۸۰	شنبہ
۱۷	یکم محرم	۱۲۹۹	=	۲۳/ نومبر	۱۸۸۱	چہار شنبہ
۱۸	یکم محرم	۱۳۰۰	=	۱۲/ نومبر	۱۸۸۲	یکشنبہ
۱۹	یکم محرم	۱۳۰۱	=	۲/ نومبر	۱۸۸۳	جمعہ
۲۰	یکم محرم	۱۳۰۲	=	۲۱/ اکتوبر	۱۸۸۴	سہ شنبہ
۲۱	یکم محرم	۱۳۰۳	=	۱۱/ اکتوبر	۱۸۸۵	یکشنبہ
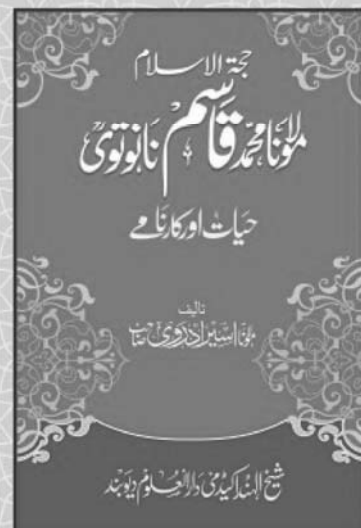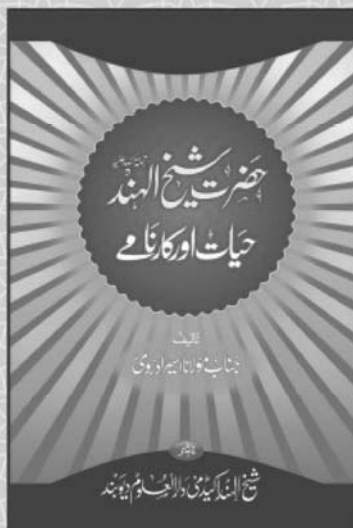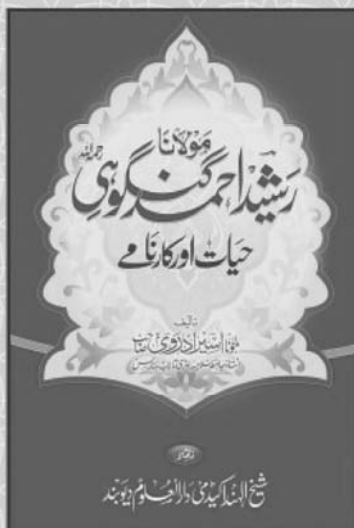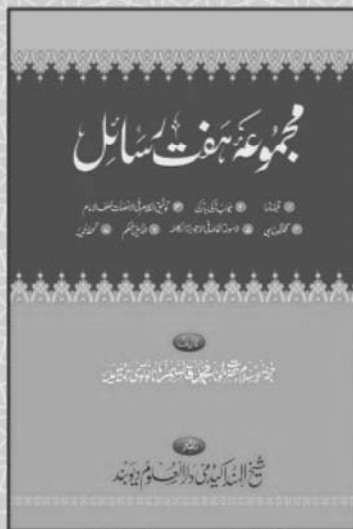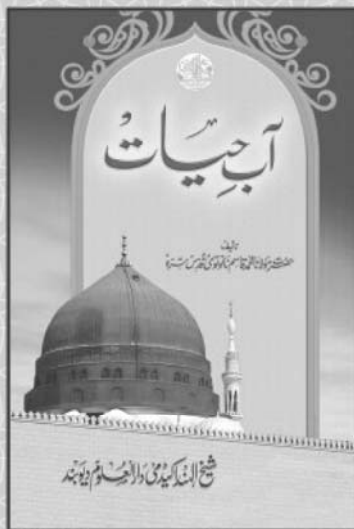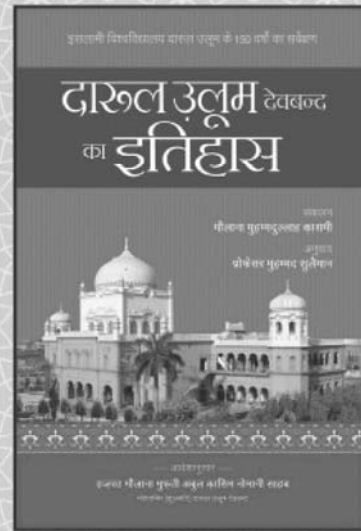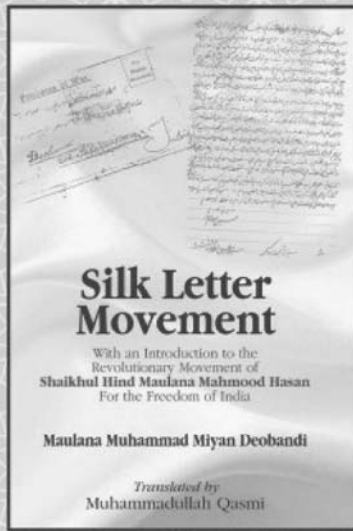
نمبر شمار	پہلی تاریخ	سن ہجری	=	عیسوی تاریخ	سن عیسوی	دن
۲۲	یکم محرم	۱۳۰۴	=	۳۰/ ستمبر	۱۸۸۶	پنجشنبہ
۲۳	یکم محرم	۱۳۰۵	=	۱۹/ ستمبر	۱۸۸۷	دوشنبہ
۲۴	یکم محرم	۱۳۰۶	=	۸/ ستمبر	۱۸۸۸	شنبہ
۲۵	یکم محرم	۱۳۰۷	=	۲۸/ اگست	۱۸۸۹	چہارشنبہ
۲۶	یکم محرم	۱۳۰۸	=	۱۶/ اگست	۱۸۹۰	دوشنبہ
۲۷	یکم محرم	۱۳۰۹	=	۵/ اگست	۱۸۹۱	جمعہ
۲۸	یکم محرم	۱۳۱۰	=	۲۶/ جولائی	۱۸۹۲	سہ شنبہ
۲۹	یکم محرم	۱۳۱۱	=	۱۶/ جولائی	۱۸۹۳	یکشنبہ
۳۰	یکم محرم	۱۳۱۲	=	۵/ جولائی	۱۸۹۴	پنجشنبہ
۳۱	یکم محرم	۱۳۱۳	=	۲۴/ جون	۱۸۹۵	دوشنبہ
۳۲	یکم محرم	۱۳۱۴	=	۱۳/ جون	۱۸۹۶	شنبہ
۳۳	یکم محرم	۱۳۱۵	=	۲/ جون	۱۸۹۷	چہارشنبہ
۳۴	یکم محرم	۱۳۱۶	=	۲۳/ مئی	۱۸۹۸	دوشنبہ
۳۵	یکم محرم	۱۳۱۷	=	۱۲/ مئی	۱۸۹۹	جمعہ
۳۶	یکم محرم	۱۳۱۸	=	۱/ مئی	۱۹۰۰	سہ شنبہ
۳۷	یکم محرم	۱۳۱۹	=	۲۱/ اپریل	۱۹۰۱	یکشنبہ
۳۸	یکم محرم	۱۳۲۰	=	۱۰/ اپریل	۱۹۰۲	پنجشنبہ
۳۹	یکم محرم	۱۳۲۱	=	۳۰/ مارچ	۱۹۰۳	دوشنبہ
۴۰	یکم محرم	۱۳۲۲	=	۱۹/ مارچ	۱۹۰۴	شنبہ
۴۱	یکم محرم	۱۳۲۳	=	۸/ مارچ	۱۹۰۵	چہارشنبہ
۴۲	یکم محرم	۱۳۲۴	=	۲۵/ فروری	۱۹۰۶	یکشنبہ
۴۳	یکم محرم	۱۳۲۵	=	۱۵/ فروری	۱۹۰۷	جمعہ
۴۴	یکم محرم	۱۳۲۶	=	۴/ فروری	۱۹۰۸	سہ شنبہ
۴۵	یکم محرم	۱۳۲۷	=	۲۴/ جنوری	۱۹۰۹	یکشنبہ
۴۶	یکم محرم	۱۳۲۸	=	۱۳/ جنوری	۱۹۱۰	پنجشنبہ
۴۷	یکم محرم	۱۳۲۹	=	۲/ جنوری	۱۹۱۱	دوشنبہ
۴۸	یکم محرم	۱۳۳۰	=	۲۳/ دسمبر	۱۹۱۱	شنبہ

نمبر شمار	پہلی تاریخ	سن ہجری	=	عیسوی تاریخ	سن عیسوی	دن
۴۹	یکم محرم	۱۳۳۱	=	۱۱/ دسمبر	۱۹۱۲	چہارشنبہ
۵۰	یکم محرم	۱۳۳۲	=	۳۰/ نومبر	۱۹۱۳	یکشنبہ
۵۱	یکم محرم	۱۳۳۳	=	۲۰/ نومبر	۱۹۱۴	جمعہ
۵۲	یکم محرم	۱۳۳۴	=	۹/ نومبر	۱۹۱۵	سہ شنبہ
۵۳	یکم محرم	۱۳۳۵	=	۲۸/ اکتوبر	۱۹۱۶	شنبہ
۵۴	یکم محرم	۱۳۳۶	=	۱۸/ اکتوبر	۱۹۱۷	پنجشنبہ
۵۵	یکم محرم	۱۳۳۷	=	۷/ اکتوبر	۱۹۱۸	دوشنبہ
۵۶	یکم محرم	۱۳۳۸	=	۲۷/ ستمبر	۱۹۱۹	شنبہ
۵۷	یکم محرم	۱۳۳۹	=	۱۵/ ستمبر	۱۹۲۰	چہارشنبہ
۵۸	یکم محرم	۱۳۴۰	=	۴/ ستمبر	۱۹۲۱	یکشنبہ
۵۹	یکم محرم	۱۳۴۱	=	۲۵/ اگست	۱۹۲۲	جمعہ
۶۰	یکم محرم	۱۳۴۲	=	۱۴/ اگست	۱۹۲۳	سہ شنبہ
۶۱	یکم محرم	۱۳۴۳	=	۲/ اگست	۱۹۲۴	شنبہ
۶۲	یکم محرم	۱۳۴۴	=	۲۳/ جولائی	۱۹۲۵	پنجشنبہ
۶۳	یکم محرم	۱۳۴۵	=	۱۲/ جولائی	۱۹۲۶	دوشنبہ
۶۴	یکم محرم	۱۳۴۶	=	۲/ جولائی	۱۹۲۷	شنبہ
۶۵	یکم محرم	۱۳۴۷	=	۲۰/ جون	۱۹۲۸	چہارشنبہ
۶۶	یکم محرم	۱۳۴۸	=	۹/ جون	۱۹۲۹	یکشنبہ
۶۷	یکم محرم	۱۳۴۹	=	۳۰/ مئی	۱۹۳۰	جمعہ
۶۸	یکم محرم	۱۳۵۰	=	۱۹/ مئی	۱۹۳۱	سہ شنبہ
۶۹	یکم محرم	۱۳۵۱	=	۷/ مئی	۱۹۳۲	شنبہ
۷۰	یکم محرم	۱۳۵۲	=	۲۷/ اپریل	۱۹۳۳	پنجشنبہ
۷۱	یکم محرم	۱۳۵۳	=	۱۶/ اپریل	۱۹۳۴	دوشنبہ
۷۲	یکم محرم	۱۳۵۴	=	۵/ اپریل	۱۹۳۵	جمعہ
۷۳	یکم محرم	۱۳۵۵	=	۲۵/ مارچ	۱۹۳۶	چہارشنبہ
۷۴	یکم محرم	۱۳۵۶	=	۱۴/ مارچ	۱۹۳۷	یکشنبہ
۷۵	یکم محرم	۱۳۵۷	=	۴/ مارچ	۱۹۳۸	جمعہ

نمبر شمار	پہلی تاریخ	سن ہجری	=	عیسوی تاریخ	سن عیسوی	دن
۷۶	یکم محرم	۱۳۵۸	=	۲۱/ فروری	۱۹۳۹	سہ شنبہ
۷۷	یکم محرم	۱۳۵۹	=	۱۰/ فروری	۱۹۴۰	شنبہ
۷۸	یکم محرم	۱۳۶۰	=	۳۰/ جنوری	۱۹۴۱	پنجشنبہ
۷۹	یکم محرم	۱۳۶۱	=	۱۹/ جنوری	۱۹۴۲	دوشنبہ
۸۰	یکم محرم	۱۳۶۲	=	۸/ جنوری	۱۹۴۳	جمعہ
۸۱	یکم محرم	۱۳۶۳	=	۲۹/ دسمبر	۱۹۴۳	چہارشنبہ
۸۲	یکم محرم	۱۳۶۴	=	۱۷/ دسمبر	۱۹۴۴	یکشنبہ
۸۳	یکم محرم	۱۳۶۵	=	۶/ دسمبر	۱۹۴۵	پنجشنبہ
۸۴	یکم محرم	۱۳۶۶	=	۲۶/ نومبر	۱۹۴۶	سہ شنبہ
۸۵	یکم محرم	۱۳۶۷	=	۱۵/ نومبر	۱۹۴۷	شنبہ
۸۶	یکم محرم	۱۳۶۸	=	۴/ نومبر	۱۹۴۸	پنجشنبہ
۸۷	یکم محرم	۱۳۶۹	=	۲۴/ اکتوبر	۱۹۴۹	دوشنبہ
۸۸	یکم محرم	۱۳۷۰	=	۱۳/ اکتوبر	۱۹۵۰	جمعہ
۸۹	یکم محرم	۱۳۷۱	=	۳/ اکتوبر	۱۹۵۱	چہارشنبہ
۹۰	یکم محرم	۱۳۷۲	=	۲۱/ ستمبر	۱۹۵۲	یکشنبہ
۹۱	یکم محرم	۱۳۷۳	=	۱۰/ ستمبر	۱۹۵۳	پنجشنبہ
۹۲	یکم محرم	۱۳۷۴	=	۳۱/ اگست	۱۹۵۴	سہ شنبہ
۹۳	یکم محرم	۱۳۷۵	=	۲۰/ اگست	۱۹۵۵	شنبہ
۹۴	یکم محرم	۱۳۷۶	=	۹/ اگست	۱۹۵۶	پنجشنبہ
۹۵	یکم محرم	۱۳۷۷	=	۲۹/ جولائی	۱۹۵۷	دوشنبہ
۹۶	یکم محرم	۱۳۷۸	=	۱۸/ جولائی	۱۹۵۸	جمعہ
۹۷	یکم محرم	۱۳۷۹	=	۸/ جولائی	۱۹۵۹	چہارشنبہ
۹۸	یکم محرم	۱۳۸۰	=	۲۶/ جون	۱۹۶۰	یکشنبہ
۹۹	یکم محرم	۱۳۸۱	=	۱۵/ جون	۱۹۶۱	پنجشنبہ
۱۰۰	یکم محرم	۱۳۸۲	=	۵/ جون	۱۹۶۲	سہ شنبہ
۱۰۱	یکم محرم	۱۳۸۳	=	۲۵/ مئی	۱۹۶۳	شنبہ
۱۰۲	یکم محرم	۱۳۸۴	=	۱۳/ مئی	۱۹۶۴	چہارشنبہ

نمبر شمار	پہلی تاریخ	سن ہجری	=	عیسوی تاریخ	سن عیسوی	دن
۱۰۳	یکم محرم	۱۳۸۵	=	۳/ مئی	۱۹۶۵	دوشنبہ
۱۰۴	یکم محرم	۱۳۸۶	=	۲۲/ اپریل	۱۹۶۶	جمعہ
۱۰۵	یکم محرم	۱۳۸۷	=	۱۲/ اپریل	۱۹۶۷	چہارشنبہ
۱۰۶	یکم محرم	۱۳۸۸	=	۳۱/ مارچ	۱۹۶۸	یکشنبہ
۱۰۷	یکم محرم	۱۳۸۹	=	۲۰/ مارچ	۱۹۶۹	پنجشنبہ
۱۰۸	یکم محرم	۱۳۹۰	=	۱۰/ مارچ	۱۹۷۰	سہ شنبہ
۱۰۹	یکم محرم	۱۳۹۱	=	۲۷/ فروری	۱۹۷۱	شنبہ
۱۱۰	یکم محرم	۱۳۹۲	=	۱۶/ فروری	۱۹۷۲	چہارشنبہ
۱۱۱	یکم محرم	۱۳۹۳	=	۵/ فروری	۱۹۷۳	دوشنبہ
۱۱۲	یکم محرم	۱۳۹۴	=	۲۵/ جنوری	۱۹۷۴	جمعہ
۱۱۳	یکم محرم	۱۳۹۵	=	۱۴/ جنوری	۱۹۷۵	سہ شنبہ
۱۱۴	یکم محرم	۱۳۹۶	=	۴/ جنوری	۱۹۷۶	یکشنبہ
۱۱۵	یکم محرم	۱۳۹۷	=	۲۳/ دسمبر	۱۹۷۶	پنجشنبہ
۱۱۶	یکم محرم	۱۳۹۸	=	۱۳/ دسمبر	۱۹۷۷	سہ شنبہ
۱۱۷	یکم محرم	۱۳۹۹	=	۲/ دسمبر	۱۹۷۸	شنبہ
۱۱۸	یکم محرم	۱۴۰۰	=	۲۱/ نومبر	۱۹۷۹	چہارشنبہ
۱۱۹	یکم محرم	۱۴۰۱	=	۱۰/ نومبر	۱۹۸۰	دوشنبہ
۱۲۰	یکم محرم	۱۴۰۲	=	۳۰/ اکتوبر	۱۹۸۱	جمعہ
۱۲۱	یکم محرم	۱۴۰۳	=	۱۹/ اکتوبر	۱۹۸۲	سہ شنبہ
۱۲۲	یکم محرم	۱۴۰۴	=	۹/ اکتوبر	۱۹۸۳	یکشنبہ
۱۲۳	یکم محرم	۱۴۰۵	=	۲۷/ ستمبر	۱۹۸۴	پنجشنبہ
۱۲۴	یکم محرم	۱۴۰۶	=	۱۷/ ستمبر	۱۹۸۵	سہ شنبہ
۱۲۵	یکم محرم	۱۴۰۷	=	۶/ ستمبر	۱۹۸۶	شنبہ
۱۲۶	یکم محرم	۱۴۰۸	=	۲۶/ اگست	۱۹۸۷	چہارشنبہ
۱۲۷	یکم محرم	۱۴۰۹	=	۱۵/ اگست	۱۹۸۸	دوشنبہ
۱۲۸	یکم محرم	۱۴۱۰	=	۴/ اگست	۱۹۸۹	جمعہ
۱۲۹	یکم محرم	۱۴۱۱	=	۲۴/ جولائی	۱۹۹۰	سہ شنبہ

نمبر شمار	پہلی تاریخ	سن ہجری	=	عیسوی تاریخ	سن عیسوی	دن
۱۳۰	یکم محرم	۱۴۱۲	=	۱۴/ جولائی	۱۹۹۱	یکشنبہ
۱۳۱	یکم محرم	۱۴۱۳	=	۲/ جولائی	۱۹۹۲	پنجشنبہ
۱۳۲	یکم محرم	۱۴۱۴	=	۲۱/ جون	۱۹۹۳	دوشنبہ
۱۳۳	یکم محرم	۱۴۱۵	=	۱۱/ جون	۱۹۹۴	شنبہ
۱۳۴	یکم محرم	۱۴۱۶	=	۳۱/ مئی	۱۹۹۵	چہارشنبہ
۱۳۵	یکم محرم	۱۴۱۷	=	۲۰/ مئی	۱۹۹۶	دوشنبہ
۱۳۶	یکم محرم	۱۴۱۸	=	۹/ مئی	۱۹۹۷	جمعہ
۱۳۷	یکم محرم	۱۴۱۹	=	۲۸/ اپریل	۱۹۹۸	سہ شنبہ
۱۳۸	یکم محرم	۱۴۲۰	=	۱۸/ اپریل	۱۹۹۹	یکشنبہ
۱۳۹	یکم محرم	۱۴۲۱	=	۶/ اپریل	۲۰۰۰	پنجشنبہ
۱۴۰	یکم محرم	۱۴۲۲	=	۲۶/ مارچ	۲۰۰۱	دوشنبہ
۱۴۱	یکم محرم	۱۴۲۳	=	۱۶/ مارچ	۲۰۰۲	شنبہ
۱۴۲	یکم محرم	۱۴۲۴	=	۵/ مارچ	۲۰۰۳	چہارشنبہ
۱۴۳	یکم محرم	۱۴۲۵	=	۲۲/ فروری	۲۰۰۴	یکشنبہ
۱۴۴	یکم محرم	۱۴۲۶	=	۱۱/ فروری	۲۰۰۵	جمعہ
۱۴۵	یکم محرم	۱۴۲۷	=	۳۱/ جنوری	۲۰۰۶	سہ شنبہ
۱۴۶	یکم محرم	۱۴۲۸	=	۲۱/ جنوری	۲۰۰۷	یکشنبہ
۱۴۷	یکم محرم	۱۴۲۹	=	۱۰/ جنوری	۲۰۰۸	پنجشنبہ
۱۴۸	یکم محرم	۱۴۳۰	=	۲۹/ دسمبر	۲۰۰۸	دوشنبہ
۱۴۹	یکم محرم	۱۴۳۱	=	۱۹/ دسمبر	۲۰۰۹	شنبہ
۱۵۰	یکم محرم	۱۴۳۲	=	۸/ دسمبر	۲۰۱۰	چہارشنبہ
۱۵۱	یکم محرم	۱۴۳۳	=	۲۷/ نومبر	۲۰۱۱	یکشنبہ
۱۵۲	یکم محرم	۱۴۳۴	=	۱۶/ نومبر	۲۰۱۲	جمعہ
۱۵۳	یکم محرم	۱۴۳۵	=	۶/ نومبر	۲۰۱۳	بدھ
۱۵۴	یکم محرم	۱۴۳۶	=	۲۶/ اکتوبر	۲۰۱۴	یکشنبہ
۱۵۵	یکم محرم	۱۴۳۷	=	۱۵/ اکتوبر	۲۰۱۵	سہ شنبہ

MAKTABA DARUL-ULOOM
DEOBAND-247554 (U.P.)INDIA